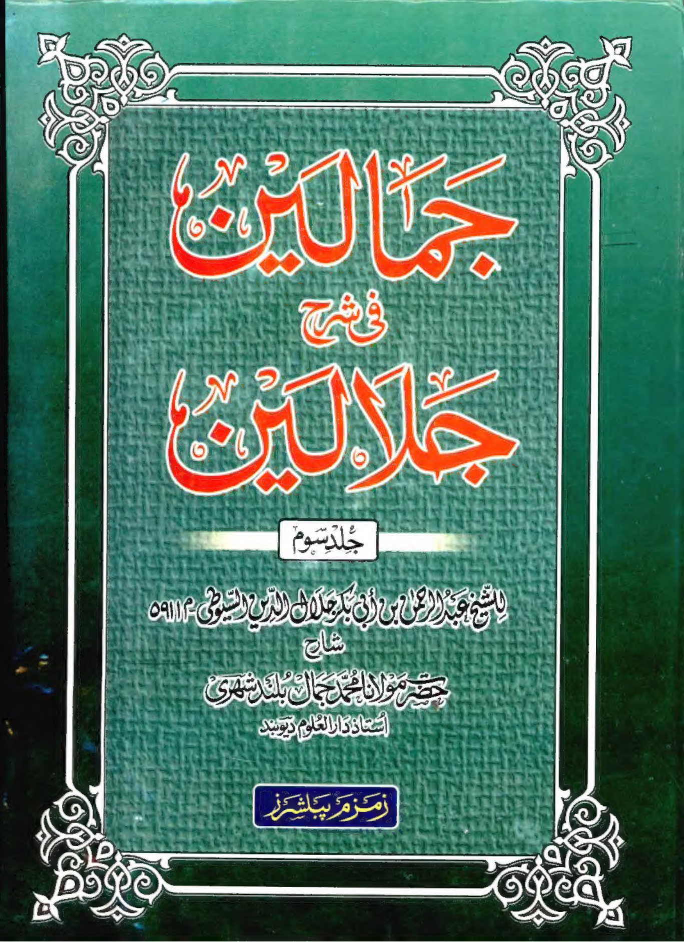


جمالین
فی شرح
جلالین
جلد سوم
للشیخ عبدالرحمن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی م ۹۱۱ھ
شارح
حضرت مولانا محمد جمال بلندشہری
اُستاذ دارالعلوم دیوبند
زمزم پبلشرز

جدید نظر ثانی شدہ ایڈیشن

جمالین

فی شرح

جلالین



للشیخ عبد الرحمٰن بن أبی بکر جلال الدین السیوطی ۹۱۱ھ

شارح

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

اُستاذ دارالعلوم دیوبند

ناشر

زمزم پبلشرز

نزد مقدس مسجد اُردو بازار کراچی

از

حضرت مولانا محمد جمال بلند شہری

کتاب کا نام ـــــــ جمالین فی شرح جلالین جلد سوم

تاریخ اشاعت ـــــــ فروری ۲۰۱۰ء

باہتمام ـــــــ احباب زمزم پبلشرز

ناشر ـــــــ زمزم پبلشرز کراچی

شاہ زیب سینٹر نزد مقدس مسجد، اُردو بازار کراچی

فون: 021-32760374

فیکس: 021-32725673

ای میل: zamzam01@cyber.net.pk

ویب سائٹ: zamzampublishers.com

ملنے کے دیگر پتے

- مکتبہ بیت العلم، اردو بازار کراچی۔ فون: 32726509
- دارالاشاعت، اُردو بازار کراچی
- قدیمی کتب خانہ بالمقابل آرام باغ کراچی
- مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار لاہور
- مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ
- مکتبہ علمیہ، علوم حقانیہ اکوڑہ خٹک

Madrassah Arabia Islamia
1 Azaad Avenue P.O Box 9786-1750
Azaadville South Africa
Tel : 00(27)114132786

Azhar Academy Ltd.
54-68 Little Ilford Lane
Manor Park London E12 5QA
Phone: 020-8911-9797

ISLAMIC BOOK CENTRE
119-121 Halliwell Road, Bolton Bl1 3NE
U.S.A
Tel/Fax : 01204-389080

AL FAROOQ INTERNATIONAL
68, Asfordby Street Leicester LE5-3QG
Tel : 0044-116-2537640

فہرست مضامین جلد سوم

فہرست مضامین

فہرست مضامین

فہرست مضامین

سُوْرَةُ يُوْسُفَ

فہرست مضامین

سُوْرَةُ الرَّعْدِ

فہرست مضامین

فہرست مضامین

سُوْرَةُ الْإِسْرَآءْ

فہرست مضامین

فہرست نقشہ جات

تمت

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسْعٌ وَعِشْرُوْنَ آيَةً وَسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّةٌ او اِلَّا الأيتين اخرها مائة وثلثون او اِلَّا اية.

سورۂ توبہ مدنی ہے مگر دو آیتیں یا ایک آیت جو کہ سورۂ توبہ کی آخری آیت ہے کل ایک سوتیس آیتیں ہیں۔

وضاحت: بعض نسخوں میں پہلا اَو نہیں ہے جیسا کہ جمل کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے، ازروئے تحقیق یہی قول راجح معلوم ہوتا ہے۔

مطلب: مطلب یہ ہے کہ پوری سورۂ توبہ مدنی ہے مگر علی اختلاف القولین سورت کی آخری دو آیتیں یا ایک آیت مکی ہے آخری دو آیتیں "لقد جاء کم رسو ل من انفسکم الخ ہیں" بعض حضرات نے الّا آیة کو مائة وثلثون سے مستثنیٰ قرار دیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کل ایک سوتیس آیتیں ہیں مگر ایک کم یعنی ایکسو انتیس آیتیں ہیں اس صورت میں ترکیب واضح ہیں چنانچہ ایک روایت ۱۲۹ کی بھی ہے۔

فائدہ: جن نسخوں میں پہلا او نہیں ہے اس صورت میں دو قول ہونگے ① پوری سورت مدنی ہے یا آخری دو آیتوں کے سوا پوری سورت مدنی ہے اور جن نسخوں میں او ہے اس کے اعتبار سے تین قول ہوں گے ② پوری سورت مدنی ③ پوری سورت مدنی مگر آخری دو آیتیں ④ پوری سورت مدنی مگر آخری ایک آیت، حالانکہ قول صرف دو ہی ہیں، معلوم ہوا کہ پہلا او سبقت قلم یا کتابت کی غلطی ہے۔

ترکیب: سورة التوبة بترکیب اضافی مبتداء، مدنیّة مستثنیٰ منہ الّاحرف استثناء، الآیتین ذوالحال، آخرَها بترکیب اضافی حال، حال ذوالحال سے مل کر معطوف علیہ، اَوْحرف عطف الّاحرف استثناء آیةً معطوف، معطوف اپنے معطوف علیہ سے مل کر مبتداء کی خبر اول، مائة و ثلثون ممیز آیة تمیز محذوف، ممیز اپنی تمیز سے مل کر مبتداء کی خبر ثانی، مبتداء اپنی دونوں خبروں سے مل کر جملہ اسمیہ خبریہ ہوا۔

ولم تُكْتَبُ فيها البسملةُ لانه صلى الله عليه وسلم لَمْ يَأمُرْ بذلك كما يُؤخَذُ من حديثٍ رَوَاهُ الحاكمُ واخرج في معناه عن على رضى الله تعالى عنه ان البسملةَ أَمَانٌ وهي نَزَلَتْ لِرَفْعِ الأَمْنِ بالسيفِ وعن

حديثه انكم تُسمُّونها سورةَ التوبةِ وهي سورةُ العذاب وروَى البخاري عن البراء انها اخرُ سورةٍ نزلت، هذه ﴿بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ﴾ واصلةٌ ﴿اِلَى الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝﴾ عهدًا مطلقًا اودُون اربعة اشهرٍ اوفوقها ونَقضُ العهدِ بما يُذكَرُ في قوله ﴿فَسِیْحُوْا﴾ سِيرُوا امِنِين ايها المشركون ﴿فِی الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ﴾ اولها شوالٌ بدليل ما سياتي ولا امان لكم بعدها ﴿وَّاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ۙ﴾ اي فائتِي عذابه ﴿وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِی الْكٰفِرِیْنَ ۝﴾ مُذِلُّهم في الدنيا بالقتل والاُخرى بالنار ﴿وَاَذَانٌ﴾ اِعلامٌ ﴿مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ یَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ﴾ يومَ النحرِ ﴿اَنَّ﴾ اي بانّ ﴿اللّٰهَ بَرِیْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۙ﴾ وعُهُودِهم ﴿وَرَسُوْلُهٗ ؕ﴾ بَرِيءٌ ايضًا وقد بَعث صلى الله عليه وسلم عليًّا من السنةِ وهي سنةُ تسعٍ فاذّنَ يومَ النّحرِ بمِنى بهذه الاياتِ وأن لا يَحُجَّ بعدَالعام مُشركٌ ولا يَطُوفَ بالبيت عُريانٌ، رَوَاهُ البخاري ﴿فَاِنْ تُبْتُمْ﴾ من الكفرِ ﴿فَهُوَ خَیْرٌ لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ﴾ عن الايمان ﴿فَاعْلَمُوْۤا اَنَّكُمْ غَیْرُ مُعْجِزِی اللّٰهِ ؕ وَبَشِّرِ﴾ اَخبر ﴿الَّذِیْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝﴾ مُؤلم وهو القتل والاَسرُ في الدنيا والنارُ في الاخرةِ ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ ثُمَّ لَمْ یَنْقُصُوْكُمْ شَیْـًٔا﴾ من شُرُوطِ العهدِ ﴿وَّلَمْ یُظَاهِرُوْا﴾ يُعاوِنُوا ﴿عَلَیْكُمْ اَحَدًا﴾ من الكفرِ ﴿فَاَتِمُّوْۤا اِلَیْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى﴾ انقضاءِ ﴿مُدَّتِهِمْ ؕ﴾ التي عاهَدتُّم عليها ﴿اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُتَّقِیْنَ ۝﴾ باِتمام العُهُودِ ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ﴾ خرَجَ ﴿الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ﴾ وهي اٰخِرُ مُدةِ التاجيل ﴿فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾ في حِلٍّ اوحَرمٍ ﴿وَخُذُوْهُمْ﴾ بالاَسرِ ﴿وَاحْصُرُوْهُمْ﴾ في القِلاعِ والحُصُونِ حتى يَضطَرُّوا الى القتل اوالاسلام ﴿وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ ۚ﴾ طريقٍ يَسْلُكُونَهُ ونَصبُ كُلّ على نزعِ الخافضِ ﴿فَاِنْ تَابُوْا﴾ من الكفرِ ﴿وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَهُمْ ؕ﴾ ولا تتعرّضُوا لهم ﴿اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝﴾ لمن تاب ﴿وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِیْنَ﴾ مرفوعٌ بفعلٍ يُفسِّرُهُ ﴿اسْتَجَارَكَ﴾ اِستَامَنَكَ من القتلِ ﴿فَاَجِرْهُ﴾ امِنه ﴿حَتّٰى یَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ﴾ القرانَ ﴿ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ؕ﴾ اي مَوضِعَ اَمنِه وهو دارُ قومِه ان لم يُؤمن لِيَنظُرَ في اَمرِه ﴿ذٰلِكَ﴾ المذكورُ ﴿بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا یَعْلَمُوْنَ ۝﴾ دينَ اللّٰهِ فلا بُدَّلهم من سَماعِ القرانِ لِيَعلَمُوا. ع

ترجمہ: اس سورت کے آغاز میں بسم اللہ نہیں لکھی گئی اسلئے کہ اس کا آنحضرت ﷺ نے حکم نہیں فرمایا جیسا کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے جس کو حاکم نے روایت کیا ہے، اور اسی کے ہم معنی حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا گیا ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور یہ سورت تلوار (جہاد) کے ذریعے رفع امن کے لئے نازل ہوئی ہے اور (حضرت) حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ تم اس سورت کو سورۂ توبہ کہتے ہو حالانکہ یہ سورۂ عذاب ہے اور (امام) بخاری نے (حضرت) براء رضی اللہ تعالیٰ عنہ (بن عازب) سے روایت کیا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو نازل ہوئی، یہ اللہ اور اسکے رسول کی جانب سے بیزاری کا اعلان ہے (جو کہ) ان مشرکوں کے متعلق ہے جن سے تم نے مطلق (یعنی غیر میعادی) یا چار ماہ سے کم وبیش کا عہد کیا ہوا اور (مشرکوں نے)

نقض عہد کیا ہو (اظہر بیزاری) اللہ تعالیٰ کے قول (فسیحوا الخ) میں مذکور ہے (یعنی) اے مشرکو! تم چار ماہ تک ملک میں امن کے ساتھ اور چل پھرلو، جس کی ابتداء شوال سے ہوگی آئندہ دلیل کی رو سے اور اس مدت کے بعد تمہارے لئے امن نہ ہوگا، یاد رکھو تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو یعنی اسکے عذاب سے بچ کر نہیں نکل سکتے اور یہ کہ اللہ تعالیٰ منکرین (حق) کو رسوا کرنے والا ہے (یعنی) ان کو دنیا میں قتل کے ذریعہ اور آخرت میں آگ کے ذریعہ ذلیل کرنے والا ہے اور اعلان عام ہے اللہ اور اسکے رسول کی جانب سے تمام لوگوں کے لئے حج اکبر (یعنی) قربانی کے دن بایں طور کہ اللہ تعالیٰ مشرکوں اور انکے معاہدوں سے بری ہے اور اسکا رسول بھی بری ہے اور آپ ﷺ نے اسی سال حضرت علی رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو (منٰی) بھیجا اور یہ (ہجرت کا) نواں سال تھا، چنانچہ حضرت علی رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے یوم نحر میں منٰی کے میدان میں ان آیات کا اعلان فرمایا، اور یہ کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا اور نہ کوئی بیت اللہ کا بحالت عریاں طواف کرے گا، (رواہ البخاری) پس اگر تم کفر سے توبہ کرلو، تو یہ تمہارے ہی لئے بہتر ہے اور اگر تم ایمان سے روگردانی کروگے تو یاد رکھو کہ تم اللہ کو عاجز کرنے والے نہیں ہو اور کافروں کو دردناک عذاب کی خبر دیدو اور وہ قتل وقید ہے دنیا میں اور آگ ہے آخرت میں بجز ان مشرکوں کے جن سے تم نے معاہدے کئے ہوں پھر انہوں نے تمہارے معاہدہ کی کسی شرط کو نہ توڑا ہو اور نہ تمہارے خلاف کسی کافر کی مدد کی ہو تو ایسے (لوگوں) کے ساتھ تم بھی ان سے کئے ہوئے معاہدہ کی مدت پوری ہونے تک وفا کرو اسلئے کہ اللہ تعالیٰ وفا کرنے والے متقیوں کو پسند کرتا ہے، پس جب (اشہر حرم) حرام مہینے گذر جائیں اور وہ معاہدہ کی آخری مدت ہے تو مشرکوں کو قتل کرو جہاں پاؤ حل میں یا حرم میں، اور ان کو قید کرلو اور ان کو قلعوں میں اور گڑھوں میں محصور کردو یہاں تک کہ قتال یا اسلام کے لئے مجبور ہوجائیں اور ان کی خبر لینے کے لئے ہر گھات میں تاک لگا کر بیٹھو (یعنی) انکی گذرگاہوں پر بیٹھو اور کُلَّ کا نصب حذف جار کی وجہ سے ہے پھر اگر وہ کفر سے توبہ کرلیں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو ان کا راستہ چھوڑ دو، اور ان سے تعرض نہ کرو بے شک اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والے کو معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور اگر مشرکوں میں سے کوئی تم سے پناہ چاہے (یعنی) قتل سے آپ سے پناہ چاہے تو اس کو قتل سے امن دیدو (اَحَدٌ) اس فعل (محذوف) کی وجہ سے مرفوع ہے جس کی تفسیر استجارك کر رہا ہے تاکہ وہ اللہ کا کلام قرآن سنے پھر اس کو اس کے مامن (یعنی) پناہ گاہ تک پہنچادو، یعنی اگر وہ ایمان نہ لائے تو اس کو اس کی امن کی جگہ پہنچادو، اور وہ اس کی قوم کا علاقہ ہے تاکہ وہ اپنے معاملہ میں غور کرسکے یہ مذکورہ بات اسلئے ضروری ہے کہ یہ لوگ پوری طرح باخبر نہیں ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: عن حذیفة، اس اضافہ کا مقصد حضرت علی رَضِّیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے قول کی تائید ہے۔

قَوْلُہٗ: هذه، اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ برآءة، هذه مبتدا محذوف کی خبر ہے اس سے رد ہوگیا ان حضرات کا جنھوں نے کہا ہے کہ برآءة مبتداء ہے اور الی الّذین عَاهَدْتم الخ، برآءة کی خبر ہے، اس لئے کہ براءة نکرہ

ہے جس کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

قولہ: واصلة مفسر علام نے واصلة محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ مِنَ اللّٰہ میں من ابتدائیہ ہے جو واصلة محذوف سے متعلق ہے تقدیر عبارت یہ ہے هذه براء ة واصلة الى الذين عاهدتم من اللّٰه ورسوله.

قولہ: فسيحوا الخ، یہاں قولوا محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے فقولو الهم سيحوا، سيحوا میں امر اجازت کے لئے ہے یعنی تم کو صرف چار ماہ تک امن کے ساتھ یہاں رہنے کی اجازت ہے۔

قولہ: بدليل مَاسَيَاتي یہاں امر اجازت واباحت کے لئے ہے اس کی دلیل آئندہ آنے والی آیت "فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ" ہے، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا قول "فسيحوا اربعه اشهر" شوال میں نازل ہوئی تھی اور اشهر حرم کا آخری مہینہ محرم ہے شوال کے شروع سے محرم کے آخر تک چار مہینے ہوتے ہیں۔

قولہ: يوم النحر.

سُوال: يوم الحج الاكبر کی تفسیر يوم النحر سے کیوں کی؟

جواب: عمرہ کو چونکہ حج اصغر کہتے ہیں حج کو عمرہ سے ممتاز کرنے کے لئے حج اکبر کی تفسیر يوم النحر سے کردی اسلئے کہ يوم النحر حج ہی میں ہوتا ہے نہ کہ عمرہ میں، حضرت علی رَضِحَاللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی روایت سے بھی جسکو ترمذی نے روایت کیا ہے یہی معلوم ہوتا ہے کہ حج اکبر سے مراد حج ہی ہے۔

قولہ: برئٌ ايضًا اس میں اشارہ ہے کہ رَسُوْلُه مبتداء ہے اور برئٌ اسکی خبر محذوف ہے لفظ ایضًا سے یہ فائدہ ہوگیا کہ رسوله کا عطف برئٌ کی ضمیر مستتر پر ہے نہ کہ اَنَّ کے اسم کے محل پر اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ انَّ کے اسم کے محل پر عطف ہے اور وہ با محذوفہ کے تحت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے حالانکہ وہ مرفوع ہے۔

قولہ: اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ، اس میں دو وجہ ہیں اول یہ کہ اَلَّا الذين الخ کو مستثنیٰ منقطع قرار دیا جائے اور الّا بمعنی لکن ہو اس صورت میں فالّذين مبتداء اور فاتمّوا اليهم الخ جملہ ہو کر مبتداء کی خبر ہوگی، دوسری صورت یہ ہے کہ الا الّذين الخ کو مستثنیٰ متصل قرار دیا جائے تو اس صورت میں بَرَاءَ ةٌ مِنَ اللّٰهِ وَرَسُولِه الى الذين عٰهدتم من المشركين، میں مذکور المشركين سے مستثنیٰ ہوگا، مگر اس صورت میں فصل بالاجنبی لازم آئیگا جو کہ ممنوع ہے، اگر المشركين میں الف لام کو عہد کا لے لیا جائے تو مشرکین خاص سے وہ مشرکین مراد ہوں گے جنہوں نے نقض عہد نہیں کیا۔

قولہ: وهي مدة التاجيل اس عبارت کے اضافہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ اشهر حرم سے معروف اشهر الحرم مراد نہیں ہیں، جو کہ رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم ہیں بلکہ اربعة اشهر سے وہ چار مہینے مراد ہیں جن میں مشرکین کو قیام کرنے کی اجازت دی گئی تھی، مطلب یہ کہ مذکورہ آیت کے نزول کے وقت سے جن چار ماہ تک مکہ میں قیام کرنے کی اجازت دی گئی تھی بایں طور کہ شوال سے لیکر آخر محرم تک مشرکین مکہ کو مکہ میں قیام کی اجازت ہے اس کے بعد اگر کوئی پایا جائیگا تو اس کو گرفتار

اور قتل کردیا جائیگا اشہر حرم سے یہی چار مہینے مراد ہیں۔

قَوْلَہٗ: مرفوع بفعل یفسرہ استجارك یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُوَال: اِنْ احدٌ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ میں اِنْ اسم پر داخل ہے حالانکہ اِن اسم پر داخل نہیں ہوتا۔

جَوَاب: یہاں اِنْ کے بعد استجارك فعل محذوف ہے اور اس کی تفسیر بعد والا استجارك کر رہا ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

اس سورت کے تیرہ نام منقول ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

① براءة ② المقشقشة ③ المبعثرة ④ المشردة ⑤ المخزية ⑥ الفاضحة ⑦ المثيرة ⑧ الحافرة ⑨ المدمدمة ⑩ سورة العذاب ⑪ المنكلة ⑫ البحوث ⑬ التوبة، ان تمام ناموں کے معنی تقریباً ایک ہی ہیں یعنی رسوا اور ذلیل کرنا، ان میں پہلا اور آخری نام زیادہ مشہور ہے، اسکا نام توبہ اس وجہ سے رکھا گیا ہے کہ اس میں اہل ایمان کی معافی کا ذکر ہے اور برآءة اس لئے نام رکھا گیا کہ اس کے آغاز ہی میں کفار و مشرکین سے برآءة کا اعلان ہے۔

سورۂ برآءة کی خصوصیت:

اس سورت کی خصوصیت یہ ہے کہ اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہیں لکھی جاتی اور نہ پڑھی جاتی ہے جبکہ قراءت کا سلسلہ پیچھے سے چلا آرہا ہو البتہ اگر سورۂ براءة ہی سے قراءت کی ابتداء کی جائے تو بسم اللہ پڑھی جائے گی، اس سورت کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھے جانے کی متعدد وجوہات مفسرین نے نقل کی ہیں مگر ان سب میں سے وہی صورت راجح ہے جس کو علامہ سیوطی نے اختیار کیا ہے، یعنی اس سورت کے شروع میں بسم اللّٰہ نازل نہیں ہوئی اس کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ نازل ہوئی ہے اور نہ آپ ﷺ نے سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ لکھنے کا حکم فرمایا، حضرت جبرئیل علیہ السلام جب کوئی آیت لے کر آتے تو بحکم خداوندی یہ بھی بتاتے کہ یہ آیت فلاں سورت میں فلاں آیت کے بعد رکھو اس سے معلوم ہوا کہ قرآنی آیات اور سورتوں کی ترتیب توقیفی ہے، جب بھی کوئی سورت نازل ہوتی تو اس کے ساتھ اس کے شروع میں بسم اللہ بھی نازل ہوتی مگر جب سورۂ توبہ نازل ہوئی تو اس کے ساتھ بسم اللہ نازل نہیں ہوئی اور نہ رسول اللہ ﷺ نے اس کے شروع میں بسم اللہ لکھنے کا حکم فرمایا۔

حضرت عثمان غنی رَضِحَالِلّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ نے جب اپنی خلافت کے زمانہ میں قرآن مجید کو کتابی صورت میں ترتیب دیا تو دیگر سورتوں

کے برخلاف سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ تھی اس لئے یہ شبہ ہوا کہ شاید مستقل سورت نہ ہو بلکہ کسی سورت کا جزء ہو مضامین کے اعتبار سے سورۂ انفال اس کے مناسب معلوم ہوئی اسی وجہ سے سورۂ توبہ کو سورۂ انفال کے آخر میں رکھا گیا، چونکہ سورۂ توبہ کے بارے میں دو احتمال تھے ایک یہ کہ اول سورت کا جزء ہو دوسرے یہ کہ مستقل سورت ہو دونوں احتمالوں کی رعایت اس طریقہ پر کی گئی کہ بسم اللہ تو نہ لکھی گئی مگر بسم اللہ کی جگہ خالی چھوڑ دی گئی اس ترکیب سے دونوں احتمالوں کی رعایت ہوگئی۔

حضرت علی رَضِیَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے سورۂ توبہ کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھنے کی جو یہ وجہ منقول ہے کہ بسم اللہ امان ہے اور سورۂ توبہ میں کفار کے امان اور عہد و پیمان کو ختم کرنے کا اعلان کیا گیا ہے لہٰذا مناسب یہی تھا کہ اس کے شروع میں بسم اللہ نہ لکھی جائے اور نہ پڑھی جائے، یہ محض ایک نکتہ اور لطیفہ تو ہو سکتا ہے مگر یہ علت نہیں ہے۔

اس سورت کے مضامین کو کما حقہ سمجھنے کے لئے ان چند واقعات کا سمجھ لینا ضروری ہے جن کا ذکر اس سورت میں آیا ہے، سورۂ توبہ میں چند غزوات اور ان کے متعلق احکام و مسائل کا بیان ہوا ہے مثلاً تمام قبائل عرب سے معاہدات کا ختم کر دینا، فتح مکہ، غزوۂ حنین، غزوۂ تبوک، ان واقعات میں فتح مکہ سب سے پہلے ۸ھ میں پھر غزوۂ حنین پھر اسی سال غزوۂ تبوک رجب ۹ھ میں پھر تمام قبائل عرب سے معاہدات ختم کرنے کا اعلان ذی الحجہ ۹ھ میں ہوا۔

معاہدات ختم کرنے کی تفصیل:

۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے عمرہ کا قصد فرمایا اور قریش مکہ نے آپ کو مکہ میں داخل نہ ہونے دیا اور مقام حدیبیہ میں ان سے صلح ہوئی اس صلح کی مدت دس سال تھی، قریش کے علاوہ دیگر قبائل بھی مکہ میں رہتے تھے، معاہدۂ صلح کی ایک دفعہ یہ بھی تھی کہ قریش کے علاوہ دوسرے قبائل میں سے جس کا جی چاہے وہ قریش کا حلیف اور ساتھی بن جائے اور جس کا جی چاہے وہ آنحضرت ﷺ کا حلیف ہو کر انکے ساتھ مل جائے، چنانچہ قبیلۂ خزاعہ نے آپ ﷺ کا حلیف بننا پسند کیا اور قبیلۂ بنی بکر قریش کا حلیف بنکر قریش کے ساتھ ہوگیا، اس معاہدہ کی رو سے یہ لازمی تھا کہ دس سال کے اندر نہ باہمی جنگ ہوگی اور نہ کسی حملہ آور کی کسی قسم کی مدد کی جائے گی اور جو قبیلہ جس کا حلیف ہے وہ بھی اس معاہدہ میں شریک سمجھا جائیگا اس پر حملہ کرنا یا حملہ آور کی مدد کرنا معاہدہ کی خلاف ورزی سمجھا جائیگا، یہ معاہدہ ۶ھ میں ہوا ۷ھ میں معاہدہ کے مطابق رسول اللہ ﷺ مع صحابہ کرام کے عمرہ کی قضا کے لئے مکہ تشریف لے گئے اور تین روز قیام فرما کر حسب معاہدہ واپس تشریف لے آئے، اس وقت تک کسی فریق کی جانب سے معاہدہ کی کسی قسم کی خلاف ورزی نہیں ہوئی، اس کے بعد پانچ یا چھ ماہ گذرے تھے کہ قبیلہ بنی بکر نے قبیلہ خزاعہ پر رات کے وقت شب خون مارا ان دونوں قبیلوں کے درمیان زمانہ جاہلیت سے اَن بَن چلی آرہی تھی اسکا سبب یہ ہوا کہ ایک مرتبہ مالک بن عباد حضرمی مال تجارت لے کر بنو خزاعہ کے علاقہ سے گذر رہا تھا کہ بنو خزاعہ کے لوگوں نے اس کو قتل کر دیا اور تمام مال و سامان لوٹ لیا، بنو بکر نے موقع پا کر حضرمی کے بدلے میں بنو خزاعہ کے ایک آدمی کو قتل کر ڈالا قبیلہ خزاعہ نے اپنے ایک آدمی کے بدلے میں بنو بکر کے تین سرداروں ذؤیب اور سلمی اور کلثوم کو میدان عرفات میں حدود حرم کے قریب قتل کر ڈالا۔

حدیبیہ میں ایک میعادی صلح ہو جانے کی وجہ سے فریقین ایک دوسرے سے مامون اور بے خوف ہو گئے بنوبکر نے اپنی دشمنی نکالنے کا موقع غنیمت سمجھا چنانچہ بنوبکر میں سے نوفل اور معاویہ نے اپنے مددگاروں کے ساتھ ملکر بنوخزاعہ پر شب خون مارارات کا وقت تھا خزاعہ کے لوگ پانی کے ایک چشمہ پر سوئے ہوئے تھے۔

قریش میں سے صفوان بن امیہ اور شیبہ بن عثمان وغیرہ نے پوشیدہ طور پر بنوبکر کی جانی اور مالی مدد کی۔ بنوخزاعہ نے بھاگ کر حرم میں پناہ لی مگران کو حرم میں بھی قتل کر دیا گیا قریش یہ سمجھے ہوئے تھے کہ دور کا معاملہ ہے اور رات کا وقت ہے رسول اللہ ﷺ کو اس کی اطلاع نہ ہوگی اگر چہ قریش کو اپنی حرکت پر بعد میں ندامت ہوئی اور عہد شکنی پر بہت پچھتائے۔

ادھر ہوا یہ کہ عمرو بن سالم خزاعی چالیس آدمیوں کا ایک وفد لے کر مدینہ منورہ بارگاہ نبوی میں حاضر ہوا، آنحضرت ﷺ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے، عمرو بن سالم نے آپ ﷺ کے روبرو کھڑے ہو کر اشعار میں دردبھرے انداز میں واقعہ کی پوری روداد سنائی آپ ﷺ نے غداری اور عہد شکنی کی روداد سنکر فرمایا "لا نُصِرتُ اِن لم انصرکم" اگر میں تمہاری مدد نہ کروں تو میری مدد نہ کی جائے۔

يَا رَبِّ إِنِّي نَاشِدٌ مُحَمَّدًا حِلْفَ اَبِيْنَا وَاَبِيْهِ الاتلدا

اے میرے پروردگار! میں محمد ﷺ کو اپنے باپ اور ان کے باپ (عبدالمطلب) کا قدیم عہد یاددلانے آیا ہوں،
زمانہ جاہلیت میں خزاعہ حضرت عبدالمطلب کے حلیف تھے مطلب یہ کہ ہمارا اور تمہارا تحالف کا رشتہ قدیم ہے،

إِنَّ قُرَيْشًا اَخْلَفُوْكَ الْمَوْعِدَا وَنَقَضُوْا مِيْثَاقَكَ الْمُؤَكَّدَا

بلاشبہ قریش نے آپ سے وعدہ خلافی کی اور آپ کے پختہ عہد و پیمان کو توڑ ڈالا۔

هُمْ بَيَّتُوْنَا بِالْوَتِيْرِ هُجَّدًا وَقَتَلُوْنَا رُكَّعًا وَسُجَّدًا

ان لوگوں نے چشمہ وتیرہ پر سوتے ہوئے ہم پر شب خون مارا اور رکوع اور سجدہ کی حالت میں ہم کو قتل کر دیا۔

آنحضرت ﷺ نے قریش کی عہد شکنی کی خبر پا کر قریش کے خلاف جنگ کی خفیہ تیاری شروع کر دی قریش کو بدر، احد اور احزاب کے معرکوں میں مسلمانوں کی غیبی امداد اور تہور و شجاعت کا اندازہ ہو کر اپنی قوت و طاقت کا نشہ اتر چکا تھا جس کی وجہ سے اپنی غلطی کا شدید احساس ہو رہا تھا، مجبور ہو کر ابوسفیان کو مدینہ بھیجا کہ وہ خود جا کر حالات کا اندازہ لگائیں اگر حالات بگڑے ہوئے دیکھیں تو عذر معذرت کر کے آئندہ کے لئے معاہدہ کی تجدید کر لیں، ابوسفیان نے مدینہ پہنچ کر ناگفتہ حالات دیکھے تو تجدید معاہدہ کی درخواست کی اور اکابر صحابہ سے سفارش کرنے کے لئے کہا مگر سب نے سابقہ اور لاحقہ حالات کی وجہ سے انکار کر دیا اور ابوسفیان ناکام واپس چلا گیا جس کی وجہ سے قریش پر خوف وہراس طاری ہو گیا۔

تفسیر ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کے مطابق آیت کی تفسیر یہ ہے کہ اللہ پاک نے ان

لوگوں کے ساتھ چار مہینے کی مدت مقرر کردی تھی جن لوگوں نے رسول ﷺ سے معاہدہ کیا تھا جیسے قبیلۂ خزاعہ اور قبیلۂ مدلج اور بنو ضمرہ اور جن لوگوں سے کوئی معاہدہ نہیں تھا ان لوگوں سے پچاس راتوں کی حد مقرر فرمائی یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو یہ حکم دیا کہ جن کفار سے تمہارا معاہدہ نہیں ہے ان سے دسویں ذی الحجہ سے لیکر آخر محرم تک نہ لڑو، اگر یہ لوگ اسلام قبول کریں تو بہتر ہے ورنہ ان کے ساتھ قتال کرو اور جن کافروں سے معاہدہ ہے ان کا حکم یہ ہے کہ دسویں ذی الحجہ سے ربیع الآخر کی دسویں تاریخ تک قتال نہ کرو اس مدت میں اگر یہ لوگ مسلمان ہو جائیں تو فبہا ورنہ ان سے جہاد کرو جمہور کے قول کے مطابق ۶ھ میں حج فرض ہوا لیکن فتح مکہ سے پہلے تو آنحضرت ﷺ نے اس وجہ سے حج نہیں کیا کہ بیت اللہ اور صفا مروہ پر بت رکھے ہوئے تھے۔

فَائِدَۃ: اس مقام پر یہ جان لینا فائدہ سے خالی نہیں کہ فتح مکہ کے بعد دور اسلامی کا پہلا حج ۸ھ میں قدیم طریقہ پر ہوا پھر ۹ھ میں دوسرا حج مسلمانوں نے اپنے طریقہ پر کیا اسکے بعد تیسرا حج ۱۰ھ میں ہوا اور یہی وہ مشہور حج ہے جسے حجۃ الوداع کہتے ہیں آپ ﷺ پہلے دو حجوں میں تشریف نہیں لے گئے تیسرے حج میں جبکہ جزیرۃ العرب سے کفر کا مکمل استیصال ہو گیا تب آپ ﷺ نے حضرت ابو بکر صدیق رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو امیر الحج بنا کر بھیجا اس دوران مذکورہ آیات نازل ہوئیں، اور ابو بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے پیچھے حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو سورۂ براءۃ کی دس آیتیں دیکر روانہ فرمایا کہ مشرکین کو جا کر یہ آیتیں سنا دیں اور یہ بھی اعلان کر دیں کہ ۱۰ھ سے کوئی مشرک یا ننگا شخص طواف نہ کر سکے گا۔

اعلان براءۃ کا مقصد:

اس اعلان براءت سے عرب میں شرک اور مشرکوں کا وجود گویا عملاً خلاف قانون قرار دیدیا گیا، اور ان کے لئے پورے ملک میں کوئی جائے پناہ نہ رہی، یہ لوگ تو اس بات کے منتظر تھے کہ روم اور فارس کی طرف سے اسلامی سلطنت کو جب کوئی خطرہ ہو یا نبی (ﷺ) وفات پا جائیں تو یکا یک نقض عہد کر کے خانہ جنگی برپا کر دیں، لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ان کی ساعت منتظر آنے سے پہلے ہی بساط ان پر الٹ دی اور اعلان براءت کر کے ان کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ باقی نہ چھوڑا کہ یا تو لڑنے پر تیار ہو جائیں اور اس اسلامی طاقت سے ٹکرا کر صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں یا ملک چھوڑ کر نکل جائیں یا پھر اسلام قبول کر کے اپنے آپ کو امن کی آغوش میں دیکر اسلامی نظم وضبط کے تابع ہو جائیں۔

فتح مکہ کے وقت مشرکین کی چار قسمیں اور ان کے احکام:

اس وقت مکہ پر مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا اور "لا تثریب علیکم الیوم" کہہ کر مکہ میں رہنے والے تمام مشرکوں کو جان و مال کا امان دیدیا گیا تھا، اس وقت مشرکین مکہ کے مختلف حالات تھے۔

پہلی قسم:

ایک قسم تو وہ تھی جن سے حدیبیہ میں صلح کا معاہدہ ہوا اور انہوں نے خود اس کو توڑ دیا اور وہی فتح مکہ کا سبب بنا۔

دوسری قسم:

کچھ ایسے لوگ بھی تھے جن سے معاہدۂ صلح ایک خاص مدت کے لئے کیا گیا تھا، اور وہ اس معاہدہ پر قائم رہے جیسے بنی کنانہ کے دو قبیلے بنی ضمرہ اور بنی مدلج ان قبیلوں سے ایک خاص مدت کیلئے معاہدۂ صلح ہوا تھا اور سورۂ برآءت نازل ہونے کے وقت بقول خازن ان کی میعادِ صلح کے نو مہینے باقی تھے۔

تیسری قسم:

کچھ لوگ ایسے بھی تھے جن سے معاہدۂ صلح غیر میعادی ہوا تھا۔

چوتھی قسم:

چوتھے وہ لوگ تھے جن سے کسی قسم کا معاہدہ نہ تھا۔

پہلی قسم کا حکم:

پہلی قسم جو قریش مکہ کی تھی جنہوں نے معاہدۂ صلح حدیبیہ کو خود توڑ دیا اب یہ مزید مہلت کے مستحق نہ تھے، مگر چونکہ یہ زمانہ اشہر حرم کا تھا جن میں جنگ و قتال من جانب اللہ ممنوع تھا اس لئے ان کے متعلق وہ حکم آیا جو سورۂ توبہ کی پانچویں آیت میں مذکور ہے "فاذا انسلخ الاشھر الحرم فاقتلوا المشرکین الآیۃ" اگرچہ مشرکین مکہ نے عہد شکنی کر کے اپنا کوئی حق باقی نہیں چھوڑا تھا مگر اشہر حرم کا احترام بہرحال ضروری تھا، اسلئے اشہر حرم ختم ہوتے ہی وہ یا تو جزیرۃ العرب سے نکل جائیں یا مسلمان ہو جائیں ورنہ ان سے جنگ کی جائے گی۔

دوسری قسم کا حکم:

دوسری قسم ان لوگوں کی تھی جن سے کسی خاص مدت کے لئے معاہدہ کیا گیا تھا اور وہ اس پر کاربند رہے ان کا حکم سورۂ توبہ کی چوتھی آیت میں یہ آیا ہے اِلَّا الَّذِیْنَ عاھدتم من المشرکین ثم لم ینقصو کم الآیۃ یعنی وہ مشرک لوگ جن سے تم نے معاہدۂ صلح کر لیا پھر انہوں نے معاہدہ پر قائم رہنے میں کوئی کمی نہیں کی، اور نہ تمہارے مقابلہ میں تمہارے کسی دشمن کی مدد کی تو تم

ان کے معاہدہ کو اس کی مدت تک پورا کرو یہ حکم بنوضمرہ اور بنومدلج کا تھا، جس کی رو سے ان کو نو ماہ کی مہلت مل گئی۔

تیسری اور چوتھی جماعت کا حکم:

ان دونوں جماعتوں کا ایک ہی حکم نازل ہوا، جو سورۂ توبہ کی پہلی اور دوسری آیت میں مذکور ہے، **براءة من الله ورسوله الی الذین عاهدتم من المشرکین، فسیحوا فی الارض اربعة اشهر الخ**، یعنی اعلان دست برداری کے بعد تم کو صرف چار ماہ جزیرۃ العرب میں قیام کی اجازت ہے اس کے بعد یا تو تم اپنا ٹھکانہ اور کہیں تلاش کرلو یا اسلام کی پناہ میں آجاؤ بصورت دیگر جنگ کے لئے تیار ہوجاؤ، خوب سمجھ لو تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے۔

خلاصہ: خلاصہ یہ کہ پہلی اور دوسری آیت کی رو سے ان لوگوں کو جن سے غیر میعادی معاہدہ تھا یا جن کے ساتھ سرے سے کوئی معاہدہ ہی نہ تھا چار ماہ کی مہلت مل گئی، اور چوتھی آیت کی رو سے ان لوگوں کو جن کے ساتھ کسی قسم کا میعادی معاہدہ تھا تا اختتام مدتِ معاہدہ مہلت مل گئی، اور پانچویں آیت کی رو سے مشرکین مکہ کو اشہر حرم ختم ہونے تک مہلت مل گئی۔

مذکورہ پانچ آیات سے متعلق چند مسائل وفوائد:

فائدہ: ❶ یہ کہ فتح مکہ کے بعد آپ ﷺ نے قریش مکہ اور دوسرے دشمن قبائل کے ساتھ جو عفو و درگذر اور رحم و کرم کا معاملہ فرمایا اس نے مسلمانوں کو عملی طور پر یہ درس دیا کہ جب تمہارا کوئی دشمن تمہارے قابو میں آئے اور تمہارے سامنے عاجز ہوجائے تو اس سے گذشتہ عداوتوں اور ایذاؤں کا انتقام نہ لو بلکہ عفو و کرم سے کام لے کر اسلامی اخلاق کا ثبوت دو۔

فائدہ: ❷ یہ کہ دشمن پر قابو پانے کے بعد اپنے غصہ کے جذبات کو دبا دینا اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کی لڑائی اپنے نفس کے لئے نہیں بلکہ محض اللہ کے لئے تھی اور یہی وہ اعلیٰ مقصد ہے جو اسلامی جہاد اور عام بادشاہوں کی جنگ میں امتیاز اور فساد و جہاد میں فرق کرتا ہے۔

فائدہ: ❸ یہ ہے کہ دشمن جب مقہور و مغلوب ہوجانے کے بعد ان اخلاق فاضلہ کا مشاہدہ کرے گا تو شرافت کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کو اسلام اور مسلمانوں سے محبت پیدا ہوگی جو اس کیلئے کلید کامیابی ہے۔

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ، (الآیة) حرمت والے مہینوں سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے ایک رائے تو وہی ہے کہ اس سے معروف حرمت والے چار مہینے مراد ہیں یعنی رجب، ذوالقعدہ، ذوالحجہ اور محرم۔ امام ابن کثیر نے کہا ہے کہ یہاں **اشهر حرم** سے مراد وہ حرمت والے مہینے نہیں ہیں بلکہ ۱۰ ذی الحجہ سے ۱۰ ربیع الثانی تک کے چار مہینے مراد ہیں انہیں اشہر حرم اسلئے کہا گیا ہے کہ اعلان براءۃ کی رو سے ان چار مہینوں میں ان مشرکین سے لڑنے اور ان کے خلاف اقدام کی کسی کو اجازت نہیں تھی، اعلان براءت کی رو سے یہ تاویل زیادہ مناسب ہے۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ، اس آیت میں مذکورہ حربی کافروں کے بارے میں ایک رخصت دی گئی

ہے کہ اگر کوئی کافر پناہ طلب کرے تو اسے پناہ دیدو یعنی اس کو امان میں رکھو تا کہ کوئی مسلمان اس کو قتل نہ کر سکے، اور اس کو قرآن سننے اور اسلام کو سمجھنے کا موقع ملے ممکن ہے کہ اس طرح اسے توبہ اور قبول اسلام کی توفیق مل جائے لیکن اگر وہ کلام اللہ سننے کے باوجود مسلمان نہیں ہوتا تو اسے اسکی جائے پناہ تک پہنچا دو۔

مَسْئَلَۃٌ: وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ، مخصوص یہی دو عمل مراد نہیں ہیں یہ دونوں عمل بطور نمونہ کے ہیں، مراد یہ ہے کہ مسلمانوں کے ساتھ کام کرنے لگیں، فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ قتل سے بچنے کے لئے واقعۃً نماز پڑھنا اور زکوۃ دینا ضروری نہیں ہے صرف ان اعمال کے وجوب کا اعتقاد رکھنا ہے اسلئے کہ نماز کا وجوب اپنے وقت پر ہوتا ہے اور زکوۃ مالک نصاب پر سال گذرنے کے بعد واجب ہوتی ہے۔

مَسْئَلَۃٌ: فقہاء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ جزیہ نہ لینا کفار عرب کے ساتھ مخصوص تھا اس لئے یہ عدم اَخذ وحصر اور تخلیۂ سبیل کا حکم ان ہی کے ساتھ مخصوص رہے گا، باقی عام کفر و مشرکین کے لئے گرفتار ہونے کے بعد غلامی میں آجانے کا مسئلہ اپنی جگہ ثابت اور مسلّم ہے۔

كَيْفَ اى لا **يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعِنْدَ رَسُوْلِهٖٓ** وہم كافرون بہما غادرين **اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ** يوم الحُديبية وہم قريش المُستثنَون من قبلُ **فَمَا اسْتَقَامُوْا لَكُمْ** اقاموا على العہد ولم ينقضوه **فَاسْتَقِيْمُوْا لَهُمْ** على الوفاء به وما شرطية **اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ** ۝ وقد استقامَ صلى الله عليه وسلم على عہدہم حتى نقضوا باعانة بنى بكرٍ على خُزاعة **كَيْفَ** يكونُ لهم عهدٌ **وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ** يظفروا بكم **لَا يَرْقُبُوْا** يُراعوا **فِيْكُمْ اِلًّا** قرابةً **وَّلَا ذِمَّةً** عهدًا بل يؤذوكم ما استطاعوا وجملة الشرط حالٌ **يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ** بكلامہم الحسن **وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ** الوفاء به **وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ** ۝ ناقضون للعهد **اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** القران **ثَمَنًا قَلِيْلًا** من الدنيا اى تركوا اتباعها للشهوات والهوى **فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ** دينه **اِنَّهُمْ سَآءَ** بئسَ **مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ۝ عملهم هذا **لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ** ۝ **فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ** اى فهم اِخوانكم **فِى الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ** نبيّنُ **الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ** ۝ يتدبرون **وَاِنْ نَّكَثُوْٓا** نقضوا **اَيْمَانَهُمْ** مواثيقهم **مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ وَطَعَنُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ** عابوه **فَقَاتِلُوْٓا اَئِمَّةَ الْكُفْرِ** رؤساءه، فيه وضعُ الظاهر موضع المضمر **اِنَّهُمْ لَآ اَيْمَانَ** عهود **لَهُمْ** وفى قراءةٍ بالكسر **لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُوْنَ** ۝ عن الكفر **اَلَا** للتحضيض **تُقَاتِلُوْنَ قَوْمًا نَّكَثُوْٓا** نقضوا **اَيْمَانَهُمْ** عهودهم **وَهَمُّوْا بِاِخْرَاجِ الرَّسُوْلِ** من مكة لما تشاوروا فيه بدار الندوة **وَهُمْ بَدَءُوْكُمْ** بالقتال **اَوَّلَ مَرَّةٍ** حيثُ قاتلوا خزاعة حلفاءكم مع بنى بكرٍ فما يمنعكم أن تقاتلوهم **اَتَخْشَوْنَهُمْ** اتخافونهم **فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ** فى ترك قتالهم **اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ** ۝

قَاتِلُوْهُمْ يُعَذِّبْهُمُ اللّٰهُ بقتلهم بِاَيْدِيْكُمْ وَيُخْزِهِمْ يُذِلُّهم بالاسر والقهر وَيَنْصُرْكُمْ عَلَيْهِمْ وَيَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۴﴾ هم ما فُعِلَ بهم هم بنو خزاعة وَيُذْهِبْ غَيْظَ قُلُوْبِهِمْ كربها وَيَتُوْبُ اللّٰهُ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ بالرجوع الى الاسلام كابي سفيان وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۱۵﴾ اَمْ بمعنى همزة الانكار حَسِبْتُمْ اَنْ تُتْرَكُوْا وَلَمَّا لم يَعْلَمِ اللّٰهُ علم ظهور الَّذِيْنَ جَاهَدُوْا مِنْكُمْ بالاخلاص وَلَمْ يَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلَا رَسُوْلِهٖ وَلَا الْمُؤْمِنِيْنَ وَلِيْجَةً بطانة واولياء المعنى ولم يَظْهَر المخلصون وهم الموصوفون بما ذُكِرَ من غيرهم وَاللّٰهُ خَبِيْرٌ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾

ترجمہ: مشرکوں کے لئے اللہ اور اس کے رسول کے نزدیک کوئی عہد کیسے ہو سکتا ہے؟ یعنی نہیں ہو سکتا، مراد وہ مشرکین ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ (عہد شکنی کرکے) غداری کی، البتہ جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام (حرم) کے قریب حدیبیہ کے مقام پر معاہدہ کیا اور وہ قریش ہیں جن کا ماقبل میں استثناء ہو چکا ہے، تو جب تک وہ تمہارے ساتھ عہد پر قائم رہیں اور معاہدہ کو نہ توڑیں، تو تم بھی ان کے ساتھ وفاء عہد پر قائم رہو، اور ما شرطیہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ متقیوں سے محبت رکھتا ہے، اور رسول ان کے ساتھ عہد پر قائم رہے یہاں تک کہ قریش نے خزاعہ کے خلاف بنی بکر کی مدد کر کے عہد کو توڑ دیا ان مشرکوں کے ساتھ عہد کیسے باقی رہ سکتا ہے جبکہ ان کا حال یہ ہے کہ اگر وہ تمہارے اوپر غلبہ حاصل کرلیں (یعنی) فتح مند ہو جائیں تو نہ تمہاری قرابت داری کا لحاظ کریں اور نہ عہد کا، بلکہ حتی المقدور تم کو ایذاء پہنچائیں اور جملہ شرطیہ حال ہے وہ اپنی باتوں سے یعنی (زبانی) خوش کن باتوں سے تم کو خوش کرنے کی کوشش کرتے ہیں، حالانکہ ان کے دل وفاء عہد سے انکار کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر نقض عہد کرکے حد سے تجاوز کرنے والے ہیں ان لوگوں نے اللہ کی آیات کے بدلے دنیا کی حقیر قیمت قبول کرلی ہے یعنی آیات کی اتباع کو شہوتوں اور خواہشوں کے بدلے ترک کر دیا ہے، پھر اللہ کے راستہ یعنی دین کے راستہ میں سد راہ بن کر کھڑے ہو گئے ہیں، بہت برے کرتوت ہیں جو یہ کرتے رہے ہیں یعنی انکے یہ اعمال، کسی مؤمن کے معاملہ میں نہ یہ قرابتداری کا لحاظ کرتے ہیں اور نہ (عہد کی) ذمہ داری کا، یہ ہیں ہی زیادتی کرنے والے پس اگر یہ توبہ کریں اور نماز قائم کریں اور زکوۃ ادا کریں تو تمہارے دینی بھائی ہیں اور جاننے والوں (یعنی) غور وفکر کرنے والوں کے لئے ہم احکام واضح کر دیتے ہیں، اور اگر وہ عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں (عہدوں) کو توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی (عیب جوئی) کریں تو تم ان کفر کے پیشواؤں سے قتال کرو اس میں اسم ضمیر کے بجائے اسم ظاہر لایا گیا ہے، (یعنی قاتلوهم کے بجائے قاتلوا أئمة الكفر کہا گیا ہے) اس لئے کہ ان کی قسموں (معاہدوں) کا کوئی اعتبار نہیں اور ایک قراءت میں ایمان کسرہ کے ساتھ ہے، (یعنی ان کے ایمان کا کوئی اعتبار نہیں) ممکن ہے کہ وہ اس طرح کفر سے باز آجائیں، کیا تم ایسے لوگوں سے نہ لڑو گے کہ جنہوں نے اپنے عہد توڑ دیئے اور رسول کو مکہ سے نکال دینے کا قصد کیا، جبکہ انہوں نے دار الندوہ میں اسی سلسلہ میں مشورہ کیا، اور ان ہی نے اول مرتبہ تم پر قتال کی ابتداء کی، اس طریقہ پر کہ خزاعہ سے جو کہ تمہارے حلیف تھے بنی بکر کے ساتھ

مل کر قتل کیں، پس تمہارے لئے کیا چیز مانع ہے کہ تم ان سے قتل نہ کرو کیا تم ان سے ڈرتے ہو؟ یعنی خوف کھاتے ہو اگر تم مومن ہو تو اللہ اس کا زیادہ مستحق ہے کہ تم ان سے ترک قتل کے بارے میں اس سے ڈرو تم ان سے لڑو اللہ تمہارے ہاتھوں قتل کرا کے ان کو سزا دے گا اور قید و غلبہ کے ذریعہ ان کو رسوا کرے گا اور ان کے مقابلہ میں تمہاری مدد کرے گا، اور جو کچھ ان کے ساتھ کیا جائیگا اس کے ذریعہ بہت سے مومنوں کے دلوں کو ٹھنڈا کر دیگا اور وہ بنو خزاعہ ہیں اور ان کے قلوب کی بے چینی کو دور کر دے گا، اور اللہ جسے چاہے گا اسلام کی طرف مائل کر کے توبہ کی توفیق دیگا، جیسا کہ ابوسفیان کو اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے کیا تم لوگوں نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ تم یوں ہی چھوڑ دیئے جاؤ گے؟ اَمْ ہمزہ استفہام انکاری کے معنی میں ہے حالانکہ اللہ نے ابھی یہ ظاہر کیا ہی نہیں کہ تم میں سے وہ کون لوگ ہیں جنہوں نے اخلاص کے ساتھ جہاد کیا؟ (اور کس نے) اللہ اور اسکے رسول ﷺ اور مومنوں کے سوا کسی کو راز دار جگری دوست نہیں بنایا، مطلب یہ کہ مخلصوں کو غیر مخلصوں سے ابھی ممتاز نہیں کیا، اور مخلصین وہ ہیں جو مذکورہ صفات سے متصف ہیں اور اللہ تمہارے کاموں سے بخوبی واقف ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: ای لا اس میں اشارہ ہے کہ کَیْفَ استفہام تعجبی بمعنی نفی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کے بعد اِلّا سے استثناء درست ہے کَیْفَ، یکون کی خبر مقدم ہے اور عھدٌ اسم مؤخر ہے کَیْفَ کو صدارت کلام کا مقتضی ہونے کی وجہ سے مقدم کر دیا گیا ہے للمشرکین ثابتًا یا باقیًا کے متعلق ہو کر عھدٌ کا حال مقدم ہے اور اگر للمشرکین عھد سے مؤخر ہوتا تو اس کی صفت ہوتا، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یکونُ، تامہ ہو اور کَیْفَ حال ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہو۔

قَوْلَہٗ: ماشرطیة ما شرطیہ ہے نہ کہ موصولہ اور فاسْتَقَامُوْا لھُمْ، جزاء ہے۔

قَوْلَہٗ: کیفَ، کیفَ کے بعد یکون فعل محذوف ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے ماقبل کے قرینہ کی وجہ سے فعل کو حذف کر دیا گیا ہے۔

سُوَال: کیفَ کو مکرر کیوں لائے ہیں؟

جَوَاب: مشرکین کے عہد پر قائم رہنے کے استبعاد کو ظاہر کرنے کے لئے اور عدم ثبات کی علت کو بیان کرنے کے لئے، اور علت، وَاِنْ یَظْھَرُوْا ہے۔

قَوْلَہٗ: اِلًّا، اِلٌّ کے معنی متعدد ہیں، قرابت، عہد، پڑوس، عداوت، کینہ، حسد۔

قَوْلَہٗ: وجملة الشرط حالٌ، یعنی واِنْ یظفروا علیکم شرط ہے اور لا یرقبوا الخ جزاء جملہ شرطیہ کَیْفَ یکون لھم سے حال ہے لہٰذا اب یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ جملہ شرطیہ کا عطف جملہ حملیہ پر درست نہیں ہے۔

قَوْلَہٗ: ای فھم اخوانکم یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: یہ ہے کہ فھم مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی ہے۔

جَوَابٌ: یہ ہے کہ اخوانکم چونکہ فَاِنْ تابوا کی جزاء ہے اور جزاء کے لئے جملہ ہونا شرط ہے مفسر علام نے ھم محذوف مان کر جملہ تامہ بنادیا۔

قَوْلُہٗ: خزاعة حلفاء کم. خزاعہ موصوف ہے اور حلفاء کم اس کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: ھم بنو خزاعة اس کا مقصد مومنین کا مصداق متعین کرنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ بنو خزاعہ غائبانہ طور پر ایمان لے آئے تھے۔

قَوْلُہٗ: وَلِیْجَةً یہ ولوج سے ماخوذ ہے بمعنی دخول، جگری رازدار دوست، مفسر علام نے ولیجة کا ترجمہ بطانة سے کیا ہے بطانة استر کو کہتے ہیں جو کہ پوشیدہ رہتا ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

اللہ اور رسول ﷺ کی جانب سے براءت کی حکمت:

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللهِ، یہ استفہام نفی کے لئے ہے یعنی جن مشرکوں سے تمہارا معاہدہ ہے ان کے علاوہ اب کسی سے معاہدہ باقی نہیں رہا، سابقہ آیات میں براءت کی حکمت یہ ہے کہ اُن مشرکوں سے معاہدہ کس طرح قائم رہ سکتا ہے اور معاہدہ سے کیا فائدہ؟ کہ جن کا حال یہ ہے کہ اگر کسی وقت تم پر قابو حاصل کرلیں تو ایذاء رسانی میں ہرگز نہ قرابت کا خیال کریں اور نہ قول وقرار کا، چونکہ اتفاق سے تم پر غلبہ حاصل نہیں ہے اسلئے محض زبانی عہد و پیمان کر کے تمکو خوش رکھنا چاہتے ہیں ورنہ تو ان کے دل اس عہد پر ایک منٹ کے لئے بھی راضی نہیں ہر وقت عہد شکنی کا موقع تلاش کرتے رہتے ہیں خلاصہ یہ کہ ایسی دغاباز اور غدار قوم سے خدا اور رسول ﷺ کا کیا عہد ہوسکتا ہے؟ البتہ جن قبائل سے تم معاہدہ کر چکے ہو اور بالخصوص مسجد حرام یعنی حرم کے قریب حدیبیہ میں معاہدہ کیا ہے تو تم اپنی طرف سے عہد شکنی نہ کرو جب تک وہ وفاداری کے راستہ پر چلیں تم بھی ان کے ساتھ سیدھے طریقہ پر رہو تم اپنے دامن کو عہد شکنی کی گندگی سے محفوظ رکھو خدا کو ایسے ہی لوگ محبوب ہیں، چنانچہ بنو کنانہ وغیرہ نے مسلمانوں سے عہد شکنی نہیں کی تھی اور مسلمانوں نے بھی نہایت احتیاط اور دیانتداری کے ساتھ اپنا عہد پورا کیا، اعلان براءت کے وقت بنو کنانہ کی مدت معاہدہ نو ماہ باقی تھی ان کے ساتھ مسلمانوں نے مکمل طور پر معاہدہ کی پابندی کی۔

بعض مفسرین کے نزدیک پہلا کَیْفَ مشرکین کے لئے ہے اور دوسرے سے مراد یہودی ہیں اسلئے کہ ان کی صفت یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ کی آیتوں کو حقیر دنیا کے لئے فروخت کردیتے ہیں اور یہ خصلت یہود ہے بار بار وضاحت سے مقصد مشرکین اور یہود کی اسلام دشمنی اور ان کے سینوں میں مخفی عداوت کے جذبات کو بے نقاب کرنا ہے۔

وَاِنْ نَّكَثُوْٓا اَيْمَانَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَهْدِهِمْ الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا ہے کہ اگر مشرکین مکہ اپنا عہد توڑ دیں اور تمہارے دین میں طعنہ زنی اور عیب جوئی کریں تو ائمہ کفر، پیشوایان شرک کو چن چن کر قتل کروا سلئے کہ پورا فساد ان ہی کی وجہ سے ہے ان ہی لوگوں نے آپ ﷺ سے عہد کر کے اس کو توڑ ڈالا، اور نبی ﷺ کو مکہ سے نکلنے پر مجبور کیا (واقعہ اور مسائل کی پوری تفصیل سابق رکوع میں گذر چکی ہے)۔

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ بالإفراد والجمع بدخوله والقعود فيه شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ بطلت اَعْمَالُهُمْ لعدم شرطها وَفِى النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿١٧﴾ اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسٰجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ احدًا اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰٓى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿١٨﴾ اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَآجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اي اهل ذلك كَمَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَجٰهَدَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَوٗنَ عِنْدَ اللّٰهِ في الفضل وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٩﴾ الكافرين نزلت ردًّا على من قال ذلك وهو العباس او غيره اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً رتبةً عِنْدَ اللّٰهِ من غيرهم وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ ﴿٢٠﴾ الظافرون بالخير يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِيْهَا نَعِيْمٌ مُّقِيْمٌ ﴿٢١﴾ دائم خٰلِدِيْنَ حال مقدرة فِيْهَآ اَبَدًا اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿٢٢﴾ ونزل فيمن ترك الهجرة لاجل اهله وتجارته يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ اِنِ اسْتَحَبُّوا اختاروا الْكُفْرَ عَلَى الْاِيْمَانِ وَمَنْ يَّتَوَلَّهُمْ مِّنْكُمْ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٢٣﴾ قُلْ اِنْ كَانَ اٰبَآؤُكُمْ وَاَبْنَآؤُكُمْ وَاِخْوَانُكُمْ وَاَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيْرَتُكُمْ اقرباؤكم وفي قراءة عشيراتكم وَاَمْوَالُ اِۨقْتَرَفْتُمُوْهَا اكتسبتموها وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا عدم نفاقها وَمَسٰكِنُ تَرْضَوْنَهَآ اَحَبَّ اِلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَجِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فقعدتم لاجله عن الهجرة والجهاد فَتَرَبَّصُوْا انتظروا حَتّٰى يَاْتِىَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ تهديد لهم وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٤﴾

ترجمہ: مشرکین اس لائق ہی نہیں کہ مساجد میں آمد و رفت کے ذریعہ مساجد کو آباد کر سکیں (مساجد) مفرد اور جمع کے ساتھ ہے، حال یہ ہے کہ وہ خود اپنے اوپر کفر کی گواہی دے رہے ہیں یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے اعمال (شرائط صحت) نہ پانے کی وجہ سے ضائع ہو گئے اور وہ دوزخ ہی میں ہمیشہ پڑے رہیں گے، مساجد کا آباد کرنا تو بس ان لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہوں اور زکوۃ ادا کرتے ہوں اور بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈرتے ہوں امید ہے کہ ایسے لوگ راہ یاب ہو جائیں گے، کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کے آباد رکھنے والوں کے عمل کو اس شخص کے عمل کے (برابر) قرار دے لیا ہے جو اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور اس نے اللہ کی راہ میں جہاد بھی کیا ہے یہ لوگ اللہ کے نزدیک فضل میں برابر

نہیں ہوسکتے اور اللہ ظالموں (یعنی) کافروں کی رہنمائی نہیں کرتا، برابری کے قائل کے قول کو رد کرنے کے لئے (آئندہ) آیت نازل ہوئی اور وہ قائل حضرت عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا ان کے علاوہ ہے جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت کی اور راہ خدا میں اپنی جان و مال سے جہاد کیا یہ لوگ اللہ کے نزدیک دوسروں سے مرتبہ میں بڑے ہیں اور یہی لوگ پورے کامیاب ہیں اور ان کو ان کا رب اپنی طرف سے رحمت کی اور رضامندی کی اور ایسے باغوں کی جن میں ان کے لئے دائمی نعمتیں ہوں گی خوشخبری دیتا ہے یہ ان میں ہمیشہ ہمیش کے لئے رہیں گے بے شک اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے اور آئندہ آیت اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے ہجرت کو اپنے اہل و عیال اور تجارت کی وجہ سے چھوڑ دیا، اے ایمان والو تم اپنے آباء کو اور بھائیوں کو دوست نہ بناؤ اگر وہ کفر کو ایمان پر ترجیح دیتے ہیں، اور تم میں سے ان کو جو دوست رکھے گا تو ایسے ہی لوگ ظالم ہیں (اے نبی) کہہ دو کہ تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہاری بیویاں اور تمہارے عزیز و اقارب اور ایک قراءت میں عشیراتکم ہے اور تمہارے وہ اموال جن کو تم نے کمایا ہے اور تمہاری وہ تجارت جس کے ماند پڑ جانے کا تم خوف کرتے ہو، اور تمہارے وہ گھر جو تم کو پسند ہیں تم کو اللہ اور اس کے رسول اور اس کی راہ میں جہاد سے عزیز تر ہیں تو انتظار کرو یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنا فیصلہ لے آئے یہ ان کے لئے تہدید ہے اور اللہ فاسق لوگوں کی رہنمائی نہیں کرتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ، كَانَ فعل ناقص للمشركين، ينبغى محذوف کے متعلق ہو کر خبر مقدم اور ان يَعْمروا مسجدا للّٰه جملہ ہو کر کان کا اسم مؤخر شاهدين، يعمُرُوْا کی ضمیر سے حال اور شاهدين على الكافرين کا متعلق اول ہے اور بالكافرين متعلق ثانی ای ما كان ينبغى للمشركين ان يعمروا مسجد الله شاهدين على انفسهم بالكفر.

جمہور کے نزدیک يعْمُرُوْا ہے عَمَرَ يَعْمُرُ سے یعنی آباد کریں اور ابن السمیفع نے يُعْمِرُوْا باب افعال سے پڑھا ہے حضرت ابن عباس اور سعید بن جبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہما وغیرہ نے مَسْجِدَ افراد کے ساتھ پڑھا ہے اور باقیوں نے مساجد، جمع کے ساتھ پڑھا ہے۔

(فتح القدير شوكانى)

قولہ: اى اَهْلَ ذلك، اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: عمارة اور سقاية دونوں مصدر ہیں جو کہ ایک معنوی شئ ہے لہٰذا ان کو جسم اور شئ کے ساتھ تشبیہ دینا درست نہیں ہے جیسا کہ مذکورہ دونوں مصادر کو مَنْ کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے جو کہ شئ مجسم ہے۔

جواب: یہ ہے کہ العمارة اور السقاية سے پہلے مضاف محذوف ہے اور وہ اهل ہے یعنی اهل العمارة و اهل السقاية ہٰذا اب کوئی اعتراض باقی نہیں رہا۔

قَوْلُہٗ: نزلت ردًا علی مَنْ قال اس میں اشارہ ہے کہ اَجَعَلْتُم سقایة میں ہمزہ استفہام انکاری کا ہے اور اسی سے آئندہ آیت کے شان نزول کی طرف اشارہ بھی ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: ذلك کا مشار الیہ مہاجرین اور مجاہدین کو ان کے غیر کے مساوی قرار دینا ہے۔

قَوْلُہٗ: من غیرهم اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو مذکورہ صفات کو جامع نہیں ہیں، جن میں اہل سقایہ اور اہل عمارہ بھی شامل ہیں، لفظ اعظم سے شبہ ہوتا ہے کہ اہل سقایہ وعمارہ اگر چہ اعظم درجہ کے مستحق نہ ہوں مگر عظیم درجہ کے مستحق ہوں گے حالانکہ ایمان کے بغیر کسی بھی نیکی کرنے والے کے لئے آخرت میں کوئی درجہ نہیں ہوگا۔

قَوْلُہٗ: نَفَاقها نَفَاق بفتح النون، رواج، یقال السكة النافقة، رائج سکہ۔

تفسیر وتشریح

مَا کَانَ لِلْمُشْرِکِیْنَ اَنْ یَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ، مَسَاجِدَ سے مراد مسجد حرام (بیت اللہ) ہے، مَسَاجد جمع اس لئے استعمال کیا گیا ہے کہ مسجد حرام تمام مساجد کا قبلہ ومرکز ہے، یا اس لئے کہ عرب واحد کے لئے بھی جمع کا لفظ استعمال کرتے ہیں یقال فلان کثیر الدراهم، و کقولهم فُلان یُجَالِسُ الملوكَ وَلَعلّه لم یجالِسْ الّا مَلِکًا واحدًا اور یہ بھی درست ہے کہ مساجد سے تمام مسجدیں مراد ہوں اور تعمیر سے تولیت اور نظم ونسق مراد ہو، مطلب یہ ہے کہ اللہ کے گھر (یعنی مسجد حرام) کو تعمیر یا آباد کرنا یہ ایمان والوں کا کام ہے نہ کہ ان کا جو کفر وشرک کا ارتکاب اور اس کا اعتراف کریں جیسا کہ مشرکین تلبیہ میں کہا کرتے تھے، لَبَّیْكَ لاشریكَ لكَ، اِلّا شریکًا هو لكَ، تملکه و ما ملكَ (صحیح بخاری باب التلبیہ) یا اس سے مراد وہ اعتراف ہے جو ہر مذہب والے کرتے ہیں، یہودی اپنے آپ کو یہودی اور نصرانی خود کو نصرانی کہتے ہیں۔ (فتح القدیر)

مطلب یہ ہے کہ جو مسجدیں خدائے واحد کی عبادت کے لئے بنی ہوں ان کے متولی اور منتظم اور خادم وآباد کار بننے کے لئے وہ لوگ کسی طرح موزوں نہیں ہو سکتے جو خدا کے ساتھ خداوندی صفات، حقوق واختیارات میں دوسروں کو شریک کرتے ہوں، اور خود بھی توحید کی دعوت قبول کرنے سے انکار کرتے ہوں اور انہوں نے صاف صاف کہدیا ہو کہ ہم اپنی بندگی وعبادت کو ایک خدا کے لئے مخصوص کر دینا قبول نہیں کر سکتے اور نہ یہ عقل میں آنے والی بات ہے کہ ایک ذات اتنے بڑے کارخانہ قدرت کو تنہا چلا سکے، لہٰذا یہ کسی حالت میں درست نہیں کہ وہ کسی ایسی عبادت گاہ کے متولی بنے رہیں جو صرف خدا کی عبادت کے لئے بنائی گئی ہو۔

عمارت مسجد سے کیا مراد ہے؟

''عمارت مسجد'' کا جو لفظ مذکورہ آیت میں آیا ہے اس کے کئی معنی مراد ہو سکتے ہیں ایک ظاہری در ودیوار کی تعمیر، دوسرے مسجد کی حفاظت ونگرانی اور صفائی وغیرہ اور دیگر ضروریات کا انتظام، تیسرے عبادت کے لئے مسجد میں حاضر ہونا، عمرہ کو عمرہ اسی مناسبت سے کہتے ہیں کہ اس میں بیت اللہ کی زیارت اور عبادت کے لئے حاضری ہوتی ہے۔

مشرکین مکہ تینوں اعتبار سے اپنے آپ کو معمار بیت اللہ اور عمارت مسجد حرام کا ذمہ دار سمجھتے تھے اور اس پر فخر کیا کرتے تھے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے واضح فرمادیا کہ مشرکین کو اللہ کی مسجدوں کی تعمیر کا کوئی حق نہیں، جبکہ وہ خود اپنے کفر کی عمل واقرار کے ذریعہ شہادت دیتے ہیں، ان لوگوں کے اعمال حبط اور ضائع کردیئے گئے ہیں یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے۔

مسجدوں کی آبادکاری کا حق صرف مومنین باعمل کو ہے:

دوسری آیت میں عمارت مساجد کا مثبت پہلو اس طرح ارشاد فرمایا ہے، "اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَلَمْ يَخْشَ اِلَّا اللّٰهَ فَعَسٰى اُولٰٓئِكَ اَنْ يَّكُوْنُوْا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ.

یعنی مسجدوں کو آباد کرنا انہی لوگوں کا کام ہے جو اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہوں اور نماز کی پابندی کریں اور زکوٰۃ ادا کریں، بجز اللہ کے کسی سے نہ ڈریں، ایسے لوگوں کے متعلق امید ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوں گے۔

مذکورہ آیات سے متعلق بعض مسائل:

مَسْئَلۃ: کافروں کے لئے جس عمارت مسجد سے منع کیا گیا ہے اس سے مراد مساجد کی تولیت اور انتظامی ذمہ داری ہے رہی ظاہری درودیوار کی تعمیر سو اس میں غیر مسلم سے بھی کام لیا جاسکتا ہے اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔

مسجد کے تعمیر میں غیر مسلم کے چندہ کا حکم:

اگر کوئی غیر مسلم مسجد کی تعمیر کرادے اور تعمیر مسجد کے لئے چندہ دیدے تو اسکا قبول کرلینا اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس سے کسی دینی یا دنیوی نقصان کا یا آئندہ اس پر قبضہ کرلینے کا یا احسان جتلانے کا اندیشہ نہ ہو۔ (در المختار، شامی، مراغی)

شان نزول:

اَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ (الآية) مشرکین حاجیوں کو پانی پلانے اور مسجد حرام کی دیکھ بھال کا جو کام کرتے تھے اس پر انہیں بڑا فخر تھا، اس کے مقابلہ میں وہ ایمان و جہاد کو کوئی اہمیت نہیں دیتے تھے جس کا اہتمام مسلمانوں کے اندر تھا، اس غلط فہمی اور زعم باطل کو دور کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اَجَعَلْتم سقاية الحاج الخ کیا تم سقایۂ حاج اور عمارت مسجد حرام کو ایمان باللہ اور جہاد فی سبیل اللہ کے برابر سمجھتے ہو؟ یاد رکھو یہ اللہ کے نزدیک برابر نہیں بلکہ مشرک کا کوئی عمل بھی عند اللہ مقبول نہیں۔

اس آیت کے شان نزول کے سلسلہ میں تین واقعات نقل کئے گئے ہیں۔

پہلا واقعہ:

ایک روایت میں اس کا شان نزول مسلمانوں کی ایک آپسی گفتگو کو بتایا گیا ہے اس گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز کچھ مسلمان منبر نبوی کے پاس جمع ہوئے ان میں سے ایک نے کہا اسلام لانے کے بعد میرے نزدیک سب سے بڑا عمل حاجیوں کو پانی پلانا ہے، دوسرے نے کہا مسجد کو آباد کرنا ہے، تیسرے نے کہا میرے نزدیک جہاد فی سبیل اللہ سب سے بڑا عمل ہے، حضرت عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعِنۡہٗ نے جب لوگوں کو آپس میں اس طرح بحث و تکرار اور اختلاف کرتے سنا تو انہیں ڈانٹا اور فرمایا کہ منبر رسول کے پاس آوازیں بلند نہ کرو یہ جمعہ کا دن تھا، راوی حدیث حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ میں جمعہ کے بعد نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنی آپس کی گفتگو کے بارے میں آپ سے استفسار کیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(صحیح مسلم کتاب الامارۃ باب فضل الشهادة فی سبیل الله)

دوسرا واقعہ:

بہت سے مشرکین مسلمانوں کے مقابلہ میں اس بات پر فخر کیا کرتے تھے کہ ہم مسجد حرام کی آبادی اور حجاج کو پانی پلانے کا انتظام کرتے ہیں اس سے بڑھ کر کسی کا کوئی عمل نہیں ہو سکتا اسلام لانے سے پہلے حضرت عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعِنۡہٗ غزوۂ بدر میں گرفتار ہو کر مسلمانوں کی قید میں آئے اور ان کے مسلم عزیزوں نے ان کو اس پر ملامت کی کہ آپ نعمت ایمان سے محروم ہیں تو حضرت عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعِنۡہٗ نے بھی یہی جواب دیا تھا کہ آپ لوگ ایمان و ہجرت کو اپنا بڑا سرمایۂ فضیلت سمجھتے ہو مگر ہم بھی تو مسجد حرام کی عمارت اور حجاج کرام کو پانی پلانے کی اہم خدمت انجام دیتے ہیں جس کے برابر کسی کا کوئی عمل نہیں ہو سکتا اس پر یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

تیسرا واقعہ:

مصنف عبدالرزاق کی روایت میں ہے کہ حضرت عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعِنۡہٗ کے مسلمان ہو جانے کے بعد طلحہ بن شیبہ اور حضرت عباس اور حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعِنۡہُمَا کی آپس میں گفتگو ہو رہی تھی حضرت طلحہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعِنۡہٗ نے کہا مجھے وہ فضیلت حاصل ہے جو تم میں سے کسی کو حاصل نہیں کہ بیت اللہ کی چابی میرے ہاتھ میں ہے، اگر میں چاہوں تو بیت اللہ کے اندر جا کر رات گذار سکتا ہوں حضرت عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعِنۡہٗ نے فرمایا میں حجاج کو پانی پلانے کا متولی اور منتظم ہوں اور مسجد حرام میں میرے اختیارات ہیں، حضرت علی رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰعِنۡہٗ نے فرمایا کہ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آپ حضرات کس چیز پر فخر کر رہے ہیں، میرا حال تو یہ ہے کہ میں نے تم سب لوگوں سے چھ مہینہ پہلے بیت اللہ کی طرف نمازیں پڑھی ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک ہوا ہوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں واضح کر دیا گیا ہے کہ کوئی عمل خواہ کتنا ہی اعلیٰ اور

افضل ہو ایمان کے بغیر اللہ کے نزدیک اس کی کوئی قیمت نہیں۔

تینوں واقعات کے سبب نزول ہونے میں کوئی بعد نہیں کہ اصل آیات کا نزول مشرکین کے فخر و تکبر کے جواب میں ہوا ہو، پھر اس کے بعد جو واقعات مسلمانوں کے باہم پیش آئے ان میں بھی ان ہی آیات کو استدلال کے لئے پیش کیا گیا ہو جس سے سننے والوں کو یہ محسوس ہوا کہ یہ آیات اس واقعہ میں نازل ہوئی ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْٓا اٰبَآءَكُمْ وَاِخْوَانَكُمْ اَوْلِيَآءَ، یہ خطاب قیامت تک آنے والے اہل ایمان کے لئے ہے اس کا مقصد مومنین اور کافرین کے درمیان قطع ولایت کو بیان کرنا ہے، آیت کا مطلب یہ ہے کہ ایمان والوں کو چاہئے کہ ان کے ماں باپ اور بھائی بہن وغیرہ اگر کفر پر قائم ہوں تو انکو اپنا رفیق اور دوست نہ بنائیں اگر کوئی اسکے خلاف کرے گا تو وہ ظالموں اور نافرمانوں میں شمار ہوگا، اگرچہ والدین کے حقوق کے بارے میں قرآن اور احادیث میں بڑی تاکید آئی ہے اسی طرح عزیز و اقارب اور رشتہ داروں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت و تاکید بار بار آئی ہے مگر اس آیت میں یہ بتلایا گیا ہے کہ ہر تعلق کی ایک حد ہے ان میں سے ہر تعلق خواہ والدین اور اولاد کا ہو یا حقیقی بھائی بہن کا اللہ اور اسکے رسول کے تعلق کے مقابلہ میں نظر انداز کرنے کے قابل ہے جس موقع پر یہ دونوں رشتے ٹکراتے ہوں تو پھر رشتہ اللہ اور اسکے رسول ﷺ ہی کا باقی رکھنا چاہئے۔

شان نزول:

مجاہد اور قتادہ نے کہا ہے کہ یہ آیت بھی ماقبل میں مذکور حضرت عباس اور حضرت طلحہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا کے قصہ سے متعلق ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ دونوں حضرات ابتداءً نہ ہجرت میں شریک تھے اور نہ ایمان میں بلکہ ان کو اپنے سقایہ و حجابہ پر فخر و غرور تھا۔

حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا نے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں کو مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کرنے کا حکم فرمایا تو بعض حضرات ان میں ایسے بھی تھے کہ ان کے بیوی بچے ان سے چمٹ گئے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور کہنے لگے کہ ہم تم کو اللہ کی قسم دیتے ہیں تم ہم کو ضائع نہ کرو، ان حضرات کا اپنے اہل و عیال کی گریہ و زاری کی وجہ سے دل نرم ہو گیا جسکی وجہ سے ہجرت سے باز رہے، تو یہ آیت نازل ہوئی۔

مقاتل نے کہا ہے مذکورہ آیت ان نو لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ جو مرتد ہو کر مکہ چلے گئے تھے تو آپ ﷺ نے ان کے ساتھ تعلقات اور دوستی رکھنے سے منع فرما دیا تھا یہ آیت اسی سلسلہ میں نازل ہوئی، مگر اس آیت کو ہجرت کے واقعہ سے متعلق کرنے میں یہ قباحت لازم آتی ہے کہ یہ سورت نزول کے اعتبار سے آخری سورتوں میں سے ہے تو پھر ان آیات کا تعلق ہجرت نہ کرنے والوں سے کیسے ہو سکتا ہے اس سورت کا نزول تو فتح مکہ کے بعد ہوا ہے جبکہ ہجرت کی فرضیت منسوخ ہو چکی تھی، لہٰذا زیادہ مناسب اور قرین قیاس واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو حکم دیا کہ مشرکین

سے اظہار بیزاری کریں اور ان سے دلی اور رازدارانہ دوستی نہ رکھیں تو بعض لوگوں نے کہا یہ کیسے ممکن ہے کہ انسان اپنے والدین نیز عزیز و اقارب سے قطع تعلق کرلے، تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ للحرب كَثِيْرَةٍ كبدرٍ وقريظة والنضير وَ اذكر يَوْمَ حُنَيْنٍ وادٍ بين مكة والطائف اى يوم قتالكم فيه هوازن وذلك فى شوال سنة ثمان إِذْ بدل من يوم أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فقلتم لن نُغْلَبَ اليومَ من قلةٍ وكانوا اثنى عشر الفًا والكفار اربعة الاف فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا وَّضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ما مصدرية اى مع رحبها اى سعتها فلم تجدوا مكانًا تطمئنون اليه لشدة ما لحقكم من الخوف ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ﴿۲۵﴾ منهزمين وثبت النبى صلى الله عليه وسلم على بغلته البيضاء وليس معه غيرُ العباس وابوسفيان آخذ بركابه ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ طمانينته عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَعَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ فردوا الى النبى صلى الله عليه وسلم لما ناداهم العباس باذنه وقاتلوا وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا ملائكة وَعَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بالقتل والاسر وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶﴾ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ منهم بالاسلام وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ قذر لخبث باطنهم فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اى لا يدخلوا الحرم بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا عام تسع من الهجرة وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً فقرًا بانقطاع تجارتهم عنكم فَسَوْفَ يُغْنِيْكُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖٓ اِنْ شَآءَ وقد اغناهم بالفتوح والجزية اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۸﴾ قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ والا لآمنوا بالنبى صلى الله عليه وسلم وَلَا يُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ كالخمر وَلَا يَدِيْنُوْنَ دِيْنَ الْحَقِّ الثابت الناسخ لغيره من الاديان وهو الاسلام مِنَ بيان للذين الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اى اليهود والنصارى حَتّٰى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ الخراج المضروب عليهم كل عام عَنْ يَّدٍ حال اى منقادين او بايديهم لا يوكلون بها وَّهُمْ صٰغِرُوْنَ ﴿۲۹﴾ اذلاء منقادون لحكم الاسلام۔

ترجمہ: بے شک اللہ تعالیٰ نے لڑائی کے بہت سے موقعوں پر تمہاری مدد کی ہے مثلاً بدر و (بنو) قریظہ اور (بنو) نضیر (کے مقابلہ میں) اور حنین کے دن کو یاد کرو، یہ مکہ اور طائف کے درمیان وادی ہے، یعنی اس دن میں ہوازن کے ساتھ جنگ کو یاد کرو، اور یہ شوال ۸ھ میں پیش آئی جبکہ تم کو تمہاری کثرت پر ناز ہوگیا تھا سو تم نے کہا تھا کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے، اور (مسلمانوں کی تعداد) بارہ ہزار تھی اور کفار چار ہزار تھے، اِذْ یَوْمَ سے بدل ہے، لیکن اس (کثرت) نے تمہیں کوئی فائدہ نہ دیا، اور زمین اپنی کشادگی کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی، مَا، مصدریہ ہے یعنی اپنی وسعت کے باوجود، تم کو کوئی ایسی جگہ نہ ملی کہ تم اس میں اس شدید خوف کی وجہ سے جو تم کو لاحق ہوگیا تھا پناہ لے سکو، پھر تم شکست خوردہ ہو کر پیٹھ پھیر کر بھاگ

کھڑے ہوئے، اور نبی ﷺ اپنے سفید خچر پر اپنی جگہ جمے رہے حالانکہ آپ ﷺ کے ساتھ سوائے عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے اور ابوسفیان رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے جو آپ ﷺ کے خچر کی رکاب تھامے ہوئے تھے کوئی باقی نہیں رہا تھا اس کے بعد اللہ نے اپنے رسول پر اور مومنین پر سکینت (تسلی) نازل فرمائی چنانچہ جب حضرت عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے آپ کے کہنے سے تم لوگوں کو آواز دی تو تم نبی ﷺ کی طرف لوٹ آئے اور (مشرکین سے) قتال کیا اور فرشتوں کا وہ لشکر نازل فرمایا جو تم کو نظر نہیں آرہا تھا اور (اللہ نے) کافروں کو قتل وقید کی سزا دی اور یہی کافروں کی سزا ہے، پھر اس کے بعد ان میں سے اللہ جس کو چاہے اسلام کی توفیق دیکر توبہ نصیب کردے اللہ بڑا مغفرت والا رحم والا ہے، اے ایمان والو مشرکین اپنے خبث باطن کی وجہ سے سراپا نجس ہیں لہٰذا اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں یعنی مسجد حرام میں داخل نہ ہوں اور ۹ھ میں یہ حکم نازل ہوا، اور اگر تم کو ان کے ساتھ تجارت منقطع ہو جانے کی وجہ سے فقر کا اندیشہ ہو سو اگر اللہ چاہے گا تو اپنے فضل سے تم کو ان سے عنقریب بے نیاز کردے گا، چنانچہ (اللہ نے) مسلمانوں کو فتح اور جزیہ کے ذریعہ بے نیاز کردیا، اللہ خوب جاننے والا بڑا حکمت والا ہے، ان لوگوں سے قتال کرو جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے اگر وہ (اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے) تو نبی ﷺ پر ایمان لے آتے اور نہ اس چیز کو حرام سمجھتے ہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے مثلاً شراب (نوشی) اور نہ سچے دین کو قبول کرتے ہیں جو کہ دائمی اور دیگر ادیان کے لئے ناسخ ہے اور وہ اسلام ہے اور وہ اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہیں مِـــــــنْ، بیـانیہ ہے، اَلَّـذِین کا بیان ہے، تا آں کہ وہ عائد کردہ سالانہ ٹیکس (جزیہ) تابع ہو کر بدست خود بغیر کسی کو سپرد کئے ادا کریں حال یہ کہ وہ ذلیل ہوں (یعنی) اسلام کے حکم کے تابع ہوں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: مَوَاطِنَ، مَوْطِنٌ کی جمع ہے بمعنی موقع، مقامات، مفسر علام نے للحروب کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ موطن سے مراد جائے سکونت نہیں ہے بلکہ میدان حرب ہے۔

قَوْلُہٗ: اذکر، مفسر علام نے اذکر فعل محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ یَوْمَ فعل محذوف کا مفعول ہے نہ کہ مواطن پر عطف جیسا کہ کہا گیا ہے اس لئے کہ یَـوْمَ حُـنَیْن ظرف زمان ہے اور مَـوَاطِنَ ظرف مکان ہے اور زمان کا عطف مکان پر درست نہیں ہے دوسری وجہ یہ کہ اِذْ اعـجبتـکـم، یَوْمَ حـنـین سے بدل ہے اگر یَـوْمَ حُـنَیْنٍ کا عطف مواطن پر کیا جائے تو اِذْ اَعْجَبَتْکم کو بھی مواطنَ سے بدل ماننا ہوگا اور یہ باطل ہے اسلئے کہ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ تمام مواقع پر عجب ہوا تھا۔

قَوْلُہٗ: ھوازن، تیراندازی میں مشہور ایک قبیلہ کا نام ہے جو کہ حلیمہ سعدیہ کا قبیلہ ہے۔

قَوْلُہٗ: حُنَیْن مکہ اور طائف کے درمیان۔ مکہ سے اٹھارہ میل کے فاصلہ پر ایک وادی کا نام ہے۔

قَوْلُہٗ: بـما رَحُبَتْ، رُحبة بـضـم الـراء، بمعنی کشادگی وسعت، اور رَحبة بـالـفـتـح کشادہ مکان، اور باء بمعنی مع 'مَا'

مصدر یہ ہے لہٰذا عدم عائد کا اعتراض نہیں ہوگا۔

قولہ: فَلَمْ تَجِدُوا امکاناً اس عبارت کے اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ ضَاقَتْ عَلَیْکُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ سے معلوم ہوتا ہے کہ زمین اپنی کشادگی کے باوجود تنگ ہوگئی حالانکہ زمین اپنی حالت پر باقی تھی۔

جواب: یہ ہے کہ زمین کی تنگی سے مراد مجازاً عدم وجود المکان المطمئن ہے۔

قولہ: لخُبثِ باطِنِھِم یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ نَجَسٌ مصدر ہے اور مصدر کا حمل ذات پر درست نہیں ہے۔

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ نَجَسٌ سے مراد ذو نجس ہے یا بطور مبالغہ حمل ہے بیان نجاست میں مبالغہ کرنے کے لئے، گویا کہ مشرک عین نجاست ہیں۔

دوسرا سوال: یہ ہے کہ المشرکون جمع ہے اور نجس مفرد ہے جسکی وجہ سے مبتداء خبر میں مطابقت نہیں ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ نجس مصدر ہونے کی وجہ سے واحد تثنیہ اور جمع سب پر بولا جاتا ہے یقال رَجُلٌ نجسٌ رجلان نجس، رجال نجسٌ، بعض ظاہر یہ اور زیدیہ مشرک کو نجس العین مانتے ہیں۔

قولہ: عَیْلَۃً، الفقر، یہ عَالَ یَعِیلُ (ض) کا مصدر ہے محتاج ہونا۔

قولہ: والّا لآمنوا بالنبی ﷺ، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ اس سے اہل کتاب سے ایمان باللہ اور ایمان بالآخرۃ کی نفی کی گئی ہے حالانکہ یہ دونوں فرقے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔

جواب: کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر یہ لوگ صحیح معنی میں اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تو محمد ﷺ پر ضرور ایمان لاتے جب آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے تو ان کا ایمان اللہ اور یوم آخرت پر بھی نہیں ہے۔

قولہ: دین الحق ای الدین الحق اس میں اضافت الموصوف الی الصفت ہے۔

قولہ: عَنْ یَّدٍ حال، یُعْطُوْا کی ضمیر سے حال ہے، یَدٌ کی تفسیر منقادین سے تفسیر باللّازم ہے کہا جاتا ہے اعطی فلان بیدہ ای اَسْلَمَ و انقاد.

قولہ: بایدیکم، اس میں اشارہ ہے کہ عن ید میں عن بمعنی باء ہے اور یہ عن ید کی دوسری تفسیر ہے۔

قولہ: یُوَکّلُوْنَ یہ توکیل سے مضارع جمع مذکر غائب ہے بمعنی سپرد کرنا وکیل بنانا۔

قولہ: وَھُم صاغرون اس حال میں کہ وہ اپنی زیردستی کا احساس رکھتے ہوں، الصاغر الراضی بالمنزلۃ الدنیۃ (راغب) امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا ہے صغار قانون اسلام کی بالادستی قبول کرنا ہے۔

تفسیر وتشریح

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِیْ مَوَاطِنَ كَثِیْرَةٍ اس سے پہلے سورت انفال میں فتح مکہ اور اس کے متعلقات کا ذکر تھا، اس سورت میں غزوۂ حنین کے واقعات، شکست وفتح کا اور ان کے ضمن میں بہت سے اصولی اور فروعی مسائل اور فوائد کا بیان ہے اس رکوع کی پہلی آیت میں حق تعالیٰ نے اپنے انعام واحسان کا ذکر فرمایا ہے عمومی احسان کا ذکر فرمانے کے بعد خصوصی انعام واحسان کے طور پر غزوۂ حنین میں اپنی نصرت کا ذکر فرمایا، مسلمان اس سے پہلے بار بار نصرت غیبی اور تائید ایزدی کا مشاہدہ کر چکے تھے جن کی تعداد علماء تاریخ وسیرت اسی تک گناتے ہیں۔

غزوۂ حنین کو خاص طور پر ذکر کرنے کی وجہ:

غزوۂ حنین کو خصوصیت کے ساتھ اس وجہ سے ذکر فرمایا کہ اس میں بہت سے واقعات اور حالات خلاف توقع عجیب انداز سے ظاہر ہوئے جن میں غور کرنے سے انسان کے ایمان میں قوت اور عمل میں ہمت پیدا ہوتی ہے۔

غزوۂ حنین کا تفصیلی ذکر:

حُنَین مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان مکہ سے اٹھارہ میل سے زیادہ فاصلہ پر واقع ہے لیکن ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے حال ہی میں موقع پر جا کر جو تحقیق کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حنین اوطاس کی ایک وادی کا نام ہے اور اوطاس طائف کے شمال مشرق میں تقریباً ۳۰، ۴۰ میل کے فاصلہ پر ہے بہرحال اس کا محل وقوع جو بھی ہو، رمضان ۸ھ میں مکہ فتح ہو جانے اور قریش مکہ کے ہتھیار ڈال دینے کے دو ہفتہ کے بعد قدیم جاہلی نظام نے آخری حرکت مذبوحی حنین کے میدان میں کی اس کی صورت یہ پیش آئی کہ عرب کا ایک بہادر اور تیر اندازی میں مشہور، جنگجو اور مالدار قبیلہ ہوازن جس کی ایک شاخ طائف کے رہنے والے بنوثقیف بھی تھے ان میں ہل چل مچ گئی انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ مکہ فتح ہو جانے کے بعد مسلمانوں کو کافی قوت حاصل ہوگئی ہے اس سے فارغ ہونے کے بعد لازمی ہے کہ ان کا رخ ہماری طرف ہوگا اس لئے دانشمندی کی بات یہ ہے کہ ان کے حملہ آور ہونے سے پہلے پہلے ہم خود ان پر حملہ کر دیں، اس کام کے لئے قبیلہ ہوازن نے اپنی سب شاخوں کو جو مکہ سے طائف تک پھیلی ہوئی تھیں جمع کر لیا، قبیلۂ ہوازن کی تمام شاخیں جن کی تعداد سو کے قریب تھی سوائے بنوکعب اور بنوکلاب کے جو قبیلۂ ہوازن کے خیال سے متفق نہیں تھے جمع ہوگئے، بنوکعب اور بنوکلاب کو اللہ تعالیٰ نے کچھ بصیرت عطا فرما دی تھی انہوں نے کہا اگر مشرق سے مغرب تک ساری دنیا محمد ﷺ کے خلاف جمع ہو جائے گی تو وہ ان سب پر غالب آ جائیں گے ہم خدائی طاقت کے ساتھ جنگ نہیں کر سکتے، حنین کے معرکہ میں قبیلۂ ہوازن اور اس کے حلیفوں نے اپنی پوری قوت جھونک

دی تا کہ اس اصلاحی انقلاب کو روک دیں جو فتح مکہ کے بعد تکمیل کے مرحلہ میں پہنچ چکا تھا لیکن یہ حرکت بھی ناکام ہوئی اور حنین کی شکست کے ساتھ عرب کی قسمت کا قطعی فیصلہ ہوگیا کہ اب اسے دارالاسلام بن کر رہنا ہے۔

مشرکین کی فوج کی کمان مالک بن عوف کے ہاتھ میں تھی جو بعد میں مسلمان ہو گئے، مالک بن عوف نے ان سب کو پوری قوت سے جنگ پر قائم رکھنے کی یہ تدبیر کی کہ ہر شخص کے تمام اہل وعیال بھی ساتھ چلیں اور اپنا تمام مال بھی ساتھ لیکر نکلیں جس کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہ میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے لگیں تو بیوی بچے ان کے پیروں کی زنجیر بن جائیں مشرکین کی فوج کی تعداد کے بارے میں مختلف اقوال ہیں علامہ ابن حجر نے ۲۴ یا ۲۸ ہزار کی تعداد کو راجح قرار دیا ہے بعض حضرات نے ۴ ہزار تعداد بتائی ہے ممکن ہے کہ باقاعدہ فوجی چار ہزار ہوں اور ان کے اہل وغیرہ سب مل کر ان کی تعداد ۲۴ یا ۲۸ ہزار تک پہنچ گئی ہو۔

آنحضرت ﷺ کو ان کے خطرناک عزائم کی اطلاع:

جب آنحضرت ﷺ کو قبیلہ ہوازن اور اس کے حلیفوں کے خطرناک عزائم کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے مقابلہ پر جانیکا عزم فرمالیا، مکہ مکرمہ پر حضرت عتاب بن اسید رَضِّ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کو امیر بنایا اور حضرت معاذ بن جبل رَضِّ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کو ان کے ساتھ اسلامی تعلیمات سکھانے کے لئے چھوڑا اور قریش مکہ سے کچھ اسلحہ اور سامان جنگ عاریت پر لیا، امام زہری کی روایت کے مطابق آنحضرت ﷺ چودہ ہزار صحابہ کا لشکر لے کر حنین کی طرف متوجہ ہوئے جن میں بارہ ہزار انصار مدینہ تھے جو فتح مکہ کے لئے آپ کے ساتھ مدینہ سے آئے تھے، اور دو ہزار وہ نو مسلم تھے جو فتح مکہ کے وقت مسلمان ہو گئے تھے جن کو طلقاء کہا جاتا ہے ۶ شوال بروز ہفتہ ۸ھ مطابق یکم فروری آپ اس غزوہ کے لئے روانہ ہوئے اور آپ نے فرمایا کل انشاء اللہ ہمارا قیام خیف بنی کنانہ کے اس مقام پر ہوگا جہاں جمع ہو کر قریش مکہ نے مسلمانوں کے خلاف مقاطعہ کے لئے عہد نامہ لکھا تھا، بہت سے نو مسلم اور منافقین بھی تماشائی کے طور پر اسلامی لشکر کے ساتھ ہو لئے ان کا مقصد صورت حال کے مطابق حالات سے فائدہ اٹھانا تھا۔

حنین کے مقام پر اسلامی لشکر کا ورود:

مقام حنین پر پہنچ کر اسلامی لشکر نے پڑاؤ ڈالا تو حضرت سہیل بن حنظلہ رَضِّ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے آپ ﷺ کو یہ خبر دی کہ ایک گھوڑ سوار شخص ابھی دشمن کی طرف سے آیا ہے، وہ بتلا رہا ہے کہ قبیلہ ہوازن مسلح ہو کر مع اپنے ساز وسامان کے مقابلہ پر آ گیا ہے آپ ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا "پرواہ نہ کرو یہ پورا ساز وسامان مسلمانوں کے لئے ہے جو مال غنیمت ہو کر تقسیم ہوگا"۔

عبداللہ بن ابی حدرد رَضِّ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کی بطور جاسوس روانگی:

اس مقام پر ٹھہر کر آپ ﷺ نے عبداللہ بن ابی حدرد رَضِّ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ کو بطور جاسوس دشمن کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا عبداللہ بن ابی حدرد رَضِّ اللَّهُ تَعَالَى عَنْهُ نے اس قوم میں جا کر دو روز رہ کر حالات کا جائزہ لیا ان کے لیڈر مالک بن عوف کو دیکھا کہ

وہ اپنے لوگوں سے کہہ رہا ہے کہ محمد ﷺ کو ابتک کسی بہادر تجربہ کار قوم سے سابقہ نہیں پڑا مکہ کے بھولے بھالے قریشیوں کا مقابلہ کر کے ان کو اپنی طاقت کا زعم ہوگیا ہے اب ان کو پتہ چلے گا، تم صبح ہوتے ہی اس طرح صف بندی کرو کہ ہر ایک کے پیچھے اس کے بیوی بچے اور مال ہو اور اپنی تلواروں کی میانوں کو توڑ ڈالو اور سب مل کر یکبارگی حملہ بولدو یہ لوگ چونکہ جنگی معاملات کے بڑے تجربہ کار تھے اسلئے اپنی فوج کے چند دستوں کو مختلف گھاٹیوں میں چھپا دیا تھا۔

مسلمانوں کے لشکر کی صورتِ حال:

یہ تو لشکر کفار کی تیاریوں کا ذکر تھا، اسلامی لشکر کی صورت حال یہ تھی کہ یہ پہلا موقع تھا کہ چودہ ہزار مجاہد مقابلہ کے لئے نکلے تھے، اور سامان جنگ بھی ہمیشہ کی بہ نسبت زیادہ تھا مسلمان یہ دیکھ چکے تھے کہ بدر میں صرف تین سو تیرہ لوگوں نے ایک ہزار کے لشکر جرار پر فتح پائی تو آج اپنی کثرت اور تیاری پر نظر کرتے ہوئے بعض لوگوں کی زبان سے یہ نکل گیا کہ ''آج تو ممکن نہیں کہ ہم کسی سے مغلوب ہو جائیں'' چنانچہ اول اول مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی تو مشرکوں میں بھگ دڑ مچ گئی اور مسلمان مال غنیمت حاصل کرنے میں لگ گئے معاً نصرت الٰہی نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا مشرکین موقع دیکھ کر پلٹ پڑے۔

خداوند قدوس کو مسلمانوں کی یہ بات ناپسند آئی کہ مسلمان خدا کی ذات پر بھروسہ کرنے کی بجائے اپنی کثرتِ تعداد اور تیاری پر بھروسہ کریں چنانچہ مسلمانوں کو اس کی سزا اس طرح ملی کہ جب قبیلہ ہوازن نے طے شدہ پروگرام کے مطابق یکبارگی حملہ بولا اور گھاٹیوں میں چھپے ہوئے دستوں نے چاروں طرف سے گھیرا ڈال دیا اور گرد و غبار نے دن کو رات بنا دیا تو صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ کے عام طور پر پیر اکھڑ گئے اور بھاگنے پر مجبور ہوگئے صرف نبی ﷺ اپنی سواری پر سوار پیچھے ہٹنے کے بجائے آگے بڑھ رہے تھے، اور صرف چند صحابہ جمے رہے، وہ بھی یہ چاہتے تھے کہ آپ ﷺ آگے نہ بڑھیں، حضرت عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ آپ کی سواری کی رکاب تھامے ہوئے تھے آپ ﷺ کے ساتھ رہنے والوں میں حضرت ابو بکر حضرت عمر و عباس اور ابو سفیان بن حارث رضی اللہ عنھم اجمعین، آپ کے چچازاد بھائی حضرت علی، عبد اللہ بن مسعود، مغیرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ میدان جنگ میں رہ گئے، آپ ﷺ تھے کہ اپنی صداقت پر مطمئن دشمن کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے اور بار بار پکار کر فرما رہے تھے، اَنَا النَّبِیّ لَا کَذِب اَنا ابْن عَبد المطلب، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں اس میں ذرہ برابر جھوٹ نہیں اِلَیَّ عِباد اللّٰہ انی رسول اللّٰہ (ﷺ) آپ ﷺ نے حضرت عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو حکم دیا کہ باآواز بلند صحابہ کو پکاریں آپ نے مہاجرین وانصار کو پکارا اور راہ فرار پر غیرت دلائی آخر کار مسلمانوں کو غیرت آئی دوبارہ سب نے جمع ہو کر بے جگری کے ساتھ مقابلہ شروع کیا، آسمان سے فرشتوں کی مدد نازل ہوئی مشرکوں کی فوج کے سپہ سالار نے اپنے اہل وعیال کو چھوڑ کر راہ فرار اختیار کی اور طائف کے قلعہ میں رو پوش ہوگیا، یہ صورت حال دیکھ کر دشمن کی فوج میں بھگدڑ مچ گئی اس معرکہ میں دشمن کے ستر آدمی مارے گئے، بعض مسلمانوں کے ہاتھ سے کچھ بچے زخمی ہوگئے تو رسول اللہ ﷺ نے سختی سے منع فرمایا، غرضیکہ دشمن کو بڑی ذلت آمیز شکست ہوئی جس میں چھ ہزار قیدی بنائے گئے ۲۴ ہزار اونٹ ۴۰ ہزار بکریاں اور چار ہزار اوقیہ چاندی ہاتھ آئی، اس معرکہ میں ۱۲ مسلمان شہید ہوئے۔

وَاَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا اس سے مراد عمومی رویت کی نفی ہے احاد و افراد کی رویت اس کے منافی نہیں ہے اوپر کافروں کی دنیوی سزا کا ذکر تھا آئندہ آیت میں اخروی سزا کا بیان ہے۔

ہوازن اور ثقیف کے سرداروں کا مسلمان ہو کر حاضر ہونا اور قیدیوں کی رہائی:

جیسا کہ سابق میں بیان کیا گیا ہے کہ قبیلۂ ہوازن کے کچھ سردار تو مارے گئے تھے اور کچھ بھاگ کھڑے ہوئے تھے، ان کے ساتھ جو اہل وعیال اور اموال تھے وہ مسلمانوں کے قیدی اور مال غنیمت کے طور پر مسلمانوں کے ہاتھ آئے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مال غنیمت کا نگران مقرر فرمایا۔

شکست خوردہ ہوازن اور ثقیف نے مختلف مقامات پر مسلمانوں کے خلاف اجتماع کیا مگر ہر مقام پر شکست ہوئی، بے حد خوف زدہ اور مرعوب ہو کر طائف کے ایک مضبوط قلعہ میں قلعہ بند ہو گئے، رسول اللہ ﷺ نے پندرہ بیس روز اس قلعہ کا محاصرہ کیا محصور دشمن قلعہ کے اندر ہی سے تیر برساتے تھے مگر سامنے آنے کی کسی کی ہمت نہیں ہوئی، صحابۂ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ آپ ان کے لئے بددعاء فرمادیں مگر آپ نے بددعاء کے بجائے ان کے لئے ہدایت کی دعاء فرمائی، صحابہ سے مشورہ کے بعد آپ نے واپسی کا قصد فرمایا، مسلمانوں کی فتح و کامرانی دیکھ کر وہ لوگ بھی جو تماشائی بن کر آئے تھے اور موقع سے فائدہ اٹھانے کے چکر میں تھے مسلمان ہو گئے۔

جعرانہ کے مقام پر مال غنیمت کی تقسیم کا انتظام کیا گیا، ابھی مال غنیمت تقسیم ہو ہی رہا تھا کہ اچانک قبیلۂ ہوازن کے چودہ سرداروں کا ایک وفد زہیر بن صرد کی قیادت میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ان میں آپ ﷺ کے رضاعی چچا ابو یرقان بھی تھے انہوں نے حاضر ہو کر عرض کیا کہ ہم مسلمان ہو چکے ہیں، اور یہ درخواست بھی کی کہ ہمارے اہل وعیال اور اموال ہمیں واپس کر دیئے جائیں۔

آپ کے لئے دوہری مشکل:

رحمۃ للعالمین کے لئے یہ موقع دوہری مشکل کا تھا، ایک طرف ان لوگوں پر رحم و کرم کا تقاضہ یہ تھا کہ ان کے سب قیدی رہا اور تمام اموال انہیں واپس کر دیئے جائیں، اور دوسری طرف یہ کہ اموال غنیمت میں مجاہدین کا حق ہوتا ہے ان سب کو ان کے حق سے محروم کر دینا از روئے انصاف درست نہیں اس لئے صحیح بخاری کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے ان کے جواب میں فرمایا میرے ساتھ کس قدر مسلمانوں کا لشکر ہے جو ان اموال کا حقدار ہے، میں سچی اور صاف بات پسند کرتا ہوں اسلئے آپ لوگوں کو اختیار دے رہا ہوں کہ یا تو اپنے قیدی واپس لے لو یا مال غنیمت، ان دونوں میں سے جس کو تم اختیار کرو گے وہ تمہیں دیدیا جائیگا سب نے قیدیوں کی واپسی کو پسند کیا تو آپ ﷺ نے تمام صحابہ کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا جس میں حمد وثناء کے بعد فرمایا۔

یہ تمہارے بھائی تائب ہوکر آئے ہیں میں چاہ رہا ہوں کہ ان کے قیدی ان کو واپس دیدیئے جائیں تم میں سے جو لوگ خوش دلی کے ساتھ اپنا حصہ واپس دینے کے لئے تیار ہوں وہ احسان کریں اور جو اس کیلئے تیار نہ ہوں تو ہم ان کو آئندہ اموال فئی میں سے اس کا بدلہ دیدیں گے ہر طرف سے آواز آئی کہ ہم خوش دلی سے تیار ہیں۔

حقوق العباد کے معاملہ میں رائے عامہ معلوم کرنے کیلئے عوامی جلسوں کی آوازیں کافی نہیں ہر ایک سے علیحدہ علیحدہ رائے معلوم کرنا چاہئے، جب آپ ﷺ نے لوگوں کو قیدی آزاد کرنے کی ترغیب دی تو ہر طرف سے آواز آئی کہ ہم سب قیدی آزاد کرنے کے لئے تیار ہیں مگر عدل وانصاف اور حقوق کے معاملہ میں احتیاط کے پیش نظر رسول اللہ ﷺ نے اسطرح کی مختلف آوازوں کو کافی نہ سمجھا اور فرمایا کہ میں نہیں جانتا کہ کون لوگ اپنا حق چھوڑنے کے لئے خوش دلی سے تیار ہیں اور کون ایسے ہیں کہ شرما شرمی خاموش رہے، معاملہ حقوق العباد کا ہے اس لئے ایسا کیا جائے کہ ہر جماعت اور خاندان کے سردار اپنی اپنی جماعت کے لوگوں سے الگ الگ صحیح بات معلوم کرکے مجھے بتائیں، اس کے مطابق سرداروں نے ہر ایک سے الگ الگ اجازت حاصل کرنے کے بعد رسول اللہ ﷺ کو بتلایا کہ سب لوگ خوش دلی سے اپنا حق چھوڑنے کے لئے تیار ہیں تب رسول اللہ ﷺ نے یہ سب قیدی ان کو واپس کر دیئے۔

یہی لوگ ہیں جن کی توبہ کی طرف "ثُمَّ یَتوب اللّٰہ من بعد ذلک" میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔

احکام ومسائل:

آیات مذکورہ میں سب سے بڑی ہدایت تو یہ دی گئی ہے کہ مسلمانوں کو کسی وقت بھی اپنی طاقت پر ناز وغرور نہیں ہونا چاہئے نظر ہر حال میں اللہ کی نصرت پر رہنی چاہئے۔

غزوہ حنین میں مسلمانوں کی عددی کثرت اور ساز وسامان حرب کے کافی ہونے کی وجہ سے بعض صحابہ کرام کی زبان پر جو بڑا بول آگیا تھا کہ آج تو کسی کی مجال نہیں کہ جو ہم سے بازی لیجا سکے اللہ کو اپنی اس محبوب جماعت کی زبان سے ایسے کلمات پسند نہ آئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ابتدائی ہلّہ کے وقت مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور پشت پھیر کر بھاگنے لگے، پھر اللہ ہی کی غیبی مدد سے یہ میدان فتح ہوا۔

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْمُشْرِکُوْنَ نَجَسٌ (الآیۃ) مشرکوں کے نجس ہونے کا مطلب عقائد واعمال کے لحاظ سے نجس ہونا ہے، بعض کے نزدیک مشرک ظاہر وباطن دونوں اعتبار سے ناپاک ہیں اسلئے کہ وہ اس طہارت وصفائی کا لحاظ نہیں کرتے جس کا حکم شریعت نے دیا ہے، بعض ناپاک چیزوں کو مثلاً گائے کا پیشاب اور گوبر وغیرہ کو ناپاک نہیں سمجھتے اور معنوی نجاست مثلاً غسل جنابت وغیرہ بھی ضروری نہیں سمجھتے اسی لئے مشرکوں کو آیت مذکورہ میں نجاست محض قرار دیکر فلا یقربوا المسجد الحرام السخ میں مشرکوں کو مسجد حرام کے پاس آنے سے منع کیا گیا ہے، مسجد حرام عام طور پر اس جگہ کو کہا جاتا ہے جو بیت اللہ کے چاروں طرف چہار دیواری سے گھری ہوئی ہے، لیکن قرآن وحدیث میں بعض اوقات پورے حرم مکہ کیلئے بھی استعمال ہوا ہے جو کئی

مربع میل کا رقبہ ہے اور چاروں طرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قائم کردہ حدود سے گھرا ہوا ہے جیسا کہ واقعہ معراج میں من المسجد الحرام سے بالاتفاق یہی معنی مراد لئے گئے ہیں اسلئے کہ واقعہ معراج معروف مسجد حرام کے اندر سے نہیں بلکہ ام ہانی کے مکان سے ہوا اسی طرح "اِلَّا الَّذِيْنَ عَاهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ" میں مسجد حرام سے پورا حرم ہی مراد ہے اسلئے کہ جس واقعہ کا اس آیت میں ذکر ہے وہ مقام حدیبیہ میں پیش آیا تھا جو حدود حرم سے باہر اس سے متصل واقع ہے۔

(معارف، حصاص)

لہٰذا اب آیت کے معنی یہ ہوں گے کہ اس سال کے بعد مشرکین کا داخلہ حدود حرم میں ممنوع ہے اس سال سے بعض حضرات نے ۱۰ھ مراد لیا ہے مگر جمہور کے نزدیک ۹ھ راجح ہے اسلئے کہ آپ ﷺ نے اعلان براءت حضرت ابوبکر صدیق اور علی مرتضی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے ذریعہ موسم حج میں ۹ھ میں کرایا تھا اسلئے ۹ھ سے ۱۰ھ تک مہلت کا سال ہے ۱۰ھ سے یہ قانون نافذ ہوا۔

مسجد حرام میں مشرکین کے داخلہ کی ممانعت کا مطلب اور خصوصیت یا عدم خصوصیت کا مسئلہ:

آیت مذکور میں مشرکوں کو حرم میں داخل نہ ہونے کا حکم دیا گیا ہے اس میں تین باتیں غور طلب ہیں۔

1. یہ حکم مسجد حرام کے ساتھ مخصوص ہے یا دنیا کی کسی بھی مسجد میں مشرک کے داخلہ پر پابندی ہے؟
2. مشرکین کے داخلہ پر پابندی مطلقاً ہے یا صرف حج وعمرہ کے لئے داخلہ پر پابندی ہے؟
3. یہ کہ اس حکم میں کفار اہل کتاب بھی شامل ہیں یا نہیں؟

روایات کو سامنے رکھ کر ائمہ مجتہدین نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق احکام بیان کئے ہیں۔

امام مالک رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ اور فقہاء اہل مدینہ کا مسلک:

فرمایا کہ مشرکین ہر معنی کے اعتبار سے نجس ہیں خواہ ظاہری ہو یا معنوی اسلئے یہ حکم تمام مساجد کیلئے ہے۔

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مسلک:

امام شافعی فرماتے ہیں کہ یہ حکم مشرکین اور کفار اہل کتاب سب کے لئے عام ہے مگر مسجد حرام کیلئے مخصوص ہے، دیگر مساجد میں ان کا داخلہ ممنوع نہیں ہے (قرطبی) دلیل یہ کہ ثمامہ بن اُثال جب اسلام لانے سے پہلے گرفتار ہو کر آئے تھے تو آپ ﷺ نے ان کو مسجد نبوی میں ایک ستون سے باندھ دیا تھا۔

امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مسلک:

فرمایا کہ مسجد حرام کے قریب نہ جانیکا مطلب یہ ہے کہ آئندہ سال سے ان مشرکوں کو مشرکانہ طرز پر حج وعمرہ کرنے کی اجازت نہ ہوگی دلیل یہ پیش فرماتے ہیں کہ جس وقت حضرت علی کے ذریعہ اعلان براءت کرادیا گیا تو اس میں اعلان اسی کا تھا کہ "لایحجنَّ بعد العام مشرك" اسلئے فلایقربوا المسجد الحرام کے معنی بھی یہی ہوں گے دیگر کسی ضرورت سے امیر المومنین کی اجازت سے داخل ہوسکتے ہیں وفد ثقیف کا واقعہ اس کا شاہد ہے کہ فتح مکہ کے بعد جب ان کا وفد رسول ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے ان کو مسجد میں ٹھہرایا تھا، حالانکہ یہ لوگ اس وقت کافر تھے صحابہ کرام نے عرض بھی کیا یارسول اللہ یہ نجس قوم ہے تو آپ نے فرمایا کہ مسجد کی زمین پر ان لوگوں کی نجاست کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ (جصاص)

وَاِنْ خِفْتُمْ عَیْلَةً فَسَوْفَ یُغْنِیْکُمُ اللّٰهُ الخ، حرم میں مشرکین کے داخلہ پر پابندی سے بعض مسلمانوں کے دل میں یہ خیال آیا کہ حج کے موسم میں زیادہ اجتماع کی وجہ سے جو تجارت ہوتی تھی وہ متاثر ہوگی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کاروباری نقصان کی وجہ سے فقروفاقہ سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے اللہ تعالیٰ عنقریب اپنے فضل سے تمہیں غنی کردے گا چنانچہ فتوحات کی وجہ سے مسلمانوں کو بکثرت مال حاصل ہوا اور پھر بتدریج سارا عرب بھی مسلمان ہوگیا اور موسم حج میں حاجیوں کی کثرت کی وجہ سے تجارتی نقصان کی کمی بھی پوری ہوگئی بلکہ اس سے بھی زیادہ ہوگئی اور یہ سلسلہ روز افزوں ہی ہے۔

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَایُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ، مشرکین سے قتال عام کے حکم کے بعد اس آیت میں یہود ونصاریٰ سے قتال کا حکم دیا جارہا ہے (اگر وہ اسلام قبول نہ کریں) یا پھر وہ جزیہ دینا قبول کرکے مسلمانوں کی بالادستی قبول کرلیں، جزیہ ایک متعین رقم ہے جو سالانہ ایسے غیر مسلموں سے لی جاتی ہے جو کسی اسلامی مملکت میں رہائش پذیر ہوں، اسکے بدلے انکے جان ومال اور عزت وآبرو کی حفاظت کی ذمہ داری اسلامی مملکت کی ہوتی ہے۔

جزیہ کی غایت اسلام نہیں:

قتال وجہاد کی غایت یہ نہیں ہے کہ وہ ایمان لے آئیں اور دین حق کے پیروبن جائیں بلکہ اس کی غایت یہ ہے کہ اسلام کی بالادستی قبول کریں وہ خود حاکم اور صاحب امر بن کر نہ رہیں بلکہ نظام زندگی کی باگ ڈور اور امامت کے اختیارات متبعین دین حق کے ہاتھوں میں ہوں مطلب یہ ہے کہ قتال اس وقت تک جاری رہے گا جبتک وہ ماتحت بن کر جزیہ دینا قبول نہ کرلیں۔

جزیہ امان وحفاظت کا بدل ہے نہ کہ اسلام کا:

جزیہ بدل ہے اس امان وحفاظت کا جو ذمیوں کو اسلامی حکومت میں عطا کی جاتی ہے نیز یہ اس بات کی علامت ہے کہ انہوں نے اسلامی حکومت کی تابع داری قبول کرلی ہے، ہاتھ سے دینے کا مطلب یہ ہے کہ سیدھے طریقہ سے بغیر کسی حیلہ وحجت کے مطیعانہ شان سے جزیہ ادا کریں۔

جزیہ کی مقدار:

جزیہ کی مقدار کا تعین اگر باہمی مصالحت اور رضامندی سے ہو تو شرعاً اس کی کوئی تحدید نہیں جیسا کہ رسول ﷺ نے اہل نجران کے ساتھ ایسا ہی معاملہ فرمایا تھا کہ انکی پوری جماعت سے سالانہ دو ہزار حلے (جوڑے، دو چادریں) جوڑوں کی قیمت کا تخمینہ بھی طے ہو گیا تھا اسی طرح نصاریٰ بنی تغلب سے عمر فاروق رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کا اس پر معاہدہ ہوا کہ ان کا جزیہ اسلامی زکوٰۃ کے حساب سے وصول کیا جائیگا مگر زکوٰۃ سے دوگنا، ابتداء یہ حکم یہود و نصاریٰ کے لئے تھا لیکن بعد میں خود رسول اللہ ﷺ نے مجوس سے جزیہ لے کر انھیں ذمیوں میں شامل فرمالیا اور اس کے بعد بالاتفاق صحابہ کرام نے بیرون عرب کی تمام قوموں پر اس حکم کو عام کر دیا۔

بذریعہ جنگ مفتوحہ قوموں کا حکم:

اگر مسلمانوں نے کسی ملک کو جنگ کے ذریعہ فتح کیا اور وہاں کے باشندوں کو ان کی جائیدادوں پر برقرار رکھا، اور وہ اسلامی مملکت کی رعیت بن کر رہنے پر رضامند ہو گئے تو ان کے جزیہ کی مقدار کی شرح وہ ہوگی جو حضرت عمر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے اپنے عہد خلافت میں نافذ فرمائی کہ مالداروں سے چار درہم ماہوار اور متوسط الحال لوگوں سے اس کا نصف اور غریب لوگوں سے جو تندرست ہوں اور محنت و مزدوری کر سکتے ہوں ان سے صرف ایک درہم ماہوار اور جو بالکل مفلس اور اپاہج ہوں ان سے کچھ نہ لیا جائیگا اسی طرح عورتوں، بوڑھوں، بچوں، تارک الدنیا راہبوں سے بھی کچھ نہ لیا جائے گا۔

جزیہ پر اعتراض اور معذرت خواہانہ جواب:

جزیہ کے متعلق بعض حضرات نے انیسویں صدی عیسوی کے دور ذلت میں مسلمانوں کی طرف سے بڑی بڑی معذرتیں پیش کی ہیں اور اس دور کی کچھ یادگار شخصیتیں، نام نہاد دانشور آج بھی موجود ہیں جو صفائی دینے میں لگے ہوئے ہیں، لیکن خدا کا دین اس سے بہت بالا و برتر ہے کہ اسے خدا کے باغیوں کے سامنے معذرت پیش کرنے کی کوئی حاجت ہو سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ جو لوگ خدا کے دین کو اختیار نہیں کرتے اور اپنی یا دوسروں کی نکالی ہوئی غلط راہوں پر چلتے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ بس اتنی ہی آزادی کے مستحق ہیں کہ خود جو غلطی کرنا چاہتے ہیں کریں، لیکن انھیں اس کا قطعاً کوئی حق نہیں ہے کہ خدا کی زمین پر کسی جگہ اقتدار و فرماں روائی کی باگیں ان کے ہاتھوں میں ہوں اور وہ انسانوں کی اجتماعی زندگی کا نظام اپنی گمراہیوں کے مطابق قائم کریں اور چلائیں، یہ چیز جہاں ہوگی وہاں فساد برپا ہوگا، اہل ایمان پر فرض اور ضروری ہے کہ خدا کی زمین سے خدا کے باغیوں کو بے دخل کر کے نظام صالح قائم کریں جس سے زمین کا فساد ختم ہو کر امن و امان قائم ہو اور خدا کی مخلوق خدا کی زمین پر امن و امان کے ساتھ رہ سکے۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ عُزَيْرٌ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ عیسی ابْنُ اللّٰهِ ذٰلِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ لا مستند لهم عليه بل يُضَاهِئُوْنَ يشابهون به قَوْلَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ من آبائهم تقليدا لهم قَاتَلَهُمُ لعنهم اللّٰهُ اَنّٰى كيف يُؤْفَكُوْنَ ۞ يصرفون عن الحق مع قيام الدليل اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ علماء اليهود وَرُهْبَانَهُمْ عُبّاد النصرى اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ حيث اتبعوهم في تحليل ما حرّم وتحريم ما احلّ وَالْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَمَا اُمِرُوْا في التورة والانجيل اِلَّا لِيَعْبُدُوْا اي بان يعبدوا اِلٰهًا وَّاحِدًا لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ سُبْحٰنَهٗ تنزيها له عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ شرعه وبراهينه بِاَفْوَاهِهِمْ باقوالهم فيه وَيَاْبَى اللّٰهُ اِلَّا اَنْ يُّتِمَّ يظهر نُوْرَهٗ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ ۞ ذلك هُوَ الَّذِيْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ محمدا بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ يغلبه عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ جميع الاديان المخالفة له وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۞ ذلك يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ ياخذون اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ كالرشي في الحكم وَيَصُدُّوْنَ الناس عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دينه وَالَّذِيْنَ مبتدأ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا اي الكنوز فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اي لا يؤدّون منها حقه من الزكوة والخير فَبَشِّرْهُمْ اي اخبرهم بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ۞ مؤلم يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى تحرق بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ توسع جلودهم حتى توضع عليه كلها ويقال لهم هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ۞ اي جزاءه اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ المعتد بها للسنة عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتٰبِ اللّٰهِ اللوح المحفوظ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَآ اي الشهور اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ محرمة ذوالقعدة وذوالحجة والمحرم ورجب ذٰلِكَ اي تحريمها الدِّيْنُ الْقَيِّمُ المستقيم فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اي الاشهر الحرم اَنْفُسَكُمْ بالمعاصي فانها فيها اعظم وزرا وقيل في الاشهر كلها وَقَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً اي جميعا في كل الشهور كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ۞ بالعون والنصر اِنَّمَا النَّسِيْٓءُ اي التاخير لحرمة شهر الى اخر كما كانت الجاهلية تفعله من تاخير حرمة المحرم اذا اهلّ وهم في القتال الى صفر زِيَادَةٌ فِي الْكُفْرِ لكفرهم بحكم الله فيه يُضَلُّ بضم الياء وفتحها بِهِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُحِلُّوْنَهٗ اي النسئ عَامًا وَّيُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّيُوَاطِئُوْا يوافقوا بتحليل شهر وتحريم اخر بدله عِدَّةَ عدد مَا حَرَّمَ اللّٰهُ من الاشهر فلا يزيدون على تحريم اربعة ولا ينقصون ولا ينظرون الى اعيانها فَيُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰهُ زُيِّنَ لَهُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِهِمْ فظنوه حسنا وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۞

ترجمہ: یہود نے کہا کہ عزیر اللہ کے بیٹے ہیں، اور نصاریٰ نے کہا عیسیٰ مسیح، اللہ کے بیٹے ہیں یہ ان کے منہ سے نکلی ہوئی (بے حقیقت) باتیں ہیں جن پر ان کے پاس کوئی دلیل نہیں، یہ بھی ان لوگوں کی تقلید میں ان ہی کی سی باتیں کرتے ہیں جو ان کے آباء (واجداد) میں سے پہلے کافر ہو چکے ہیں اللہ کی ان پر مار (لعنت) ہو دلیل قائم ہونے کے باوجود کہاں بھٹکے چلے جا رہے ہیں؟ یہود نے اپنے علماء کو اور نصاریٰ نے اپنے درویشوں کو اللہ کے علاوہ رب بنالیا ہے، اس طریقہ پر کہ حرام کو حلال کرنے میں اور حلال کو حرام کرنے میں ان کی اتباع کی، اور اسی طرح مسیح ابن مریم کو بھی (رب بنا لیا ہے) اور تورات وانجیل میں ان کو صرف یہ حکم دیا گیا تھا کہ وہ فقط ایک معبود (برحق) کی بندگی کریں وہ معبود کہ جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہ ان کے شرک سے پاک ہے (یہ کافر) یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کی روشنی کو پھونکوں سے بجھادیں یعنی اس کی شریعت اور اس کے براہین میں قیل وقال کر کے مشکوک کردیں اور اللہ اس (روشنی) کو مکمل طور پر ظاہر کئے بغیر ماننے گا نہیں، اگرچہ کافروں کو یہ بات ناپسند ہو (چنانچہ) وہ اللہ ایسا ہے کہ جس نے اپنے رسول محمد ﷺ کو (اس نور کی تکمیل کیلئے) ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا ہے، تاکہ اس دین کو تمام ادیان باطلہ پر غالب کردے اگرچہ مشرکوں کو یہ بات ناپسند ہو اے ایمان والو (یہود ونصاریٰ کے) اکثر علماء، ورہبان لوگوں کے مالوں کو باطل طریقہ سے کھاتے، لیتے، ہیں مثلاً فیصلہ میں رشوت کے ذریعہ اور لوگوں کو اللہ کے دین سے باز رکھتے ہیں اور وہ لوگ اَلَّذِیْنَ مبتداء ہے جو سونا اور چاندی جمع کرتے ہیں اور اس جمع کردہ مال میں سے اللہ کے راستہ میں خرچ نہیں کرتے یعنی زکوٰۃ کے ذریعہ اس کا حق ادا نہیں کرتے فبشرھم مبتداء کی خبر ہے تو ان کو دردناک عذاب کی خبر سنادو جس دن کہ اس جمع کردہ مال کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائیگا پھر اس کے ذریعہ ان کی پیشانیوں کو اور ان کے پہلوؤں کو اور ان کی پیٹھوں کو داغا جائیگا، انکی کھالوں کو وسیع کردیا جائیگا تاکہ ان پر اس تمام مال کو رکھا جاسکے، اور انکو یہ جتادیا جائیگا کہ یہ وہی مال ہے جس کو تم نے اپنے لئے جمع کیا تھا یعنی یہ اس کی سزا ہے لو، اب اپنے جمع کئے ہوئے خزانہ کا مزا چکھو حقیقت یہ ہے کہ مہینوں کی تعداد جن کے ذریعہ سال کا حساب لگایا جاتا ہے اللہ کے نزدیک لوح محفوظ میں بارہ مہینے ہیں جب سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا ہے بارہ ہی ہیں ان مہینوں میں چار مہینے محترم ہیں ذوالقعدہ اور ذوالحجہ اور محرم اور رجب، یہ یعنی ان مہینوں کی حرمت ہی دین کا صحیح طریقہ ہے، لہٰذا ان چار مہینوں (کے باب) میں معاصی کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم نہ کرو اس لئے کہ ان چار مہینوں کی بے حرمتی گناہ عظیم ہے اور کہا گیا ہے کہ پورے بارہ مہینے مراد ہیں اور تمام مشرکوں سے تمام مہینوں میں لڑو جیسا کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ تعالیٰ مدد اور نصرت کے ذریعہ متقیوں کے ساتھ ہے اور نسیئ یعنی مہینہ کی حرمت کو دوسرے مہینہ کی طرف مؤخر (منتقل) کردینا جیسا کہ جاہلیت ماہ محرم کی حرمت کو دوسرے مہینے یعنی ماہ صفر کی طرف منتقل کردیتی تھی جبکہ ماہ محرم کا چاند ان کی جنگ کی حالت میں نظر آجاتا تھا، یہ (حرکت) کفر میں ایک اضافہ ہے اس ماہ کے بارے میں اللہ کے

حکم کا انکار کرنے کی وجہ سے جس کے ذریعہ یہ کافر لوگ گمراہی میں مبتلا کئے جاتے ہیں (یُضَـل) یاء کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے اس نسیئ یعنی مؤخر کو کسی سال حلال کر لیتے ہیں اور کسی سال حرام تا کہ ایک مہینہ کو حلال کر کے اور دوسرے کو اس کے بدلے میں حرام کر کے اللہ کے حرام کئے ہوئے یعنی اللہ کے محرم کئے ہوئے مہینوں کی تعداد پوری کر دیں چنانچہ چار محرم مہینوں میں نہ زیادتی کرتے تھے اور نہ کمی، البتہ ان کی تعیین کی رعایت نہیں کرتے تھے (چنانچہ) وہ اس طرح اللہ کا حرام کیا ہوا (مہینہ) حلال کر لیتے ہیں ان کے برے اعمال ان کے لئے خوشنما کر دیئے گئے ہیں جس کی وجہ سے وہ ان اعمال کو حسن ہی سمجھتے تھے، اللہ منکرین حق کو ہدایت نہیں دیا کرتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: عُزَیْر، ایک مشہور اسرائیلی بزرگ کا نام ہے جن کے متعلق بعض عرب کا عقیدہ تھا کہ وہ اللہ کے فرزند ہیں عُزَیْر کو بعض نے منصرف اور بعض نے غیر منصرف پڑھا ہے، ان کے نبی ہونے میں اختلاف ہے، روح المعانی میں ہے "**اختلف فی عزیر هل هو نبی ام لا والا کثرون علی الثانی**" علامہ جلال الدین سیوطی نے بھی **الاتقان فی علوم القرآن** میں اسی کو ترجیح دی ہے، مولانا سید سلیمان ندوی نے لکھا ہے کہ عزیر سے مراد عزراء کاہن ہے جس نے تورات کو اپنے اعجاز سے دوبارہ زندہ کیا تھا۔

قَوْلُهُ: یُضَاهِئُونَ یہ مُضَاهَاة (مفاعلة) سے مضارع جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے، مشابہت پیدا کر رہے ہیں، ضِهِیٌ مثل، مانند، شبیہ ضَهْیًا مصدر (س) ناقص یائی، عورت کا مرد کے مانند ہو جانا نہ حیض آئے اور نہ پستان ابھریں اور نہ حمل رہے، ضَهْیَاءُ مردنما عورت۔

قَوْلُهُ: یُؤْفَکُونَ، افكٌ (ض) سے جمع مذکر غائب مضارع، کہاں پھرے جاتے ہیں۔

قَوْلُهُ: بان یعبدوا، اس میں اشارہ ہے کہ لِیَعْبُدُوا میں لام بمعنی باء ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ الامر کا صلہ لام نہیں آتا۔

سَوَال: اَنْ کو کیوں مقدر مانا۔

جَوَاب: تا کہ حرف جر کا داخل ہونا صحیح ہو جائے۔

قَوْلُهُ: شَرْعَهٗ

سَوَال: نور کی تفسیر شرع اور برھان سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَاب: اس سے بھی ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ نور تو اللہ کی ذات کے ساتھ قائم ہے تو وہ اس نور کو بجھانے کا ارادہ کس طرح کر سکتے ہیں حالانکہ وہ عقلاء ہیں۔

جواب: یہ ہے کہ نور سے مراد اللہ کی شریعت ہے۔

قولہ: بِاَقوالهم فيه اس میں اشارہ ہے کہ محل بول کر حال مراد ہے اسلئے کہ منہ سے شریعت کو بجھانے کا کوئی مطلب نہیں ہے مراد اقوال ہیں یعنی نکتہ چینی اور طعنہ زنی۔

قولہ: ذلك ذلك كَرِهَ کا مفعول محذوف ہے۔

قولہ: يأخذون. ياكلون کی تفسیر يأخذون سے کرکے اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ کلام میں استعارہ ہے یعنی اکل سے اخذ مراد ہے اکل کی تخصیص مقصود اعظم ہونے کی وجہ سے ہے۔

قولہ: اى الكنوز ، اس میں اشارہ ہے کہ يُنفقونَها کی ضمیر كنوز کی طرف راجع ہے جو کہ يكنزون سے مفہوم ہے یہ شبہ ختم ہو گیا کہ ماقبل میں ذَهَبٌ اور فضة دو چیزوں کا ذکر ہے لہٰذا ينفقونهما ہونا چاہئے۔

قولہ: اى لا يُؤَدُّونَ منها حقّه من الزكوة یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ لاينفقونَها فى سبيل الله، میں مطلقاً عدم انفاق فى سبيل الله پر وعید ہے اس میں انفاق کی مقدار بیان نہیں کی گئی معلوم ہوا کہ تمام مال خرچ نہ کرنے پر بھی وعید ہے حالانکہ تمام مال خرچ کرنا ضروری نہیں ہے اسی سوال کے جواب کی طرف لا يُؤَدُّون الخ سے اشارہ کردیا کہ کل بول کر جزء مراد ہے۔

قولہ: **يَوْمَ يُحْمىٰ عَلَيْهَا فِى نَارِ جَهَنَّمَ، اى أنَّ النار توقد عليها وهى ذات حمى وحر شديد ولو قال يوم يحمى اى الكنوز لم يعط هذا المعنى فجعل الاحماء للنار مبالغة ثم حذف النار واسند الفعل الى الجار.**

قولہ: اخبرهم، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ فبشرهم، مبتداء کی خبر واقع ہے حالانکہ انشاء کا خبر واقع ہونا درست نہیں ہے جواب کا حاصل جس کی طرف مفسر علام نے واخبرهم کہہ کر اشارہ کیا ہے یہ ہے کہ فبشرهم فى حقهم کی تاویل میں ہو کر مبتداء کی خبر ہے، (نوٹ) پیش نظر جلالین کے نسخے میں الخير ہے جو کہ کتابت کی غلطی ہے اصل میں الخبر ہے۔

قولہ: تُكْوىٰ، داغا جائیگا (ض) یہ كَيٌّ سے مضارع مجہول واحد مؤنث غائب ہے۔

قولہ: اى جزاءُه حذف مضاف سے اس بات کی طرف اشارہ کردیا کہ کنز چکھنے کی چیز نہیں ہے مراد عدم انفاق کی سزا بھگتنا ہے۔

قولہ: للسنة، اى المعتد بها لحساب السَّنَةِ، یہاں دراصل الحساب مضاف محذوف ہے، یعنی اللہ کے نزدیک بارہ مہینے ہیں جن کے ذریعہ سال کا حساب ہوتا ہے، قمری سال ۳۵۵ دن کا ہوتا ہے اور شمسی سال کا ۳۶۵ دن کے ذریعہ حساب ہوتا ہے، قمری سال شمسی سال سے دس دن چھوٹا ہوتا ہے۔

قَوْلُهٗ: محرَّمة.

سُوَال: حُرُمٌ مصدر ہے ہذا اس کا حمل اربعة پر درست نہیں ہے۔

جَوَاب: حُرُمٌ، محرَّمَة اسم مفعول کے معنی میں ہے لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

قَوْلُهٗ: النَسِئُ، یہ نَسَأ کا مصدر ہے مؤخر کرنا ہٹادینا، یقال نَساَه نَسْأ و نَسِيْأ و نَسَاءً اس کو مؤخر کیا جیسا کہ کہا جاتا ہے مَسَّهٗ مَسًّا و مَسَاسًا و مَسِيْسًا چھونا مس کرنا، بعض حضرات نے نسيٌ بمعنی منسوءٌ بروزن فَعِيْلٌ بمعنی مفعول بھی لیا ہے۔

تَفسِیر وَتَشریح

ربط آیات:

گذشتہ آیات میں مشرکین کے قبائح کا بیان تھا، اب اہل کتاب کے قبائح اور عقائد شرکیہ کا بیان ہے، اس میں یہ بتایا گیا ہے کہ اہل کتاب گو اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے تھے مگر حقیقت میں جس طرح ایمان رکھنا چاہئے اس طرح نہیں رکھتے تھے جس کی وجہ سے ایمان رکھنا نہ رکھنا برابر تھا، اسی لئے گذشتہ آیت میں اہل کتاب کے متعلق "لا یؤمنون باللّٰه ولا بالیوم الآخر ولا یدینون دین الحق" فرمایا تھا کہ وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور نہ یوم آخرت پر اور نہ وہ دین حق کو اختیار کرتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ نِ ابْنُ اللّٰهِ تورات کے تلفظ میں عزرا (UZRA) ہے المتوفی ۴۵۸ ق،م اور بعض نے ۴۵۰ ق م لکھا ہے، یہود ان کو اپنے دین کا مجدد مانتے ہیں یہود کے مذہبی نوشتوں میں نبی سے زیادہ مجدد کے نام سے مشہور ہیں، بخت نصر ۶۰۴ تا ۵۸۶ ق م، کے یروشلم پر حملے اور اس کی کامل تباہی کے بعد، نہ صرف یہ کہ تورات دنیا سے گم ہوگئی تھی بلکہ بابل کی اسیری نے اسرائیلی نسلوں کو اپنی شریعت، اپنی روایات اور اپنی قومی زبان عبرانی تک سے ناآشنا کردیا تھا، آخر کار انہی عزراء نے اپنی یادداشت سے بائبل کے پرانے عہد نامے کو مرتب کیا اور انکی شریعت کی تجدید کی، اسی وجہ سے بنی اسرائیل ان کی بہت تعظیم کرتے ہیں، یہود کے بعض فرقے تعظیم میں اس قدر آگے بڑھ گئے کہ ان کے بارے میں ابن اللہ تک کا عقیدہ بنالیا، ابن اللہ کا انگریزی میں ترجمہ (Child of God & Son of God) کی اصطلاح الگ الگ ہیں جیسا کہ اردو میں لڑکے اور بیٹے کے الگ الگ مفہوم ہیں اسی طرح عربی میں بھی ابن اور ولد دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے (Child of God) کے معنی صلبی یا حقیقی فرزند کے نہیں ہیں، بلکہ خدا کا لاڈلا یا چہیتا یا فرزند معنوی مجازی کے ہیں جیسا کہ قرآن ہی میں ایک دوسری جگہ اہل کتاب ہی کی زبان سے استعمال ہوا ہے قالوا نحن ابناءُ اللّٰه وَاَحِبَّاءُ ہٗ یہاں ابناء کے معنی مجازی اور معنوی اولاد کے ہیں۔

(تفسیر ماجدی ملخصًا)

وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ، مسیحیت کی دو گمراہیاں تھیں پہلی شدید اور دوسری شدید تر ، ایک یہ حضرت مسیح کو اللہ کا ولد (Son of God) قرار دینا اس کا ذکر قرآن مجید میں جہاں آیا ہے اکثر بہت سخت وعید کے ساتھ آیا ہے مثلاً تکاد السموات یتفطرن" وغیرہ دوسری گمراہی حضرت مسیح کو خدا کا فرزند مجازی (child of god) قرار دینا قرآن نے اس عقیدہ کو ابن اللّٰہیت سے تعبیر کیا ہے یہ عقیدہ تو بجائے خود شدید ہے پھر بھی ولد اللّٰہیت کا عقیدہ اس سے شدید تر ہے (ماجدی) ہمارے بعض قدیم مفسرین بھی اس نکتہ تک پہنچ گئے ہیں، کہ یہاں ابنیت سے مراد ابنیت نسبی نہیں ہے بلکہ لاڈ پیار والی ابنیت ہے اور یہ بھی کفر ہے۔

قال ابن عطية ويقال إنّ بعضهم يعتقدونها بنوة حُنو ورحمة وهذا المعنى ايضا لا يحل ان تطلق لبنوة عليه وهو كفرٌ (قرطبي) ويقال انّ بعضهم يعتقدونها بنوة حنوّ ورحمة

ذَالِكَ قَوْلُهُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ ، یعنی بے سند محض زبان سے بک دینے والی بات ہے یعنی ان مہمل معتقدین کے پاس عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی ، یہ تو محض ان جاہلی مشرک قوموں کی تقلید ہے جو باری تعالیٰ کی تجسیم کی قائل تھیں اور عقیدۂ حلول اور اوتار کے ماننے والی تھیں یہ اشارہ خاص یونان کے مشرکوں کی جانب ہے کہ ان کے حکماء وفلاسفہ کے اقوال سے پہلی صدی عیسوی کے یہود ونصاریٰ دونوں ہی متاثر ہو گئے تھے۔

اِتَّخَذُوْا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ، اس کی تفسیر حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی بیان کردہ حدیث سے بخوبی ہو جاتی ہے، عدی فرماتے ہیں کہ میں نے نبی ﷺ سے یہ آیت سنکر عرض کیا کہ یہود ونصاریٰ نے تو اپنے علماء کی بھی عبادت نہیں کی پھر یہ کیوں کہا گیا کہ انہوں نے ان کو رب بنالیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا" یہ ٹھیک ہے کہ انہوں نے ان کی عبادت نہیں کی مگر یہ بات تو ہے نا، کہ ان کے علماء نے جس کو حلال قرار دیا اس کو انہوں نے حلال اور جس چیز کو حرام کر دیا اس کو حرام ہی سمجھا یہی ان کی عبادت کرنا ہے. (ترمذی) کیونکہ حلال حرام کرنے کا اختیار صرف اللہ کو ہے یہی حق اگر غیر اللہ کو دیدیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اس کو اپنا رب بنالیا۔

مذکورہ دونوں الزام یعنی کسی کو خدا کا بیٹا قرار دینا اور کسی کو شریعت سازی کا حق دے دینا، اس بات کے ثبوت میں پیش کئے گئے ہیں کہ یہ لوگ ایمان باللہ کے دعوے میں جھوٹے ہیں چاہے یہ خدا کی ہستی کو مانتے ہوں مگر ان کا تصور خدائی اس قدر غلط ہے کہ اس کی وجہ سے ان کا خدا کو ماننا نہ ماننے کے برابر ہے۔

يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰهِ بِاَفْوَاهِهِمْ الخ یعنی اللہ نے رسول اللہ ﷺ کو جو ہدایت اور دین حق دیکر بھیجا ہے یہود ونصاریٰ ومشرکین چاہتے ہیں کہ اپنے جدال وافتراء سے اسے مٹادیں ان کی مثال ایسے ہی ہے کہ جیسے کوئی شخص سورج کی شعاعوں کو اور چاند کی روشنی کو اپنی پھونکوں سے بجھانے کی کوشش کرے جس طرح یہ ناممکن ہے اسی طرح جو دین حق اللہ نے اپنے رسول کو دے کر بھیجا ہے اس کو مٹانا بھی ناممکن ہے، وہ تمام دینوں پر غالب ہو کر رہے گا، دلائل وبراہین کے اعتبار

سے تو یہ غلبہ ہر وقت حاصل ہے تاہم جب مسلمانوں نے دین پر عمل کیا تو انھیں بے دینوں پر غلبہ بھی حاصل ہوا، اور اب بھی اگر مسلمان اپنے دین کے صحیح معنی میں عامل بن جائیں تو غلبہ ان کا یقینی ہے اس لئے کہ اللہ کا وعدہ ہے کہ حزب اللہ ہی غالب اور فاتح ہوگا بشرطیکہ مسلمان حزب اللہ بن جائیں۔

ربط آیات:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ كَثِيرًا مِنَ الْأَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ الخ تبعین کے عقائد و اوصاف بیان کرنے کے بعد اب ان کے رؤساء اور متبوعین کے اخلاق وصفات بیان فرماتے ہیں، احبار علماء یہود اور رہبان زہاد نصاریٰ کو کہتے ہیں احبار ''حبر'' کی جمع ہے ایسے شخص کو کہتے ہیں جو خوبصورت طریقہ سے بات پیش کرنے کا سلیقہ رکھتا ہو، ''محبر'' خوبصورت اور منقش کپڑے کو اسی مناسبت سے کہتے ہیں، ''رہبان'' بعض کے نزدیک صوفیاء نصاریٰ کو کہتے ہیں اور علماء نصاریٰ کو ''قسیسین'' کہا جاتا ہے، یہ دونوں گروہ ایک تو کلام میں تحریف و تغیر کر کے لوگوں کی خواہشات کے مطابق مسئلے بتاتے تھے اس طرح لوگوں کو اللہ کے راستہ سے روکتے تھے، دوسرے یہ کہ لوگوں کا مال ناجائز اور باطل طریقہ سے اینٹھتے تھے، غرضیکہ یہ ظالم صرف یہی ستم نہیں کرتے تھے کہ فتوے بیچ کر رشوتیں لیتے تھے نذرانے بٹورتے تھے بلکہ ایسے ایسے مذہبی ضابطے اور مراسم ایجاد کرتے تھے کہ جن سے لوگ اپنی نجات ان سے خریدیں اور ان کا مرنا جینا اور شادی اور غم کچھ بھی ان کو کھلائے پلائے بغیر نہ ہو سکے اور اپنی قسمتیں بنانے بگاڑنے کا ٹھیکیدار ان کو سمجھ لیں اور تاریخ گواہ ہے جب کبھی کوئی دعوت حق اصلاح کے لئے اٹھتی ہے تو سب سے پہلے یہی لوگ اپنی عامانہ فریب کاریوں اور مکاریوں کے حربے لے لے کر اس کا راستہ روکنے کھڑے ہو جاتے ہیں، ایسے ناخداترس اور خودغرض لوگ ہر زمانہ میں رہے ہیں اور آج بھی ہیں جو خدا کی بھولی بھالی مخلوق کو اپنے دام مکر وفریب میں پھنسائے رہتے ہیں اور ان کے خون پسینے کی کمائی کا بڑا حصہ اپنی عیش وعشرت وعیاشی میں اڑاتے ہیں۔

إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِنْدَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِي كِتَابِ اللَّهِ، یعنی جب سے اللہ تعالیٰ نے چاند سورج اور زمین پیدا کئے ہیں اسی وقت سے یہ حساب چلا آتا ہے کہ سال کے بارہ مہینے ہی ہوتے ہیں اور چاند ایک ماہ میں ایک مرتبہ ہی طلوع ہوتا ہے یہ بات اس لئے فرمائی گئی ہے کہ عرب اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں کی خاطر مہینوں کی تعداد ۱۳ یا ۱۴ کر لیتے تھے۔

اپنے اوپر ظلم نہ کرنے کا مطلب یہ ہے کہ جن مہینوں میں جنگ کرنا حرام کیا گیا ہے ان کو ضائع نہ کرو اور ان ایام میں بدامنی پھیلا کر اپنے اوپر ظلم نہ کرو محترم مہینوں کو مقدم ومؤخر کر دینا یہ کافرانہ دستوروں میں ایک اور دستور کا اضافہ ہے، ہندوستان میں سنہ فصلی حساب سے رائج ہے اس کے مہینوں میں حساب کو پورا کرنے کے لئے ہندو پنڈت کبھی کبھی ایک مہینے کو دوہرا دیتے ہیں مثلاً اس سال دو اساڑھ ہیں اس کو اصطلاح میں لوند کا مہینہ کہتے ہیں ایسا حسابی ضرورتوں سے کرتے تھے، مگر عرب اور ان کے رؤساء محض اپنی ضرورتوں اور مصلحتوں کے لئے سنہ قمری کے جس مہینے کو چاہتے مقدس قرار دے دیتے اور جس مقدس مہینے کو چاہتے غیر مقدس قرار

دیدیتے اس سے تمام نظام تقویمی میں خلل پڑتا تھا۔

عرب میں نسیئ (تاخیر) دوطرح کی تھی۔ اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ جنگ وجدال اور غارت گری اور خون کا انتقام لینے کے لئے کسی حرام مہینے کو حلال قرار دے لیتے اور اس کے بدلے میں کسی حلال مہینے کو حرام قرار دے کر حرام مہینوں کی تعداد پوری کر دیتے مگر ترتیب باقی نہیں رہتی تھی دوسری صورت یہ تھی کہ قمری سال کو شمسی کے مطابق کرنے کیلئے اس میں کبیسہ کا مہینہ بڑھا دیتے یہ طریقہ یہود سے سیکھا تھا اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اس زمانہ میں قمری مہینوں کا امتیاز ہی دشوار ہوگیا تھا ہجرت کے آٹھویں سال جب مکہ فتح ہوا اور ۹ ہجری میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو موسم حج میں اعلان براءت کرنے کے لئے بھیجا تو پرانے دستور کے مطابق اس سال ان کے نزدیک حج کا مہینہ بجائے ذی الحجہ کے ذی القعدہ تھا پھر ۱۰ھ میں جب رسول اللہ ﷺ حج کے لئے تشریف لے گئے تو قدرتی طور پر ایسا نظام بن گیا کہ یہ مہینہ اصلی ذی الحجہ کا تھا اور اہل عرب کے حساب میں بھی ذی الحجہ قرار پایا تھا، اس سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے کہ آپ ﷺ باوجودیکہ نیکی اور خیر کی طرف بہت زیادہ سبقت کرنے والے تھے مگر آپ نے ۹ھ میں خود حج کو جانے کے بجائے حضرت ابوبکر کو امیر الحج بنا کر بھیجا تاکہ آپ کا حج اپنے صحیح وقت پر ادا ہو ۱۰ھ میں جب آپ نے حج ادا فرمایا تو منیٰ کے مقام پر آپ نے خطبہ میں ارشاد فرمایا "**الا ان الزمان قد استدار کھیئتہٖ یوم خلق اللّٰہ السمٰوات والارض**" یعنی زمانہ پھر پھرا کر اپنی اصلی ہیئت پر آگیا جس پر اس کو اللہ نے زمین وآسمان کی پیدائش کے وقت رکھا تھا۔

عبادات کو شمسی مہینے کے بجائے قمری مہینہ پر رکھنے کی حکمت:

اہل جاہلیت نے جو نسیئ (تاخیر تقدیم) کا طریقہ اختیار کیا تھا اس کی دو اغراض تھیں ایک تو غارتگری اور جنگ وجدال اور انتقام لینے کی خاطر حلال مہینہ کو حرام اور حرام کو حلال کر لیتے تھے، دوسری غرض قمری کو شمسی سال کے مطابق کرنے کیلئے اس میں کبیسہ کا مہینہ بڑھا دیتے تھے، تاکہ حج ہمیشہ ایک ہی موسم میں آئے اور وہ ان زحمتوں سے بچ جائیں جو قمری حساب کے مطابق مختلف موسموں میں حج کے گردش کرتے رہنے سے پیش آتی ہیں، اس طرح ۳۳ سال تک حج اپنے اصلی وقت کے خلاف دوسری تاریخوں میں ہوتا رہتا تھا اور صرف چونتیسویں مرتبہ اصل ذی الحجہ کی ۹۔۱۰ کو ادا ہوا تھا، اس آیت کے ذریعہ جہلاء عرب کی دونوں اغراض کو باطل قرار دیدیا، دوسری غرض گو بظاہر مبنی بر مصلحت ہوتی ہے لیکن درحقیقت یہ بھی خدا کے قانون سے بدترین بغاوت تھی اللہ تعالیٰ نے اپنے عائد کردہ فرائض کے لئے شمسی حساب کے بجائے قمری حساب جن اہم مصالح کی بنا پر اختیار فرمایا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے بندے زمانہ کی تمام گردشوں میں ہر قسم کے حالات وکیفیات میں اس کے احکام کی اطاعت کے خوگر ہوں، مثلاً رمضان ہے تو کبھی گرمی میں اور کبھی سردیوں اور کبھی برسات میں آتا ہے اور اہل ایمان ان سب بدلتے ہوئے حالات میں روزہ رکھ کر فرمانبرداری کا ثبوت بھی دیتے ہیں، اور بہترین اخلاقی تربیت بھی پاتے ہیں اسی طرح حج بھی قمری

حساب سے مختلف موسموں میں آتا ہے اور ان سب طرح کے اچھے برے حالات میں خدا کی رضاء کے لئے سفر کر کے بندے اپنے خدا کی آزمائش میں پورے بھی اترتے ہیں، اور بندگی میں پختگی بھی حاصل کرتے ہیں، اگر کوئی گروہ یا قوم اپنی تجارتی یا دیگر مصلحتوں اور سہولتوں کے پیش نظر کسی ایک ہی خوشگوار موسم میں ہمیشہ کے لئے قائم کر دے تو خدائی قانون کے ساتھ بڑی جسارت اور بغاوت ہے اور اسی کا نام کفر ہے۔

علاوہ ازیں ایک عالم گیر دین جو سب انسانوں کے لئے ہے اگر کسی شمسی مہینہ کو روزے اور حج کے لئے مقرر کر دے جو مہینہ بھی مقرر کیا جائیگا وہ زمین کے تمام باشندوں کے لئے یکساں سہولت کا موسم نہیں ہو سکتا کہیں وہ گرمی کا زمانہ اور کہیں سردی کا تو کہیں برسات کا کہیں فصلیں کاٹنے کا موسم ہوگا تو کہیں بونے کا، لہٰذا ایک عالم گیر دین و مذہب کے لئے ضروری ہے کہ تمام انسانوں کیلئے یکساں طور پر مختلف موسموں میں عبادت کرنے کا موقع ملے تا کہ ہر شخص مختلف موسموں میں خواہ موافق ہوں یا مخالف فرائض واحکام ادا کرنے کا خوگر اور عادی ہو۔

ونَـزَلَ لَمَّا دَعَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم الناسَ الی غَزْوَةِ تَبُوْكٍ و كانوا فی عُسْرَةٍ وشدَّةِ حَرٍّ فَشَقَّ علیہم **يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اثَّاقَلْتُمْ** بادْغامِ التاءِ فی الاصلِ فی المثلثة واجتلاب ہَمزةِ الوَصلِ ای تَباطَأتُمْ ومِلْتُمْ عن الجہادِ **اِلَى الْاَرْضِ** والقعودِ والاستفہامُ للتوبیخ **اَرَضِيْتُمْ بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** ولَذّاتِہا **مِنَ الْاٰخِرَةِ** ای بَدلِ نعیمِہا **فَمَا مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فِي** جنبِ متاعِ **الْاٰخِرَةِ اِلَّا قَلِيْلٌ** حقیرٌ **اِلَّا** بادغامِ نونِ اِنِ الشرطیةِ فی لا فی المَوْضِعَیْنِ **تَنْفِرُوْا** تَخْرُجُوْا مع النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم للجہاد **يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا** مؤلمًا **وَّيَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ** ای یَأْتِ بہم بَدلَکم **وَلَا تَضُرُّوْهُ** ای اللّٰہ او النبیَّ **شَيْـًٔا** بتَرْکِ نَصْرِہٖ فان اللّٰہَ ناصِرُ دِینِہٖ **وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ** ومنہ نَصْرُ دینِہٖ ونَبِیِّہٖ **اِلَّا تَنْصُرُوْهُ** ای النبیَّ **فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ** حینَ **اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا** من مکةَ ای اَلجَأُوْہُ الی الخروجِ لَمَّا اَرَادُوْا قَتْلَہٗ اوحَبْسَہٗ اونَفْیَہٗ بدارِ الندوةِ **ثَانِيَ اثْنَيْنِ** حالٌ ای اَحدَ اثنین والاٰخرُ ابوبکرٍ رضی اللہ تعالی عنہ المعنی نَصَرَہٗ فی مثلِ تلك الحالةِ فلا یُخذِلُہٗ فی غیرِہا **اِذْ** بَدلٌ من اذ قبلَہٗ **هُمَا فِي الْغَارِ** نَقْبٌ فی جَبَلِ ثَوْرٍ **اِذْ** بَدَلٌ ثَانٍ **يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ** ابی بکرٍ وقد قالَ لہ لَمَّا رَاٰی اَقدامَ المشرکین لو نظر اَحَدُہم تحتَ قَدَمَیْہِ لَاَبصرَنا **لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا** بنَصْرِہٖ **فَاَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ** طمانینَتَہٗ **عَلَيْهِ** قیل علی النبیِّ صلی اللہ علیہ وسلم وقیل علی ابی بکرٍ **وَاَيَّدَهٗ** ای النبیَّ صلی اللہ علیہ وسلم **بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا** ملٰئکةٍ فی الغارِ ومواطنِ قتالِہٖ **وَجَعَلَ كَلِمَةَ الَّذِيْنَ كَفَرُوا** ای دَعْوَةَ الشرکِ **السُّفْلٰى** المغلوبةَ **وَكَلِمَةُ اللّٰهِ** ای کلمةُ الشہادةِ **هِيَ الْعُلْيَا** الظاہرةُ الغالبةُ **وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ** فی مُلکِہٖ **حَكِيْمٌ** فی صُنعِہٖ **اِنْفِرُوْا خِفَافًا وَّثِقَالًا**

نشاطًا وغير نشاطٍ وقيل اقوياءً وضعفاءً اواغنياءً وفقراءً وہی منسوخةٌ باية لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ وَّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾ انه خيرٌ لكم فلا تثاقلوا، ونزل في المنافقين الذين تخلفوا لَوْ كَانَ ما دعوتهم اليه عَرَضًا من الدنيا قَرِيْبًا سهل المأخذ وَّسَفَرًا قَاصِدًا وسطًا لَّاتَّبَعُوْكَ طلبًا للغنيمة وَلٰكِنْۢ بَعُدَتْ عَلَيْهِمُ الشُّقَّةُ ۚ المسافة فتخلفوا وَسَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اذا رجعتم اليهم لَوِ اسْتَطَعْنَا الخروج لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ ۚ يُهْلِكُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ۚ بالحلف الكذب وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۴۲﴾ في قولهم ذلك.

تَرْجَمَہ: اور (آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی جب رسول اللہ ﷺ نے لوگوں سے غزوۂ تبوک کے لئے نکلنے کے لئے کہا، حال یہ ہے کہ لوگ بڑی تنگی میں تھے اور سخت گرمی کا موسم تھا تو ان کے لئے (نکلنا) گراں محسوس ہوا، اے ایمان والو تمہیں کیا ہوگیا کہ جب تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے کہا گیا تو تم زمین پر چمٹ کر رہ گئے تاء کو اصل میں ثاء مثلثہ میں ادغام کر کے اور شروع میں ہمزۂ وصل کا اضافہ کر کے (اِثَّاقَلْتُمْ اصل میں تثاقلتم تھا) تاء کو ثاء مثلثہ سے بدل کر ثاء کو ثاء میں ادغام کر کے ہمزہ وصل شروع میں لے آئے یعنی تم سست پڑ گئے اور جہاد کے مقابلہ میں وطن میں بیٹھ رہنے کو ترجیح دی، (ما لکم) میں استفہام توبیخ کے لئے ہے کیا تم نے دنیوی زندگی اور اس کی لذتوں کو آخرت کے مقابلہ میں یعنی اس کی نعمتوں کے بدلے میں پسند کرلیا ہے؟ (تو تمہیں معلوم ہونا چاہئے) کہ دنیا کا یہ سامان عیش آخرت کے سامان عیش کے مقابلہ میں نہایت قلیل حقیر ہے (اِلَّا) میں ان شرطیہ کا لا میں ادغام ہے دونوں جگہ (یہاں اور آئندہ) اگر تم نبی ﷺ کے ساتھ نہ نکلو گے تو (اللہ) تم کو دردناک عذاب دیگا، اور تمہاری جگہ کسی دوسری قوم کو بدل دیگا یعنی دوسری قوم کو تمہارے بجائے لے آئے گا، اور تم اس کی نصرت چھوڑ کر اس کا یا نبی کا کچھ نہ بگاڑ سکو گے، اس لئے کہ اللہ اپنے دین کا خود ناصر ہے وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اور اسی میں اس کے دین کی اور اپنے نبی کی نصرت بھی شامل ہے، اگر تم اس کے نبی کی مدد نہ کرو گے (تو کچھ پرواہ نہیں) اللہ اس کی اس وقت مدد کر چکا ہے جبکہ کافروں نے اس کو مکہ سے نکال دیا تھا یعنی اس کو نکلنے پر مجبور کردیا تھا، جبکہ دار الندوہ میں اس کے قتل یا قید کردینے کا یا جلاوطن کردینے کا (مشورہ) کیا تھا، جب وہ دو میں کا دوسرا تھا یہ حال ہے، اور دوسرے ابوبکر رَضِّوَاللهُ تَعَالَى عَنْهُ تھے مطلب یہ کہ اس کی اس (نازک) وقت میں مدد کی تو اس کو دوسرے وقت میں رسوا نہ کرے گا جب وہ جبل ثور کی غار میں تھے دوسرا اِذْ، پہلے اِذْ سے بدل ہے جبکہ وہ اپنے ساتھی ابوبکر سے کہہ رہے تھے یہ اِذْ، دوسرا بدل ہے، اور ابوبکر رَضِّوَاللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے مشرکین کے قدموں کو دیکھا تو رسول ﷺ سے کہا اگر ان میں سے کوئی اپنے قدموں کے نیچے کی طرف دیکھے گا تو یقیناً ہم کو دیکھ لے گا غم نہ کر یقیناً اللہ اپنی مدد کے ذریعہ ہمارے ساتھ ہے اس وقت اللہ نے اس پر اپنا سکون (یعنی) اطمینان قلبی نازل فرمایا، (عَلَيْهِ) کی ضمیر کے بارے میں کہا گیا ہے کہ نبی ﷺ کی طرف راجع ہے اور کہا گیا ہے کہ ابوبکر کی طرف راجع ہے، اور اس کی (یعنی) نبی ﷺ کی

مدد غار میں یا میدان قتال میں فرشتوں کے ایسے لشکر سے کی جو تم کو نظر نہیں آرہے تھے اور کافروں کا بول یعنی ان کے دعوائے شرک کو نیچا کر دیا (یعنی) مغلوب کر دیا، اور اللہ کا بول تو اونچا ہی ہے، (یعنی غالب) کلمہ شہادت، اللہ اپنے ملک میں زبردست ہے باحکمت ہے اپنی صنعت میں، نکلو خواہ ہلکے ہو یا بوجھل یعنی خوش ہو یا ناخوش اور کہا گیا ہے کہ قوی ہو یا ضعیف یا مالدار ہو یا نادار یہ حکم آیت "لَيْسَ عَلَى الضعفاء" سے منسوخ ہے، اور اللہ کے راستہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرو یہ تمہارے لئے بہتر ہے اگر تم اس بات سے واقف ہو کہ یہ تمہارے لئے بہتر ہے، تو تم بوجھل نہ بنو، (یعنی جی نہ چراؤ) اور آئندہ آیت ان منافقین کے بارے میں نازل ہوئی جو شریک غزوہ نہیں ہوئے، (اے نبی) اگر وہ بات جس کی آپ ان کو دعوت دے رہے ہیں دنیوی متاع سہل الحصول ہوتا اور سفر متوسط ہوتا تو وہ مال غنیمت حاصل کرنے کے لئے ضرور آپ کے ساتھ چلتے مگر ان پر تو یہ راستہ بہت کٹھن (دشوار) ہو گیا ہے جس کی وجہ سے وہ پیچھے رہے، جب آپ لوٹ کر ان کے پاس آئیں گے تو وہ اللہ کی قسم کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہم نکل سکتے (نکلنے کی پوزیشن میں ہوتے) تو آپ کے ساتھ ضرور نکلتے وہ اپنے آپ کو جھوٹی قسمیں کھا کر ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اللہ خوب جانتا ہے کہ وہ اپنی اس بات میں جھوٹے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: بادغام التاء فی الاصل فی المثلثة اصل میں ادغام کا مطلب ہے تعلیل سے پہلے تاء کو ثاء کیا اور ثاء کو ثاء میں ادغام کر دیا اور ابتداء بالسکون لازم آنے کی وجہ سے ہمزۂ وصل ابتداء میں لے آئے۔

قَوْلُهُ: اِثَّاقَلْتُمْ اصل میں تَثَاقَلْتُمْ تھا، مذکورہ عبارت کے اضافہ کا مقصد اثاقلتم میں ثاء کی تشدید اور شروع میں ہمزہ وصل لانے کی وجہ بیان کرنا ہے باوجودیکہ یہ باب تفاعل سے ہے۔

قَوْلُهُ: تباطأتم، بطوء سے ماخوذ ہے بمعنی سستی کرنا یہ سرعت کی ضد ہے۔

سُؤَال: مفسر علام نے اِثَّاقَلْتُمْ کی تفسیر مِلتم سے کیوں کی؟

جَوَاب: چونکہ تثاقل کا صلہ الی نہیں آتا اس لئے مفسر علام نے ملتم کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ تثاقل، مَیْلٌ کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُهُ: والقعود فیها، یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَال: القعود فیها کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جَوَاب: اس اضافہ کا فائدہ یہ ہے کہ اگر جہاد میں شریک ہوتے تو تب بھی زمین ہی پر ہوتے شریک جہاد نہ ہونے کی صورت میں زمین پر رہنے کے کیا معنی ہیں؟ مفسر علام نے القعود فیها کا اضافہ کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں اِثَّاقلتم الی الارض کے معنی بزدلی دکھانا ہیں۔

قِوَلَہٗ: ای بدل نعیمھا ، اس اضافہ کا مقصد اس بات کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ من الآخرۃ میں من مقابلہ کے لئے ہے نہ کہ ابتدائیہ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ آخرت سے حیات دنیا کے ابتداء کرنے کے کوئی معنی نہیں ہیں، نعیمھا کے اضافہ سے اشارہ کردیا کہ مطلق آخرت کو چھوڑنا مراد نہیں ہے بلکہ اس سے اس کی نعمتوں کو چھوڑنا مراد ہے۔

قِوَلَہٗ: جنب متاع اس میں اشارہ ہے کہ، فَمَا، میں فاء مقابلہ کے لئے ہے نہ کہ ظرفیت کے لئے لہٰذا متاع دنیا کے لئے آخرت کا ظرف واقع ہونے کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قِوَلَہٗ: حال یعنی ثانی اثنین آپ ﷺ کی طرف راجع ضمیر سے حال ہے۔

قِوَلَہٗ: ای احد الاثنین ، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ جب ثانی کی اضافت عدد کی جانب کی جاتی ہے تو غیر مضاف الیہ مراد ہوتا ہے اس قاعدہ سے معلوم ہوا کہ آپ دو کے علاوہ تیسرے تھے حالانکہ واقعہ یہ نہیں ہے، احد الاثنین کہہ کر بتادیا کہ مراد دو میں سے ایک ہیں نہ کہ دو کے تیسرے۔

قِوَلَہٗ: جبل ثور جبل ثور مکہ کی دائیں جانب ایک گھنٹہ کی مسافت پر واقع ہے۔

قِوَلَہٗ: انه خیر لکم یہ تعلمون کا مفعول محذوف ہے۔

قِوَلَہٗ: فلاتثاقلوا یہ شرط کی جزاء ہے۔

تفسیر وتشریح

شان نزول:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ الخ یہاں سے لے کر اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ تک پورے دو رکوع غزوۂ تبوک اور اس میں شریک نہ ہونے والے منافقین کے بارے میں نازل ہوئے ہیں۔

غزوۂ تبوک:

روم کے عیسائی بادشاہ ہرقل کے بارے میں اطلاع ملی کہ وہ مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہا ہے چنانچہ نبی ﷺ نے بھی اس کے لئے تیاری کا حکم دیدیا یہ شوال ۹ھ کا واقعہ ہے، موسم سخت گرمی کا تھا اور سفر بہت لمبا تھا بعض مسلمانوں اور منافقوں پر یہ حکم گراں گذرا جس کا اظہار اس آیت میں کیا گیا ہے اور انھیں زجر وتوبیخ کی گئی ہے یہ جنگ تبوک کہلاتی ہے اس غزوہ میں معرکہ پیش نہیں آیا بیس روز تک مسلمان ملک شام کے قریب قیام کر کے واپس آگئے اس غزوہ کو "جیش العسرۃ" بھی کہا جاتا ہے کیونکہ اس سفر میں مسلمانوں کے لشکر کو کافی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔

غزوۂ تبوک کے اسباب پر اجمالی نظر:

رومی سلطنت کے ساتھ کشمکش کی ابتداء تو فتح مکہ سے پہلے ہی ہو چکی تھی نبی ﷺ نے صلح حدیبیہ کے بعد اسلام کی دعوت دینے کے لئے عرب کے مختلف حصوں میں جو وفود روانہ فرمائے تھے ان میں سے ایک وفد شمال کی طرف سرحد شام سے متصل قبائل میں بھی گیا تھا، یہ لوگ زیادہ تر عیسائی تھے اور رومی سلطنت کے زیر اثر تھے ان لوگوں نے ذات الطلح کے مقام پر اس وفد کے پندرہ آدمیوں کو قتل کر دیا صرف وفد کے رئیس کعب بن عمیر غفاری بچ کر واپس آئے، اسی زمانہ میں آپ ﷺ نے بُصریٰ کے رئیس شرحبیل بن عمرو کے نام بھی دعوت اسلام کا پیغام دے کر حارث بن عمیر کو بھیجا تھا جن کو شرحبیل نے قتل کر دیا تھا یہ رئیس عیسائی تھا اور براہ راست قیصر روم کے احکام کا تابع تھا ان وجوہ کی بنا پر آپ ﷺ نے جمادی الاولیٰ ۸ ھ میں تین ہزار مجاہدین کی ایک فوج سرحد شام کی طرف روانہ کی تاکہ آئندہ کے لئے یہ علاقہ مسلمانوں کے لئے پر امن ہو جائے اور یہاں کے لوگ مسلمانوں کو کمزور سمجھ کر ان پر زیادتی کرنے کی جرأت نہ کریں، یہ فوج جب معان کے قریب پہنچی تو معلوم ہوا کہ شرحبیل بن عمرو ایک لاکھ کا لشکر لے کر مقابلہ پر آ رہا ہے اور خود قیصر بھی حمص کے مقام پر موجود ہے اور اس نے اپنے بھائی کی قیادت میں مزید ایک لاکھ فوج روانہ کی ہے، لیکن اس خوفناک اطلاع کے باوجود تین ہزار سرفروشوں کا یہ مختصر لشکر آگے بڑھتا چلا گیا اور موتہ کے مقام پر شرحبیل کی ایک لاکھ فوج سے جا ٹکرایا، اس کا نتیجہ تو بظاہر یہ ہونا چاہئے تھا کہ مجاہدین اسلام بالکل پس جاتے لیکن سارا عرب اور تمام شرق اوسط یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گیا کہ ایک اور ۳۳ کے اس مقابلہ میں کفار مسلمانوں پر غالب نہ آسکے، یہی چیز تھی جس نے شام اور اس سے متصل رہنے والے نیم آزاد قبائل کو بلکہ عراق کے قریب رہنے والے نجدی قبائل کو جو کسریٰ کے زیر اثر تھے اسلام کی طرف متوجہ کر دیا اور وہ ہزاروں کی تعداد میں مسلمان ہو گئے۔

رومی لشکر کے ایک کمانڈر کا قبول اسلام:

اسی زمانہ میں سلطنت روم کی عربی فوج کا ایک کمانڈر فروہ بن عمرو الجذامی مسلمان ہو گیا اور اس نے اپنے پختگی ایمان کا ایسا ثبوت دیا کہ سارے علاقے دنگ رہ گئے، قیصر کو جب فروہ کے قبول اسلام کی خبر ملی تو اس کو گرفتار کرا کر اپنے دربار میں حاضر کر یا اور اس سے کہا دو چیزوں میں سے ایک منتخب کر لو ترک اسلام جس کے نتیجے میں تم کو نہ صرف یہ کہ رہا کر دیا جائیگا بلکہ تمہارے عہدے پر بھی بحال کر دیا جائیگا یا اسلام، جس کے نتیجے میں تم کو سزائے موت دی جائیگی، اس نے زندگی اور عہدے کے مقابلہ میں موت اور آخرت کی راحت کو منتخب کر لیا اور راہ حق میں جان دیدی، یہی واقعات تھے جنھوں نے قیصر کو اس خطرہ کی حقیقی اہمیت کو محسوس کرا دیا جو عرب سے اٹھ کر اسکی سلطنت کی طرف بڑھ رہا تھا۔

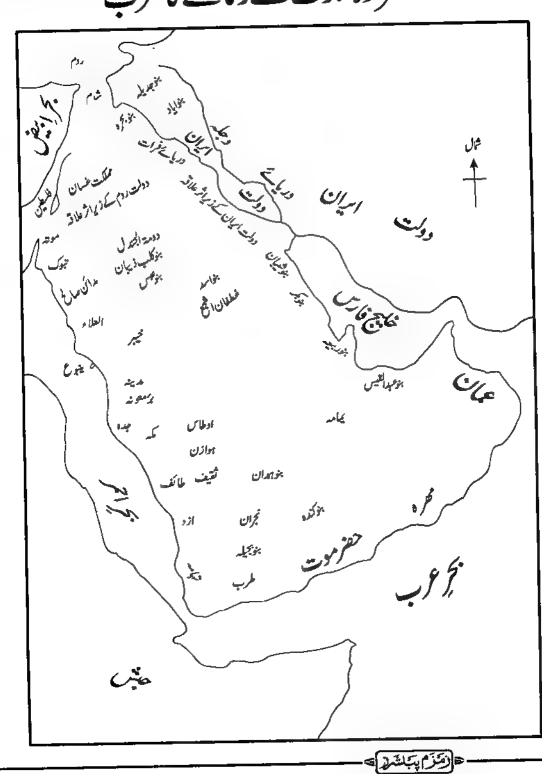
غزوۂ تبوک کی تفصیل:

معجم طبرانی میں عمران بن حصین رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سے مروی ہے کہ نصارائے عرب نے ہرقل شاہ روم کے پاس یہ خط لکھ بھیجا کہ محمد ﷺ کا انتقال ہو چکا ہے اور لوگ قحط سالی کی وجہ سے بھوکے مر رہے ہیں لہٰذا عرب پر حملہ کے لئے نہایت مناسب موقع ہے، ہرقل نے فوراً تیاری کا حکم دے دیا چالیس ہزار رومیوں کا لشکر جرار آپ ﷺ کے مقابلہ کے لئے تیار ہو گیا۔

شام کے نبطی سوداگر جو زیتون کا تیل فروخت کرنے کیلئے مدینہ آیا کرتے تھے ان سے بھی اس امر کی تصدیق ہوگئی اور مزید یہ بھی معلوم ہو گیا کہ رومیوں کا لشکر بلقاء کے مقام تک پہنچ گیا ہے اور ہرقل نے تمام لشکر کو ایک سال کی پیشگی تنخواہ بھی دیدی ہے۔



غزوۂ تبوک کے زمانے کا عرب



قیصر روم کا جذبۂ انتقام:

دوسرے ہی سال یعنی ۹ھ میں مسلمانوں سے غزوۂ موتہ کا انتقام لینے کے لئے اور رسوائی و پسپائی کی خفت مٹانے کے لئے سرحد شام پر فوجی تیاریاں شروع کر دیں اور اس کے ماتحت غسانی اور دوسرے سردار بھی فوجیں جمع کرنے لگے، نبی ﷺ بھی اس سے بے خبر نہ تھے آپ ہر وقت اس چھوٹی بڑی بات سے باخبر رہتے تھے جس کا اسلامی تحریک پر موافق یا مخالف اثر پڑتا ہو آپ نے ان تیاریوں کے معنی فوراً سمجھ لئے اور بغیر کسی تامل و تردد کے قیصر کی عظیم الشان طاقت سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا، اس موقع پر ذرہ برابر بھی اگر کمزوری دکھائی جاتی تو سارا بنا بنایا کام بگڑ جاتا، ایک طرف عرب کی جان بلب جاہلیت جس پر حنین میں کاری ضرب لگائی جا چکی تھی پھر جی اٹھتی دوسری طرف منافقین جو ابو عامر راہب کے واسطہ سے غسان کے عیسائی بادشاہ اور خود قیصر کے ساتھ ساز باز کئے ہوئے تھے اور جنہوں نے اپنی ریشہ دوانیوں پر دین داری کا پردہ ڈالنے کے لئے مدینہ سے متصل ہی مسجد ضرار تعمیر کر رکھی تھی، بغل میں چھرا گھونپ دیتے اور سامنے سے قیصر جس کا دبدبہ ایرانیوں کو شکست دینے کی وجہ سے تمام دور و نزدیک علاقوں پر چھایا ہوا تھا حملہ آور ہو جاتا، اور ان تین زبردست خطروں کی متحدہ یورش میں اسلام کی جیتی ہوئی بازی یکا یک مات کھا جاتی، اس لئے اس کے باوجود کہ قحط سالی تھی، مسافت بعید تھی، شدید گرمی کا موسم تھا، گرانی، فقر و فاقہ اور بے سر و سامانی کا دور تھا، فصلیں پکنے کے قریب تھیں غرضیکہ بڑا نازک وقت تھا جنگ کے لئے کسی طرح بھی بظاہر حالات سازگار نہیں تھے خدا کے نبی نے یہ سوچ کر کہ دعوت حق کے لئے یہ موت اور حیات کے فیصلے کی گھڑی ہے اسی حال میں جنگ کی تیاری کا اعلان عام کر دیا، اور دیگر غزوات کے برخلاف اس غزوہ میں آپ نے صاف صاف بتا دیا کہ روم سے مقابلہ ہے اور شام کی طرف جانا ہے تاکہ اپنی وسعت کے مطابق ہر شخص تیاری کر سکے، منافق اس اعلان کو سنکر گھبرا اٹھے کہ ان کا پردہ فاش ہوا جاتا ہے جس کی وجہ سے انہوں نے خود بھی جان چرائی اور دوسروں کو بھی یہ کہہ کر بہکانے لگے **لا تنفروا فی الحر** ایسی گرمی میں مت نکلو۔

مؤمنین صادقین اور غزوۂ تبوک:

ادھر مومنین صادقین کو بھی پورا احساس تھا کہ جس تحریک کے لئے ۲۲ سال سے وہ سر بکف رہے ہیں اس وقت اس کی قسمت ترازو میں ہے اس وقت پر جرأت دکھانے اور ہمت سے کام لینے کے معنی یہ ہیں کہ اس تحریک کے لئے ساری دنیا پر چھا جانے کا دروازہ کھل جائے، اور کمزوری دکھانے کا مطلب یہ ہے کہ عرب میں بھی اس کی بساط الٹ جائے چنانچہ اس احساس کے ساتھ مخلصین **سمعًا و طاعةً** کہہ کر جان و مال سے تیاری میں مصروف ہو گئے سب سے پہلے صدیق اکبر نے کل مال لا کر آپ کی خدمت میں پیش کر دیا جس کی مقدار چار ہزار درہم تھی آپ نے دریافت فرمایا کیا اہل و عیال کیلئے کچھ چھوڑا ہے؟ تو کہا صرف اللہ اور اس کے رسول کو، فاروق اعظم نے نصف مال پیش کیا عبد الرحمن بن عوف نے دوسو اوقیہ چاندی پیش کی حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْهُ نے تین سو اونٹ مع ساز و سامان کے اور ایک ہزار دینار لا کر بارگاہ نبوی میں پیش کئے آپ بہت خوش ہوئے اور

بار بار ان کو پلٹتے اور یہ فرماتے جاتے کہ اس عمل صالح کے بعد عثمان کو کوئی عمل ضرر نہیں پہنچا سکے گا، اے اللہ میں عثمان سے راضی ہوں تو بھی اس سے راضی ہو، حضرت عاصم بن عدی نے ستر وسق کھجوریں آپ کی خدمت میں پیش کیں، غریب صحابیوں نے محنت ومزدوری کر کے جو کچھ کمایا تھا لا کر حاضر کر دیا، عورتوں نے اپنے زیور اتار اتار کر دیدیئے غرضیکہ فدائین حق نے انتہائی جوش وخروش کے ساتھ جنگ کی تیاری کی سرفروش رضا کاروں کے گروہ کے گروہ امڈ امڈ کر آنے شروع ہو گئے اور انہوں نے تقاضہ کیا کہ اسلحہ اور سواریوں کا انتظام ہو تو ہماری جانیں قربان ہونے کے لئے حاضر ہیں، جن کو سواری نہ مل سکی وہ روتے رہ گئے یہ موقع عملاً ایمان ونفاق کے امتیاز کی کسوٹی بن گیا تھا حتی کہ اس وقت پیچھے رہ جانے کے معنی یہ تھے کہ اسلام کے ساتھ تعلق کی صداقت ہی مشتبہ ہو جائے چنانچہ تبوک کی طرف جاتے ہوئے دوران سفر جو شخص پیچھے رہ جاتا تھا صحابہ کرام نبی ﷺ کو اس کی اطلاع دے دیتے تھے، اور جواب میں آپ ﷺ برجستہ فرماتے تھے "دعوه فان یك فیه خیر فسیلحقه اللّٰه بكم وان یك غیر ذلك فقد اراحكم اللّٰه منه" جانے دو اگر اس میں کچھ بھلائی ہے تو اللہ اسے پھر تمہارے ساتھ لا ملائے گا، اور اگر کچھ دوسری بات ہے تو شکر کرو کہ اللہ نے اس کی جھوٹی رفاقت سے تمہیں خلاصی بخشی۔

محمد بن مسلمہ انصاری رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کو مدینہ پر اپنا نائب مقرر فرمایا:

روانگی کے وقت آپ نے محمد بن مسلمہ انصاری کو اپنا قائم مقام اور مدینہ کا والی مقرر فرمایا، اور حضرت علی کو اہل وعیال کی حفاظت کے لئے مدینہ میں چھوڑا حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ مجھکو بچوں اور عورتوں میں چھوڑے جاتے ہیں، اس پر آپ نے فرمایا، کیا تم اس پر راضی نہیں کہ تم کو مجھ سے ایسی نسبت ہو جو ہارون عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو موسیٰ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے ساتھ تھی مگر یہ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

مسئلۂ خلافت بلافصل اور حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ:

اس حدیث سے شیعہ حضرات حضرت علی کی خلافت بلا فصل پر استدلال کرتے ہیں کہ حضور ﷺ کے بعد خلافت حضرت علی کا حق ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ آپ ﷺ نے سفر پر روانگی کے وقت حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کو اہل وعیال کی دیکھ بھال اور خبر گیری کے لئے مدینہ میں چھوڑا تھا کہ میری واپسی تک ان کی خبر گیری اور دیکھ بھال رکھنا اس سے حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کی امانت ودیانت اور قرب واختصاص تو بے شک معلوم ہوتا ہے اسلئے کہ اپنے اہل وعیال کی نگرانی اسی کے سپرد کرتے ہیں کہ جس کی امانت ودیانت پر اطمینان ہو فرزند اور داماد اس کام کے لئے زیادہ مناسب ہوتے ہیں، رہا یہ امر کہ میری وفات کے بعد تم ہی میرے خلیفہ ہو گے حدیث کو اس مضمون سے کوئی تعلق نہیں۔

حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ چونکہ نہایت جری اور بہادر تھے اسی مناسبت سے آپ کا لقب "اسد اللہ" تھا، نہیں چاہتے

تھے کہ دیگر حضرات میدان کارزار میں اپنی بہادری کے جوہر دکھائیں اور میں عورتوں اور بچوں میں معذوروں کی طرح مدینہ میں بیٹھا رہوں اس کے علاوہ کچھ منافقین نے یہ بھی کہنا شروع کر دیا کہ آپ ﷺ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے ہمراہ لے جانا چونکہ پسند نہیں کرتے اسلئے ان کو اہل وعیال کی نگرانی کا بہانہ بنا کر مدینہ میں چھوڑ دیا ہے اس طعنہ زنی سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور بھی زیادہ رنج ہوا چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تسلی کے لئے فرمایا "انت منی بمنزلة هارون من موسى" اس سے مستقل اور دائمی خلافت پر استدلال کسی طرح مناسب اور صحیح نہیں ہے جس طرح حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خلافت حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کوہ طور سے واپسی تک وقتی اور عارضی تھی اسی طرح حضرت علی کی نیابت وقائم مقامی بھی وقتی اور عارضی تھی اس وقتی اور عارضی خلافت کے علاوہ دونوں خلافتوں میں کوئی مناسبت نہیں ہے، حضرت ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال پہلے ہوا اور حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال بعد میں ہوا، ادھر آپ ﷺ کا انتقال پہلے ہوا اور حضرت علی کا انتقال بعد میں ہوا حضرت ہارون حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بڑے تھے اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام چھوٹے ادھر اس کا عکس ہے آپ ﷺ عمر میں حضرت علی سے بڑے تھے اور حضرت علی چھوٹے، اسکے علاوہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضرت علی کو خلافت عامہ تو دور کی بات ہے مدینہ پر بھی حاکم نہیں بنایا تھا اسلئے کہ حضرت محمد بن مسلمہ انصاری کو مدینہ کا حاکم واپنا نائب مقرر فرمایا تھا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کی نیابت صرف اہل خانہ کی نگرانی کیلئے تھی۔

یوم پنجشنبہ ماہ رجب ۹ھ کو آپ کی تبوک کیلئے روانگی:

جب آنحضرت ﷺ کو یہ معلوم ہوا کہ رومی لشکر بلقاء کے مقام تک پہنچ چکا ہے تو آپ نے حکم دیا کہ فوراً سفر کی تیاری شروع کی جائے تاکہ دشمن کی سرحد (تبوک) پر پہنچ کر مقابلہ کریں، آپ ﷺ ۳۰ ہزار مجاہدین کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے جن میں دس ہزار سوار تھے اونٹوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک ایک اونٹ پر کئی آدمی باری باری سوار ہوتے تھے اس پر گرمی کی شدت پانی کی قلت مستزاد، مگر جس عزم صادق کا ثبوت اس نازک موقع پر مسلمانوں نے دیا اس کا ثمرہ تبوک پہنچ کر انہیں نقد مل گیا، وہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ قیصر اور اس کے حلیفوں نے مقابلہ پر آنے کے بجائے اپنی فوجیں سرحد سے ہٹالی ہیں، اور اب کوئی دشمن موجود نہیں کہ اس سے جنگ کی جائے، اس کی وجہ یہ تھی کہ رومی غزوۂ موتہ میں تین ہزار مجاہدوں کی ایک لاکھ مسلح اور تربیت یافتہ فوج کے مقابلہ میں جوشان دیکھ چکے تھے اس کے بعد ان میں یہ ہمت ہی نہ ہوئی کہ ۳۰ ہزار مجاہدوں کے مقابلہ میں لاکھ دو لاکھ فوج لے کے آجائیں، جبکہ ۳۰ ہزار مجاہدوں کی قیادت خود آپ ﷺ فرما رہے تھے، غزوۂ موتہ کے موقع پر جب ایک لاکھ فوج صرف تین ہزار مجاہدوں کا کچھ نہ بگاڑ سکی تو بھلا تیس ہزار کے مقابلہ کی ہمت کیسے کر سکتے تھے؟ یہی وجہ تھی کہ رومی فوج میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔

مسلمانوں کی اخلاقی اور سیاسی فتح:

قیصر کے یوں طرح دے جانے سے جو اخلاقی اور سیاسی فتح مسلمانوں کو حاصل ہوئی آپ ﷺ نے اس مرحلہ پر اس کو کافی سمجھا، اور بجائے اس کے کہ تبوک سے آگے بڑھکر سرحد شام میں داخل ہوتے آپ نے اس بات کو ترجیح دی کہ اس فتح سے انتہائی ممکن سیاسی وحربی فائدہ حاصل کیا جائے، چنانچہ آپ ﷺ نے تبوک میں بیس روز قیام کر کے ان بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کو جو سلطنت روم اور دارالاسلام کے درمیان واقع تھیں اور اب تک رومیوں کے زیر اثر تھیں فوجی دباؤ سے اسلامی سلطنت کا باج گذار اور تابع امر بنالیا، اسی سلسلہ میں دومۃ الجندل کے عیسائی رئیس اکیدر بن عبدالملک کندی، ایلہ کا عیسائی رئیس یوحنا بن رؤبہ ان کے علاوہ اور کئی سرداروں نے جزیہ دے کر مدینہ کی تابعیت قبول کرلی، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی حدود اقتدار براہ راست رومی سلطنت کی حد تک پہنچ گئے۔

مالکم اذا قیل لکم الخ یہ کلمۂ ملامت وتوبیخ ہے، یعنی آخر تمہیں کیا ہوگیا ہے! فقہاء نے اس آیت سے یہ حکم نکالا ہے کہ جب جہاد کی نفیر عام ہوجائے تو ہر شخص پر جو معذور شرعی نہ ہو جہاد فرض ہوجاتا ہے۔

امام جصاص تحریر فرماتے ہیں، **اقتضٰی ظاهر الآیة وجوب النفیر علٰی من لم یستنفر.** (جصاص)

قَوْلُہٗ: لا تضروہ، کی ضمیر اللہ کے دین کی طرف راجع ہے، خود اللہ اور اس کے رسول کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے۔ (قرطبی)

اِذھما فی الغار الخ یہ اشارہ واقعہ ہجرت کی طرف ہے مشرکین مکہ آپ کے قتل پر تل گئے تھے اور آپ ﷺ حضرت علی کو اپنے بستر پر سلا کر راتوں رات حضرت ابوبکر کے ساتھ غار ثور میں چھپتے ہوئے مدینہ کی طرف روانہ ہوگئے، آپ دونوں حضرات غار ثور میں موجود ہی تھے کہ مشرکوں کی تلاش کرنے والی پارٹی نقش قدم کے نشانات کی مدد سے غار ثور کے دہانے تک پہنچ گئی، نشان شناس نے بتایا کہ قدموں کے نشانات یہیں تک ملتے ہیں، اسی غار کے اندر ہوں گے، کون انسان ہوسکتا ہے کہ ایسے موقع پر خود کو جانی دشمنوں کے ہاتھ میں گرفتار دیکھ کر پریشان اور مضطرب نہ ہوجاتا؟ حضرت ابوبکر صدیق کو طبعاً اضطراب پیدا ہوا، مگر آپ ﷺ اس وقت بھی اللہ کے فضل وکرم سے بالکل مطمئن رہے، بلکہ آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کو تسلی دی اور سمجھایا کہ ابوبکر گھبرانے کی کیا بات ہے؟ ہم دو تنہا نہیں ہیں ہمارے ساتھ تو اللہ کی تائید ونصرت موجود ہے۔

اِذھما فی الغار، غار ثور مکہ کے مضافات میں مدینہ کے عام راستہ سے ہٹ کر چند میل کے فاصلہ پر واقع ہے، سفر ہجرت میں آپ نے حضرت ابوبکر کی معیت میں اس غار میں تین روز قیام فرمایا تھا، اس غار کا دہانہ اتنا تنگ ہے کہ لیٹ کر بمشکل انسان اس میں داخل ہوسکتا ہے، بعض علماء نے آیت سے حضرت ابوبکر صدیق کے خلیفہ اول ہونے کا بھی اشارہ سمجھا ہے۔ (قرطبی)

فَائدہ: علماء نے لکھا ہے کہ جو شخص ابوبکر صدیق کی صحابیت کا انکار کرتا ہے وہ نص قرآنی کا انکار کرتا ہے اس سے اس کا کفر لازم آتا ہے یہ بات دوسرے صحابیوں کے لئے نہیں ہے۔ (مدارك)

جب بعض لوگوں نے تبوک کی طرف نکلنے سے جان چرائی تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا رسول کو تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے اگر تم مدد نہ کرو گے تو کچھ پرواہ نہیں اللہ اپنے رسول کی اس سے پہلے مختلف موقعوں پر مدد کر چکا ہے اس کی تائید میں اللہ تعالیٰ نے **اذهما فی الغار** کہہ کر واقعۂ ہجرت کی طرف اشارہ فرمایا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ واقعۂ ہجرت کو قدرے تفصیل سے لکھ دیا جائے۔

واقعۂ ہجرت کی تفصیل:

ہجرت کے واقعہ کی تفصیل حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی روایتوں سے اس طرح منقول ہے، ہجرت سے پہلے آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ دو پہاڑوں کے درمیان کنکریلی زمین ہے اور اس سرزمین پر کھجوریں بکثرت ہیں وہاں کے لئے ہجرت کا حکم ہوا ہے، آنحضرت ﷺ کا یہ خواب سنکر بہت لوگ مدینہ کو اور کچھ حبشہ کو چلے گئے، جب حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو کافروں نے بہت تنگ کیا تو انہوں نے اپنے گھر کے صحن میں ایک چبوترہ مسجد کی طرح بنالیا تھا اسی پر نماز پڑھتے اور تلاوت فرماتے جب کفار نے اس سے بھی منع کیا تو مدینہ کا قصد کیا اور آپ ﷺ سے اجازت چاہی تو آپ نے فرمایا کچھ روز اور ٹھہر جاؤ شاید مجھ کو بھی ہجرت کی اجازت مل جائے، ایک روز خلاف عادت ٹھیک دوپہر کے وقت آپ ﷺ حضرت ابوبکر صدیق کے گھر تشریف لے گئے اور فرمایا کہ مجھ کو بھی مدینہ کی ہجرت کا حکم ہو گیا ہے حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ پر میرے ماں باپ قربان ہوں کیا اس ناچیز کو بھی ہم رکابی کا شرف حاصل ہو سکے گا فرمایا ہاں، ابن اسحاق کی روایت ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ خوشخبری سنکر فرط مسرت سے رو پڑے حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں اس سے پہلے نہیں جانتی تھی کہ انسان فرط مسرت میں بھی رو پڑتا ہے، حضرت ابوبکر صدیق نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے پاس دو اونٹنیاں ہیں ایک آپ کے لئے ہے آپ نے فرمایا ٹھیک ہے وہ اونٹنی میں قیمتاً لیلوں گا۔

چنانچہ جب رات کے وقت قرارداد کے مطابق آپ کے مکان کو گھیر لیا کہ جب آپ سو جائیں تو آپ پر حملہ کر دیا جائے آپ نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا کہ میری سبز چادر اوڑھ کر میرے بستر پر لیٹ جاؤ اور ڈرو مت یہ لوگ تم کو کسی قسم کا گزند نہ پہنچا سکیں گے۔

قریش کی امانتوں کو واپسی کا حکم:

قریش اگرچہ آپ کے دشمن تھے مگر آپ کو ''صادق الامین'' سمجھتے تھے آپ نے وہ سب امانتیں حضرت علی کے سپرد کیں اور حکم دیا کہ صبح کو یہ امانتیں لوگوں کو پہنچا دینا آپ ﷺ گھر میں سے ایک مشت خاک لے کر برآمد ہوئے اور اس مشت خاک پر سورۂ یٰسین کی شروع کی تین آیتیں "فاغشیناهم فهم لا یُبصرون" تک پڑھ کر ان کے سروں پر ڈال دی، اللہ نے ان کی آنکھوں

پر پردہ ڈال دیا اور آپ ان کے سامنے سے گذر گئے اور کسی کو نظر نہیں آئے، آپ کاشانۂ مبارک سے نکل کر ابو بکر صدیق کے مکان پر تشریف لے گئے، حضرت ابو بکر صدیق کی بڑی صاحبزادی حضرت اسماء رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہَا نے سفر کے لئے ناشتہ تیار کیا عجلت میں رسی نہ ملنے پر اپنا پٹکا پھاڑ کر ناشتہ دان باندھا اسی روز سے حضرت اسماء ''ذات النطاقین'' کے نام سے موسوم ہوئیں، عبد اللہ بن ابو بکر دن بھر مکہ میں رہتے اور رات کو آکر قریش کی خبریں بیان کرتے، عامر بن فہیرہ ابو بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے آزاد کردہ غلام عشاء کے وقت آپ دونوں حضرات کو بکری کا دودھ پلاتے جو دن بھر آس پاس ہی بکریاں چرایا کرتے تھے، عبد اللہ بن اریقط نے مزدوری پر رہبری کے فرائض انجام دیئے۔

غار ثور کی طرف روانگی:

الغرض دونوں حضرات رات ہی میں غار ثور کی طرف روانہ ہوئے، جب آپ دونوں حضرات غار ثور پر پہنچے تو حضرت ابو بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ذرا ٹھہریں میں پہلے اندر جا کر غار کو صاف کر دوں۔

حضرت ابو بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی افضلیت:

دلائل بیہقی میں ضبہ بن محصن سے مروی ہے کہ حضرت عمر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے سامنے جب حضرت ابو بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا ذکر آتا تو یہ فرماتے کہ ابو بکر کی ایک رات اور ایک دن عمر کی تمام عمر کی عبادت سے کہیں بہتر ہے رات تو غار ثور کی اور دن وہ کہ جب نبی ﷺ کی وفات ظاہری ہوئی تو عرب کے بہت سے قبائل زکوٰۃ کی ادائیگی کا انکار کر کے مرتد ہو گئے اور ابو بکر نے ان سے لڑنے کا ارادہ کیا تو میں اس وقت ابو بکر رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی خدمت میں حاضر ہوا اور خیر خواہانہ عرض کیا اے خلیفۂ رسول آپ ذرا نرمی کیجئے اور تالیف سے کام لیجئے تو ابو بکر نے غصہ ہو کر فرمایا **جَبَّارٌ فی الجاھلیة و خوار فی الاسلام**، اے عمر زمانۂ جاہلیت میں تو بہادر تھا اب کیا اسلام میں آکر بزدل ہو گیا۔

حضرت ابو بکر نے اول غار کو صاف کیا بعد ازاں آپ ﷺ غار میں تشریف لے گئے۔

اور باذن الٰہی غار کے دہانے پر مکڑی نے جالا تنا، یہ روایت مستدرک حاکم میں بھی مذکور ہے۔ (سیرت مصطفی)

مشرکین مکہ غار ثور کے دہانے پر:

جب مشرکین مکہ نشان شناسوں کی مدد سے غار ثور کے دہانے تک پہنچ گئے اور نشان شناس نے کہہ دیا کہ قدموں کے نشان یہیں تک ہیں، اسی غار میں ہونگے، تلاش کرنے والی پارٹی نے جب غار ثور کے دہانے پر مکڑی کا جالا دیکھا تو نشان شناس کو بے وقوف بنایا اور کہا اگر اس غار میں کوئی داخل ہوا ہوتا تو کیا یہ مکڑی کا جالا باقی رہ سکتا تھا۔

فَرَأَ وعلى بابه نسيج العنكبوت فقالوا لو دخل هنا لم يكن نسيج العنكبوت على بابه. تو غار کے دروازے پر مکڑی کا جالا دیکھ کر کہا کہ اگر کوئی اس میں جاتا تو غار کے دہانہ پر مکڑی کا جالا باقی نہ رہتا (حافظ عسقلانی اور ابن کثیر نے اس روایت کو حسن کہا ہے)۔

مشرکین مکہ کی جانب سے دوسو اونٹوں کے انعام کا اعلان:

جب مشرکین مکہ مایوس ہو گئے تو انہوں نے آپ دونوں کو گرفتار کرنے والے کے لئے دوسو اونٹوں کے انعام کا اعلان کر دیا، اس انعام کی لالچ میں ایک شخص سراقہ بن مالک بن جعشم نے گھوڑے پر چڑھ کر آپ کا پیچھا کیا اور وہ جب آپ ﷺ کے قریب پہنچا تو اس کا نصف گھوڑا زمین میں دھنس گیا، آپ ﷺ سے امان چاہی تو آپ نے امان دیدی اور اس کا گھوڑا زمین سے نکل گیا سراقہ ایمان لا کر اور امان لے کر واپس ہو گیا اسی سفر ہجرت کے دوران ام معبد کا واقعہ پیش آیا۔

ام معبد رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کا واقعہ:

راستہ میں ام معبد کے خیمہ پر گذر ہوا، ام معبد ایک نہایت شریف اور مہمان نواز خاتون تھیں، قافلہ نبوی نے ام معبد سے گوشت اور کھجوریں خریدنے کی غرض سے کچھ دریافت کیا مگر کچھ نہ پایا نبی ﷺ کی نظر خیمہ میں ایک بکری پر پڑی فرمایا یہ کیسی بکری ہے؟ ام معبد نے عرض کیا یہ بکری لاغر اور دبلی ہونے کی وجہ سے بکریوں کے گلے کے ساتھ جنگل نہیں جاسکتی، آپ نے فرمایا اس میں کچھ دودھ ہے ام معبد نے عرض کیا اس میں دودھ کہاں؟ آپ نے فرمایا مجھے اس کا دودھ دوہنے کی اجازت دو، کہا اجازت ہے، آپ نے بسم اللہ پڑھ کر اس کے تھن پر اپنا دست مبارک رکھا تھن دودھ سے بھر گئے آپ نے دودھ نکالا ایک بڑا برتن جس سے آٹھ دس آدمی پی سکیں بھر گیا، اول آپ نے ام معبد کو دودھ پلایا اس کے بعد اپنے ساتھیوں کو پلایا اور آخر میں آپ نے نوش فرمایا، اس کے بعد آپ نے پھر دودھ دوہا یہاں تک کہ وہ بڑا برتن دوبارہ بھر گیا وہ برتن ام معبد کو عطا کیا اور ام معبد کو بیعت کر کے روانہ ہوئے شام کے وقت جب ام معبد کے شوہر ابو معبد بکریاں چرا کر آئے تو دیکھا کہ ایک بڑا برتن دودھ سے بھرا ہوا رکھا ہے، بہت تعجب سے معلوم کیا اے ام معبد یہ دودھ کہاں سے آیا ہے؟ اس بکری میں تو کہیں دودھ کا نام تک نہیں، ام معبد نے عرض کیا آج یہاں سے ایک مرد مبارک گذرا خدا کی قسم یہ سب اسی کی برکت ہے اور پورا واقعہ بیان کیا، ابو معبد نے کہا ذرا ان کا کچھ حلیہ تو بیان کرو، ام معبد نے آپ کا حلیہ مبارک بیان کیا، پوری تفصیل مستدرک میں مذکور ہے۔

ابو معبد نے کہا میں سمجھ گیا واللہ یہ وہی قریشی شخص ہے میں بھی ضرور ان کی خدمت میں حاضر ہوں گا، مگر تلاش بسیار کے بعد بھی آپ سے ملاقات نہ ہو سکی، راستہ میں بریدۃ الاسلمی اپنے ٧٠ آدمیوں کے ساتھ مشرف باسلام ہوئے، اور آپ کے ساتھ جھنڈا ہاتھ میں لیکر آگے آگے چل رہے تھے، آپ کی روانگی کی خبر اہل مدینہ کو مل چکی تھی اہل مدینہ کا ہر فرد بشر آپ کے شوق دیدار میں روزانہ مقام حرہ پر آکر کھڑا ہو جاتا جب دوپہر ہو جاتا تو مایوس ہو کر واپس چلا جاتا یہ روزانہ کا معمول تھا، ایک روز انتظار کے

بعد واپس ہو رہے تھے کہ ایک یہودی نے ایک ٹیلے پر سے آپ کو آتے ہوئے دیکھا بے اختیار پکار کر یہ کہا یا بنی قیلہ هذا جدکم، اے بنی قیلہ یہ ہے تمہاری خوش نصیبی کا سامان، اس خبر کے سنتے ہی انصار والہانہ و بے تابانہ آپ کے استقبال کے لئے دوڑ پڑے اور نعرۂ تکبیر سے بنی عمرو اور بنی عوف کی تمام آبادی گونج اٹھی۔

مسجد قبا کا قیام:

مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر ایک آبادی ہے جسے قبا کہتے ہیں، یہاں انصار کے کچھ خاندان آباد تھے جب آپ قبا پہنچے تو آپ نے قبیلہ کے سردار کلثوم بن ہدم کے مکان پر قیام فرمایا، اور ابوبکر صدیق خبیب بن اساف کے مکان پر ٹھہرے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی مشرکین مکہ کی امانتیں واپس کر کے مقام قبا میں آملے اور آپ ﷺ کے پاس قیام فرمایا، قبا میں سب سے پہلے جو کام آپ نے کیا وہ ایک مسجد کی بنیاد تھی، سب سے پہلے آپ نے اپنے دست مبارک سے ایک پتھر لا کر قبلہ رخ رکھا آپ کے بعد ابوبکر نے اور ان کے بعد عمر نے ایک پتھر رکھا اس کے بعد دیگر حضرات نے پتھر لا کر رکھنے شروع کئے اور تعمیر کا سلسلہ شروع ہو گیا، (مزید تفصیل کے لئے کتب سیرت کی طرف رجوع کریں)۔ (سیرت مصطفیٰ)

وكَانَ صلى الله عليه وسلم أذِنَ لجماعةٍ في التخلُّفِ باجتهادٍ منه فنَزَلَ عِتَابًا له وَقَدَّمَ العفوَ تطمينًا لقلبه **عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ** في التخلفِ وهَلاَّ تركتهم **حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا** في العذر **وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ** ﴿٤٣﴾ فيه **لَا يَسْتَاْذِنُكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ** في التخلُّفِ عن **اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ** ﴿٤٤﴾ **اِنَّمَا يَسْتَاْذِنُكَ** اى في التخلُّفِ **الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَارْتَابَتْ** شَكَّتْ **قُلُوْبُهُمْ** في الدينِ **فَهُمْ فِيْ رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُوْنَ** ﴿٤٥﴾ يتحيَّرُوْنَ **وَلَوْ اَرَادُوا الْخُرُوْجَ** معك **لَاَعَدُّوْا لَهٗ عُدَّةً** أُهبَةً من الآلةِ والزادِ **وَّلٰكِنْ كَرِهَ اللّٰهُ انْۢبِعَاثَهُمْ** اى لم يُرِدْ خُرُوْجَهم **فَثَبَّطَهُمْ** كسَّلهم **وَقِيْلَ** لهم **اقْعُدُوْا مَعَ الْقٰعِدِيْنَ** ﴿٤٦﴾ المَرضى والنساءِ والصِّبيانِ اى قدَّرَ اللّٰهُ ذلك **لَوْ خَرَجُوْا فِيْكُمْ مَّا زَادُوْكُمْ اِلَّا خَبَالًا** فسادًا بتخذيلِ المؤمنين **وَّلَاَاوْضَعُوْا خِلٰلَكُمْ** اى أسرعُوْا بينكم بالمشي بالنَّميمةِ **يَبْغُوْنَكُمُ** اى يطلُبُوْن لكم **الْفِتْنَةَ ۚ** بالقاءِ العداوة **وَفِيْكُمْ سَمّٰعُوْنَ لَهُمْ ۭ** ما يقولُوْن سَماعَ قبول **وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ** ﴿٤٧﴾ **لَقَدِ ابْتَغَوُا الْفِتْنَةَ** لك **مِنْ قَبْلُ** اول ما قدِمتَ المدينة **وَقَلَّبُوْا لَكَ الْاُمُوْرَ** اى أجالُوا الفكر في كيدك وابطال دينك **حَتّٰى جَاۗءَ الْحَقُّ** النصرُ **وَظَهَرَ** عزَّ **اَمْرُ اللّٰهِ** دينُهُ **وَهُمْ كٰرِهُوْنَ** ﴿٤٨﴾ له فدخلُوْا فيه ظاهرًا **وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ ائْذَنْ لِّيْ** في التخلفِ **وَلَا تَفْتِنِّيْ ۭ** وهو الجدُّ بنُ قيسٍ قَالَ له النبيُّ هل لك في جلادِ بني الاصفرِ فقال انى مُغرَمٌ بالنساءِ وأخشى إن رأيتُ نساءَ بني الاصفرِ لا أصبرُ عنهن فأفتتن قال

تعالٰی اَلَا فِی الْفِتْنَةِ سَقَطُوْا بالتخلف وقرئ سقط وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ۝ لا مَحيصَ لهم عنها اِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ كنصر وغنيمةٍ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكَ مُصِيْبَةٌ شدةٌ يَّقُوْلُوْا قَدْ اَخَذْنَآ اَمْرَنَا بالحزم حين تخلفنا مِنْ قَبْلُ قبل هذه المصيبة وَيَتَوَلَّوْا وَّهُمْ فَرِحُوْنَ۝ بما اصابك قُلْ لهم لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا اصابته هُوَ مَوْلٰىنَا ناصرنا ومتولي امورنا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ قُلْ هَلْ تَرَبَّصُوْنَ فيه حذف إحدى التائين في الاصل اى تنتظرون أن يقع بِنَآ اِلَّآ اِحْدَى العاقبتين الْحُسْنَيَيْنِ تثنية حُسْنى تانيث أحسن، النصر او الشهادة وَنَحْنُ نَتَرَبَّصُ ننتظر بِكُمْ اَنْ يُّصِيْبَكُمُ اللّٰهُ بِعَذَابٍ مِّنْ عِنْدِهٖٓ بقارعة من السماء اَوْ بِاَيْدِيْنَا بان يأذن لنا بقتالكم فَتَرَبَّصُوْٓا بنا ذلك اِنَّا مَعَكُمْ مُّتَرَبِّصُوْنَ۝ عاقبتكم قُلْ اَنْفِقُوْا فى طاعة الله طَوْعًا اَوْ كَرْهًا لَّنْ يُّتَقَبَّلَ مِنْكُمْ ما انفقتموه اِنَّكُمْ كُنْتُمْ قَوْمًا فٰسِقِيْنَ۝ والامر هنا بمعنى الخبر وَمَا مَنَعَهُمْ اَنْ تُقْبَلَ بالتاء والياء مِنْهُمْ نَفَقٰتُهُمْ اِلَّآ اَنَّهُمْ فاعل منعهم وأن تقبل مفعوله كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَلَا يَاْتُوْنَ الصَّلٰوةَ اِلَّا وَهُمْ كُسَالٰى متثاقلون وَلَا يُنْفِقُوْنَ اِلَّا وَهُمْ كٰرِهُوْنَ۝ النفقة لانهم يعدونها مغرمًا فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اى لا تستحسن نعمنا عليهم فهى استدراج اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ اى أن يعذبهم بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا بما يلقون فى جمعها من المشقة وفيها من المصائب وَتَزْهَقَ تخرج اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ۝ فيعذبهم فى الاخرة أشد العذاب وَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ اى مؤمنون وَمَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ يَّفْرَقُوْنَ۝ يخافون ان تفعلوا بهم كالمشركين فيحلفون تقية لَوْ يَجِدُوْنَ مَلْجَاً يلجأون اليه اَوْ مَغٰرٰتٍ سراديب اَوْ مُدَّخَلًا موضعا يدخلونه لَّوَلَّوْا اِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُوْنَ۝ يسرعون فى دخوله والانصراف عنكم اسراعًا لا يرده شيئ كالفرس الجموح وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّلْمِزُكَ يعيبك فِى قسم الصَّدَقٰتِ فَاِنْ اُعْطُوْا مِنْهَا رَضُوْا وَاِنْ لَّمْ يُعْطَوْا مِنْهَآ اِذَا هُمْ يَسْخَطُوْنَ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ رَضُوْا مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ من الغنائم ونحوها وَقَالُوْا حَسْبُنَا كافينا اللّٰهُ سَيُؤْتِيْنَا اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ وَرَسُوْلُهٗٓ من غنيمة أخرى ما يكفينا اِنَّآ اِلَى اللّٰهِ رٰغِبُوْنَ۝ ان يغنينا وجواب لو، لكان خيرًا لهم.

ترجمہ: آپ ﷺ نے اپنے اجتہاد سے ایک جماعت کو جہاد (غزوۂ تبوک) میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیدی تھی، تو اظہار ناراضگی کے طور پر (آئندہ آیت) نازل ہوئی، اور آپ کے اطمینان قلبی کے لئے معافی کو پہلے ہی بیان کر دیا، (اے نبی) اللہ تمہیں معاف کرے، تم نے ان کو عدم شرکت کی کیوں اجازت دیدی؟ اور آپ نے ان کو کیوں نہ اپنی حالت پر چھوڑ دیا؟ تاکہ آپ پر کھل جاتا کہ کون لوگ عذر میں سچے ہیں؟ اور عذر کے معاملہ میں جھوٹوں کو بھی جان لیتے جو لوگ اللہ پر اور

یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ تو آپ سے کبھی یہ درخواست نہ کریں گے کہ انھیں اپنے جان و مال کے ساتھ جہاد کرنے سے معاف رکھا جائے اللہ متقیوں کو خوب جانتا ہے، ایسی عدم شرکت کی درخواست تو صرف وہی لوگ کرتے ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور ان کے قلوب دین کے معاملہ میں شک میں مبتلا ہیں اور وہ اپنے شک ہی میں حیران ہو رہے ہیں اگر ان کا (واقعی) آپ کے ساتھ نکلنے کا کچھ ارادہ ہوتا تو وہ اس کے لئے آپ کے ساتھ نکلنے کے آلات اور زاد راہ کے ذریعہ کچھ تو تیاری کرتے لیکن اللہ کو (جہاد کیلئے) ان کا اٹھنا پسند نہیں تھا، یعنی اللہ ہی نے ان کا (جہاد کیلئے) نکلنا نہ چاہا، اسلئے اللہ نے انھیں سست کر دیا اور کہہ دیا گیا کہ بیٹھنے والوں (یعنی) مریضوں اور عورتوں اور بچوں کے ساتھ بیٹھے رہو، یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ مقدر کر دیا ہے، اگر وہ تم میں شامل ہو کر نکلتے تو تمہارے اندر مومنین کو ذلیل کر کے (بزدلی دکھا کر) فساد کے علاوہ کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور تمہارے درمیان فتنہ پردازی کے لئے خوب گھوڑے دوڑاتے تمہارے درمیان فتنہ ڈال کر یعنی تمہارے درمیان چغل خوری کے لئے خوب دوڑ دھوپ کرتے، اور ان کی باتوں کو ماننے والے خود تمہارے اندر موجود ہیں، اللہ ان ظالموں کو خوب جانتا ہے اس سے پہلے بھی (یعنی) جب آپ مدینہ میں آئے ہی تھے انہوں نے فتنہ انگیزی کی کوششیں کی ہیں آپ کے لئے مکر کرنے اور آپ کے دین کو باطل کرنے کیلئے یہ ہر طرح کی تدبیروں کا الٹ پھیر کر چکے ہیں یہاں تک کہ حق یعنی نصرت آ گئی یہاں تک کہ اور اللہ کا امر (یعنی) اسکا دین غالب ہو گیا حالانکہ وہ اس کو ناپسند کر رہے تھے لیکن وہ اس (اسلام) میں بظاہر داخل ہو گئے اور ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ مجھے شریک (جہاد) نہ ہونے کی اجازت دیدیجئے اور مجھے فتنہ میں نہ ڈالئے، اور وہ جد بن قیس ہے اس سے نبی ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا تم بنی اصفر کے ساتھ قتال (جہاد) کے لئے تیار ہو؟ تو اس نے جواب دیا کہ میں عورتوں کا دلدادہ ہوں مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں بنی اصفر کی عورتوں کو دیکھوں گا تو میں ضبط نہ کرسکوں گا جس کی وجہ سے میں فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا خوب سن لو وہ شرکت نہ کر کے فتنہ میں مبتلا ہو چکے ہیں اور سُقِطَ، بھی پڑھا گیا ہے یقین جانو کافروں کا جہنم نے احاطہ کر رکھا ہے، ان کو اس سے نجات نہیں، اگر آپ کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے، مثلاً نصرت اور مال غنیمت تو ان کو ناگوار گذرتی ہے اور اگر آپ کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو کہتے ہیں ہم نے اپنا معاملہ شریک نہ ہو کر احتیاطاً پہلے ہی درست کر لیا، یعنی اس مصیبت کے پیش آنے سے پہلے ہی اور آپ کی مصیبت پر خوش ہوتے ہوئے رخ پھیر کر چل دیتے ہیں ان سے کہو ہم کو کوئی (بھلائی یا برائی) ہرگز نہیں پہنچتی مگر وہی پہنچتی ہے جو اللہ نے ہمارے لئے لکھ دی ہے وہی ہمارا مولا (یعنی) مددگار اور ہمارے امور کا والی ہے اور اہل ایمان کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہئے آپ ان سے کہو تم جس چیز کے ہمارے بارے میں منتظر ہو وہ اس کے سوا اور کیا ہے کہ وہ دو بھلائیوں میں سے ایک بھلائی ہے (الحسنیین) حسنیٰ اَحسَنُ کی تانیث کا تثنیہ ہے (اور وہ دو چیزیں) غلبہ یا شہادت ہے اور ہم تمہارے معاملہ میں جس چیز کے منتظر ہیں وہ یہ ہے کہ اللہ تم کو آسمانی بجلی کے ذریعہ خود سزا دیتا ہے یا ہمارے ہاتھوں دلواتا ہے بایں طور کہ ہم کو تمہارے قتل کی اجازت دیتا ہے، تم اس کا ہمارے بارے میں انتظار کرو ہم تمہارے ساتھ تمہارے انجام کا انتظار کر رہے ہیں تربَّصُوْن میں اصل میں حذف تاء ہے، یعنی تم وقوع کا انتظار کر

رہے ہو تم ان سے کہو تم اللہ کی اطاعت میں خواہ بخوشی خرچ کرو یا بکراہت وہ تمہارے خرچ کرنے کو ہرگز قبول نہ کرے گا کیونکہ تم فاسق لوگ ہو اور یہاں امر خبر کے معنی میں ہے ان کے خرچ کئے ہوئے مال کو قبول نہ کرنے کی اس کے سوا اور کوئی وجہ نہیں کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا ہے (یقبل) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، الا انهم منعهم کا فاعل ہے اور ان تقبل اسکا مفعول ہے نماز کو آتے ہیں تو کسمساتے ہوئے سستی کے ساتھ آتے ہیں، اور (راہ خدا میں) وہ بادل ناخواستہ خرچ کرتے ہیں اس لئے کہ وہ اسے تاوان سمجھتے ہیں ان کے اموال اور ان کی اولاد (کی کثرت) تم کو تعجب (دھوکہ) میں نہ ڈالے، یعنی ہمارا ان کو خوش حالی دینا آپ کو بھلا معلوم نہ ہو اسلئے کہ یہ ڈھیل ہے اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعہ ان کو دنیا کی زندگی میں لیعذبهم کی تقدیر اَن یعذبهم ہے گرفتار عذاب رکھے ان مشقت و مصائب کے ذریعہ جو وہ مال جمع کرنے میں اٹھاتے ہیں اور یہ جان بھی دیں تو انکار حق کی حالت میں دیں جسکی وجہ سے اللہ ان کو آخرت میں شدید ترین عذاب دے، وہ خدا کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ وہ تم میں سے ہیں یعنی مومنوں میں سے حالانکہ وہ ہرگز تم میں سے نہیں ہیں، اصل میں وہ ایسے لوگ ہیں جو تم سے خوف زدہ ہیں، وہ اس بات سے ڈرتے ہیں کہ کہیں تم ان کے ساتھ بھی مشرکوں جیسا معاملہ کرو تو تقیہ (دکھاوے) کے طور پر قسم کھاتے ہیں اگر وہ کوئی ایسی جائے پناہ پالیں جس میں وہ پناہ لے سکیں یا کوئی سرنگ پالیں یا کوئی گھسنے کی جگہ پالیں تو وہ اس میں جلدی سے جا گھسیں یعنی داخل ہونے میں عجلت سے کام لیں ایسی عجلت کے ساتھ تم سے پھر جائیں کہ کوئی چیز ان کو تمہاری طرف نہ لوٹا سکے جیسا کہ سرکش گھوڑا (ہوتا ہے) اور (اے نبی) ان میں کے بعض لوگ صدقات کی تقسیم کے بارے میں آپ پر اعتراضات کرتے ہیں (عیب لگاتے ہیں) پس اگر صدقات میں سے (انکی مرضی کے مطابق) انھیں مل جاتا ہے تو خوش ہو جاتے ہیں اور اگر ان صدقات میں سے (ان کی خواہش کے مطابق) نہیں ملتا تو وہ ناخوش ہو جاتے ہیں کیا اچھا ہوتا کہ جو کچھ اللہ اور اس کے رسول نے غنائم وغیرہ میں سے ان کو دیا اس پر راضی ہوتے اور کہتے کہ اللہ ہمارے لئے کافی ہے عنقریب اللہ اپنے فضل سے اور اس کا رسول دوسرے مال غنیمت وغیرہ میں سے اتنا دے گا جو ہمارے لئے کافی ہوگا، تحقیق ہم اللہ ہی کی طرف راغب ہیں اور لَوْ کا جواب لکانَ خیرًا لَّهم محذوف ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ، جملہ دعائیہ ہے، مقام ناراضگی میں اظہار شفقت کے لئے مقدم کر دیا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: لِمَ، یہ دراصل لِمَا، جار مجرور تھا، اس قاعدہ سے کہ جب حرف جر ما استفہامیہ پر داخل ہوتا ہے تو الف گر جاتا ہے، لہٰذا الف گر گیا ہے لِمَ میں لام تعلیلیہ ہے اور لهم تبلیغیہ لہٰذا دونوں کا اَذِنتَ کے متعلق ہونا درست ہے۔

قِوْلَہٗ: الَّذین صدقوا یتبیَّنَ کا فاعل ہے، جملہ صدقوا صلہ ہے، تعلم کا یَتَبَیَّنَ پر عطف ہے کاذبین مفعول لہ ہے۔

قِوْلَہٗ: لم یرد خروجهم. "کراهة" انقباض النفس للعلم بنقصانه کو کہتے ہیں اور یہ حق تعالیٰ کیلئے محال ہے لہٰذا

كره الله میں کراہت کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: مفسر علام نے کَرِہَ کی تفسیر لمر یرد خروجهم سے کرکے اسی سوال کا جواب دیا ہے کہ یہاں کراہت کے لاز معنی مراد ہیں اسلئے کہ جو شئی مکروہ اور ناپسند ہوتی ہے اس کا ارادہ نہیں کیا جاتا۔

قَوْلُهُ: ثَبَّطَهُم، (تفعیل) تثبیطًا، باز رکھنا، روکے رکھنا، ماضی واحد مذکر غائب، ہم ضمیر جمع مذکر غائب۔

جَوَابٌ: تثبیط کے معنی روکنے کے ہیں اور اللہ کیلئے یہ کسی طرح مناسب نہیں کہ بندوں کو فرائض سے باز رکھے، لہٰذا مجازاً امر کی نسبت کسل کی جانب کردی کہ تقدیر خداوندی کے مطابق ان کے کسل نے ان کو باز رکھا۔

قَوْلُهُ: ای قدّر الله ذلك.

سُوَالٌ: اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اقعدوا مع القاعدین" اس میں قعود عن الجهاد کا حکم دیا گیا ہے اور مامور محمود ہوتا ہے نہ کہ مذموم۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ مراد تقدیر ازلی ہے اسی جواب کی طرف اشارہ کرنے کیلئے قدّر الله تعالى ذلك کا اضافہ فرمایا، بعض حضرات نے ایک اور جواب دیا ہے۔

دُوسرا جَوَابٌ: یہ ہے کہ یہ امر تہدیدی، اعملوا ما شئتم کے قبیل سے ہے اور قرینہ مع القاعدین ہے۔

قَوْلُهُ: الّا خبالًا، یہ مستثنیٰ مفرغ ہے، یعنی مستثنیٰ منہ محذوف ہے، ای ما زادوكم شيئًا الاخبالًا.

قَوْلُهُ: خبالا، بمعنی فساد، شر، یہ خَبَلَ یخبُلُ سے ماخوذ ہے ایسا شر و فساد جس کی وجہ سے کسی جاندار میں جنون یا اضطراب پیدا ہو جائے، خَبَالًا مستثنیٰ متصل ہے۔

قَوْلُهُ: اوضعوا ای لَسَعَوا بينكم بالنميمة، ایضاع بمعنی اسراع، جلدی کرنا بولا جاتا ہے، وَضَعَ البعير وضعًا إذا أسْرَعَ معلوم ہوا کہ یہاں وضع بمعنی نہادن نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: وفيكم سَمّاعون، خوب کان لگا کر سننے والے، جاسوس سمّاعٌ کبھی تو جاسوس کے معنی میں اور کبھی فرماں بردار کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یہاں دونوں ہی معنی مراد ہو سکتے ہیں۔

قَوْلُهُ: بني الاصفر، اصفر روم کے اطراف کے رئیس کا نام تھا اس نے ایک رومی عورت سے نکاح کرلیا تھا اس سے جو اولاد پیدا ہوئی وہ بنی اصفر کہلائی یہ نسل کافی حسین و جمیل پیدا ہوئی، یہ اسی نسل کی جانب اشارہ ہے۔

قَوْلُهُ: جلاد، کوڑے مارنے والا، تلوار مارنے والا، اسی سے جلّاد ہے، یہاں قتال بالسیف مراد ہے، بعض نسخوں میں جلاد کے بجائے جہاد ہے جو کہ واضح ہے۔

قَوْلُهُ: انفقوا طوعًا او كرهًا الخ، یہ امر بمعنی خبر ہے معنی یہ ہیں کہ نفقتكم طوعًا او كرهًا غير مقبولة.

قَوْلُهُ: فاعل مَنَعَهُمْ، یعنی اِلّا انهم، مَنَعَ کا فاعل ہے، تقدیر عبارت یہ ہے ماَمَنَعَهُمْ قبولَ نفقاتِهم اِلّا کُفرُهم، ول مفعول ثانی ہے اور مَنَعَهُمْ میں هم مفعول اول ہے۔

قَوْلُهُ: استدراج، بتدریج قریب کرنا، بتدریج ڈھیل دینا۔

قَوْلُهُ: تقیة باطن کے خلاف ظاہر کرنا، یہ لفظ اہل تشیع کی اصطلاح ہے یعنی اپنے مذہبی عقیدہ کے خلاف ظاہر کرنا۔

قَوْلُهُ: سرادیب، یہ سرداب کی جمع ہے، بمعنی تہہ خانہ، سرنگ۔

قَوْلُهُ: مُدَّخلًا، اصل میں مُدْتخلًا تھا، تاء کو دال سے بدل کر دال کو دال میں ادغام کر دیا، موضع دخول۔

قَوْلُهُ: یَجْمحون، یہ جمحٌ سے ماخوذ ہے اس سرکش گھوڑے کو کہتے ہیں جو لگام سے بھی قابو میں نہ آئے اور تیزی سے دوڑا چلا جائے یہاں مطلقاً تیز چلنا، دوڑنا مراد ہے۔

تفسیر و تشریح

شان نزول:

عَفَا اللّٰه عنك لِمَ اَذِنت لهم الخ جس طرح بدر کے قیدیوں سے وحی نازل ہونے سے پہلے فدیہ لے لیا تھا اس پر اللہ تعالیٰ نے خفگی کا اظہار فرمایا تھا، اسی طرح تبوک کی لڑائی کے وقت بعض منافقوں نے بناوٹی عذر پیش کر کے نبی ﷺ سے رخصت چاہی تھی، اور آپ ﷺ نے اپنے طبعی حلم کی بنا پر یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ محض بہانہ بنا رہے ہیں رخصت عطا فرمائی تھی، اس کو اللہ نے پسند نہیں فرمایا، اور آپ ﷺ کو تنبیہ فرمائی کہ ایسی نرمی مناسب نہیں ہے، اس رخصت کی وجہ سے ان منافقوں کو اپنے نفاق پر پردہ ڈالنے کا موقع مل گیا، اگر ان کو رخصت نہ دی جاتی اور پھر یہ گھر بیٹھے رہتے تو ان کا جھوٹا دعوائے ایمان بے نقاب ہو جاتا۔

مگر خفگی کا یہ اظہار پیار بھرا ہے کہ خفگی سے پہلے معافی کا ذکر فرما دیا، مطلب یہ ہے کہ اجازت میں اس قدر عجلت سے کام نہیں لینا چاہئے تھا تھوڑا انتظار کرتے تو ان کے جھوٹے عذر کی حقیقت ظاہر ہو جاتی۔

بعض حضرات نے اس آیت کو سورۂ نور کی آیت فأذن لمن شئت منهم، سے منسوخ مانا ہے، مگر صحیح بات یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں سے کوئی آیت منسوخ نہیں ہے اسلئے کہ دونوں آیتوں میں سچے عذر والوں کو اجازت کا حکم ہے فرق صرف اس قدر ہے کہ اس آیت میں حکم مجمل ہے اور سورۂ نور کی آیت میں صاف ہے، اس صورت میں ایک آیت دوسری آیت کا بیان ہوگی۔

لا یَستَاذِنُكَ الَّذِیْنَ یؤمنون باللّٰه الخ جب منافقوں نے جہاد میں عدم شرکت کی اجازت چاہی اور آپ نے اجازت دیدی جیسا کہ اوپر مذکور ہے، اب اس کے بعد مومنین مخلصین کا ذکر فرمایا، کہ جو مومنین مخلصین ہیں آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ کبھی گھر میں بیٹھے رہنے کی اجازت نہیں چاہتے۔

انھیں تو یہی پسند ہے کہ جس طرح ممکن ہو جان سے مال سے جہاد میں شریک ہوں بلکہ اگر ان کو رخصت دیدی جائے تو ان پر شاق گذرتی ہے، چنانچہ صحیح بخاری کے حوالہ سے سعد بن عبادہ کی حدیث گذر چکی ہے کہ حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کو آنحضرت نے غزوۂ تبوک ہی میں حکم دیا کہ تم مدینہ ہی رہ کر اہل وعیال کی نگرانی کرو حضرت علی پر یہ حکم نہایت گراں گذرا، جب آنحضرت ﷺ نے تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ اے علی کیا تم کو مجھ سے وہ نسبت پسند نہیں جو حضرت ہارون عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام کو حضرت موسیٰ عَلَیْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَام سے نیابت کی تھی، یہ سنکر حضرت علی مدینہ میں رہ جانے پر رضامند ہوئے۔

منافقوں کی حالت کا بیان:

وَلَوْ ارادوا الخروج لَاَعدّوا لَهٗ عُدَّةً، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے منافقوں کا حال بیان فرمایا ہے، کہ ان لوگوں کا ارادہ اس لڑائی میں شریک ہونے کا پہلے ہی سے بالکل نہیں تھا، اگر ان کا ارادہ ہوتا تو دیگر لوگوں کی طرح یہ بھی کچھ نہ کچھ تیاری کرتے، اس کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی ان لوگوں کا شریک ہونا پسند نہیں تھا، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے اندر بزدلی اور سستی پیدا فرما دی، ان لوگوں کے جہاد میں شریک نہ ہونے میں بڑی مصلحت تھی، اسلئے کہ اگر یہ لوگ لڑائی میں شریک ہوتے تو مدد کے بجائے فتنہ برپا کرتے مسلمانوں کو خوف دلاتے ایسی ایسی باتیں اور حرکتیں کرتے کہ مسلمانوں کے دل ٹوٹنے لگتے ان میں بزدلی اور پست ہمتی پیدا ہوتی، اس لئے کہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں جو تمہاری جاسوسی کرتے ہیں اور تمہاری پوشیدہ خبریں دشمن کو پہنچاتے ہیں، قتادہ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ کے قول کے مطابق اگر چہ بعض مفسرین نے وفیکم سمّاعون لھم، کی تفسیر یہ بیان فرمائی ہے کہ مسلمانوں میں کچھ لوگ ایسے ہیں جو ان منافقوں کی باتیں سنتے اور مانتے ہیں لیکن حافظ ابو جعفر ابن جریر نے اپنی تفسیر میں قتادہ کے اس قول کو ضعیف ٹھہرایا ہے، اسلئے مجاہد کے صحیح قول کے مطابق پہلی تفسیر صحیح معلوم ہوتی ہے۔

منافقوں نے ہمیشہ نازک موقع پر دھوکا دیا ہے:

غزوۂ احد کے موقع پر عبداللہ بن ابی منافقوں کا سردار تین سو مسلمانوں کی جمعیت کو میدان سے واپس لے آیا تھا، اسی عبداللہ بن ابی نے غزوۂ بنی مصطلق کے موقع پر اپنے قبیلے کے انصار کو بہکایا تھا اور کہا تھا کہ واپس مدینہ جانے کے بعد مہاجروں کو مدینہ سے نکال دیں گے۔

لَقَدِ ابتغوا الفتنة مِن قبلُ الخ اس آیت میں بھی منافقوں کا حال بیان کیا گیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ غدر وغل کچھ اسی لڑائی کے ساتھ خاص نہیں ہے ان کا تو شیوہ ہی یہ ہے اس سے پہلے بھی جب آپ شروع شروع میں مدینہ تشریف لائے تھے اس وقت بھی یہ لوگ آمادۂ جنگ و پیکار ہو گئے تھے اور انہوں نے یہود مدینہ کے ساتھ ساز باز کر کے مسلمانوں اور اسلام کو نقصان پہنچانے کی کوشش کی تھی۔

شانِ نزول:

وَمِنهُم مَنْ يقولُ ائذن لی وَلَاتَفتِنِی، طبرانی اور ابن ابی حاتم میں اس آیت کا جو شانِ نزول بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ منافقین مدینہ میں ایک شخص قبیلۂ بنی سلمہ کا سردار تھا جس کا نام جد بن قیس تھا اور اس کی کنیت ابو وہب تھی، تبوک کی لڑائی پر جانے اور نصرانیوں سے لڑنے کا جب آنحضرت ﷺ نے ذکر فرمایا تو اس نے کہا کہ میں ایک حسن پرست آدمی ہوں میری قوم کے لوگ میری اس کمزوری سے واقف ہیں کہ عورت کے معاملہ میں مجھ سے صبر نہیں ہوسکتا میں بے قابو ہو جاتا ہوں، مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں رومی عورتوں کو دیکھ کر میرا قدم نہ پھسل جائے لہٰذا آپ مجھے فتنے میں نہ ڈالیں، اور اس جہاد کی شرکت سے مجھے معاف رکھیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے مذکورہ آیت نازل فرمائی، اور فرمایا کہ بڑا فتنہ نفاق کا ہے جس میں یہ پڑے ہوئے ہیں اسی فتنہ کے سبب یہ ایسی باتیں کر رہے ہیں اس فریب اور مکر کا ہوسکتا ہے کہ دنیا میں کچھ فائدہ اٹھالیں آخر ایسے لوگوں کا ٹھکانہ جہنم ہے۔

شانِ نزول:

ان تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تسُؤهم وَإن تصبك مصيبة الخ تفسیر ابن ابی حاتم میں جابر بن عبداللہ کی روایت سے جو شان نزول ان آیات کا بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ عبداللہ بن ابی وغیرہ منافقین لڑائی کے وقت بناوٹی عذر کر کے جس لڑائی میں شریک نہیں ہوئے تھے اگر اس لڑائی میں مسلمانوں کو فتح ہوتی اور مال غنیمت ہاتھ آتا تو دو طرح سے ان منافقوں پر یہ امر شاق گذرتا تھا ایک تو اس وجہ سے کہ ان کے دلوں میں مسلمانوں کی عداوت تھی اسلئے مسلمانوں کی فتح وکامرانی انکو اچھی نہیں لگتی تھی دوسرے ان کو یہ افسوس ہوتا تھا کہ ہم کیوں نہ شریک ہوئے! ہمارے ہاتھ بھی مال لگتا، اور اگر کسی لڑائی میں مسلمانوں کو ضرر پہنچتا تو یہ منافق اپنی دور اندیشی اور دانشمندی پر نازاں ہو کر کہتے ہم تو ضرر سے بچنے کے لئے پہلے ہی سے عذر کر کے شریک نہیں ہوئے ورنہ ہم بھی اس مصیبت میں مبتلا ہو جاتے، اللہ تعالیٰ نے ان دونوں منصوبوں کے جواب میں یہ آیتیں نازل فرمائیں۔

شانِ نزول:

قُل انفقوا طوعًا او كرهًا لن يُتقبل منكم، تفسیر ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے اس آیت کا شان نزول یہ معلوم ہوتا ہے کہ قبیلہ بنی سلمہ کے سردار جد بن قیس منافق نے تبوک کی لڑائی میں جانے سے جب یہ عذر کر دیا کہ میں وہاں جا کر رومی خوبصورت عورتوں کے فتنہ میں مبتلا ہو جاؤں گا لہٰذا میں جنگی خدمت دینے سے تو معذور ہوں البتہ میں مالی مدد کرنے کو تیار ہوں اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں نازل فرمائیں اور فرمایا کہ جب ان کا عقیدہ ہی درست نہیں ہے تو ان کی کوئی عبادت خواہ مالی ہو یا بدنی قبول نہیں ہے۔

فلا تعجبك اموالهم ولا اولادهم الخ اس مال ودولت کی محبت میں گرفتار ہو کر جو منافقانہ رویہ انہوں نے اپنایا ہے جیسا کہ جد بن قیس نے کہا تھا کہ جنگی خدمات سے مجھے معذور رکھئے اگر آپ چاہیں تو میں کچھ مالی مدد کیلئے حاضر ہوں، اس لئے ان آیتوں میں فرمایا کہ اے محمد ﷺ لوگوں کی مال ودولت اور کثرت اولاد کو دیکھ کر تعجب میں نہ پڑیں، یہ مال ودولت خدا کی طرف سے ایک ڈھیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ان ہی چیزوں کے ذریعہ جن کی کمائی کے لئے انہوں نے بڑی بڑی مشقتیں اور مصیبتیں اٹھائی ہیں ان پر دنیوی اور اخروی عذاب مسلط کریگا، اس مال کی بدولت یہ لوگ ہمیشہ عذاب اور تکلیف ہی میں مبتلا رہیں گے کہ حاصل کرنے میں بھی تکلیف اٹھائی اور جب کوئی مالی نقصان ہوتا ہے تو وہ مالی نقصان کی مصیبت بھی ان کیلئے ناقابل برداشت ہوتی ہے۔

اس کیفیت کا ایک دلچسپ واقعہ:

دلچسپ واقعہ یہ ہے جو حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کی مجلس میں پیش آیا، قریش کے چند بڑے شیوخ جن میں سہیل بن عمرو اور حارث بن ہشام جیسے لوگ بھی تھے، حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ سے ملنے گئے وہاں یہ صورت پیش آئی کہ انصار اور مہاجرین میں کوئی معمولی آدمی بھی آتا تو حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ اسے اپنے پاس بٹھاتے اور ان شیوخ سے کہتے کہ اس کے لئے جگہ خالی کرو تھوڑی دیر میں نوبت یہاں تک پہنچی کہ یہ حضرات سرکتے سرکتے مجلس کے بالکل آخر میں پہنچ گئے، باہر نکل کر حارث بن ہشام نے کہا تم لوگوں نے دیکھا آج ہمارے ساتھ کیا سلوک ہوا ہے؟ سہیل بن عمرو نے کہا اس میں عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُ کا کچھ قصور نہیں قصور ہمارا ہے، جب ہمیں اس دین کی دعوت دی گئی تو ہم نے منہ موڑا اور یہ لوگ اس کی طرف دوڑ کر آئے پھر یہ دونوں صاحب حضرت عمر کے پاس گئے اور عرض کیا آج ہم نے آپ کا سلوک دیکھا اور ہم جانتے ہیں کہ یہ ہماری اپنی کوتاہیوں کا نتیجہ ہے مگر کیا اب اس کی تلافی کی کوئی صورت ہے، حضرت عمر نے زبان سے کچھ جواب نہ دیا اور صرف سرحد روم کی طرف اشارہ کر دیا، مطلب یہ تھا کہ اب میدان جہاد میں جان ومال کھپاؤ تو شاید اس کی تلافی ہو جائے۔

شان نزول:

ویحلفون باللہ انھم لمنکم، مدینہ میں منافقین زیادہ تر مالدار اور سن رسیدہ تھے ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں ان کی فہرست دی ہے اس میں صرف ایک نوجوان کا ذکر ملتا ہے یہ لوگ مدینہ میں جائداد اور پھیلے ہوئے کاروبار رکھتے تھے اور جہاندیدگی نے ان کو مصلحت اندیش اور موقع پرست بنا دیا تھا اسلام جب مدینہ پہنچا تو آبادی کے ایک بڑے حصہ نے پورے اخلاص اور ایمانی جوش کے ساتھ قبول کر لیا تو ان لوگوں نے اپنے آپ کو ایک عجیب مخمصہ میں مبتلا پایا، انہوں نے دیکھا کہ ایک طرف تو خود ان کے قبیلے کی اکثریت بلکہ خود ان کے بیٹوں اور بیٹیوں تک کو ایمان کے نشہ نے سرشار کر دیا ہے، ان کے خلاف اگر یہ کفر وانکار پر قائم رہتے ہیں تو ان کی یہ ریاست، عزت، شہرت سب خاک میں مل جاتی ہے دوسری

طرف اس دین کا ساتھ دینے کے یہ معنی ہیں کہ وہ سارے عرب بلکہ اطراف ونواح کی قوموں اور سلطنتوں سے بھی لڑائی مول لینے کے لئے تیار رہیں، اس لئے انھیں اپنے مفاد کے تحفظ کی بہترین صورت یہی نظر آئی کہ ایمان کا دعوی کریں اور ظاہری طور پر اسلام میں داخل ہو جائیں، تاکہ اپنی قوم میں اپنی ظاہری عزت اور اپنے کاروبار کو برقرار رکھ سکیں مگر مخلصانہ ایمان نہ اختیار کریں تاکہ ان خطرات ونقصانات سے دوچار نہ ہوں جو اخلاص کی راہ اختیار کرنے سے لازماً پیش آنے تھے، ان کی اسی ذہنی کیفیت کو یہاں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ حقیقت میں یہ لوگ تمہارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ نقصانات کے خوف نے انھیں زبردستی تمہارے ساتھ باندھ دیا ہے جو چیز ان کو اس بات پر مجبور کرتی ہے کہ اپنے کو مسلمان کہیں وہ صرف یہ خوف ہے کہ مدینہ میں رہتے ہوئے علانیہ غیر مسلم بن کر رہیں تو ان کی جاہ ومنزلت ختم ہو جاتی ہے۔

ومنهم مَنْ يَلمِزُكَ في الصدقات، اس آیت کے شان نزول کا واقعہ صحیح بخاری میں حضرت ابوسعید خدری کی روایت سے اس طرح بیان ہوا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت کچھ مال لوگوں میں تقسیم فرما رہے تھے کہ بنی تمیم کا ایک شخص جس کا نام حرقوص تھا اور ذوالخویصرہ کے لقب سے مشہور تھا آپ کی خدمت میں آیا اور کہا تقسیم میں ذرا عدل وانصاف سے کام لیجئے، آپ نے فرمایا اگر میں ہی ناانصافی کروں گا تو انصاف کون کریگا؟ حضرت عمر رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے عرض کیا اگر ارشاد ہو تو میں ابھی اس شخص کی گردن ماردوں آپ نے فرمایا جانے دو اس کی نسل سے واجب القتل لوگ پیدا ہوں گے چنانچہ اسی شخص کی نسل سے خارجی لوگ پیدا ہوئے، اگرچہ بعض مفسرین نے اس آیت کے دیگر شان نزول بھی بیان کئے ہیں مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اس آیت کا مضمون دوسری آیتوں پر بھی صادق آتا ہے ورنہ صحیح شان نزول کا یہی واقعہ ہے جو صحیحین کی روایت میں موجود ہے۔

خارجی فرقہ کا تعارف اور اس کے عقائد:

اس فرقہ کے وجود میں آنے کا واقعہ یہ ہے کہ حضرت عثمان رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کی شہادت کے دوسرے روز جب لوگوں نے حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے ہاتھ پر بیعت کرلی تو اس زمانہ میں حضرت عائشہ صدیقہ حج کے ارادہ سے مکہ گئی ہوئی تھیں، مکہ سے واپسی کے وقت کچھ لوگوں نے حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کو اس بات پر آمادہ کیا کہ حضرت علی کو قاتلانِ عثمان کا پتہ لگانے پر مجبور کریں اگر حضرت علی اس سے انکار کریں تو ان سے جنگ کی جائے، یہ حضرات حضرت عائشہ کو بصرہ لے گئے بصرہ میں حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کے ساتھ بہت سے لوگ جمع ہو گئے حضرت علی رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ نے جب یہ خبر سنی تو وہ بھی فوج لے کر بصرہ کے ارادہ سے نکلے ۳۶ھ میں حضرت علی اور حضرت عائشہ رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهَا کی بڑی لڑائی ہوئی جو جنگ جمل کے نام سے مشہور ہے، اس لڑائی میں حضرت عائشہ چونکہ اونٹ پر سوار تھیں اور اونٹ کو عربی میں جمل کہتے ہیں اسلئے یہ جنگ، جنگ جمل کے نام سے مشہور ہوئی، یہ جنگ ایک اجتہادی غلطی کی وجہ سے برپا ہوئی تھی، اس میں حضرت علی کو فتح حاصل ہوئی، حضرت عائشہ کی شکست کا حال سن کر حضرت عثمان کے قاتلوں کا پتہ لگانے کا معاملہ حضرت امیر معاویہ نے دوبارہ شروع کیا حضرت امیر معاویہ جو کہ حضرت عثمان رَضِيَ اللهُ تَعَالَى عَنْهُ کے چچازاد بھائی ہوتے تھے اس لئے انہوں نے اس مسئلہ کو اٹھانا اپنا حق سمجھا۔

جنگ صفین:

۳۷ھ میں اسی مسئلہ پر حضرت امیر معاویہ اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے درمیان ایک بڑی جنگ ہوئی جو جنگ صفین کے نام سے مشہور ہے صفین ملک عراق اور شام کے درمیان ایک مقام کا نام ہے یہ لڑائی تقریباً ایک ماہ چلی اگر چہ اس لڑائی میں پلڑا حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بھاری رہا لیکن حضرت عمرو بن العاص کے مشورہ سے صلح کے لئے پنچ مقرر کئے گئے، حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف سے ابوموسیٰ اشعری اور حضرت معاویہ کی طرف سے عمرو بن العاص پنچ مقرر ہوئے اس پنچایت کی صلح سے ناراض ہو کر ان الحکم الا للہ کہتے ہوئے آٹھ ہزار آدمیوں کا ایک گروہ حضرت علی سے منحرف ہو کر ان کے لشکر سے جدا ہو گیا اسی فرقہ کو "خارجی" کہتے ہیں یہ لوگ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور ان کے متبعین کو اسلام سے خارج مانتے ہیں، اسی فرقہ کو "حروریہ" بھی کہتے ہیں، یہ مقام حرورکی جانب منسوب ہے، عبدالرحمٰن بن ملجم اسی فرقے سے تعلق رکھتا تھا جس نے موقع پا کر حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو شہید کر دیا تھا۔

إِنَّمَا الصَّدَقَٰتُ الزكواتُ مَصْرُوفَةٌ **لِلْفُقَرَآءِ** الذين لا يَجِدُوْنَ ما يقعُ موقعًا من كفايتِهم **وَالْمَسَٰكِينِ** الذين لا يَجِدُوْنَ ما يَكْفِيهِم **وَالْعَٰمِلِينَ عَلَيْهَا** اى الصدقاتِ من جابٍ وقاسمٍ وكاتبٍ وحاشرٍ **وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوبُهُمْ** لِيُسْلِمُوْا اويثبتَ اسلامُهم او يُسْلِمَ نُظَرَاؤُهم او يَذُبُّوا عن المسلمينَ اقسامٌ والاولُ والاخيرُ لا يُعْطَيانِ اليومَ عندَ الشافعيِّ لِعِزِّ الاسلامِ بخلافِ الأخَرَيْنِ فيُعْطَيانِ على الاصحِّ **وَفِي الرِّقَابِ** اى المكاتبينَ **وَالْغَٰرِمِينَ** اَهْلِ الدَّيْنِ ان اسْتَدَانُوْا لِغيرِ مَعْصِيَةٍ اوتابُوْا وليسَ لهم وَفاءٌ او لِاِصْلاحِ ذاتِ البَيْنِ ولو اَغنياءَ **وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ** اى القائمينَ بالجهادِ مِمَّنْ لا فَيْءَ لهم ولو اغنياءَ **وَابْنِ السَّبِيلِ** المنقطعِ في سَفَرِه **فَرِيضَةً** نُصِبَ لفعلِه المقدرِ **مِّنَ اللَّهِ وَاللَّهُ عَلِيمٌ** بخلقِه **حَكِيمٌ**﴿٦٠﴾ في صُنْعِه فلا يجوزُ صرفُها لغيرِ هؤلاءِ ولا مَنْعُ صِنْفٍ منهم اذا وُجِدَ فيَقْسِمُها الامامُ عليهم على السواءِ ولهُ تفضيلُ بعضِ آحادِ الصِّنْفِ على بعضٍ وَأفادتِ اللامُ وُجُوبَ استغراقِ أفرادِه لكن لا يَجِبُ على صاحبِ المالِ إذا قسمَ لِعُسْرِه بل يَكْفِي إعطاءُ ثلاثةٍ من كلِّ صِنْفٍ ولا يَكْفِي دُوْنَها كما أفادَتْهُ صِيغَةُ الجمعِ وبَيَّنَتِ السنةُ ان شرطَ المُعْطَى منها الاسلامُ وأن لا يكونَ هاشميًا ولا مُطَّلِبِيًا **وَمِنْهُمُ** اى المنافقينَ **الَّذِينَ يُؤْذُونَ النَّبِيَّ** بعَيْبِه ونَقْلِ حديثِه **وَيَقُولُونَ** اذا نُهُوا عن ذلك لئلا يَبْلُغَهُ **هُوَ أُذُنٌ** اى يَسْمَعُ كُلَّ قيلٍ ويَقْبَلُهُ فاذا حلفنا له انا لم نَقُلْ صدّقنا **قُلْ أُذُنُ** مستمعٌ **خَيْرٍ لَّكُمْ** لا مستمعُ شرٍّ **يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَيُؤْمِنُ** يُصَدِّقُ **لِلْمُؤْمِنِينَ** فيما اخبروه به لا لغيرِهم واللامُ زائدةٌ للفرقِ بين ايمانِ التسليمِ وغيرِه **وَرَحْمَةٌ** بالرفعِ عطفًا على أُذُنٍ والجرِّ عطفًا على خيرٍ **لِّلَّذِينَ آمَنُوا مِنكُمْ وَالَّذِينَ يُؤْذُونَ رَسُولَ اللَّهِ لَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ**﴿٦١﴾ **يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ لَكُمْ** ايها المؤمنون فيما بلغكم عنهم

مَنْ اذى الرَّسُوْلِ انهم ما اتوه لِيُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَحَقُّ اَنْ يُّرْضُوْهُ بالطاعة اِنْ كَانُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿٦٢﴾
حقًّا وتوحيد الضمير لتلازم الرضائين او خبر الله او رسوله محذوف اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّهٗ اى الشان
مَنْ يُّحَادِدِ يشاقق اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَاَنَّ لَهٗ نَارَ جَهَنَّمَ اى جزاءً خَالِدًا فِيْهَا ذٰلِكَ الْخِزْيُ الْعَظِيْمُ ﴿٦٣﴾ يَحْذَرُ
اى يخاف الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ اى المؤمنين سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ من النفاق وهم مع
ذلك يستهزءون قُلِ اسْتَهْزِءُوْا امر تهديد اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مظهر مَّا تَحْذَرُوْنَ ﴿٦٤﴾ اخراجه من نفاقكم
وَلَئِنْ لام قسم سَاَلْتَهُمْ عن استهزائهم بك والقران وهم سائرون معك الى تبوك لَيَقُوْلُنَّ معتذرين
اِنَّمَا كُنَّا نَخُوْضُ وَنَلْعَبُ فى الحديث لنقطع به الطريق ولم نقصد ذلك قُلْ لهم اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ
كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ ﴿٦٥﴾ لَا تَعْتَذِرُوْا عنه قَدْ كَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ اى ظهر كفركم بعد اظهار الايمان اِنْ نَّعْفُ
بالياء مبنيًا للمفعول والنون مبنيًا للفاعل عَنْ طَآئِفَةٍ مِّنْكُمْ باخلاصها وتوبتها كمخشي بن حمير
نُعَذِّبْ بالتاء والنون طَآئِفَةً بِاَنَّهُمْ كَانُوْا مُجْرِمِيْنَ ﴿٦٦﴾ مصرين على النفاق والاستهزاء

ترجمہ: صدقات (واجبہ) (مثلاً) زکوٰۃ فرض صرف ان فقراء کے لئے ہیں جو اتنی مقدار بھی نہ پائیں جو اپنی حاجت میں صرف کر سکیں (یعنی ان کے پاس مال بالکل نہ ہو) اور مساکین کے لئے ہے جو بقدر کفایت مال نہ پائیں، اور صدقات کے کارکنوں کے لئے اور صدقات (زکوٰۃ) وصول کرنے والوں کے لئے ہے، اور (مستحقین) پر تقسیم کرنے والوں کے لئے ہے، اور کاتبین کے لئے ہے اور (ارباب اموال کو) جمع کرنے والوں کے لئے ہے، اور ان لوگوں کیلئے ہے جن کی تالیف قلب مقصود ہے تا کہ وہ اسلام لے آئیں یا اپنے اسلام پر ثابت قدم رہیں یا ان کے امثال اسلام لے آئیں یا مسلمانوں کا دفاع کریں، یہ (چار) قسمیں ہیں پہلی اور آخری قسم کو آج کل امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ کے نزدیک نہیں دیا جائیگا، اسلئے کہ اسلام قوی ہو گیا ہے، بخلاف باقی دونوں قسموں کے صحیح مذہب کے مطابق ان کو دیا جائے گا، اور مکاتبین کو آزاد کرانے میں اور قرضداروں کے لئے ہے جنہوں نے غیر معصیت کے لئے قرض لیا ہو، یا (معصیت کے لئے لیا ہو مگر) معصیت سے توبہ کر لی ہو، اور ان کے پاس قرض ادا کرنے کے لائق مال نہ ہو، اور آپس میں صلح کرانے کے لئے اگر چہ وہ مالدار ہوں، اور مجاہدین کے لئے ہے یعنی ایسے مجاہدین کے لئے جو جہاد میں مشغول ہوں اور وہ ان لوگوں میں سے ہوں جن کا مال غنیمت میں حصہ نہ ہو، اگر چہ وہ مالدار ہی کیوں نہ ہوں، اور ایسے مسافروں کے لئے ہے کہ جن کیلئے مال سے منقطع ہونیکی وجہ سے سفر جاری رکھنا دشوار ہو گیا ہو اور یہ اللہ کی طرف سے فرض کردہ حکم ہے (فریضۃً) فعل مقدر (فَرَضَ) کی وجہ سے منصوب ہے، اللہ اپنی مخلوق (کی ضرورتوں) سے بخوبی واقف ہے اور اپنی صنعت میں باحکمت ہے لہٰذا مذکورہ مصارف کے علاوہ میں صرف کرنا جائز نہیں ہے اور مذکورہ اصناف کے موجود ہوتے ہوئے ان میں سے کسی کو محروم نہیں کیا جائیگا، لہٰذا امام وقت کو چاہئے کہ ان میں برابر تقسیم کرے اور امام کو اختیار

ہے کہ کسی ایک صنف کو دوسری صنف پر ترجیح دیدے اور لام سے تمام افراد کے استغراق کا وجوب مستفاد ہوتا ہے، لیکن صاحب مال پر بوقت تقسیم تمام افراد کا احاطہ کرنا دشوار ہونے کی وجہ سے واجب نہیں ہے، بلکہ (اصناف ثمانیہ میں سے) ہر صنف کے تین افراد کو دینا کافی ہے اس سے کم میں کافی نہ ہوگا، جیسا کہ جمع کے صیغوں سے مستفاد ہوتا ہے، اور سنت نے اس بات کو واضح کر دیا ہے کہ جس کو زکوٰۃ کا مال دیا جائے اس کا مسلمان ہونا شرط ہے، اور یہ بھی شرط ہے کہ ہاشمی اور مُطّلبی سید نہ ہو، اور ان منافقین میں وہ لوگ بھی ہیں جو نکتہ چینی کر کے اور (رازوں کو) افشا کر کے نبی کو تکلیف پہنچاتے ہیں، اور جب ان کو نکتہ چینی سے آپس میں اس خیال سے منع کیا جاتا ہے مبادا ایسا نہ ہو کہ آپ کو اطلاع ہو جائے تو کہتے ہیں وہ تو کان ہیں ہر بات کو سن لیتے ہیں اور (سچ) مان لیتے ہیں اور جب ہم (بھی) ان سے قسم کھا کر کہیں گے کہ ہم نے ایسی بات نہیں کہی تو ہماری بات کو بھی سچ مان لیں گے، (ان سے) کہو تمہارے بھلے کی باتیں سنتے ہیں نہ کہ تمہارے نقصان کی باتیں، اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور مومنین کی اس بات میں تصدیق کرتے ہیں جس کی اس کو خبر دیتے ہیں نہ کہ دوسروں کی، اور (للمؤمنین) میں لام زائدہ ایمان تسلیم اور ایمان تصدیق میں فرق کرنے کیلئے ہے اور تم میں سے جو ایمان لائے ہیں ان کے لئے رحمت ہے رحــمــة رفع کے ساتھ ہے اذنٌ پر عطف کرتے ہوئے، اور جر کے ساتھ ہے خیـــر پر عطف کرتے ہوئے، اور جو لوگ اللہ کے رسول کو ایذا پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے اے ایمان والو! رسول کو ایذا کی اس بات کے بارے میں جو ان کی طرف سے تم کو پہنچی ہے تمہارے سامنے اللہ کی قسم کھا جاتے ہیں کہ ہم نے ایسی کوئی بات نہیں کہی، تا کہ وہ تم کو خوش کر دیں حالانکہ اللہ اور اس کا رسول اس بات کا زیادہ مستحق ہے کہ ان کو طاعت کے ذریعہ خوش کریں، اگر وہ سچے مومن ہیں دونوں کی رضامندی کے لازم ملزوم ہونے کی وجہ سے (یرضوہ) کی ضمیر کو واحد لائے ہیں، یا اللہ کی یا رسول کی خبر محذوف ہے، کیا انھیں معلوم نہیں ہے کہ جو اللہ اور اس کے رسول سے عداوت رکھتا ہے کہ ان کی سزا نار جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے بڑی رسوائی کی بات ہے منافق اس بات سے ڈرتے ہیں کہ ان مومنین پر کوئی سورت نازل ہو جائے جو ان پر اس نفاق کو ظاہر کر دے جو ان کے دل میں ہے اور وہ اس کے باوجود استہزاء کرتے ہیں (اے نبی) کہہ دو (اور) مذاق اڑاؤ یہ امر تہدید کے لئے ہے، اللہ اس نفاق کو ظاہر کرنے والا ہے جس کے ظاہر کرنے سے تم ڈرتے ہو اور اگر آپ ان سے آپ کے اور قرآن کے استہزاء کے بارے میں دریافت فرمائیں حال یہ کہ وہ آپ کے ساتھ تبوک کی طرف جا رہے ہوں قسمیہ بات ہے کہ وہ عذر پیش کرتے ہوئے یقیناً کہہ دیں گے کہ ہم تو یوں ہی ہنسی مذاق کی باتیں کر رہے تھے، تا کہ ہنسی مذاق میں سفر کٹ جائے اور یہ (یعنی استہزاء) ہمارا مقصد نہیں تھا آپ ان سے کہو کہ کیا تم اللہ اور اس کی آیتوں اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے ہو اس کے بارے میں عذر نہ بیان کرو تم نے ایمان کے بعد کفر کیا یعنی ایمان کے اظہار کے بعد تمہارا کفر ظاہر ہو گیا اگر تم میں کی ایک جماعت کو اس کے اخلاص اور توبہ کی وجہ سے معاف کر دیا جائے جیسا کہ مخشی بن حمیر کو تو ایک جماعت کو ہم ضرور سزا دیں گے اس لئے کہ وہ مجرم ہیں تــعــذب تا اور نون کے ساتھ ہے اور ن (نعفُ) یاء کے ساتھ مبنی للمفعول ہے اور نون کے ساتھ مبنی للفاعل ہے، (یعنی) نفاق اور استہزاء پر مصر ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اِنَّمَا الصّدقات للفقراء والمساكين، اِنَّمَا کلمۂ حصر ہے، یہاں قصر موصوف علی الصفت کے لئے استعمال ہوا ہے یعنی صدقات (زکوٰۃ) کا مصرف صرف مذکورین ہیں ان کے علاوہ اور کوئی نہیں، لِلْفقراء میں لام سے متعلق بڑی قیل وقال ہوئی ہے، بعض نے کہا کہ لام تملیک کے لئے ہے جیسا کہ امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کا یہی مسلک ہے، اور بعض نے کہا کہ اختصاص واستحقاق کے لئے ہے اس کے قائل امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰهُ تَعَالیٰ ہیں، (بحر) الفقرآء والمساكين، دونوں لفظوں کی تعبیر وتفسیر میں متعدد اقوال نقل ہوئے ہیں۔

حنفیہ نے کہا ہے کہ ''فقیر'' وہ نادار ہے جو سوال نہ کرے اور ''مسکین'' وہ نادار ہے جو سوال کرے، اور ابن عباس رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُمَا حسن بصری، جابر بن زید، مجاہد، زہری سے بھی یہی منقول ہے، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کا قول ان حضرات کے قول کے مطابق ہے (جصاص) لفظ فقیر اور مسکین کی تشریح وتعبیر میں خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو مسئلہ زکوٰۃ پر کوئی اثر نہیں پڑے گا زکوٰۃ دونوں کو دینا جائز ہوگا، البتہ وصیت کے مسئلہ میں فرق پڑے گا، اگر فقراء کے لئے وصیت کی ہے تو وہی مستحق ہوں گے اور اگر مساکین کے لئے کی ہے تو صرف وہ مستحق ہوں گے۔

مصارف ثمانیہ کے بارے میں ایک ازہری عالم کی مفید بحث:

زکوٰۃ کے مصارف آٹھ ہیں:

❶ فقیر وہ شخص ہے کہ جو اتنے مال کا مالک نہ ہو جو اس کی ضرورت کے لئے کافی ہو، بایں طور کہ اپنی ضرورت کی مقدار سے نصف سے کافی کم کا مالک ہو، مثلاً اس کی ضرورت دس درہم کی ہے مگر اس کے پاس صرف دو یا تین درہم ہیں۔

❷ المسکین، مسکین وہ شخص ہے کہ جس کے پاس مال تو ہو مگر بقدر ضرورت نہ ہو، مثلاً اس کو دس درہم کی حاجت ہے مگر اس کے پاس سات درہم ہیں۔

❸ العاملین علیها، یعنی زکوٰۃ وصولی کے سلسلہ کے کارندے مثلاً کاتب، حاسب وغیرہ۔

❹ المؤلفة قلوبهم وہ نومسلم جن کا اسلام ابھی راسخ نہیں ہوا ہے یا وہ لوگ کہ جن کو تالیف قلوب کے طور پر دینے سے دیگر حضرات کے اسلام کی توقع کی جاسکتی ہو۔

❺ الرقاب، مکاتبین کو آزاد کرانے میں۔

❻ الغارم، وہ شخص کہ جس نے جائز مقصد کے لئے قرض لیا اور اب وہ ادائیگی پر قادر نہیں ہے یا اصلاح ذات البین کی وجہ سے مقروض ہو گیا اگرچہ وہ غنی ہو۔

❼ اهل السبيل وہ مالدار کہ جو جہاد میں شرکت کے خواہشمند ہیں۔
❽ ابن السبيل، مباح سفر کا مسافر جو اپنے شہر سے دور ہو ایسا شخص بھی زکوٰۃ کا مستحق ہے تاکہ وہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ سکے۔ (اعراب القرآن للدرويش ملخصًا)

تفسیر و تشریح

مؤلفة القلوب، سے مراد ایسے غیر مسلم ہیں جن کے مسلمان ہو جانے کی امید ہو یا ان کے شر و فساد سے بچنا مقصود ہو، اور ایسے مسلمان جو ضعیف الایمان ہوں اور اس طریقہ سے ان کے ایمان کے قوی ہونے کی امید ہو، غرض یہ کہ انسان کا ہر وہ گروہ جس کی طرف سے اسلامی حکومت کو کوئی خطرہ درپیش ہو۔

مورخ ابن حبیب نے سولہ شخصوں کے نام کی ایک فہرست دی ہے جنہیں رسول اللہ ﷺ نے مؤلفة القلوب قرار دیکر ان میں سے چودہ کو سوسو (١٠٠،١٠٠) اونٹ اور باقی کو پچاس پچاس اونٹ عطا کئے تھے، اس فہرست کا آغاز ابوسفیان بن حرب اموی اور معاویہ بن ابی سفیان کے نام سے ہوتا ہے (کتاب المحبر ص ٤٧٣، بحوالہ ماجدی) اکثریت کا قول ہے کہ یہ حکم آنحضرت ﷺ کے زمانہ کے لئے مخصوص تھا، اور اس رائے میں حنفیہ کے ساتھ مالکیہ اور امام ثوری اور امام اسحٰق بن راہویہ اور امام شعبی اور عکرمہ تابعی بھی ہیں۔ (بيضاوی، ماجدی)

علماء محققین کی رائے دربارہ مؤلفة القلوب:

بعض علماء محققین نے کہا ہے کہ تعامل صحابہ سے یہ حکم منسوخ نہیں ہوا تھا بلکہ محض بہ سبب عدم ضرورت وقتی رفع حکم تھا اور استغناء اور حکم کا اجراء ہر دور میں امام المسلمین کی رائے اور مصلحت کے تابع رہے گا۔

والصحيح انّ هذا الحكم غير منسوخ وان للامام ان يتالّفَ قوماً على هذا الوصف ويدفع اليهم، هم المؤلفة لانّه لادليل على نسخه البتة. (كبير، ماجدی)

فاضل گیلانی کی تحقیق:

انہی مصارف میں ایک مدان لوگوں کی بھی ہے جو محض مالی کمزوریوں کی وجہ سے اسلامی حکومت اور اسلام کی مخالفت کرتے ہیں، جیسا کہ اس زمانہ میں سیاسی شورش پسندوں کے ایک گروہ کی یہی حالت ہے، ان لوگوں کو خاموش کرنے کے لئے بھی صدقات کے مصارف میں قرآن نے مؤلفة القلوب کی ایک مد رکھی ہے، اگرچہ عام طور پر فقہاء کہتے ہیں کہ مصرف صرف ابتداء اسلام کی حد تک محدود تھا، اور اب ساقط ہو گیا، دلیل میں حضرت عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کا اثر پیش کرتے ہیں کہ آپ نے مؤلفة القلوب کے بعض افراد کو دینے سے اس بنا پر انکار کر دیا تھا کہ اب اسلام اتنا قوی ہو چکا ہے کہ ان لوگوں کی

ضرورت نہیں رہی نبی ﷺ کی رحلت کے بعد عُیَیْنہ بن حصن اور اقرع بن حابس حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے انہوں نے آپ سے ایک زمین طلب کی آپ نے عطیہ کا فرمان لکھ دیا انہوں نے چاہا کہ مزید پختگی کے لئے اعیان صحابہ سے بھی دستخط کرالیں چنانچہ گواہیاں ہوگئیں مگر جب یہ لوگ گواہی کے لئے حضرت عمر کے پاس پہنچے تو انہوں نے فرمان پڑھ کران کے روبرو اسے پھاڑ دیا اور ان سے کہدیا کہ بے شک تم لوگوں کی تالیف قلوب کے لئے آپ ﷺ تمکو دیا کرتے تھے مگر اب اللہ نے اسلام کو تم جیسے لوگوں سے بے نیاز کر دیا ہے اس پر وہ لوگ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس شکایت لے کر گئے اور طعنہ بھی دیا کہ خلیفہ آپ ہیں یا عمر؟ لیکن نہ ابوبکر ہی نے اس پر کوئی نوٹس لیا نہ دوسرے صحابہ نے عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی رائے سے اختلاف کیا حالانکہ قصہ صرف اس قدر ہے کہ چند خاص لوگوں کو دینے سے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے یہ کہتے ہوئے انکار کر دیا تھا کہ، اِنَّ اللّٰہ اَعزّ الاسلام فاذھَبَا. اب اللہ نے اسلام کو عزت عطا فرمادی لہٰذا تم دونوں جاؤ (کچھ نہ ملیگا) لیکن اس کا یہ مطلب قرار نہیں دیا جاسکتا کہ ہر شخص کے لئے حضرت عمر نے اس مد کو ساقط کر دیا غور طلب بات یہ ہے کہ قرآن نے جس مصرف کو منصوص کیا ہے اس کو اولاً حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ منسوخ ہی کیسے کر سکتے ہیں؟ نیز ایک ایسی خبر واحد سے قرآن کے ایک قانون پر خط نسخ نہیں پھیرا جا سکتا، بلکہ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ امام اور حکومت وقت کی صواب دید پر موقوف ہے، جس وقت لوگوں کے لئے اس کی ضرورت سمجھے دے اور جن کے لئے ضرورت نہ سمجھے نہ دے۔ (اسلامی معاشیات بحوالہ ماجدی)

فقیہ ابن عربی نے دونوں قول نقل کر کے ترجیح دوسرے ہی قول کو دی ہے، اور کہا ہے کہ اسلام جس طرح اس دور میں قوی اور معزز ہو گیا تھا اب پھر ضعیف ہو گیا ہے۔

مقروضوں کے ساتھ اسلام کی ہمدردی:

دنیا میں اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جس نے مقروضوں کے ساتھ عملی ہمدردی کا سبق دیا ہے اور اس گروہ کو بھی فقراء اور حاجت مند سمجھ کر زکوٰۃ کا مستحق قرار دیا ہے۔

مقروض دنیا کا وہ مظلوم ہے جس کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک تو بڑی بات ہے اس وقت تک دنیا کی حکومتوں نے ان کو ستانے والوں اور ان پر تشدد کے پہاڑ توڑنے والے قرض خواہوں کو صرف مالی نہیں بلکہ قانونی امداد و تعاون کو اپنا فریضہ قرار دے رکھا ہے ہر حکومت کی پولیس فورس اور فوجی و عسکری قوت اس کے لئے تیار رہتی ہے کہ مقروضوں کے ذمہ قرض خواہوں کا جو قرض ہے صرف اصل ہی نہیں بلکہ سود و رشوت کے ساتھ اس سے وصول کرایا جائے، خواہ مقروض کی ساری جائداد اور گھر کا سارا اثاثہ ہی کیوں نہ نیلام ہو جائے یہ ایک واقعہ ہے۔

وفی الرقاب، **فکّ رقاب** کہتے ہیں مکاتب کی گردن چھڑانے (آزاد کرنے میں مدد کرنا) اگر مولیٰ نے اپنے غلام سے کہدیا کہ تو اگر اتنی رقم لا کر دیدے تو تو آزاد ہے اس غلام کو مکاتب کہتے ہیں ایسے غلام کو مال زکوٰۃ دے کر مدد کی جاسکتی ہے اس پر

علماء متفق ہیں اور اعتاق کا مطلب ہوتا ہے غلام خرید کر آزاد کرنا، زکوۃ کے مال کو اس صورت میں خرچ کرنے میں اختلاف ہے، حضرت علی رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ سعید بن جبیر، لیث، ثوری، ابراہیم نخعی، حنفیہ، شافعیہ ناجائز کہتے ہیں اور ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا، حسن بصری، امام مالک، امام احمد جائز کہتے ہیں۔

وفی سبیل اللہ، لفظی معنی کے اعتبار سے اس مد میں ہر وہ خرچ آجاتا ہے جو اللہ کی رضا جوئی کے لئے ہو لیکن مفسرین نے احادیث نبوی اور آثار صحابہ کی روشنی میں خرچ کی اس مد کو عموماً مجاہدین تک محدود رکھا ہے۔

اراد بها الغزاة فلهم سهم من الصدقة (معالم) فمنهم الغزاة الذى لا حقّ لهم فى الديوان (ابن كثير) اور بعض حضرات نے اس میں دینی طالب علموں کو بھی شامل کیا ہے، قيل المراد طلبة العلم واقتصر عليه فى الفتاوىٰ ظهيريه.

مصارف ثمانیہ میں سے ہر صنف کو دینا ضروری ہے یا بعض کو دینا بھی کافی ہوسکتا ہے؟

امام شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کا مسلک:

ایک مرتبہ زیاد بن حارث آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس وقت ایک شخص آیا اور اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صدقہ میں سے کچھ مجھے بھی عنایت فرما دیجئے، آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے صدقات میں کسی نبی کا حکم پسند نہیں کیا ہے بلکہ اس نے خود ہی آٹھ مصرف بتلا دیئے ہیں اگر تم ان آٹھوں میں سے ایک بھی ہو تو صدقہ کے مستحق ہو گے ورنہ نہیں، علماء کا اس بات میں اختلاف ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو مصارف ثمانیہ قرآن میں بیان فرمائے ہیں، ان میں سے ہر ایک کو زکوۃ دی جائے یا ان میں سے بعض کو دینا بھی کافی ہوسکتا ہے؟ زیاد بن حارث کی مذکورہ حدیث کی بنا پر امام شافعی اور ایک جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ان آٹھوں قسموں پر صدقہ تقسیم کرنا چاہئے یہ حدیث ابوداؤد میں ہے اور اسکی سند میں ایک راوی عبدالرحمٰن بن زیاد بن انعم افریقی کو اکثر علماء نے ضعیف قرار دیا ہے۔

مصارف صدقات میں امام ابوحنیفہ وامام مالک رَحِمَہُمَا اللہُ تَعَالیٰ کا مسلک:

مذکورہ حدیث کی سند میں چونکہ عبدالرحمٰن بن زیاد ضعیف ہے اس لئے ان حضرات نے فرمایا کہ مذکورہ آٹھ اصناف میں سے سب کو دینا ضروری نہیں ہے اگر ایک کو بھی دیدیا جائے تو کافی ہوگا، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کا مقصد زکوۃ کے اصناف ثمانیہ بیان کرنے سے مصرف زکوۃ کو بیان کرنا ہے نہ کہ تعداد کو۔

زکوۃ وصدقہ واجبہ آپ ﷺ کی آل کے لئے جائز نہیں:

صحیح مسلم کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صدقہ آنحضرت ﷺ کے لئے اور آپ ﷺ کی آل کے لئے حلال نہیں ہے، ظاہر روایت کے اعتبار سے یہ مذہب امام ابوحنیفہ کا ہے البتہ نفلی صدقہ کو آل محمد کے حق میں جائز قرار دیا ہے، یہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رَحِمَهُمَاللّٰهُ تَعَالٰی کے نزدیک ہے۔

سادات میں کون لوگ شامل ہیں؟

امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک فقط ہاشم بن عبد مناف کی اولاد آل محمد ہے، اور امام شافعی رَحِمَهُاللّٰهُ تَعَالٰی اور ایک روایت میں امام احمد رَحِمَهُاللّٰهُ تَعَالٰی کے نزدیک بنی مطلب بھی آل محمد میں شامل ہیں۔

زکوۃ کے علاوہ دیگر صدقات غیر مسلم کو بھی دیئے جاسکتے ہیں:

زکوۃ کے علاوہ عام صدقات غیر مسلموں کو بھی دیئے جاسکتے ہیں آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے "**تصدقوا علی اهل الادیان کلها**" یعنی ہر مذہب والے پر صدقہ کرو، لیکن صدقہ زکوۃ کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے حضرت معاذ رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ کو یمن بھیجنے کے وقت یہ ہدایت فرمائی تھی کہ زکوۃ مالدار مسلمانوں سے لی جائے اور غریب مسلمانوں کو دی جائے اس سے صاف ظاہر ہے کہ زکوۃ کے مستحق صرف مسلمان ہی ہیں۔

ایک مفید بحث:

قرآن مجید میں تیسرا مصرف العاملین علیها، بیان فرمایا ہے یہاں عاملین سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو اسلامی حکومت کی طرف سے صدقات، زکوۃ اور عشر وغیرہ لوگوں سے وصول کرکے بیت المال میں جمع کرنے کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں یہ لوگ چونکہ اپنے تمام اوقات اس خدمت میں مشغول کرتے ہیں اسلئے ان کی ضروریات کی ذمہ داری اسلامی حکومت پر عائد ہے قرآن کریم کی اس آیت نے مصارف زکوۃ میں ان کا حصہ رکھ کر یہ متعین کردیا کہ ان کا حق الخدمت اسی مد زکوۃ سے دیا جائیگا۔

اس میں اصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے صدقات کی وصولی کا فریضہ براہ راست نبی ﷺ کو "**خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صدقةً**" کہہ کر سپرد فرمایا ہے، اس آیت کی رو سے مسلمانوں کے امیر پر یہ فریضہ عائد ہوتا ہے کہ وہ مسلمانوں سے صدقات وصول کرے، اور یہ بات ظاہر ہے کہ امیر بذات خود بغیر معاونین کے یہ کام انجام نہیں دے سکتا لہٰذا اس کو معاونین اور مددگاروں کی ضرورت ہوگی ان ہی معاونین کو والعاملین عَلَيْهَا کے الفاظ سے تعبیر فرمایا ہے، اسی حکم کی تعمیل میں حضور ﷺ نے بہت سے صحابہ کو

صدقات وصول کرنے کیلئے مختلف خطوں میں بھیجا تھا، اور مذکورہ ہدایت کے مطابق زکوۃ ہی کی حاصل شدہ رقم میں سے ان کو حق الخدمت دیا ہے، حالانکہ ان حضرات میں وہ صحابہ بھی شامل ہیں جو اغنیاء تھے۔ حدیث شریف میں ہے کہ صدقہ کسی غنی کے لئے حلال نہیں بجز پانچ شخصوں کے ① ایک وہ جو جہاد کے لئے نکلا ہو اور وہاں اس کے پاس بقدر ضرورت مال نہیں اگر چہ اس کے گھر مال موجود ہو ② دوسرے عامل صدقہ جو صدقہ وصول کرنے کی خدمت انجام دیتا ہو، ③ وہ شخص کہ اگر چہ اس کے پاس مال ہے مگر موجودہ مال سے زیادہ کا قرضہ ہے ④ وہ شخص جو صدقہ کا مال کسی غریب مسکین سے خرید لے، ⑤ وہ مالدار شخص جسکو کسی غریب شخص نے صدقہ سے حاصل شدہ مال بطور ہدیہ دے دیا ہو۔

عاملین صدقہ کو جو رقم دی جاتی ہے وہ صدقہ کے طور پر نہیں بلکہ معاوضۂ خدمت کے طور پر دی جاتی ہے اسی لئے مالدار ہونے کے باوجود عاملین کے لئے اس کا لینا جائز ہے اس مد کے علاوہ اگر صدقہ کا مال دوسرے کسی کام کے معاوضہ میں دیا گیا تو وہ جائز نہ ہوگا، مصارف ثمانیہ میں عاملین ہی کی صرف ایک مد ہے جس میں حق الخدمت دینا جائز ہے۔

دوسوال اوران کے جواب:

اب یہاں دو سوال پیدا ہوتے ہیں، اول یہ کہ مال زکوۃ کو معاوضۂ خدمت کے طور پر کیسے دیا گیا؟ دوسرے یہ کہ مالدار کے لئے یہ مال حلال کیسے ہوا؟ ان دونوں سوالوں کا ایک ہی جواب ہے وہ یہ کہ عاملین حضرات فقراء کے وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں اور یہ بات سب کو معلوم ہے کہ وکیل کا قبضہ مؤکل کا قبضہ ہوتا ہے، جب عاملین نے زکوۃ کی رقم فقراء کے وکیل ہونے کی حیثیت سے وصول کر لی تو زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ ادا ہوگئی، اب یہ پوری رقم ان فقراء کی ملک ہے جن کی طرف سے بطور وکیل انہوں نے وصول کی ہے، اب جو رقم حق الخدمت کے طور پر دی جاتی ہے وہ مالداروں کی طرف سے نہیں بلکہ فقراء کی طرف سے ہے اور فقراء کو اس میں ہر طرح کا تصرف کرنے کا اختیار ہے۔

ایک اہم سوال:

اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ فقراء نے تو ان کو وکیل ومختار بنایا نہیں، یہ ان کے وکیل کیسے بن گئے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی حکومت کا سربراہ جس کو امیر کہا جاتا ہے وہ قدرتی طور پر من جانب اللہ پورے ملک کے فقراء کا وکیل ہوتا ہے کیونکہ ان سب کی ضروریات کی ذمہ داری اس پر عائد ہوتی ہے امیر الملک جن کو صدقات کی وصولی پر عامل بنادے وہ سب ان کے نائب اور وکیل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

اس سے معلوم ہوگیا کہ عاملین کو جو کچھ حق الخدمت کے طور پر دیا گیا ہے وہ درحقیقت زکوۃ نہیں بلکہ زکوۃ جن فقراء کا حق ہے ان کی طرف سے معاوضۂ خدمت دیا گیا ہے۔

فائدۂ جلیلہ:

تفصیل مذکور سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ آجکل جو اسلامی مدارس اور مکاتب وانجمنوں کے مہتمم حضرات یا ان کی طرف سے بھیجے ہوئے سفراء صدقات وزکوۃ وغیرہ مدارس وانجمنوں کے لئے وصول کرتے ہیں ان کا وہ حکم نہیں ہے جو عاملین صدقہ کا ہے لہٰذا سفراء حضرات کی تنخواہ مال زکوۃ سے دینا جائز نہیں ہے وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ فقراء کے وکیل نہیں ہیں بلکہ اصحاب زکوۃ مالداروں کے وکیل ہیں ان کی طرف سے مال زکوۃ، زکوۃ کے مصرف میں لگانے کا اختیار دیا گیا ہے، اسی لئے ان کا قبضہ ہو جانے کے بعد بھی زکوۃ اس وقت تک ادا نہیں ہوتی جبتک وہ اپنے مصرف میں صرف نہ ہو جائے سفراء کا حقیقۃً فقراء کا وکیل نہ ہونا تو ظاہر ہے کہ ان کو کسی فقیر نے وکیل بنایا ہی نہیں ہے اور امیر المومنین کی طرف سے ولایت عامہ جو عاملین کو حاصل ہوتی ہے وہ بھی ان کو حاصل نہیں ہے لہٰذا بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ ان کو اصحاب زکوۃ مالداروں کا وکیل قرار دیا جائے، اور جبتک وکیل کا قبضہ رہے وہ ایسا ہی ہوگا جیسا کہ خود مؤکل کا لہٰذا مصرف زکوۃ میں خرچ نہ ہونے تک زکوۃ ادا نہ ہوگی۔

وَمِنْهُمْ ای المنافقین الذین یؤذون النبیَّ، یہ بھی منافقوں کی ہرزہ سرائی اور بیہودہ بکواس کا ذکر ہے جس کا مقصد آنحضرت ﷺ کو تکلیف پہنچانا ہے، جو باتیں منافقین آپ ﷺ کے بارے میں کہا کرتے تھے ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ محمد ﷺ تو کان کے کچے ہیں یعنی جو سنتے ہیں اس کو سچ مان لیتے ہیں اس پر غور نہیں کرتے اگر کوئی مسلمان ان کی باتیں جا کر کہہ دیتا ہے تو اس کو سچ مان لیتے ہیں اور جب ہم قسم کھا کر اس کا انکار کر دیتے ہیں ہماری بات کو سچ مان لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ تم انھیں (کان کا کچا) کہتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ انھیں جھوٹ اور سچ کی تمیز نہیں ہے، ایسا نہیں ہے انہیں جھوٹ اور سچ کی خوب تمیز ہے مگر تمہاری طرف سے تغافل اور چشم پوشی کرتے ہیں اور اہل نفاق کے حق میں رحمت ہیں کہ اپنی زبان سے کچھ کہکر ان کا پردہ فاش نہیں کرتے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو لوگ ایسی باتیں کر کے آپ ﷺ کو ایذاء پہنچاتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔

اس آیت کے شان نزول کے بارے میں عبد اللہ بن مسعود کی ایک روایت ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ حُنین کے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت جب ایک منافق جس کا نام معتب بن قشیر تھا اس نے مال غنیمت کے بارے میں اعتراض کیا تو آپ نے فرمایا اللہ موسیٰ پر رحمت نازل کرے کہ انہوں نے امت کے لوگوں کے ہاتھوں اس سے بھی زیادہ اذیتیں برداشت کی تھیں۔

(صحیح بخاری)

یحلفون باللہ لکم لِیُرْضوکم الخ اس میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے منافقوں کے پوشیدہ راز کو ظاہر فرمادیا کہ یہ لوگ خلوتوں میں آنحضرت ﷺ اور مومنوں پر زبان طعن دراز کرتے ہیں اور اس کی اطلاع آپ کو ہو جاتی ہے تو آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر جھوٹی قسمیں کھا کر انکار کر دیتے ہیں، اس جھوٹی قسم سے ان کا منشا آپ کو اور مومنوں کو خوش کرنا ہوتا ہے حالانکہ ہونا یوں

چاہئے تھا کہ اللہ اور اس کے رسول کو راضی کرنے کی فکر کرتے اور نفاق چھوڑ کر مخلص مومن ہو جاتے، کیا انھیں معلوم نہیں کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرتا ہے وہ ہمیشہ ہمیش دوزخ میں رہے گا۔

شانِ نزول:

لئن سالتهم، تفسیر ابن ابی حاتم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس اور قتادہ سے اس آیت کا جو شانِ نزول مروی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ایک جماعت منافقین کی تھی کبھی تو وہ آپ ﷺ کی شان میں خفیہ طور پر بدگوئی کرتے اور کبھی قرآن کے بارے میں نکتہ چینی کرتے اور جب ان سے کہا جاتا تو فوراً مکر جاتے اور قسمیں کھانے لگتے، اور کہہ دیتے کہ ہم تو آپس میں یوں ہی ہنسی مذاق کر کے ٹائم پاس کر رہے تھے، ان کے حال کو ظاہر کرنے کی غرض سے اللہ تعالیٰ نے ان آیات کو نازل فرمایا۔

اِنْ یُّعْفَ یاء کے ساتھ بصیغۂ مجہول اور نون کے ساتھ بصیغۂ معروف، اگر تم میں کی کوئی جماعت اس حرکت سے باز آجائے اور دل سے توبہ کرلے تو معاف کر دیا جائیگا، جیسا کہ مخشی بن حُمَیِّر اور بعض نسخوں میں جحش بن حمیر ہے یہ شخص بھی ان لوگوں میں شامل تھا جو اللہ کے رسول اور قرآن کا مذاق اڑایا کرتے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی تو اس نے سچے دل سے توبہ کرلی اور جنگ یمامہ میں شہید ہوا، اس نے دعاء کی تھی کہ اے اللہ تو مجھے اپنے راستہ میں شہادت نصیب فرما، کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ مجھے غسل دیا گیا یا کفنایا گیا یا مجھے دفن کیا گیا چنانچہ جنگ یمامہ میں شہید ہوئے اور کسی کو معلوم نہ ہو سکا کہ ان کی جائے شہادت کہاں تھی اور کس نے ان کو کفن دیا؟

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ اي مُتَشَابِهُوْنَ فِي الدِّيْنِ كَاَبْعَاضِ الشَّيْءِ الْوَاحِدِ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ الكُفْرِ وَالْمَعَاصِيْ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ الايمان والطاعةِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ عن الانفاق في الطاعةِ نَسُوا اللّٰهَ تَرَكُوْا طَاعَتَهٗ فَنَسِيَهُمْ تَرَكَهُمْ مِنْ لُطْفِهٖ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ⑯ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَالْكُفَّارَ نَارَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ هِيَ حَسْبُهُمْ جَزَاءً وعِقَابًا وَلَعَنَهُمُ اللّٰهُ اَبْعَدَهُمْ عَنْ رَحْمَتِهٖ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ⑰ دَائِمٌ انتم ايها المنافقون كَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ كَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّاَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا ۭ فَاسْتَمْتَعُوْا تَمَتَّعُوْا بِخَلَاقِهِمْ نَصِيْبِهِمْ مِنَ الدُّنْيَا فَاسْتَمْتَعْتُمْ ايها المنافقون بِخَلَاقِكُمْ كَمَا اسْتَمْتَعَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ بِخَلَاقِهِمْ وَخُضْتُمْ فِي البَاطِلِ وَالطَّعْنِ فِي النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم كَالَّذِيْ خَاضُوْا ۭ اي كَخَوْضِهِمْ اُولٰۗىِٕكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ⑱ اَلَمْ يَاْتِهِمْ نَبَاُ خَبَرُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ قومِ هُوْدٍ وَّثَمُوْدَ ڏ قَوْمِ صالحٍ وَقَوْمِ اِبْرٰهِيْمَ وَاَصْحٰبِ مَدْيَنَ قَوْمِ شُعَيْبٍ وَالْمُؤْتَفِكٰتِ ۭ قُرَى قَوْمِ لوطٍ اي اَهْلِهَا اَتَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ ۚ بِالْمُعْجِزَاتِ فَكَذَّبُوْهُمْ فَاُهْلِكُوْا

فَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيَظْلِمَهُمْ بِاَنْ يُعَذِّبَهُمْ بِغَيْرِ ذَنْبٍ وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۷۰﴾ بِارْتِكَابِ الذُّنُوْبِ وَالْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ بَعْضُهُمْ اَوْلِيَآءُ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَيُطِيْعُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ؕ اُولٰٓئِكَ سَيَرْحَمُهُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ لَا يُعْجِزُهٗ شَيْءٌ عَنْ اِنْجَازِ وَعْدِهٖ وَوَعِيْدِهٖ حَكِيْمٌ ﴿۷۱﴾ لَا يَضَعُ شَيْئًا اِلَّا فِيْ مَحَلِّهٖ وَعَدَ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ؕ اِقَامَةٍ وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ اَعْظَمُ مِنْ ذٰلِكَ كُلِّهٖ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۷۲﴾

ترجمہ: منافق مرد اور منافق عورتیں سب ایک ہی طرح کے ہیں، یعنی دین کے معاملہ میں ایک شئی کے اجزاء کے مشابہ ہیں، برائی کا (یعنی) کفر و معاصی کا حکم دیتے ہیں اور بھلائی (یعنی) ایمان و طاعت سے روکتے ہیں اور طاعت میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھوں کو روکے رکھتے ہیں اللہ کو بھول گئے ہیں یعنی اسکی اطاعت کو ترک کر دیا ہے، تو اللہ نے بھی انھیں بھلا دیا ہے یعنی ان کو اپنے کرم سے محروم کر دیا ہے، یقیناً یہ منافق ہی فاسق ہیں ان منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں سے اللہ نے آتش دوزخ کا وعدہ کیا ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے، وہی جزاء و سزا کے اعتبار سے ان کے لئے ہے، اللہ نے ان پر لعنت کی ہے یعنی ان کو اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے، اور ان کے لئے دائمی عذاب ہے اے منافقو! تمہارے رنگ ڈھنگ ویسے ہی ہیں جیسے تم سے پہلے والوں کے تھے، وہ تم سے زیادہ زور آور تھے اور مال و اولاد میں تم سے بڑھے ہوئے تھے انہوں نے دنیا میں اپنے حصہ کے مزے لوٹ لئے پھر اے منافقو! تم نے بھی اپنے حصہ کے مزے اسی طرح لوٹے جس طرح تمہارے پیش روؤں نے اپنے حصہ کے مزے لوٹے، اور تم بھی نبی ﷺ پر طعن کرنے اور باطل کی بحثوں میں اسی طرح پڑ گئے جس طرح وہ پڑ گئے تھے یہی ہیں وہ لوگ جن کے اعمال (خیر) دنیا و آخرت میں ضائع ہو گئے اور وہی خسارے میں ہیں، کیا ان کے پاس ان لوگوں کی تاریخ نہیں پہنچی جو ان سے پہلے گذر چکے ہیں، (مثلاً) قوم نوح اور عاد جو کہ ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم تھی اور ثمود (کی تاریخ) جو صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم تھی، اور قوم ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اور اصحاب مدین کی جو قوم شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام تھی، اور ان بستی والوں کی جنہیں الٹ دیا گیا تھا (اور وہ) قوم لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بستیوں والے تھے ان کے رسول ان کے پاس کھلی نشانیاں معجزات لے کر آئے تھے، مگر انہوں نے ان کی تکذیب کی چنانچہ انھیں ہلاک کر دیا گیا، یہ اللہ کا کام نہیں تھا کہ وہ ان پر ظلم کرے بایں طور کہ بلا وجہ ان کو عذاب دے مگر (حقیقت یہ ہے کہ) وہ خود ہی گناہوں کا ارتکاب کر کے اپنے اوپر ظلم کرنے والے تھے مومن مرد اور مومن عورتیں ایک دوسرے کے رفیق ہیں بھلائی کا حکم دیتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں نماز قائم کرتے ہیں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہیں یہی وہ لوگ جن پر اللہ عنقریب رحم کرے گا یقیناً اللہ تعالیٰ غالب ہے اس کو اپنا وعدہ پورا کرنے، وعید کو نافذ کرنے سے کوئی نہیں روک سکتا باحکمت

ہے، ہر شئ کو اس کے محل (وموقع) پر کرتا ہے مومن مردوں اور مومن عورتوں سے اللہ کا وعدہ ہے کہ ان کو ایسی جنت عطا کرے گا جس میں نہریں جاری ہوں گی اسمیں وہ ہمیشہ ہمیش رہیں گے، ان باغوں میں انکے لئے پاکیزہ قیام گاہیں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ انھیں اللہ کی خوشنودی حاصل ہوگی جو کہ ان تمام نعمتوں سے بڑھ کر ہے، یہی بڑی کامیابی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ترکوا طاعتَه، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ نسیان پر کسی سے مؤاخذہ نہیں ہوتا اور نہ نسیان قابل مذمت، اسلئے کہ یہ من جانب اللہ ہوتا ہے تو پھر اس کو مقام مذمت میں کیوں ذکر فرمایا؟

جواب: یہاں اور آئندہ نسیان سے اس کے لازم معنی مراد ہیں اسلئے کہ نسیان کے لئے ترک لازم ہے اللہ تعالیٰ کے بھلانے کا مطلب ہے اپنی رحمت خاصہ سے محروم کردینا۔

قولہ: انتم ایها المنفقون، انتم محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ کالذینَ مِن قَبلکم مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے نہ کہ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب اسلئے کہ اس صورت میں کثرت حذف لازم آئیگا حالانکہ حذف میں تقلیل اولیٰ ہے۔

قولہ: نصیبهم، اس میں خلاق کے معنی کی طرف اشارہ ہے، یہ خلق سے مشتق ہے بمعنی تقدیر۔

سوال: فکذبوهم کے اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: تاکہ ”فَمَا کانَ اللّٰہ لِیظلمهم“ کا عطف فاء تعقیبیہ کے ذریعہ درست ہوجائے۔

قولہ: اِقامَة اس میں اشارہ ہے کہ عَدْن بمعنی خلود، ہے لہٰذا تکرار کا اعتراض دفع ہوگیا۔

قولہ: رضوانٌ من اللّٰه، رضوانٌ میں تنوین تنکیر کی ہے یعنی اللہ کی ادنی رضامندی بھی بڑی چیز ہے۔

تفسیر و تشریح

المنفقون والمنفقت بعضهم من بعض، آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں تین سو منافق مرد اور ۱۷۰ منافق عورتیں تھیں آپ ﷺ کے زمانہ میں وہ لوگ منافق کہلاتے تھے جو مسلمانوں کے ہاتھ سے اپنی جان اور اپنا مال بچانے کی غرض سے ظاہر میں تو اسلام قبول کرلیتے تھے مگر ان کے دل میں کفر جمارہتا تھا اگرچہ دل کا حال سوائے اللہ کے کسی کو معلوم نہیں ہوسکتا مگر آپ ﷺ کے زمانہ میں اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی آپ کو ان کے نفاق کی اطلاع کردیتا تھا، البتہ عملی منافق کا اسکے اعمال سے اور انکی علامت سے جو آپ ﷺ نے بیان فرمائی ہیں علم ہوجاتا ہے وہ شرعی احکام میں سستی کرتا ہے، اکثر جھوٹ بولتا ہے، بات بات پر لڑائی جھگڑے کرتا ہے، گالیاں منہ سے نکالتا ہے، امانت میں خیانت اس کا شیوہ ہوجاتا ہے۔ ایسے لوگ عملی منافق کہلاتے ہیں ایسے

لوگ اس زمانہ میں بھی ہیں اور ہر زمانہ میں رہیں گے، ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے ان کا حال بیان فرمایا ہے کہ ان کے اعمال ایک جیسے ہیں، تمام منافقوں کی مشترکہ خصوصیت یہ ہے کہ ان سب کو برائی سے دلچسپی اور بھلائی سے نفرت وعداوت ہے، اگر کوئی شخص برائی کرتا ہے تو ان کی ہمدردیاں، ان کے مشورے اس کے ساتھ ہوتے ہیں، ان کی ہر ادا سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ برائی کے پروان چڑھنے سے ان کو راحت قلبی نصیب ہوتی ہے اور اسی میں ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہے اس کے برخلاف ان کو ہر بھلے کام سے صدمہ پہنچتا ہے ان کی روح بے چین ہونے لگتی ہے، ایک مشترکہ خاصیت ان کی یہ بھی ہے کہ نیکی کے کام میں خرچ کرنے کیلئے ان کا ہاتھ کبھی نہیں کھلتا، بدی میں خرچ کرنے کیلئے چاہے وہ اپنے وقت کے قارون ہوں خوب خرچ کرتے ہیں۔ مگر نیکی میں خرچ کرنے کیلئے ان سے زیادہ کوئی مفلس نہیں۔

فما كان الله ليظلمهم الخ یعنی ان کی تباہی وبربادی اس وجہ سے نہیں ہوئی کہ اللہ کو ان کے ساتھ کوئی دشمنی تھی اور وہ چاہتا تھا کہ انھیں تباہ کرے، بلکہ دراصل انہوں نے خود ہی اپنے لئے وہ طرز زندگی پسند کیا جو انھیں بربادی کی طرف لیجانیوالا تھا، اللہ نے تو انھیں سوچنے سمجھنے اور غور وفکر کرنے کا پورا موقع دیا، انکی فہمائش کیلئے رسول بھیجے رسولوں نے نہایت واضح طریقہ سے بتادیا کہ کامرانی اور فلاح کا راستہ کونسا ہے؟ اور ہلاکت وناکامی کا راستہ کونسا ہے؟

والمؤمنون والمؤمنات، جس طرح منافقین ایک الگ امت ہیں اسی طرح اہل ایمان بھی ایک الگ امت ہیں، اگرچہ ایمان کا ظاہری اقرار اور اسلام کی پیروی کا خارجی اظہار دونوں گروہوں میں مشترک ہے، لیکن ان کے مزاج، اخلاق، اطوار اور طرز فکر وعمل ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ بالسَّيفِ **وَالْمُنَافِقِينَ** باللسانِ والحُجّةِ **وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ** بالانتهارِ والمَقْتِ **وَمَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ** (٧٣) المَرْجِعُ هي **يَحْلِفُونَ** اي المنافقون **بِاللَّهِ مَا قَالُوا** ما بَلَغَكَ عنهم مِنَ السَّبِّ **وَلَقَدْ قَالُوا كَلِمَةَ الْكُفْرِ وَكَفَرُوا بَعْدَ إِسْلَامِهِمْ** أظهَرُوا الكُفرَ بعدَ اظهارِ الإسْلَامِ **وَهَمُّوا بِمَا لَمْ يَنَالُوا** من الفَتْكِ بالنبيِّ صلى الله عليه وسلم ليلةَ العَقَبَةِ عندَ عَوْدِه من تَبُوْكَ وهم بِضعَةَ عشرَ رَجُلاً فضرَبَ عمّارُ بنُ ياسرٍ وُجُوهَ الرَّوَاحِلِ لَمّا غَشَوْهُ فرُدُّوا **وَمَا نَقَمُوا** أنكَرُوا **إِلَّا أَنْ أَغْنَاهُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ مِنْ فَضْلِهِ** بالغنائمِ بَعْدَ شِدّةِ حاجتِهم، المعنى لَمْ يَنَلْهُمْ منه الاهذا وليس مِمّا يُنْقَمُ **فَإِنْ يَتُوبُوا** عن النفاقِ و يُؤْمِنُوا **يَكُ خَيْرًا لَهُمْ ۖ وَإِنْ يَتَوَلَّوْا** عن الايمان **يُعَذِّبْهُمُ اللَّهُ عَذَابًا أَلِيمًا فِي الدُّنْيَا** بالقتلِ **وَالْآخِرَةِ ۚ** بالنار **وَمَا لَهُمْ فِي الْأَرْضِ مِنْ وَلِيٍّ** يَحفَظُهم منه **وَلَا نَصِيرٍ** (٧٤) يَمْنَعُهُمْ **وَمِنْهُمْ مَنْ عَاهَدَ اللَّهَ لَئِنْ آتَانَا مِنْ فَضْلِهِ لَنَصَّدَّقَنَّ** فيه ادغامُ التاءِ في الاصلِ في الصادِ **وَلَنَكُونَنَّ مِنَ الصَّالِحِينَ** (٧٥) وهو ثعلبةُ بنُ حاطبٍ سَأل النبيَّ صلى الله عليه وسلم أنْ يَدْعُوَ له أنْ يَرْزُقَهُ اللهُ مالاً ويُؤدِّيَ منه كُلَّ ذي حقٍّ حَقَّه فدعَاله فوُسِّعَ عليه فانْقَطَعَ عن الجُمُعَةِ والجماعةِ ومنعَ الزكوةَ كما قال تعالى **فَلَمَّا آتَاهُمْ مِنْ فَضْلِهِ بَخِلُوا بِهِ وَتَوَلَّوْا** عن طاعةِ اللهِ

تعالٰی **وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ﴿۷۶﴾ فَاَعْقَبَهُمْ** ای فصَیَّرَ عَاقِبَتَهُمْ **نِفَاقًا** ثابتًا **فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی** یَوْمِ **یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ** ای اللّٰہ وہو یومُ القیمۃِ **بِمَآ اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا كَانُوْا یَكْذِبُوْنَ﴿۷۷﴾** فیہ فجاءَ بعدَ ذٰلکَ الی النبیِّ صلی اللّٰہ علیہ وسلم بزکاتِہٖ فقالَ اِنَّ اللّٰہَ مَنَعَنِیْ اَنْ اَقْبَلَ منک فجعلَ یَحْثُوا التُّرَابَ علٰی راسِہٖ ثُمَّ جاءَ بھا الی ابی بکرٍ رضی اللّٰہ تعالٰی عنہ فَلَمْ یَقْبَلْھا ثم الی عمرَ فَلَمْ یَقْبَلْھا ثم الی عُثْمٰنَ فلم یَقْبَلْھا ثم مات فی زمانہٖ **اَلَمْ یَعْلَمُوْٓا** ای المنافقونَ **اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ سِرَّهُمْ** ما اَسَرُّوْہُ فی انفسِہم **وَنَجْوٰىهُمْ** ما تَنَاجَوْا بہٖ بینَہُمْ **وَاَنَّ اللّٰهَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ﴿۷۸﴾** ما غابَ عَنِ العِیَانِ وَلَمَّا نَزَلَتْ اٰیۃُ الصَّدَقَۃِ جاءَ رَجُلٌ فتصدَّقَ بشیءٍ کثیرٍ فقال المنافقون مُرَاءٍ وجاءَ رَجُلٌ فتصدَّقَ بصاعٍ فقالُوْا اِنَّ اللّٰہَ لغنیٌّ عن صَدَقَۃِ ہٰذا فنزلَ **اَلَّذِیْنَ** مُبْتَدَأٌ **یَلْمِزُوْنَ** یَعِیْبُوْنَ **الْمُطَّوِّعِیْنَ** المُتَنَفِّلِیْنَ **مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ فِی الصَّدَقٰتِ وَالَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ** طاقَتَہُمْ فیأتونَ بہٖ **فَیَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ** والخبرُ **سَخِرَ اللّٰهُ مِنْهُمْ** جازَاہُمْ علٰی سُخْرِیَّتِہِمْ **وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ﴿۷۹﴾ اِسْتَغْفِرْ** یا مُحَمَّدُ **لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ** تخییرٌ لہٗ فی الاستغفارِ وترکِہٖ قالَ صلی اللّٰہ علیہ وسلم اِنِّیْ خُیِّرْتُ فَاخْتَرْتُ یعنی الاستغفارَ رواہ البخاری **اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِیْنَ مَرَّةً فَلَنْ یَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ** قیلَ المرادُ بالسبعینَ المبالغۃُ فی کثرۃِ الاستغفارِ وفی البخاری حدیثٌ لَوْ اَعْلَمُ انی لَوْ زِدْتُ علی السبعینَ غُفِرَ لَزِدْتُ علیہا وقیل المرادُ العددُ المخصوصُ لِحَدِیْثِہٖ ایضًا وساَزِیْدُ علی السبعینَ فَبَیَّنَ لَہٗ حَسْمَ المغفرۃِ بِاٰیَۃِ سَوَآءٌ عَلَیْہِمْ اَسْتَغْفَرْتَ لَہُمْ اَمْ لَمْ تَسْتَغْفِرْ لَہُمْ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاللّٰهُ لَا یَهْدِی الْقَوْمَ الْفٰسِقِیْنَ﴿۸۰﴾** ع ۱۶

ترجمہ: اے نبی کافروں کے ساتھ تلوار سے اور منافقوں کے ساتھ زبان و برہان سے جہاد کیجئے، اور ان منافقوں کے ساتھ ڈانٹ ڈپٹ اور خفگی کے ذریعہ سختی سے پیش آیئے، (آخر کار) ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور وہ برا ٹھکانہ ہے اور منافق اللہ کی قسم کھا کر کہتے ہیں کہ گالی کی جو بات ہماری طرف سے آپ کو پہنچی ہے وہ ہم نے نہیں کہی، حالانکہ یقیناً وہ کافرانہ بات انہوں نے کہی، اور اسلام لانے کے بعد کفر کے مرتکب ہوئے یعنی اسلام ظاہر کرنے کے بعد انہوں نے کفر ظاہر کیا، اور انہوں نے اس میں سے کچھ بھی حاصل نہیں کیا جو وہ نبی ﷺ کو قتل کے ارادہ سے تبوک سے لوٹتے وقت لیلۃ العقبہ میں کرنا چاہتے تھے اور وہ دس سے کچھ زائد لوگ تھے، اور عمار بن یاسر نے ان کی سواریوں کے منہ پر مار مار کر ان کا رخ پھیر دیا، جب وہ ڈھانٹے مار کر آپ ﷺ پر یکبارگی چڑھ آئے اور ان (منافقوں کو) جو بات ناپسند آئی وہ صرف یہی تھی کہ اللہ اور اس کے رسول نے ان کو اپنے فضل (وعنایت) سے مال غنیمت کے ذریعہ ان کی شدید حاجت کے وقت غنی کر دیا حاصل یہ ہے کہ ان (منافقوں) کو اس کی طرف سے جو کچھ پہنچا وہ اس کے سوا کچھ نہیں تھا، اور یہ ایسی بات نہیں کہ جس سے اظہار ناراضگی کیا جائے، اگر یہ لوگ نفاق سے توبہ کر لیں اور ایمان لے آئیں تو ان کے لئے بہتر ہوگا اور اگر یہ لوگ ایمان سے اعراض کریں گے تو اللہ ان کو دنیا میں قتل کے

ذریعہ اور آخرت میں آگ کے ذریعہ دردناک عذاب دے گا اور دنیا میں ان کا نہ کوئی یار ہو گا جو ان کی (اس کے عذاب سے) حفاظت کر سکے اور نہ مددگار جو ان کو بچا سکے اور ان میں سے بعض وہ ہیں جنہوں نے اللہ سے عہد کیا کہ اگر ہمیں (اللہ) اپنے فضل سے (دولت) عطاء کرے گا تو ہم ضرور صدقہ (وخیرات کیا) کریں گے (لنصّدقن) میں دراصل تاء کا صاد میں ادغام ہے اور صالحین میں سے ہو جائیں گے اور یہ شخص ثعلبہ بن حاطب تھا کہ اس نے نبی ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ میرے لئے دعاء فرما دیں کہ اللہ مجھے خوب دولتمند کر دے، اور میں اس مال سے ہر حقدار کا حق ادا کر دوں، چنانچہ آپ نے دعاء فرما دی جس کی وجہ سے اس کے لئے فراخی کر دی گئی تو وہ جمعہ و جماعت کا بھی تارک ہو گیا، اور زکوۃ دینی بند کر دی، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے، جب ان کو اس نے اپنے فضل سے (مال) عطا کر دیا تو اس میں بخیلی کرنے لگے اور اللہ کی اطاعت سے بھی روگردانی کرنے لگے حال یہ ہے کہ وہ ہر حال میں اعراض کرنے والے ہی ہیں (اس بخل) کا انجام یہ ہوا کہ ان کے قلوب میں اللہ کے روبرو پیشی کے وقت تک کیلئے نفاق پیوست کر دیا گیا، اور وہ قیامت کا دن ہے، اور یہ اس سبب سے ہوا کہ انہوں نے اللہ سے وعدہ خلافی کی اور اس وجہ سے کہ وہ عہد کے بارے میں جھوٹ بولتے رہے پھر اس کے بعد آپ ﷺ کی خدمت میں زکوۃ (کا مال) لیکر حاضر ہوا، تو آپ نے فرمایا اللہ نے مجھے منع کر دیا ہے کہ میں تیرا مال قبول کروں، تو اس نے اپنے سر پر خاک ڈالنی شروع کر دی، پھر اس (مال زکوۃ) کو ابوبکر صدیق کے پاس لے گیا تو انہوں نے بھی اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا پھر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں (مال زکوۃ لے کر) حاضر ہوا، آپ نے بھی قبول نہ کیا، اس کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو انہوں نے بھی قبول کرنے سے انکار کر دیا، اس کا انتقال حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ہوا، کیا منافق جانتے نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی راز کی باتوں کو جن کو وہ اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور ان سرگوشیوں کو جن کو وہ آپس میں کرتے ہیں جانتا ہے، یقیناً اللہ ان مغیبات کو بھی جانتا ہے جو لوگوں کی نظروں سے پوشیدہ ہیں، اور جب آیت (خُذْ مِنْ اَمْوالِهِم) نازل ہوئی تو ایک شخص (حضرت عبدالرحمٰن بن عوف) آئے اور بڑی مقدار (چار ہزار دینار) صدقہ کیا تو منافقوں نے کہا ریاکار ہے، اور ایک دوسرے شخص (حضرت ابوعقیل انصاری) آئے انہوں نے ایک صاع کھجور صدقہ کیا تو (منافقوں) نے کہا اللہ تو اس (قلیل صدقہ) سے مستغنی ہے، تو آئندہ آیت (الذین یلمزون الخ) نازل ہوئی، اور ان (دولتمند منافقوں) کو بھی خوب جانتا ہے (الذین) مبتداء ہے، جو خوش دلی سے دینے والے اہل ایمان کی مالی قربانیوں (صدقات) پر باتیں بگھارتے ہیں (نکتہ چینی) کرتے ہیں اور ان لوگوں کا مذاق اڑاتے ہیں جن کے پاس (راہ خدا میں دینے کے لئے) اس کے سوا کچھ نہیں جو وہ محنت مزدوری کر کے لاتے ہیں تو یہ (دولتمند) ان کا مذاق اڑاتے ہیں اللہ نے بھی ان کا مذاق اڑایا یعنی ان کے مذاق اڑانے کا بدلہ دیا، (سخر اللہ منهم) مبتداء کی خبر ہے، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے اے محمد ﷺ تم ایسے لوگوں کیلئے معافی طلب کر دیا نہ کرو یہ آپ ﷺ کو استغفار کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہے، آپ نے فرمایا مجھے (استغفار کرنے یا نہ کرنے) کا اختیار دیا گیا تو میں نے استغفار کو اختیار کیا، (رواہ البخاری) اگر تم ستر مرتبہ بھی ان لوگوں کو معاف کرنے کی

درخواست کرو گے تو اللہ انھیں ہرگز معاف نہ کرے گا اور ستر کے عدد سے کثرت استغفار میں مبالغہ کرنا مقصود ہے اور بخاری شریف میں ایک حدیث ہے اگر مجھے معلوم ہوتا کہ اگر میں ستر مرتبہ سے زیادہ استغفار کروں تو وہ معاف کردے گا تو میں اس سے زیادہ کرتا، اور کہا گیا ہے کہ (ستر کا) عدد مخصوص مراد ہے بخاری کی حدیث کی وجہ سے کہ میں ستر سے زیادہ مرتبہ استغفار کروں گا، آپ ﷺ کو سواء علیھم استغفرت لھم اَمْ لَمْ تستغفر لھم، کے ذریعہ بتادیا گیا کہ ان سے مغفرت کو کاٹ دیا گیا ہے، اور یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اللہ تعالیٰ فاسقوں کی رہنمائی نہیں فرماتے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: المنافقون، (مفاعلۃ) اسم فاعل جمع مذکر غائب مرفوع، دورخی کرنے والا شریعت کی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جو زبان سے اسلام کا اقرار کرے مگر دل میں اس کے برخلاف ہو، نفق کے اصل معنی خرچ ہوجانے اور چلے جانے کے ہیں، نَفَقَتِ الدراھمُ، روپیہ سب ختم ہوگیا، نَافِقَاء (ضَبّ) گوہ کا بل، سوراخ، جس کے کم از کم دو دہانے ہوتے ایک دہانے سے داخل ہوتی ہے شکاری اس سوراخ کی طرف متوجہ رہتا ہے گوہ دوسرے سوراخ سے نکل کر باہر چلی جاتی ہے منافق بھی زبانی اقرار سے اسلام میں داخل ہوتا ہے مگر دلی عقیدہ کی وجہ سے اسلام سے خارج ہوجاتا ہے آپ ﷺ کے زمانہ میں منافق مردوں کی تعداد (۳۰۰) اور منافق عورتوں کی تعداد (۱۷۰) تھی۔ (جمل)

قَوْلُہٗ: بعضھم من بعض، بعضھم مبتداء ہے اور من بعض اس کی خبر ہے اور مِنْ اتصالیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: یقبضون ایدیھم، قبض ید، بخل سے کنایہ ہے حقیقۃً مٹھی بند کرنا مراد نہیں ہے اسی طرف مفسر علام نے عن الانفاق فی الطاعۃ کہہ کر اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: ترکوا طاعتہٗ دونوں جگہ نسیان سے اس کے لازم معنی یعنی ترک مراد ہیں، اول جگہ اس لئے کہ نسیان پر مؤاخذہ نہیں ہے اور نہ قابل مذمت اور دوسری جگہ اس لئے کہ نسیان کی نسبت اللہ کی طرف محال ہے لہٰذا لازم معنی یعنی محروم کرنا مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: انتم ایّھا المنافقون، اس میں اشارہ ہے کہ کاف، کالذین میں مبتداء محذوف کی خبر ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے نہ کہ فعل محذوف کی وجہ سے محل نصب میں۔

قَوْلُہٗ: کخوضھم یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: منافقین کے خوض کو کفار کی ذوات کے ساتھ تشبیہ درست نہیں ہے اسلئے کہ خوض صفت ہے اور کفار ذوات۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور وہ مصدر ہے، ای خضتم خوضًا کخوضھم.

قَوْلُہٗ: المؤتفکت، یہ مؤتفکۃ کی جمع ہے ایتفاک، (افتعال) مصدر ہے، اِفکٌ مادہ ہے الٹی ہوئی، زیروزبر کی ہوئی مراد قوم لوط کی بستیاں ہیں، جو بحر مردار کے ساحل پر آباد تھیں، جس کا مرکزی شہر سندوم یا سدوم تھا۔

قَوْلُہٗ: فکذبوھم اس اضافہ کا مقصد فما کان اللّٰہ لیظلمھم کے عطف کو درست کرنا ہے تاکہ فاء تعقیبیہ کے ذریعہ عطف درست ہوجائے۔

تَفسِیر وتَشریح

شان نزول:

سابقہ آیات میں منافقوں کا حال اور ان کا انجام اس کے بعد مومنوں کے اوصاف اور آخرت میں ان کے لئے درجات عالیہ کا بیان تھا، اب آپ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ کفار اور منافقوں سے جہاد کرو، خطاب اگر چہ آپ ﷺ کو ہے مگر حکم پوری امت کو ہے اور یہ بھی حکم فرمایا کہ اپنی عادت کے خلاف ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ، اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے اطوار بیان فرمائے کہ ان کی عادت یہ ہے کہ ایک بات کہہ کر مکر جاتے ہیں، اور جھوٹی قسمیں کھاتے ہیں، چنانچہ ان لوگوں نے آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ اور کافرانہ کلمے نکالے جب اس کی خبر آپ ﷺ کو پہنچی تو صاف انکار کردیا، اس آیت کے شانِ نزول کے بارے میں مفسرین نے کئی سبب بیان کئے ہیں۔

پہلا سبب:

کہا گیا ہے کہ مذکورہ آیت جلاس بن سوید بن صامت اور ودیعہ بن ثابت کے بارے میں نازل ہوئی ہے اس کی صورت یہ ہوئی کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر منافقین کی مذمت کے بارے میں بکثرت آیات کا نزول ہونے لگا تو منافقوں نے کہا کہ اگر محمد کا کہنا ہمارے بھائیوں کے بارے میں کہ جو غزوہ میں شریک نہیں ہوئے ہیں صحیح ہے اگر وہ ایسے ہی ہیں جیسا کہ محمد ﷺ کہتے ہیں تو پھر تو ہم گدھے ہیں، عامر بن قیس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے کہا اس میں کیا شک ہے واللہ محمد ﷺ صادق و مصدوق ہیں اور تو گدھے سے بھی بدتر ہے، اور عامر بن قیس نے اسکی اطلاع آپ ﷺ کو بھی کردی، جب جلاس آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو اپنی کہی ہوئی بات سے مکر گیا اور قسم کھا گیا کہ عامر بن قیس جھوٹا ہے اور عامر نے قسم کھائی کہ واللہ اس نے ایسا ہی کہا تھا اور دعاء کی اللّٰھم انزل علی نبیك شیئًا" فنزلت، عامر بن قیس نے اللہ سے دعاء کی کہ یا اللہ تو اس بارے میں اپنے نبی پر کچھ نازل فرما، چنانچہ مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

بعض لوگوں نے کہا ہے کہ اس بات کے سننے والے عاصم بن عدی تھے اور بعض نے کہا ہے حذیفہ بن یمان تھے۔

دوسرا سبب:

کہا گیا ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کے بارے میں نازل ہوئی تھی، جبکہ اس نے غزوۂ بنی مصطلق سے واپسی کے وقت یہ بات کہی تھی کہ ہماری مثال تو محمد کے بارے میں ایسی ہے جیسی کہ کسی نے کہا ہے سَمِّنْ کلبكَ

یہ کلمہ "لئن رجعنا الی المدینة لیخرجنّ الاعزّ منها الاذلّ". کہاوت مشہور ہے کہ کتے کو کھلا پلا کر موٹا کر اور تجھ ہی کو کاٹنے کو آئے، وطنی زبان میں کہا جاتا ہے "ہماری بلّی ہم ہی کو میاؤں" مدینہ پہنچ کر عزت دار ذلت دار کو نکالدے گا، اس کی اطلاع آپ ﷺ کو پہنچی تو آپ نے اس سے دریافت فرمایا تو صاف انکار کر دیا اور قسم کھا گیا کہ اس نے یہ بات ہر گز نہیں کہی۔

تیسرا سبب:

ایک روایت میں ہے کہ تبوک کے سفر میں آپ ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی مسلمان اس کو تلاش کر رہے تھے اس پر منافقوں کے ایک گروہ نے اپنی مجلس میں بیٹھکر خوب مذاق اڑایا اور کہا کہ یہ حضرت آسمان کی خبریں تو خوب سناتے ہیں مگر اپنی اونٹنی کی کچھ خبر نہیں کہ وہ اس وقت کہاں ہے؟

وھمّوا بما لم ینالوا الخ یہ اشارہ ان سازشوں کی طرف ہے جو منافقوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر کی تھیں، ان میں ایک سازش کے واقعہ کو محدثین نے اس طرح بیان کیا ہے کہ تبوک سے واپسی پر مسلمانوں کا لشکر جب ایسے مقام پر پہنچا کہ جہاں سے راستہ پہاڑوں کے درمیان درّے سے گذرتا تھا تو بعض منافقین نے طے کیا کہ رات کے وقت کسی گھاٹی میں گذرتے ہوئے نبی ﷺ کو گڑھے میں پھینک دیں گے، آپ ﷺ کو اس کی اطلاع ہوگئی آپ نے تمام اہل لشکر کو حکم دیا کہ وادی کے راستہ سے نکل جائیں اور آپ ﷺ عمار بن یاسر اور حذیفہ بن یمان کو ساتھ لیکر گھاٹی کے اندر سے ہو کر چلے اثناء راہ یکایک معلوم ہوا کہ دس بارہ آدمی ڈھاٹے باندھے ہوئے پیچھے پیچھے آرہے ہیں یہ دیکھ کر حضرت حذیفہ ان کی طرف لپکے تاکہ ان کے اونٹوں کو مار مار کر ان کے منہ پھیر دیں مگر وہ دور ہی سے حذیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آتے دیکھ کر ڈر گئے اور اس خوف سے کہ کہیں پہچان نہ لئے جائیں فوراً بھاگ نکلے۔

دوسری سازش:

جس کا اس سلسلہ میں ذکر کیا گیا ہے یہ ہے کہ منافقوں کو رومیوں کے مقابلے سے نبی ﷺ کو اور آپ کے ساتھیوں کو بخیریت بچ کر واپس آنے کی امید نہیں تھی اس لئے انہوں نے آپس میں طے کر لیا تھا کہ جوں ہی اُدھر کوئی سانحہ پیش آئے ادھر مدینہ میں عبداللہ بن ابی کے سر پر تاج شاہی رکھ دیا جائے، مطلب یہ ہے کہ مذکورہ سازشیں جن مقاصد کو حاصل کرنے کے لئے کی گئی تھیں ان میں سے ایک مقصد بھی ان کو حاصل نہیں ہوا؟ رکوع کے آغاز ہی میں ایک اہم ہدایت ہے کہ کفار ومنافقین سے تلوار اور زبان سے جہاد کرو اور سختی سے پیش آؤ جس کا حکم مسلمانوں کو دیا جانا ضروری تھا اس کے بغیر اسلامی معاشرہ کو تنزل وانحطاط کے اندرونی اسباب سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا تھا، کوئی جماعت جو اپنے اندر منافقوں اور غداروں کو پرورش کرتی ہو اور جس میں گھریلو سانپ عزت اور تحفظ کے ساتھ آستین میں بٹھائے جاتے ہوں اخلاقی زوال اور بالآخر

کامل تباہی سے دوچار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی نفاق کا حال طاعون کا سا ہے اور منافق وہ چوہا ہے جو اس وبا کے جراثیم لئے پھرتا ہے اس کو آزادی سے چلنے پھرنے کا موقع دینا گویا پوری آبادی کو موت کے خطرہ میں ڈالنا ہے لہٰذا ضروری ہے کہ اس گروہ کے ساتھ سختی کا معاملہ کرکے ان کو مخلصین سے بالکل الگ تھلگ کردیا جائے۔

وَمَا نقموا اِلَّا اَنْ اغنهم اللّٰه ورسوله من فضله نبی ﷺ کی ہجرت سے پہلے مدینہ عرب کے قصبات میں سے ایک معمولی قصبہ تھا، اور اوس اور خزرج کے قبیلے مال یا جان کے لحاظ سے کوئی خاص اہمیت نہ رکھتے تھے، مگر جب آپ ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور انصار نے آپ کا ساتھ دیکر اپنے آپ کو خطرات میں ڈال دیا تو آٹھ نو سال کے اندر یہی متوسط قصبہ تمام عرب کا دارالسلطنت بن گیا، وہی اوس وخزرج کے کاشتکار سلطنت کے اعیان اور اکابر بن گئے، اور ہر طرف سے فتوحات، غنائم اور تجارت کی برکات اس کے مرکزی شہر پر بارش کی طرح برسنے لگیں، اللہ تعالیٰ منافقین کو اسی پر شرم دلا رہا ہے کہ ہمارے نبی پر تمہارا یہ غصہ کیا اسی قصور کی پاداش میں ہے کہ اس کی بدولت یہ نعمتیں تمہیں بخشی گئیں، یہ کلمہ بطور طنز فرمایا گیا ہے یعنی تم احسان فراموش ہو، احسان مند ہونے کے بجائے عداوت رکھتے ہو۔

الذین یلمزون المطوعین من المؤمنین، غزوۂ تبوک کے موقع پر جب نبی ﷺ نے ہنگامی چندے کی اپیل کی تو بڑے بڑے مالدار منافقین ہاتھ روک کر بیٹھے رہے، مگر جو مخلصین اہل ایمان تھے بڑھ چڑھ کر دینے لگے تو ان لوگوں نے ان پر آوازیں کسنی شروع کردیں، اگر کوئی ذی استطاعت مسلمان (مثلاً عبدالرحمٰن بن عوف وغیرہ) اپنی حیثیت کے مطابق بڑی رقم پیش کرتا تو اس پر ریاکاری کا الزام لگاتے اور اگر کوئی غریب مسلمان (مثلاً ابوعقیل وغیرہ) اپنا اور اپنے بچوں کا پیٹ کاٹ کر کوئی چھوٹی رقم پیش کرتا یا رات بھر محنت مزدوری کرکے کچھ کھجوریں حاصل کرتا اور وہی لاکر پیش کرتا یہ اس پر آوازیں کستے کہ لو یہ ٹڈی کی ٹانگ بھی آگئی تاکہ اس سے روم کے قلعے فتح کئے جائیں، تبوک سے واپسی پر کچھ زیادہ مدت نہیں گذری تھی کہ عبداللہ بن اُبی رئیس المنافقین کا انتقال ہوگیا اس کے بیٹے عبداللہ بن عبداللہ جو مخلص مسلمان تھے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کفن میں لگانے کے لئے آپ کا کرتہ مانگا، آپ نے کمال فراخ دلی کے ساتھ عنایت کردیا، پھر انہوں نے درخواست کی کہ آپ ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائیں آپ اسکے لئے بھی تیار ہوگئے حضرت عمر نے باصرار عرض کیا یارسول اللہ کیا آپ اس شخص کی نماز جنازہ پڑھائیں گے جو ایسا ایسا کرچکا ہے مگر آپ ان کی یہ سب باتیں سنکر مسکراتے رہے، اور اس رحمت کی بنا پر جو سب کیلئے عام تھی آپ نے اس بدترین دشمن کے حق میں دعاء مغفرت کرنے میں بھی تامل نہ کیا آخر جب آپ ﷺ نماز پڑھانے کھڑے ہو ہی گئے تو آیت نازل ہوئی اور براہ راست حکم خداوندی سے آپ کو نماز پڑھانے سے روک دیا گیا۔

اِستغفر لهم او لا تستغفر لهم الخ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس کی اطلاع دی ہے کہ ان منافقوں کا خاتمہ کفر پر ہوا ہے اور ایسے لوگوں کی مغفرت نہ ہونے کا اللہ کا وعدہ ہے اسلئے یہ لوگ ہرگز اس لائق نہیں ہیں کہ ان کیلئے دعاء مغفرت کی جائے، لہٰذا اگر آپ ان کیلئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں گے تو بھی خدا ان کو معاف نہ کرے گا، اسلئے کہ استغفار تو گنہگاروں کے حق میں سودمند ہوتا ہے نہ کہ اس کے لئے جو خدا اور رسول کے ساتھ کفر کرکے بغیر توبہ کے

مر گیا اور نہ ان کے زندوں کو توبہ پر مجبور کیا جائیگا۔

حضرت عبد اللہ بن عباس اس آیت کے متعلق فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اللہ تعالیٰ نے منافقوں کے حق میں استغفار کرنے اور نہ کرنے کا اختیار دیا ہے تو آپ نے فرمایا میں ستر بار سے زیادہ ان کیلئے استغفار کروں گا شاید خدا انھیں معاف کردے، اس پر اللہ تعالیٰ نے خفگی کے ساتھ فرمایا کہ استغفار کرنا اور نہ کرنا دونوں برابر ہیں، اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے خاتمہ کا حال معلوم ہے لہٰذا انکی مغفرت نہ ہوگی یہ خفگی کی آیت سورۂ منافقون میں ہے۔

ابن جریر نے اپنی سند کے ساتھ شعبی سے یوں روایت کی ہے کہ جب عبد اللہ بن اُبی قریب المرگ ہوا تو اس کا بیٹا آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ نے اس سے معلوم کیا تیرا کیا نام ہے اس نے کہا حباب بن عبد اللہ آپ نے فرمایا حباب شیطان کا نام ہے اب تیرا نام عبد اللہ بن عبد اللہ ہے اور پھر آپ اس کے ساتھ تشریف لے گئے اور اپنا کرتہ اسے پہنایا، اور آپ نے اسکے واسطے مغفرت کی دعاء فرمائی اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ عن تبوك بِمَقْعَدِهِمْ بقعودهم خِلٰفَ اى بعد رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا اى قال بعضهم لبعض لَا تَنْفِرُوْا لا تخرجوا الى الجهاد فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا من تبوك فالاولى ان تتقوها بترك التخلف لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۱﴾ يعلمون ذلك ما تخلفوا فَلْيَضْحَكُوْا قَلِيْلًا في الدنيا وَّلْيَبْكُوْا في الأخرة كَثِيْرًا جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۲﴾ خبر عن حالهم بصيغة الامر فَاِنْ رَّجَعَكَ ردك اللّٰهُ من تبوك اِلٰى طَآئِفَةٍ مِّنْهُمْ ممن تخلف بالمدينة من المنافقين فَاسْتَاْذَنُوْكَ لِلْخُرُوْجِ معك الى غزوة اخرى فَقُلْ اى لهم لَّنْ تَخْرُجُوْا مَعِيَ اَبَدًا وَّلَنْ تُقَاتِلُوْا مَعِيَ عَدُوًّا اِنَّكُمْ رَضِيْتُمْ بِالْقُعُوْدِ اَوَّلَ مَرَّةٍ فَاقْعُدُوْا مَعَ الْخٰلِفِيْنَ ﴿۸۳﴾ المتخلفين عن الغزو من النساء والصبيان وغيرهم ولما صلى النبى صلى الله عليه وسلم على ابن ابى نزل وَلَا تُصَلِّ عَلٰٓى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ لدفن او زيارة اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۸۴﴾ كافرون وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَاَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الدُّنْيَا وَتَزْهَقَ تخرج اَنْفُسُهُمْ وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِذَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ اى طائفة من القران اَنْ اى بان اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَجَاهِدُوْا مَعَ رَسُوْلِهِ اسْتَاْذَنَكَ اُولُوا الطَّوْلِ ذوو الغنى مِنْهُمْ وَقَالُوْا ذَرْنَا نَكُنْ مَّعَ الْقٰعِدِيْنَ ﴿۸۶﴾ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ جمع خالفة اى النساء اللاتى تخلفن فى البيوت وَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ ﴿۸۷﴾ الخير لٰكِنِ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ جٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْخَيْرٰتُ في الدنيا والاخرة وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۸۸﴾ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۸۹﴾ ع ۹ ۱۷

ترجمہ: غزوۂ تبوک سے پیچھے چھوڑے گئے لوگ رسول اللہ ﷺ کے (نکلنے) کے بعد اپنے (گھروں) میں بیٹھ

رہنے پر خوش ہوئے، اور انھیں یہ بات ناگوار گذری کہ وہ اپنی جان و مال سے اللہ کے راستہ میں جہاد کریں، اور انہوں نے آپس میں ایک دوسرے سے کہا گرمی میں جہاد کے لئے نہ نکلو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ جہنم کی آگ تبوک کی گرمی سے زیادہ سخت ہے لہٰذا بہتر ہے کہ تم ترک تخلف کر کے اس آگ سے بچو، اگر وہ اس حقیقت کو سمجھتے (تو غزوہ میں شرکت سے) پیچھے نہ رہتے، تھوڑے دنوں دنیا میں ہنس لیں آخرت میں بہت روئیں گے اور یہ رونا ان کے اعمال کی بدولت ہوگا یہ (خبر) بصیغۂ امر ان کی حالت کی خبر ہے پس اگر اللہ آپ کو تبوک سے ان منافقوں کے درمیان جو مدینہ میں پیچھے رہ گئے تھے (بخیر) واپس لائے اور ان میں سے کوئی کسی دوسرے غزوہ میں آپ کے ساتھ شرکت کی اجازت طلب کرے تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم میرے ساتھ ہرگز کبھی بھی نہیں نکل سکتے اور نہ میری معیت میں کسی دشمن سے بھی ہرگز لڑ سکو ہو تم نے پہلی مرتبہ بیٹھ رہنے کو پسند کیا تو اب پیچھے رہنے والی عورتوں بچوں وغیرہ ہی کے ساتھ بیٹھ رہو اور جب آپ ﷺ نے (عبد اللہ) بن اُبی پر نماز جنازہ پڑھنی چاہی تو یہ آیت نازل ہوئی، اور آئندہ ان میں سے کوئی مرے تو اس کی نماز جنازہ تم ہرگز نہ پڑھنا اور دفن یا زیارت کے لئے اس کی قبر پر بھی مت کھڑے ہونا ان لوگوں نے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور حالت کفر ہی میں مرے ہیں، اور ان کے مال اور اولاد (کی کثرت) آپ کو تعجب میں نہ ڈالے اللہ ارادہ کر چکا ہے کہ ان کو (اس مال واولاد) کے ذریعہ ہی دنیا میں عذاب دے اور ان کی جانیں اس حال میں نکلیں کہ وہ کافر ہوں، اور جب کبھی قرآن کا کوئی حصہ اس مضمون کا نازل ہوا کہ اللہ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول کے ساتھ جہاد کرو تو آپ نے دیکھا کہ ان میں سے جو مقدرت والے تھے وہی آپ سے (غزوہ) میں شریک نہ ہونے کی اجازت طلب کرنے لگے کہ انھیں جہاد کی شرکت سے معاف رکھا جائے ان لوگوں نے گھر بیٹھنے والیوں میں شامل رہنا پسند کیا، خوالف، خالفة کی جمع ہے یعنی وہ عورتیں جو گھروں میں بیٹھ رہیں، اور ان کے قلوب پر ٹھپہ لگا دیا گیا ہے جس کی وجہ سے وہ خیر کی بات کو نہیں سمجھتے اس کے برخلاف رسول نے اور ان لوگوں نے جو آپ کے ساتھ ایمان لائے اور اپنی جان و مال سے جہاد کیا دنیا اور آخرت میں ساری بھلائیاں ان ہی کے لئے ہیں اور وہی فلاح پانے والے ہیں اللہ نے ان کے لئے ایسے باغ تیار کر رکھے ہیں جن میں نہریں بہہ رہی ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے یہ ہے عظیم الشان کامیابی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَلْمُخَلَّفُوْنَ (تفعیل) اسم مفعول جمع مذکر غائب، پیچھے چھوڑے ہوئے لوگ، تحلیف کسی کو پیچھے کر دینا، پیچھے چھوڑ دینا، یہاں وہ بارہ آدمی مراد ہیں جو غزوۂ تبوک میں اپنی سلمندی اور نفاق کی وجہ سے آپ ﷺ کے ہمراہ نہیں گئے تھے۔

قَوْلُهٗ: خِلٰفَ رسولِ اللّٰہِ ای خلفَهٗ، خِلٰفَ یا تو مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای قَعَدُوا لمخالفته یا حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے ای مخالفین له، اور فعل مقدر کی وجہ سے بھی منصوب ہو سکتا ہے ای تخلفوا خلاف رسول اللّٰہ اور یہ بھی جائز ہے کہ ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہو ای بعد رسول اللّٰہ علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ

نے اسی ترکیب کو اختیار کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: بقعودھم اس سے اشارہ کردیا کہ مقعد مصدر میمی ہے نہ کہ ظرف۔

قَوْلُہٗ: وکرھوا ان یُجاھِدُوا کا عطف فَرِحَ المخلفونَ پر ہے اور اَنْ یُجاھدوا، کرِھوا کا مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: ما تخلّفوا یہ لَوْ کا جواب ہے جو کہ محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: خبرٌ عن حالھم، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ ضحک (ہنسنے) کا حکم نہیں فرماتے حالانکہ یہاں فلیضحکوا امر کا صیغہ استعمال ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ضحك (ہنسنے) کا حکم فرمایا۔

جَوَابُ: جواب یہ ہے کہ امر بمعنی خبر ہے، یعنی ان کی حالت کی خبر دینا مقصود ہے نہ کہ ضحك کا حکم کرنا۔

قَوْلُہٗ: طائفة من القرآن یہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ یہاں سورت سے پوری سورت مراد نہیں ہے بلکہ قرآن کا ایک حصہ مراد ہے اس میں پوری اور اس سے کم دونوں داخل ہیں۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ، اوپر سے منافقوں کے حالات کے بیان کا سلسلہ چل رہا ہے، یہاں بھی ان منافقوں کی مذمت بیان کی جارہی ہے جو غزوۂ تبوک میں نفیر عام ہونے کے باوجود اپنے نفاق اور کسل مندی کی وجہ سے آپ ﷺ کے ہمراہ شریک غزوہ نہیں ہوئے تھے اور جھوٹے اعذار بیان کرکے شریک غزوہ نہ ہونے کی اجازت چاہی آپ ﷺ نے ان کو اجازت بھی دیدی، یہاں ان کو یہ وعید بھی سنائی جارہی ہے کہ ان کا نام مجاہدین کی فہرست سے کاٹ دیا گیا ہے اب آئندہ بھی کسی غزوہ میں شریک نہ ہوسکیں گے۔

خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰہِ، لفظ ''خلاف'' کے معنی یہاں پیچھے اور بعد کے بھی ہوسکتے ہیں، علامہ سیوطی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے یہی معنی لئے ہیں، اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ لوگ آپ ﷺ کے جہاد پر چلے جانے کے بعد آپ سے پیچھے رہ جانے پر خوش ہورہے ہیں یہ درحقیقت خوشی کی بات نہیں۔

دوسرے معنی یہاں خلاف کے مخالفت کے بھی ہوسکتے ہیں کہ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کرکے گھر میں بیٹھے رہے اور صرف خود ہی نہیں بیٹھے بلکہ دوسروں کو بھی ''لا تنفروا فی الحر'' کہہ کر پست ہمت کرکے روکنے کی کوشش کی، غزوۂ تبوک نہایت شدید گرمی کے زمانہ میں ہوا تھا، حق تعالیٰ نے ان کی بات کا جواب آپ ﷺ کی معرفت یہ دیا کہ ''قُلْ نارُ جھنم اشدُّ حرًّا'' یعنی یہ بدنصیب اس وقت کی گرمی کو تو دیکھ رہے ہیں اور اس سے بچنے کی فکر کررہے ہیں مگر آخرت میں نارِ جہنم کی ابدالآباد کی گرمی کو اپنے اوپر لازم کررہے ہیں اعذار باردہ بیان کرکے مدینہ میں بیٹھ رہنے پر یہ خوشیاں منارہے ہیں حالانکہ یہ موقع خوشی

منانے اور ہنسنے کا نہیں ہے بلکہ خون کے آنسو رونے کا ہے اپنے مصنوعی اور جھوٹے اعذار کے ذریعہ چندروز کی گرمی سے اگرچہ بچ بھی گئے تو ہمیشہ ہمیش کی گرمی اپنے اوپر لازم کرلی، دنیا کی گرمی کی نار جہنم کی گرمی کے مقابلہ میں کوئی حقیقت نہیں ہے دنیا کی آگ بھی دوزخ کی آگ سے پناہ مانگتی ہے۔

غزوۂ تبوک میں جو لوگ شریک نہیں ہوئے تھے ان میں سب ہی منافق نہیں تھے بعض حقیقی عذر کی وجہ سے اور بعض آجکل امروز وفردا کرتے کرتے شریک نہیں ہوسکے، اور آنحضرت ﷺ نے واپس آنے کے بعد ان کے اعذار کو قبول بھی فرمالیا تھا اور بعضوں کو کچھ دنوں کی مہلت بھی ملی تھی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمائی تھی جس کا ذکر آئندہ آئیگا۔

فَإِن رَّجَعَكَ اللّٰہُ الی طائفۃ منھم سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقوں کی ایک چھوٹی سی جماعت تھی تفسیر ابن ابی حاتم میں قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے کہ ان منافقوں کی تعداد صرف بارہ تھی جن کے حق میں یہ آیت نازل ہوئی ہے صحیح بخاری میں انس بن مالک اور صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ سے جو روایتیں ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ تبوک کے سفر سے واپسی کے وقت آنحضرت ﷺ نے یہ فرمایا کہ بعضے لوگوں نے گھر بیٹھے وہی ثواب حاصل کیا جو اور لوگوں نے سفر کرکے پایا، صحابہ نے عرض کیا کہ حضرت یہ کیونکر؟ آپ نے فرمایا کہ وہ لوگ مجبوری کے سبب سے مدینہ میں رہ گئے تھے ورنہ وہ اس سفر میں ضرور شریک ہوتے ان حدیثوں سے اس بات کی پوری تائید ہوتی ہے کہ جو لوگ تبوک میں شریک نہیں ہوئے وہ سب منافق نہیں تھے۔

وَلا تصلّ علی احدٍ منھم مات الخ احادیث صحیحہ سے یہ بات ثابت ہے کہ یہ آیت عبداللہ بن اُبی ابن سلول کی موت اور اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے متعلق نازل ہوئی، اور صحیحین کی روایت سے یہ بات بھی ثابت ہے کہ آپ نے عبداللہ بن ابی کی نماز جنازہ پڑھی، پڑھنے کے بعد یہ آیت نازل ہوئی، اس کے بعد آپ نے کسی منافق کی نماز جنازہ نہیں پڑھی، آپ ﷺ کے عبداللہ بن ابی ابن سلول کے جنازہ کی نماز پڑھنے اور اپنا پیراہن مبارک اس کے کفن میں شامل کرنے نیز حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بہ اصرار منع کرنے کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے۔

واقعہ مذکورہ سے متعلق چند سوالات اور ان کے جوابات:

پہلا سوال: عبداللہ بن ابی ایک ایسا منافق تھا کہ جس کا نفاق جگ ظاہر تھا صرف یہی نہیں بلکہ منافقوں کا سردار مانا جاتا تھا، اس کے ساتھ آنحضرت ﷺ کا یہ امتیازی سلوک کس بنا پر ہوا؟ کہ اس کے کفن کے لئے اپنا قمیص مبارک بھی عطا فرمادیا!

جواب: اس کے دو سبب ہوسکتے ہیں اول اس کے صاحبزادے جو کہ مخلص صحابی اور بدریین میں سے تھے محض ان کی دلجوئی کیلئے ایسا کیا، دوسرا سبب ایک اور بھی ہوسکتا ہے جو بخاری شریف میں بروایت حضرت جابر منقول ہے کہ غزوۂ بدر کے موقع پر جب کچھ قریشی سردار گرفتار ہوکر آئے تھے تو آپ ﷺ کے چچا عباس بھی ان میں تھے آپ نے دیکھا کہ ان کے بدن پر کرتہ نہیں ہے تو صحابہ سے ارشاد فرمایا کہ انھیں قمیص پہنادیا جائے حضرت عباس چونکہ دراز قد تھے عبداللہ بن ابی کے سوا کسی کا کرتہ ان کے بدن پر

درست نہ آیا تو عبداللہ بن اُبی کا کرتہ لے کر آپ نے اپنے چچا کو پہنا دیا، اس کے اسی احسان کا بدلہ ادا کرنے کے لئے آنحضرت ﷺ نے اپنا کرتہ اس کو عطا فرما دیا۔ (قرطبی، معارف)

دوسرا سوال: یہ کہ جب حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو منافق کی نماز جنازہ پڑھنے سے منع فرمایا ہے یہ کس بنا پر کہا؟ کیونکہ اس سے پہلے صراحت کے ساتھ آپ کو منافق کی نماز پڑھنے سے منع نہیں کیا گیا، بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اسی سورت کی سابقہ آیت استغفر لھم او لاتستغفر لھم سے ممانعت کا مضمون سمجھا تو آپ ﷺ نے اس سے کیوں نہ ممانعت قرار دی، بلکہ آپ نے یہ فرمایا کہ اس آیت میں مجھے اختیار دیا گیا ہے۔

جواب: یہ ہے کہ درحقیقت الفاظ آیت کا ظاہری مفہوم اختیار ہی دینا ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ ستر کا ذکر تحدید کے لئے نہیں ہے بلکہ کثرت بیان کرنے کے لئے ہے، تو اس کا ظاہری مفہوم یہ ہوگا کہ منافق کی مغفرت تو نہ ہوگی خواہ آپ کتنی ہی مرتبہ استغفار کرلیں لیکن اس میں صراحت کے ساتھ آپ کو استغفار سے روکا نہیں گیا۔

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ بِاِدْغَامِ التاءِ في الاصلِ في الذّالِ اي المُعْتَذِرُوْنَ بمعنى المَعْذُوْرِيْنَ وقرئ به **مِنَ الْاَعْرَابِ** الى النبيِّ صلى الله عليه وسلم **لِيُؤْذَنَ لَهُمْ** في القعودِ لعُذْرِہِمْ فَاذِنَ لهم **وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ** في ادِّعَاءِ الايمانِ من مُنافِقِي الاَعْرَابِ عَنِ المَجِيْءِ لِلْاِعْتِذَارِ **سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ﴿۹۰﴾** **لَيْسَ عَلَى الضُّعَفَآءِ** كالشيوخِ **وَلَا عَلَى الْمَرْضٰى** كالعَمْىِ والزَّمْنٰى **وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ مَا يُنْفِقُوْنَ** في الجهادِ **حَرَجٌ** اِثْمٌ في التخلُّفِ عنه **اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ** في حالِ قُعُوْدِہِم بعدمِ الإرجافِ والتثبيطِ والطاعةِ **مَا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ** بذلك **مِنْ سَبِيْلٍ** طريقٍ بالمؤاخذةِ **وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ** لهم **رَّحِيْمٌ﴿۹۱﴾** بهم في التوسعةِ في ذلِكَ **وَّلَا عَلَى الَّذِيْنَ اِذَا مَآ اَتَوْكَ لِتَحْمِلَهُمْ** معك الى الغزوِ وہم سبعةٌ من الانصارِ وقيلَ بَنُوْ مُقرن **قُلْتَ لَآ اَجِدُ مَآ اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ** حالٌ **تَوَلَّوْا** جوابُ اِذَا اَي اِنْصرفُوا **وَّاَعْيُنُهُمْ تَفِيْضُ** تسيلُ **مِنَ** لِلبيانِ **الدَّمْعِ حَزَنًا** لِاَجلِ **اَلَّا يَجِدُوْا مَا يُنْفِقُوْنَ﴿۹۲﴾** في الجهادِ **اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ** في التخلفِ **وَهُمْ اَغْنِيَآءُ رَضُوْا بِاَنْ يَّكُوْنُوْا مَعَ الْخَوَالِفِ وَطَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ﴿۹۳﴾** تقدَّمَ مثلُه

ترجمہ: اور آئے عذر کرنے والے آپ ﷺ کے پاس عرب کے کچھ بدو، اصل میں تاء کو ذال میں ادغام کرکے یعنی مُعْتَذِرُوْنَ میں (اور معتذرون) معنی میں معذورین کے ہے، اور ایک قراءت میں معتذرون بھی پڑھا گیا ہے تاکہ ان کو (مدینہ ہی میں) بیٹھ رہنے کی اجازت مل جائے ان کے عذر کی وجہ سے چنانچہ ان کو اجازت دیدی گئی، اور بدو منافقین میں سے جنہوں نے دعوائے ایمان میں اللہ اور اس کے رسول کی تکذیب کی وہ تو عذر کرنے سے بھی بیٹھ گئے (یعنی عذر کرنے بھی نہ آئے)

ان میں سے جن لوگوں نے کفر کیا ان کو دردناک عذاب لاحق ہوگا اور کمزوروں مثلاً بوڑھے اور مریضوں پر مثلاً اندھے اور اپاہج پر اور ان لوگوں پر جن کو جہاد کا خرچ میسر نہ ہو جہاد سے پیچھے رہ جانے میں کوئی گناہ نہیں بشرطیکہ یہ لوگ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ خلوص رکھیں یعنی (گھر) بیٹھ رہنے کی صورت میں فتنہ پردازی نہ کریں اور لوگوں کو جہاد سے نہ روکیں اور اطاعت میں لگے رہیں، ان نکوکاروں پر اس بیٹھ رہنے کی وجہ سے کوئی الزام کی راہ نہیں ہے (مؤاخذہ نہیں) اور اللہ ان کو معاف کرنے والا ہے اس معاملہ میں ان کو وسعت دیکر ان پر رحم کرنے والا ہے اسی طرح ان لوگوں پر بھی کوئی الزام عائد نہیں ہوتا جو آپ کے پاس آئے تا کہ آپ ان کو سواریاں بہم پہنچا کر اپنے ساتھ غزوہ میں لے چلیں اور وہ سات انصاری تھے اور کہا گیا ہے کہ بنومقرن کے لوگ تھے آپ نے ان سے کہدیا کہ میرے پاس سواریاں نہیں ہیں اور قُلْتَ، اتوکَ کی ضمیر سے حال ہے تو وہ (مجبوراً) واپس چلے گئے حال یہ کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے مِن بیانیہ ہے اور انھیں اس بات کا بڑا غم تھا کہ انھیں وہ (وسعت) میسر نہیں کہ جس کو جہاد میں خرچ کریں، البتہ الزام ان لوگوں پر ہے جو مالدار ہیں پھر بھی آپ سے پیچھے رہنے کی درخواست کرتے ہیں، انہوں نے گھر بیٹھنے والیوں میں شامل ہونا پسند کیا ہے، اور اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اسلئے اب یہ کچھ جانتے نہیں ہیں ایسی ہی آیت سابق میں گذر چکی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: اَلْمُعَذِّرُوْنَ (تَعْذیر تفعیل سے) اسم فاعل جمع مذکر، جھوٹا عذر پیش کرنے والے، مفسر علام نے مُعَذِّرُون کی اصل مُعتذرون بتا کر اشارہ کردیا کہ مُعَذِّرُوْنَ باب افتعال سے ہے، اس وقت اس کے معنی ہوں گے حقیقت میں معذور، المعذّرون کو باب افتعال سے قرار دینے کے دو مقصد ہیں اول یہ کہ باب تفعیل متعدی ہوتا ہے حالانکہ یہاں غیر متعدی استعال ہوا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ مُعَذِّرُوْنَ باب افتعال ہی سے ہے اس میں تاء کو ذال سے بدل کر ذال کو ذال میں ادغام کردیا گیا ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔ دوسرے یہ شبہ بھی دفع ہوگیا کہ عَذَّرَ (تفعیل) کے معنی ہیں جھوٹا عذر ظاہر کرنا، حالانکہ آنے والے حقیقت میں معذور تھے اس شبہ کو المعتذرون بمعنی معذورین کا ذکر آگے جملہ "وقَعَدَ الّذین کذبوا" الخ میں آرہا ہے۔

قِوْلَہٗ: الزَمْنی یہ زَمانَه سے ماخوذ ہے اس کے معنی ہیں اپاہج، عاجز۔

قِوْلَہٗ: اِرجَاف، افواہ پھیلانا، فتنہ پردازی کرنا مومنوں میں بری خبر کی اشاعت کرنا۔

قِوْلَہٗ: بعدم الارجاف، نصحوا، کے متعلق ہے۔

قِوْلَہٗ: التثبیط، روکنا، باز رکھنا۔

قِوْلَہٗ: والطاعة، اس کا عطف عدم الارجاف پر ہے نہ کہ ارجاف پر لہٰذا اب معنی درست ہوگئے۔

قِوْلَہٗ: حالٌ یعنی قلتَ لا اجدُ، اَتَوْکَ کے کاف سے تقدیر قد کے ساتھ حال ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ ماضی بغیر قد

کے حال واقع نہیں ہوتا۔

تفسیر وتشریح

وَجَاءَ المعذِّرون من الاعراب الخ، ان معذرین کے بارے میں مفسرین کے درمیان اختلاف ہے بعض کے نزدیک یہ شہر سے دور رہنے والے وہ اعرابی تھے جنہوں نے جھوٹے عذر پیش کرکے اجازت حاصل کی، ان میں دوسری قسم وہ تھی جنہوں نے آپ کی خدمت میں آکر عذر پیش کرنے کی بھی ضرورت نہیں سمجھی، اور بیٹھے رہے، اس طرح آیت میں گویا منافقین کے دو گروہوں کا تذکرہ ہے اور عذابٌ الیم کی وعید میں دونوں شامل ہیں، اور منھم سے بھی دونوں گروہ مراد ہیں، اور دوسرے مفسرین نے مُعَذِّرُونَ سے بادیہ نشین (بدوی) مسلمان مراد لئے ہیں جنہوں نے معقول عذر پیش کرکے اجازت چاہی تھی، اور مُعَذِّرُونَ ان کے نزدیک اصل میں مُعْتَذِرُونَ تھا تاء کو ذال کرکے ذال کو ذال میں مدغم کردیا گیا ہے اور مُعْتَذِرٌ کے معنی ہیں واقعی عذر رکھنے والا، اس اعتبار سے آیت کے اگلے جملے میں منافقین کا تذکرہ ہے اور آیت میں دو گروہوں کا ذکر ہے، پہلے جملے میں ان مسلمانوں کا جن کے پاس واقعی عذر تھے اور دوسرے میں ان منافقین کا جو بغیر عذر پیش کئے بیٹھے رہے اور آیت کے آخری حصہ میں جو وعید ہے وہ اسی دوسرے گروہ کے لئے ہے۔

یہ عذر بیان کرنے والے کون تھے:

مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ وہ کون لوگ تھے جنہوں نے عذر کیا تھا بعضوں نے کہا کہ یہ لوگ قبیلہ بنی اسد اور غطفان کے لوگ تھے انہوں نے یہ عذر کیا تھا کہ ہمارے اہل وعیال ہیں جن کے لئے ہمیں بڑی محنت ومشقت کرنی پڑتی ہے آپ ہمیں گھر ہی پر رہ جانے کی اجازت دیدیں اور بعض مفسرین نے بیان کیا ہے کہ عامر بن طفیل کے قبیلے کے یہ لوگ تھے انہوں نے آپ ﷺ سے آکر یہ بات کہی تھی کہ اگر ہم آپ کے ساتھ چلیں اور شریک غزوہ ہوجائیں تو ہمارے بیوی بچے اور مویشی اکیلے رہ جائیں گے اور قبیلہ بنی طے کے بدو آکر ہمارے پیچھے انہیں برباد کردیں گے اور سب مال لوٹ کرلے جائیں گے، آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا کہ خیر خدا نے میرے لئے تمہاری ضرورت نہیں رکھی ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ قبیلہ غفار کے چند لوگوں نے کہا تھا، صحیح قول یہ ہے کہ اطراف مدینہ میں چند قبیلے رہتے تھے ان میں سے بعضے لوگ جھوٹے عذر بیان کرکے اور بعضے بغیر عذر بیان کئے اپنے گھروں میں بیٹھ رہے تھے اور اس غزوہ میں لشکر اسلام کا ساتھ نہیں دیا۔

شان نزول:

لَيس على الضعفاء ولا على المرضىٰ الخ تفسیر ابن ابی حاتم اور مغازی محمد بن اسحٰق میں زید بن ثابت کی روایت سے ان آیات کا جو شانِ نزول بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ توانا وتندرست اور مالدار لوگ جو بلا کسی معقول عذر کے

شریک غزوہ نہیں ہوئے تھے جب مذکورہ آیات میں ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی خفگی اور وعید ظاہر کی گئی تو ناتواں بوڑھے، بیمار اور ایسے مفلس صحابہ کہ جن کے پاس اتنا سرمایہ نہیں تھا کہ سواری اور زاد راہ کا خرچ برداشت کر سکیں، اور آنحضرت ﷺ کے ہم رکاب ہو سکیں، وہ لوگ بہت ہراساں ہوئے کہ شاید ہم لوگ بھی اس خفگی اور وعید میں داخل ہیں تو ان کی تسکین کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔

صحیح بخاری میں انس بن مالک اور صحیح مسلم میں جابر بن عبداللہ کی روایتیں موجود ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا بہت سے ہمارے ساتھی مدینہ میں ایسے ہیں کہ ہر کام میں گویا ہمارے ساتھ ہیں جو راستہ ہم نے طے کیا ہے انہوں نے بھی گویا وہی راستہ طے کیا ہے اسلئے کہ عذر کے سبب وہ ہمارے ساتھ نہیں آسکے، ایسے معذورین سے اللہ تعالیٰ نے سرزنش اٹھالی ہے، مگر اس کے ساتھ ایک شرط بھی لگادی ہے کہ اس طرح کا معذور آدمی گھر بیٹھے کوئی فساد کی ایسی بات نہ نکالے جس سے معلوم ہو کہ وہ دین کا خیر خواہ نہیں ہے۔

شانِ نزول:

وَلَا عَلَى الَّذِيْنَ إِذَا مَا أَتَوْكَ، صحیح بخاری میں ابوموسیٰ اشعری کی روایت سے اس آیت کا جو شان نزول معلوم ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ابوموسیٰ اشعری اپنے قبیلے کے لوگوں کے ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ سے شرکت جہاد کے لئے سواری کی درخواست کی اس وقت آپ کسی وجہ سے غصہ میں تھے آپ نے سواری دینے سے قسم کھا کر انکار کر دیا اس وجہ سے ابوموسیٰ اشعری اور ان کے ساتھی بچشم گریاں اور بدل بریاں مایوس ہو کر واپس چلے گئے، اتنے میں آپ ﷺ کے پاس مال غنیمت کے کچھ اونٹ آگئے، تو آپ نے ان لوگوں کو واپس بلایا اور چھ اونٹ ان کو عنایت فرمائے، جب یہ لوگ اونٹ لے کر واپس چلے گئے تو ان کو راستہ میں خیال آیا کہ شاید آپ ﷺ کو اپنی قسم یاد نہیں رہی، واپس چل کر آپ کو قسم یاد دلانی چاہئے چنانچہ یہ لوگ واپس آئے اور آپ کو قسم یاد دلائی تو آپ نے فرمایا، جاؤ تمہیں اللہ نے سواری دیدی، میں جب قسم کھاتا ہوں اور جس کام پر وہ قسم ہو اس کام سے بہتر اگر کوئی کام مجھے نظر آئے تو قسم کا کفارہ دیکر میں اس کام کو کر لیتا ہوں۔

(احسن التفاسیر)

بلاغة:

لِتَحْمِلَهُمْ، محاورہ میں اس کے معنی ہیں کہ آپ ان کے لئے سواری کا انتظام کر دیں، **احملنی ای اعطنی ظهرًا اركبُهُ.** (تاج)

اَعْيُنُهم تفيض من الدمع، یہ طرز زیادہ بلیغ ہے **يفيض دمعها** سے اس لئے کہ اس میں آنکھ ہی کو بہتا آنسو بنادیا ہے یہ زید عدلٌ کے قبیل سے ہے۔

اِنَّمَا السَّبِيْلُ عَلَى الَّذِيْنَ يَسْتَأْذِنُوْنَكَ الخ اوپر کی آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو اپاہج، بوڑھے ضعیف، معذور، مریض یا مفلس ہونے کے سبب غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہو سکے تھے، اور ان لوگوں کو معذور قرار دیکر یہ فرمایا تھا کہ یہ لوگ سرزنش کے قابل نہیں، ان آیتوں میں فرمایا کہ اصل سرزنش کے قابل وہ لوگ ہیں جو چنگے کنگے اور دولتمند ہونے کے باوجود اللہ کے رسول کا ساتھ چھوڑ کر گھروں میں بیٹھے رہے۔

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ في التخلف اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ من الغزو قُلْ لهم لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ نُصدقكم قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ اى اخبرنا باحوالكم وَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ ثُمَّ تُرَدُّوْنَ بالبعث اِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اى اللّٰه فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٩٤﴾ فيجازيكُمْ عليه سَيَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ اِذَا انْقَلَبْتُمْ رجَعتُم اِلَيْهِمْ من تبوك انهم معذورون في التخلف لِتُعْرِضُوْا عَنْهُمْ بترك المعاتبة فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمْ اِنَّهُمْ رِجْسٌ قذر لخبث باطنهم وَّمَاْوٰهُمْ جَهَنَّمُ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿٩٥﴾ يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٩٦﴾ اى عنهم ولا ينفع رضاكم مع سخط اللّٰه اَلْاَعْرَابُ اهل البدو اَشَدُّ كُفْرًا وَّنِفَاقًا من اهل المدن لجفائهم وغلظ طباعهم وبُعدهم عن سماع القران وَاَجْدَرُ اَولٰى اَلَّا اى بان يَعْلَمُوْا حُدُوْدَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى رَسُوْلِهٖ من الاحكام والشرائع وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بخلقه حَكِيْمٌ ﴿٩٧﴾ في صُنعه بهم وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يَّتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ في سبيل اللّٰه مَغْرَمًا غرامة وخسرانًا لانّهٗ لا يرجوا ثوابه بل يُنفِق خوفًا وهُم بنوا اسد وغطفان وَّيَتَرَبَّصُ ينتظر بِكُمُ الدَّوَآئِرَ دوائر الزمان ان ينقلب عليكم فيتخلص عَلَيْهِمْ دَآئِرَةُ السَّوْءِ بالضم والفتح اى يدور العذاب والهلاك عليهم لا عليكم وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ لاقوال عباده عَلِيْمٌ ﴿٩٨﴾ بافعالهم وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ كجهينة ومُزينة وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ في سبيله قُرُبٰتٍ تقربه عِنْدَ اللّٰهِ وَ وسيلة الى صَلَوٰتِ دعوات الرَّسُوْلِ لهم اَلَآ اِنَّهَا اى نفقتهم قُرْبَةٌ بضم الراء وسكونها لَّهُمْ عنده سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ جنته اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ لاهل طاعته رَّحِيْمٌ ﴿٩٩﴾ بهم.

تَرْجَمَہ: جب آپ غزوہ سے لوٹ کر ان کے پاس جائیں گے تو وہ پیچھے رہ جانے کے (طرح طرح) کے اعذار پیش کریں گے (مگر) آپ کہہ دینا بہانے نہ کرو، ہم تمہاری بات کا ہرگز اعتبار نہ کریں گے اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات بتا دیئے ہیں، یعنی تمہارے حالات کی خبر دیدی ہے، اب اللہ اور اس کا رسول تمہارے طرز عمل کو دیکھے گا پھر بعث کے بعد تم ایک ذات کی طرف لوٹائے جاؤ گے جو پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے یعنی اللہ کی طرف اور وہ تمہیں بتا دیگا کہ تم کیا کچھ کرتے رہے

ہو جس کی جزاء وہ تم کو دے گا، اب جب تم تبوک سے لوٹ کر ان کے پاس جاؤ گے تو وہ تمہارے سامنے اللہ کی قسمیں کھائیں گے کہ ہم پیچھے رہنے میں وہ معذور تھے تاکہ تم اظہار ناراضگی کو ترک کر کے ان سے صرف نظر کرو تو تم ان سے صرف نظر کر ہی لو (یعنی ان سے ترک تعلق کر لو) وہ لوگ بالکل گندے ہیں یعنی خبث باطن کی وجہ سے وہ نجس ہیں، اور ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ ان کے اعمال کی سزا ہے یہ اس لئے قسم کھائیں گے تاکہ تم ان سے راضی ہو جاؤ اگر تم ان سے راضی ہو بھی جاؤ تو اللہ فاسق لوگوں سے راضی نہیں ہوگا یعنی ان سے تمہاری رضامندی خدائی غضب کی موجودگی میں کوئی فائدہ نہیں دے گی اعرابی (یعنی) بدو کفر و نفاق میں اپنی قساوت قلبی اور اپنی طبیعت کی سختی اور قرآن کے سننے سے دور ہونے کی وجہ سے بہ نسبت شہریوں کے زیادہ سخت ہوتے ہیں، اور یہ بات بہت قرین قیاس ہے کہ وہ ان حدود (احکام) سے واقف نہ ہوں جو اللہ نے اپنے رسول پر نازل کئے ہیں (یعنی) احکام و شرائع سے، اور اللہ اپنی مخلوق سے واقف اور ان کے ساتھ اپنی صنعت کے معاملہ میں باحکمت ہے اور ان بدؤں میں بعض ایسے ہیں کہ جو اللہ کے راستہ میں خرچ کرتے ہیں اس کو جرمانہ اور نقصان سمجھتے ہیں اسلئے کہ وہ اس کے ثواب کی امید نہیں رکھتے بلکہ ڈر کی وجہ سے خرچ کرتے ہیں اور وہ بنو اسد اور غطفان ہیں، اور وہ تمہارے لئے برے وقت کے منتظر رہتے ہیں یعنی گردش ایام کا زمانہ تمہارے اوپر (مصائب کیساتھ) پلٹ پڑے تو وہ (خرچ کرنے سے) چھٹکارا پا جائیں، برا وقت ان ہی پر پڑنے والا ہے (السَّوْءِ) ضمہ اور فتحہ کے ساتھ ہے یعنی عذاب اور ہلاکت ان پر پڑے گی نہ کہ تمہارے اوپر اور اللہ اپنے بندوں کی باتوں کو سننے والا اور ان کے اعمال کو جاننے والا ہے اور بعض بادیہ نشین ایسے بھی ہیں جو اللہ پر اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہیں جیسا کہ جہینہ اور مزینہ اور جو کچھ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں اس کو عند اللہ قرب حاصل ہونے کا ذریعہ اور رسول کی دعاء کا وسیلہ بناتے ہیں، یاد رکھو ان کا یہ خرچ کرنا ان کے لئے اللہ کے نزدیک بے شک موجب رحمت ہے ان کو اللہ ضرور اپنی جنت میں داخل کرے گا، اللہ تعالیٰ اہل طاعت کو بڑا معاف کرنے والا (اور) ان پر رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: یعتذرُوْنَ الیکم اذا رجعتم الیھم یہ جملہ مستانفہ ہے اللہ تعالیٰ نے اس جملہ میں منافقین کے آئندہ حالات کے بارے میں پیشین گوئی فرمائی ہے کہ جب منافقوں سے تمہاری ملاقات ہوگی تو وہ اعذار بارده بیان کریں گے، یہاں قُل کے مخاطب اگر رسول اللہ ﷺ ہی ہیں جیسا کہ ظاہر یہی ہے تو کُمْ ضمیر جمع احتراماً و تعظیماً لائی گئی اور اگر ضمیر کُمْ سے اصحاب رسول مراد ہوں تو خطاب میں آپ کی تخصیص سربراہ ہونے کی حیثیت سے ہوگی۔

قَوْلُہٗ: نصدقکم، سے اشارہ کر دیا کہ لکم میں لام زائدہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ورسولہ اس کا عطف لفظ اللہ پر ہے اور درمیان میں رؤیت کے مفعول کو یہ ظاہر کرنے کے لئے لائے کہ اجر و ثواب زجر و عقاب کا تعلق رؤیت حق تعالیٰ سے ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْاَعْرَاب، یہ اسم جمع بصورت جمع ہے یہ عرب کی جمع نہیں ہے اسلئے کہ عرب عربی بولنے والے کو کہتے ہیں خواہ دیہاتی ہو یا شہری، اور اَعراب، أعرابی کی جمع ہے دیہاتی کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: جفاءٌ، قساوت قلبی، ظلم وستم۔

قَوْلُہٗ: الدوائر، دائرۃ کی جمع ہے بمعنی بلا، مصیبت، دوائر الزمان، حوادث زمانہ، مصائب۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

اوپر کی آیات میں ان لوگوں کا ذکر تھا جو درحقیقت معذور تھے یا مفلس اور نادار ہونے کی وجہ سے شریک غزوہ نہیں ہو سکے تھے، ان لوگوں کو معذور قرار دیکر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ قابل سرزنش نہیں ہیں، ان آیتوں میں فرمایا کہ اصل سرزنش کے لائق وہ لوگ ہیں جو باوجود دولتمند اور تندرست وتوانا ہونے کے اللہ کے رسول کو چھوڑ کر بیٹھ رہے۔

متخلفین کی تین قسمیں:

آئندہ آیات میں متخلفین کا ذکر کرتے ہوئے ان کی تین قسمیں بیان فرمائی ہیں، ایک ان میں سے وہ ہیں جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے جھوٹے عذر کئے، ان کے بارے میں فرمایا کہ اللہ ان سے راضی نہیں اور اللہ نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے، دوسرے وہ کہ جنہوں نے اپنے قصور کا اعتراف کرتے ہوئے خود کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ لیا تھا، جن کی توبہ جلدی ہی قبول ہوگئی تیسرے وہ لوگ تھے جنہوں نے آنحضرت کے مدینہ واپس تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ کے روبرو اپنے قصور کا سچا اقرار کیا اور کوئی جھوٹا عذر نہیں تراشا، ان کی توبہ پونے دو ماہ بعد قبول ہوئی، ان آیات میں پہلی قسم کے لوگوں کا ذکر ہے باقی دونوں قسموں کا ذکر آئندہ آئیگا۔

آگے یہ بیان فرمایا کہ اے ہمارے رسول! جب تم غزوہ سے فارغ ہو کر مدینہ جاؤ گے تو یہ تمہارے سامنے مختلف قسم کے جھوٹے عذر بیان کریں گے تو آپ ان لوگوں کو یہ جواب دینا کہ اللہ تعالیٰ نے بذریعہ وحی ہم کو تمہارے حالات کی خبر دیدی ہے اسلئے اب ہم تمہارے عذروں کی تصدیق نہیں کر سکتے، البتہ تمہاری آئندہ کی حالت پر اللہ اور اس کے رسول کی نظر رہے گی کہ آئندہ تم اسلام کے ساتھ کیسا معاملہ کرتے ہو؟ جیسا معاملہ تم اسلام کے ساتھ کرو گے قیامت میں اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ویسا ہی معاملہ فرمائیں گے۔

آگے فرمایا تمہاری واپسی کے وقت قسمیں کھا کھا کر عذر بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ تم ان کو سرزنش نہ کرو، ان لوگوں کے قلوب بداعتقادی اور نفاق کے سبب ایسے نجس ہو چکے ہیں کہ اب کوئی نصیحت ان کو پاک نہیں کر سکتی، لہٰذا تم ان کو ان کے

حال پر چھوڑ دو اور اگر بالفرض وہ تم کو اپنی جھوٹی قسموں کے ذریعہ راضی کر بھی لیں تو اللہ ان سے راضی ہونے والا نہیں ہے اس لئے کہ اللہ کو ان کے حالات کا علم ہے اور اللہ کے علم ازلی میں دوزخی قرار دیئے جا چکے ہیں، لہٰذا تمہاری رضامندی ان کے کچھ کام آنے والی نہیں ہے۔

اَلاعراب اَشد کفرًا و نفاقًا، تحقیق وترکیب کے زیر عنوان جیسا کہ سابق میں بیان کیا جا چکا ہے کہ یہاں اعراب سے مراد دیہاتی وصحرائی عرب ہیں، جو مدینہ کے اطراف میں رہتے تھے، یہ لوگ، مدینہ میں ایک مضبوط اور منظم طاقت کو اٹھتے دیکھکر اول تو مرعوب ہوئے، پھر اسلام اور کفر کی آمیزش کے ذریعہ ایک مدت تک موقع شناسی اور ابن الوقتی کی روش پر چلتے رہے پھر جب اسلامی حکومت کا اقتدار حجاز و نجد کے ایک بڑے حصے پر قائم ہو گیا، اور مخالفوں کا زور اس کے مقابلہ میں ٹوٹنے لگا تو ان لوگوں نے مصلحتِ وقت اسی میں دیکھی کہ دائرۂ اسلام میں داخل ہو جائیں، بہت کم لوگ ایسے تھے جو اسلام کو دین حق سمجھ کر اسلام میں داخل ہوئے ہوں اور مخلصانہ طور پر اسلام کے تقاضوں کو پورا کرنے پر آمادہ ہوں، ان کے ایمان اور اسلام کی حیثیت محض ایک مصلحت اور پالیسی کی تھی، ان کی خواہش یہ بھی تھی کہ ان کے حصہ میں وہ فوائد آ جائیں جو برسرِ اقتدار جماعت کی رکنیت اختیار کرنے سے حاصل ہوا کرتے ہیں انھیں جو کچھ بھی دلچسپی تھی وہ اپنے معاشی مفاد، اپنی آسائش، اپنی زمینوں، اپنی اونٹ بکریوں اور اپنے خیموں کی آس پاس کی محدود دنیا سے تھی۔

ان کی اسی حالت کو یہاں اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ شہریوں کی بہ نسبت یہ دیہاتی اور صحرائی لوگ زیادہ شدید منافقانہ رویہ رکھتے ہیں، پھر اسکی وجہ بھی بتادی کہ شہری لوگ تو اہل علم اور اہل حق کی صحبت سے مستفید ہو کر کچھ دین کو اور اس کے حدود واحکام کو جان بھی لیتے ہیں مگر یہ بدو چونکہ اپنی ساری زندگی معاشی فکر میں ایک حیوان کی طرح زندگی کی ضروریات سے بلند تر کسی چیز کی طرف توجہ نہیں کر سکتے، اس لئے دینی حدود واحکام سے ناواقف رہتے ہیں۔

ان آیات کے نزول کے تقریباً دو سال بعد حضرت ابوبکر کی خلافت کے ابتدائی دور میں ارتداد اور منع زکوٰۃ کا جو طوفان برپا ہوا تھا اس کے اسباب کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا جس کا ذکر سابق میں ہوا۔

وَمِنَ الاعراب مَنْ یتخذ ماینفق مغرمًا اس آیت میں بدوؤں اور صحرانشینوں کی دوسری قسم کا بیان ہے یہ ایسے لوگ ہیں کہ راہ خدا میں خرچ تو کرتے ہیں مگر ناخوشی اور تنگدلی سے کرتے ہیں ان کو ہمہ وقت یہ خیال لگا رہتا ہے کہ زمانہ ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتا ممکن ہے کہ گردش زمانہ سے مشرکین غالب آ جائیں یا اور کوئی حادثہ پیش آ جائے اور برے دن دیکھنے پڑیں اسلئے احتیاط ضروری ہے، دراصل اس آیت میں بنو اسد اور غطفان کی طرف اشارہ ہے کیونکہ یہ لوگ خرچ تو کرتے تھے مگر ان کے دلوں میں وہ خدشہ لگا رہتا تھا جس کا ذکر اوپر ہوا، یعنی ان سے جو زکوٰۃ وغیرہ وصول کی جاتی ہے اسے تاوان اور جرمانہ سمجھتے ہیں۔

وَمِنَ الْاَعراب من یؤمن باللّٰہ والیوم الآخر الخ یہ صحرائی اور بادیہ نشینوں کی تیسری قسم کا ذکر ہے جو اللہ پر اور روز قیامت پر سچے دل سے ایمان لا چکے ہیں اور خدا کی راہ میں اس امید پر خرچ کر رہے ہیں کہ خدا کا قرب اور آپ کی دعاء

حاصل ہو کیونکہ آپ ﷺ راہ خدا میں خرچ کرنے والوں کیلئے دعاء فرمایا کرتے تھے۔

عبدالرحمن بن مغفل فرماتے ہیں کہ ہم مقرن کے دس بیٹے تھے، یہ آیت ہماری شان میں نازل ہوئی ہے، مجاہد رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے بھی آیت کا یہی شان نزول بیان کیا ہے، عبدالرحمن بن مغفل ثقہ تابعی ہیں بعض علماء نے ان کو صحابہ میں شمار کیا ہے مگر یہ درست نہیں ہے کلبی کا قول ہے کہ اسلم، غفار، جہینہ، مزینہ کے لوگ اسی امید پر خرچ کرتے تھے کہ ان کو خدا کا تقرب حاصل ہو اور آپ ﷺ ان کے لئے دعاء خیر فرمائیں، مقرن قبیلۂ مزینہ سے تعلق رکھتے ہیں لہٰذا کلبی اور مجاہد کے قول میں کوئی تعارض نہیں۔

صحیح بخاری و مسلم میں ابوہریرہ کی روایت ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی نیک کمائی میں سے معمولی چیز بھی راہ خدا میں صدقہ و خیرات کرے تو اللہ اس کو اپنے دست راست میں لیتا ہے اور اس کے اجر کو احد پہاڑ کے برابر کر دیتا ہے اگر چہ اللہ تعالیٰ کے دونوں ہی ہاتھ سیدھے ہیں لیکن نیک کمائی کے صدقہ و خیرات کی شان بڑھانے کیلئے سیدھے، ہاتھ کا لفظ حدیث میں فرمایا۔

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ وہم مَنْ شہد بدرًا أوجمیعُ الصحابۃِ **وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ** الی یوم القیمۃِ **بِاِحْسَانٍ** فی العمل **رَّضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ** بطاعتِه **وَرَضُوْا عَنْهُ** بثوابه **وَاَعَدَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ تَحْتَهَا الْاَنْهٰرُ** وفی قراءۃٍ بزیادۃِ مِنْ **خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَمِمَّنْ حَوْلَكُمْ** یا اہلَ المدینۃ **مِّنَ الْاَعْرَابِ مُنٰفِقُوْنَ ۚ** کاسلمَ واشجعَ وغفار **وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ ۫** منافقون ایضًا **مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ** لجُوْا فیه واستمَرُّوا **لَا تَعْلَمُهُمْ** خطابٌ للنبیِّ صلی اللہ علیه وسلم **نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ ۭ سَنُعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ** بالفضیحۃِ اوالقتل فی الدُّنیا وعذابِ القبر **ثُمَّ يُرَدُّوْنَ** فی الأخرۃِ **اِلٰى عَذَابٍ عَظِيْمٍ ۝** ہو النارُ **وَ** قوم **اٰخَرُوْنَ** مبتدأ **اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ** مِن التخلف نعتُهٗ والخبرُ **خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا** وہو جہادُہم قبلَ ذٰلك اواعترافُهم بذُنوبهم او غیرُ ذٰلك **وَّاٰخَرَ سَيِّئًا ۭ** وہو تخلُّفُہم **عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝** نزلت فی اَبِی لُبابۃ وجماعۃٍ اَوْثَقُوْا اَنْفُسَہم فِی سواری المسجد لَمّا بلغهم ما نزل فی المتخلّفین وحلَفُوْا انْ لا یَحُلُّهم الا النبیُّ صلی اللہ علیه وسلم فحلَّہم لَمَّا نزلتْ **خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً تُطَهِّرُهُمْ وَتُزَكِّيْهِمْ بِهَا** مِنْ ذنوبہم فاخذ ثُلُثَ اموالِہم وتصدَّقَ بہا **وَصَلِّ عَلَيْهِمْ ۭ** ادعُ لَہم **اِنَّ صَلٰوتَكَ سَكَنٌ** رحمۃٌ **لَّهُمْ ۭ** وقیل طمانینۃٌ بقبول توبتہم **وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ۝ اَلَمْ يَعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ يَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَيَاْخُذُ** یقبل **الصَّدَقٰتِ وَاَنَّ اللّٰهَ هُوَ التَّوَّابُ** علی عبادِه بقبولِ توبتِہم **الرَّحِيْمُ ۝** بہم والاستفہامُ للتقریر والقصدُ به تہییجُہم الی التوبۃ والصدقۃِ **وَقُلِ** لہم اوللناسِ **اعْمَلُوْا** ما شِئْتُم **فَسَيَرَى اللّٰهُ عَمَلَكُمْ وَرَسُوْلُهٗ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ وَسَتُرَدُّوْنَ**

بالبعث إِلٰى عٰلِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ اى اللّٰهِ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۵﴾ فيجازيكُم به وَاٰخَرُوْنَ من المتخلفين مُرْجَوْنَ بالهمزة وتركه مؤخَّرُوْنَ عن التوبةِ لِاَمْرِ اللّٰهِ فيهم بما يَشاءُ إِمَّا يُعَذِّبُهُمْ بان يُميتَهم بلا توبةٍ وَإِمَّا يَتُوْبُ عَلَيْهِمْ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بخلقِه حَكِيْمٌ ﴿۱۰۶﴾ فى صُنعِه بهم وهم الثلاثة الاٰتُون بعدُ مرارةُ بنُ الربيع وكعبُ بنُ مالكٍ وهلالُ بنُ اُمَيّةَ تخلّفُوا كسلاً وميلاً الى الدعةِ لانفاقًا ولم يعتذرُوْا الى النبى صلى الله عليه وسلم كغيرهم فوقفَ امرهم خمسينَ ليلةً وهَجَرَهُمُ النّاسُ حتى نزلتْ توبتُهم بعدُ وَ منهم الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا وهم اثنا عشرَ من المنافقينَ ضِرَارًا مضارة لاهلِ مسجدِ قباءٍ وَّكُفْرًا لانهم بَنَوْهُ بامرِ اَبِى عامرٍ الراهبِ ليكونَ معقلاً لَهُ يَقدمُ فيه مَنْ ياتِى من عنده وكان ذهبَ لِياتِىَ بجنودٍ من قيصرَ لقتالِ النبىّ صلى الله عليه وسلم وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ الذين يُصَلُّوْنَ بقباءٍ بصلوةِ بعضِهِمْ فى مسجدهم وَإِرْصَادًا ترقبا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ اى قبل بنائه وهو اَبو عامرٍ المذكورُ وَلَيَحْلِفُنَّ إِنْ ما اَرَدْنَا ببنائه إِلَّا الفعلةَ الْحُسْنٰى من الرفقِ بالمسكينِ فى المطرِ والحرِّ والتوسعةِ على المسلمينَ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ إِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۱۰۷﴾ فى ذلكَ وكانوا سألُوا النبى صلى الله عليه وسلم اَنْ يُصَلِّيَ فيه فَنَزَلَ لَا تَقُمْ تصلّ فِيْهِ اَبَدًا فارسلَ جماعةً بدمُوْهُ وحرّقوه وجعلُوا مكانهُ كُناسةً تُلقى فيها الجيفُ لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ بُنِيَتْ قواعِدُهٗ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ وضعَ يومَ حللتَ بدارِ الهجرة وهو مسجدُ قباءٍ كما فى البخارى اَحَقُّ منه اَنْ اى بأنْ تَقُوْمَ تصلّىَ فِيْهِ فِيْهِ رِجَالٌ هم الانصارُ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ اى يُثيبُهم وفيه ادغامُ التاءِ فى الاصلِ فى الطاءِ روى ابنُ خزيمةَ فى صحيحه عن عويمربن ساعدةَ انه صلى الله عليه وسلم اَتاهُمْ فى مسجدِ قُباءٍ فقالَ اِنَّ اللّٰهَ تعالى قد احسنَ عليكُمُ الثناءَ فى الطهورِ فى قصةِ مسجدِكم فما هذا الطهورُ الذى تَطَهَّرُوْنَ به فقالُوْا وَاللّٰهِ يا رسولَ اللّٰهِ ما نعلمهُ شيئاً اِلّا اَنَّهُ كانَ لنا جيرانٌ من اليهودِ فكانوا يغسِلُوْنَ أدبارهم من الغائطِ فغسَلْنَا كما غسَلُوا وفى حديثٍ رواه البزارُ فقالُوا كُنّا نتبعُ الحجارةَ بالماءِ فقال هُوَ ذالكَ فَعلَيكُمُوْهُ اَفَمَنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى تَقْوٰى مِنَ اللّٰهِ وَ رجاءِ رِضْوَانٍ منه خَيْرٌ اَمْ مَّنْ اَسَّسَ بُنْيَانَهٗ عَلٰى شَفَا طرفِ جُرُفٍ بضمِّ الراءِ وسكونها جانبِ هَارٍ مُشرفٍ على السقوطِ فَانْهَارَ بِهٖ سقط مع بانيه فِىْ نَارِ جَهَنَّمَ خيرٌ تمثيلٌ للبناءِ على ضدّ التقوى بما يؤُلُ اليه والاستفهامُ للتقريرِ اَىِ الاولُ خيرٌ وَهُوَ مثالُ مسجد قباءٍ والثانى مثالُ مسجد الضرار وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۰۹﴾ لَا يَزَالُ بُنْيَانُهُمُ الَّذِىْ بَنَوْا رِيْبَةً شكا فِىْ قُلُوْبِهِمْ اِلَّا اَنْ تَقَطَّعَ تنفصلَ قُلُوْبُهُمْ بان يموتُوْا وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ بخلقِه حَكِيْمٌ ﴿۱۱۰﴾ فى صنعِه بهم.

ترجمہ: وہ مہاجر وانصار جنہوں نے (دعوت ایمان کی طرف) سب سے پہلے (لبیک) کہنے میں سبقت کی اور وہ، وہ

لوگ ہیں جو غزوۂ بدر میں شریک ہوئے یا جمیع صحابہ مراد ہیں نیز وہ لوگ جو عمل میں راستبازی کے ساتھ تا قیامت ان کے نقش قدم پر چلیں گے، اللہ ان کی طاعت سے راضی ہوا اور وہ اللہ کے اجر سے راضی ہوئے، اللہ نے ان کے لئے ایسے باغات مہیا کر رکھے ہیں جن میں نہریں جاری ہوں گی، اور ایک قراءت میں مِنْ کی زیادتی کے ساتھ ہے، اور وہ ان میں ہمیشہ رہیں گے یہی عظیم الشان کامیابی ہے، اے اہل مدینہ تمہارے گردو پیش جو بدو رہتے ہیں ان میں (بہت سے) منافق ہیں جیسا کہ اسلم اور اشجع، اور غفار، اور مدینہ کے باشندوں میں بھی منافق موجود ہیں، جو نفاق میں مشاق اور طاق ہیں تم انھیں نہیں جانتے یہ نبی ﷺ کو خطاب ہے ہم ان کو جانتے ہیں ہم عنقریب ان کو رسوائی یا قتل کا دنیا میں اور عذاب قبر کا دوہرا عذاب دیں گے پھر وہ بڑی سزا کے لئے آخرت میں لائے جائیں گے وہ آگ ہے، اور کچھ لوگ دوسرے بھی ہیں جنہوں نے پیچھے رہ جانے کے قصور کا اعتراف کرلیا ہے (آخرون) مبتداء ہے (اعترفوا بذنوبھم) صفت ہے (خلطوا عَمَلًا صالحًا) خبر ہے، ان کا عمل مخلوط ہے کچھ نیک ہے اور وہ (عمل نیک) اس سے پہلے ان کا جہاد میں شریک ہونا ہے اور اپنے قصور کا اعتراف وغیرہ ہے اور کچھ بد اور وہ انکا (جہاد سے) پیچھے رہ جانا ہے، اللہ سے امید ہے کہ ان کی توبہ قبول فرمائیگا، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والا اور بڑی رحمت والا ہے، (یہ آیت) ابولبابہ اور ایک جماعت کے بارے میں نازل ہوئی جنہوں نے خود کو مسجد (نبوی) کے ستونوں سے باندھ لیا تھا جب ان کو اس کی اطلاع ہوئی کہ یہ آیت پیچھے رہ جانے والوں کے بارے میں نازل ہوئی، اور انہوں نے قسم کھائی کہ ان کو سوائے نبی ﷺ کے کوئی اور نہ کھولے، چنانچہ جب آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے انکو کھولا، اور جب (خُذْ مِن اموالھم الآیۃ) نازل ہوئی، کہ آپ ان کے مالوں سے صدقہ لے لیجئے آپ اس کے ذریعہ ان کو ان کے گناہوں سے پاک صاف کردیں گے چنانچہ آپ ﷺ نے ان کے اموال میں سے ایک تہائی لے لیا اور اس کو صدقہ کردیا، اور آپ ان کے لئے دعا کیجئے، یقیناً آپ کی دعاء ان کے لئے (باعث) تسکین ہے (یعنی) باعث رحمت ہے، اور ان کی توبہ کی قبولیت کے لئے اطمینان ہے اللہ خوب سننے والا ہے خوب جاننے والا ہے کیا یہ نہیں جانتے کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے اور صدقات کو قبول کرتا ہے؟ اور بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرکے ان پر بڑا رحم کرنے والا ہے، اور استفہام تقریر کے لئے اور اس سے مقصد ان کو توبہ اور صدقات پر آمادہ کرنا ہے اے نبی! تم ان (منافقوں) سے یا عام لوگوں سے کہو کہ تم جو چاہو عمل کرو اللہ اور اس کا رسول اور مومنین سب دیکھیں گے کہ طرز عمل اب تمہارا کیا رہتا ہے؟ اور بعث کے ذریعہ تم عالم الغیب والشہادہ یعنی اللہ کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تم کو بتادے گا کہ تم کیا کرتے رہے ہو، اور وہ تمہارے عمل کی جزاء دے گا، اور متخلفین میں سے کچھ لوگ اور بھی ہیں جن کا معاملہ خدا کا حکم آنے تک ملتوی ہے ان کے بارے میں وہ جو چاہے حکم دے (مُرْجَئون) ہمزہ اور ترک ہمزہ دونوں طرح ہے یعنی ان کی توبہ مؤخر کردی گئی ہے یا تو بغیر توبہ کے موت دیکر ان کو عذاب دے گا یا ان کی توبہ قبول کرے گا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کے بارے میں خوب جاننے والا ہے اور ان کے ساتھ معاملہ کرنے کے بارے میں باحکمت ہے اور وہ تین ہیں جن کا ذکر آئندہ آتا ہے مرارہ بن ربیع اور کعب بن مالک، اور ہلال بن امیہ (یہ تینوں حضرات) سستی اور راحت پسندی کی وجہ سے پیچھے

رہ گئے تھے نہ کہ نفاق کی وجہ سے، اور نہ دوسروں کے مانند انہوں نے نبی ﷺ کے سامنے (جھوٹے) عذر پیش کئے جس کی وجہ سے ان کا معاملہ پچاس راتوں تک معلق رہا، اور لوگوں نے بھی ان سے قطع تعلق کرلیا (بائیکاٹ کردیا) یہاں تک کہ بعد میں ان کی توبہ کی (قبولیت) نازل ہوئی اور ان میں کچھ لوگ اور ہیں وہ بارہ منافقین ہیں جنہوں نے اہل مسجد قباء کو نقصان پہنچانے اور کفر کرنے کے لئے ایک مسجد بنائی، اسلئے کہ منافقوں نے وہ مسجد ابو عامر راہب کے کہنے سے بنائی تھی تاکہ اس کے لئے جائے پناہ ہو اور اس کی طرف آنے والا اس میں قیام کرے اور وہ نبی ﷺ سے لڑنے کے لئے قیصر روم کا لشکر لانے کے لئے چلا گیا تھا، اور مومنوں کے درمیان تفرقہ پیدا کرنے کیلئے کہ جو ان میں سے مسجد قباء میں نماز پڑھتے ہیں اپنی کچھ نمازیں ان کی مسجد (ضرار) میں پڑھیں (اسطرح مومنین کی جمعیت منتشر ہوجائے) اور اس شخص کے قیام کا سامان کریں جو اس مسجد کے بنانے سے پہلے اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ برسر پیکار رہا ہے اور یہ شخص وہی ابو عامر مذکور ہے اور وہ ضرور قسم کھا کر کہیں گے کہ ہمارا مقصد تو صرف بھلائی ہے کہ وہ مسکین کے ساتھ بارش اور گرمی میں سہولت کرنا ہے اور مسلمانوں پر وسعت کرنا ہے، مگر اللہ گواہ ہے کہ وہ اس معاملہ میں قطعی جھوٹے ہیں اور ان لوگوں نے نبی ﷺ سے درخواست کی تھی کہ آپ اس مسجد میں نماز پڑھ دیں، تو یہ آیت نازل ہوئی، آپ اس میں ہرگز نماز نہ پڑھیں، چنانچہ آپ نے کچھ لوگوں کو بھیجا جنہوں نے اس کو منہدم کردیا اور نذر آتش کردیا اور اس جگہ کو کوڑی بنادی تاکہ اس میں مردار ڈالے جائیں جو مسجد اول روز سے تقوے پر بنائی گئی ہے اس روز اس کی بنیاد رکھی گئی جس روز آپ ﷺ دار ہجرت میں نزول فرما ہوئے، وہ مسجد قباء ہے جیسا کہ بخاری شریف میں ہے وہ اس کے لئے زیادہ مناسب ہے کہ آپ اس میں نماز پڑھیں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک رہنے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ کو پاکیزگی اختیار کرنے والے ہی پسند ہیں یعنی ان کو اجر عطا کرے گا، اور اس میں تاء کا طاء میں ادغام ہے اصل میں، ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں عویمر بن ساعدہ سے روایت کیا ہے کہ آپ ﷺ (انصار) کے پاس مسجد قباء میں تشریف لائے اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مسجد کے قصہ میں تم لوگوں کی طہارت کی تعریف فرمائی ہے تو بتاؤ وہ طہارت کیا ہے، جس کو تم اختیار کرتے ہو؟ تو انہوں نے عرض کیا واللہ یا رسول اللہ ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے (نہیں کرتے) کہ ہمارے پڑوسی کچھ یہود تھے کہ وہ پانی سے استنجا کیا کرتے تھے تو ہم بھی ان کی طرح کرنے لگے اور ایک حدیث میں جس کو بزار نے روایت کیا ہے (انصار) نے کہا کہ ہم پتھر وغیرہ سے استنجا کرنے کے بعد پانی سے استنجا کرتے ہیں، آپ نے فرمایا وہ بات یہی ہے، تم اس کو لازم پکڑے رہو، پھر تمہارا کیا خیال ہے کہ بہتر انسان وہ ہے کہ جس نے اپنی بنیاد خوف خدا اور اس کی رضامندی کی امید پر رکھی یا وہ کہ جس نے اپنی بنیاد ندی کے ایسے کھوکھلے کنارہ پر رکھی جو گرنے ہی والا ہے (جُـــرُف) راء کے ضمہ اور سکون کے ساتھ ہے بمعنی کنارہ، تو وہ کنارہ اپنے بانی کو لیکر نار جہنم میں گر پڑا یہ تقوے پر بناء کی تمثیل ہے اپنے انجام کے اعتبار سے اور استفہام تقریر کے لئے ہے یعنی پہلا شخص بہتر ہے، اور وہ مسجد قباء کی مثال ہے اور دوسری مثال مسجد ضرار کی ہے اور اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا ہمیشہ ان کی یہ عمارت جو انہوں نے بنائی ہے ان کے دلوں میں کھٹکتی رہے گی (شبہ پیدا کرتی رہے گی) سوائے اس کے کہ ان کے قلوب ہی پارہ پارہ ہوجائیں بایں طور کہ وہ مرجائیں،

اللہ اپنی مخلوق کے حالات سے بخوبی واقف اور ان کے معاملات میں حکمت والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: والسَّابِقُونَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ (الآية) اس جملہ کی ترکیب جوراجح اور ظاہر ہے وہ یہ ہے، السَّابقون موصوف الاولون صفت دونوں مل کر مبتداء من المهاجرين والانصار حال، والذين معطوف السَّابقون پر، اتبعوهم، الذين کا صلہ اور باحسان محذوف سے متعلق ہو کر حال، رضی اللّٰه عنهم ورضوا عنه، جملہ ہو کر السَّابقونَ مبتداء کی خبر۔ اس کے علاوہ بعض حضرات نے دو ترکیبیں اور کی ہیں مگر صاحب اعراب القرآن نے ان کو ضعیف بلکہ غلط کہا ہے۔

پہلی: السابقون مبتداء اور اَلْاَوَّلونَ اس کی خبر۔

دوسری: السابقون مبتداء اور من المهاجرين والانصار اس کی خبر۔

قَوْلُہٗ: مَنْ شَهِدَ بَدْرًا اَوْ جميع الصحابة، اس عبارت میں سابقین اولین میں دو قولوں کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وفي قراءة بزيادة مِنْ اى تجرى مِنْ تحتها الانهرُ.

قَوْلُہٗ: مَرَدوا ماضی جمع مذکر غائب ای تمرّنوا عَلَيه، وہ مشاق ہو گئے، ہر خیر سے خالی ہو گئے، اسی سے الشيطان المارد ہے، یعنی برائی پر ڈٹ گیا۔

قَوْلُہٗ: قوم لفظ قوم مقدر مان کر اس سوال کا جواب دیا ہے کہ مبتداء کے لئے ذات ہونا ضروری ہے حالانکہ آخَرُوْنَ ذات نہیں بلکہ وصف ہے قوم محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ الآخرون صفت ہے اور اس کا موصوف جو کہ مبتداء ہے قوم محذوف ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: نعته یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ قومٌ آخرون نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے اس کا جواب دیا کہ اعترفوا بذنوبهمْ، قومٌ کی صفت ہے جس کی وجہ سے قوم نکرہ نہیں رہا لہٰذا مبتداء واقع ہونا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: سواری یہ سَارِية کی جمع ہے ستون کو کہتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: صدقة تطهرهم، تُطَهِّرُهم، صَدَقَةٌ کی صفت ہے تُطَهِّر کی ضمیر صدقة کی طرف راجع ہے تطهّر مضارع واحد مؤنث غائب کا صیغہ ہے اور اگر تطهر حاضر کا صیغہ ہو اور مخاطب آپ ﷺ ہوں تو بها کا تعلق تُطَهِّرْ اور تُزَكِّيهِمْ دونوں سے ہوگا، ای تُطَهِّرهم بها وتزكيهم بها.

قَوْلُہٗ: مرجئُونَ اس میں دوسری قراءت بغیر ہمزہ کے ہے، ای مُرْجَوْنَ ای مؤخرون وموقوفون، مُرْجَوْن اِرْجاء سے اسم مفعول جمع مذکر غائب، وہ لوگ جن کا معاملہ ٹال دیا گیا ہو، یا معلق کر دیا گیا ہو۔

قَوْلُہٗ: ابی عامر یہ حضرت حنظلہ رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ غسیل ملائکہ کے والد ہیں انہوں نے عیسائی مذہب اختیار کر لیا تھا، جب آپ ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس نے آپ ﷺ کے ساتھ مناظرہ کیا تھا۔

قَوْلُہٗ: مَعْقِلاً، ٹھکانہ، جائے پناہ۔

قَوْلُہٗ: الفعلة اس میں اشارہ ہے کہ الحسنٰی صفت ہے اور اس کا موصوف الفعلة یا الخصلة وغیرہ محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: بالمسكين، بعض نسخوں میں بالمسكين کے بجائے بالمسلمين ہے جو کہ زیادہ مناسب ہے۔

قَوْلُہٗ: شفا، طرف، کنارہ۔

قَوْلُہٗ: جُرُفٍ، کنویں کا کچا کنارہ، ندی وغیرہ کا کنارہ جس کو پانی نے خالی کر دیا ہو۔

قَوْلُہٗ: هارٍ، اسم فاعل۔ گرنے کے قریب، مادہ هَوْرٌ، هارٍ کی اصل هَاوِرٌ یا هَائِرٌ تھی هاوِرٌ کے واؤ کو یا هائِرٌ کے ہمزہ کو قلب مکانی کر کے راء کے بعد کر دیا هاوِرٌ یا هائِرٌ ہو گیا پھر واؤ اور ہمزہ کو یاء سے بدل کر هَاوِیٌ کر دیا حالت جر کی وجہ سے یاء ساقط ہو گئی، بعض حضرات نے کہا ہے کہ هَاوِرٌ کے واؤ اور هائر کے ہمزہ کو بغیر قلب مکانی کے تخفیفاً حذف کر دیا۔

قَوْلُہٗ: مع بانيه اس میں اشارہ ہے کہ بِہٖ میں باء بمعنی مع ہے نہ کہ سببیہ۔

قَوْلُہٗ: خيرٌ، یہ مَنْ کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: تمثيل للبناء بما يؤل اليه، اليه کا مرجع سقوط ہے، یہ اس بناء کی تمثیل ہے جو تقوے کی ضد پر بنائی گئی ہو، یعنی مشبہ بہ وہ عمارت ہے جو ایسی جگہ بنائی گئی ہو کہ جو گرنے اور دھسنے کے قریب ہو اور مشبہ دینی احکام واعمال کو کفر ونفاق پر مرتب کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: ريبة اى سبب رِيْبَةٍ.

تفسیر وتشریح

وَالسَّابِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ (الآیة) سابق میں بدوی عربوں کا ذکر تھا یہاں شہری عربوں کا ذکر ہے اس میں اختلاف ہے کہ سابقین سے کون لوگ مراد ہے، عبداللہ بن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے شاگردوں میں سے جہاں مجاہد کا قول نہ ہو تو سعید بن مسیّب کے قول کے مطابق رفع اختلاف کیا جاتا ہے، سعید بن مسیّب کے قول کے مطابق سابقین میں مہاجرین وانصار میں سے وہ صحابہ ہیں جو بیت المقدس اور بیت اللہ دونوں قبلوں کی طرف آپ ﷺ کے ساتھ نماز میں شریک تھے۔

عطاء بن ابی رباح کے قول کے مطابق وہ صحابہ سابقین الاولین میں داخل ہیں جو غزوۂ بدر سے پہلے ایمان لائے اور غزوۂ بدر میں شریک ہوئے، دونوں قبلوں کی طرف نماز اور غزوۂ بدر چونکہ ایک ہی سال ۲ھ کے واقعے ہیں اسلئے سعید بن مسیّب اور عطاء بن ابی رباح کے قول میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا، لیکن سعید بن مسیّب عطاء بن ابی رباح سے زیادہ ثقہ ہیں اس لئے اس تفسیر میں ان ہی کا قول راجح ہو گا، مطلب یہ ہے کہ اس قول کی بناء پر وَالَّذِيْنَ اتبعوهم باحسان سے دونوں صورتوں میں باقی صحابہ مراد ہوں گے، خلاصۂ کلام یہ ہے کہ اگرچہ صحابہ کے آپس میں درجات مختلف ہیں مگر اللہ تعالیٰ تمام صحابہ سے اور تمام صحابہ اللہ سے راضی اور خوش ہیں، اور ان کے لئے جنت کا وعدہ ہے اور خدا کا وعدہ سچ ہے لہٰذا یہ لوگ قطعی جنتی ہیں، جس کے دل میں ان کی

طرف سے بغض ہو یا ان میں سے کسی کو برا سمجھے اس کا ایمان باقی نہیں رہا، اس تفسیر کے مطابق اس آیت میں صرف صحابہ کا ذکر ہے، صحیح بخاری میں ابو سعید خدری کی روایت ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ''میرے صحابہ کے حق میں کوئی شخص کسی طرح کی کوئی بری بات منہ سے نہ نکالے میرے صحابہ کا بڑا درجہ ہے ان کا تھوڑا عمل دوسروں کے زیادہ عمل سے بہتر ہے''۔

صحابہ مقتدایانِ امت ہیں:

محققین اہل سنت نے یہیں سے یہ نکتہ اخذ کیا ہے کہ اصحاب نبی مقتدایانِ امت ہیں، مشاجرات صحابہ کی جو روایتیں ہم تک پہنچی ہیں ان کی وجہ سے ہمارے لئے یہ روا نہیں کہ ہم ایک کی اتباع کے زور میں دوسرے کی عیب جوئی اور نکتہ چینی کرنے لگیں، امیر المومنین حضرت علی تو اجل صحابہ اور خلفاء راشدین میں سے ہیں امیر معاویہ جو کہ یہ فضیلت نہیں رکھتے ہیں وہ بھی بہرحال صحابی ہیں ان کے حق میں بھی زبان طعن کھولنا درست نہیں۔

وممن حولكم من الاعراب (الآية) حضرت ابن عباس رَضِحَاللهُ تَعَالیٰعَنْهُمَا فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت رسول خدا ﷺ نے جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے چار پانچ آدمیوں سے فرمایا کہ تم منافق ہو نکل جاؤ، حضرت عمر رَضِحَاللهُ تَعَالیٰعَنْهُ مسجد کی طرف آرہے تھے ان لوگوں کو مسجد سے آتے دیکھ کر سمجھے کہ شاید نماز ہو چکی اور چھپ گئے ان لوگوں نے بھی حضرت عمر رَضِحَاللهُ تَعَالیٰعَنْهُ کو دیکھ لیا وہ بھی چھپ گئے تاکہ ان کا حال حضرت عمر رَضِحَاللهُ تَعَالیٰعَنْهُ پر ظاہر نہ ہو، جب حضرت عمر مسجد میں پہنچے تو دیکھا کہ ابھی نماز نہیں ہوئی، ایک شخص بولا کہ آج تو منافق بڑے ذلیل ہوئے خدا نے ان کو مسجد سے نکلوا دیا، حضرت ابن عباس رَضِحَاللهُ تَعَالیٰعَنْهُمَا فرماتے ہیں کہ ایک عذاب تو یہی ہے کہ مسلمانوں کی مسجد سے یہ لوگ نکالے گئے اور بھری محفل میں رسوائی ہوئی اور دوسرا عذاب قبر کا اور پھر آخرت کا۔

مدینہ کے اطراف و مضافات میں قبیلۂ جہینہ، مزینہ، اسلم، اشجع، اور غفار رہتے تھے ان میں بھی کچھ لوگ منافق تھے اور مدینہ میں عبداللہ بن ابی اور اس کی جماعت کے لوگ منافق تھے، کچھ لوگوں کے نفاق کا علم تو آپ ﷺ کو بذریعہ وحی ہو گیا تھا اور کچھ نفاق کی علامات کے ذریعہ آپ کو علم ہو گیا تھا، مگر بعض اپنے نفاق کو چھپانے میں بڑے مشاق تھے کہ نبی ﷺ کو بھی کمال درجہ فراست اور دانشمندی کے باوجود ان کے نفاق کا علم نہ ہو سکا، اسی کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا **''لاتعلمهم نحن نعلمهم''**۔

اس آیت میں آپ ﷺ کے علم غیب کلی کی بصراحت نفی ہے:

اس آیت میں آپ ﷺ کے علم غیب کلی کی صریح نفی موجود ہے جس کا دعویٰ ہمارے زمانہ میں بعض عالم نما جاہلوں نے کیا ہے۔

وَآخرونَ اعْترفوا بذنوبهم، تفسیر ابن جریر، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ اور ابوالشیخ میں جو شان نزول ان آیتوں کا بیان کیا گیا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس گروہ صحابہ نے اپنے قصور کا اعتراف کر کے آپ ﷺ کے تبوک سے مدینہ آنے سے پہلے

خود کو مسجد نبوی کے ستونوں سے باندھ لیا تھا اور قسم کھائی تھی کہ جب تک ان کی توبہ قبول نہ ہوگی وہ نہ کھلیں گے، جب ان کی توبہ قبول ہوگئی تو انہوں نے اپنا تمام مال آپ ﷺ کی خدمت میں یہ کہتے ہوئے پیش کر دیا کہ یا رسول اللہ جس مال کی محبت نے ہم کو غزوہ کی شرکت سے باز رکھا آپ اس کو قبول فرمائیں یہ راہ خدا میں صدقہ ہے آپ نے پورا مال قبول کرنے سے انکار کر دیا البتہ ایک تہائی مال قبول فرما کر صدقہ کر دیا، پونے دو ماہ بعد ان حضرات کی توبہ قبول ہوئی۔

محدثین نے ان آیات کے شان نزول میں جو واقعہ بیان کیا ہے اس سے یہ بات صاف ظاہر ہو جاتی ہے کہ غیر منافق سے غیر مخلصانہ عمل کے صدور کے باوجود کس کو محض گنہگار مومن سمجھا جائے؟ تو اس کے لئے قرآن کی سابقہ آیات میں تین معیار بتائے گئے ہیں۔

❶ اپنے قصور کے لئے اعذار لنگ اور تاویلات و توجیہات پیش نہیں کریگا، بلکہ جو قصور سرزد ہوا ہے اسے صاف صاف اور سیدھی طرح مان لے گا۔

❷ اس کے سابق طرز عمل کو نگاہ ڈال کر دیکھا جائیگا کہ یہ عدم اخلاص کا عادی مجرم تو نہیں ہے اگر پہلے وہ جماعت کا ایک صالح فرد رہا ہے اور اس کے کارنامۂ زندگی میں مخلصانہ خدمات، ایثار و قربانی اور سبقت الی الخیرات کا ریکارڈ موجود ہے تو باور کر لیا جائیگا کہ اس وقت جو قصور اس سے سرزد ہوا ہے وہ عدم ایمان واخلاص کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ محض ایک کمزوری ہے جو وقتی طور پر رونما ہوگئی ہے۔

❸ اس کے آئندہ طرز عمل پر نظر رکھی جائے گی کہ آیا اس کا اعتراف قصور محض زبانی ہے یا فی الواقع اس کے اندر کوئی گہرا احساسِ ندامت موجود ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے قصور کی تلافی کے لئے بیتاب ہے۔

محدثین کا بیان کردہ شان نزول:

محدثین نے ان آیات کے شان نزول کا جو واقعہ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ آیات ابولبابہ بن عبدالمنذر اور ان کے چھ ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی تھیں ابولبابہ ان لوگوں میں سے تھے جو بیعت عقبہ کے موقع پر ہجرت سے پہلے اسلام لائے تھے پھر جنگ بدر اور جنگ احد اور دوسرے معرکوں میں برابر شریک رہے مگر غزوۂ تبوک میں کسی عذر شرعی کے بغیر شریک نہ ہوئے، ایسے ہی مخلص ان کے ساتھی تھے، جب آپ ﷺ غزوۂ تبوک سے واپس تشریف لائے، اور ان لوگوں کو معلوم ہوا کہ غزوہ میں شریک نہ ہونے والوں کے بارے میں اللہ اور اس کے رسول کی کیا رائے ہے، تو انھیں سخت ندامت ہوئی، قبل اس کے کہ ان سے کوئی باز پرس ہوتی انہوں نے خود ہی اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیا اور اس وقت تک کھولے جانے پر راضی نہ ہوئے جب تک کہ انکی توبہ قبول نہ ہو جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا اور ان کو آپ ﷺ نے خود اپنے دست مبارک سے ایک روز صبح کی نماز کے بعد کھول دیا اور ان کو توبہ کی قبولیت کی خوشخبری سنائی، ان حضرات نے اس کی خوشی اور صدقہ میں اپنا تمام مال آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا مگر آپ نے ثلث مال ہی قبول فرمایا۔

ملے جلے اعمال نیک و بد کیا تھے؟

خَلَطُوْا عَمَلًا صالحًا و آخر سیئًا، اس آیت میں فرمایا کہ ان لوگوں کے کچھ اعمال نیک اور کچھ بد تھے، ان کے نیک اعمال تو ان کا ایمان، روزہ نماز کی پابندی اور تبوک سے پہلے جہاد وغزوات میں شرکت اور اس واقعۂ تبوک میں اپنے جرم کا اعتراف اور اس پر ندامت اور توبہ کرنا وغیرہ ہیں، اور برے اعمال عذر شرعی کے بغیر غزوۂ تبوک میں شریک نہ ہونا اور منافقوں کے ساتھ عملی موافقت تھی۔

جن مسلمانوں کے اعمال ملے جلے، اچھے برے ہوں وہ بھی اس حکم میں داخل ہیں:

اگرچہ یہ آیت ایک مخصوص جماعت کے بارے میں نازل ہوئی ہے مگر حکم اس کا قیامت تک کے مسلمانوں کے لئے عام ہے بشرطیکہ وہ اپنے گناہوں سے تائب ہو جائیں، یعنی ان کے لئے بھی معافی اور مغفرت کی امید ہے۔

ابو عثمان رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ قرآن کریم کی یہ آیت اس امت کے لئے بڑی امید دلانے والی ہے، اور صحیح بخاری میں بروایت سمرہ بن جندب رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ معراج نبوی کی ایک تفصیلی حدیث میں ہے کہ ساتویں آسمان پر جب آپ ﷺ کی ملاقات حضرت ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ سے ہوئی تو آپ نے ان کے پاس کچھ لوگ دیکھے جنکے چہرے روشن تھے اور کچھ ایسے کہ ان کے چہروں پر کچھ داغ تھے، یہ دوسرے قسم کے لوگ ایک نہر میں داخل ہوئے اور جب غسل کر کے واپس آئے تو ان کے چہرے بھی صاف تھے، جبرائیل عَلَیْہِ الصَّلوٰۃُ وَالسَّلَامُ نے آپ کو بتایا کہ یہ سفید چہرے والے وہ لوگ ہیں کہ جو ایمان لائے اور گناہ سے اجتناب کیا "اَلَّذِیْنَ آمنوا ولم یلبسوا ایمانَھم بظلمٍ" اور دوسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے ملے جلے اچھے برے عمل کئے اور پھر توبہ کر لی، اور اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمالی۔ (معارف)

وَالَّذِیْنَ اتخذوا مَسْجِدًا ضرارًا (الآیۃ) اس آیت میں منافقین کی ایک اور نہایت قبیح حرکت کا بیان ہے کہ انہوں نے ایک مسجد بنائی تھی، مدینہ میں دو مسجدیں تو پہلے سے تھیں ایک مسجد قُباء اور دوسری مسجد نبوی منافقوں نے ایک تیسری مسجد بنائی جس کو قرآن میں "مسجد ضرار" کہا گیا ہے اور نبی ﷺ کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ بارش اور گرمی وسردی اور اس قسم کے موقعوں پر بیماروں اور کمزوروں کو زیادہ دور ہونے کی وجہ سے مسجد نبوی آنے میں دقت پیش آتی ہے ان کی سہولت کے لئے ہم نے یہ مسجد بنائی ہے، آپ وہاں چل کر برکت کے طور پر نماز پڑھ دیں۔

اس مسجد کے بنانے کا واقعہ جس کی تفصیل سابق میں گذر چکی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مدینہ میں قبیلۂ خزرج کا ایک شخص جس کا نام ابو عامر تھا جو زمانۂ جاہلیت میں عیسائی راہب بن گیا تھا اس کا شمار علماء اہل کتاب میں ہوتا تھا اور رہبانیت کی وجہ سے اس کی درویشی کا سکہ بھی مدینہ کے اطراف کے جاہلوں میں خوب چل رہا تھا، جب آپ ﷺ مدینہ میں تشریف لائے تو اس کی مشیخت خوب چل رہی تھی یہ شخص آپ ﷺ کو اپنا حریف سمجھ کر مخالفت پر آمادہ ہو گیا، دو سال تک تو اسے یہ امید رہی کہ قریش کی

طاقت ہی اسلام کو مٹانے کے لئے کافی ہوگی، لیکن جنگ بدر میں جب مشرکین مکہ نے شکست فاش کھائی تو اس سے ضبط نہ ہوسکا اور اسلام کے خلاف قریش اور دیگر قبائل میں تبلیغ شروع کردی اور تمام معرکوں میں یہ خود بھی دشمنوں کی جانب سے شریک جنگ رہا آخر کار جب اس کو اس بات سے مایوسی ہوگئی کہ عرب کی کوئی طاقت اسلام کے سیلاب کو روک سکے گی، اس نے عرب کو چھوڑ کر روم کا رخ کیا تا کہ قیصر کو اس خطرہ سے آگاہ کرے، جو عرب سے ابھر رہا تھا یہ وہی موقع تھا کہ جب مدینہ میں یہ اطلاع پہنچی کہ قیصر عرب پر چڑھائی کرنے کی تیاری کر رہا ہے اس کی روک تھام کے لئے آپ ﷺ کو تبوک کی مہم پر جانا پڑا۔

ابو عامر راہب کی ان تمام سرگرمیوں میں مدینہ کے منافقین کا ایک گروہ شریک سازش تھا، جب ابو عامر راہب روم روانہ ہونے لگا تو اس کے اور مدینہ کے منافقوں کے درمیان یہ تجویز منظور ہوئی کہ مدینہ میں اپنی ایک الگ مسجد بنائی جائے تا کہ اس میں اپنی منافقانہ سرگرمیوں کو جاری رکھا جاسکے اس طرح آسانی سے ان پر کوئی شبہ بھی نہ کرے گا، اور ابو عامر کے جو ایجنٹ مدینہ آیا کریں گے وہ بھی اس مسجد میں آسانی سے ٹھہر سکیں گے، یہی وہ ناپاک سازش جس کے تحت وہ مسجد تیار کی گئی تھی، جب مسجد تیار ہوگئی تو اشرار و منافقین کی ایک جماعت آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور بطور برکت اس میں نماز پڑھنے کی درخواست کی مگر آپ نے یہ کہہ کر ٹال دیا کہ میں اس وقت جنگ کی تیاری میں مشغول ہوں آئندہ دیکھوں گا، اس کے بعد آپ تبوک کی طرف روانہ ہوگئے، واپسی پر جب آپ ﷺ مدینہ کے قریب ذی اوان کے مقام پر پہنچے تو مذکورہ آیات نازل ہوئیں، آپ نے اسی وقت چند آدمیوں کو مدینہ بھیج دیا تا کہ آپ کے شہر میں داخل ہونے سے پہلے وہ اس مسجد ضرار کو مسمار کردیں۔

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بان يبذلوها في طاعته كالجهاد **بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيَقْتُلُونَ وَيُقْتَلُونَ** جملةُ استينافٍ بيانٌ للشراءِ وفي قراءةٍ بتقديمِ المبني للمفعول اي فيُقتَلُ بعضُهم ويُقاتِلُ الباقي **وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا** مصدرَانِ منصوبانِ بفعلِهما المحذوفِ **فِي التَّوْرَاةِ وَالْإِنجِيلِ وَالْقُرْآنِ ۚ وَمَنْ أَوْفَىٰ بِعَهْدِهِ** اي لا احدَ اَوْفى منه **مِنَ اللَّهِ ۚ فَاسْتَبْشِرُوا** فيه التفاتٌ عن الغيبةِ **بِبَيْعِكُمُ الَّذِي بَايَعْتُم بِهِ ۚ وَذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ** النيلُ غايةَ المطلوبِ **التَّائِبُونَ** رفعٌ على المدحِ بتقديرِ مبتدأ من الشركِ والنفاقِ **الْعَابِدُونَ** المُخلِصُونَ العبادةَ لِلّٰهِ **الْحَامِدُونَ** له على كلِّ حالٍ **السَّائِحُونَ** الصائمُونَ **الرَّاكِعُونَ السَّاجِدُونَ** اي المُصلُّون **الْآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللَّهِ** لاحكامِه بالعملِ بها **وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ** بالجنةِ ونزلَ في استغفارِه صلى الله عليه وسلم لعمِّه ابي طالبٍ واستغفارِ بعضِ الصحابةِ لِاَبَوَيْهِ المشركين **مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَن يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَىٰ** ذوي قرابةٍ **مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ** النارِ بانْ ماتوا على الكفرِ **وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَن مَّوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ** بقولِه سَاَستغفِرُ

لك ربي رجاء ان يُسلم فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلَّهِ بموته على الكفر تَبَرَّأَ مِنْهُ وترك الاستغفار له إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ كثير التضرع والدعاء حَلِيمٌ ﴿۱۱۴﴾ صبور على الاذى وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِلَّ قَوْمًا بَعْدَ إِذْ هَدَاهُمْ للاسلام حَتَّى يُبَيِّنَ لَهُمْ مَا يَتَّقُونَ اى من العمل فلا يتقوه فيستحقوا الاضلال إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿۱۱۵﴾ ومنه مستحق الاضلال والهداية إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ ايها الناس مِنْ دُونِ اللَّهِ اى غيره مِنْ وَلِيٍّ يحفظكم منه وَلَا نَصِيرٍ ﴿۱۱۶﴾ يمنع حكم ضرره لَقَدْ تَابَ اللَّهُ اى ادام توبته عَلَى النَّبِيِّ وَالْمُهَاجِرِينَ وَالْأَنْصَارِ الَّذِينَ اتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ الْعُسْرَةِ اى وقتها وهى حالهم فى غزوة تبوك كان الرجلان يقتسمان تمرةً والعشرة يَعتقِبُوْنَ البعير الواحد واشتد الحرُّ حتى شربوا الفرث مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيغُ بالتاء والياء تميل قُلُوبُ فَرِيقٍ مِنْهُمْ عن اتباعه الى التخلف لما هم فيه من الشدة ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ بالثبات إِنَّهُ بِهِمْ رَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿۱۱۷﴾ وَ تاب عَلَى الثَّلَاثَةِ الَّذِينَ خُلِّفُوا عن التوبة عليهم بقرينة حَتَّى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْهِمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اى مع رحبها اى سعتها فلا يجدون مكانًا يطمئنون اليه وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ قلوبهم للغم والوحشة بتاخير توبتهم فلا يسعها سرور ولا انس وَظَنُّوا ايقنوا أَنْ مخففة لَا مَلْجَأَ مِنَ اللَّهِ إِلَّا إِلَيْهِ ثُمَّ تَابَ عَلَيْهِمْ وفقهم للتوبة لِيَتُوبُوا إِنَّ اللَّهَ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مومنین سے ان کی جانوں اور مالوں کا جنت کے بدلے سودا کرلیا ہے اس طریقہ پر کہ وہ ان کو اس کی اطاعت میں مثلاً جہاد میں خرچ کریں وہ اللہ کے راستہ میں قتال کرتے ہیں مارتے بھی ہیں اور مرتے بھی ہیں (یُقاتِلُ) بیان شراء کے لئے جملہ مستانفہ ہے، اور ایک قراءت میں یُقْتَلُوْنَ (مجہول) مقدم ہے (اور یُقاتِلُ) معروف مؤخر ہے، یعنی انمیں سے بعض قتل کئے جاتے ہیں اور باقی قتال کرتے ہیں، ان سے اللہ کی جانب سے (جنت) کا تورات اور انجیل اور قرآن میں پختہ وعدہ ہے (وعدًا اور حقًّا) دونوں اپنے فعل محذوف کی وجہ سے مصدر منصوب ہیں، اور اللہ سے بڑھکر کون اپنے وعدہ کو پورا کرنے والا ہے؟ یعنی اس سے بڑھ کر کوئی وعدہ پورا کرنے والا نہیں، لہٰذا تم اپنے اس بیع کے معاملہ پر جو تم نے کیا ہے خوشیاں مناؤ اس میں غیبت سے (خطاب) کی جانب التفات ہے، یہ عظیم کامیابی ہے (یعنی) انتہائی مقصد کا حصول ہے، (وہ مجاہدین) شرک ونفاق سے توبہ کرنے والے ہیں (التائبون) مرفوع بالمدح ہے مبتداء کی تقدیر کے ساتھ عبادت کرنے والے ہیں، یعنی اخلاص کے ساتھ اللہ کی عبادت کرنے والے ہیں، اور ہر حال میں اسکی حمد بیان کرنے والے ہیں روزہ رکھنے والے ہیں رکوع سجدہ کرنے والے ہیں یعنی نماز پڑھنے والے ہیں، نیکی کا حکم کرنے والے اور بدی سے روکنے والے ہیں، اور اللہ کے احکام پر عمل کر کے اللہ کے حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں، اور (اے نبی) ان مومنوں کو جنت کی خوشخبری سنادو اور

(آئندہ آیت) نبی ﷺ کے اپنے چچا ابو طالب کیلئے اور بعض صحابہ کے اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرنے کے بارے میں نازل ہوئی نبی کے لئے اور ان لوگوں کے لئے جو ایمان لائے ہیں زیبا نہیں کہ مشرکوں کے لئے استغفار کریں اگر چہ وہ ان کے رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں، جبکہ ان پر یہ بات کھل چکی ہے کہ وہ جہنم کے مستحق ہیں، اس وجہ سے کہ وہ کفر پر مرے ہیں، ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جو اپنے والد کیلئے دعاء مغفرت کی تھی وہ اس وجہ سے کی تھی کہ انہوں نے اپنے قول "ساستغفر لك ربّی" سے استغفار کا وعدہ کیا تھا، اس امید پر کہ وہ ایمان لے آئیں گے، مگر جب ان پر یہ بات کھل گئی کہ ان کے والد انکے کفر پر مرنے کی وجہ سے اللہ کے دشمن ہیں تو انہوں نے اس سے اظہار بیزاری کر دیا، اور ان کے لئے دعاء مغفرت کرنی ترک کر دی، حقیقت یہ ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت زیادہ عاجزی کرنے والے اور دعاء کرنے والے اور بردبار تکلیف پر صبر کرنے والے تھے، اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ لوگوں کو اسلام کی ہدایت دینے کے بعد گمراہ کرے جب تک کہ صاف صاف ان کو یہ نہ بتا دے کہ ان کو کن کاموں سے بچنا چاہئے پھر (بھی) اگر وہ اس سے نہ بچیں تو وہ گمراہی کے مستحق ہو جاتے ہیں، درحقیقت اللہ ہر شئ کا علم رکھتا ہے اور اسی میں سے استحقاق اضلال وہدایت ہے یہ بھی واقعہ ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حکومت اللہ ہی کے قبضے میں ہے وہی جلاتا اور مارتا ہے، اے لوگو اللہ کے سوا اب نہ تمہارا کوئی حامی ہے جو اس سے تمہاری حفاظت کر سکے اور نہ مددگار کہ تم کو اس کے ضرر سے بچا سکے اللہ نے نبی کے حال پر اور مہاجرین وانصار کے حال پر توجہ فرمائی یعنی ان کی توبہ کو دوام بخشا، جنہوں نے تنگی کے وقت میں پیغمبر کا ساتھ دیا ان کی یہ حالت غزوۂ تبوک کے وقت تھی کہ دو آدمی ایک کھجور کو آدھا آدھا کرتے تھے اور دس آدمی ایک اونٹ پر باری باری سے سوار ہوتے تھے اور سخت گرمی کا موسم تھا، یہاں تک کہ اوجھ (کا پانی) بھی پی گئے، اگر چہ ان میں سے کچھ لوگوں کے دل آپ کی اتباع سے کجی یعنی تخلف کی طرف مائل ہو چلے تھے (تــزیــغ) یاء اور تاء کے ساتھ ہے اسلئے کہ وہ اس وقت بڑی تکلیف میں تھے، پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو ثابت قدمی عطا فرما کر ان کی طرف توجہ فرمائی بے شک اللہ تعالیٰ ان پر بڑا شفیق بڑا مہربان ہے اور ان تینوں حضرات کی طرف بھی توجہ فرمائی جن کی توبہ کو مؤخر کر دیا گیا تھا، یہ معنی حتّی اذا ضاقت کے قرینہ کی وجہ سے ہیں، جب زمین اپنی تمام تر وسعت کے باوجود ان پر تنگ ہوگئی تو وہ کوئی ایسی جگہ نہ پاتے تھے جس میں ان کو اطمینان حاصل ہو سکے اور تاخیر (قبولیت) توبہ اور وحشت نیز غم کی وجہ سے خود ان کی اپنی جانیں بھی ان کو بار معلوم ہونے لگیں جس کی وجہ سے نہ ان کے قلوب میں سرور تھا اور نہ انس، اور انہوں نے یقین کر لیا کہ اللہ کے سوا ان کیلئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے پھر اللہ ان کی طرف متوجہ ہوا یعنی ان کو توبہ کی توفیق بخشی تا کہ وہ توبہ کریں یقیناً اللہ بڑا معاف کرنے والا نہایت رحم کرنے والا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: بِاَنْ یبذلوها فی طاعته، یہ ایک تمثیل ہے، یعنی مجاہدین کے اپنی جانوں اور مالوں کو راہ خدا میں قربان کرنے کے عوض جنت دینے کو شراء سے تعبیر کیا ہے، لہٰذا حقیقۃً بیع وشراء ہونا ضروری نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: جملة استيناف، یہ ماسبق سے عدم وصل کی علت کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: فَيُقْتَلُ بعضهم ويقاتلُ الباقي، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ مجہول کے مقدم ہونے کی صورت میں جب وہ مقتول ہو جاتے ہیں تو پھر وہ قتال کیسے کرتے ہیں؟

جَوَابٌ: کا حاصل یہ ہے کہ مسند الیہ جميع مؤمنين ہیں، یعنی جب ان میں سے بعض مقتول ہو جاتے ہیں تو باقی پست ہمت ہو کر راہ فرار اختیار نہیں کرتے بلکہ قتال کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مصدران منصوبان بفعلهما المحذوف، یعنی وعدًا اور حقًّا دونوں اپنے اپنے فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہیں تقدیر عبارت یہ ہے وَعَدَهم وَعْدًا وَحقَّ الوعدُ حَقًّا، اور اسکا قرینہ شراء بمعنی وَعْد ہے۔

قَوْلُہٗ: رفعٌ على المدح، نہ یہ کہ مبتدا ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے اسلئے کہ اس صورت میں بدفائدہ حذف خبر کی ضرورت ہوگی، مرفوع بالمدح ہونیکی صورت میں بھی اگر چہ حذف لازم آتا ہے مگر وہ فائدہ سے خالی نہیں ہے کما هو ظاهر.

قَوْلُہٗ: بتقدير المبتدأ، اور وہ هم ہے۔

قَوْلُہٗ: من الشرك والنفاق یہ دونوں التائبون سے متعلق ہیں۔

قَوْلُہٗ: الصائمون، یہ السّائحون کے معنی کا بیان ہے آپ ﷺ نے فرمایا ،، سَياحة امتي الصوم''.

قَوْلُہٗ: ونزل في استغفاره ﷺ لعمه ابي طالب، خواجہ ابوطالب جب زیادہ بیمار ہوئے تو آپ ﷺ نے خواجہ ابوطالب سے کہا یہ کلمہ (شہادت) کہہ لو تا کہ میں اسکے ذریعہ اللہ کے روبرو حجت پیش کر سکوں مگر خواجہ ابوطالب نے انکار کر دیا، تو اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا "لا اَزَالُ استغفر لكَ ما لم اُنْهَ عنه " (رواہ الشیخان) اسی طرح حضرت علی رَضِحَاللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ سے مروی ہے کہ میں نے ایک شخص کو سنا کہ وہ اپنے والدین کیلئے دعاء مغفرت کر رہا ہے تو میں نے اس کو کہا کہ تو اپنے والدین کے لئے دعاء مغفرت کر رہا ہے حالانکہ وہ کافر تھے، تو اس شخص نے جواب دیا کہ حضرت ابراہیم عَلَیْهِ الصَّلوٰةُ وَالسَّلَامُ نے بھی اپنے والد کے لئے دعاء استغفار کی تھی حالانکہ ان کے والد مشرک تھے، یہ واقعہ آپ ﷺ کے روبرو ذکر کیا گیا تو یہ آیت نازل ہوئی۔

(رواہ الترمذی)

قَوْلُہٗ: اوّاہٌ، یہ فَعّالٌ کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے، بہت آہ کرنیوالا، نرم دل۔

قَوْلُہٗ: اَدامَ توبته، یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ قبولیت توبہ کے لئے اول ارتکاب معصیت لازم ہے اس لئے کہ قبولیت توبہ ارتکاب معصیت کی فرع ہے حالانکہ آپ ﷺ معصوم ہیں اور صحابہ نے بھی اس واقعہ میں کسی معصیت کا ارتکاب نہیں کیا تو پھر توبہ کی قبولیت کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابٌ: دوام اور ثبات على التوبة مراد ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں جہاد سے بلا عذر بیٹھ رہنے کا بیان تھا، ان آیات میں جہاد میں شریک ہو کر اپنی جان و مال کی قربانی پیش کرنے والوں کی فضیلت کا بیان ہے۔

شان نزول:

روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۳ نبوی میں ستر شرفاء مدینہ نے مکہ میں آکر آپ ﷺ سے بیعت کی اس کا نام بیعت عقبہ ثانیہ ہے اس وفد کے قائد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ بن رواحہ تھے، جب وفد کے شرکاء آپ ﷺ سے بیعت کر رہے تھے تو حضرت عبداللہ بن رواحہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ "اشترط لربك ولنفسك" آپ ﷺ اپنے رب اور اپنے لئے شرط لگائیے! آپ نے فرمایا "اشترط لربی أن تعبدوه ولا تشركوا به شيئًا" میرے رب کی شرط یہ ہے کہ اس کی بندگی کرو اور اسکے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو، اور میرے لئے شرط یہ ہے کہ جس طرح تم اپنی جان و مال کی حفاظت کرتے ہو میری بھی حفاظت کرو، حضرت عبداللہ بن رواحہ نے عرض کیا تو اے اللہ کے رسول اسکے عوض ہمیں کیا ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا "جنت" تو حضرت عبداللہ نے فرمایا "ربح البيع لا نقيل ولا نستقيل" سودا نفع کا ہے نہ ہم اس بیع کو توڑیں گے اور نہ توڑنے کی درخواست کریں گے، تو مذکورہ آیت نازل ہوئی۔

وَعْدًا عَلَيْهِ حقًا في التوراة والانجيل قرآن مجید تو اس مضمون کی تکرار سے بھرا پڑا ہے، قرآن کے ساتھ تورات اور انجیل کے ناموں کا اضافہ بیان کی تاکید کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ یہ مضمون اتنا اہم ہے کہ تمام آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔

اعتراض اور جواب:

اس بات پر بہت سے اعتراضات کئے گئے ہیں کہ جس وعدہ کا یہاں ذکر ہے وہ تورات اور انجیل میں موجود نہیں ہے۔

جواب: تورات میں تحریفات اور ترمیمات دوست و دشمن سب کے نزدیک مسلم ہیں، اگر موجودہ تورات میں اس قسم کا مضمون نہ ملے جب بھی کوئی مضائقہ نہیں جہاں تک انجیل کا تعلق ہے تو یہ اعتراضات بے بنیاد ہیں تمام تر تحریفات کے باوجود جو اناجیل اس وقت دنیا میں موجود ہیں ان میں حضرت مسیح علیہ السلام کے متعدد اقوال ایسے ملتے ہیں جو اس آیت کے مضمون کے ہم معنی ہیں مثلاً۔

''جس کسی نے گھروں یا بھائیوں یا بہنوں سے یا باپ یا ماں یا بچوں یا کھیتیوں کو میرے نام کی خاطر چھوڑ دیا ہے اس کو

سو گنا ملے گا اور ہمیشہ کی زندگی کا وارث ہوگا''۔ (متی ۱۹:۲۹)

''مبارک ہیں وہ جو راستبازی کے سبب ستائے گئے ہیں کیونکہ آسمان کی بادشاہت ان ہی کی ہے''۔ (متی ۵:۱۰)

کعب بن مالک رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ کی کہانی خود ان کی زبانی:

وعلى الثلثة الَّذِينَ خُلِّفُوا، یہ وہی تین آدمی ہی جن کی طرف مذکورہ آیت میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی مرارہ بن ربیع، کعب بن مالک، ہلال بن امیہ، جن کی توبہ قبول کرنے میں پچاس روز کی مہلت دی گئی تھی، اس کا تفصیلی ذکر صحیح بخاری اور مسلم میں خود کعب بن مالک کی روایت سے اس طرح ہے، فرماتے ہیں کہ میں سوائے تبوک اور بدر کے ہر لڑائی میں شریک رہا ہوں حالانکہ غزوۂ تبوک کے وقت میں بہت آسودہ حال تھا، آپ ﷺ کی عادت مبارکہ اگر چہ مصلحتاً اپنے جنگی سفر کی تفصیلات اور رخ کو پوشیدہ رکھنے کی تھی، تبوک کا سفر چونکہ بعید اور دشوار تھا اسلئے آپ نے مسلمانوں کو صاف صاف بتا دیا کہ میرا ارادہ تبوک جانیکا ہے تم دشمن کے مقابلہ کے لئے تیاری کرو، میں چونکہ خوشحال تھا اسلئے میں نے سوچا کہ جب چاہوں گا سامان سفر تیار کرلوں گا مگر آج کل کرتے کرتے وقت گذر گیا اور آپ ﷺ سفر پر روانہ ہوگئے، پھر بھی میں یہ سوچتا رہا ان کو جانے دو میں ایک دو روز میں ان سے جا کر مل جاؤنگا حتی کہ اسلامی لشکر منزل مقصود پر پہنچ کر اور وہاں کچھ روز قیام کرکے واپس بھی آ گیا، مگر میں شریک نہ ہوسکا، مجھے اس بات کا بڑا رنج تھا، جب میں مدینہ میں گھر سے باہر نکلا کرتا تھا تو مجھے سوائے معذورین اور منافقوں کے کوئی نظر نہ آتا تھا آپ ﷺ نے تبوک پہنچنے پر لوگوں سے میرے بارے میں دریافت کیا کہ کعب کیوں نہیں آئے، بنی سلمہ کے ایک شخص نے کہا وہ آجکل کرتے کرتے رہ گئے جب آپ واپس تشریف لائے تو میں پیش بندی کے طور پر حیلے بہانے سوچنے لگا بلکہ اس سلسلہ میں اپنے گھر والوں اور دیگر حضرات سے بھی مشورہ کرتا مگر کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی، آخر یہ بات سمجھ میں آئی کہ چاہے جو کچھ ہو میں سچ بات کہہ دونگا، اگر نجات ہوگی تو اسی میں ہوگی، آپ ﷺ کی عادت شریفہ تھی کہ آپ جب سفر سے تشریف لاتے تو اول مسجد نبوی میں تشریف فرما ہوتے اور دو رکعت نماز ادا فرماتے اس مرتبہ بھی آپ مسجد میں تشریف فرما ہوئے، تقریباً اسی آدمی تھے جنہوں نے اپنے عذر بیان کئے اور آپ نے ان کا عذر قبول فرما لیا اور انکے لئے مغفرت کی دعاء کی جب میرا نمبر آیا میں نے سلام کیا اور آپ مسکرائے اور غصہ میں فرمایا، آجا میں سامنے بیٹھ گیا آپ ﷺ نے فرمایا تو کیوں رہ گیا تھا؟ کیا تو نے سواری نہیں خریدی تھی، میں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول آج اگر میں کسی اور کے سامنے ہوتا تو جھوٹ بولکر عذر و حیلہ کرلیتا اگر آپ کے سامنے جھوٹ بولوں گا تو اصل حقیقت اللہ آپ پر ظاہر کردے گا، اور اگر سچ بولوں گا تو آپ اگر خفاء بھی ہونگے تو مجھے امید ہے کہ اللہ کے یہاں انجام بخیر ہوگا، واللہ مجھے کوئی عذر نہیں تھا، اور میں پہلے کی بہ نسبت خوشحال بھی تھا، آپ نے فرمایا ''تو نے سچ کہا'' اچھا جاؤ اللہ تمہارے بارے میں کچھ فیصلہ کرے گا میں چلا آیا لوگ کہنے لگے تو نے یہ کیا کیا؟ تو بھی دوسروں کی طرح عذر بیان کر دیتا، آپ ﷺ کی مغفرت کی دعاء تیرے لئے کافی تھی، میں نے ان لوگوں سے معلوم کیا کہ میرے بعد اور کون کون آیا

تھا؟ بتایا گیا کہ مرارہ بن ربیع اور ہلال بن امیہ آئے تھے انہوں نے بھی تمہاری طرح سچ کہا آپ ﷺ نے ان سے بھی وہی فرمایا جو تم سے فرمایا، پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو ہم تینوں سے بات کرنے سے منع فرمادیا غرضیکہ سب لوگوں نے ہم سے بات چیت بند کردی پچاس روز اسی حالت میں گذرے اور بیچارے وہ دونوں تو اپنے اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے رویا کرتے تھے میں نماز کے لئے مسجد میں جایا کرتا تھا تو آنحضرت ﷺ میری طرف سے منہ پھیرلیا کرتے تھے، ابوقتادہ جو میرے چچازاد بھائی تھے میں جب ان کو سلام کرتا تو وہ بھی جواب نہیں دیتے تھے، جب چالیس راتیں گذر گئیں تو آپ ﷺ نے پیغام بھیجا کہ اپنی بیوی سے الگ ہوجائیں میں نے اس کو میکے چلے جانے کو کہدیا ہلال بن امیہ ایک ضعیف آدمی تھے ان کی بیوی نے آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کیا کہ کوئی خادم نہیں ہے ان کو بہت تکلیف ہوگی آپ ﷺ نے ہلال کی بیوی کو خدمت کی اجازت دیدی اور فرمایا کہ اسکے پاس نہ جانا (مباشرت نہ کرنا) جب پچاس راتیں پوری ہو گئیں اور میں فجر کی نماز اپنے مکان کی چھت پر پڑھ رہا تھا، یہ آواز میرے کانوں میں آئی خوش ہوجاؤ اے کعب بن مالک پھر تو میں سجدے میں گر پڑا، اور سمجھ گیا کہ میری توبہ قبول ہوگئی صبح کو لوگ میرے اور ان دونوں کے پاس مبارک باد دینے کے لئے آنے لگے جب میں مسجد میں آیا تو طلحہ بن عبید اللہ نے مجھ سے مصافحہ کرکے مبارک باد دی پھر میں نے آپ ﷺ کو سلام کیا پھر آپ نے توبہ کی خوش خبری سنائی، میں نے عرض کیا میں اس خوشی میں اپنا سارا مال خدا کی راہ میں دیتا ہوں آپ نے سارا مال قبول نہیں فرمایا بلکہ ایک تہائی قبول فرمایا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ بترك معاصيه **وَكُوْنُوْا مَعَ الصّٰدِقِيْنَ** ﴿۱۱۹﴾ في الايمان والعهود بان تلزموا الصدق **مَا كَانَ لِاَهْلِ الْمَدِيْنَةِ وَمَنْ حَوْلَهُمْ مِّنَ الْاَعْرَابِ اَنْ يَّتَخَلَّفُوْا عَنْ رَّسُوْلِ اللّٰهِ** اذا غزا **وَلَا يَرْغَبُوْا بِاَنْفُسِهِمْ عَنْ نَّفْسِهٖ** بان يصونوها عما رضيه لنفسه من الشدائد وهو نهي بلفظ الخبر **ذٰلِكَ** اي النهي عن التخلف **بِاَنَّهُمْ** بسبب انهم **لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ** عطش **وَّلَا نَصَبٌ** تعب **وَّلَا مَخْمَصَةٌ** جوع **فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَـُٔوْنَ مَوْطِئًا** مصدر بمعنى وطئا **يَّغِيْظُ** يغضب **الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ** لله **نَّيْلًا** قتلا او اسرا او نهبا **اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ** ليجازوا عليه **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿۱۲۰﴾ اي اجرهم بل يثيبهم **وَلَا يُنْفِقُوْنَ** فيه **نَفَقَةً صَغِيْرَةً** ولو تمرة **وَّلَا كَبِيْرَةً وَّلَا يَقْطَعُوْنَ وَادِيًا** بالسير **اِلَّا كُتِبَ لَهُمْ** ذلك **لِيَجْزِيَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** ﴿۱۲۱﴾ اي جزاءه ولما وبخوا على التخلف وارسل النبي صلى الله عليه وسلم سرية نفروا جميعا فنزل **وَمَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا** الى الغزو **كَآفَّةً فَلَوْلَا** فهلا **نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ** قبيلة **مِّنْهُمْ طَآئِفَةٌ** جماعة ومكث الباقون **لِّيَتَفَقَّهُوْا** اي الماكثون **فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوْا قَوْمَهُمْ اِذَا رَجَعُوْٓا اِلَيْهِمْ** من الغزو بتعليم ما تعلموه من الاحكام **لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ** ﴿۱۲۲﴾ عقاب الله بامتثال امره ونهيه قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما فهذه مخصوصة بالسرايا والتي قبلها بالنهي عن تخلف احد فيما اذا خرج النبي صلى الله عليه وسلم.

ترجمہ: اے ایمان والو ترک معصیت کر کے اللہ سے ڈرو اور ایمان اور معاہدوں میں سچوں کے ساتھ رہو بایں صورت کہ سچ کو لازم پکڑے رہو، مدینہ والوں کے لئے اور اسکے اطراف کے دیہاتی باشندوں کے لئے ہرگز یہ مناسب نہیں تھا کہ غزوہ کے وقت رسول ﷺ سے پیچھے رہتے اور نہ یہ زیبا کہ اپنی جانوں کو آپ ﷺ کی جان سے عزیز سمجھیں بایں صورت کہ اپنی جانوں کو ان شدائد سے بچائیں کہ جن کو آپ ﷺ نے اپنے لئے پسند فرمایا ہے، (لایرغبون) بصورت نہی خبر ہے، یہ یعنی تخلف سے ممانعت اس وجہ سے ہے کہ ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو جسمانی مشقت اٹھانی پڑی اور جو بھوک اللہ کی راہ میں ان کو لگی اور جو کسی ایسی جگہ چلے کہ جو کفار کے لئے موجب غضب ہو مَوْطِئًا مصدر بمعنی وطأً ہے اور جو کچھ ان کو دشمن کی طرف سے قتل یا قید یا لوٹ کی شکل میں پیش آیا (ان سب پر) ان کے نام نیک عمل لکھا گیا تا کہ ان (اعمال) پر ان کو جزا دی جائے، یقیناً اللہ مخلصین کا اجر ضائع نہیں کرتا (اجر المحسنین، ای اجرھم) بلکہ ان کو اجر عطا کرے گا اور راہ خدا میں جو کچھ انہوں نے قلیل یا کثیر خرچ کیا اگر چہ ایک کھجور ہی کیوں نہ ہو اور جو وادیاں ان کو طے کرنی پڑیں مگر یہ کہ اس کو (ان کے اعمال ناموں میں) لکھ دیا گیا تا کہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کا اچھے سے اچھا بدلہ دے یعنی ان کی جزاء اور جب پیچھے رہ جانے والوں کو ان کے پیچھے رہ جانے پر ڈانٹ پلائی گئی اور آپ ﷺ نے سریہ روانہ فرمایا تو سب کے سب نکل پڑے تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی، اور مومنین کو یہ نہ چاہئے کہ سب کے سب غزوہ کے لئے نکل کھڑے ہوں سو ایسا کیوں نہ کیا جائے کہ ان کی ہر بڑی جماعت میں سے ایک چھوٹی جماعت جایا کرے اور باقی ٹھہرے رہیں تا کہ یہ ٹھہرے رہنے والے دین کی سمجھ حاصل کریں اور جب غزوہ سے وہ لوگ ان کے پاس واپس آئیں تو ان کو وہ تعلیم دیکر جو انہوں نے احکام کی حاصل کی ہے ڈرائیں تا کہ وہ اللہ کے عذاب سے اسکے امر و نہی کی اتباع کر کے ڈر جائیں ابن عباس رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا یہ (حکم) سرایا کے ساتھ خاص ہے، اور سابقہ آیت جو کسی کے پیچھے رہ جانے کی ممانعت کے بارے میں ہے وہ اس وقت ہے جبکہ آپ ﷺ بھی غزوہ کیلئے نکلے ہوں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فی الایمان والعھود، اس میں اشارہ ہے کہ مع الصادقین میں معیت سے معیت فی الایمان مراد ہے نہ کہ معیت فی المعاملات والمکان، اسلئے کہ اس معیت سے کوئی فائدہ نہیں ہے جب تک کہ ایمان نہ ہو۔

قولہ: تلزموا الصدق یہ معیت کے طریقہ کا بیان ہے۔

قولہ: بان یصونوا الخ یہ حاصل معنی کا بیان ہے، بانفسھم، میں باء تعدیہ کے لئے ہے مطلب یہ ہے کہ جن شدائد ومصائب میں خود کو ڈالا ہے آپ کو جو تکالیف پیش آرہی ہیں تم اس سے خود کو بچانے کی کوشش نہ کرو۔

قَوْلُہٗ: وھو نھیٌ بلفظ الخبر، یہ بطور مبالغہ کے ہے۔

قَوْلُہٗ: ای النھی، یہ ذلک کے مرجع کا بیان ہے اور نہی سے وہ نہی مراد ہے جو ماکان لاھل المدینۃ الخ سے مفہوم ہے۔

قَوْلُہٗ: مصدرٌ بمعنی وطئًا یعنی مَوْطِئًا، وطأً کے معنی میں مصدر میمی ہے نہ کہ ظرف۔

قَوْلُہٗ: ولاینالونَ ای لا یُصیبونَ، پیش آنا یعنی دقت اور پریشانی کا پیش آنا۔

قَوْلُہٗ: نَیلًا، ای اصابۃً، ای یُصیبون اصابۃ یہ ہر تکلیف اور مصیبت کو عام ہے۔

قَوْلُہٗ: ای اجرھم اس اضافہ کا مقصد اسباب کی طرف اشارہ کرنا ہے کہ المحسنین، ضمیر، ھم، کی جگہ ان کی صفت احسان کو بیان کرنیکے لئے لایا گیا ہے، ورنہ تو اجرھم کہنا کافی ہوتا مگر اس میں دلالت علی الاحسان نہ ہوتی۔

قَوْلُہٗ: ذلک، اس میں اشارہ ہے کہ کتب کی ضمیر، انفاق اور قطع وادی دونوں کی طرف بتاویل مذکور لوٹ رہی ہے لہٰذا عدم مطابقت کا شبہ ختم ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: لمَّا وُبِّخوا علی التخلّف اس میں آئندہ آیت (وما کان) کے سبب نزول کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: قبیلۃ، فرقۃ کی تفسیر قبیلۃ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ فرقہ سے بڑی جماعت مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: مکث الباقُونَ، اس میں اشارہ ہے کہ لِیتفقھوا کی ضمیر محذوف کے متعلق ہے نہ کہ نَفَرَ کے لہٰذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ غزاۃ جہاد میں کس طرح فقہ حاصل کریں گے۔

قَوْلُہٗ: والّتی قبلھا بالنھی عن التخلف الخ اس اضافہ کا مقصد دونوں آیتوں میں تعارض کو دفع کرنا ہے، ماکانَ لِاَھْلِ المدینۃ الخ میں فرمایا گیا کہ کسی شخص کو بھی غزوہ میں شرکت سے بیٹھنا جائز نہیں ہے اور وما کان المؤمنون لِیَنْفِروا الخ میں سب کو نکلنے سے منع فرمایا گیا ہے دونوں آیتوں کے مفہوم میں تعارض ہے، اَلّتی قبلھا الخ سے اسی شبہ کا جواب ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ ماقبل میں جو نہی ہے وہ اس صورت میں ہے، جبکہ نفیر عام ہو اور آپ ﷺ بذات خود نکلیں اور قلیل جماعت کے نکلنے اور بڑی جماعت کے مدینہ میں رہنے کا حکم سرایا کا ہے جبکہ اعلان عام نہ ہو اور آپ بذات خود شریک نہ ہوں۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

ربط آیات:

اس آیت کا سابقہ آیت سے ربط یہ ہے بعض لوگ جو مدینہ میں رہتے تھے اور بعض وہ جو مدینہ کے اطراف میں رہتے تھے جو غزوۂ تبوک میں شریک نہیں ہوئے تھے ان پر اظہار ناراضگی کے طور پر یہ آیت نازل ہوئی اس میں فرمایا کہ ان لوگوں کو یہ بات زیبا نہیں تھی کہ اپنی جان کو آپ ﷺ کی جان سے عزیز رکھتے، اگر یہ شریک ہوتے تو ان کی بھوک پیاس، رہی

مشقتیں اور خدا کی راہ میں ایک ایک قدم دشمنوں کو ڈرانا دھمکانا ان کو قتل کرنا اور قتل وقید ہونا، سب نیکی میں شمار کئے جاتے گھر بیٹھ کر انہوں نے خود اپنا ہی نقصان کیا۔

خلاصہ یہ ہے یہ ہرگز مناسب نہیں تھا کہ لوگ اپنے گھروں میں آرام سے بیٹھے رہیں اور خدا کے رسول راہ خدا میں مشقتیں اور صعوبتیں اٹھائیں۔ فقہاء مفسرین نے اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ یہ معیت اور نصرت صرف عرب تک محدود یا شان رسالت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ نصرت دین مقصود ہے، اسلئے ہر مسلم پر ہر زمانہ میں واجب ہے کہ امام وقت کی اطاعت وحفاظت میں مستعد رہے آیت میں کلام اگرچہ بصیغۂ خبر ہے مگر مراد نہی ہے مطلب یہ ہے کہ ایسا ہرگز نہ ہونا چاہئے۔ (ماجدی)

وَمَا کان المؤمنون لینفروا کافّۃ الخ بعض مفسرین کے نزدیک اس آیت کا تعلق بھی حکم جہاد سے ہے مطلب یہ ہے کہ پچھلی آیت میں جب پیچھے رہ جانے والوں کے لئے سخت وعید اور زجر وتوبیخ بیان کی گئی تو صحابہ کرام بڑے محتاط ہوگئے اور جب بھی جہاد کا موقع آتا تو سب کے سب اس میں شریک ہونے کی کوشش کرتے، اس آیت میں ان کو ہدایت دی جارہی ہے کہ ہر جہاد اس نوعیت کا نہیں ہوتا کہ ہر شخص کی شرکت ضروری ہو (جیسا کہ تبوک میں ضروری تھا) بلکہ ایک جماعت ہی کی شرکت کافی ہے، ان مفسرین کے نزدیک لیتفقھوا کا مخاطب پیچھے رہ جانے والا گروہ ہے یعنی ایک گروہ جہاد میں چلا جائے اور ایک گروہ مدینہ میں مقیم رہے (ومکث الباقون) سے اسی کی طرف اشارہ ہے، مدینہ میں مقیم رہنے والا گروہ علم دین حاصل کرے اور جب مجاہدین واپس آجائیں تو انہیں بھی احکام دین سے آگاہ کرے اور انہیں معصیت اور خلاف ورزی سے ڈرائیں۔

آیت کی دوسری تفسیر:

دوسری تفسیر یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق جہاد سے نہیں بلکہ اس میں علم دین سیکھنے کی اہمیت کا بیان اور اس کے طریقے کی وضاحت ہے اور وہ یہ کہ ہر بڑی جماعت اور قبیلہ میں سے کچھ لوگ دین کا علم حاصل کرنے کیلئے اپنا گھر بار چھوڑیں اور مدارس ومراکز علم میں جاکر علم حاصل کریں اور پھر آکر اپنی قوم میں وعظ ونصیحت کے ذریعہ دین پھیلائیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ ای الاقرب فالاقرب منهم وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً شدة ای اغلظوا علیهم وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾ بالعون والنصر وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ من القرآن فَمِنْهُمْ ای المنافقین مَّنْ يَّقُوْلُ لا صحابه استهزاءً اَيُّكُمْ زَادَتْهُ هٰذِهٖٓ اِيْمَانًا تصديقًا قال تعالى فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَزَادَتْهُمْ اِيْمَانًا لتصدیقهم بها وَّهُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾ یفرحون بها وَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ضعف اعتقاد فَزَادَتْهُمْ رِجْسًا اِلٰى رِجْسِهِمْ كفرًا الى كفرهم لكفرهم بها وَمَاتُوْا وَهُمْ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ اَوَلَا يَرَوْنَ بالياءِ ای المنافقون والتاء ایها المؤمنون اَنَّهُمْ يُفْتَنُوْنَ يبتلون فِيْ كُلِّ عَامٍ مَّرَّةً اَوْ مَرَّتَيْنِ بالقحط والامراض ثُمَّ لَا يَتُوْبُوْنَ من نفاقهم وَلَا هُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾

يتعظون وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ فيها ذكرهم وقرأها النبي نَّظَرَ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ يريدون الهرب يقولون هَلْ يَرٰىكُمْ مِّنْ اَحَدٍ إذا قمتم فان لم يرهم احد قاموا والاثبتوا ثُمَّ انْصَرَفُوْا على كفرهم صَرَفَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ عن الهدى بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ﴿۱۲۷﴾ الحق لعدم تدبرهم لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اى منكم محمد صلى الله عليه وسلم عَزِيْزٌ شديد عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ اى عنتكم اى مشقتكم ولقاؤكم المكروه حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ ان تهتدوا بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ شديد الرحمة رَّحِيْمٌ﴿۱۲۸﴾ يريد لهم الخير فَاِنْ تَوَلَّوْا عن الايمان بك فَقُلْ حَسْبِيَ كافى اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ به وثقت لا بغيره وَهُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الكرسى الْعَظِيْمِ﴿۱۲۹﴾ خصه بالذكر لانه اعظم المخلوقات روى الحاكم فى المستدرك عن أبى بن كعب قال آخر آية نزلت لقد جاءكم رسول الى آخر السورة

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے آس پاس والے منکرین (کفار) سے قتال کرو یعنی ان سے الاقرب فالاقرب کے قاعدہ کے مطابق بالترتیب، اور چاہئے کہ وہ تمہارے اندر سختی پائیں یعنی تم ان کے ساتھ سخت رویہ رکھو، اور یقین رکھو اللہ مدد اور نصرت کے ذریعہ متقیوں کے ساتھ ہے، اور جب (نئی) سورت قرآن کی نازل ہوتی ہے تو ان منافقین میں سے کچھ لوگ آپ ﷺ کے اصحاب سے استہزاء کرتے ہیں (بتاؤ) اس سورت نے تم میں سے کس کے ایمان میں تصدیق کا اضافہ کیا سو (سنو) جو لوگ اہل ایمان ہیں (اس سورت نے) ان کے ایمان میں ان کے اس کی تصدیق کرنے کی وجہ سے اضافہ کردیا ہے اور وہ خوش ہو رہے ہیں یعنی اس سورت کے نزول سے خوش ہو رہے ہیں، اور جن لوگوں کے دلوں میں ضعف اعتقاد کا مرض ہے (اس سورت نے ان) کی گندگی میں مزید گندگی کا اضافہ کردیا اس سورت کا انکار کرنے کی وجہ سے ان کے کفر میں مزید کفر کا اضافہ کردیا ہے اور وہ حالت کفر ہی پر مر گئے کیا یہ منافق نہیں دیکھتے (یَــرَوْنَ) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، اے مومنو ان کو ہر سال ایک یا دو مرتبہ خشک سالی اور امراض کے ذریعہ آزمایا جاتا ہے مگر یہ لوگ پھر بھی نفاق سے باز نہیں آتے اور نہ وہ سبق لیتے ہیں اور جب کوئی (نئی) سورت نازل ہوتی ہے تو ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے ہیں (یعنی آنکھوں کے اشارہ سے باتیں کرنے لگتے ہیں) (دراصل) وہ کھسک جانا چاہتے ہیں حال یہ کہ وہ کہتے ہیں کہ تم کو کھسکتے ہوئے کوئی دیکھ تو نہیں رہا اگر انہیں کوئی دیکھ نہیں رہا ہوتا تو اٹھ کر چلے جاتے ہیں، ورنہ بیٹھے رہتے ہیں، پھر یہ لوگ کفر کی طرف پلٹ گئے اللہ ان کے قلوب کو ہدایت سے پھیر دے اور یہ اس لئے ہوا کہ یہ نا سمجھ لوگ ہیں یعنی ان کے عدم تدبر کی وجہ سے حق کو سمجھتے نہیں، تمہارے پاس ایک ایسے پیغمبر تشریف لائے ہیں جو تمہاری جنس سے ہیں، یعنی تم ہی میں سے ہیں (اور) وہ محمد ﷺ ہیں، تمہارا نقصان میں پڑنا ان پر شاق ہے یعنی تمہاری تکلیف مشقت اور تم کو ناپسندیدہ چیز کا پیش آنا (اس پر شاق ہے) تمہاری فلاح کا وہ حریص ہے یہ کہ تم ہدایت پر آجاؤ اور ایمان والوں کے لئے وہ شفیق اور مہربان ہے، ان کے لئے خیر چاہتے ہیں اب اگر یہ لوگ تم پر ایمان لانے سے اعراض کرتے ہیں تو تم

کہہ دو میرے لئے اللہ کافی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں میں نے اسی پر بھروسہ کیا ہے، یعنی اسی پر اعتماد کیا ہے نہ کہ کسی اور پر، اور عرش عظیم کرسی کا مالک ہے عرش کے ذکر کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ وہ اعظم مخلوقات میں سے ہے، حاکم نے مستدرک میں ابی بن کعب سے روایت کیا ہے کہ سب سے آخر میں نازل ہونے والی آیت "لقد جاء کم رسول، آخر سورت تک ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: یَلُونکُمْ، وَلْیٌ سے جمع مذکر غائب، وہ جو تم سے قریب ہیں۔

قِوْلَہٗ: ای اغلظوا عَلَیْھِمْ، یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوْال: یہ ہے کہ وَلْیَجِدُوْا، یہ کفار کو امر ہے کہ وہ مسلمانوں میں غلظت اور سختی پائیں حالانکہ کفار پر وجدان غلظت واجب نہیں ہے۔

جَوَابْ: یہ ہے کہ گو بظاہر امر کفار کو ہے مگر حقیقت میں امر مومنین کو ہے، آیت میں سبب بول کر مسبب مراد لیا گیا ہے۔

قِوْلَہٗ: یقولون الخ.

سَوْال: یقولون مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَابْ: چونکہ ھل یراکم، کا ماقبل یعنی نَظَرَ بَعْضُھم الی بعضٍ میں بظاہر کوئی ربط نہیں ہے اسلئے کہ ھل یراکم حاضر ہے اور نَظَرَ بَعْضُھُمْ الی بعض غائب ہے، اس میں ربط پیدا کرنے کے لئے یقولون محذوف ماننے کی ضرورت پیش آئی۔

قِوْلَہٗ: من احد، ای من المسلمین.

قِوْلَہٗ: صَرَفَ اللّٰہ علیھم دراصل منافقین کے لئے بددعاء ہے اسلئے کہ یہ مقام کے مناسب ہے نہ خبر۔

قِوْلَہٗ: بانھم قوم لایفقھون یہ انصرفوا کے متعلق ہے نہ کہ صَرَفَ اللّٰہ، کے اسلئے کہ یہ جملہ معترضہ دعائیہ ہے۔

قِوْلَہٗ: منکم ای من جنسکم، ای عربی، قریشیٌ مثلکم.

قِوْلَہٗ: ای عنتکم اس میں اشارہ ہے کہ ماعَنِتم میں ما مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ اس میں عائد کی ضرورت نہیں ہوتی لہٰذا عدم عائد کا شبہ ختم ہو گیا۔

تفسیر و تشریح

یاایّھا الذین آمنوا قاتلوا الَّذِیْنَ یلونکم من الکفار الخ اس آیت میں منکرین حق سے لڑنے کا ایک اہم اصول بیان کیا گیا ہے یعنی الاول فالاول اور الاقرب فالاقرب کے مطابق کافروں سے جہاد کرنا ہے جیسا کہ آپ ﷺ نے پہلے

جزیرۃ العرب کے عربوں سے جہاد کیا جب ان سے فارغ ہوگئے اور مکہ، طائف یمن، یمامہ، ہجر، خیبر، حضرموت وغیرہ اقالیم پر مسلمانوں کا غلبہ ہوگیا اور عرب کے تمام قبائل اسلام میں فوج درفوج داخل ہوگئے تو پھر اہل کتاب سے قتال کا آغاز فرمایا اس کے بعد ۹ھ میں رومیوں سے قتال کے لئے تبوک تشریف لے گئے جو جزیرۃ العرب کے قریب ہے اسی کے مطابق آپ ﷺ کی وفات کے بعد خلفاء راشدین نے روم کے عیسائیوں سے قتال کیا اور ایران کے مجوسیوں سے جنگ کی۔

وَاِذَا مَآ اُنْزِلَتْ سورۃ الخ اس سورت میں منافقین کے کردار کی نقاب کشائی کی گئی ہے یہ آیت اسی کا تتمہ ہے، اس میں بتلایا جا رہا ہے کہ جب ان کی غیر موجودگی میں کوئی سورت نازل ہوتی ہے اور ان کے علم میں بات آتی ہے تو وہ استہزاء اور مذاق کے طور پر آپس میں ایک دوسرے سے کہتے ہیں کہ اس سے تم میں سے کس کے ایمان میں اضافہ ہوا ہے؟

بحمد اللہ تعالیٰ

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَتِسْعُ اٰيَاتٍ وَاَحَدَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ يُوْنُسَ مَكِّيَّةٌ الا فاِنْ كنتَ فى شكٍ الأيتينِ او الثلثَ او ومنهم مَنْ يُؤمِنُ به الأ ية مائةٌ وتسعٌ او عشرُ اياتٍ.

سورۂ یونس مکی ہے سوائے فان كنت فى شكٍّ دوآیتیں یا تین آیتیں، یا ومنهم من يؤمنُ به، ایک آیت، ایک سونو یا ایک سودس آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓرٰ اللّٰهُ اعلمُ بمرادِه بذٰلِكَ تِلْكَ اى هٰذه الاياتُ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ القرانِ والاضافةُ بِمَعْنَى مِنْ الْحَكِيْمِ ① المحكمِ اَكَانَ لِلنَّاسِ اى اهلِ مكةَ استفهامُ انكرٍ والجارُّ والمجرُورُ حالٌ من قولِه عَجَبًا بالنصبِ خبرُ كانَ وبالرفعِ اسمُها والخبرُ وهو اسمُها على الأُولٰى اَنْ اَوْحَيْنَا اى ايحاؤنا اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ محمدٍ صلى الله عليه وسلم اَنْ مفسِّرَةٌ اَنْذِرِ خوِّف النَّاسَ الكافرينَ بالعذابِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنَّ اى بانَّ لَهُمْ قَدَمَ سلفَ صِدْقٍ عِنْدَ رَبِّهِمْ اى اجرًا حسنًا بما قدَّمُوْا من الاعمالِ قَالَ الْكٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا القرانَ المشتمِلَ على ذٰلِكَ لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ ② بيّنٌ وفى قراءةٍ لَساحرٌ والمشارُ اليه النبيُّ صلى الله عليه وسلم اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ من ايامِ الدُّنيا اى فى قدرِها لانه لم يكن ثمه شمسٌ ولا قمرٌ ولوشاءَ لخلقهنّ فى لمحةٍ والعدولُ عنه لتعليمِ خلقِه التثبت ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ استواءً يليقُ به يُدَبِّرُ الْاَمْرَ بينَ الخلائقِ مَا مِنْ زائدةٌ شَفِيْعٍ يشفعُ لاحدٍ اِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهٖ ردٌّ لقولِهم اِنّ الاصنامَ تشفعُ لهم ذٰلِكُمُ الخالقُ المدبرُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ وحِّدوه اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ③ بادغامِ التاءِ فى الاصلِ فى الذالِ اِلَيْهِ تعالٰى مَرْجِعُكُمْ جَمِيْعًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا مصدرانِ منصوبانِ بفعلِهما المقدرِ اِنَّهٗ بالكسرِ استينافا والفتحِ على تقديرِ اللامِ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ اى بَدَأَه بالانشاءِ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ بالبعثِ لِيَجْزِيَ لِيُثيبَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بِالْقِسْطِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ماءٍ بالغٍ نهايةَ الحرارةِ وَعَذَابٌ اَلِيْمٌ مؤلمٌ

بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ﴿۴﴾ أي بسبب كفرهم **هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاۤءً** ذات ضياء أي نور **وَّالْقَمَرَ نُوْرًا وَّقَدَّرَهٗ** من حيث سيره **مَنَازِلَ** ثمانية وعشرين منزلًا في ثمان وعشرين ليلةً من كل شهر ويستتر ليلتين ان كان الشهرُ ثلاثين يومًا، وليلةً ان كان تسعةً وعشرين يومًا **لِتَعْلَمُوْا** بذلك **عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ ۭ مَا خَلَقَ اللّٰهُ ذٰلِكَ** المذكور **اِلَّا بِالْحَقِّ ۚ** لا عبثًا تعالى عن ذلك **يُفَصِّلُ** بالياء والنون يُبَيِّنُ **الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ**﴿۵﴾ يتدبّرون **اِنَّ فِي اخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ** بالذهاب والمجيء والزيادة والنقصان **وَمَا خَلَقَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ** من ملائكةٍ وشمسٍ وقمرٍ ونجومٍ وغير ذلك **وَ** في **الْاَرْضِ** من حيوانٍ وجبالٍ وبحارٍ وانهارٍ واشجارٍ وغيرها **لَاٰيٰتٍ** دلالاتٍ على قدرته تعالى **لِّقَوْمٍ يَّتَّقُوْنَ**﴿۶﴾ فيؤمنون خصّهم بالذكر لأنهم المنتفعون بها **اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَاۤءَنَا** بالبعث **وَرَضُوْا بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** بدل الآخرة لانكارهم لها **وَاطْمَاَنُّوْا بِهَا** سكنوا اليها **وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنْ اٰيٰتِنَا** دلائل وحدانيّتنا **غٰفِلُوْنَ**﴿۷﴾ تاركون النظر فيها **اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمُ النَّارُ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ**﴿۸﴾ من الشرك والمعاصي **اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ يَهْدِيْهِمْ** يُرشدهم **رَبُّهُمْ بِاِيْمَانِهِمْ ۚ** به بأن يجعل لهم نورًا يهتدون به يوم القيمة **تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهِمُ الْاَنْهٰرُ فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ**﴿۹﴾ **دَعْوٰىهُمْ فِيْهَا** طلبهم لما يشتهونه في الجنة أن يقولوا **سُبْحٰنَكَ اللّٰهُمَّ** اي يا الله فاذا ما طلبوه بين ايديهم **وَتَحِيَّتُهُمْ** فيما بينهم **فِيْهَا سَلٰمٌ ۚ وَاٰخِرُ دَعْوٰىهُمْ اَنِ** مفسّرة **الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ**﴿۱۰﴾

ع ۱

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے الٓر، اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ محکم کتاب (یعنی) قرآن کی آیتیں ہیں (آیت الکتاب) میں اضافت بمعنی من ہے کیا ان لوگوں کو یعنی اہل مکہ کو اس بات سے تعجب ہوا، استفہام انکاری ہے اور جار مجرور اس کے قول عجبًا سے حال ہے، عَجَبًا نصب کے ساتھ کانَ کی خبر ہے اور رفع کے ساتھ کان کا اسم ہے اور خبر ان اَوْحَیْنَا الخ ہے اور اَوْحَیْنَا اسم ہے پہلی (یعنی نصب کی) صورت میں اَن اَوْحینا، اِیحَاؤنا مصدر کے معنی میں ہے، کہ ہم نے ان میں کے ایک شخص محمد ﷺ کے پاس وحی بھیج دی کہ لوگوں یعنی کافروں کو عذاب سے ڈرائیے اَن مفسرہ ہے اور جو ایمان لے آئے ہیں ان کو خوشخبری سنائیے، کہ ان کے لئے ان کے رب کے پاس سچی عزت ہے یعنی ان کے کئے ہوئے اعمال کا اچھا بدلہ ہے، کافر کہنے لگے یہ قرآن جو انذار وتبشیر پر مشتمل ہے بلاشبہ کھلا جادو ہے اور ایک قراءت میں لَسَاحِرٌ ہے (اس صورت میں) ذلک کا مشارٌ الیہ آپ ﷺ ہوں گے، حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو دنیا کے دنوں کے اعتبار سے چھ دنوں میں یعنی ان کی مقدار میں پیدا فرمایا اس لئے کہ اس وقت سورج اور چاند نہیں تھے، اور اگر خدا چاہتا تو ایک لمحہ میں ان کو پیدا فرما دیتا مگر اس سے عدول کرنے میں اپنی مخلوق کو عدم عجلت کی تعلیم دینی مقصود تھی پھر تخت حکومت پر جلوہ افروز ہوا جیسا کہ

اس کی شایان شان ہے، وہ مخلوق کے ہر امر کی تدبیر کرتا ہے کوئی کسی کی سفارش نہیں کر سکتا مگر اس کی اجازت سے، (مِن شفیع میں) مِن زائدہ ہے، یہ (کفار) کے اس عقیدہ کا رد ہے کہ بت ان کی سفارش کریں گے، یہی خالق مدبر اللہ تمہارا رب ہے صرف اسی کی بندگی کرو کیا تم (ان دلائل کے سننے کے بعد بھی) نہیں سمجھتے، (تذکرون) میں دراصل تاء کا ذال میں ادغام ہے، تم سب کو اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانا ہے اس نے سچا وعدہ کر رکھا ہے، (وعدًا اور حقًا) دونوں مصدر ہیں جو اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہیں بے شک (اَنّہ) کسرہ کے ساتھ ہے استیناف کی وجہ سے اور فتحہ تقدیر لام کی صورت میں ہے، وہی ابتداء پیدا کرتا ہے یعنی اس نے پیدائش کی ابتداء کی، پھر بعث کے ذریعہ دوبارہ پیدا کرے گا، تاکہ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے انصاف کے ساتھ بدلہ دے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کو پینے کے لئے انتہائی گرم پانی ملے گا یعنی حرارت میں انتہا کو پہنچا ہوا ہوگا، اور دردناک عذاب ہوگا ان کے کفر کی وجہ سے یعنی ان کے کفر کے سبب ان کو سزا دی جائے گی وہی ذات ہے جس نے سورج کو روشن بنایا یعنی روشنی والا یعنی چمکدار بنایا اور چاند کو نورانی بنایا اور چاند کے لئے اس کی رفتار کے اعتبار سے ہر ماہ میں اٹھائیس راتوں میں اٹھائیس منزلیں بنائیں اور دو راتیں پوشیدہ رہتا ہے اگر مہینہ تیس دنوں کا ہو اور ایک رات پوشیدہ رہتا ہے اگر مہینہ ۲۹ دنوں کا ہو، تاکہ تم اس کے ذریعہ برسوں اور تاریخوں کا حساب معلوم کرو اللہ تعالیٰ نے یہ سب کچھ بامقصد بنایا ہے نہ کہ (عبث) بے مقصد اللہ اس سے وراء الوراء ہے وہ نشانیوں کو کھول کھول کر بیان کرتا ہے غور و فکر کرنے والی قوم کے لئے یقیناً رات اور دن کے الٹ پھیر میں (یعنی) آنے اور جانے میں بڑھنے اور گھٹنے میں اور ہر اس چیز میں جو اس نے آسمانوں میں پیدا فرمائی مثلاً فرشتے، سورج چاند ستارے وغیرہ اور زمین میں پیدا فرمائیں مثلاً حیوان، پہاڑ، دریا اور نہریں اور درخت وغیرہ یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں خدا کا ڈر رکھنے والوں کے لئے کہ وہ ایمان لے آئیں مخصوص طور پر متقیوں کا ذکر فرمایا اس لئے کہ یہی لوگ ان نشانیوں سے نفع اٹھاتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کو بعث کے ذریعہ ہماری ملاقات کی توقع نہیں ہے اور وہ آخرت کا انکار کرنے کی وجہ سے آخرت کے بدلے دنیوی زندگی پر راضی ہو گئے ہیں اور اسی پر اطمینان کر بیٹھے ہیں (یعنی) اس سے دل لگا بیٹھے ہیں، اور وہ لوگ جو ہماری وحدانیت پر دلالت کرنے والی ہماری آیتوں سے غافل ہیں (یعنی) ان میں غور و فکر کے تارک ہیں، ایسے لوگوں کا ٹھکانہ ان کے شرکیہ اعمال اور معاصی کی وجہ سے جہنم ہے یقیناً وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک عمل کئے ان کا رب ان کے ایمان کی بدولت ان کی رہنمائی کرے گا بایں صورت کہ ان کے لئے نور مہیا کرے گا جس کے ذریعہ وہ قیامت کے روز اپنے مقصد تک رسائی حاصل کریں گے، بھری جنتوں باغوں میں ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، ان کی طلب (کا طریقہ) جنت میں جس چیز کی ان کو خواہش ہوگی سبحانك اللّٰهم کہنا ہوگا یعنی اے اللہ، اور جب وہ اس کو طلب کریں گے تو وہ شیٔ ان کے سامنے موجود ہوگی، اور ان کا آپسی سلام جنت میں السلام علیکم ہوگا اور ان کی آخری بات الحمد للہ رب العٰلمین ہوگی، اَن، مفسرہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: حالٌ من قوله عَجَبًا، لِلنَّاسِ دراصل محذوف سے متعلق ہوکر عجبًا کی صفت ہے اور صفت جب موصوف پر مقدم ہوتی ہے تو وہ حال کہلاتی ہے اس لئے کہ صفت کا موصوف پر مقدم ہونا درست نہیں ہے، اور نہ للناس، عجبًا کے متعلق ہے اسلئے کہ مصدر عامل ضعیف ہوتا ہے اپنے ماقبل میں عمل نہیں کرتا، عَجَبًا کان کی خبر مقدم ہے اور اَن اَوْحَیْنَا، کان کا اسم مؤخر ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، اکانَ اِیْحاؤُنا عَجَبًا للناسِ، اور عجبٌ رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں عجبٌ کان کا اسم ہوگا، اور اَن اَوْحَیْنَآ جو نصب کی صورت میں اسم تھا وہ رفع کی صورت میں خبر ہوگا، اور ابن مسعود نے عجبٌ کو مرفوع کان کو تامہ مانتے ہوئے پڑھا ہے اور اَن اَوْحَیْنَا کو عجبٌ سے بدل قرار دیا ہے۔

قولہ: قَدَمَ صدقٍ، یہ اضافت موصوف الی الصفت کے قبیل سے ہے جیسا کہ مسجد الجامع میں، قَدَم بمعنی مرتبہ، عزت، گذشتہ نیک کام کا اچھا اجر، مفسر علام نے قدم کی تفسیر سلف، سے کر کے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے، علامہ سیوطی نے اجرًا حَسَنًا بما قدموا من الاعمال کہہ کر یہی معنی مراد لئے ہیں۔

فائدہ: سبقت چونکہ قدم کے ذریعہ ہوتی ہے سابقہ کو قدم کہہ دیا جاتا ہے جیسا کہ نعمت کو ید کہہ دیا جاتا ہے قدم کی صدق کی طرف اضافت زیادتی فضل کے لئے ہے، یا اس لئے کہ مقام صدق قولِ صادق سے حاصل ہوتا ہے۔

قولہ: مذکور، ذلك کی تفسیر مذکور سے کر کے ایک سوال مقدر کا جواب دینا مقصود ہے۔

سوال: یہ ہے کہ، قبل میں شمس و قمر کا ذکر ہے لہٰذا اسم اشارہ تثنیہ لانا چاہئے حالانکہ ذلك مفرد لائے ہیں۔

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ مذکور کے معنی میں لے کر ذلك مفرد لائے ہیں۔

قولہ: اِنَّ الَّذِیْنَ آمنوا الخ یَهدیهم، اِنَّ کی خبر اول ہے اور تجری من تحتها الانهار خبر ثانی ہے اور فی جنّٰتِ نعیم خبر ثالث ہے۔

قولہ: سبحٰنكَ اللّٰهُمَّ یعنی جنتی جب کسی پسندیدہ شئ کی خواہش کریں تو طلب کا طریقہ یہ ہوگا کہ اَللّٰهُمَّ کہیں گے تو فوراً ہی مطلوبہ شئ موجود ہو جائے گی، اَللّٰهُمَّ چونکہ کلمہ نداء ہے لہٰذا دعاء بمعنی طلب ہوگی۔

قولہ: اِذَا ما طلبوه بین اَیْدیهم، اِذا مفاجاتیہ ہے یعنی اہل جنت جب کسی شئ کی خواہش کریں گے تو وہ سبحٰنك اللّٰهُمَّ کہیں گے فوراً ہی وہ شئ حاضر ہو جائے گی۔

قولہ: ذات ضیاءٍ اس اضافہ کا مقصد الشمس ضیاءً کے حمل کو درست قرار دینا ہے اسلئے کہ ضیاء مصدر ہے اس کا حمل ذات پر درست نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

سورت کا نام:

اس سورت کا نام ''یونس'' موضوع کے طور پر نہیں ہے بلکہ اثناء کلام میں چونکہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام آ گیا ہے اسلئے اسم الکل باسم الجزء کے طریقہ پر اس کا نام سورۂ یونس رکھا گیا ہے۔

مقام نزول:

روایات سے معلوم ہوتا ہے اور نفس مضمون سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کہ یہ پوری سورت مکی ہے البتہ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ اس میں دو یا تین آیتیں مدنی ہیں۔

فضائل:

حضرت ابوالدرداء فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ آیت **حسبی اللّٰہ الخ** صبح اور شام سات سات مرتبہ پڑھ لے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہموم اور تفکرات کے لئے کافی ہو جائیگا۔

اکان للناسِ عجبًا الخ استفہام انکار تعجبی کے لئے ہے جس میں توبیخ کا پہلو بھی شامل ہے، یعنی اسبات پر تعجب نہیں ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں ہی میں سے ایک شخص کو وحی رسالت کے لئے چن لیا، کیونکہ اس کے ہم جنس ہونے کی وجہ سے صحیح معنی میں وہ ان کی رہنمائی کر سکتا ہے اور اگر وہ کسی اور جنس سے ہوتا مثلاً فرشتہ یا جن ہوتا تو دونوں ہی صورتوں میں رسالت کا مقصد فوت ہو جاتا، اسلئے کہ انسان اس سے مانوس ہونے کے بجائے وحشت محسوس کرتا دوسرے یہ کہ انسانوں کے لئے ان کا دیکھنا بھی ممکن نہ ہوتا اور اگر کسی جن یا فرشتے کو انسانی قالب میں بھیجا جاتا تو وہی اعتراض لازم آتا کہ یہ تو ہمارے جیسا انسان ہے اسلئے ان کے اس تعجب میں کوئی معقولیت نہیں ہے۔

قدم صدق، اس کا مطلب ہے بلند مرتبہ، اجر حسن، اور وہ اعمال صالحہ کہ جن کو ایک مومن آگے بھیج چکا ہے۔

قال الکافرون انّ ھٰذا لسٰحِرٌ مبین کافروں کو جب انکار کے لئے کوئی اور بات نہ ملتی تو جادوگر یا جادو کی پھبتی کس دیتے مگر یہ نہ سوچتے کہ وہ چسپاں بھی ہوتی ہے یا نہیں۔

انّ ربکم اللّٰہ الّذی خلقَ السمٰواتِ والارض فی ستة ایام، اس آیت میں توحید کو اس ناقابل انکار حقیقت کے ذریعہ سمجھایا گیا ہے کہ آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور پھر پورے عالم کی تدبیر کرنے میں جب اللہ تعالیٰ کا کوئی شریک نہیں تو پھر عبادت و بندگی میں کوئی دوسرا کیسے شریک ہو سکتا ہے؟ اس آیت میں یہ بھی فرمایا کہ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں

پیدا فرمایا مگر عرف میں دن طلوع شمس سے غروب شمس تک کی مدت کو کہا جاتا ہے اور ظاہر ہے کہ آسمان وزمین اور سیاروں کے پیدا کرنے سے پہلے آفتاب ہی کا وجود نہیں تھا تو طلوع وغروب کا حساب کیسے ہوا؟ اس لئے یہاں طلوع وغروب سے وقت کی وہ مقدار مراد ہے جو طلوع وغروب کے اعتبار سے اس دنیا میں ہونے والی تھی۔

چھ دن کی قلیل مدت میں اتنے بڑے جہان کو جو آسمانوں اور زمین اور سیارات اور تمام کائنات عالم پر مشتمل ہے بنا کر تیار کر دینا اسی ذات قدوس کا مقام ہے جو قادر مطلق ہے اور یہ چھ دن کی مدت بھی ایک خاص مصلحت وحکمت کی بنا پر ہے ورنہ اس خالق مطلق کے لئے تخلیق کا صرف ارادہ بھی کر لینا کافی ہے جس کو قرآن میں کن فیکون سے تعبیر فرمایا گیا ہے۔

ثم استوى على العرش، پھر وہ عرش پر متمکن ہوا، اتنی بات تو قرآن وحدیث سے ثابت ہے کہ عرش رحمٰن کوئی ایسی مخلوق ہے جو تمام آسمانوں اور زمین اور تمام کائنات پر محیط ہے، سارا جہان اس کے اندر سمایا ہوا ہے، اس سے زائد اس کی حقیقت کا معلوم کرنا انسان کے بس کی بات نہیں، جو انسان اپنی سائنسی انتہائی ترقی کے زمانہ میں بھی صرف نیچے کے سیاروں تک پہنچنے کی تیاری میں ہے اور بہت سے سیارے ایسے بھی ہیں جن کی شعاع اپنی تخلیق کے وقت سے ابتک زمین تک نہیں پہنچی جبکہ روشنی کی رفتار فی منٹ ۱۸۶۰۰۰ میل کی ہے جب ستاروں اور سیاروں تک انسان کی رسائی کا یہ حال ہے تو آسمان جو ان سب ستاروں اور سیاروں سے اوپر ہے اس کا یہ مسکین انسان کیا حال معلوم کر سکتا ہے اور پھر جو ساتوں آسمانوں سے بھی اوپر ہو اور سب پر حاوی اور محیط ہو وہ عرش رحمٰن ہے اس کی حقیقت تک رسائی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن   کہ جاہا سپر باید انداختن

جن متاخرین علماء نے ان چیزوں کے جو معنی بیان کئے ہیں وہ صرف تخمینی اور احتمالی درجہ رکھتے ہیں نہ کہ یقینی اور حتمی، اس لئے صاف اور بے غبار مسلک سلف صالحین اور صحابہ وتابعین ہی کا ہے جنہوں نے ان چیزوں کی حقیقت کو علم الٰہی کے حوالہ کیا ہے۔

وَقَدَّرَهٗ مَنَازِلَ لِتعلموا عَدَدَ السنين، **قَدَّرهٗ منازل** ماسبق میں سورج اور چاند دونوں کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانیوں میں شمار فرمایا تھا مگر یہاں قدرہ کی ضمیر چاند کی طرف لوٹ رہی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ منزلیں صرف چاند ہی کی ہیں حالانکہ منزلیں دونوں کی ہیں۔

جواب کا حاصل یہ ہے کہ قرآنی احکامات پوری نوع انسانی کے لئے ہیں خواہ دیہاتی ہو یا شہری عالم ہو یا جاہل، چاند کے ذریعہ ماہ وسال کا حساب لگانا اور تاریخوں کو معلوم کرنا ہر شخص کے لئے آسان ہے چاند کو دیکھ کر ہر شخص چاند کی تاریخ کا اندازہ لگا سکتا ہے بخلاف شمسی تاریخوں کے کہ ان کا معلوم کرنا دیہاتی اور جاہل تو کیا پڑھے لکھے کے لئے بھی آسان نہیں ہے شمسی تاریخ معلوم کرنے کے لئے تقویم، جنتری، کیلنڈر کا سہارا لینا ضروری ہوتا ہے بخلاف چاند کی تاریخوں کے کہ رات کو چاند دیکھکر اندازہ لگایا جا سکتا ہے، شمسی تاریخوں کا حساب رصدگاہوں اور آلات پر موقوف ہے جو ہر شخص کو نہ میسر ہیں اور نہ آسان، یہی وجہ ہے کہ شریعت کے بہت سے احکام مثلاً روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ قمری تاریخوں سے متعلق ہیں۔

مَنَازِل، منزل جائے نزول، پڑاؤ کو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ نے شمس وقمر دونوں کے لئے حدود مقرر فرمائی ہیں چاند چونکہ اپنا دورہ ہر مہینہ میں پورا کر لیتا ہے اسلئے اس کی منزلیں ۲۹ یا ۳۰ ہیں، مگر چونکہ ہر مہینہ میں چاند ایک یا دو دن ضرور غائب رہتا ہے جس کو محاق کہتے ہیں اسلئے عموماً چاند کی منزلیں ۲۸ کہی جاتی ہیں، آفتاب کا دورہ ایک سال میں پورا ہوتا ہے اس کی منزلیں ۳۶۵ ہوتی ہیں۔

فائدۂ جلیلہ:

زمین سے چاند کی اوسط دوری ۲۸۰۰۰۰ میل ہے، اس کا حجم زمین کے حجم کا ۴۹/۱ حصہ ہے اور وزن زمین کے وزن کا ۸۱/۱ حصہ ہے، چاند کی سطحی کشش زمین کی سطحی کشش کا تقریباً ۶/۱ حصہ ہے لہٰذا جس چیز کا وزن سطح زمین پر ۶ پونڈ ہے سطح قمر پر اس کا وزن ایک پونڈ ہوگا، یہی وجہ ہے کہ آدمی چاند پر بغیر وزن لئے نہیں چل سکتا۔

چاند زمین کے اردگرد ۲۷ دن ۷ گھنٹے ۴۳ منٹ میں دورہ پورا کرتا ہے، مگر زمین کی سالانہ حرکت کے سبب سے ایک نئے چاند سے دوسرے نئے چاند تک ساڑھے انتیس دن لگتے ہیں، چاند کا دن تقریباً ہمارے ۱۴ دنوں کے برابر ہوتا ہے اسی طرح چاند کی ایک رات ہماری ۱۴ راتوں کے برابر ہوتی ہے۔ (فلکیات جدیدہ)

ونزَلَ لَمَّا استعجل المشركونَ العذابَ وَلَوْيُعَجِّلُ اللّٰهُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَهُمْ اى كاستعجالهم بِالْخَيْرِ لَقُضِيَ بالبناءِ للمفعول والفاعِل اِلَيْهِمْ اَجَلُهُمْ بالرفعِ والنصبِ بأن يُهلكهم ولكن يُمهِلُهم فَنَذَرُ نترك الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ⑪ يترددون متحيرينَ وَاِذَا مَسَّ الْاِنْسَانَ الكافر الضُّرُّ المرضُ والفقرُ دَعَانَا لِجَنْۢبِهٖۤ اى مضطجعًا اَوْ قَاعِدًا اَوْ قَآئِمًا ۚ اى في كل حال فَلَمَّا كَشَفْنَا عَنْهُ ضُرَّهٗ مَرَّ على كفره كَاَنْ مخففةٌ واسمُها محذوفٌ اى كأنَّهُ لَّمْ يَدْعُنَآ اِلٰى ضُرٍّ مَّسَّهٗ ؕ كَذٰلِكَ كما زُيِّنَ له الدعاءُ عند الضرِ والاعراضُ عند الرخاءِ زُيِّنَ لِلْمُسْرِفِيْنَ المشركينَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ⑫ وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الامم مِنْ قَبْلِكُمْ يا اہلَ مكةَ لَمَّا ظَلَمُوْا ۙ بالشرك وَ قد جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ الدالات على صدقهم وَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا ؕ عطفٌ على ظَلَمُوا كَذٰلِكَ كما اہلكنا اولئك نَجْزِي الْقَوْمَ الْمُجْرِمِيْنَ ⑬ الكافرين ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ يا اہلَ مكةَ خَلٰٓئِفَ جمعُ خليفةٍ فِي الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ⑭ فيها وہل تعتبرون بهم فتصدقوا رسلنا وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيَاتُنَا القرآن بَيِّنٰتٍ ۙ ظاہراتٍ حالٌ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لا يخافونَ البعثَ ائْتِ بِقُرْاٰنٍ غَيْرِ هٰذَآ ليس فيه عيبُ الهتنا اَوْ بَدِّلْهُ ؕ من تلقاء نفسك قُلْ مَا يَكُوْنُ ينبغي لِيْۤ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ ۚ قبل اِنْ ما اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ ۚ اِنِّيْۤ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ بتبديله

عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ﴿۱۵﴾ هو يوم القيمة قُلْ لَّوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا تَلَوْتُهٗ عَلَيْكُمْ وَلَآ اَدْرٰىكُمْ اعلمكم بِهٖ ولا نافية عطف على ما قبله وفي قراءة بلام جواب لو اى لا علمكم به على لسان غيرى فَقَدْ لَبِثْتُ مكثت فِيْكُمْ عُمُرًا سنينا اربعين مِّنْ قَبْلِهٖ لا احدثكم بشئ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ﴿۱۶﴾ انه ليس من قبلى فَمَنْ اى لا احد اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا بنسبة الشريك اليه اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ القران اِنَّهٗ اى الشان لَا يُفْلِحُ يسعد الْمُجْرِمُوْنَ﴿۱۷﴾ المشركون وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيره مَا لَا يَضُرُّهُمْ ان لم يعبدوه وَلَا يَنْفَعُهُمْ ان عبدوه وهو الاصنام وَيَقُوْلُوْنَ عنها هٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰهِ قُلْ لهم اَتُنَبِّـُٔوْنَ اللّٰهَ تخبرونه بِمَا لَا يَعْلَمُ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ استفهام انكار اى لو كان له شريك لعلمه اذ لا يخفى عليه شئ سُبْحٰنَهٗ تنزيها له وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ﴿۱۸﴾ معه وَمَا كَانَ النَّاسُ اِلَّآ اُمَّةً وَّاحِدَةً على دين واحد وهو الاسلام من لدن ادم الى نوح وقيل من عهد ابراهيم الى عمرو بن لحي فَاخْتَلَفُوْا بان ثبت بعض وكفر بعض وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بتاخير الجزاء الى يوم القيمة لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ اى الناس في الدنيا فِيْمَا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴿۱۹﴾ من الدين بتعذيب الكافرين وَيَقُوْلُوْنَ اى اهل مكة لَوْلَآ هلا اُنْزِلَ عَلَيْهِ على محمد اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ كما كان للانبياء من الناقة والعصا واليد فَقُلْ لهم اِنَّمَا الْغَيْبُ ما غاب عن العباد اى امره لِلّٰهِ ومنه الايات فلا ياتي بها الا هو وانما على التبليغ فَانْتَظِرُوْا العذاب ان لم تؤمنوا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴿۲۰﴾

تَرجَمہ: اور (آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی جبکہ مشرکین نے عذاب کے جلد آنے کا مطالبہ کیا، اور اگر اللہ لوگوں کے لئے شر کے معاملہ میں جلدی کرتا جیسا کہ یہ خیر کے معاملہ میں جلدی کرتے ہیں تو ان کا وعدہ پورا کر دیا گیا ہوتا **قُضِیَ** مجہول اور معروف دونوں طرح پڑھا گیا ہے، (اَجَلُهُمْ) رفع اور نصب کے ساتھ ہے بایں صورت کہ ان کو ہلاک کر دیا گیا ہوتا، لیکن وہ ان کو مہلت دیتا ہے سو ہم ان کو جن کو ہمارے پاس آنے کی توقع نہیں ہے ان کی سرکشی میں بھٹکتا ہوا چھوڑے رہتے ہیں، (یعنی) تردد کے ساتھ حیران رہتے ہیں، اور جب کافر انسان کو مرض اور فقر وغیرہ کی تکلیف پہنچتی ہے تو ہم کو پکارنے لگتا ہے، لیٹے بھی بیٹھے بھی، کھڑے بھی، یعنی ہر حال میں، پھر جب ہم اس کی وہ تکلیف ہٹا دیتے ہیں، تو پھر اپنے کفر کی سابقہ حالت پر آجاتا ہے گویا کہ جو تکلیف اس کو پہنچی تھی اس کو ہٹانے کے لئے کبھی ہم کو پکارا ہی نہیں تھا (کان) مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے کَانَّهٗ، جس طرح کہ ان کے لئے بوقت تکلیف ہم سے دعاء کرنا اور بوقت خوشحالی اعراض کرنا خوشنما بنا دیا گیا ہے اسی طرح مشرکوں کے اعمال کو ان کے لئے خوشنما بنا دیا گیا ہے اے مکہ والو بلاشبہ ہم نے تم سے پہلے بہت سی امتوں کو ہلاک کر دیا ہے جبکہ انہوں نے شرک کرکے ظلم کیا، حالانکہ ان کے پاس ان کے پیغمبر اپنی سچائی پر دلائل لے کر آئے تھے اور وہ ایسے کہاں تھے کہ ایمان لے

آتے؟ اس کا عطف ظلموا پر ہے، جس طرح ہم نے ان لوگوں کو ہلاک کیا اسی طرح ہم کافروں مجرموں کو سزا دیتے ہیں اے مکہ والو اب ان کے بعد ہم نے تم کو ان کی جگہ زمین میں جگہ دی ہے (خلئف) خلیفة کی جمع ہے تاکہ ہم دیکھیں تم اس میں کیسے عمل کرتے ہو؟ آیا تم ان سے عبرت حاصل کرتے ہو کہ ہمارے رسولوں کی تصدیق کرو، جب انہیں ہماری صاف صاف قرآنی باتیں سنائی جاتی ہیں بیناتٍ حال ہے، تو وہ لوگ جو ہم سے ملنے کی توقع نہیں رکھتے یعنی بعث کا خوف نہیں رکھتے کہتے ہیں اس کے بجائے کوئی اور قرآن لاؤ جس میں ہمارے معبودوں کی عیب جوئی نہ ہو یا اسی میں اپنی طرف سے کچھ ترمیم کردو (اے محمد) ان سے کہہ دو میرا یہ کام نہیں کہ میں اس میں اپنی طرف سے کچھ تغیر تبدل کروں میں تو صرف اس وحی کی پیروی کرتا ہوں جو میرے پاس بھیجی جاتی ہے، اگر میں اس میں ترمیم کرکے اپنے رب کی نافرمانی کروں تو مجھے ایک بڑے دن کے عذاب کا خوف ہے کہ وہ قیامت کا دن ہے، اور کہہ دو کہ اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی تو میں تمہیں یہ قرآن بھی نہ سناتا اور اللہ تم کو اس کی خبر تک نہ دیتا، اور لا نافیہ ہے اپنے ماقبل (یعنی لوشاء اللّٰہ ماتلوته الخ) پر عطف ہے اور ایک قراءت میں لام کے ساتھ ہے جواب لو واقع ہونے کی وجہ سے یعنی میرے علاوہ کسی اور کی زبانی تم کو بتا دیتا، آخر میں اس (قرآن کے نزول) سے پہلے تمہارے درمیان ایک عمر یعنی چالیس سال گذار چکا ہوں کہ میں نے تم سے (اپنی طرف سے) کوئی چیز بیان نہیں کی، کیا تم پھر بھی نہیں سمجھتے کہ یہ (قرآن) میری طرف سے نہیں ہے، پھر اس سے بڑا ظالم کون ہوگا؟ کوئی نہیں، جس نے اللہ پر اس کی طرف شرک کی نسبت کرکے جھوٹا بہتان لگایا اس کی آیات یعنی قرآن کو جھٹلایا یقیناً شان یہ ہے کہ مجرم (مشرک) کبھی فلاح نہیں پا سکتے یہ لوگ اللہ کے سوا دوسروں کی بندگی کر رہے ہیں جو کہ نہ ان کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اگر یہ ان کی بندگی نہ کریں، اور نہ ان کو کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں اگر یہ ان کی بندگی کریں، اور وہ بت ہیں، اور ان بتوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ بت اللہ کے نزدیک ہمارے سفارشی ہیں (اے محمد) تم ان سے کہو کیا تم اللہ کو اس کی خبر دیتے ہو کہ وہ اسے آسمانوں میں جانتا ہے اور نہ زمین میں استفہام انکاری ہے یعنی اگر اس کا کوئی شریک ہوتا تو وہ اس کو ضرور جانتا اسلئے کہ اس سے کوئی شئی پوشیدہ نہیں ہے وہ پاک ہے اور اس سے برتر ہے جس کو یہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں (ابتداء) سارے لوگ ایک ہی امت تھے، یعنی ایک ہی دین پر تھے اور وہ اسلام ہے، آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام تک اور کہا گیا ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے لیکر عمرو بن لحی کے زمانہ تک، بعد میں انہوں نے اختلاف کیا بایں طور کہ بعض اسلام پر ثابت قدم رہے اور بعض نے انکار کر دیا، اگر تیرے رب کی طرف سے ایک بات کا (یعنی) قیامت تک تاخیر عذاب کا فیصلہ نہ کر لیا گیا ہوتا تو لوگوں کے درمیان دنیا ہی میں کافروں کو عذاب کا فیصلہ کر دیا گیا ہوتا جس دین کے بارے میں اختلاف کر رہے ہیں، اور اہل مکہ کہتے ہیں محمد پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی؟ جیسی کہ انبیاء سابقین پر اتاری گئی تھی، کہ وہ اونٹنی، عصا اور ید بیضاء ہیں، تو ان سے کہو کہ غیب کا یعنی جو چیز بندوں سے غائب ہے یعنی اللہ کا حکم، مالک و مختار تو صرف اللہ ہی ہے ان (نشانیوں کو) صرف وہی لا سکتا ہے میرے ذمہ تو صرف تبلیغ ہے اگر تم ایمان نہیں لاتے تو عذاب کا انتظار کرو، میں بھی تمہارا انتظار کرتا ہوں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: ای کا ستعجالھم.

سوال: استعجالھم کی تفسیر کاستعجالھم سے کاف کے اضافہ کے ساتھ کرنے کا کیا فائدہ؟

جواب: استعجال بالخیر بعینہٖ استعجال بالشر نہیں ہے، حرف تشبیہ کاف کا اگر اضافہ نہ کیا جائے تو دونوں کا ایک ہونا لازم آتا ہے اسی فرق کو واضح کرنے کے لئے استعجالھم کی تفسیر کاستعجالھم سے کی اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا استعجالھم، منصوب بنزع الخافض ہے۔

قولہ: بالرفع والنصب رفع قُضِیَ کا نائب فاعل ہونے کی وجہ سے اور نصب قضیٰ کے معروف ہونے کی صورت میں مفعول ہونے کی وجہ سے، اس صورت میں فاعل اللہ ہوگا۔

قولہ: یُمھلھم.

سوال: یُمھلُھُم، کو محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: فَنَذَرُ، میں فاء عاطفہ ہے اس کو معطوف علیہ کی ضرورت ہے حالانکہ اس کا معطوف علیہ ماسبق میں مذکور نہیں ہے اور نہ اس کا عطف قُضِیَ پر صحیح ہے نہ لفظاً اور نہ معناً، لفظاً اس وجہ سے کہ لَقُضِیَ جواب لو ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اگر فَنَذَرُ کا عطف لَقُضِیَ پر ہو تو فَنَذَر مجزوم ہونا چاہئے حالانکہ مجزوم نہیں ہے معنی کے اعتبار سے عطف درست نہ ہونا فساد معنی کی وجہ سے ظاہر ہے، لہٰذا فَنَذَرُ کا عطف اس نفی پر ہوگا جو لَوْ شرطیہ سے مفہوم ہے اسلئے کہ لَوْ یُعَجّل، نفی تعجیل کے معنی کو متضمن ہے اسی نفی تعجیل کے مفہوم بیان کرنے کے لئے مفسر علام نے ولکن یمھلھم کا اضافہ فرمایا ہے، خلاصہ یہ ہوا کہ فَنَذَر کا عطف یمھلھم محذوف پر ہے نہ کہ فَقُضِیَ پر۔

قولہ: وَقد جاءَتھم.

سوال: وَجَاءَتھُم ظَلَموا سے حال ہے حالانکہ ماضی بغیر قد کے حال واقع نہیں ہو سکتا۔

جواب: اسی اعتراض کو دفع کرنے کے لئے مفسر علام نے قَدْ محذوف مانا ہے۔

قولہ: حالٌ یعنی بیّنٰتٍ، ایتُنَا سے حال ہے نہ کہ صفت اسلئے کہ آیتنا اضافت کی وجہ سے معرفہ ہے اور بیّنٰت نکرہ ہے حالانکہ موصوف وصفت میں مطابقت ضروری ہوتی ہے۔

قولہ: وفی قراءۃٍ بلام یعنی لا ادراکم کے بجائے لَاَدْرٰکم ہے یعنی لام تاکید کے ساتھ۔

قولہ: جواب لَوْ، یعنی جواب لَوْ پر عطف ہے جو مَاتَلَوْتُہٗ ہے۔

تفسیر وتشریح

آیت کے دو مفہوم:

وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ (الآیۃ) اس آیت کے دو مفہوم ہیں ایک یہ کہ انسان جس طرح خیر کے طلب کرنے میں جلدی کرتا ہے اسی طرح وہ شر (عذاب) کے طلب کرنے میں بھی جلدی مچاتا ہے گویا کہ یہ اس کی فطرت جلد بازی کا اثر ہے اسی جلد بازی کا نتیجہ ہے کہ اللہ کے نبی سے کہتا ہے کہ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو وہ عذاب لے آؤ جس سے تم ہمکو ڈراتے ہو، وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ میں اگرچہ عام انسانوں کی یہ فطرت بیان کی گئی ہے مگر مراد یہاں منکرین بعث ہیں جب ان کو عذاب آخرت سے ڈرایا جاتا تھا تو وہ کہا کرتے تھے کہ وہ عذاب جس سے تم ڈراتے ہو کہاں ہے؟ اگر سچے ہو تو وہ عذاب جلدی لے آؤ جیسا کہ قرطبی نے اپنی تفسیر میں ابن اسحٰق سے اور مقاتل نے اپنی تفسیر میں نقل فرمایا ہے کہ یہ قول نضر بن الحارث کا ہے کہ اس نے ایک موقع پر کہا تھا "اَللّٰھُمَّ ان کان ھذا ھو الحق مِنْ عندكَ فامطر عَلَیْنَا حجارۃً مِنَ السماءِ" یا اللہ اگر یہ بات (نزول قرآن کی) سچی ہے تو ہم پر آسمان سے پتھر برسادے، مذکورہ آیت میں اسی کا جواب دیا گیا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اگر ہم ان کے مطالبے کے مطابق جلدی عذاب بھیج دیتے تو یہ کبھی کے موت وہلاکت سے دوچار ہو گئے ہوتے لیکن ہم مہلت دیکر انھیں پورا موقع دیتے ہیں کہ اب بھی اپنی سرکشی سے باز آجائیں، مگر یہ اپنی روش بدلنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ ابھی کچھ ہی مدت پہلے کا وہ مسلسل اور سخت بلاخیز قحط ختم ہوا تھا جس کی مصیبت سے اہل مکہ چیخ اٹھے تھے، اس قحط کے زمانے میں قریش کے متکبروں کی اکڑی ہوئی گردنیں کافی حد تک ڈھیلی پڑ گئی تھیں بت پرستی میں بھی کمی آگئی تھی خدائے واحد کی طرف رجوع بھی بڑھ گیا تھا نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ آخر کار ابوسفیان نے آکر نبی ﷺ سے درخواست کی کہ آپ خدا سے اس بد کو ٹالنے کے لئے دعاء فرمائیں آپ ﷺ نے دعاء فرمائی اور جب قحط ختم ہو گیا، بارش ہونے لگی اور خوشحالی کا دور دورہ شروع ہو گیا، تو ان لوگوں کی وہی سرکشیاں اور بداعمالیاں اور دین حق کے خلاف وہی سابقہ سرگرمیاں پھر شروع ہو گئیں، جو دل خدا کی طرف رجوع ہونے لگے تھے وہ اپنی سابقہ غفلتوں میں پھر ڈوب گئے۔

آیت کا دوسرا مفہوم:

دوسرا مفہوم یہ ہے کہ جس طرح انسان اپنے لئے خیر اور بھلائی کی دعائیں مانگتا ہے جنھیں ہم قبول کرتے ہیں اسی طرح انسان جب غصے یا تنگی میں ہوتا ہے تو اپنے لئے اور اپنی اولاد کے لئے اور اپنے مال وغیرہ کے لئے بددعائیں کرتا ہے جنھیں ہم اس لئے نظر انداز کر دیتے ہیں کہ یہ زبان سے ہلاکت مانگ رہا ہے مگر دل میں اس کے ایسا ارادہ نہیں ہے۔ لیکن اگر ہم انسانوں کی بددعاؤں کے مطابق انھیں فوراً ہلاکت سے دوچار کرنا شروع کر دیں تو پھر جلدی ہی یہ لوگ موت اور

تباہی سے ہمکنار ہو جایا کریں اسی لئے حدیث شریف میں آتا ہے کہ تم اپنے لئے، اپنی اولاد کے لئے اور اپنے مال و کاروبار کے لئے بددعاء مت کیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری بددعائیں اس گھڑی کو پالیں جس میں اللہ کی طرف سے دعاء قبول کی جاتی ہے پس وہ تمہاری بددعاء قبول فرمالے۔ (سنن ابی داؤد کتاب الوتر، مسلم کتاب الزهد)

وَاِذَا مَسَّ الانسانَ الضُّرُّ دعانَا، (الآیة) اس آیت میں منکرین توحید و آخرت بلکہ انسان کی اس حالت کا تذکرہ ہے جو انسان کی اکثریت کا شیوہ ہے بلکہ بہت سے اللہ کے ماننے والے بھی اس کوتاہی کا عام ارتکاب کرتے ہیں، مصیبت کے وقت تو خوب اللہ اللہ ہوتی ہے دعائیں کی جاتی ہیں نمازوں کی پابندی بھی ہوتی ہے مسجدیں خوب آباد نظر آتی ہیں لیکن جب اللہ تعالیٰ مصیبت کا وہ سخت وقت اپنی رحمت سے نکال دیتا ہے تو پھر انسان بارگاہ الٰہی میں دعاء و تضرع تو کجا فرائض سے بھی غافل ہو جاتا ہے۔

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا القرونَ الاولیٰ مِنْ قبلكم (الآیة) اس آیت میں کفار مکہ کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی ڈھیل سے یہ نہ سمجھنا کہ دنیا میں عذاب آہی نہیں سکتا پہلی بہت سی امتوں کو ان ہی اسباب کی وجہ سے جو تم میں بدرجۂ اتم موجود ہیں ہلاک کیا جا چکا ہے، ایسا نہ ہو کہ کہیں تم بھی پہلی امتوں کی طرح ہلاکت سے دوچار ہو جاؤ۔

قوموں کی ہلاکت کی دوسری صورت:

قرآن کریم میں ''قرون'' کا لفظ استعمال ہوا ہے قرون قرن کی جمع ہے جس سے عربی زبان میں عام طور پر ایک عہد کے لوگ مراد ہوتے ہیں، لیکن قرآن نے جس انداز سے مختلف قوموں پر اس لفظ کا استعمال کیا ہے اس سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قرن سے مراد وہ قوم ہے جو اپنے دور میں برسرِ عروج اور کلّی یا جزوی طور پر امامتِ عالم پر سرفراز رہی ہو ایسی قوم کی ہلاکت کے لازماً یہی معنی نہیں کہ اس کی نسل کو بالکل غارت ہی کر دیا جائے، بلکہ اس کو مقام عروج و امامت سے گرا دیا جانا، اس کی تہذیب و تمدن کا تباہ ہو جانا، اس کے تشخص کا مٹ جانا اور اس کے اجزاء کا پارہ پارہ ہو جانا، یہ بھی ہلاکت ہی کی ایک صورت ہے۔

ثم جَعَلْنٰكم خَلٰئِفَ فی الارض، اس آیت میں خطاب خاص طور پر اہل مکہ کو اور عام طور پر اہل عرب کو ہے ان سے یہ کہا جا رہا ہے کہ پچھلی قوموں کو اپنے اپنے زمانہ میں کام کرنے اور اپنی اصلاح کرنے کا موقع دیا گیا تھا مگر انہوں نے نہ اپنی اصلاح کی طرف توجہ کی اور نہ کار مفوضہ کو انجام دیا بلکہ بغاوت و سرکشی کی روش اختیار کی، اور جو انبیاء علیہم السلام ہم نے ان کو راہ راست دکھانے کے لئے بھیجے تھے ان کی بھی ایک نہ سنی آخر کار وہ امتحان میں ناکام ہوئے اور انھیں میدان سے ہٹا دیا گیا، اے اہل مکہ! اور اہل عرب! اب تمہاری باری آئی ہے تمہیں ان کی جگہ کام کرنے کا موقع دیا جاتا ہے تم اسی امتحان گاہ میں کھڑے ہو جس سے تمہارے پیش رو ناکام ہونے کی وجہ سے نکالے جا چکے ہیں اگر تم نہیں چاہتے کہ تمہارا بھی انجام وہی ہو جو ان کا ہوا تو اس موقع سے جو تم کو دیا گیا ہے صحیح فائدہ اٹھاؤ، پچھلی قوموں کی تاریخ سے سبق لو اور ان غلطیوں کا اعادہ نہ کرو جو ان کی تباہی و ہلاکت کی موجب ہوئیں۔

مشرکین مکہ کی ناروافرمائش اوراس کی تردید:

واذا تتلی علیھم آیاتنا بینٰتٍ (الآیۃ) ان چار آیتوں میں مشرکین کی ناروافرمائش کی تردید ہے مشرکین مکہ کی ناروا فرمائش یہ تھی کہ یہ قرآن تو ہمارے عقائد ونظریات کے خلاف ہے جن بتوں کی ہمارے باپ دادا ہمیشہ تعظیم کرتے آئے ہیں اور ان کو حاجت روا مانتے آئے ہیں قرآن ان سب کو باطل اور لغو قرار دیتا ہے اور بہت سی چیزیں جنہیں ہم استعمال کرتے چلے آئے ہیں قرآن ان سب کو حرام قرار دیتا ہے اور قرآن کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا ہے اور حساب کتاب دینا ہوگا، یہ سب چیزیں ہماری سمجھ میں نہیں آتیں ان کو ہم ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں اس لئے آپ یا تو ایسا کریں کہ اس قرآن کے بجائے کوئی دوسرا قرآن بنادیں جس میں یہ چیزیں نہ ہوں یا کم از کم اسی میں ترمیم کرکے ان چیزوں کو نکالدیں، مشرکین مکہ کا یہ خیال اول تو اس مفروضہ پر مبنی تھا کہ محمد ﷺ جو کچھ پیش کررہے ہیں یہ خدا کی طرف سے نہیں ہے بلکہ ان کے اپنے دماغ کی تصنیف ہے اس کو خدا کی طرف منسوب کرکے صرف اس لئے پیش کیا ہے کہ ان کی بات کا وزن بڑھ جائے۔

قُلْ مَا یَکُونُ لِیْ اَنْ اُبَدِّلَہٗ، یہ مذکورہ دونوں باتوں کا جواب ہے اس میں یہ بات صاف کردی گئی ہے کہ اس کتاب کا مصنف میں نہیں ہوں بلکہ یہ تو وحی کے ذریعہ میرے پاس آئی ہے جس میں کسی ردوبدل کا مجھے اختیار نہیں اور نہ اس معاملہ میں مصالحت کا قطعاً کوئی امکان ہے، قبول کرنا ہو تو اس پورے دین کو قبول کرو ورنہ پورے کو رد کردو۔

قُلْ لَوْ شاء اللّٰہ ما تَلَوْتُہ علیکم ولا ادرا کم بہ، یعنی سارا معاملہ اللہ کی مشیت پر موقوف ہے وہ چاہتا تو میں نہ تمہیں پڑھ کرسناتا نہ تمہیں اس کی کوئی اطلاع ہی ہوتی بعض حضرات نے "ما ادرا کم بہ" کے معنی کئے ہیں اَعْلمکم بہ علی لسانی، کہ وہ تم کو میری زبانی اس قرآن کی بات کچھ نہ بتلاتا، میری کیا طاقت کہ میں اپنی طرف سے کلام بنا کر پیش کروں اور کہہ دوں کہ یہ اللہ کا کلام ہے، آخر میری عمر کے چالیس سال تمہارے درمیان گذرے ہیں، اس قدر طویل مدت میں تمہیں میرے حالات سے متعلق ہر قسم کا تجربہ ہوچکا ہے میری دیانت اور صدق وعفاف تم میں ضرب المثل ہے، میرا امّی ہونا اور کسی ظاہری معلم کے سامنے زانوئے ادب تہ نہ کرنا ایک معروف ومسلّم واقعہ ہے پھر چالیس سال تک جس نے نہ کوئی قصیدہ لکھا ہو اور نہ شاعروں میں شریک ہوا ہو نہ کبھی کتاب کھولی ہو اور نہ کبھی قلم ہاتھ میں پکڑا ہو اور نہ کسی درسگاہ میں بیٹھا ہو دفعۃً ایسا کلام بنالائے جو اپنی فصاحت وبلاغت، شوکت وجزالت، جدّت اسلوب اور سلاست وروانی سے جن وانس کو عاجز کردے یہ بات کسی کی سمجھ میں آسکتی ہے؟ تم کو سوچنا چاہئے کہ جس پاک سرشت انسان نے چالیس سال تک کسی انسان پر جھوٹ نہ لگایا ہو وہ ایک دم ایسی جسارت کرسکتا ہے کہ معاذ اللہ خداوند قدوس پر جھوٹ باندھے ناچار ماننا پڑے گا کہ جو کلام الٰہی تم کو سنایا جارہا ہے یہ خدائی کلام ہے اور کسی کو یہ اختیار نہیں کہ اس کے ایک زیر یا زبر کو بھی تبدیل کرسکے۔

وَیقولونَ لَوْلا اُنزِلَ علیہ آیۃٌ من ربّہ، اس سے مراد کوئی بڑا اور واضح معجزہ ہے، جیسے قوم ثمود کے لئے اونٹنی کا ظہور ہوا، ان کے لئے صفا پہاڑی کو سونے کا یا مکہ کے پہاڑوں کو ختم کرکے ان کی جگہ نہریں اور باغات بنانے کا یا اور کوئی اس قسم کا معجزہ

صادر کر کے دکھلایا جائے، خدا تعالیٰ کو اس بات پر قدرت حاصل ہے کہ ان کی خواہشات کے مطابق معجزہ ظاہر فرمادے لیکن اس کے بعد بھی اگر وہ ایمان نہ لائے تو اللہ کا قانون یہ ہے کہ ایسی قوم کو فوراً ہلاک کر دیتا ہے اس لئے اس بات کا علم صرف اسی کو ہے کہ ان کے مطلوبہ معجزے اگر ان کو دکھائے گئے تو انھیں کتنی مہلت دی جائے گی؟ اسی لئے آپ فرمایا تم بھی انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں۔

دراصل یہ منکرین کی مریض ذہنیت کا بیان ہے کہ ان کو تسلی تو کسی معجزے یا کسی نشانی یا کسی آیت سے نہیں ہوتی اور ان کو تسلی مقصود نہیں بلکہ ہر اعجازی واقعہ کی کوئی نہ کوئی مادی توجیہ وتاویل کر لیتے ہیں اور فوراً ہی دوسرے معجزے کی فرمائش کر دیتے ہیں۔

وَإِذَا أَذَقْنَا النَّاسَ ای کفار مکۃ **رَحْمَةً** مطرًا وخصبًا **مِّن بَعْدِ ضَرَّاءَ** بؤس وجدب **مَسَّتْهُمْ إِذَا لَهُم مَّكْرٌ فِي آيَاتِنَا** بالاستہزاء والتکذیب **قُلِ** لہم **اللَّهُ أَسْرَعُ مَكْرًا** مجازاۃ **إِنَّ رُسُلَنَا** الحفظۃ **يَكْتُبُونَ مَا تَمْكُرُونَ** ﴿۲۱﴾ بالتاء والیاء **هُوَ الَّذِي يُسَيِّرُكُمْ** وفی قراءۃ ینشرکم **فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ حَتَّىٰ إِذَا كُنتُمْ فِي الْفُلْكِ** السفن **وَجَرَيْنَ بِهِم** فیہ التفات عن الخطاب **بِرِيحٍ طَيِّبَةٍ** لینۃ **وَفَرِحُوا بِهَا جَاءَتْهَا رِيحٌ عَاصِفٌ** شدیدۃ الھبوب تکسر کل شئ **وَجَاءَهُمُ الْمَوْجُ مِن كُلِّ مَكَانٍ وَظَنُّوا أَنَّهُمْ أُحِيطَ بِهِمْ** ای اُہلکوا **دَعَوُا اللَّهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ** الدعاء **لَئِنْ** لام قسم **أَنجَيْتَنَا مِنْ هَٰذِهِ** الاہوال **لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ** ﴿۲۲﴾ الموحدین **فَلَمَّا أَنجَاهُمْ إِذَا هُمْ يَبْغُونَ فِي الْأَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ** بالشرک **يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّمَا بَغْيُكُمْ** ظلمکم **عَلَىٰ أَنفُسِكُم** لان اثمہ علیہا ہو **مَّتَاعَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** تتمتعون فیہا قلیلاً **ثُمَّ إِلَيْنَا مَرْجِعُكُمْ** بعد الموت **فَنُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ** ﴿۲۳﴾ فنجازیکم علیہ وفی قراءۃ بنصب متاع ای تتمتعون **إِنَّمَا مَثَلُ** صفۃ **الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَاءٍ** مطر **أَنزَلْنَاهُ مِنَ السَّمَاءِ فَاخْتَلَطَ بِهِ** بسببہ **نَبَاتُ الْأَرْضِ** واشتبک بعضہ ببعض **مِمَّا يَأْكُلُ النَّاسُ** من البر والشعیر وغیرہما **وَالْأَنْعَامُ** من الکلأ **حَتَّىٰ إِذَا أَخَذَتِ الْأَرْضُ زُخْرُفَهَا** بہجتہا من النبات **وَازَّيَّنَتْ** بالزہر واصلہ تزینت اُبدلت التاء زاءً و اُدغمت فی الزاء ثم اجتلبت ہمزۃ الوصل **وَظَنَّ أَهْلُهَا أَنَّهُمْ قَادِرُونَ عَلَيْهَا** متمکنون من تحصیل ثمارہا **أَتَاهَا أَمْرُنَا** قضاؤنا اوعذابنا **لَيْلًا أَوْ نَهَارًا فَجَعَلْنَاهَا** ای زرعہا **حَصِيدًا** کالمحصود بالمناجل **كَأَن** مخففۃ ای کأنہا **لَّمْ تَغْنَ** تکن **بِالْأَمْسِ كَذَٰلِكَ نُفَصِّلُ** نبین **الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَتَفَكَّرُونَ** ﴿۲۴﴾ **وَاللَّهُ يَدْعُو إِلَىٰ دَارِ السَّلَامِ** ای السلامۃ وہی الجنۃ بالدعاء الی الایمان **وَيَهْدِي مَن يَشَاءُ** ہدایتہ **إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ** ﴿۲۵﴾ دین الاسلام **لِّلَّذِينَ أَحْسَنُوا** بالایمان **الْحُسْنَىٰ** الجنۃ **وَزِيَادَةٌ** ہی النظر الیہ تعالیٰ کما فی حدیث مسلم **وَلَا يَرْهَقُ** یغشی **وُجُوهَهُمْ قَتَرٌ** سواد **وَلَا ذِلَّةٌ** کآبۃ **أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ** ﴿۲۶﴾ **وَالَّذِينَ** عطف علی الذین احسنوا ای و الذین **كَسَبُوا السَّيِّئَاتِ** عملوا الشرک **جَزَاءُ سَيِّئَةٍ بِمِثْلِهَا وَتَرْهَقُهُمْ ذِلَّةٌ مَّا لَهُم مِّنَ اللَّهِ مِنْ** زائدۃ **عَاصِمٍ** مانع **كَأَنَّمَا أُغْشِيَتْ** البست

وُجُوْهُهُمْ قِطَعًا بفتح الطاء جمع قِطعةٍ واسكانِها اى جزأً مِّنَ الَّيْلِ مُظْلِمًا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٢٧﴾ وَ اذكُرْ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ اى الخلق جَمِيْعًا ثُمَّ نَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا مَكَانَكُمْ نصبٌ بالزموا مقدرًا اَنْتُمْ تاكيدٌ للضمير المستتر فى الفعل المقدر ليُعطف عليه وَشُرَكَآؤُكُمْ اى الاصنام فَزَيَّلْنَا ميّزنا بَيْنَهُمْ وبين المؤمنين كما فى اٰية وامْتَازُوا اليَوْمَ اَيُّهَا المُجْرِمُوْنَ وَقَالَ لهم شُرَكَآؤُهُمْ مَّا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ﴿٢٨﴾ ما نافيةٌ وقُدِّم المفعولُ للفاصلةِ فَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ اِنْ مخففة اى اِنَّا كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿٢٩﴾ هُنَالِكَ اى ذلك اليوم تَبْلُوْا من البَلْوٰى وفى قراءةٍ بتائَيْنِ من التلاوةِ كُلُّ نَفْسٍ مَّا اَسْلَفَتْ قدّمتْ من العمل وَرُدُّوْا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ الثابتِ الدائمِ وَضَلَّ غابَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿٣٠﴾ عليه من الشركاءِ.

ترجمہ: اور لوگوں کا یہ حال ہے کہ جب ان کو یعنی کفار مکہ کو تکلیف اور قحط سالی کے بعد جوان کو پیش آچکی ہوتی ہے رحمت یعنی بارش اور خوشحالی کا مزا چکھا دیتے ہیں تو وہ ہماری آیتوں کے بارے میں استہزاء اور تکلیف کے ذریعہ چالبازیاں کرنے لگتے ہیں ان سے کہو کہ اللہ چالبازی کا جواب دینے میں تم سے زیادہ تیز ہے (اور) بلاشبہ ہمارے فرشتے ان کی مکاریوں کو قلمبند کر رہے ہیں (تمکرون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، وہ اللہ ہی ہے کہ جو تم کو خشکی اور تری میں چلاتا ہے اور ایک قراءت میں یَنشرون ہے، یہاں تک کہ جب تم کشتیوں میں ہوتے ہو اور وہ ان کو نرم (موافق) ہوا کے ذریعہ لے کر چلتی ہیں، اور وہ اس سے خوش ہوتے ہیں تو (اچانک) ہوا کا ایک شدید بگولا آتا ہے جو ہر شئی کو توڑ پھوڑ کر رکھ دیتا ہے، اور ہر طرف سے موجیں آنے لگتی ہیں اور وہ سمجھ لیتے ہیں کہ (برے) آگھرے یعنی وہ اب ہلاک کئے گئے، اس وقت یہ لوگ دین کو اللہ کے لئے خالص کر کے (اخلاص کے ساتھ) اللہ سے دعاء کرنے لگتے ہیں اور قسمیہ کہتے ہیں (لــئــن میں) لام قسمیہ ہے اگر تو نے ہم کو ان ہولناکیوں سے نجات دیدی تو ہم تیرے شکر گزار موحد بندوں میں سے ہو جائیں گے مگر جب ہم نے ان کو بچا لیا تو پھر وہی لوگ زمین پر شرک کر کے ناحق سرکشی کرنے لگے، لوگو یہ سرکشی تمہارے ہی خلاف پڑ رہی ہے اس لئے کہ اس کا گناہ تمہارے اوپر ہے دنیا کے چند روزہ مزے ہیں، چند روز لوٹ لو موت کے بعد تم کو ہمارے پاس لوٹ کر آنا ہے اس وقت ہم تمہیں بتا دیں گے کہ تم (دنیا میں) کیا کچھ کیا کرتے تھے، پھر ہم تم کو اس کا بدلہ دیں گے اور ایک قراءت میں مَتَــاعُ کے نصب کے ساتھ ہے، (ای تتمتعون متاعَ الحیٰوۃ الدنیا) دنیوی زندگی کی مثال ایسی ہے جیسے آسمان سے پانی برسا جس کی وجہ سے زمین کی پیداوار خوب گھنی ہوگئی، جس میں سے انسان کھاتے ہیں مثلاً گندم، جو وغیرہ، اور جانور کھاتے ہیں مثلاً گھاس وغیرہ، پھر عین اس وقت جبکہ زمین اپنی پوری بہار پر تھی یعنی ہریالی کی وجہ سے پر رونق تھی، اور اس کی رونق کی وجہ سے خوب زیبائش ہوگئی (ازَّیَّنَتْ) کی اصل تَـزَیَّنَتْ تھی، تاء کو زاء سے بدل کر زاء کو زاء میں مدغم کر دیا پھر اس کے شروع میں ہمزہ وصل کا اضافہ کر دیا گیا، اور اس کے مالک سمجھ رہے تھے کہ اب ہم اس (سے فائدہ حاصل کرنے) پر قادر ہیں یعنی اس کے پھلوں (پیداوار) سے فائدہ اٹھانے پر قادر

ہیں یکا یک رات میں یا دن میں ہمارا حکم یعنی فیصلہ یا عذاب اس پر آپڑا تو ہم نے اس کھیتی کو صاف کر دیا جیسا کہ درانتی سے کٹی ہوئی کھیتی، ایسی جیسا کہ کل وہاں کچھ تھا ہی نہیں، اسی طرح کھول کھول کر نشانیاں بیان کرتے ہیں، ان لوگوں کے لئے جو غور و فکر کرنے والے ہیں اور اللہ ایمان کی دعوت دے کر سلامتی کے گھر کی طرف بلاتا ہے اور وہ جنت ہے اور وہ جس کی ہدایت چاہتا ہے اس کی صراط مستقیم (یعنی) دین اسلام کی جانب رہنمائی کرتا ہے جن لوگوں نے ایمان کے ساتھ نیکی کی ان کے لئے خوبی (یعنی) جنت ہے، اور مزید برآں بھی، اور وہ (مزید) اللہ کا دیدار ہے جیسا کہ مسلم شریف کی حدیث میں ہے، اور ان کے چہروں پر نہ سیاہی چھائے گی اور نہ ذلت مشقت، یہی لوگ جنتی ہیں کہ اس میں ہمیشہ رہیں گے، اور جن لوگوں نے بدی کی ہوگی اس (الذین) کا عطف اَلَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا پر ہے (تقدیر عبارت) وَلِلَّذِیْنَ کَسَبُوْا ہے، ان کی بدی کی سزا ان کی بدی کے مثل ہوگی اور ان پر ذلت چھائی ہوگی ان کو اللہ (کے عذاب) سے کوئی بچانے والا نہیں ہوگا، مِنْ زائدہ ہے گویا کہ ان کے چہروں پر سیاہ رات کا ایک حصہ ڈال دیا گیا ہوگا (قِطَعًا) طاء کے فتحہ کے ساتھ، قِطَعًا قِطْعَة کی جمع ہے، اور سکون طاء کے ساتھ بمعنی حصہ ہے یہی لوگ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ دن بھی قابل ذکر ہے جس دن ہم تمام مخلوق کو جمع کریں گے پھر مشرکوں سے کہیں گے کہ تم اور تمہارے شریک بت اپنی جگہ ٹھہرو (مَکَانَکُمْ) اِلْزَمُوْا مقدر کی وجہ سے منصوب ہے (انتم) فعل مقدر (اِلْزَمُوْا) میں ضمیر مستتر کی تاکید ہے تاکہ (ضمیر مستتر) پر عطف درست ہو سکے، تو ہم ان کے اور مومنوں کے درمیان پھوٹ ڈال دیں گے جیسا کہ (آیت) وَامْتَازُوا الیوم اَیُّھا المجرمون، میں ہے، اور ان کے شرکاء کہیں گے تم ہماری بندگی نہیں کرتے تھے مَا، نافیہ ہے فواصل کی رعایت کی وجہ سے مفعول (اِیَّانَا) کو مقدم کر دیا گیا ہے، سو ہمارے اور تمہارے درمیان گواہ کے طور پر اللہ کافی ہے اِنْ مخففہ عن المثقلہ ہے ای اِنَّا، ہم تو تمہاری اس عبادت سے بالکل بے خبر تھے اس دن ہر شخص اپنے کئے کا مزا چکھ لے گا تبلوا، بلوی، سے ماخوذ ہے اور ایک قراءت میں دو تاؤں کے ساتھ ہے (اس وقت) یہ تلاوۃ سے ماخوذ ہوگا، اور یہ لوگ اللہ کی طرف جو ان کا مولائے حقیقی ہے ثابت و دائم ہے، لوٹائے جائیں گے اور جو جھوٹ انہوں نے شرکاء کے بارے میں گھڑ رکھے تھے غائب ہو جائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَاِذَا اَذَقْنَا النَّاسَ الی اِذَا لَھُمْ مکرفی آیتنا، واو استینافیة اذا ظرفیة متضمن بمعنی شرط، اِذَا لَھُمْ، جزاءِ شرط ہے اِذَا مفاجاتیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: مجازاۃ.

سَوَال: مکر کی تفسیر مجازاۃ سے کرنے کا کیا مقصد ہے؟

جَوَاب: چونکہ مکر کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف مناسب نہیں ہے اسلئے مکر کی تفسیر جزاء مکر سے کی ہے۔

قَوْلُہٗ: السفن، فُلْكٌ کا صیغہ چونکہ مفرد اور جمع کے لئے مشترک ہے اسلئے فُلك کی تفسیر سُفُنٌ سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہاں جمع مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: فیه التفاتٌ عن الخطاب، سابق میں خطاب کے صیغے استعمال ہوئے ہیں جَرَیْنَ بهم میں غائب کی ضمیر لائی گئی ہے ایسا زیادتی تقبیح کو بیان کرنے کے لئے کیا گیا ہے جَـرَیْـنَ ماضی جمع مؤنث غائب کا صیغہ ہے وہ چلیں، وہ جاری ہوئیں، متعدی بالباء کی وجہ سے اس کے معنی ہیں وہ کشتیاں ان کو لے کر چلیں۔

قَوْلُہٗ: رِیحٌ، الهَوَاء المسخر بینَ السّماءِ وَالارض. ریح فضاء میں معلق ہوا کو کہتے ہیں (المصباح) رِیحٌ اصل میں رِوْحٌ تھا واؤ کو ماقبل مکسور ہونے کی وجہ سے یاء سے بدل دیا رِیحٌ ہو گیا اس کی جمع اَرْوَاحٌ اور رِیَاحٌ آتی ہے رِیحٌ مؤنث سماعی ہے۔

قَوْلُہٗ: وظَنُّوا انّهم اُحِیطَ بِهِمْ اس کا عطف جَاءَ هُمْ پر ہے اور انَّ اور جو اس کے ماتحت ہے وہ ظَنُّوا کے دو مفعولوں کے قائم مقام ہے اور اُحِیطَ بِهِمْ انَّ کی خبر ہے اور جملہ دَعَوُا اللّٰه الخ ظَنّوا سے بدل الاشتمال ہے اسلئے کہ ان کی دعاء ان کے ہلاکت کے گمان کے لوازم میں سے ہے، اور سوال مقدر کا جواب ہونے کی صورت میں جملہ مستانفہ بھی ہو سکتا ہے (یعنی) ماذا صَنَعُوا؟ قِیلَ دَعَوُا اللّٰه مخلصین له الدین.

قَوْلُہٗ: اصله تَزَیَّنَتْ، باب تَفَعُّلٌ.

قَوْلُہٗ: زَرْعَهَا.

سُوَالٌ: یہاں حذف مضاف سے کیا فائدہ ہے؟

جَوَابٌ: اگر زرع مضاف محذوف نہ مانا جائے تو نفس ارض کو کاٹنا لازم آئیگا حالانکہ زمین کے کاٹنے کا کوئی مطلب نہیں ہے اس لئے زرع مضاف محذوف مانا، اور اظہار مبالغہ کے لئے مضاف کو حذف کر دیا یعنی کھیتی کو کاٹ کر ایسا صاف کر دیا گویا زمین ہی کو کاٹ کر صاف کر دیا۔

قَوْلُہٗ: عطفٌ علی الّذِینَ احسنوا، یہ ان لوگوں کے قول کے مطابق ہے جو فی الدار زید والحجرة عمرو کی ترکیب کو جائز کہتے ہیں۔

تفسیر و تشریح

وَاِذَا اَذَقْنَا النّاسَ رحمةً (الآیة) یہ اسی سات سالہ خشک سالی کے ابتلاء کی طرف اشارہ ہے جس کا ذکر ابھی آیت نمبر ۱۱۔۱۲ میں گذرا ہے جس میں وہ درختوں کے پتے اور سوکھا چمڑا کھانے پر مجبور ہو گئے تھے ضعف اور کمزوری کا یہ عالم تھا کہ آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا گیا تھا اور آسمانوں پر دھواں نظر آنے لگا تھا اور جس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اپنے معبودوں سے مایوس ہو کر جن کو مشرکوں نے اللہ کے یہاں سفارشی ٹھہرا رکھا تھا، ابوسفیان نے آپ ﷺ کی خدمت میں مدینہ آکر باران رحمت

کی دعاء کرائی تھی اور آپ کی دعاء کی بدولت ان کی یہ سات سالہ مصیبت دور ہوئی تھی اور جب یہ مصیبت دور ہوگئی تو بجائے اس کے کہ اللہ وحدہ پر ایمان لاتے اور آپ ﷺ کی رسالت کو قبول کرتے اس خشک سالی کی مختلف تاویل وتوجیہ کرکے کہنے لگے کہ یہ خشک سالی کوئی نئی بات نہیں ہے خشک سالی تو دنیا میں کہیں نہ کہیں ہوتی ہی رہتی ہے اور ہمارے یہاں بھی اس سے پہلے بارہا خشک سالی ہوئی ہے البتہ اتنی بات ہے کہ اس مرتبہ ذرا طویل ہوگئی، مشرکین کی اسی حرکت کو مکروچالبازی سے تعبیر کیا ہے۔

قُلِ اللّٰہ اسرعُ مکرًا، عربی لغت کے اعتبار سے مکر خفیہ تدبیر کو کہتے ہیں جو اچھی بھی ہوسکتی ہے اور بری بھی یہاں اردو محاورہ کا مکر مراد نہیں ہے جو کہ دھوکہ اور فریب کو کہتے ہیں، جس سے حق تعالیٰ بری ہے، بلکہ یہاں جزاء مکر مراد ہے اور وہ اس طرح کہ اگر تم اپنا رویہ درست نہیں کرتے تو وہ تمہیں اسی باغیانہ روش پر چلتے رہنے کی چھوٹ دے گا اور جیتے جی اپنے رزق اور اپنی نعمتوں سے نوازتا رہے گا جس سے تمہارا نشۂ زندگانی تمہیں یوں ہی مست رکھے گا، اور اس مستی کے دوران جو کچھ تم کروگے وہ سب اللہ کے فرشتے خاموشی کے ساتھ بیٹھے لکھتے رہیں گے حتی کہ اچانک موت کا پیغام آجائیگا اور تم اپنے کرتوتوں کا حساب دینے کے لئے گرفتار کرلئے جاؤگے۔

وَاللّٰہ یدعوآ الی دار السلام، یہاں دار السلام سے مراد جنت ہے جنت کو دار السلام اسلئے کہا گیا ہے کہ وہاں سلامتی ہی سلامتی ہے نہ وہاں کسی قسم کا غم اور نہ تکلیف نہ بیماری کا خطرہ اور نہ موت کا غم جنت کا دار السلام نام رکھنے کی ایک دوسری وجہ احادیث میں یہ بھی وارد ہوئی ہے کہ جنتیوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نیز فرشتوں کی طرف سے سلام پہنچتا رہے گا۔

جنت میں خدا کا دیدار:

لِلَّذِیْنَ اَحسنوا الحسنیٰ وزیادۃ، زیادۃ سے مراد حق تعالیٰ کا دیدار ہے جو اہل جنت کو حاصل ہوگا، صحیح مسلم میں حضرت صہیب کی روایت سے منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب اہل جنت جنت میں داخل ہوجائیں گے تو حق تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ کیا تمہیں اور کسی چیز کی ضرورت ہے؟ اگر ہو تو بتلاؤ ہم اسے پورا کریں گے، اہل جنت جواب دیں گے کہ آپ نے ہمارے چہرے روشن کئے، ہمیں جنت میں داخل فرمایا، جہنم سے نجات دی، اس سے زیادہ اور کیا چیز طلب کریں؟ اس وقت درمیان سے حجاب اٹھا دیا جائیگا اور سب اہل جنت حق تعالیٰ کا دیدار کریں گے، تب معلوم ہوگا کہ جنت کی ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت تھی جس کی طرف ان کا دھیان بھی نہیں گیا تھا جو رب العلمین نے محض اپنے فضل وکرم سے بے مانگے عطا فرمائی۔

قُلْ لہم مَنْ یَّرْزُقُکُمْ مِّنَ السَّمَآءِ بالمطر وَالْاَرْضِ بالنبات اَمَّنْ یَّمْلِکُ السَّمْعَ بمعنی الاسماع ای خلقہا وَالْاَبْصَارَ وَمَنْ یُّخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَیُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ وَمَنْ یُّدَبِّرُ الْاَمْرَ بین الخلائق فَسَیَقُوْلُوْنَ ہو اللّٰہُ فَقُلْ لہم اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۳۱﴾ فتؤمنون فَذٰلِکُمُ الفعال لہذہ الاشیاء اللّٰہُ رَبُّکُمُ الْحَقُّ الثابت فَمَاذَا بَعْدَ الْحَقِّ اِلَّا الضَّلٰلُ استفہام تقریر ای لیس بعدہ غیرہ فمن اخطأ الحق وہو عبادۃ اللّٰہ وقع فی الضلال فَاَنّٰی کیف تُصْرَفُوْنَ ﴿۳۲﴾

عن الايمان مع قيام البرهان كَذٰلِكَ كما صُرِفَ هؤلاءِ عن الايمان حَقَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ عَلَى الَّذِيْنَ فَسَقُوْٓا كفروا وهي لَاَمْلَئَنَّ جهنم الاية او هي اَنَّهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿٣٣﴾ قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ قُلِ اللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ ﴿٣٤﴾ تُصرَفُونَ عن عبادته مع قيام الدليل قُلْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ بنصب الحجج وخلق الاهتداءِ قُلِ اللّٰهُ يَهْدِيْ لِلْحَقِّ اَفَمَنْ يَّهْدِيْٓ اِلَى الْحَقِّ وهو اللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّتَّبَعَ اَمَّنْ لَّا يَهِدِّيْٓ يهتدِي اِلَّآ اَنْ يُّهْدٰى احقُّ أن يُتبعَ استفهامُ تقرير وتوبيخ اي الاولُ احقُّ فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ ﴿٣٥﴾ هذا الحكم الفاسدَ من اتّباع ما لا يحِقُّ اتباعه وَمَا يَتَّبِعُ اَكْثَرُهُمْ في عبادةِ الاصنام اِلَّا ظَنًّا حيثُ قلّدُوا فيه اباءهم اِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْـًٔا فيما المطلوبُ منه العلمُ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿٣٦﴾ فيُجازيهم عليه وَمَا كَانَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ اَنْ يُّفْتَرٰى اي افتراءً مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اي غيره وَلٰكِنْ انزل تَصْدِيْقَ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ من الكتب وَتَفْصِيْلَ الْكِتٰبِ تبيينَ ما كتبَ اللّٰهُ من الاحكام وغيرها لَا رَيْبَ شكَّ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٣٧﴾ متعلّق بتصديقٍ او بأنزلَ المحذوفِ وقُرِئَ برفعِ تصديقٍ وتفصيلٍ بتقديرِ هو اَمْ بل يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ اختلقه محمدٌ قُلْ فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّثْلِهٖ في الفصاحةِ والبلاغةِ على وجهِ الافتراءِ فانّكم عربيّون فُصحاءُ مثلي وَادْعُوْا للاعانة عليه مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اي غيره اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿٣٨﴾ في انّه افتراءٌ فلم يقدِرُوا على ذلك قال تعالى بَلْ كَذَّبُوْا بِمَا لَمْ يُحِيْطُوْا بِعِلْمِهٖ اي بالقرآن ولم يتدبّروه وَلَمَّا لم يَاْتِهِمْ تَاْوِيْلُهٗ عاقبةُ ما فيه من الوعيدِ كَذٰلِكَ التكذيبِ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ رسلَهم فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٩﴾ بتكذيبِ الرسلِ اي آخرُ امرهم من الهلاكِ فكذلك يهلِكُ هؤلاءِ وَمِنْهُمْ اي اهلِ مكةَ مَّنْ يُّؤْمِنُ بِهٖ لعلم اللّٰه ذلك منه وَمِنْهُمْ مَّنْ لَّا يُؤْمِنُ بِهٖ ابدا وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِالْمُفْسِدِيْنَ ﴿٤٠﴾ تهديدٌ لهم.

ترجمہ: ان سے پوچھو آسمان سے بارش کے ذریعہ اور زمین سے نباتات کے ذریعہ تم کو کون رزق دیتا ہے؟ یا وہ کون ہے جو کانوں اور آنکھوں پر پورا اختیار رکھتا ہے؟ سَمْعٌ بمعنی اَسْمَاعٌ ہے یعنی کس نے ان کو پیدا کیا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زندہ کو مردہ سے اور مردہ کو زندہ سے نکالتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو مخلوق کے معاملات کا نظم کرتا ہے ضرور وہ یہی کہیں گے وہ اللہ ہے تو ان سے کہو کہ پھر اللہ سے کیوں نہیں ڈرتے کہ ایمان لے آؤ، سو یہ جو ان تمام چیزوں کا کرنے والا ہے اللہ ہے جو تمہارا حقیقی رب ہے، پھر حق کے بعد بجز گمراہی کے اور باقی رہ ہی کیا گیا؟ استفہام تقریری ہے یعنی اس کے بعد کچھ باقی نہیں رہا، لہٰذا جو حق سے ہٹا کہ وہ اللہ کی عبادت ہے گمراہی میں گرا، تو پھر دلیل قائم ہونے کے باوجود ایمان سے کہاں بھٹکے جا رہے ہو؟ اسی طرح آپ کے رب کی یہ بات کہ یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے فاسقوں کے حق میں ثابت ہوگئی، وہ بات لَاَمْلَئَنَّ جهنم الخ یا اَنَّهُمْ لا یؤمنون ہے، آپ کہیے کہ کیا تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے کہ جو پہلی بار بھی پیدا کرے اور دوبارہ بھی پیدا کرے آپ

کہہ دیجئے کہ اللہ ہی پہلی بار پیدا کرتا ہے اور دوبارہ بھی پیدا کرے گا، تو تم قیام دلیل کے باوجود اس کی عبادت سے کہاں بھٹکے جا رہے ہو؟ آپ ان سے کہئے کہ تمہارے شرکاء میں کوئی ایسا ہے جو دلائل کے ساتھ اور ہدایت کی تخلیق کے ساتھ راستہ بتاتا ہو؟ آپ کہئے کہ صرف اللہ ہی حق کا راستہ بتاتا ہے، آپ کہئے کہ وہ ذات جو حق کی طرف رہنمائی کرتی ہے اس بات کے زیادہ لائق ہے کہ اس کی اتباع کی جائے؟ یا وہ جس نے خود ہی ہدایت نہیں پائی بجز اس کے کہ اس کی رہنمائی کی جائے زیادہ حق دار ہے کہ اس کی اتباع کی جائے، استفہام تقریر و توبیخ کے لئے ہے، یعنی اول زیادہ حق دار ہے آخر تمہیں ہو کیا گیا کہ تم غیر حق دار کی اتباع کے کیسے غلط فیصلے کرتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ ان میں کی اکثریت بت پرستی کے بارے میں محض خیال و گمان کی پیروی کرتی ہے اسلئے کہ انہوں نے اس معاملہ میں اپنے آباء کی تقلید کی ہے حالانکہ گمان حق، یعنی علم مطلوب کی ضرورت کو ذرا بھی پورا نہیں کرتا یہ جو کچھ کر رہے ہیں اللہ اس کو خوب جانتا ہے لہٰذا وہ ان کے اعمال کی جزاء دے گا، اور یہ قرآن ایسا نہیں ہے کہ اللہ کی وحی کے بغیر اپنی طرف سے گھڑ لیا گیا ہو، بلکہ یہ تو ان کتابوں کی تصدیق کے لئے نازل کیا گیا ہے جو اس سے پہلے نازل کی گئی ہیں اور احکام وغیرہ جو اللہ نے فرض کئے ہیں ان کی تفصیل کرنے والا ہے اس میں کوئی شبہ کی بات نہیں کہ رب العلمین کی طرف سے نازل ہوا ہے (من رّب العلمین) تصدیق یا انزلَ محذوف کے متعلق ہے، اور تصدیق و تفصیل کے رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے ھــــوَ کی تقدیر کے ساتھ، کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس کو محمد ﷺ نے گھڑ لیا ہے؟ آپ (ان سے) کہہ دیجئے کہ تم بھی فصاحت و بلاغت میں اس کے جیسی ایک سورت گھڑ کر لے آؤ اس لئے کہ تم بھی میرے جیسے عربی ہو فصحاء ہو اور اس میں مدد کے لئے غیر اللہ میں سے جس کو بلا سکو بلا لو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ یہ گھڑا ہوا ہے چنانچہ وہ یہ نہ کر سکے، بلکہ ایسی چیز کی تکذیب کرنے لگے جس کا وہ علمی احاطہ نہ کر سکے یعنی قرآن کا اور نہ انہوں نے اس میں غور و فکر کیا، اور ہنوز ان کو اس کا اخیر نتیجہ کہ وہ وعید ہے نہیں ملا اسی طرح انہوں نے جو لوگ ان سے پہلے ہوئے ہیں اپنے رسولوں کی تکذیب کی تھی سو دیکھ لو رسولوں کی تکذیب کی وجہ سے ان ظالموں کا کیا انجام ہوا؟ یعنی ان کا آخری انجام ہلاکت ہوئی تو اسی طرح یہ لوگ ہلاک کئے جائیں گے ان میں بعض لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کے علم میں ہونے کی وجہ سے جو اس پر ایمان لے آئیں گے اور بعض ایسے ہیں جو اس پر کبھی ایمان نہ لائیں گے اور تیرا رب ان مفسدوں کو خوب جانتا ہے یہ ان کے لئے تہدید ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بمعنی الاسماع، اس میں اشارہ ہے کہ السمعُ پر الف لام استغراق کا ہے تا کہ الابصار کا تقابل صحیح ہو سکے۔

سوال: یملك کی تفسیر مفسر علام نے خلقھا سے کیوں فرمائی؟

جواب: اس لئے کہ کانوں اور آنکھوں میں ملکیت آنکھ و کان والوں کی ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ ارش کا صاحب اذن وسمع ہی مالک ہوتا ہے، اس شبہ کو دور کرنے کے لئے ملك کی تفسیر خلقھا سے فرمائی۔

قَوْلُہٗ: هو الله.

سَوَالْ: هو، مقدر ماننے کی کیا وجہ ہے۔

جَوَابْ: چونکہ یہاں لفظ اللہ جو کہ مقولہ واقع ہو رہا ہے مفرد ہے حالانکہ مقولہ جملہ ہوا کرتا ہے مفسر علام نے هُوَ محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ هو محذوف ہے جس کی وجہ سے مقولہ جملہ ہے نہ کہ مفرد۔

قَوْلُہٗ: اَوْهِیَ اَنَّهُمْ لایؤمنون، اس اضافہ میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ کَلِمَتُ رَبِّكَ سے دو صورتیں مراد ہو سکتی ہیں ایک تو اللہ تعالیٰ کا قول لاملئن جهنم الخ اور دوسری اَنَّهُمْ لایؤمنون، اگر پہلی صورت مراد ہو تو، انّهم لایؤمنون علت ہوگی ای لِاَنَّهم لا یؤمنون.

قَوْلُہٗ: بنصب الحجج اس میں اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ ہدایت سے مراد محض اراءۃ الطریق نہیں ہے اس لئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہے کیوں کہ دیگر بھی رہنمائی کا کام انجام دیتے ہیں، بخلاف ایصال الی المطلوب کے جو کہ یہاں مراد ہے وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے۔

قَوْلُہٗ: یهتدی، اس اضافہ کا مقصد یَهِدّی کی اصل بتانا ہے کہ یَهِدّی اصل میں یهتدی باب افتعال سے ہے تاء کو دال میں قلب کے بعد ادغام کردیا اور ہاء کو التقاءِ ساکنین کی وجہ سے کسرہ دیدیا۔

قَوْلُہٗ: اَحَقُّ اَنْ یُّتَّبَعَ، یہ ام مَن لایهدّی مبتداء کی خبر ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

مشرکین سے چند سوالات:

قُلْ مَنْ یرزقکم مِنَ السَّماءِ والارض، یہ تمام سوالات مشرکین سے بطور جرح ہو رہے ہیں، ان سوالات میں غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ سوالات میں ایک خاص ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے، پہلا سوال رزق سے متعلق ہے جو سلسلہ ربوبیت میں اول نمبر پر ہے پھر انسان کے حواس ظاہرہ سے متعلق سوال ہے جن کے بغیر انسان اور جماد برابر ہیں، پھر حیات و موت سے متعلق سوال ہے اور آخر میں انتظام امور سے متعلق ہے۔

آیت ۳۲ میں خطاب عام لوگوں سے کیا جا رہا ہے، سوال یہ نہیں ہے کہ تم کدھر پھرے جا رہے ہو بلکہ یہ ہے کہ کدھر پھرائے جا رہے ہو اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی ایسا گمراہ کن شخص یا گروہ موجود ہے جو لوگوں کو صحیح رخ سے ہٹا کر غلط رخ پر لے جا رہا ہے اسی بنا پر عام لوگوں سے اپیل کی جا رہی ہے کہ تم اندھے بن کر غلط رہنمائی کرنے والوں کے پیچھے کیوں چلے جا رہے ہو؟ اپنی عقل سے کام لے کر آخر کیوں نہیں سمجھتے کہ جب حقیقت یہ ہے تو تم کو کسی خاص مقصد سے ایک سوچے سمجھے منصوبے کے تحت غلط راستہ پر لیجایا رہا ہے ایسے موقعوں پر عام طور پر قرآن کریم میں گمراہ کن گروہ یا شخص کا نام لینے کے بجائے مجہول کا صیغہ استعمال کیا

گیا ہے تاکہ ان کے معتقدین اپنے معاملہ پر ٹھنڈے دل سے غور کر سکیں اور کسی کو یہ کہہ کر انھیں اشتعال دلانے اور دماغی توازن بگاڑنے کا موقع نہ ملے کہ دیکھو یہ تمہارے بزرگوں اور پیشواؤں پر چوٹیں کسی جا رہی ہیں، اس طرز میں حکمتِ تبلیغ کا ایک اہم نکتہ پوشیدہ ہے جس سے ایک مبلغ کو کسی حال میں غافل و بے خبر نہ رہنا چاہئے۔

کذلك حقت کلمتُ ربك الخ مطلب یہ ہے کہ ایسی کھلی کھلی اور عام فہم دلیلوں کے ذریعہ بات سمجھائی جا رہی ہے کہ ہر انصاف پسند کے دل میں اتر جائے، لیکن جنہوں نے نہ ماننے ہی کا فیصلہ کر لیا ہے وہ اپنی ضد کی وجہ سے کسی طرح مان کر نہیں دیتے۔

قل هل من شرکاء کم مَنْ یَبْدَؤُا الخلق الخ تخلیق کی ابتداء کے متعلق تو مشرکین مانتے ہی تھے کہ یہ صرف اللہ کا کام ہے ان کے شریکوں میں سے اس کام میں کسی کا کوئی حصہ نہیں، وہاں تخلیق کے اعادہ کا مسئلہ تو ظاہر ہے کہ جو ابتداءً پیدا کرنے والا ہے وہ ہی دوبارہ بھی پیدا کر سکتا ہے مگر جو ابتداء ہی پیدا کرنے پر قادر نہ ہو وہ کس طرح اعادۂ تخلیق پر قادر ہوگا؟ یہ بات اگرچہ صریح ایک معقول بات ہے اور خود مشرکین کے دل بھی اندر سے اس کی گواہی دیتے تھے کہ بات بالکل سچے کی ہے لیکن انھیں اس کا اقرار کرنے میں اس بنا پر تامل تھا کہ اسے مان لینے کے بعد انکار آخرت مشکل ہو جاتا، یہی وجہ ہے کہ اوپر کے سوالات کے بارے میں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ خود کہیں گے کہ یہ کام اللہ کے ہیں، مگر یہاں اس کے بجائے نبی ﷺ سے ارشاد ہوا کہ تم علی الاعلان ڈنکے کی چوٹ کہہ دو کہ یہ ابتداءِ خلق اور اعادۂ خلق کا کام بھی اللہ ہی کا ہے، جب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ تمہاری ابتداء اور انتہا کے دونوں سرے اللہ ہی کے ہاتھ میں ہیں تو ذرا اپنے ہی خیر خواہ بن کر یہ سوچو کہ آخر تمہیں یہ کیا باور کرایا جا رہا ہے کہ ان دونوں سروں کے بیچ میں تمہاری نیاز مندیوں اور بندگیوں کا حق اللہ کے سوا کسی اور کو پہنچتا ہے؟

قل هل من شرکاء کم من یهدیٓ الی الحق الخ یعنی گم گشتہ راہ اور ہدایت سے برگشتہ لوگوں کو ہدایت کی طرف پھیرنے والا بھی اللہ ہی ہے ان کے شرکاء میں کوئی ایسا نہیں کہ یہ کام کر سکے جب یہ حقیقت اور امر واقعہ ہے تو پھر سوچو کہ وہ شخص جو دیکھتا سنتا ہے اور لوگوں کی حق کی جانب رہنمائی کرتا ہے وہ پیروی کے زیادہ لائق ہے یا وہ جو اندھے اور بہرے ہونے کی وجہ سے خود بھی راستہ پر نہ چل سکتا ہو جبتک کہ دوسرے لوگ اسے راستہ پر نہ ڈال دیں یا ہاتھ پکڑ کر نہ لیجائیں؟ تمہاری عقلوں کو کیا ہو گیا ہے؟ کہ تم اللہ کو اور اس کی مخلوق کو برابر ٹھہراتے ہو جبکہ ان دلائل کا تقاضا یہ ہے کہ صرف اسی ایک اللہ کو معبود مانا جائے اور اسی کو حاجت روا و مشکل کشا سمجھا جائے، لیکن بات یہ ہے کہ لوگ اٹکل پچّو محض ظن و تخمین پر چلتے ہیں، حالانکہ جانتے ہیں کہ دلائل کے مقابلہ میں اوہام و خیالات اور ظن و گمان کی کوئی حیثیت نہیں۔

وَاِنْ کَذَّبُوْكَ فَقُلْ لَهُمْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلَکُمْ عَمَلُکُمْ ای لکلٍ جزاء عمله اَنْتُمْ بَرِیْٓـُٔوْنَ مِمَّآ اَعْمَلُ وَاَنَا بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تَعْمَلُوْنَ﴿۴۱﴾ وهذا منسوخ بآیة السیف وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّسْتَمِعُوْنَ اِلَیْكَ اذا قرأت القرآن اَفَاَنْتَ تُسْمِعُ الصُّمَّ شبّههم بهم فی عدم الانتفاع بما یُتلی علیهم وَلَوْ کَانُوْا مع الصمم لَا یَعْقِلُوْنَ﴿۴۲﴾ یتدبّرون وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّنْظُرُ اِلَیْكَ

اَفَاَنْتَ تَهْدِي الْعُمْيَ وَلَوْ كَانُوْا لَا يُبْصِرُوْنَ شبّههم بهم في عدم الاهتداء بل هم اعظمُ فانها لا تعمى الابصارُ ولكن تعمى القلوبُ التي في الصدور اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ النَّاسَ شَيْئًا وَّلٰكِنَّ النَّاسَ اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ كَاَنْ اي كانّهم لَّمْ يَلْبَثُوْٓا في الدُّنيا او القبور اِلَّا سَاعَةً مِّنَ النَّهَارِ لهول مارأوا وجملةُ التشبيه حالٌ من الضمير يَتَعَارَفُوْنَ بَيْنَهُمْ يعرفُ بعضُهم بعضًا اذا بُعثوا ثم ينقطعُ التعارفُ لشدةِ الاهوال والجملة حالٌ مقدرةٌ اومتعلقُ الظرف قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ بالبعث وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ وَاِمَّا فيه اِدغامُ نون اِن الشرطيةِ في ماالزائدةِ نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِيْ نَعِدُهُمْ به من العذاب في حياتك وجوابُ الشرط محذوفٌ اي فذاك اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ قبل تعذيبهم فَاِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ ثُمَّ اللّٰهُ شَهِيْدٌ مُطّلع عَلٰى مَا يَفْعَلُوْنَ من تكذيبهم وكفرِهم فيعذّبُهم اشدّ العذاب وَلِكُلِّ اُمَّةٍ من الامم رَّسُوْلٌ فَاِذَا جَآءَ رَسُوْلُهُمْ اليهم فكذّبوه قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ بالعدل فيعذّبوا ويُنجي الرسولُ ومن صدّقه وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ بتعذيبهمْ بغيرجُرْم فكذلِكَ يُفعَلُ بهؤلاءِ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ بالعذاب اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ فيه قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ ضَرًّا ادفعُه وَّلَا نَفْعًا اجلبُهُ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ان يُقدرَني عليه فكيف أملكُ لكم حُلولَ العذاب لِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ مدةٌ معلومةٌ لهلاكِهم اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ يتاخرُون عنه سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ يتقدمُون عليه قُلْ اَرَءَيْتُمْ اخبرُوني اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُهٗ اي اللّٰهِ بَيَاتًا ليلا اَوْ نَهَارًا مَّاذَا اي شيْءٍ يَسْتَعْجِلُ مِنْهُ اي العذاب الْمُجْرِمُوْنَ المشركُونَ فيه وضعُ الظاہرِ موضعَ المضمرِ وجملةُ الاستفهام جوابُ الشرطِ كقولكَ ان اتيتُك ما ذا تُعطِيني والمرادُ به التهويلُ اي ما اعظمَ ما استعجلُوه اَثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ حلّ بكم اٰمَنْتُمْ بِهٖ اي اللّٰه او العذاب عند نُزولِه والهمزةُ لِإنكار التاخير فلا يُقبلُ منكم ويُقال لكم آٰلْئٰنَ تؤمنُون وَقَدْ كُنْتُمْ بِهٖ تَسْتَعْجِلُوْنَ استهزاءً ثُمَّ قِيْلَ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ الْخُلْدِ اي الّذي تخلدون فيه هَلْ ما تُجْزَوْنَ اِلَّا جزاءَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ وَيَسْتَنْۢبِـُٔوْنَكَ يستخبرونك اَحَقٌّ هُوَ اي ما وعدتنا به من العذاب والبعثِ قُلْ اِيْ نعم وَرَبِّيْٓ اِنَّهٗ لَحَقٌّ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ بفائتين العذاب.

تَرجَمہ: اگر یہ آپ کو جھٹلاتے رہے ہیں تو ان سے کہہ دیں کہ میرا عمل میرے لئے ہے اور تمہارا عمل تمہارے لئے ہے یعنی ہر شخص کو اسی کے عمل کی جزاء ہے، جو کچھ میں کرتا ہوں اس کی ذمہ داری سے تم بری اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی ذمہ داری سے میں بری اور یہ آیت سیف کے ذریعہ منسوخ ہے، اور ان میں بہت سے لوگ ایسے ہیں جو تیری بات سنتے ہیں جب تو قرآن پڑھتا ہے، مگر کیا تو بہروں کو سنائیگا کفار کو قرآن سے فائدہ نہ اٹھانے میں بہروں کے ساتھ تشبیہ دی ہے خواہ وہ بہرے ہونے کے ساتھ کچھ سمجھتے بھی نہ ہوں (یعنی) غور و فکر نہ کرتے ہوں، اور ان میں بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو آپ کو دیکھتے ہیں تو پھر کیا

آپ اندھوں کو راستہ دکھلانا چاہتے ہیں گوان کو بصیرت بھی نہ ہو، ان (کفار) کو اندھوں کے ساتھ عدم ہدایت میں تشبیہ دی ہے، بلکہ یہ ان سے بھی بڑھ کر ہیں اسلئے کہ یہ آنکھوں کے اندھے نہیں ہیں، بلکہ دل کے اندھے ہیں جو کہ ان کے سینوں میں ہے، یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر کچھ بھی ظلم نہیں کرتا لیکن وہ خود ہی اپنے آپ کو تباہ کرتے ہیں، (ان کو وہ دن یاد دلاؤ) کہ جس دن اللہ ان کو اس کیفیت سے جمع کرے گا (کہ وہ منظر کی ہولناکی کی وجہ سے سمجھیں گے) کہ گویا وہ دنیا میں یا قبروں میں دن کی ایک گھڑی ہی رہے ہیں، اور جملہ تشبیہ (یحشرهم) کی ضمیر مفعول سے حال ہے، آپس میں ایک دوسرے کو پہچانیں گے جبکہ ان کو (قبروں سے) اٹھایا جائیگا، پھر ہولناکی کی شدت کی وجہ سے یہ تعارف ختم ہو جائیگا، اور جملہ (یحشرهم) کی ضمیر ھم سے حال مقدرہ ہے یا (یوم) ظرف کے متعلق ہے، واقعی سخت خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے بعث کے ذریعہ اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا اور وہ ہدایت پانے والے نہ تھے اور جس عذاب کا ہم ان سے وعدہ کر رہے ہیں (اِمَّا) میں نون شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام ہے اس کا کچھ حصہ آپ کی زندگی میں آپ کو دکھا دیں، اور جواب شرط محذوف ہے یعنی یہ بھی ہو سکتا ہے، یا ان کو عذاب دینے سے پہلے ہی ہم آپ کو وفات دیدیں بہر حال ان کو ہمارے پاس تو آنا ہی ہے پھر اللہ ان کے سب افعال سے باخبر ہے خواہ وہ ان کی تکذیب کے قبیل سے ہو یا کفر و انکار کے قبیل سے، لہٰذا وہ ان کو شدید عذاب دے گا اور ہر امت کے لئے ایک رسول ہے جب کسی امت کے پاس اس کا رسول آجاتا ہے اور وہ اس کو جھٹلا دیتے ہیں تو اس کا فیصلہ پورے انصاف کے ساتھ چکا دیا جاتا ہے چنانچہ ان کو عذاب دیا جاتا ہے اور رسول اور اس کی تصدیق کرنے والوں کو نجات دی جاتی ہے اور ان پر ظلم نہیں کیا جاتا کہ ان کو بغیر ظلم کے سزا دیدی جائے پس ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کیا جائیگا، یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ عذاب کا وعدہ کب ہوگا؟ اگر تم وعدہ میں سچے ہو، (اے نبی) کہہ دو کہ میرے اختیار میں خود اپنا نقصان نہیں کہ اس کو دفع کر سکوں یا حاصل کر سکوں، مگر اتنا ہی جتنا اللہ چاہے، یہ کہ میں اس پر قادر ہوں، تو مجھے تم پر عذاب نازل کرنے کی قدرت کہاں ہوگی؟ ہر امت کی ہلاکت کی ایک مدت مقررہ ہوتی ہے جب وہ مدت پوری ہو جاتی ہے تو اس سے گھڑی بھر بھی تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی ان سے کہو مجھے بتاؤ اگر اللہ کا عذاب رات میں یا دن میں تم پر آپڑے (تو تم کیا کر سکتے ہو) آخر عذاب ایسی کونسی چیز ہے جس کے لئے مجرم مشرک جلدی مچائیں، اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے جملہ استفہامیہ جواب شرط ہے، جیسا کہ اس مثال میں، "ان اتیتك ما ذا تعطینی" اور مراد اس سے ہولناکی کو بیان کرنا ہے یعنی جس کی یہ لوگ جلدی مچا رہے ہیں کس قدر عظیم ہے!! کیا جب وہ عذاب ان پر آپڑے گا اس وقت اس پر ایمان لائیں گے یعنی اللہ پر یا عذاب پر اس کے نزول کے وقت، اور ہمزہ انکار تاخیر کے لئے ہے تو تمہارا وہ ایمان مقبول نہ ہوگا، اور تم سے کہا جائے گا اب ایمان لاتے ہو حالانکہ تم خود ہی استہزاءً اس کے جلدی لانے کا تقاضا کرتے تھے پھر ظالموں سے کہا جائیگا کہ اب دائمی عذاب کا مزا چکھو یعنی ایسے عذاب کا کہ جس میں تم ہمیشہ رہوگے، تم کو تمہارے ہی کئے کا بدلہ ملا ہے آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ عذاب کیا واقعی امر ہے؟ یعنی جس عذاب اور بعث کا تم نے وعدہ کیا ہے (کیا وہ امر واقعی ہے) آپ کہہ دیجئے ہاں قسم ہے میرے رب کی وہ واقعی امر ہے اور تم کسی طرح خدا کو عاجز نہیں کر سکتے یعنی اس کے عذاب سے بچ کر نہیں جا سکتے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: هذا منسوخ بآية السيف، فهي قولهُ تعالى، فاقتلوهم حيث وجدتموهم الخ.

قَوْلُہٗ: بل هم اعظم، کفار کو اندھوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے اندھے مشبہ بہ ہیں اور کفار مشبہ، عدم البصیرۃ بہ نسبت عدم البصر کے زیادہ شدید ہوتی ہے، کفار چونکہ عدم البصیرۃ ہیں لہٰذا کفار ضلالت وگمراہی میں اندھوں سے بڑھے ہوئے ہیں۔

قَوْلُہٗ: كانّهم، اس میں اشارہ ہے کہ کانْ مخففہ عن المثقلہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وجملة التشبيه حالٌ من الضمير اس لئے کہ یوم کی صفت قرار دینے کی صورت میں تقدیر یہ ہوگی، حال كونهم مشبهين بمَنْ لم يلبثْ اِلا ساعةً الخ.

قَوْلُہٗ: والجملة حال مقدرة، یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: يتعارفون، يحشرهم کی ضمیر، هم سے حال ہے اور حال وذوالحال کا زمانہ ایک ہوتا ہے حالانکہ حشر پہلے ہوگا اور تعارف بعد میں ہوگا لہٰذا دونوں کا زمانہ ایک نہ ہوا۔

جَوَابٌ: یہ حال مقدرہ ہے کہ کفار کو جمع کیا جائیگا حال یہ ہے کہ ان کیلئے تعارف مقدر کر دیا گیا ہے، ای حالَ كونهم مقدرين التعارف لا انَّهُمْ متعارفون بالفعل.

قَوْلُہٗ: اومتعلق الظرف، اور وہ یَوْمَ ہے تقدیر یہ ہے یتعارفونَ یومَ یحشره.

قَوْلُہٗ: وجواب الشرط محذوف، ای فذاك یہ اضافہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤَالٌ: اِمَّا نُرِيَنَّكَ اور اَوْنتوفينّكَ، دو شرط ہیں اور جزاء ایک ہے اور وہ فَاِلَيْنَا مرجعهم، ہے، حالانکہ اِمَّا نرينك پر فَاِلَيْنَا مرجعهم کا ترتب فساد معنی کی وجہ سے درست نہیں ہے۔

جَوَابٌ: کا حاصل یہ ہے کہ فالينا مرجعهم دونوں شرطوں کی جزاء نہیں ہے بلکہ اِمَّا نرينّكَ، کی جزاء محذوف ہے جس کی طرف مفسر علام نے فذاك، محذوف مان کر اشارہ کر دیا ہے۔

سُؤَالٌ: فذاك جزاء ہے حالانکہ جزاء مفرد نہیں ہوتی۔

جَوَابٌ: فذاك کی اصل فَذَاكَ حقٌ ہے۔

قَوْلُہٗ: وضع الظاهر موضع المضمر.

سُؤَالٌ: يستعجل منه المجرمون فرمایا يستعجلون منه نہیں فرمایا حالانکہ یہ اس کے مقابلہ میں اخصر ہے۔

جَوَابٌ: اخصر کے مقابلہ میں مختصر تعبیر کو اختیار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ مختصر میں سبب ترک استعجال پر دلالت ہے اور وہ جرم ہے، اس کے علاوہ اس میں ان کی صفت قبیح پر بھی دلالت ہے۔

قَوْلُہٗ: وجملة الاستفهام جواب الشرط ہے اور ان اَتٰكم عذابه شرط ہے اور مَاذَا يستعجلُ تقدیر فاء کے ساتھ،

جواب شرط ہے اسلئے کہ جملہ استفہامیہ بغیر فاء کے جزاء واقع نہیں ہوتا۔

قَوْلُہٗ: اِنْ اَتَیْتُکَ مَاذَا تعطینی یہ مثال استبعاد کو دور کرنے کے لئے ہے یعنی یہ بتانے کے لئے کہ کلام عرب میں جملہ استفہامیہ بغیر فاء کے بھی جزاء واقع ہوتا ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُہٗ: والمراد بہ التھویل یعنی استفہام سے مراد استعلام نہیں ہے بلکہ ہولناکی کو بیان کرنا ہے۔

قَوْلُہٗ: ویقال لکم، اس عبارت کی تقدیر ایک سوال کے جواب کے لئے ہے۔

سُوَال: ثم قیل لھم، کا عطف اٰلْئٰنَ وقد کنتم بہ تستعجلون پر ہے حالانکہ معطوف علیہ جملہ اسمیہ اور معطوف جملہ فعلیہ ہے۔

جَوَاب: معطوف علیہ کے ماقبل فعل محذوف ہے جس کو مفسر علام نے ویقال لکم کہہ کر ظاہر کر دیا ہے لہٰذا اب کوئی اشکال نہیں۔

قَوْلُہٗ: تؤمنون.

سُوَال: اٰلْئٰنَ یقال لکم کا مقولہ ہے حالانکہ مقولہ جملہ ہوا کرتا ہے اور اٰلْئٰنَ مفرد ہے۔

جَوَاب: عبارت محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے اٰلْئٰنَ یؤمنون، جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

وَاِنْ کَذَّبُوْکَ فَقُلْ لِّیْ عَمَلِیْ وَلکم عملکم یعنی تمام تر سمجھانے اور دلائل پیش کرنے کے بعد بھی اگر وہ جھٹلانے سے باز نہ آئیں تو آپ ان سے کہہ دیں کہ خواہ مخواہ جھگڑنے اور کج بحثی کرنے کی اس میں کیا ضرورت ہے اگر میں افتراء پردازی کر رہا ہوں تو اپنے عمل کا میں خود ذمہ دار ہوں، تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں، اور اگر تم سچی بات کو جھٹلا رہے ہو تو میرا کچھ نہیں بگاڑتے اپنا ہی کچھ بگاڑتے ہو، میرا کام دعوت و تبلیغ ہے میں وہ کر چکا سب کو خدا کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے، وہاں ہر شخص سے اس کے اچھے اور برے عمل کے بارے میں باز پرس ہوگی، یہی وہ بات ہے جو سورۂ کافرون میں "لکم دینکم ولی دین" میں فرمائی گئی ہے۔

وَمِنْھُمْ مَنْ یستمعون اِلَیْکَ الخ یعنی ظاہری طور پر قرآن سنتے ہیں لیکن سننے کا مقصد چونکہ طلب ہدایت نہیں اس لئے انھیں اسی طرح کوئی فائدہ نہیں ہوتا جس طرح ایک بہرے کو کوئی فائدہ نہیں ہوتا بالخصوص جبکہ بہرا غیر عاقل بھی ہو اسلئے کہ عقلمند بہرا بھی اشاروں سے کچھ نہ کچھ سمجھ لیتا ہے، اس طرح تو جانور بھی سن لیتے ہیں مگر جس طرح جانوروں کو معنی کی طرف توجہ نہیں ہوتی ان کو بھی توجہ نہیں ہوتی جو لوگ کسی تعصب میں مبتلا ہوں اور جنہوں نے پہلے سے فیصلہ کر لیا ہو کہ وہ اپنے موروثی عقیدوں اور طریقوں کے خلاف اور اپنے نفس اور دلچسپیوں کے خلاف کوئی بات خواہ وہ کیسی ہی معقول کیوں نہ ہو،

مان کر نہ دیں گے وہ سب کچھ سنکر بھی کچھ نہیں سنتے، اسی طرح وہ لوگ بھی کچھ سنکر نہیں دیتے جو دنیا میں جانوروں کی طرح غفلت کی زندگی بسر کرتے ہیں اور چرنے چگنے کے سوا کسی چیز سے دلچسپی نہیں رکھتے یا نفس کی خواہشوں اور لذتوں کے پیچھے ایسے مست ہوتے ہیں کہ انہیں اس بات کی کوئی فکر نہیں ہوتی کہ ہم یہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ صحیح بھی ہے یا نہیں ایسے ہی سب لوگ کانوں کے تو بہرے نہیں ہوتے مگر دل کے بہرے ہوتے ہیں۔

یتعارفون بینهم یعنی قبروں سے نکلنے کے بعد لوگ ایک دوسرے کو پہچانیں گے جیسے کسی سے طویل زمانہ کے بعد ملاقات ہوئی ہو تو پہچان لیا ہے مگر بعد میں محشر کی ہولناکیوں کی وجہ سے ذہول ہو جائیگا اور یادداشت منقطع ہو جائے گی جس طرح کہ دنیا میں بھی کسی بڑی مصیبت کے وقت یادداشت غائب ہو جاتی ہے، بعض روایات میں ہے کہ پہچان تو رہے گی مگر ہیبت کی وجہ سے بات نہ کرسکیں گے۔

اُثُمَّ اِذَا مَا وَقَعَ آمَنْتُمْ بِهٖ آلْئٰنَ مشرکین سے کہا جا رہا ہے کیا تم ایمان اس وقت لاؤ گے جب تم پر عذاب واقع ہو جائیگا مگر اس وقت تمہارے ایمان کے جواب میں یہ کہا جائیگا "آلْئٰنَ" کیا اب ایمان لائے ہو جبکہ ایمان کا وقت گذر چکا جیسے غرق ہونے کے وقت فرعون نے کہا تھا "آمنتُ انّه لا اِلٰهَ اِلا الَّذِیْ اٰمَنَتْ به بنو اسرائیل" تو جواب میں کہا گیا تھا "آلْئٰنَ" اور اس کا یہ ایمان قبول نہیں کیا گیا، کیونکہ حدیث شریف میں آپ نے فرمایا "اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ قبول کرتا ہی رہتا ہے جبتک کہ وہ غرغرۂ موت میں گرفتار نہ ہو جائے" اسی طرح دنیا میں وقوع عذاب سے پہلے توبہ قبول ہوسکتی ہے جب عذاب پڑا تو پھر یہ قبول نہیں ہوتی، آگے حضرت یونس علیہ الصلاۃ والسلام کا واقعہ آرہا ہے کہ ان کی قوم کی توبہ قبول کرلی گئی اور وہ اس ضابطہ کے ماتحت ہے کہ انہوں نے عذاب کو دور سے آتا ہوا دیکھ کر سچے دل سے الحاح وزاری کے ساتھ توبہ کرلی اس لئے عذاب ہٹا لیا گیا اگر عذاب ان پر واقع ہو جاتا تو پھر توبہ قبول نہ ہوتی۔ (معارف)

وَلَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ كفرت **مَا فِی الْاَرْضِ** جميعًا من الاموال **لَافْتَدَتْ بِهٖ** من العذاب يوم القيمة **وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ** على تركِ الايمانِ **لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ** اى اخفاها رؤساؤهم عن الضعفاءِ الَّذِيْنَ اضلُّوهم مخافة التعيير **وَقُضِیَ بَيْنَهُمْ** بين الخلائقِ **بِالْقِسْطِ** بالعدل **وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ** شيئًا **اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَلَآ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ** بالبعثِ والجزاءِ **حَقٌّ** ثابتٌ **وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ** اى الناس **لَا يَعْلَمُوْنَ** ذلك **هُوَ يُحْیٖ وَيُمِيْتُ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ** فى الآخرة فيُجازيكُم بأعمالِكم **يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ** اى اهلَ مكةَ **قَدْ جَآءَتْكُمْ مَّوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ** كتابٌ فيه مَا لَكُمْ وعَلَيْكُم وهو القرآنُ **وَشِفَآءٌ** دواءٌ **لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ** من العقائدِ الفاسدةِ والشكوكِ **وَهُدًى** من الضلالة **وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ** به **قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ** الاسلام **وَبِرَحْمَتِهٖ** القرآن **فَبِذٰلِكَ** الفضلِ والرحمة **فَلْيَفْرَحُوْا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ** من الدُّنيا بالياءِ والتاءِ **قُلْ اَرَءَيْتُمْ** اخبرُوْنِی **مَّآ اَنْزَلَ** خلق **اللّٰهُ لَكُمْ مِّنْ رِّزْقٍ فَجَعَلْتُمْ مِّنْهُ حَرَامًا وَّحَلٰلًا** كالبحيرةِ والسائبةِ والميتةِ **قُلْ آٰللّٰهُ اَذِنَ لَكُمْ** فى ذلك التحريم والتحليل لا **اَمْ** بل **عَلَى**

اللّٰهِ تَفْتَرُوْنَ﴿۵۹﴾ تکذبون بنسبة ذلك اليه وَمَاظَنُّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ اى اىُّ شيئٍ ظنُّهم به يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ايحسبون انه لا يعاقبهم لا اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْفَضْلٍ عَلَى النَّاسِ بامهالهم والانعام عليهم وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَايَشْكُرُوْنَ﴿۶۰﴾

ترجمہ: اگر ہر اس شخص کے پاس کہ جس نے کفر کرکے ظلم کیا روئے زمین کی پوری دولت ہو تو وہ قیامت کے دن عذاب سے رہائی حاصل کرنے کے لئے فدیہ میں دینے پر آمادہ ہو جائے اور جب وہ عذاب کو دیکھیں گے تو ترک ایمان پر ندامت کو چھپائیں گے، یعنی ان کے پیشوا عار دلانے کے خوف سے ندامت کو ان کمزور لوگوں سے چھپائیں گے جن کو انہوں نے گمراہ کیا ہوگا مگر ان کے یعنی مخلوق کے درمیان پورے انصاف کے ساتھ فیصلہ کیا جائیگا اور ان پر ذرہ برابر ظلم نہ کیا جائیگا، سنو آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کا ہے، سن رکھو کہ بعث اور جزاء کا اللہ کا وعدہ حق ہے لیکن اکثر لوگ اس سے واقف نہیں ہیں وہی زندگی عطاء کرتا ہے اور وہی موت دیتا ہے اور آخرت میں اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے تو وہ تم کو تمہارے اعمال کی جزاء دے گا، اے لوگو! یعنی مکہ والو تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت نامہ آگیا کہ اس میں فائدے اور نقصان کی چیزوں کا بیان ہے، وہ قرآن ہے اور دل کی بیماریوں کے لئے یعنی عقائد فاسدہ اور شکوک (شبہات) کے لئے شفاء ہے اور گمراہی سے ہدایت ہے اور اس پر یقین رکھنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے (کہو) کہ اللہ کے فضل یعنی اسلام سے اور اس کی رحمت یعنی قرآن سے (خوشی منانی چاہئے) اس پر تو خوش ہونا چاہئے یہ دنیا کی ان سب چیزوں سے بہتر ہے جس کو یہ سمیٹ رہے ہیں (یجمعون) یاء اور تاء کے ساتھ ہے، (اے نبی) ان سے کہو کیا تم نے کبھی سوچا کہ اللہ نے جو رزق تمہارے لئے اتارا ہے اس میں سے تم نے خود ہی کسی کو حرام اور کسی کو حلال ٹھہرالیا جیسا کہ بحیرہ اور سائبہ اور مردار، ان سے پوچھو کیا اللہ نے تم کو اس تحریم و تحلیل کی اجازت دی تھی، نہیں، بلکہ تم اللہ پر اس کی طرف نسبت کرکے بہتان لگا رہے ہو، جو لوگ اللہ پر جھوٹا بہتان لگاتے ہیں ان کا کیا گمان ہے کہ قیامت کے روز ان کے ساتھ کیسا معاملہ ہوگا؟ کیا ان کا گمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو سزا نہ دے گا؟ ایسا نہیں ہے، اللہ تو لوگوں کو مہلت دے کر اور ان پر انعام فرما کر ان پر رحم کرنے والا ہے، لیکن اکثر لوگ اس کا شکر ادا نہیں کرتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

ترکیب: لَوْ اَنَّ لِكُلِّ نَفْسٍ ظَلَمَتْ مَافِى الارضِ لافتدَتْ بِهٖ، لَوْ شرطیہ امتناعیہ اَنَّ حرف مشبہ بالفعل، نفس ظلمت موصوف صفت سے مل کر اَنَّ کی خبر مقدم ما اسم موصول محلاً منصوب اَنَّ اپنے ماتحت کے ثَبَتَ فعل محذوف کا فاعل، ما موصولہ صلہ سے مل کر جملہ ہو کر اَنَّ کا اسم لافتدت به جواب شرط ای لَوْ ثَبَتَ ذٰلك لافتدتْ به.

قولہ: ای اخفاها، اَسَرُّوْا کی تفسیر اخفاها سے بیان معنی کے لئے ہے کہ اَسَرّوا، اضداد میں سے ہے اسلئے کہ اس کے معنی اظہر کے بھی ہیں اور اخفاء کے بھی دوسرے معنی زیادہ مشہور ہیں اگرچہ احتمال دونوں معنی کا ہے۔

قولہ: ای شیءٍ ظنهم به اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ مَاظَنُّ الَّذِیْنَ، میں ما بمعنی ای شیٔ مبتداء ہے اور ظن الذین یفترون علی اللّٰہ اس کی خبر ہے، اور یومَ ظنَّ کی وجہ سے منصوب ہے، ای ظن واقع فیه

تفسیر وتشریح

وَلَوْ اَنَّ لِکُلِّ نفسٍ ظَلَمَتْ الخ یعنی اگر دنیا بھر کا خزانہ دے کر وہ عذاب سے چھوٹ جائے تو دینے کے لئے آمادہ ہوگا، لیکن وہاں کسی کے پاس ہوگا ہی کیا؟ خلاصہ یہ کہ عذاب سے چھٹکارے کی کوئی صورت نہ ہوگی۔

وشفاء لما فی الصدور، شفاء کے معنی بیماری دور ہونے کے ہیں اور صدور صدر کی جمع ہے جس کا معنی سینہ کے ہیں مراد قلب ہے، مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید دل کی بیماریوں کا کامیاب علاج ہے اور صحت وشفاء کا نسخہ اکسیر ہے حسن بصری رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ قرآن کی اس صفت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن خاص دلوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے نہ کہ جسمانی بیماریوں کیلئے (روح المعانی) مگر دیگر حضرات کا کہنا ہے کہ درحقیقت قرآن ہر بیماری کی شفاء ہے خواہ قلبی ہوں یا روحانی، مگر چونکہ روحانی بیماری انسان کے لئے جسمانی بیماری کی بہ نسبت زیادہ تباہ کن اور ہلاکت خیز ہوتی ہے اسلئے خاص طور پر قلبی بیماری کا ذکر فرمایا، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ جسمانی بیماریوں کے لئے شفا نہیں ہے۔

روایات حدیث اور علماء امت کے بیشمار تجربات اس پر شاہد ہیں کہ قرآن کریم جیسے روحانی علاج کے لئے اکسیر اعظم ہے اس طرح جسمانی بیماریوں کے لئے بھی بہترین علاج ہے۔

حضرت ابوسعید خدری کی روایت ہے کہ ایک شخص آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور سینہ میں درد کی شکایت کی آپ نے فرمایا قرآن پڑھا کرو کیونکہ حق تعالیٰ کا ارشاد ہے "شفاء لمافی الصدور". (روح المعانی)

علماء امت نے کچھ روایات اور آثار سے آیات قرآنی کے خواص اور فوائد مستقل کتابوں میں جمع بھی کر دیئے ہیں امام غزالی کی کتاب ''خواص قرآنی'' اس موضوع پر معروف ومشہور ہے جس کی تلخیص حضرت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے ''اعمال قرآنی'' کے نام سے فرمائی ہے اور مشاہدات وتجربات اتنے ہیں کہ ان کا انکار نہیں کیا جا سکتا، البتہ یہ بات ضرور ہے کہ نزول قرآن کا اصل مقصد قلب وروح ہی کی بیماریوں کو دور کرنا ہے اور ضمنی طور پر جسمانی بیماریوں کا بھی بہترین علاج ہے۔

قل بفضل اللّٰہ وبرحمته فبذلك فلیفرحوا هو خیر مما یجمعون ''خوشی'' اس کیفیت کا نام ہے جو کسی مطلوب چیز کے حصول پر انسان اپنے دل میں محسوس کرتا ہے، اہل ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ یہ قرآن اللہ کا خاص فضل اور اس کی رحمت ہے اس پر اہل ایمان کو خوش ہونا چاہئے۔

فجعلتم منه حرامًا وحلالاً الخ اس سے مراد بعض جانوروں کا حرام کرنا ہے جو مشرکین اپنے بتوں کے نام پر چھوڑ کر کیا کرتے تھے جس کی تفصیل سورۂ انعام میں گذر چکی ہے مثلاً بحیرہ، اس جانور کو کہتے ہیں کہ جس کا کان چیر کر بتوں کے نام پر آزاد کر دیتے تھے، سائبہ اس جانور کو کہا جاتا تھا کہ جس کو اہل جاہلیت مویشی میں سے بت کے نام آزاد کر دیتے تھے اور اس سے کوئی کام نہیں لیتے تھے اور اس کا جدھر جی چاہے پھرے اس کے لئے کوئی روک نہیں ہوتی تھی۔

وَمَا تَكُوْنُ يا محمد فِيْ شَاْنٍ امر وَّمَا تَتْلُوْا مِنْهُ اي من الشأن او الله مِنْ قُرْاٰنٍ انزله عليك وَّلَا تَعْمَلُوْنَ خاطبه وامته مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا رقباء اِذْ تُفِيْضُوْنَ تاخذون فِيْهِ اي العمل وَمَا يَعْزُبُ يغيب عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ وزن ذَرَّةٍ اصغر نملة فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاۗءِ وَلَآ اَصْغَرَ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْبَرَ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۶۱﴾ بيّن هو اللوح المحفوظ اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَاۗءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۶۲﴾ في الآخرة هم اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ﴿۶۳﴾ الله بامتثال امره ونهيه لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فسرت في حديث صححه الحاكم بالرؤيا الصالحة يراها الرجل المؤمن او ترى له وَفِي الْاٰخِرَةِ الجنة والثواب لَا تَبْدِيْلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ لا خلف لمواعيده ذٰلِكَ المذكور هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۴﴾ وَلَا يَحْزُنْكَ قَوْلُهُمْ لك لست مرسلاً وغيره اِنَّ استيناف الْعِزَّةَ القوة لِلّٰهِ جَمِيْعًا هُوَ السَّمِيْعُ للقول الْعَلِيْمُ ﴿۶۵﴾ بالفعل فيجازيهم وينصرك اَلَآ اِنَّ لِلّٰهِ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ عبيدًا وملكًا وخلقًا وَمَا يَتَّبِعُ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اي غيره اصنامًا شُرَكَاۗءَ له على الحقيقة تعالى عن ذلك اِنْ ما يَّتَّبِعُوْنَ في ذلك اِلَّا الظَّنَّ اي ظنهم انها آلهة تشفع لهم وَاِنْ ما هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ﴿۶۶﴾ يكذبون في ذلك هُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الَّيْلَ لِتَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا اسناد الابصار اليه مجاز لانه يبصر فيه اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ دلالات على وحدانيته تعالى لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ ﴿۶۷﴾ سماع تدبر واتعاظ قَالُوا اي اليهود والنصارى ومن زعم ان الملائكة بنات الله اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا قال تعالى لهم سُبْحٰنَهٗ تنزيهًا له عن الولد هُوَ الْغَنِيُّ عن كل احد وانما يطلب الولد من يحتاج اليه لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ملكًا وخلقًا وعبيدًا اِنْ ما عِنْدَكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ حجة بِهٰذَا اي الذي تقولونه اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۸﴾ استفهام توبيخ قُلْ اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ بنسبة الولد اليه لَا يُفْلِحُوْنَ ﴿۶۹﴾ لا يسعدون لهم مَتَاعٌ قليل فِي الدُّنْيَا يتمتعون به مدة حياتهم ثُمَّ اِلَيْنَا مَرْجِعُهُمْ بالموت ثُمَّ نُذِيْقُهُمُ الْعَذَابَ الشَّدِيْدَ بعد الموت بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

ترجمہ: اور اے محمد ﷺ تم جس شان (حال) میں بھی ہوتے ہو اور اس شان (حال) کی وجہ سے قرآن سے جو آپ پر نازل کیا گیا ہے، جو کچھ تلاوت کرتے ہو، یا من جانب اللہ جو قرآن تلاوت کرتے ہو، اور تم جو بھی عمل کرتے ہو یہ آپ

ﷺ کو اور آپ کی امت کو خطاب ہے ہم (اس عمل سے) باخبر ہوتے ہیں جبکہ تم اس کام میں مشغول ہوتے ہو، ذرہ برابر کوئی چیز (ایسی نہیں) نہ زمین میں اور نہ آسمان میں (اور نہ اس مقدار سے) چھوٹی اور نہ بڑی کہ وہ کتاب مبین (یعنی) لوح محفوظ میں موجود نہو، ذرہ چھوٹی چیونٹی کو کہتے ہیں، یاد رکھو یہ امر واقعہ ہے کہ اللہ کے دوستوں کے لئے آخرت میں نہ کوئی اندیشہ ہوگا اور نہ ان کو کوئی غم اور یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے اور اس کے امر و نہی پر عمل کر کے اللہ سے ڈرے ان لوگوں کے لئے دنیوی زندگی میں خوشخبری ہے، ایک حدیث میں جس کو حاکم نے صحیح قرار دیا ہے (خوشخبری) کی تفسیر اچھے خوابوں سے کی ہے جن کو انسان دیکھتا ہے یا اس کے لئے دکھایا جاتا ہے اور آخرت میں جنت اور ثواب (کی خوشخبری ہے) اللہ کی باتوں یعنی اس کے وعدوں میں تخلف نہیں ہوا کرتا یہی مذکورہ بات بڑی کامیابی ہے آپ کو ان کی باتیں یہ کہ آپ نبی نہیں ہیں وغیرہ، غم میں نہ ڈالیں امر واقعہ یہ ہے کہ تمام تر قوت اللہ کے لئے ہے یہ جملہ مستانفہ ہے وہ (تمام) باتوں کو سنتا ہے اور کاموں کو جانتا ہے وہ ان کو جزا دے گا اور آپ کی مدد کرے گا، یاد رکھو زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے غلام اور ملک اور تخلیق کے اعتبار سے اللہ کا ہے جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر اللہ کے علاوہ اس کے شرکاء کی بندگی کرتے ہیں امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ اس سے وراء الوراء ہے یہ لوگ اس معاملہ میں محض گمان کی پیروی کرتے ہیں یعنی ان کا یہ گمان ہے کہ یہ بت ان کے معبود ہیں ان کی سفارش کریں گے، یہ لوگ محض انکل سے باتیں کرتے ہیں یعنی اس معاملہ میں دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہارے لئے رات بنائی تاکہ تم اس میں سکون (راحت) حاصل کرو اور دن کو روشن بنایا ان کی طرف ابصار کی اسناد مجازی ہے اس لئے کہ دن میں دیکھا جاتا ہے بلاشبہ اس میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو نصیحت اور غور و فکر کے طور پر سنتے ہیں یہود اور نصاریٰ اور جن کا یہ عقیدہ ہے کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں کہتے ہیں کہ اللہ اولاد رکھتا ہے اللہ تعالیٰ نے ان سے کہا سبحان اللہ وہ تو اولاد سے پاک ہے وہ تو ہر چیز سے مستغنی ہے ولد کی حاجت تو اس کو ہوتی ہے جو اس کا محتاج ہو زمین میں اور آسمانوں میں جو کچھ ہے وہ اسی کی ہے ملک ہونے کے اعتبار سے مخلوق ہونے کے اعتبار سے اور غلام ہونے کے اعتبار سے جو کچھ تم کہتے ہو تمہارے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے کیا تم اللہ کے متعلق ایسی باتیں کہتے ہو جن کا تمہارے پاس علم نہیں استفہام توبیخ کے لئے ہے، (اے محمد) کہہ دو کہ جو لوگ اس کی طرف ولد کی نسبت کر کے اللہ پر بہتان باندھتے ہیں وہ فلاح پانیوالے نہیں ان کے لئے دنیا میں چند دن کے مزے ہیں تاحیات ان کو لوٹ لیں پھر موت کے ذریعہ ان کو ہمارے پاس آنا ہے پھر ہم ان کو ان کے کفر کے بدلے موت کے بعد شدید عذاب کا مزا چکھائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَمَا تَکُوْنُ فِیْ شَانٍ اس میں خطاب آپ ﷺ کو ہے، شان کے معنی حال، کام، فکر، اہم معاملہ کے ہیں، جمع شئون ہے واؤ عاطفہ، ما نافیہ، تکونُ فعل مضارع ناقص اس کے اندر ضمیر انت اس کا اسم، فی شانٍ کائنًا کے متعلق ہو کر

تکونُ کی خبر، وَمَا تَتْلُوْا واؤ عاطفہ، ما نافیہ، تتلوا فعل مضارع اس کے اندر ضمیر انت اس کا فاعل، مِنه تتلوا سے متعلق، منهُ کی ضمیر قرآن کی طرف یا شأن کی طرف راجع ہے، اگر شأن کی طرف راجع ہو تو مِنْ تعلیلیہ ہوگا اور من القرآن میں مِن زائد قرآن محلاً مفعول بہ ہے۔

سَوَال: اس صورت میں اضمار قبل الذکر لازم آئیگا۔

جَوَاب: تفخیم اور تعظیم کی وجہ سے اضمار قبل الذکر جائز ہوتا ہے، مِـنـهُ کی ضمیر شان بھی ہوسکتی ہے اور اللہ کی طرف بھی لوٹ سکتی ہے جیسا کہ مفسر علام نے دونوں احتمالوں کی طرف "ای من الشان او اللّٰه" کہہ کر اشارہ کردیا ہے۔ یعنی آپ کسی حال میں نہیں ہوتے اور نہ شان (حال) تلاوت میں ہوتے ہو مگر یہ کہ اللہ اس حال سے باخبر ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: خاطبَه و امته یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ ماقبل میں خطاب تنہا آپ ﷺ سے تھا یہی وجہ ہے کہ ضمیر مفرد لائے اور یہاں تـعـمـلـون میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جو کہ سیاق کے خلاف ہے۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ یہاں خطاب میں امت بھی شامل ہے۔

قَوْلُهُ: الّا کنا علیهم شهودًا یہ مخاطبین کے عموم احوال سے استثناء مفرغ ہے۔

قَوْلُهُ: وزن ذرّة اس اضافہ کا مقصد بھی ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ مثقال ایک متعین مقدار کا نام ہے حالانکہ یہاں مخصوص مقدار کے معنی مراد نہیں ہیں۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ مفسر علام نے مـثـقـال کی تفسیر وزن سے کرکے اسی اعتراض کے جواب کیطرف اشارہ کیا ہے کہ یہاں معین مخصوص مقدار مراد نہیں بلکہ مطلقاً وزن مراد ہے۔

قَوْلُهُ: هم، اشارہ کردیا کہ الَّذِيْنَ آمَنُوْا الخ هم مبتدا محذوف کی خبر ہے۔

قَوْلُهُ: لانهٗ مبصر فیه، اس عبارت سے مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ والـنـهـار مُبصرًا میں علاقہ ظرفیت کا ہے۔ جیسا کہ نهارهٗ صائمٌ و لیلهٗ قائمٌ میں علاقہ ظرفیت کا ہے۔

تَفسِیر وَتَشریح

وَمـا تـكـونُ فی شان (الآیة) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ اور مومنین کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ تمام مخلوقات کے احوال سے واقف ہے اور ہر لحظہ اور ہر گھڑی پوری مخلوق پر اس کی نظر ہے، زمین و آسمان کی کوئی بڑی چھوٹی چیز ایسی نہیں کہ اس سے مخفی ہو، یہ مضمون متعدد آیات میں مختلف انداز سے بیان کیا گیا ہے سورۂ انعام آیت ۵۹ اور ۳۸ اور سورۂ ہود کی آیت ٦ میں بھی اسی مضمون کو بیان کیا گیا ہے، جب واقعہ یہ ہے تو وہ انسانوں اور جنوں کی حرکات سے کیوں کرنا

واقف ہوسکتا ہے؟ جبکہ یہ مکلف ومامور بھی ہیں۔

اسی ضابطہ کے مطابق آپ ﷺ اور امت کو مخاطب کرکے فرمایا اے نبی! تم جس حال وشان میں بھی ہوتے ہو، یا قرآن پڑھنے پڑھانے میں مشغول ہوتے ہو اس کا کوئی جز ہم سے مخفی نہیں، اسی طرح تمام انسان جو کچھ کرتے ہیں وہ بھی ہماری نظروں کے سامنے ہوتا ہے غرضیکہ آسمان وزمین کا کوئی ذرہ ہم سے پوشیدہ نہیں ہوتا۔

اَلَا اِنَّ اَوْلِیَاءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ، سابق میں نافرمانوں کا ذکر تھا، اب یہاں فرماں برداروں کا ذکر فرما رہے ہیں، اور وہ ہیں اولیاء اللہ، اولیاء ولیٌّ کی جمع ہے جس کے معنی لغت میں قریب کے ہیں اس اعتبار سے اولیاء اللہ کے معنی ہوں گے وہ سچے اور مخلص مومن جنہوں نے اللہ کی اطاعت اور معاصی سے اجتناب کرکے اللہ کا قرب حاصل کرلیا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے مخلصین مومنین کی ان الفاظ میں تعریف فرمائی، جو ایمان لائے اور تقویٰ اختیار رکھے، اور ایمان اور تقویٰ ہی قرب الی اللہ کا اہم ترین ذریعہ ہے۔

فَائِدَة: خوف کا تعلق آئندہ ہونے والے نقصان سے ہوتا ہے اور حزن وملال کا تعلق مافات سے ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ چونکہ انہوں نے زندگی خداخوفی سے گذاری ہوتی ہے، اس لئے قیامت کی ہولناکیوں کا اتنا خوف ان کو نہیں ہوگا جتنا ناخدا ترس لوگوں کو ہوگا۔

اولیاء اللہ کی شناخت:

اولیاء اللہ کی علامت اور شناخت تفسیر مظہری میں ایک حدیث قدسی کے حوالہ سے یہ نقل کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''میرے اولیاء میرے بندوں میں سے وہ لوگ ہیں جو میری یاد کے ساتھ یاد آئیں اور جن کی یاد کے ساتھ میں یاد آؤں''۔ اور ابن ماجہ میں حضرت اسماء بنت یزید کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اولیاء اللہ کی پہچان یہ بتلائی کہ جن کو دیکھ کر خدا یاد آئے۔

ولی سے کرامات کا صدور ضروری نہیں:

جو رسول اللہ ﷺ کی سنت کا متبع نہ ہو وہ درجہ ولایت سے محروم ہے چاہے اس سے کشف وکرامات کتنی ہی کیوں نہ صادر ہوں۔

تفسیر: وَاتْلُ یا محمدُ عَلَیْهِمْ ای کفار مکۃ نَبَاَ خبر نُوْحٍ ویبدلُ منه اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖ یٰقَوْمِ اِنْ کَانَ کَبُرَ شقّ عَلَیْکُمْ مَّقَامِیْ لبثی فیکم وَتَذْکِیْرِیْ وعظی اِیّاکُم بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَعَلَی اللّٰهِ تَوَکَّلْتُ فَاَجْمِعُوْٓا اَمْرَکُمْ اعزِموا علی امرٍ تفعلونه بی وَشُرَکَآءَکُمْ الواوُ بمعنی مع ثُمَّ لَا یَکُنْ اَمْرُکُمْ عَلَیْکُمْ غُمَّةً مستورًا بل اظهِروه وجاهروني به ثُمَّ اقْضُوْٓا اِلَیَّ امضُوا فی ما اردتُموه وَلَا تُنْظِرُوْنِ ﴿۷۱﴾ تُمهِلون فانی لستُ مُبالِیًا بکم فَاِنْ تَوَلَّیْتُمْ عن

تذکیری **فَمَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ** ثواب علیہ فتولوا **اِنْ** ما **اَجْرِيَ** ثوابی **اِلَّا عَلَى اللّٰهِ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ**﴿۷۲﴾ **فَكَذَّبُوْهُ فَنَجَّيْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ فِي الْفُلْكِ** السفينة **وَجَعَلْنٰهُمْ** ای من معه **خَلٰٓئِفَ** فی الارض **وَاَغْرَقْنَا الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا** بالطوفان **فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ**﴿۷۳﴾ من اہلاکہم فکذلک نفعل من کذب **ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهٖ** ای نوح **رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ** کابراہیم وہود وصالح **فَجَآءُوْهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ** بالمعجزات **فَمَا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْا بِمَا كَذَّبُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ** ای قبل بعث الرسل الیہم **كَذٰلِكَ نَطْبَعُ** نختم **عَلٰى قُلُوْبِ الْمُعْتَدِيْنَ**﴿۷۴﴾ فلا تقبل الایمان کما طبعنا علی قلوب اولئک **ثُمَّ بَعَثْنَا مِنْ بَعْدِهِمْ مُّوْسٰى وَهٰرُوْنَ اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهٖ** قومہ **بِاٰيٰتِنَا** التسع **فَاسْتَكْبَرُوْا** عن الایمان بہا **وَكَانُوْا قَوْمًا مُّجْرِمِيْنَ**﴿۷۵﴾ **فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا قَالُوْٓا اِنَّ هٰذَا لَسِحْرٌ مُّبِيْنٌ**﴿۷۶﴾ بین ظاہر **قَالَ مُوْسٰٓى اَتَقُوْلُوْنَ لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَكُمْ** انہ لسحر **اَسِحْرٌ هٰذَا** وقد افلح من اتی بہ وابطل سحر السحرة **وَلَا يُفْلِحُ السّٰحِرُوْنَ**﴿۷۷﴾ والاستفہام فی الموضعین للانکار **قَالُوْٓا اَجِئْتَنَا لِتَلْفِتَنَا** لتردنا **عَمَّا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا وَتَكُوْنَ لَكُمَا الْكِبْرِيَآءُ** الملک **فِي الْاَرْضِ** ارض مصر **وَمَا نَحْنُ لَكُمَا بِمُؤْمِنِيْنَ**﴿۷۸﴾ مصدقین **وَقَالَ فِرْعَوْنُ ائْتُوْنِيْ بِكُلِّ سٰحِرٍ عَلِيْمٍ**﴿۷۹﴾ فائق فی علم السحر **فَلَمَّا جَآءَ السَّحَرَةُ قَالَ لَهُمْ مُّوْسٰٓى** بعد ما قالوا لہ اما ان تلقی واما ان نکون نحن الملقین **اَلْقُوْا مَآ اَنْتُمْ مُّلْقُوْنَ**﴿۸۰﴾ **فَلَمَّآ اَلْقَوْا** حبالہم وعصیہم **قَالَ مُوْسٰى مَا** استفہامیة مبتدأ خبرہ **جِئْتُمْ بِهِ السِّحْرُ** بدل وفی قراءة بہمزة واحدة اخبار فما موصولة مبتدأ **اِنَّ اللّٰهَ سَيُبْطِلُهٗ** سیمحقہ **اِنَّ اللّٰهَ لَا يُصْلِحُ عَمَلَ الْمُفْسِدِيْنَ**﴿۸۱﴾ **وَيُحِقُّ** یثبت ویظہر **اللّٰهُ الْحَقَّ بِكَلِمٰتِهٖ** بمواعیدہ **وَلَوْ كَرِهَ الْمُجْرِمُوْنَ**﴿۸۲﴾

ترجمہ: اے محمد ﷺ ان کفار مکہ کو نوح علیہ السلام کا اس وقت کا واقعہ سناؤ اِذْ قال، نَبَأ نوح سے بدل ہے، جب نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اے میری قوم کے لوگو اگر تم پر میرا تمہارے درمیان قیام کرنا اور اللہ کی آیتوں کے ذریعہ تم کو نصیحت کرنا گراں گذرتا ہے (تو گذرا کرے) میں نے تو اللہ پر بھروسہ کر رکھا ہے، تو تم اپنی تدبیروں کو جو تم میرے خلاف کرنا چاہتے ہو اپنے شرکاء کے ساتھ مل کر پختہ کرلو، یعنی جو تدبیریں تم میرے خلاف کرنا چاہتے ہو ان کو خوب مضبوط کرلو، (وشرکاء) میں واؤ بمعنی مع ہے پھر تمہاری تدبیر کا کوئی پہلو تم سے مخفی نہ رہنا چاہئے بلکہ اس کو ظاہر کردو اور مجھے بھی اس سے باخبر کردو، پھر جو کچھ تمہارا ارادہ ہو وہ میرے ساتھ کر گذرو اور مجھے مہلت نہ دو مجھے تمہاری کوئی پرواہ نہیں پھر بھی اگر تم میری نصیحت سے روگردانی کرتے ہو تو میں نے تم سے کسی اجرت کا (یعنی) اس پر ثواب کا تو سوال کیا نہیں ہے جس کی وجہ سے تم بے رخی کرتے ہو میرا اجر وثواب تو محض اللہ کے ذمہ ہے اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں تابع فرمان رہوں (نوح علیہ السلام کی قوم نے) ان کو جھٹلایا تو ہم نے نوح علیہ السلام کو اور کشتی میں جو ان کے ساتھ تھے بچالیا اور جو لوگ (حضرت نوح علیہ السلام) کے ساتھ تھے ان ہی کو زمین میں خلیفہ بنایا اور بقیہ سب لوگوں کو طوفان میں غرق کردیا جنہوں نے ہماری آیات کو جھٹلایا تھا سو دیکھ لو جن

لوگوں کو ہلاکت سے ڈرایا تھا ان کا کیا انجام ہوا! چنانچہ ہم ان لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی کریں گے جو تم کو جھٹلائیں گے پھر ہم نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد ان کی قوم کی طرف بہت سے رسول بھیجے جیسا کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اور صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام سو وہ ان کے پاس کھلے معجزات لے کر آئے مگر جس چیز کو انہوں نے پہلے یعنی انکی طرف رسول بھیجنے سے پہلے جھٹلا دیا پھر مان کر نہ دیا، ہم اسی طرح حد سے تجاوز کرنے والوں کے دلوں پر مہر لگا دیتے ہیں، پھر وہ ایمان کو قبول نہیں کرتے جیسا کہ ہم نے اُن کے قلوب پر مہر لگا دی، پھر ان کے بعد ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ہارون علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ہماری نو نشانیوں کے ساتھ فرعون اور اس کی قوم کے پاس بھیجا مگر انہوں نے ایمان کے مقابلہ میں تکبر کیا، اور وہ مجرم لوگ تھے پھر جب ہماری طرف سے حق ان کے پاس آیا تو انہوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا جادو ہے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا کہ کیا تم حق کے بارے میں جب وہ تمہارے پاس آیا کہتے ہو کہ یہ جادو ہے، کیا یہ جادو ہے؟ حالانکہ جو اس کو لے کر آیا ہے وہ کامیاب ہوگیا، اور جادوگروں کے جادو کو باطل کر دیا اور ساحر (جادوگر) فلاح نہیں پا سکتا، اور استفہام دونوں جگہ انکار کے لئے ہے، انہوں نے جواب دیا کیا تو ہمارے پاس اس لئے آیا ہے کہ تو ہم کو اس طریقہ سے پھیر دے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے؟ اور ملک مصر میں حکومت تم دونوں کی ہو جائے، اور ہم تم دونوں کی تصدیق کرنے والے نہیں اور فرعون نے کہا کہ میرے پاس یعنی علم سحر میں ہر فائق جادوگر کو لاؤ جب جادوگر آ گئے تو جادوگروں کے یہ کہنے کے بعد کہ تم پہلے ڈالو یا ہم پہلے ڈالیں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے کہا جو تم کو ڈالنا ہے وہ ڈالو چنانچہ جب جادوگروں نے اپنی رسیوں کو اور اپنی لاٹھیوں کو ڈالا، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا جو تم لائے ہو وہ جادو ہے، **ما** استفہامیہ مبتداء ہے اور (**جئتم به السحر**) اس کی خبر ہے **اَلسِّحرُ مَا جئتم** سے بدل ہے اور ایک قراءت میں ایک ہمزہ کے ساتھ خبر ہے اور **ما** موصولہ مبتدأ ہے اللہ ابھی اسے باطل کئے دیتا ہے اللہ ایسے فسادیوں کا کام بننے نہیں دیتا اور اللہ اپنے وعدوں کے ذریعہ حق کو حق کر دکھاتا ہے خواہ مجرموں کو وہ کتنا ہی ناپسند ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وَاتْلُ، فعل امر مبنی برحذف حرف علت اصل میں وَاتلو تھا آخر سے واؤ حذف ہوگیا، **عَلَیھِمْ** اُتْلُ سے متعلق ہے نَبَأَ نوحٍ بترکیب اضافی اُتْلُ کا مفعول بہ ہے، **اِذ قال**، اذ ظرفیہ برائے ماضی نَبَأَ سے بدل الاشتمال ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، **اذ قال** نَبَأَ کے متعلق بھی ہو سکتا ہے نوحٍ پر وقف لازم ہے اس لئے کہ اِذ قال کا تعلق اُتْلُ سے فساد معنی کی وجہ سے جائز نہیں ہے اسلئے کہ اُتْلُ مستقبل ہے اور ظرف ماضی ہے اس صورت میں ترجمہ یہ ہوگا تم اس وقت سناؤ جب نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا تھا حالانکہ یہ ممکن نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: **لِقَومِہٖ**، میں لام برائے تبلیغ ہے **مَقَام بالفتح موضع قیام** "مکان" مرتبہ، مراد خود اپنا وجود ہے اور **مُقام بالضم** مصدر ہے قیام کرنا ٹھہرنا **القیام علی الدعوۃ خلال مدۃ اللبث**، اسلئے کہ دعوت و تبلیغ کا کام عام طور پر

کھڑے ہوکر ہی کیا جاتا ہے۔

قِوْلُهُ: فَعَلَی اللّٰہ تو کلتُ، یہ اِنْ کانَ کَبُرَ کی جزاء ہے اور اگر فَعَلی اللّٰہ تو کلتُ، کو جملہ معترضہ مانا جائے تو فَاَجْمعوا اَمْرَ کم جواب شرط ہوگا۔

قِوْلُهُ: فاجمِعوا امر کم کی تفسیر اعزموا عَلی امرٍ سے کرکے اشارہ کردیا ہے کہ اَجْمَعَ متعدی بنفسہ بھی مستعمل ہے اور متعدی بالحرف بھی۔

قِوْلُهُ: غمّۃ گھٹن، تاریک، مشتبہ، پوشیدہ، دشوار، جب چاند چھپ جاتا ہے تو عرب غم الھلال بولتے ہیں۔

قِوْلُهُ: الواؤ بمعنی مع، یعنی شرکاء مفعول معہ ہونیکی وجہ سے منصوب ہے، اس سے اس شبہ کو دور کردیا کہ شرکاء کا بظاہر عطف اجمعوا کی ضمیر فاعل پر ہے یعنی تم شرکاء اپنی تدبیروں کو مضبوط کرلو اس اعتبار سے شرکاء مرفوع ہونا چاہئے۔

قِوْلُهُ: قال موسٰی أتقولون للحق لَماجاء کم، انّہ لَسحر أسحرٌ ھذا. قال موسٰی فعل بافاعل ہے، أتقولونَ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے تقولون فعل مضارع بافاعل ہے اَنتم للحق متعلق تقولون سے ہے لَمّا جاء کم تقولون کا ظرف ہے، اِنّہ لَسِحْر، تقولون کا مقولہ ہے جو کہ محذوف ہے پورا جملہ قال موسٰی کا مقولہ حکائی ہے (یعنی موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کا مقولہ نقل کیا ہے)۔

قِوْلُهُ: أسحرٌ ھذا یہ قولِ موسیٰ محذوف کا مقولہ ہے ہمزہ استفہام انکاری ہے سِحْرٌ خبر مقدم ہے اور ھذا مبتدأ مؤخر ہے ولا یُفلح السّٰحرون جملہ حالیہ ہے۔

وضاحت:

مفسر علام نے اِنّہٗ لَسِحْرٌ ھذا، محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ اللہ تعالیٰ کا قول اَسِحْرٌ ھذا. یقولون کا مقولہ نہیں ہے بلکہ اس کا مقولہ محذوف ہے اور وہ اِنّہٗ لَسِحْرٌ مبین ہے اس حذف کا قرینہ یہ ہے کہ فرعونیوں نے قطعیت کے ساتھ بطریق اخبار نہ کہ بطریق استفہام موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ کو سحر قرار دیتے ہوئے کہا تھا "اِنَّ ھذا لَسِحْرٌ مبین" اور اللہ تعالیٰ کا قول "أسِحْرٌ ھذا" یہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقولہ ہے مطلب یہ کہ اے فرعونیو! کیا تم ایسی کھلی اور واضح حقیقت کو سحر قرار دیتے ہو ؟ تم کو تو ایسی بات جو واقعہ کے خلاف ہو ہرگز منہ سے نہ نکالنی چاہئے۔

مذکورہ ترکیب بطریق سوال وجواب:

سِوَال: موسیٰ علیہ السلام نے فرعونیوں کے قول کی حکایت بطریق استفہام یعنی "أتقولون للحق لَمّا جاء کم أسِحْرٌ ھذا" سے کیوں کی؟ حالانکہ فرعونیوں نے بطریق جزم واخبار کے قطعیت کے ساتھ اپنے کلام کو اِنَّ اور لام سے مؤکد کرتے ہوئے کہا تھا "کما قال اللّٰہ تعالی فلَمّا جاء ھم الحق من عند نا قالوا اِنَّ ھذا لَسِحْرٌ مبین".

جَوَابٌ: اس میں فرعونیوں کا مقولہ حکائی محذوف ہے اور تقدیر عبارت یہ ہے "أتقولون للحق لمّا جاء کم انّ هذا لَسِحْرٌ مبین" اس کے جواب میں موسیٰ علیہ السلام نے ان کے قول پر نکیر کرتے ہوئے فرمایا اَسِحْرٌ هذا؟ کیا یہ جادو ہے؟ تم کو حقیقت کے خلاف ایسی بات منہ سے نکالنی بھی نہ چاہئے۔

قِوْلَہٗ: بدلٌ یعنی اَسحر، ما جئتم به سے حذف مبتدأ کے ساتھ بدل ہے ای اَهو السِّحْرُ لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ مفرد جملہ سے بدل واقع نہیں ہوتا۔

قِوْلَہٗ: فی قراء ۃ یعنی ابوعمرو کی قراءت میں أسحر هذا، میں ایک ہمزہ استفہامیہ ہے، اس قراءت کے مطابق مَا جئتم میں مَا استفہامیہ ہوگا، اور اَلسِّحْرُ، ما سے بدل ہوگا، ای اَیّ شیٔ جئتم به أهو السحر اور دوسروں کی قراءت میں ایک ہمزۂ اخبار کے ساتھ ہے اس صورت میں مَا موصولہ مبتداء ہوگا، اور جئتم به صلہ ہوگا، اور السِّحْرُ اسکی خبر ہوگی، ای الذی جئتم به السِّحْرُ لا الّذِی جئتُ به.

تَفسیر وتشریح

ربط آیات:

سابق میں معقول اور دل لگتے دلائل اور شفقت آمیز نصائح سے سمجھایا گیا تھا کہ ان کے طریقہ اور عقائد وخیالات میں یہ غلطی ہے، اور وہ کیوں غلط ہیں، اور اس کے مقابلہ میں صحیح راہ کیا ہے؟

اب ان کے اس طرز عمل کی طرف توجہ منعطف فرمائی جو وہ اس سیدھی اور صاف راہ کے جواب میں اختیار کر رہے تھے، دس گیارہ سال سے مشرکین مکہ کی روش یہ تھی کہ وہ بجائے اس کے کہ معقول تنقید اور صحیح رہنمائی پر غور کر کے اپنی گمراہیوں پر نظر ثانی کرتے الٹے اس شخص کی جان کے دشمن ہوگئے تھے جو ان باتوں کو اپنی کسی ذاتی غرض کے لئے نہیں بلکہ انہی کے بھلے کیلئے پیش کر رہا تھا، وہ دلیلوں کا جواب پتھروں سے اور نصیحتوں کا جواب گالیوں سے دے رہے تھے، اپنی بستی میں ایسے شخص کا وجود ان کے لئے سخت ناگوار تھا بلکہ ناقابل برداشت ہوگیا تھا، گویا کہ ان کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم اندھوں کے درمیان جو آنکھوں والا پایا جاتا ہے وہ ہماری آنکھیں کھولنے کے بجائے اپنی بھی آنکھیں بند کرلے ورنہ ہم زبردستی اس کی آنکھیں پھوڑ دیں گے تاکہ بینائی جیسی چیز ہماری سرزمین میں نہ پائی جائے، یہ طرز عمل جو انہوں نے اختیار کر رکھا تھا اس پر مزید کچھ اور فرمانے کے بجائے اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے کہ انھیں نوح علیہ السلام کا قصہ سنادو، اسی قصہ میں وہ اپنے اور تمہارے معاملہ کا جواب بھی پالیں گے، اس پر بھی جب اہل مکہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے تو ان کو چیلنج دیدیا کہ میں اپنے کام سے باز نہ آؤں گا، تم میرے خلاف جو کچھ کرنا چاہتے ہو کر گزرو، اور جن کو تم نے اللہ کا شریک ٹھہرا رکھا ہے ان کی بھی مدد لے لو اگر وہ تمہارے عقیدے کے مطابق تمہاری مدد کر سکتے ہیں، غُمَّةً کے ایک معنی ابہام اور پوشیدگی کے بھی ہیں، یعنی میرے خلاف تمہاری تدبیر واضح اور غیر مبہم ہونی چاہئے، جو کچھ کرنا

بے کھلم کھلا کر و چرانے چھپانے کی کیا ضرورت ہے؟ اس قطعیت اور جرأت کے لب ولہجہ کے ساتھ دشمنوں سے گفتگو وہی کر سکتا ہے جس کا رشتہ اللہ سے تمام تر جڑا ہوا ہو، اور جو مخلوق کی قوت ضرر رسانی اور خوف نفع رسانی سے یکسر بے نیاز ہو چکا ہو۔

فکذبوہ فنجیناہ ومن معهٗ فی الفلك، یعنی قوم نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے تمام تر وعظ ونصیحت کے باوجود تکذیب کا راستہ نہیں چھوڑا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ الصلاۃ والسلام اور ان پر ایمان لانے والوں کو ایک کشتی میں بٹھا کر بچالیا اور باقی سب کو حتی کہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے ایک بیٹے کو بھی غرق کر دیا، اور ان بچنے والوں کو پہلے لوگوں کا جانشین بنایا، پھر آئندہ نسل انہی لوگوں سے بالخصوص نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے تین بیٹوں حام، سام، یافث سے چلی اسی لئے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو آدم ثانی کہا جاتا ہے۔

طوفان نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بقیہ آثار:

اس طوفان نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے آثار ماہرین سائنس کو آج بھی ارض نوح علیہ الصلاۃ والسلام میں مل رہے ہیں یہ طوفان ملک عراق میں دریائے دجلہ اور دریائے فرات کے درمیانی علاقہ میں آیا تھا اس علاقہ کا رقبہ موجودہ ماہرین اثریات کے تخمینہ کے مطابق چار سو میل طول میں اور ۱۰۰ میل عرض میں تھا (ماجدی) کشتی نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا طول تورات کی تصریح کے مطابق تین سو ہاتھ اور عرض پچاس ہاتھ کا اور بلندی تیس ہاتھ کی تھی۔ (ماجدی)

قوم نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی غرق آبی کے بعد مخلصین ومومنین پھر اسی علاقہ میں آباد ہو گئے اور ان ہی سے سلسلہ نسل آدم چلا، نوع انسانی کی آبادی تاریخ کے اس ابتدائی دور میں صرف اسی سرزمین کی حدود تک محدود تھی، اسی لئے جن مفسرین نے طوفان نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے عالم گیر ہونے کا دعویٰ کیا ہے انہوں نے کچھ غلط نہیں کہا، دنیا کی آبادی اس دور میں اسی خطۂ عراق تک محدود تھی، اس لئے کہ حضرت آدم علیہ الصلاۃ والسلام کے زمانہ سے اب تک کل دس پشتیں ہی ہوئی تھیں۔

غرق آبی عام اور عالم گیر تھی یا اسی امت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے ساتھ مخصوص تھی، یہ سوال متقدمین مفسرین کے سامنے بھی آچکا ہے اور محققین کی اکثریت شق ثانی ہی کی طرف گئی ہے اور ظواہر قرآن وحدیث بھی اسی کی تائید میں ہیں۔ (روح)

فما کانوا لِیُؤمنوا بما کذّبوا به من قبلُ، اس آیت میں حد سے گذر جانے والوں کے قلوب پر ٹھپہ لگانے کی بات کہی گئی ہے، حد سے گذر جانے والے یہ وہ لوگ ہیں جو ایک مرتبہ غلطی کر جانے کے بعد پھر اپنی بات کی پچ اور ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اپنی اسی غلطی پر اڑے رہتے ہیں اور جس بات کا ایک بار انکار کر دیتے ہیں اسے پھر کسی فہمائش، کسی تلقین اور کسی معقول سے معقول دلیل سے بھی مان کر نہیں دیتے، اہل ضلال کی یہ ذہنیت آج تک چلی آرہی ہے، جہاں ایک بار شروع میں بے سوچے سمجھے زبان سے ''نہیں'' نکل گئی بس آخر تک اسی پر قائم رہیں گے، ایسے لوگوں پر اللہ کی ایسی پھٹکار پڑتی ہے کہ انھیں پھر راہ راست پر آنے کی توفیق نصیب نہیں ہوتی۔

فاستکبروا وکانوا قومًا مجرمین الخ یعنی فرعون نے اپنی دولت وحکومت اور شوکت وحشمت کے نشے میں مدہوش ہو کر اپنے آپ کو بندگی کے مقام سے بالاتر سمجھ لیا اور اطاعت کے لئے سر جھکانے کے بجائے اکڑ دکھانی شروع کر دی۔

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ طائفةٌ مِّنْ اولادِ قَوْمِهٖ اى فرعونَ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ يصرفهم عن دينهم بتعذيبهم وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ متكبرٌ فِى الْاَرْضِ ارض مصر وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ المتجاوزين الحدَّ بادعاءِ الربوبية وَقَالَ مُوْسٰى يٰقَوْمِ اِنْ كُنْتُمْ اٰمَنْتُمْ بِاللّٰهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّسْلِمِيْنَ فَقَالُوْا عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتْنَةً لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ اى لا تظهرهم علينا فيظنُّوْا انّهم على الحق فيفتنُوا بنا وَنَجِّنَا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰى وَاَخِيْهِ اَنْ تَبَوَّاٰ اتخذا لِقَوْمِكُمَا بِمِصْرَ بُيُوْتًا وَّاجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قِبْلَةً مصلّى تصلُّونَ فيه لِتَأمَنُوْا من الخوفِ وكانَ فرعونُ منعهم من الصلوةِ وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ اتمّوها وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ بالنصر والجنةِ وَقَالَ مُوْسٰى رَبَّنَآ اِنَّكَ اٰتَيْتَ فِرْعَوْنَ وَمَلَاَهٗ زِيْنَةً وَّاَمْوَالًا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا رَبَّنَا اٰتيتهم ذلك لِيُضِلُّوْا فى عاقبته عَنْ سَبِيْلِكَ دينكَ رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ امسخها وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اطبَعْ عليها واستوثِقْ فَلَا يُؤْمِنُوْا حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ المؤلِمَ دَعَا عليهم وأمّن هٰرونُ على دعائِه قَالَ تعالى قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا فمسخت اموالُهم حجارةً ولم يُؤمِنْ فرعونُ حتى اَدرَكَه الغرقُ فَاسْتَقِيْمَا على الرسالةِ والدعوةِ الى أن ياتيهم العذابُ وَلَا تَتَّبِعٰٓنِّ سَبِيْلَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ فى استعجالِ قضائِى رُوِى أنه مكث بعدها اربعين سنةً وَجٰوَزْنَا بِبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ الْبَحْرَ فَاَتْبَعَهُمْ لحقهم فِرْعَوْنُ وَجُنُوْدُهٗ بَغْيًا وَّعَدْوًا مفعولٌ له حَتّٰٓى اِذَآ اَدْرَكَهُ الْغَرَقُ قَالَ اٰمَنْتُ اَنَّهٗ اى بانّه وفى قراءةٍ بالكسر استينافًا لَآ اِلٰهَ اِلَّا الَّذِىْٓ اٰمَنَتْ بِهٖ بَنُوْٓا اِسْرَآءِيْلَ وَاَنَا مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ كرّره ليُقبلَ منه فلم يُقبلْ ودسّ جبريلُ فى فِيه من حمأةِ البحرِ مخافةَ أن تنالَه الرحمةُ وقالَ له آٰلْئٰنَ تؤمنُ وَقَدْ عَصَيْتَ قَبْلُ وَكُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ بضلالِكَ واضلالِك عن الايمانِ فَالْيَوْمَ نُنَجِّيْكَ نُخرِجُكَ من البحرِ بِبَدَنِكَ جسدِك الذى لاروحَ فيه لِتَكُوْنَ لِمَنْ خَلْفَكَ بعدكَ اٰيَةً عبرةً فيعرفُوا عبوديتَك ولا يُقدِمُوا على مثلِ فعلِك وعن ابن عباس رضى اللّٰه تعالى عنهما أنّ بعض بَنِى اسرائيلَ شكُّوا فى موته فأُخرِجَ لهم ليَرَوْه وَاِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ اى اهلِ مكةَ عَنْ اٰيٰتِنَا لَغٰفِلُوْنَ لا يعتبرُون بها۔

ترجمہ: فرعون کی قوم کے نوجوانوں میں سے ایک مٹھی بھر نوجوانوں کے علاوہ کسی نے فرعون اور اپنے سرداروں کے خوف کی وجہ سے موسیٰ علیہ السلام کی بات نہیں مانی کہ وہ ان کو تکلیف دیکر ان کے دین سے پھیر دیں گے اور اس میں شک نہیں کہ فرعون ملک مصر میں (زور و تکبر میں) بہت چڑھا ہوا تھا، اور وہ تھا ہی دعوائے ربوبیت کر کے حد سے تجاوز کرنے والوں میں اور موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اے میری قوم اگر تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو تو اسی پر بھروسہ کرو اگر تم

فرمانبردار ہو، انہوں نے عرض کیا کہ ہم نے اللہ ہی پر بھروسہ کیا اے ہمارے پروردگار تو ہم کو ظالموں کے لئے تختۂ مشق نہ بنا یعنی تو ان کو ہم پر غالب نہ فرما کہ وہ یہ سمجھنے لگیں کہ وہ حق پر ہیں پھر ہم کو تختۂ مشق بنائیں، اور تو ہم کو اپنی رحمت سے کافر قوم سے نجات عطا فرما اور ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی کو وحی بھیجی کہ تم دونوں اپنی قوم کے لئے مصر میں گھر برقرار رکھو اور اپنے گھروں کو قبلہ (یعنی) جائے نماز بنالو کہ ان میں نماز پڑھو تاکہ تم خوف سے مامون رہو اور فرعون نے ان کو نماز پڑھنے سے منع کر دیا تھا، اور نماز کو مکمل طریقہ پر قائم کرو اور اے موسیٰ تم نصرت اور جنت کی مسلمانوں کو خوشخبری سنادو، اور موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے ہمارے پروردگار تو نے فرعون کو اور اس کے سرداروں کو سامان زینت اور طرح طرح کے مال دنیوی زندگی میں دیئے اے ہمارے پروردگار یہ چیزیں تو نے ان کو عطا کیں تاکہ وہ اس کے نتیجے میں تیرے راستہ سے (لوگوں کو) گمراہ کریں، اے ہمارے رب ان کے مالوں کو نیست ونابود کر دیجئے اور ان کے قلوب کو (اور زیادہ) سخت کر دیجئے ان کے قلوب پر مہر لگادیجئے اور مسدود کر دیجئے کہ پھر وہ ایمان نہ لاسکیں یہاں تک کہ دردناک عذاب کو دیکھ لیں، موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لئے بددعاء کی اور ہارون علیہ السلام نے ان کی بددعاء پر آمین کہی، اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''تمہاری دعاء قبول کر لی گئی'' جس کی وجہ سے ان کے مال (سیم وزر) پتھروں میں تبدیل کر دیئے گئے، اور فرعون ایمان نہ لایا حتی کہ وہ غرق کر دیا گیا، اور تم دونوں تبلیغ ودعوت پر قائم رہو یہاں تک کہ ان پر دردناک عذاب آجائے، اور تم ایسے لوگوں کے طریقہ کی پیروی نہ کرو جو قضا کے معاملہ میں جلد بازی کے انجام کو نہیں جانتے روایت کیا گیا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام بددعاء کے بعد ان میں چالیس سال مقیم رہے، اور ہم نے بنی اسرائیل کو دریا سے پار کر دیا پھر فرعون اور اس کے لشکر نے ظلم وزیادتی کے ارادہ سے ان کا پیچھا کیا بَغْیًا وعَدْوًا (اتبعهم کا) مفعول لہ ہے حتی کہ جب فرعون ڈوبنے لگا تو بول اٹھا کہ میں نے مان لیا کہ معبود حقیقی اس کے سوا نہیں ہے کہ جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے، اَنَّهٗ اصل میں بِاَنَّهٗ ہے، اور ایک قراءت میں اِنَّهٗ کسرہ کے ساتھ ہے جملہ مستانفہ ہونے کی وجہ سے، اور میں بھی سر اطاعت خم کر دینے والوں میں ہوں، اس نے ایمان اور تسلیم کو مکرر ذکر کیا تاکہ قبول کر لیا جائے، مگر قبول نہیں کیا گیا، اور جبرائیل علیہ السلام نے اس کے منہ میں دریا کی کیچڑ ٹھونس دی اس اندیشہ سے کہ کہیں اس کی طرف رحمت متوجہ نہ ہو جائے (جبرائیل نے) اس کو جواب دیا اب ایمان لاتا ہے حالانکہ تو اس سے پہلے نافرمانی کرتا رہا اور تو خود گمراہ ہوا اور دوسروں کو ایمان سے گمراہ کرنے کی وجہ سے فساد برپا کرنے والوں میں سے تھا، اب تو ہم تیری لاش ہی کو کہ جو بے روح ہے دریا سے نکالیں گے تاکہ تو بعد کی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بنے تاکہ وہ تیرے بندہ ہونے کو جان لیں، اور تیرے جیسے اقدام کی جرأت نہ کریں، اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مروی ہے کہ بعض بنی اسرائیل نے فرعون کی موت میں شک کیا تو اس کی لاش نکالی گئی تاکہ اس کو دیکھ لیں، اور واقعہ یہ ہے کہ بہت سے لوگ اہل مکہ ایسے ہیں جو ہماری آیتوں (قدرت کی نشانیوں) سے غفلت برتتے ہیں، یعنی ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: فَمَا اٰمَنَ لِموسی اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ من قومِہٖ، فاء عاطفہ ہے معطوف علیہ محذوف ہے جو سیاق سے مفہوم ہے اور وہ "فالقی موسٰی عَصَاہ فإذَا ھِیَ تلقفُ مَا یأفکونَ" ہے، (اعراب القرآن) فما اٰمَنَ لموسٰی کے معنی ہیں موسیٰ علیہ السلام کی بات نہیں مانی، اس کو ایمان بالتسلیم کہتے ہیں، یہ متعدی بالام ہوتا ہے اور ایک ایمان بالتصدیق ہوتا ہے وہ متعدی بالباء ہوتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا قول ہے یؤمن باللّٰہ ویؤمن للمؤمنین.

قَوْلُہٗ: ذرّیۃ، ذرّیۃ بتثلیث الذال، ذرّیۃ الرجل، اولاد، نسل جمع ذراری وذُرّیات، ذرّیۃ، یہاں قلت عدد کے معنی میں مستعمل ہے مفسر علام نے ذرّیۃ کی تفسیر طائفۃ سے کرکے اسی معنی کی طرف اشارہ کیا ہے یعنی مٹھی بھر لوگ تفسیر کبیر میں ہے "ھٰھُنا مَعناھا التقلیل" (کبیر) حضرت ابن عباس کا قول ہے کہ ذرّیۃ کا لفظ جب کسی قوم پر بولا جاتا ہے تو مقصود اس کی تحقیر یا تصغیر ہوتی ہے۔

قال ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما لفظ الذریۃ یعبر بہ عن القوم علی وجہ التحقیر والتصغیر (کبیر) چونکہ یہاں تحقیر کا کوئی قرینہ نہیں اس لئے مقصود تصغیر عدد ہی ہے۔

قَوْلُہٗ: من قومہٖ، قومہٖ، کی ضمیر نے دو مختلف معنی پیدا کردیئے ہیں مراد قوم موسیٰ بھی ہوسکتی ہے اور قوم فرعون بھی، پہلی صورت میں مراد یہ لی جائے گی کہ فرعون اور فرعونیوں کے ڈر سے ابتداء میں اسرائیلیوں کے بہت تھوڑے لوگوں نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بات کی تصدیق کی، اور دوسری شق کی صورت میں فرعونیوں کی ایک جماعت مراد ہوگی، جس میں وہ جادوگر شامل ہیں جو موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقابلہ کرنے کے لئے آئے تھے ان کے علاوہ فرعون کی بیوی آسیہ اور فرعون کا خازن اور اس کی بیوی اور بنت فرعون کی مشاطہ (بال سنوارنے والی) اور رجل من آل فرعون بھی، مفسر علام نے دوسری شق کو اختیار کرکے قومہٖ کی ضمیر فرعون کی طرف لوٹائی ہے۔

قَوْلُہٗ: ارض مصر، اس سے اشارہ کردیا کہ فی الارض میں الف لام عہد کا ہے۔

قَوْلُہٗ: وأمَّنَ ھارون علی دعاءہٖ، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ بددعا، تو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کی تو پھر "قد اُجیبت دعوتکما" میں تثنیہ کا صیغہ کیوں استعمال ہوا ہے؟ جواب کا حاصل یہ ہے کہ دعاء کرنا اور دعاء پر آمین کہنا ایک ہی درجہ میں ہیں۔

قَوْلُہٗ: حمأۃ، کالی مٹی، کیچڑ۔

تفسیر وتشریح

فَمَا اٰمَنَ لِمُوْسٰی اِلَّا ذُرِّیَّۃٌ مِّنْ قَوْمِہٖ، قَوْمِہٖ کے ضمیر کے مرجع میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض نے اس کا مرجع حضرت موسیٰ علیہ السلام کو قرار دیا ہے اسلئے کہ آیت میں ماقبل میں ان ہی کا ذکر ہے، مطلب یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے بہت تھوڑے آدمی ایمان لائے، لیکن امام ابن کثیر وغیرہ نے اس کا مرجع فرعون کو قرار دیا ہے یعنی فرعون کی قوم میں سے بہت تھوڑے آدمی ایمان لائے، ان کی دلیل یہ ہے کہ بنی اسرائیل کے لوگ ایک رسول اور نجات دہندہ کے انتظار میں تھے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ان کو مل گیا اس اعتبار سے تمام بنی اسرائیل (سوائے قارون کے) ان پر ایمان رکھتے تھے اسلئے صحیح اور راجح بات یہی ہے ذریّۃ من قومہٖ سے فرعون کی قوم کے تھوڑے لوگ مراد ہیں جن میں فرعون کی بیوی آسیہ اور فرعون کا خازن اور اس کی بیوی، اور بنت فرعون کی مشاطہ (بال سنوارنے والی) اور رجل من آل فرعون شامل ہیں۔

وَاجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ قِبْلَۃً، پہلی امتوں کو عبادت خانوں کے علاوہ میں عبادت کرنے کی اجازت نہیں تھی مگر فرعون نے عبادت خانوں میں نماز پڑھنے پر پابندی عائد کر دی تھی اس لئے بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا کہ گھروں ہی میں نماز پڑھ لیا کرو۔

فرعون کے زر و جواہر کا پتھروں میں تبدیل ہو جانا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب فرعون کی اصلاح سے مایوس ہو گئے اور اس کے مال و دولت سے دوسروں کے گمراہ ہونے کا خطرہ محسوس کیا تو ربنا اطمس علی اموالھم کہہ کر بددعاء کر دی یعنی اے میرے پروردگار اس کے اموال کی صورت بدل کر مسخ کر دے۔

حضرت قتادہ کا بیان ہے کہ اس دعاء کا اثر یہ ہوا کہ قوم فرعون کے تمام زیورات اور زر و جواہر اور نقد سکے اور باغوں اور کھیتوں کی سب پیداوار پتھروں کی شکل میں تبدیل ہو گئے، حضرت عمر بن عبد العزیز کے زمانہ میں ایک تھیلہ دستیاب ہوا جس میں فرعون کے زمانہ کی چیزیں تھیں ان میں انڈے اور بادام بھی تھے جو بالکل پتھر تھے۔ (معارف)

بنی اسرائیل کا خروج اور فرعون کا تعاقب:

جب فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے تمام معجزوں کو جھٹلا دیا اور وہ کسی طرح بھی موسیٰ علیہ السلام کی بات ماننے کیلئے تیار نہ ہوا تو اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ تم بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر اپنے آباء واجداد کی سرزمین فلسطین کی طرف نکل جاؤ مصر سے فلسطین جانے کے دو راستے ہیں ایک خشکی کا راستہ ہے اور وہ قریب کا راستہ ہے اور دوسرا راستہ بحر احمر (قلزم) کا راستہ ہے اس راستہ میں دریا عبور کر کے صحراء سینا (تیہ) سے گذرنا ہوتا ہے، اور یہ راستہ دور کا ہے، مگر خدا کی مصلحت کا تقاضا یہی ہوا کہ

قریب اور آسان راستہ چھوڑ کر دور کا اور دشوار گذار راستہ اختیار کریں، اس طویل راستہ کی حکمتوں اور مصلحتوں میں سے ایک بڑی مصلحت یہ تھی کہ فرعون کو غرق دریا کیا جائے۔

غرض یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کو لے کر راتوں رات بحر احمر کے راستہ سے روانہ ہو لئے اور روانہ ہونے سے پہلے مصری عورتوں کے زیورات اور قیمتی پارچہ جات جو ایک تہوار کے بہانہ مستعار لئے تھے وہ بھی واپس نہ کر سکے، فرعون کو جب بنی اسرائیل کے نکلنے کا علم ہوا تو فرعون نے ایک زبردست فوج کے ساتھ بنی اسرائیل کا تعاقب کیا اور صبح ہونے سے پہلے ہی ان کے سروں پر جا پہنچا، تورات کے مطابق بنی اسرائیل کی تعداد چھ لاکھ تھی، صبح ہونے کے بعد جب بنو اسرائیل نے فرعون کو اپنے سروں پر دیکھا تو گھبرا گئے اور اپنی مصیبتوں اور پریشانیوں کا سارا الزام موسیٰ علیہ السلام کو دینے لگے۔

فرعون کا غرق ہونا:

موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تسلی دی اور فرمایا خوف نہ کرو خدا کا وعدہ سچا ہے وہ تم کو ضرور نجات دیگا، اور پھر بارگاہ الٰہی میں دست بدعا ہو گئے، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ اپنا عصا دریا پر مارو چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے دریائے قلزم پر اپنا عصا مارا تو پانی پھٹ کر دونوں جانب پہاڑوں کے مانند کھڑا ہو گیا، اور حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل درمیانی راستہ سے بخیر عافیت نکل گئے۔

جب فرعون نے دریا کو دولخت دیکھا تو اپنی قوم سے کہنے لگا یہ میری کرشمہ سازی ہے کہ دریا نے راستہ دیدیا بڑھے چلو، چنانچہ وہ اور اس کا پورا لشکر بنی اسرائیل کے پیچھے اسی راستہ پر ہو لیا جب بنی اسرائیل کا ہر فرد دریا پار ہو گیا تو پانی بحکم الٰہی اپنی پہلی حالت پر آ گیا، اسی میں فرعون اور اس کا پورا لشکر غرق ہو گیا۔

جب فرعون غرق ہونے لگا اور ملائکۂ عذاب نظر آنے لگے تو پکار کر کہنے لگا ''میں اسی وحدہ لاشریک لہ پر ایمان لاتا ہوں جس پر بنی اسرائیل ایمان لائے، اور میں فرماں برداروں میں سے ہوں'' مگر یہ ایمان چونکہ مضطربانہ حالت نزع کا تھا اس لئے خدا کی جانب سے جواب ملا ''**آلآنَ وقد عصيتَ قبلُ وكنتَ من المفسدين**'' یعنی خدا کو خوب معلوم ہے کہ تو مسلمین میں سے نہیں ہے بلکہ مفسدین میں سے ہے۔

مصری عجائب خانہ میں فرعون کی لاش:

فاليوم نُنَجيكَ ببَدَنكَ لِتكونَ لِمَنْ خلفكَ آية، یہ معلوم ہی ہے کہ فرعون کسی خاص شخص کا نام نہیں ہے بلکہ شاہانِ مصر کا لقب ہے جس طرح چین کے بادشاہ کو خاقان اور روس کے بادشاہ کو زار اور روم کے بادشاہ کو قیصر اور ایران کے بادشاہ کو کسریٰ کہتے تھے اسی طرح مصر کے بادشاہ کو فرعون کہتے تھے۔

فرعون اصل میں فارا، اُو وہ تھا، مصری زبان میں فارا محل کو کہتے ہیں اور اُو ہ کے معنی اونچا کے ہیں فارااوہ کے معنی ہوئے اونچا محل، اس سے شاہ مصر کی ذات مراد ہوتی تھی، جیسے خلافت عثمانی کے زمانہ میں باب عالی سے مراد خلیفہ کی ذات ہوتی تھی، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جس فرعون نے پرورش کیا تھا اس کا نام رعمیس یا رعمسیس دوم تھا اور رعمیس کے بیٹے منفتاح کے زمانہ میں حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت ہوئی اور اسی سے مقابلہ ہوا اور یہی ۱۴۹۱ قبل مسیح میں غرق ہوا، (لغات القرآن، عبدالدائم جلالی) جب فرعون غرق کر دیا گیا تو اس کی موت کا بہت سے لوگوں کو یقین نہیں آیا، اللہ نے سمندر کو حکم دیا کہ فرعون کی لاش کو دریا کے کنارے پر ڈال دے چنانچہ دریا نے فرعون کی لاش کو دریا کے کنارہ پر ڈال دیا، اس وقت لوگوں نے اس کی لاش کا مشاہدہ کیا اور اس کے مرنے کا یقین آ گیا، مشہور ہے کہ آج بھی وہ لاش مصر کے عجائب خانہ میں محفوظ ہے۔ (واللہ اعلم بالصواب)

مصری مقالہ نگار کی رائے:

اگر مصری مقالہ نگار کی رائے صحیح ہے کہ منفتاح (رعمیس یا رعمسیس ثانی) ہی فرعون موسیٰ تھا تب تو بلاشبہ اس کی لاش آج تک مصری عجائب خانہ میں محفوظ ہے اور سمندر میں تھوڑی دیر غرق رہنے کی وجہ سے اس کی ناک کو مچھلی نے کھالیا ہے۔

آج تک وہ مقام جزیرہ نمائے سینا کے مغربی ساحل پر موجود ہے جہاں فرعون کی لاش سمندر میں تیرتی ہوئی ملی تھی، اس کا نام موجودہ زمانہ میں جبل فرعون ہے، اور اسی کے قریب ایک گرم چشمہ ہے جس کو مقامی آبادی نے حمام فرعون کے نام سے موسوم کر رکھا ہے اس کی جائے وقوع ابوزنیمہ سے چند میل اوپر شمال کی جانب ہے اور علاقہ کے باشندے نشاندہی کرتے ہیں کہ فرعون کی لاش اسی جگہ پڑی ملی تھی۔

اگر یہ ڈوبنے والا ہی فرعون منفتاح ہے جس کو زمانہ حال کی تحقیق نے فرعون موسیٰ قرار دیا ہے تو اس کی لاش آج تک قاہرہ کے عجائب خانہ میں موجود ہے، ۱۹۰۷ء میں سر گرافٹن الیٹ سمتھ نے جب اس کی ممی سے پٹیاں کھولی تھیں تو اس کی لاش پر نمک کی ایک تہ جمی ہوئی تھی جو کھارے پانی میں اس کی غرقابی کی ایک کھلی علامت تھی۔

فائدہ: رعمیس، رعمسیس اور رعیس اور رعمسس یہ شخص کے نام میں تلفظ کا فرق ہے۔

وَلَقَدْ بَوَّأْنَا انزلنا بَنِىٓ إِسْرَآءِيلَ مُبَوَّأَ صِدْقٍ منزل كرامة وہو الشام ومصر وَرَزَقْنَٰهُم مِّنَ ٱلطَّيِّبَٰتِ فَمَا ٱخْتَلَفُوا۟ بان امن بعض وكفر بعض حَتَّىٰ جَآءَهُمُ ٱلْعِلْمُ ۚ إِنَّ رَبَّكَ يَقْضِى بَيْنَهُمْ يَوْمَ ٱلْقِيَٰمَةِ فِيمَا كَانُوا۟ فِيهِ يَخْتَلِفُونَ ﴿٩٣﴾ من امر الدين بانجاء المؤمنين وتعذيب الكفرين فَإِن كُنتَ يا محمد فِى شَكٍّ مِّمَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ من القصص فرضا فَسْـَٔلِ ٱلَّذِينَ يَقْرَءُونَ ٱلْكِتَٰبَ التورة مِن قَبْلِكَ فانه ثابت عندهم يخبرونك بصدقه قال صلى الله عليه وسلم لا اشك ولا اسأل لَقَدْ جَآءَكَ ٱلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلْمُمْتَرِينَ ﴿٩٤﴾ الشاكين فيه وَلَا تَكُونَنَّ مِنَ ٱلَّذِينَ كَذَّبُوا۟ بِـَٔايَٰتِ ٱللَّهِ فَتَكُونَ مِنَ ٱلْخَٰسِرِينَ ﴿٩٥﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ حَقَّتْ وجبت عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ بالعذاب لَا يُؤْمِنُونَ ﴿٩٦﴾

وَلَوْجَآءَتْهُمْ كُلُّ اٰيَةٍ حَتّٰى يَرَوُا الْعَذَابَ الْاَلِيْمَ﴿٩٧﴾ فلا ينفعهم حينئذ فَلَوْلَا فهلا كَانَتْ قَرْيَةٌ اريد اهلها اٰمَنَتْ قبل نزول العذاب بها فَنَفَعَهَآ اِيْمَانُهَآ اِلَّا لكن قَوْمَ يُوْنُسَ لَمَّآ اٰمَنُوْا عند رؤية امارات العذاب الموعود ولم يؤخروا الى حلوله كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْخِزْيِ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَمَتَّعْنٰهُمْ اِلٰى حِيْنٍ﴿٩٨﴾ انقضاء آجالهم وَلَوْشَآءَ رَبُّكَ لَاٰمَنَ مَنْ فِي الْاَرْضِ كُلُّهُمْ جَمِيْعًا اَفَاَنْتَ تُكْرِهُ النَّاسَ بما لم يشاء الله منهم حَتّٰى يَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ﴿٩٩﴾ لا وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تُؤْمِنَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ بارادته وَيَجْعَلُ الرِّجْسَ العذاب عَلَى الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ﴿١٠٠﴾ يتدبرون آيات الله قُلِ لكفار مكة انْظُرُوْا مَاذَا اى الذى فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ من الآيات الدالة على وحدانية الله تعالى وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ جمع نذير اى الرسل عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ﴿١٠١﴾ فى علم الله اى ما تنفعهم فَهَلْ فما يَنْتَظِرُوْنَ بتكذيبك اِلَّا مِثْلَ اَيَّامِ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِهِمْ من الامم اى مثل وقائعهم من العذاب قُلْ فَانْتَظِرُوْٓا ذلك اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ﴿١٠٢﴾ ثُمَّ نُنَجِّيْ المضارع لحكاية الحال الماضية رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا من العذاب كَذٰلِكَ الانجاء حَقًّا عَلَيْنَا نُنْجِ الْمُؤْمِنِيْنَ﴿١٠٣﴾ النبى صلى الله عليه وسلم واصحابه حين تعذيب المشركين.

ترجمہ: اور ہم نے بنی اسرائیل کو بہت اچھا ٹھکانہ دیا اور وہ شام اور مصر تھا، اور ہم نے ان کو پاکیزہ چیزیں کھانے کو دیں، پھر انہوں نے اختلاف نہیں کیا مگر اس وقت جبکہ علم ان کے پاس آچکا بایں طور کہ بعض لوگ ایمان لائے اور بعض نے انکار کیا، یقیناً تیرا رب قیامت کے دن ان کے درمیان اس چیز کا فیصلہ کردے گا جس امر دین میں وہ اختلاف کرتے رہے ہیں مومنین کو نجات دے کر اور کافروں کو عذاب دیکر، پس اے محمد! بالفرض اگر تم ان قصوں کے بارے میں جو ہم نے تمہاری طرف نازل کئے ہیں، شک میں ہو تو ان لوگوں سے پوچھ دیکھئے جو تم سے پہلی کتاب تورات کو پڑھتے ہیں اس لئے کہ وہ نازل کردہ (واقعات) ان کے نزدیک ثابت ہیں وہ ان کی صداقت کی تم کو خبر دیں گے، آپ ﷺ نے جواب دیا کہ نہ مجھے شک ہے اور نہ میں پوچھتا ہوں، بے شک تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق آیا ہے لہٰذا تم اس میں شک کرنے والوں میں سے نہ ہو اور نہ ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اللہ کی آیتوں کو جھٹلایا کہیں آپ زیاں کاروں میں نہ ہو جائیں، یقیناً وہ لوگ جن پر تمہارے رب کے عذاب کا فیصلہ ثابت ہو چکا ہے وہ ایمان نہ لائیں گے اگرچہ ان کے سامنے تمام نشانیاں کیوں نہ آجائیں یہاں تک کہ وہ دردناک عذاب کو نہ دیکھ لیں مگر اس وقت ان کو (ایمان سے) کوئی فائدہ نہ ہوگا، چنانچہ کسی بستی والے، بستی سے بستی والے مراد ہیں، ایمان نہ لائے ان پر عذاب نازل ہونے سے پہلے کہ ایمان لانا ان کے لئے نافع ہوا ہو سوائے یونس علیہ السلام کی قوم کے کہ جب وہ عذاب موعود کے دیکھنے کے وقت ایمان لائے اور انہوں نے عذاب کے نزول تک (ایمان) کو مؤخر نہیں کیا تو ہم نے ان سے دنیا کی زندگی میں رسوائی کے عذاب کو ٹال دیا اور ان کو ایک (خاص وقت) تک کے لئے زندگی سے فائدہ

ٹھانے کا موقع دیا (یعنی) ان کی مدت عمر پوری ہونے تک، اور اگر آپ کا رب چاہتا تو روئے زمین کے سب لوگ ایمان لے آتے تو کیا آپ لوگوں کو اس چیز پر مجبور کرسکتے ہیں جو اللہ ان سے نہ چاہے یہاں تک وہ مومن ہی ہو جائیں ایسا نہیں ہوسکتا، حالانکہ کسی شخص کے لئے ممکن نہیں کہ خدا کے ارادہ کے بغیر ایمان لے آئے اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں پر عذاب ڈال دیتا ہے جو لوگ اللہ کی آیتوں میں غور وفکر نہیں کرتے آپ کفار مکہ سے کہہ دیجئے کہ تم غور کرو کہ کیا کیا چیزیں آسمانوں اور زمین میں ہیں اللہ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانیوں میں سے اور جو لوگ اللہ کے علم میں ایمان لانے والے نہیں ہیں، ان کو نشانیاں اور ڈرانے والے یعنی رسول کوئی فائدہ نہیں دیتے نُذُر نذیر کی جمع ہے یعنی مرسلین سو اب یہ لوگ تیری تکذیب کر کے اس کے سوا اور کس چیز کے منتظر ہیں کہ ویسے ہی (برے) دن دیکھیں جو ان سے پہلے گذرے ہوئے لوگ دیکھ چکے ہیں، تو ان سے کہو اس کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کر رہا ہوں، پھر ہم اپنے رسولوں کو اور ان لوگوں کو جو ایمان لائے ہوں عذاب سے بچالیتے ہیں (نُنَجِّی) حالتِ ماضیہ کی حکایت کرنے کے لئے مضارع کا صیغہ ہے، اسی طرح ہمارے ذمہ ہے کہ ہم ایمان والوں کو بچالیا کرتے ہیں۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: بَوَّأنا، تَبْوِئَةً، سے ماضی جمع متکلم، ٹھکانہ دینا، مناسب جگہ فروکش کرنا۔

قولہ: مُبَوَّأ، صِدْقٍ، مُبَوَّأ اسم مکان ہے یا مصدر ہے اور صدق کی جانب اضافت عرب کی عادت کے مطابق ہے عرب جب کسی شئی کی تعریف کا ارادہ کرتے ہیں تو اس کی اضافت صدق کی جانب کر دیتے ہیں، مثلاً هذا رجل صدق، قدم صدق، مراد یہاں منزل محمود ہے، مقام صدق سے بعض حضرات نے مصر اور بعض نے اردن وفلسطین اور بعض نے شام مراد لیا ہے۔

قولہ: المضارع لحكاية الحال الماضية، یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ نُنَجِّی مضارع کا صیغہ ہے جو کہ حال واستقبال پر دلالت کرتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ بنی اسرائیل کو نجات زمانۂ حال میں دی جارہی ہے یا آئندہ دی جائے گی حالانکہ نجات زمانۂ ماضی میں دی جاچکی ہے۔

جواب: یہ حکایت حال ماضیہ کے طور پر فرمایا گیا ہے گویا کہ حالات ماضیہ کی فی الحال منظر کشی کی جارہی ہے۔

تفسیر وتشریح

ربطِ آیات:

وَلَقَدْ بَوَّأنا الخ یہ کلام مستانف ہے نعمت نجات کے بیان کے بعد ان نعمتوں کا بیان ہے جو فرعون سے نجات کے بعد بنی اسرائیل پر پانی کی طرح بہائی گئیں، ان ہی میں سے ایک نعمت مقام محمود میں سکونت پذیری عطاء کرنا ہے، بعض مفسرین نے جائے

سکونت مصر کو قرار دیا ہے مگر مشہور یہ ہے کہ بنی اسرائیل غرقِ فرعون کے بعد مصر واپس نہیں آئے، اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ظاہری اور معنوی بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا، ملک شام میں سکونت عطاء کی جو کہ اپنی سرسبزی اور شادابی کے لئے آجتک مشہور ہے تورات میں بھی شام اور اس اطراف کے علاقوں کی شادابی کا ذکر ہے۔

میں نازل ہوا ہوں کہ انھیں مصریوں سے چھڑاؤں اور
اس زمین سے نکال کر اچھی وسیع زمین میں جہاں دودھ
اور شہد موج مارتا ہے کنعانیوں کی جگہ میں لاؤں۔
(خروج ۳۰ء۸)

ان میں سے بہت سے لوگوں نے اقتدار پانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی قدر نہ کی اور اس کی اطاعت سے پھر گئے تورات میں جو نشانیاں رسول کریم ﷺ کی یہ لوگ پڑھتے تھے اس کا تقاضا یہ تھا کہ آپ ﷺ کے تشریف لانے کے بعد سے پہلے یہی لوگ ایمان لاتے مگر یہ عجیب بات ہوئی کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری سے پہلے تو یہ سب لوگ نبی آخر الزمان پر اعتقاد رکھتے تھے اور آپ ﷺ کے وسیلہ سے دعائیں کیا کرتے تھے، مگر جب آخری نبی اپنی پوری شہادت اور تورات کی بتلائی ہوئی نشانیوں کے ساتھ تشریف لائے تو یہ لوگ آپس میں اختلاف کرنے لگے، کچھ لوگ ایمان لائے اور باقی نے انکار کر دیا، اس آیت میں آپ ﷺ کے تشریف لانے کو **جاء ھم العلم** سے تعبیر کیا ہے یہاں علم سے مراد یقین بھی ہوسکتا ہے یعنی مشاہدہ کے ساتھ یقین کے اسباب بھی جمع ہو گئے تو یہ لوگ اختلاف کرنے لگے، بعض مفسرین نے علم سے معلوم مراد لیا ہے، یعنی جب وہ ہستی آگئی جو تورات کی پیشین گوئیوں کے ذریعہ معلوم تھی تو اختلاف کرنے لگے۔ (یعنی محمد ﷺ)۔

فإن كنت في شك، اگرچہ بظاہر خطاب محمد ﷺ کو ہے مگر مخاطب امت ہے اس لئے کہ آپ کو وحی میں شک ہونے کا احتمال ہی نہیں ہے۔

فَلَوْلَا، فَهَلَّا، لَوْلَا یہاں تحضیضیہ ہَلَّا کے معنی میں ہے، یعنی جن بستیوں کو ہم نے ہلاک کیا ان میں کوئی ایک بستی بھی ایسی کیوں نہ ہوئی جو ایمان لے آتی جو اس کے لئے فائدہ مند ہوتا۔ ہاں صرف یونس علیہ السلام کی قوم ایسی ہوئی ہے کہ عذاب کی علامات دیکھنے کے بعد ایمان لے آئی تو اللہ نے اس سے عذاب ٹال دیا۔

اس کا مختصر حال یہ ہے کہ یونس علیہ السلام نے جب دیکھا کہ ان کی تبلیغ و دعوت سے ان کی قوم متاثر نہیں ہو رہی تو اپنی قوم میں اعلان کر دیا کہ فلاں فلاں دن تم پر عذاب آجائیگا اور خود وہاں سے نکل گئے جب عذاب بادل کی طرح امڈ آیا تو وہ بچوں، عورتوں حتی کہ جانوروں کو لیکر ایک میدان میں جمع ہو گئے اور بارگاہِ الٰہی میں عاجزی وانکساری اور توبہ واستغفار شروع کر دی، اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور عذاب کو ٹال دیا، تو حضرت یونس علیہ السلام نے اپنی تکذیب کے بعد اپنی قوم میں جانا پسند نہیں کیا، بلکہ ان سے ناراض ہو کر کسی دوسری طرف نکل گئے، جس پر کشتی کا واقعہ پیش آیا۔

مفسرین کا اس بات میں اختلاف ہے کہ قوم یونس علیہ السلام ایمان کب لائی؟ عذاب دیکھ کر لائی؟ جبکہ ایمان نافع نہیں ہوتا، یا ابھی عذاب کا وہ مرحلہ نہیں آیا تھا کہ جب ایمان نافع نہیں ہوتا، لیکن قرآن کریم نے قوم یونس علیہ السلام کا الاَّ کے ساتھ جو استثناء کیا ہے وہ پہلی تفسیر کی تائید کرتا ہے۔

قرآن کریم نے دنیوی عذاب کے دور کرنے کی صراحت تو کی ہے اخروی عذاب کی بابت صراحت نہیں کی اسلئے بعض مفسرین کے قول کے مطابق ان سے اخروی عذاب ختم نہیں کیا گیا، لیکن قرآن نے جب یہ وضاحت کردی کہ دنیوی عذاب ایمان کی وجہ سے ٹلا گیا تھا، تو پھر اخروی عذاب کی بابت صراحت کرنے کی ضرورت ہی نہیں رہ جاتی، اسلئے کہ اخروی عذاب کا فیصلہ تو ایمان اور عدم ایمان ہی کی بنیاد پر ہوتا ہے اگر ایمان لانے کے بعد قوم یونس علیہ السلام اپنے ایمان پر قائم رہی ہوگی، (جس کی صراحت یہاں نہیں ہے) تو یقیناً وہ اخروی عذاب سے بھی محفوظ رہے گی، البتہ بصورت دیگر عذاب سے بچنا صرف دنیا کی حد تک ہی ہوگا، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ دنیا کا عذاب سامنے آجانے کے بعد بھی توبہ کا دروازہ بند نہیں ہوتا، البتہ آخرت کا عذاب سامنے آجانے کے وقت توبہ قبول نہیں ہوتی، اور عذاب آخرت کا سامنے آجانا قیامت کے روز ہوگا یا پھر موت کے وقت خواہ طبعی موت ہو یا کسی دنیوی عذاب میں مبتلا ہو کر جیسے فرعون کو پیش آیا۔

اس لئے قوم یونس علیہ السلام کی توبہ قبول ہوجانا عام ضابطۂ الٰہیہ کے خلاف نہیں بلکہ ضابطہ کے تحت ہی ہے کیونکہ انہوں نے اگرچہ عذاب کو دیکھ کر توبہ کی مگر عذاب میں مبتلا ہونے اور موت سے پہلے توبہ کرلی بخلاف فرعون کے جس نے موت کے وقت غرغرہ کی حالت میں توبہ کی اور ایمان کا اقرار کیا اسلئے اس کا ایمان معتبر نہ ہوا اور توبہ قبول نہ ہوئی۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مفصل واقعہ:

حضرت یونس علیہ السلام کا واقعہ اجمالاً سابق میں بیان کیا جاچکا ہے اس واقعہ کا کچھ حصہ تو قرآن میں مذکور ہے اور کچھ روایات حدیث سے ثابت ہے وہ یہ ہے کہ یونس علیہ السلام کی قوم عراق میں موصل کے مشہور مقام نینوی میں رہتی تھی، ان کی تعداد قرآن کریم میں ایک لاکھ سے زیادہ بتائی گئی ہے، ان کی ہدایت کے لئے اللہ تعالیٰ نے یونس علیہ السلام کو بھیجا تھا مگر قوم نے ایمان لانے سے انکار کردیا اللہ نے حکم دیا کہ ان کو آگاہ کردو کہ تین دن کے اندر اندر تم پر عذاب آنے والا ہے، حضرت یونس علیہ السلام نے اس کا اعلان کردیا، قوم یونس نے آپس میں مشورہ کیا تو اس پر سب کا اتفاق ہوگیا کہ ہم نے کبھی یونس علیہ السلام کو جھوٹ بولتے نہیں دیکھا اسلئے ان کی بات نظر انداز کرنے کے لائق نہیں، مشورہ میں یہ بھی طے ہوا کہ یہ دیکھا جائے کہ یونس علیہ السلام رات کو ہمارے درمیان اپنی جگہ مقیم رہتے ہیں تو سمجھ لو کہ کچھ نہیں ہوگا اور اگر وہ یہاں سے کہیں چلے جاتے ہیں تو یقین کرلو کہ صبح کو ہمارے اوپر عذاب آئیگا، حضرت یونس رات کو اس بستی سے نکل گئے، جب صبح ہوئی تو عذاب کا ایک سیاہ بادل دھوئیں کی شکل میں سروں پر منڈلانے لگا، اور یہ دیکھ کر حضرت یونس علیہ السلام کو تلاش کیا کہ ان کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوجائیں اور کفر وانکار سے توبہ کرلیں مگر یونس علیہ السلام کو نہ پایا تو خود ہی اخلاص نیت

کے ساتھ توبہ واستغفار میں لگ گئے بستی سے ایک میدان میں نکل آئے عورتیں بچے اور جانور سب اس میدان میں جمع کر دیئے گئے ٹاٹ کے کپڑے پہن کر عجز وزاری کے ساتھ اس میدان میں توبہ کرنے اور عذاب سے پناہ مانگنے میں اس طرح مشغول ہوئے کہ پورا میدان آہ وبکاء سے گونجنے لگا، اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور عذاب کو ان سے ٹال دیا جیسا کہ اس آیت میں مذکور ہے روایات میں آیا ہے کہ یہ عاشورہ یعنی دس محرم کا دن تھا۔

ادھر حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام بستی سے باہر اس انتظار میں تھے کہ اب اس قوم پر عذاب نازل ہوگا قوم کو ان کی توبہ واستغفار کا حال معلوم نہ تھا، جب عذاب ٹل گیا تو ان کو فکر ہوئی کہ مجھے جھوٹا قرار دیا جائے گا کیونکہ میں نے اعلان کیا تھا کہ تین دن کے اندر عذاب آجائیگا، اس قوم میں قانون یہ تھا کہ جس شخص کا جھوٹ ثابت ہوجائے اور وہ اپنے کلام پر کوئی شہادت پیش نہ کرے تو اس کو قتل کردیا جاتا تھا، یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فکر ہوئی کہ مجھے جھوٹا قرار دیکر قتل کردیا جائیگا۔

انبیاء علیہم السلام ہر گناہ سے معصوم ہوتے ہیں:

مگر انبیاء انسانی فطرت وطبیعت سے جدا نہیں ہوتے اس وقت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام پر طبعی طور پر یہ ملال ہوا کہ میں نے بحکم الٰہی اعلان کیا تھا اور اب میں اعلان کی وجہ سے جھوٹا قرار دیا جاؤں گا، اپنی بستی میں واپس جاؤں تو کس منہ سے جاؤں اور قومی قانون کے مطابق گردن زدنی بنوں اس رنج وغم اور پریشانی کے عالم میں اس شہر سے نکل جانے کا ارادہ کرکے چل دیئے یہاں تک کہ بحر روم کے کنارہ پر پہنچ گئے وہاں ایک کشتی دیکھی جس میں لوگ سوار تھے، یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان لوگوں نے پہچان لیا اور بغیر کرایہ کے سوار کرلیا، کشتی روانہ ہوکر جب وسط دریا میں پہنچی تو وہ دفعۃً ٹھہر گئی نہ آگے بڑھتی ہے اور نہ پیچھے ہٹتی ہے کشتی والوں نے منادی کرادی کہ ہماری کشتی کی منجانب اللہ یہی شان ہے کہ جب اس میں کوئی ظالم گنہگار یا بھاگا ہوا غلام سوار ہوجاتا ہے تو یہ کشتی خود بخود رک جاتی ہے اس آدمی کو ظاہر کردینا چاہئے تاکہ ایک آدمی کی وجہ سے سب پر غضب نہ آئے۔

حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام بول اٹھے کہ وہ بھاگا ہوا گنہگار غلام میں ہوں بغیر اذن خداوندی بستی چھوڑ کر چلے آنا پیغمبرانہ شان کی وجہ سے گناہ قرار دیا کہ پیغمبر کی کوئی نقل وحرکت بغیر اذن خداوندی کے نہ ہونی چاہئے تھی اسلئے فرمایا کہ مجھے دریا میں ڈال دو کشتی والے اس پر تیار نہ ہوئے بلکہ انہوں نے قرعہ اندازی کی تاکہ قرعہ میں جس کا نام نکل آئے اس کو دریا میں ڈال دیا جائے اتفاق سے قرعہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے نام سے نکل آیا، ان لوگوں کو اس پر تعجب ہوا تو کئی مرتبہ قرعہ اندازی کی ہر مرتبہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کے نام قرعہ نکلتا رہا، قرآن کریم میں بھی اس قرعہ اندازی کا ذکر موجود ہے، ''**فَسَاهَمَ فَكَانَ مِنَ الْمُدْحَضِينَ**'' یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ حق تعالیٰ کا یہ معاملہ ان کے مخصوص پیغمبرانہ مقام کی وجہ سے تھا کہ اگرچہ انہوں نے اللہ کے کسی حکم کی خلاف ورزی نہیں کی تھی جس کو گناہ اور معصیت کہا جائے اور کسی پیغمبر سے اس کا امکان بھی نہیں ہے اس لئے کہ وہ معصوم ہوتے ہیں لیکن بغیر اجازت چلے جانا پیغمبرانہ شان بلند کے مناسب نہیں تھا اس خلاف شان عمل پر بطور عتاب یہ معاملہ کیا گیا۔

ادھر حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دریا میں ڈالنے کا انتظام ہو رہا تھا دوسری طرف ایک بہت بڑی مچھلی بحکم خداوندی کشتی کے قریب منہ پھیلائے لگی ہوئی تھی کہ یہ دریا میں آئیں تو ان کو اپنے پیٹ میں جگہ دے جس کو حق تعالیٰ نے پہلے سے حکم دے رکھا تھا، اور بتا دیا تھا کہ یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام تیری غذا نہیں ہے بلکہ تیرا پیٹ اس کا مسکن ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا، حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت ہے کہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام مچھلی کے پیٹ میں چالیس دن رہے، بعض حضرات نے سات دن اور بعض نے پانچ اور بعض نے ایک دن چند گھنٹے مدت بتائی ہے، اس حالت میں حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ دعاء کی "لا الٰہ الا انت سبحانك اِنّی کنتُ من الظّٰلمین" اللہ تعالیٰ نے اس دعاء کو قبول فرمالیا اور بالکل صحیح سالم حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو دریا کے کنارے ڈال دیا۔

مچھلی کے پیٹ کی گرمی سے آپ کے بدن پر کوئی بال نہیں رہا تھا، اللہ نے ان کے قریب ایک کدو کا درخت اگا دیا جس کے پتوں کا سایہ حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے درخت کا سایہ بن گیا، اور ایک جنگلی بکری کو اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ وہ صبح و شام ان کے پاس جا کر کھڑی ہو جایا کرے چنانچہ وہ ایسا ہی کرتی اور حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام اس کا دودھ پی لیتے تھے، اس طرح حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس لغزش پر تنبیہ ہوگئی اور بعد میں ان کی قوم کو بھی پورا حال معلوم ہوگیا۔

اس قصہ کے جتنے اجزاء قرآن میں مذکور ہیں یا مستند روایات سے ثابت ہیں وہ تو یقینی ہیں باقی اجزاء تاریخی روایات کے ہیں جن پر کسی شرعی مسئلہ کا مدار نہیں رکھا جا سکتا۔ (معارف القرآن)

فائدہ: حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تنبیہ کسی معصیت یا فرائض منصبی میں کوتاہی کا نتیجہ نہیں تھی جیسا کہ بعض مفسرین کو دھوکا ہوا ہے، اس لئے کہ یہ بات بالاتفاق طے ہے کہ انبیاء معصوم ہوتے ہیں اختلاف صرف اس بات میں ہے کہ صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں یا نہیں اہل سنت والجماعت کا مسلک ہے کہ صغائر سے بھی معصوم ہوتے ہیں، البتہ خلاف اولیٰ کا صدور ہو سکتا ہے مگر اس کو معصیت نہیں کہا جا سکتا اور نہ اس پر مواخذہ ہوتا ہے البتہ انبیاء کی شان بلند کی نسبت سے ان کو تنبیہ کر دی جاتی ہے، حضرت یونس علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ خیال کہ انہوں نے رسالت کے فرض منصبی میں کوتاہی کی تھی جس کی وجہ سے ان کو سزا دی گئی یہ کسی طرح بھی اہل سنت والجماعت کے مسلک سے میل نہیں کھاتا۔

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اى اهل مكة **اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ** انه حق **فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيره وهو الاصنامُ لِشككم فيه **وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ** بقبض ارواحكم **وَاُمِرْتُ اَنْ** اى بان **اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ** و قيل لى **اَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا** مائلا اليه **وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَلَا تَدْعُ** تعبدُ **مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ** اِن عبدتَه **وَلَا يَضُرُّكَ** ان لم تعبُده **فَاِنْ فَعَلْتَ** ذلك فرضًا **فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ** يُصبك **اللّٰهُ بِضُرٍّ** كفقر و مرض **فَلَا كَاشِفَ** رافع **لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ** دافع **لِفَضْلِهٖ** الذى أراداك به **يُصِيْبُ بِهٖ** اى بالخير **مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ**

ای اہلَ مکۃَ قَدْ جَآءَكُمُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنِ اهْتَدٰى فَاِنَّمَا يَهْتَدِيْ لِنَفْسِهٖ لِاَنَّ ثوابَ اہتدائہ لہ وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا يَضِلُّ عَلَيْهَا لانّ وبالَ ضلالہ علیہا وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ فاجبرکم علی الہدی وَاتَّبِعْ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ وَاصْبِرْ علی الدعوۃ واَذاہُم حَتّٰى يَحْكُمَ اللّٰهُ فیہم بامرہ وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ اَعْدَلُہُم وقد صبرَ حتی حکم علی المشرکین بالقتالِ واہلِ الکتابِ بالجزیۃِ.

ترجمہ: (اے محمد) کہہ دو کہ اے مکہ کے لوگو اگر تم میرے دین کے حق ہونے کے بارے میں شک (وتردد) میں ہو تو (تم کو معلوم ہونا چاہئے) کہ میں تمہارے دین میں شک کرنے کی وجہ سے ان معبودوں کی بندگی نہیں کرتا جن کی تم خدا کو چھوڑ کر بندگی کرتے ہو اور وہ بت ہیں، لیکن میں تو اس خدا کی بندگی کرتا ہوں جو تمہاری روح قبض کرتا ہے اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ مومنوں میں رہوں، اور مجھے یہ حکم دیا گیا ہے کہ اپنا رخ دین کی طرف مائل رکھنا اور ہرگز شرک کرنے والوں میں نہ ہونا (اور یہ حکم ہوا ہے) کہ اللہ کو چھوڑ کر کسی ایسی چیز کی بندگی نہ کرنا کہ اگر تم اس کی بندگی کرو تو تم کو کچھ فائدہ نہ پہنچا سکے اور اگر تم اس کی بندگی نہ کرو تو تم کوئی نقصان نہ پہنچا سکے بالفرض اگر تم نے ایسا کیا تو اس صورت میں تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے (اور مجھ سے یہ کہا گیا ہے) کہ اگر اللہ تم کو کوئی تکلیف پہنچائے مثلاً فقر اور مرض تو اس کے سوا اس تکلیف کا کوئی دور کرنے والا نہیں، اور اگر وہ تیرے ساتھ خیر کا ارادہ کرے تو اس فضل کا جس کا اس نے تمہارے لئے ارادہ کیا ہے اس کا کوئی روکنے والا نہیں (بلکہ) وہ اپنا فضل اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے مبذول فرمائے وہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے آپ کہہ دیجئے کہ اے مکہ کے لوگو تمہارے پاس حق تمہارے رب کی طرف سے پہنچ چکا ہے لہٰذا جو شخص راہ راست پر آئے گا وہ اپنے ہی واسطے راہ راست پر آئیگا، اس لئے کہ راستی کا اجر اسی کو ملے گا، اور جو شخص بے راہ رہے گا تو اس کی بے رہ روی کا وبال اسی پر پڑے گا، اس لئے کہ اس کی گمراہی کا نقصان اسی کو ہوگا، اور میں تم پر مسلط کیا ہوا نہیں ہوں کہ تم کو میں ہدایت پر مجبور کروں (اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ) آپ اس وحی کا اتباع کرتے رہیں جو آپ کی طرف بھیجی گئی ہے اور دعوت اور ان کی تکلیف پر صبر کیجئے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ ان کے درمیان اپنے حکم سے فیصلہ کردے اور وہ بہترین فیصلہ کرنے والا ہے اور آپ نے صبر فرمایا یہاں تک کہ مشرکین کے ساتھ قتال کا اور اہل کتاب پر جزیہ کا حکم نازل فرمایا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَنَّهٗ حق، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ شک کا تعلق مفرد سے نہیں ہوتا اسی وجہ سے مفسر علام نے اَنَّهٗ حق محذوف مانا ہے تاکہ شک کا تعلق جملہ سے ہو جائے۔

قولہ: يَتَوَفّٰكم واحد مذکر غائب مضارع معروف تَوَفِّی (تفعل) کم ضمیر مفعول، تم کو پورا پورا لیتا ہے، تمہاری روح

قبض کرتا ہے۔

قَوْلَهُ: قيل لي ، اس کا اضافہ ماقبل کے ساتھ ربط قائم کرنے کے لئے کیا ہے اس لئے کہ ماقبل میں اُمِرْتُ ہے اب تقدیر عبارت یہ ہوگی وأُمِرْتُ اَنْ اكونَ من المؤمنين وقيل لي ان اَقِمْ وَجْهَكَ للدين حنيفًا.

قَوْلَهُ: ذلك فرضًا یہ اس سوال کا جواب ہے کہ غیر اللہ کی عبادت نبی سے محال ہے پھر کیوں اس طرح خطاب کیا گیا، مفسر علام نے جواب دیا کہ یہ علی سبیل الفرض والتقدیر ہے۔

قَوْلَهُ: علی الدعوة اس قید کا اضافہ ماقبل سے ربط قائم کرنے کیلئے کیا ہے۔

تفسیر و تشریح

قُلْ يـاَيُّهَا النـاس اِنْ كنتم في شكٍ الخ، آپ مکہ کے لوگوں سے کہہ دو اگر تم کو میرا طریقہ سمجھ میں نہیں آتا جس کی وجہ سے تم شک وتردد میں پڑے ہوئے ہو تو سنو میں تم کو اپنے دین کا اصل اصول (جو توحید خالص ہے) سمجھائے دیتا ہوں، خلاصہ یہ ہے کہ میں تمہارے ان فرضی معبودوں سے سخت بیزار اور نفور ہوں جسکے اختیار کرنے کا کبھی امکان بھی میری طرف سے دل میں نہ لانا، میری عبادت اس خداوند وحدہ لاشریک لہٗ کے لئے ہے جس کے قبضے میں تمہاری جانیں ہیں، کہ جب تک چاہے انھیں جسموں میں چھوڑے رکھے اور جب چاہے کھینچ لے مطلب یہ کہ موت وحیات کا رشتہ جس کے دست قدرت میں ہے وہی عبادت کا سزاوار ہے یہاں اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ مشرکین مکہ یہ جانتے تھے اور آج بھی ہر قسم کے مشرک یہ تسلیم کرتے ہیں کہ موت صرف اللہ رب العلمین ہی کے قبضہ واختیار میں ہے اس پر کسی دوسرے کا قابو واختیار نہیں حتی کہ جن دیوی دیوتاؤں اور بزرگوں کو یہ مشرکین خدائی صفات واختیارات میں شریک کرتے ہیں ان کے متعلق بھی وہ تسلیم کرتے ہیں کہ ان میں سے کسی کو بھی خود اپنی موت کے بارے میں اختیار نہیں وہ بھی اپنی موت کا وقت نہیں ٹال سکے ہیں، پس بیان مدعا کے لئے اللہ تعالیٰ نے بے شمار صفات میں سے کسی دوسری صفت کا ذکر کرنے کے بجائے یہ خاص صفت "اَلَّذِیْ يَتَوَفّٰكُمْ" وہ ذات کہ جو تم کو موت دیتی ہے یہاں اس لئے منتخب کی ہے کہ بیان مدعا کے ساتھ ساتھ اس کے صحیح ہونے کی دلیل بھی ہو جائے، یعنی سب کو چھوڑ کر میں اس کی بندگی اسلئے کرتا ہوں کہ زندگی اور موت پر تنہا اسی کا اقتدار ہے اور اس کے سوا دوسروں کی بندگی آخر کیوں کروں؟ جب وہ خود اپنی موت وحیات پر بھی اقتدار نہیں رکھتے کجا کہ دوسروں کی موت وحیات پر۔

وان يَـمْسَسْـكَ الـلّٰـه بضر فلا كاشِفَ له اِلا هو الخ جب ان چیزوں کے پکارنے سے منع کیا گیا کہ جن کے قبضے میں تمہارا بھلا برا کچھ نہیں تو مناسب معلوم ہوا کہ ان کے بالمقابل مالک علی الاطلاق کا ذکر کیا جائے کہ تکلیف وراحت موت وحیات بھلے اور برے غرضیکہ آرام وتکلیف کے تمام سلسلوں پر کامل اختیار رکھتا ہے، جس کی بھیجی ہوئی تکلیف کو کوئی نہیں ہٹا سکتا، اور جس پر وہ اپنا فضل ورحمت کرنا چاہے کسی کی طاقت نہیں کہ اسے محروم کر سکے۔

قل یایّھا الناس قد جاء کم الحق من ربکم الخ، یعنی حق واضح طور پر براہین ودلائل کیساتھ پہنچ چکا ہے، اب قبول نہ کرنے کا کوئی معقول عذر کسی کے پاس نہیں خدا کی آخری حجت بندوں پر قائم ہو چکی ہے، اب ہرایک اپنا نفع نقصان سوچ لے جو خدا کی بتلائی ہوئی راہ پر چلے گا وہ دنیا وآخرت میں کامیاب ہوگا اور جو اسے چھوڑ کر ادھر اُدھر بھٹکے گا وہ خود پریشان اور ذلیل وخوار ہوگا، پیغمبر کو کوئی مختار بنا کر نہیں بھیجا گیا کہ جو تمہارے افعال کا ذمہ دار ہو اس کا کام صرف آگاہ کر دینا اور راستہ بتلا دینا ہے اس پر چلنا یا نہ چلنا خود چلنے والے کے اختیار میں ہے۔

وَاصبر حتی یحکم اللہ الخ اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ اگر یہ لوگ حق کو قبول نہ کریں تو آپ خود کو اس کے غم میں نہ گھلائیں، آپ خدا کے احکام کی پیروی کرتے رہئے اور تبلیغ واصلاح کے کام میں لگے رہئے اور جو تکالیف اس راستہ میں آپ کو پہنچیں ان پر صبر کیجئے، مخالفین کی ایذارسانیوں کا تحمل کرتے رہنا چاہئے یہاں تک کہ خدا آپ کے درمیان فیصلہ کر دے۔



سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَثَلٰثٌ وَعِشْرُوْنَ اٰيَةً وَعَشْرُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ الا اقم الصلوٰة الأية او الا فلعلك تارك الآية واولٰئك يؤمنون به الآية.

سورۂ ہود مکی ہے مگر اَقِمِ الصَّلٰوة (الآية) یا مگر فلعلّكَ تارك (الآية) اور اُولٰئكَ يؤمنون به (الآية) ۱۲۲ یا ۱۲۳ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿الٓرٰ﴾ اللّٰه اعلمُ بمرادِه بذلك ہذا ﴿كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ﴾ بعجيب النظم و بديع المعاني ﴿ثُمَّ فُصِّلَتْ﴾ بينت بالاحكام و القصص و المواعظ ﴿مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ﴾ اى اللّٰهِ ﴿اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ اِنَّنِيْ لَكُمْ مِّنْهُ نَذِيْرٌ﴾ اى بأن بالعذاب اِنْ كفرتُمْ ﴿وَّبَشِيْرٌ﴾ بالثواب ان امنتم ﴿وَّاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ﴾ من الشركِ ﴿ثُمَّ تُوْبُوْٓا﴾ ارجعُوا ﴿اِلَيْهِ﴾ بالطاعةِ ﴿يُمَتِّعْكُمْ﴾ فى الدنيا ﴿مَّتَاعًا حَسَنًا﴾ بطيبِ عيشٍ وسعةِ رزقٍ ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ ہو الموتُ ﴿وَّيُؤْتِ﴾ في الأخِرةِ ﴿كُلَّ ذِيْ فَضْلٍ﴾ في العملِ ﴿فَضْلَهٗ﴾ جزاءَهُ ﴿وَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ فيه حَذفُ إحدى التائينِ اى تُعرِضوا ﴿فَاِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍ﴾ ہو يومُ القيمةِ ﴿اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ وَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ﴾ ومِنه الثوابُ والعذابُ ونَزَلَ كما رواه البخاريُّ عن ابنِ عباسٍ رضى اللّٰه تعالى عنهما فيمَنْ كان يَستحيىْ أَنْ يتخلّي اويجامعَ فَيُفْضِىَ الى السماء وقيل فى المنافقينَ ﴿اَلَآ اِنَّهُمْ يَثْنُوْنَ صُدُوْرَهُمْ لِيَسْتَخْفُوْا مِنْهُ﴾ اى اللّٰهِ ﴿اَلَا حِيْنَ يَسْتَغْشُوْنَ ثِيَابَهُمْ﴾ يَتَغطونَ بها ﴿يَعْلَمُ﴾ تعالى ﴿مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ﴾ فلا يُغنِى استخفاؤُہم ﴿اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ﴾ اى بما فى القلوبِ.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے الٓـر، اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیات عجیب نظم اور انوکھے معانی کے ذریعہ محکم کی گئی ہیں، پھر حکیم باخبر یعنی اللہ کی طرف سے

احکام اور واقعات اور نصائح کے اعتبار سے صاف صاف بیان کی گئی ہیں، یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو میں اس کی طرف سے تم کو عذاب سے ڈرانے والا ہوں اگر تم کفر کرو گے اور ثواب کی خوشخبری دینے والا ہوں اگر تم ایمان لاؤ گے اور یہ کہ تم اپنے رب سے شرک سے مغفرت طلب کرو پھر طاعت کے ذریعہ اس کی طرف رجوع کرو وہ دنیا میں تم کو معینہ مدت تک اچھا سامان عیش اور وسعت رزق دے گا اور ہر زیادہ عمل کرنے والے کو زیادہ اجر دے گا اور اگر تم اعراض کرو گے (تــولــوا) میں دو تاؤں میں سے ایک تاء حذف کردی گئی ہے تو مجھے تمہارے بارے میں ایک بڑے دن کہ وہ قیامت کا دن ہے، کے عذاب کا اندیشہ ہے تم کو اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے اور وہ ہر شئ پر قادر ہے اور اسی ہر شئ میں ثواب اور عقاب بھی ہے، اور (آئندہ آیت) جیسا کہ امام بخاری نے اس کو حضرت ابن عباس رَضَحَاللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا سے روایت کیا ہے، اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی کہ جو اس خیال سے کہ میرا یہ عمل آسمان (یعنی اللہ) تک پہنچ رہا ہے قضائے حاجت کرنے اور (بیوی سے) مجامعت کرنے میں شرم محسوس کرتا تھا، اور کہا گیا ہے کہ منافقین کے بارے میں نازل ہوئی یاد رکھو وہ لوگ اپنے سینوں کو دوہرا کئے ہیں (یعنی جھکے جاتے ہیں) تاکہ اللہ سے اپنی باتیں چھپا سکیں یاد رکھو کہ وہ لوگ جس وقت اپنے کپڑے لپیٹ لیتے ہیں (یعنی) ان میں چھپ جاتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ (اس وقت بھی) اس چیز کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں لہٰذا ان کے چھپنے سے کوئی فائدہ نہیں، بلاشبہ وہ تو دلوں کے اندر کی باتوں کو جانتا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلِہٗ: سورة هود بترکیب اضافی مبتداء مکیة خبر اول مـائة الخ خبر ثانی، مکیة مستثنیٰ منہ ہے إلَّا حرف استثناء اقم الصلوة (الآية) مستثنیٰ یعنی پوری سورت مکی ہے سوائے ایک آیت و اقم الصلوة (الآية) کے یہ قول ابن عباس رَضَحَاللَّهُ تَعَالَىٰ عَنْهُمَا کا ہے۔

قِوْلِہٗ: اَوْ اِلَّا فَلَعَلَّكَ تاركٌ بعضَ ما يوحٰى اِلَيْكَ (الآية) یہ دوسرے قول کی طرف اشارہ ہے اس قول کے مطابق پوری سورت مکی ہے مگر دو آیتیں، ایک تو فَلَعَلَّكَ اور دوسری اُولٰئكَ يؤمنون به (الآية) یہ قول مقاتل کا ہے۔

قِوْلِہٗ: هذا، اس میں اشارہ ہے کہ کتابٌ مبتداء محذوف کی خبر ہے نہ کہ خود مبتداء اس لئے کہ نکرہ محضہ مبتداء واقع نہیں ہوتا، اُحكمتْ آياته، جملہ ہو کر کتاب کی صفت ہے۔

قِوْلِہٗ: ثُــمَّ فصلــت، ثُمَّ میں دو احتمال ہیں اول یہ اخبار محض کے لئے ہے، اور معنی ہوں گے اللہ نے ہم کو خبر دی کہ قرآن غایت درجہ باحسن وجوہ محکم ہے اور بہترین تفصیل کے ساتھ مفصل ہے، جیسا کہ عرب بولتے ہیں، ''فلان كـريـم الاصل ثم كـريـم الـفـصل'' دوسرا احتمال یہ ہے کہ ثُمَّ نزول کے اعتبار سے ترتیب زمانی کے ہو بایں طور کہ نزول اول یعنی عرش سے لوح محفوظ پر نزول کے وقت محکم کیا گیا پھر حسب موقع تفصیل کے ساتھ نازل ہوا۔

قَوْلُہٗ: من لدنْ حکیم خبیر یہ کتابٌ کی دوسری صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: بِاَنْ اس میں اشارہ ہے کہ أن مصدر یہ ہے، أن تفسیریہ بھی ہوسکتا ہے، أن کے تفسیریہ ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ اس سے پہلے قول یا قول کے ہم معنی کوئی لفظ ہو یہاں اگر چہ لفظ قول نہیں مگر اس کا معنی فصلت، موجود ہے لہٰذا أن کا مفسرہ ہونا بھی درست ہے، اور یہاں تفسیریہ ہی بہتر ہے۔ (صاوی)

قَوْلُہٗ: قیل فی المنافقین، اگر منافقین سے معروف منافقین مراد ہیں تو اس میں نظر ہے اس لئے کہ معروف منافقین کا وجود مکہ میں نہیں تھا اور آیت مکی ہے، حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے مروی ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق کے بارے میں نازل ہوئی ہے جو کہ منافقین مکہ میں سے تھا یہ شخص چرب زبان حسین المنظر تھا اور رسول اللہ ﷺ کو خوش کن خبریں سنایا کرتا تھا اور دل میں اس کے خلاف پوشیدہ رکھتا تھا اسی کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی ہے۔

قَوْلُہٗ: یثنون، الثنی الطّی چھپانے کے لئے لپیٹنا، یَثْنُوْنَ کی اصل یَثْنِیُوْن تھی ضمہ یاء پر دشوار رکھ کر نون کو دیدیا، یاء اور واو کے درمیان التقاء ساکنین کی وجہ سے یاء کو حذف کر دیا، یثنون ہوگیا۔

تَفسِیر وتَشریح

سورۂ ہود کے مضامین:

اس سورت میں بھی اُن ہی قوموں کا تذکرہ ہے جو آیات الٰہی اور پیغمبروں کی تکذیب کر کے عذاب الٰہی کا نشانہ بنیں اور تاریخ کے صفحات سے یا تو حرف غلط کی طرف مٹادی گئیں، یا تاریخ کے اوراق میں عبرت کا نمونہ بن کر موجود ہیں، اسی لئے حضرت ابو بکر صدیق رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے آپ ﷺ سے عرض کیا، کیا وجہ ہے کہ آپ بوڑھے ہوئے چلے جارہے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ''مجھے ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا''۔

ابن مردویہ اور ابن عساکر وغیرہما نے مسروق کی سند سے حضرت ابو بکر صدیق سے روایت کیا ہے۔

قَالَ، قُلْتُ، یارسول اللّٰہ لَقَدْ اَسْرَعَ الیكَ الشیبُ فقال شَیَّبَتْنِی هود والواقعة والحاقة والمرسلات وعمَّ یتسالون واذا الشمس کورت۔ (تفسیر فتح القدیر)

کتاب اُحکمت آیاته، قرآنی آیات نظم ومعانی کے اعتبار سے اتنی محکم اور پختہ ہیں کہ نہ ان کی ترکیب لفظی میں کوئی خلل ہے اور نہ ترکیب معنوی میں، اس کے علاوہ اس میں احکام وشرائع، مواعظ وقصص، عقائد وایمانیات، عقائد واخلاقیات جس طرح وضاحت وتفصیل سے بیان کیے گئے ہیں کتب سابقہ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا نے فرمایا کہ محکم اس جگہ منسوخ کے مقابلہ میں ہے مطلب یہ ہے کہ اس کتاب کو اللہ تعالیٰ نے مجموعی حیثیت سے محکم غیر منسوخ بنایا ہے یعنی جس طرح سابقہ کتابیں تورات انجیل وغیرہ مجموعی اعتبار سے منسوخ ہو

گئیں یہ کتاب تا قیامت منسوخ نہ ہوگی اسلئے کہ نبوت ورسالت کا سلسلہ منقطع ہوگیا ہے بعض قرآنی آیت کا بعض کے ذریعہ منسوخ ہونا اس کے منافی نہیں، ثم فُصِّلَتْ کی تفسیر تحقیق وترکیب کے زیرعنوان گذر چکی ہے ملاحظہ کرلیا جائے۔

یُمتعکم متاعًا حسنًا، دنیوی سامانِ عیش کو قرآن میں دوسری جگہ ''متاع غرور'' کہا گیا ہے یعنی دھوکے کا سامان اور یہاں اسے ''متاع حَسَن'' قرار دیا گیا ہے دونوں میں بظاہر تضاد معلوم ہوتا ہے، مطلب اس کا یہ ہے کہ جو آخرت سے غافل ہوکر متاع دنیا سے استفادہ کرے گا اس کے لئے یہ متاع غرور ہے اور جو آخرت کی تیاری کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھاتا ہے اس کیلئے یہ چندروزہ متاع، متاع حسن ہے۔

شانِ نزول:

اَلَا اِنَّھُمْ یَثْنُوْنَ صُدُوْرَھُمْ (الآیة) اس آیت کے شان نزول کے بارے میں مفسرین کا اختلاف ہے اسی لئے اس کے مفہوم میں بھی اختلاف ہے۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ ہود) میں بیان کردہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت ان مسلمانوں کے بارے میں نازل ہوئی جو غلبۂ حیا کی وجہ سے قضائے حاجت اور بیوی سے ہمبستری کے وقت برہنہ ہونا اور ستر کھولنا پسند نہیں کرتے تھے کہ اللہ جل شانہٗ ہمیں دیکھ رہا ہے اس لئے ایسے موقع پر شرم گاہ کو چھپانے کے لئے اپنے سینوں کو دہرا کر لیتے تھے، اللہ نے فرمایا رات کو جب وہ اپنے بستروں میں اپنے کپڑوں میں خود کو ڈھانپ لیتے ہیں اس وقت بھی وہ ان کو دیکھتا ہے مطلب یہ ہے کہ شرم وحیا کا جذبہ اپنی جگہ بہت اچھا ہے لیکن اس میں اتنا غلو اور افراط بھی صحیح نہیں، اسلئے کہ جس ذات کی خاطر تم ایسا کرتے ہو اس سے تو تم پھر بھی نہیں چھپ سکتے تو اس طرح کے تکلف سے کیا فائدہ۔

وَمَا مِنْ زائدۃ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ ھی مَا دبَّ علیھا اِلَّا عَلَی اللّٰہِ رِزْقُھَا تکفَّلَ بہ فضلاً منہ وَیَعْلَمُ مُسْتَقَرَّھَا مَسْکَنَھا فی الدُنیا او الصُلب وَمُسْتَوْدَعَھَا بعدَ الموتِ او فی الرحم کُلٌّ مما ذُکر فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ ﴿۶﴾ بیِّن ھو اللوحُ المحفوظُ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِیْ سِتَّةِ اَیَّامٍ اوّلُھا الاحدُ واٰخِرھا الجمعۃُ وَّکَانَ عَرْشُہٗ قبلَ خلقِھما عَلَی الْمَآءِ وھو علی متن الریح لِیَبْلُوَکُمْ متعلقٌ بخلق ای خلقَھما و مَا فیھما منافعُ لکم و مصالحُ لِیَختبرکم اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ای اَطْوعُ لِلّٰہِ وَلَئِنْ قُلْتَ یٰ محمدُ لھم اِنَّکُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ مِنْ بَعْدِ الْمَوْتِ لَیَقُوْلَنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اِنْ ما ھٰذَآ القراٰنُ الناطقُ بالبعثِ او الّذی تقولہ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۷﴾ بیِّنٌ و فی قراءۃٍ ساحرٌ والمشارُ الیہ النبیُّ صلی اللہ علیہ وسلم وَلَئِنْ اَخَّرْنَا عَنْھُمُ الْعَذَابَ اِلٰٓی سجیْ اُمَّةٍ جماعۃِ اوقاتٍ مَّعْدُوْدَةٍ لَّیَقُوْلُنَّ استھزاءً مَا یَحْبِسُہٗ یمنعُہ من النزولِ قال تعالٰی اَلَا یَوْمَ یَاْتِیْھِمْ لَیْسَ مَصْرُوْفًا مدفوعًا عَنْھُمْ وَحَاقَ نزلَ بِھِمْ مَّا کَانُوْا بِہٖ یَسْتَھْزِءُوْنَ ﴿۸﴾ من العذاب.

ترجمہ: زمین پر چلنے پھرنے والے جتنے جاندار ہیں سب کا رزق اللہ کے ذمہ ہے، مِنْ زائدہ ہے (دَابَّة) اس جاندار کو کہتے ہیں جو زمین پر چلتا ہے، یعنی اللہ ہی ان کی روزی کا اپنے فضل سے کفیل ہے وہی ان کے رہنے سہنے کی جگہ کو جانتا ہے آیا دنیا میں ہے یا پشت پدر میں اور مرنے کے بعد اس کے سپرد کئے جانے کی جگہ کو یا رحم مادر میں ہے (اس کے مقام) کو جانتا ہے اور ہر چیز کا جو مذکور ہوئی وہ کتاب مبین میں ہے اور وہ لوح محفوظ ہے، اور وہی ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا ان کا پہلا دن یکشنبہ تھا اور آخری دن جمعہ کا اور آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے سے پہلے اس کا عرش پانی پر تھا اور پانی ہوا کے دوش پر تھا، تاکہ تم کو آزمائے (لِيَبْلُوَكُمْ) خَلَقَ کے متعلق ہے یعنی ان دونوں کو اور ان میں جو کچھ ہے تمہارے منافع اور تمہاری مصلحتوں کے لئے پیدا کیا تاکہ تم کو آزمائے، کہ تم میں کون بہتر عمل کرنے والا ہے؟ یعنی کون اللہ کا زیادہ تابع فرمان ہے، اور اگر (اے محمد) تم کہو کہ تم کو مرنے کے بعد (زندہ کرکے) اٹھایا جائیگا، تو منکرین فوراً بول اٹھیں گے کہ یہ قرآن جو بعث بعد الموت کی بات کرتا ہے یا جو بات تم کرتے ہو وہ کھلا ہوا جادو ہے، اور ایک قراءت میں (سحر) کے بجائے ساحِرٌ ہے اور اس کے مصداق نبی ﷺ ہوں گے، اور اگر ہم ان سے متعین عذاب کو کچھ مدت کے لئے ملتوی کر دیتے ہیں تو بطور استہزاء کہنے لگتے ہیں کہ اس عذاب کو آنے سے کس چیز نے روک رکھا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا یاد رکھو جس دن وہ (عذاب) ان پر آپڑے گا تو ٹالے نہ ٹلے گا اور جس عذاب کا وہ مذاق اڑاتے تھے وہی ان کو آگھیرے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: تکفل به فضلاً منه یہ اضافہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے کہ اِلَّا علی اللّٰہ رزقها سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر رزق رسانی واجب ہے، حالانکہ وجوب اللہ پر محال ہے۔

جَوَابُ: کا حاصل یہ ہے کہ مخلوق کے لئے رزق رسانی کا اللہ پر لزوم وجوباً نہیں ہے بلکہ محض فضلاً وشفقةً ہے۔

قَوْلُهُ: کل مِمَّا ذکرَ اس میں اشارہ ہے کہ کلٌّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔

قَوْلُهُ: بَيِّنٌ، مبین کی تفسیر بَيِّنٌ سے کرکے اشارہ کر دیا کہ متعدی بمعنی لازم ہے۔

قَوْلُهُ: جماعة اوقاتٍ اس میں اشارہ ہے کہ اُمَّة سے مراد لوگوں کی جماعت نہیں ہے بلکہ اس سے اوقات کا محدود مجموعہ مراد ہے، اُمة اصل میں لوگوں کی جماعت کو کہتے ہیں ای طائفة من الناس، یہاں طائفة من الازمنة مراد ہے جیسا کہ شارح رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے لفظ اوقات کا اضافہ کرکے اشارہ کر دیا ہے۔

قَوْلُهُ: معدودة، معدودة سے مراد قلیلة ہے اس لئے کہ حصر بالعد قلت پر دلالت کرتا ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

پچھلی آیات میں حق تعالیٰ کے علم محیط کا ذکر تھا جس سے کائنات کا کوئی ذرہ اور دلوں کا کوئی راز بھی پوشیدہ نہیں، تو بھلا وہ جانداروں کو ان کی روزی کے معاملہ میں کیسے فراموش کر سکتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے جانداروں کی روزی کی کفالت اپنے ذمہ محض اپنے فضل سے لے لی ہے اللہ تعالیٰ پر کسی کی طرف سے نہ کوئی شئ واجب ہے اور نہ کسی کا دباؤ، اور روزی رسانی کا انتظام اسی وقت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر جاندار کا مقام و مستقر معلوم ہو ورنہ روزی رسانی کا نظام ممکن ہی نہیں ہو سکتا، تو کفار کے یہ ارادے کہ اپنے کسی کام کو اللہ تعالیٰ سے چھپالیں جہالت اور بے وقوفی کے سوا کچھ نہیں۔

رزق سے متعلق ایک سوال اور اس کا جواب:

سَوال: یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب روزی رسانی کی ذمہ داری اللہ رب العٰلمین کی ہے تو پھر ہزارہا جاندار بھوک اور پیاس سے کیوں مرجاتے ہیں؟

جَواب: یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کی موت کے اسباب اپنے علم ازلی کے مطابق متعین فرمادیئے کہ فلاں مرض کی وجہ سے مرے گا اور فلاں جل کر مرے گا اور فلاں ڈوب کر مرے گا اور فلاں قتل ہو کر مرے گا ایسے ہی اسباب میں سے ایک سبب یہ بھی ہے کہ وہ بھوک سے مرے گا اسی سبب کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی روزی بند کر دی جاتی ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ خدانخواستہ اللہ تعالیٰ کے خزانہ میں کوئی کمی آگئی ہے یا اس کے یہاں غذائی اسٹاک ختم ہو گیا ہے۔ (نعوذ باللہ)۔

آیت میں "مستقر" اور "مستودع" کے دو لفظ استعمال ہوئے ہیں ان کی تعریف میں مفسرین کا اختلاف ہے، بعض حضرات کے نزدیک منتہائے سیر کا نام مستقر ہے اور جس کو ٹھکانہ بنائے وہ مستودع ہے اور بعض کے نزدیک رحم مادر مستقر اور صلب پدر مستودع ہے، اور بعض کے نزدیک انسان یا حیوان جہاں بود و باش رکھتا ہے وہ مستقر ہے اور جہاں مرنے کے بعد دفن ہوگا وہ مستودع ہے (ابن کثیر) بہر حال جو معنی بھی لئے جائیں مفہوم واضح ہے، چونکہ اللہ تعالیٰ کو ہر ایک کا مستقر و مستودع معلوم ہے اس لئے وہ ہر ایک کو روزی پہنچانے پر قادر ہے۔

اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف نہیں:

علی اللّٰہ رزقها، اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ جب اللہ تعالیٰ نے ہر جاندار کی روزی رسانی کی ذمہ داری اپنے ذمہ لے لی ہے ہٰذا اب نہ کچھ کرنے کی ضرورت ہے اور نہ اسباب اختیار کرنے کی ضرورت، اسلئے کہ شریعت اسلامی کی تعلیم ترک اسباب کی نہیں ہے اور نہ اسباب کا اختیار کرنا توکل کے خلاف ہے، حضرت تھانوی رَحِمَکَلاللّٰہُ تَعَالیٰ نے فرمایا کہ اسباب کو اگر اس اعتقاد کے ساتھ اختیار کیا جائے کہ مسبب الاسباب اللہ ہی ہے اور یہ اعتقاد نہ رکھا جائے کہ بغیر اسباب کے رزق حاصل ہو ہی نہیں سکتا، تو یہ توکل کے منافی نہیں ہے، بلکہ اس عالم میں اسبابِ ظاہری کی پوری رعایت کر کے پھر توکل کیا جائے، عارف رومی نے اپنی مثنوی میں توکل کے صحیح طریقہ کی ایک حکایت بیان کی ہے۔

حکایت: بیان فرماتے ہیں کہ ایک اعرابی آپ کی خدمت میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا، آپ نے دریافت فرمایا اونٹنی کو کیا کیا؟ اس نے کہا خدا کے توکل پر یوں ہی چھوڑ دیا ہے، آپ نے فرمایا اسے باندھ دو اور پھر اللہ پر بھروسہ کرو۔ ؎

گفت پیغمبر بآواز بلند بر توکل زانوئے اشتر بہ بند

وهو الذی خَلَقَ السمٰوٰت والارض فی ستة ایام وکان عرشه علی الماء، اس آیت میں حق تعالیٰ کے علم محیط اور قدرت ظاہرہ کا ایک اور مظہر ذکر کیا گیا ہے کہ اس نے تمام آسمانوں اور زمین کو چھ دن میں پیدا فرمایا اور ان چیزوں کے پیدا کرنے سے پہلے عرش رحمان پانی پر تھا، آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے ان کے چھ دن میں پیدا کرنے کی تفصیل سورۂ حٰمٓ سجدہ میں اس طرح آئی ہے کہ دو دن میں زمین بنائی گئی اور دو دن میں زمین کے پہاڑ دریا درخت اور جانداروں کی غذا پیدا فرمائی اور دو دن میں سات آسمان بنائے۔

کائنات کو چھ دن میں پیدا کرنے کا مطلب:

تفسیر مظہری میں ہے کہ آسمان سے مراد تمام علویات ہیں اور زمین سے مراد تمام سفلیات ہیں اور دن سے مراد وقت کی وہ مقدار ہے جو آسمان وزمین میں پیدا کرنے کے بعد آفتاب کے طلوع وغروب تک ہوتا ہے، اگرچہ آسمان وزمین کی پیدائش کے وقت نہ آفتاب تھا اور نہ اس کا طلوع وغروب۔

حق تعالیٰ کی قدرت کاملہ میں یہ بھی تھا کہ ان تمام کو ایک دن میں پیدا کردے مگر اس نے اپنی حکمت سے اس عالم کے نظام کو تدریجی بنایا ہے جو انسانی مزاج کے مناسب ہے، اس آیت کے آخر میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے کا مقصد بیان فرمایا ہے، لِیَبْلُوَکم ایکم اَحْسَنُ عملاً، یعنی یہ سب چیزیں اس لئے پیدا کی گئیں کہ ہم تمہارا امتحان لیں کہ کون تم میں سے زیادہ اچھا عمل کرتا ہے؟

اس سے معلوم ہوا کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش مقصود بالذات نہیں تھی بلکہ اس کو عمل کرنے والے انسان کے لئے بنایا گیا تاکہ وہ ان چیزوں سے اپنے معاش کا فائدہ بھی حاصل کریں، اوران میں غور وفکر کر کے اپنے رب حقیقی کو بھی پہچانیں۔

نکتہ: اللہ تعالیٰ نے یہاں یہ نہیں فرمایا کہ کون زیادہ عمل کرتا ہے بلکہ فرمایا کون زیادہ اچھا عمل کرتا ہے اچھا عمل وہ ہوتا ہے جو رضائے الٰہی کے لئے ہو اور یہ کہ سنت کے مطابق ہو اگر مذکورہ دونوں شرطیں نہ پائی جائیں گی تو وہ اچھا عمل نہیں رہے گا چاہے وہ کتنا بھی زیادہ عمل کیوں نہ ہو اللہ کے یہاں اس کی کوئی حیثیت نہیں۔

كان عرشهٗ على الماء، یہ جملہ معترضہ ہے جو اس سوال کا جواب ہو سکتا ہے کہ آسمان اور زمین جب نہیں تھے تو اس وقت کیا تھا؟ اس سوال کا جواب مختصر انداز میں یہ دیا گیا کہ پہلے پانی تھا، نہیں کہا جا سکتا کہ پانی سے کیا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ موجودہ عالم کو پیدا کرنے سے پہلے عالم آب تھا اور اسی پر اللہ تعالیٰ کی حکومت تھی عرش کے پانی پر ہونے کا مطلب اس کی حکومت کا پانی پر ہونا ہے۔ (ماجدی)

وَحَاقَ بهم ما كانوا به يَسْتَهْزِءُ وْن، یہاں استعجال یعنی جلدی طلب کرنے کو استہزاء سے تعبیر کیا گیا ہے، کہ وہ استعجال بطور استہزاء ہی ہوتا تھا یہاں یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تاخیر پر انسان کو غفلت میں مبتلا نہیں ہونا چاہئے اس کی گرفت کسی وقت بھی آسکتی ہے۔

وَلَئِنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ الكافرَ **مِنَّا رَحْمَةً** غنى وصحة **ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَئُوْسٌ** قنوطٌ من رحمةِ اللهِ **كَفُوْرٌ ⑨** شديدُ الكفرِبه **وَلَئِنْ اَذَقْنٰهُ نَعْمَآءَ بَعْدَ ضَرَّآءَ** فقرٍ وشدةٍ **مَسَّتْهُ لَيَقُوْلَنَّ ذَهَبَ السَّيِّاٰتُ** المصائبُ **عَنِّيْ ۭ** ولم يتوقَّعْ زوالها ولا يشكرُ عليها **اِنَّهٗ لَفَرِحٌ** فرحٌ بطرٌ **فَخُوْرٌ ⑩** على الناسِ بما أُوتِيَ **اِلَّا** لكن **الَّذِيْنَ صَبَرُوْا** على الضراءِ **وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ** في النعماءِ **اُولٰۗىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ كَبِيْرٌ ⑪** هوالجنّةُ **فَلَعَلَّكَ** يا محمدُ **تَارِكٌۢ بَعْضَ مَا يُوْحٰٓى اِلَيْكَ** فلا تُبلِّغهم اياهُ لتهاوُنهم به **وَضَاۗىِٕقٌۢ بِهٖ صَدْرُكَ** بتلاوته عليهم لاجلِ **اَنْ يَّقُوْلُوْا لَوْلَآ** هلاَّ **اُنْزِلَ عَلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ جَاۗءَ مَعَهٗ مَلَكٌ ۭ** يصدِّقُه كما اقترحْنا **اِنَّمَآ اَنْتَ نَذِيْرٌ ۭ** فلا عليكَ الا البلاغُ لا الاتيانُ بما اقترحُوه **وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ⑫** حفيظٌ فيُجازِيهم **اَمْ** بَلْ أ **يَقُوْلُوْنَ افْتَرٰىهُ ۭ** اى القراٰن **قُلْ فَاْتُوْا بِعَشْرِ سُوَرٍ مِّثْلِهٖ** في الفصاحةِ والبلاغةِ **مُفْتَرَيٰتٍ** فانكم عربيّونَ فُصحاءُ مِثْلِي تحدّاهم بها اولاً ثم بسورةٍ **وَّادْعُوْا** للمعاونةِ على ذلِكَ **مَنِ اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ** اى غيره **اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ⑬** في انّهُ افتراه **فَاِلَّمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ** اى من دَعوتُمُوهم للمُعاونةِ **فَاعْلَمُوْٓا** خطابٌ للمشركينَ **اَنَّمَآ اُنْزِلَ** متلبسًا **بِعِلْمِ اللّٰهِ** وليسَ افتراءً عليه **وَاَنْ** مخففةٌ اى انّهُ **لَّآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ⑭** بعدَ هذهِ الحجةِ القاطعةِ اى اسلِمُوا **مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا** بِاَنْ أصرَّ على الشركِ وقيل هي في المرائينَ **نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ** اى جزاءَ ما عمِلُوه من خيرٍ كصدقةٍ وصلةِ رحمٍ **فِيْهَا** بان نُوسعَ عليهم رزقَهم **وَهُمْ فِيْهَا** اى الدنيا

لَا يُبْخَسُوْنَ ﴿۱۵﴾ ينقصون شيئًا أُولَٰئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ ۖ وَحَبِطَ بطل مَا صَنَعُوْا فِيْهَا اى الاخرة فلا ثواب لهم وَبٰطِلٌ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۶﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَيِّنَةٍ بيان مِّنْ رَّبِّهٖ وهو النبيُّ صلى الله عليه وسلم او المؤمنون وهى القراٰن وَيَتْلُوْهُ يَتْبَعه شَاهِدٌ يُصَدِّقهُ مِّنْهُ اى من اللهِ وهو جبرئيلُ وَمِنْ قَبْلِهٖ اى القراٰن كِتٰبُ مُوْسٰى التورةُ شاهِدٌ له ايضًا اِمَامًا وَّرَحْمَةً ۭ حالٌ كَمَنْ ليس كذلكَ لا أُولٰٓئِكَ اى من كان على بينةٍ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ فلهُمُ الجنةُ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ جميع الكفار فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ ۚ فَلَا تَكُ فِيْ مِرْيَةٍ شكٍ مِّنْهُ من القراٰن اِنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ اى اهلَ مكةَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۷﴾ وَمَنْ اى لا احدَ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا ۭ بنسبةِ الشريكِ والولدِ اليه اُولٰٓئِكَ يُعْرَضُوْنَ عَلٰى رَبِّهِمْ يومَ القيمةِ فى جملةِ الخَلقِ وَيَقُوْلُ الْاَشْهَادُ جمع شاهِدٍ وهم الملائكةُ يشهدون للرسل بالبلاغ وعلى الكفار بالتكذيبِ هٰٓؤُلَاۗءِ الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۚ اَلَا لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۸﴾ المشركينَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دينِ الاسلام وَيَبْغُوْنَهَا يطلبونَ السبيلَ عِوَجًا ۭ مُعوَّجة وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ تاكيدٌ كٰفِرُوْنَ ﴿۱۹﴾ اُولٰٓئِكَ لَمْ يَكُوْنُوْا مُعْجِزِيْنَ اللّٰهَ فِي الْاَرْضِ وَمَا كَانَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيرِه مِنْ اَوْلِيَاۗءَ ۘ انصارٍ يمنعُونهم عذابَه يُضٰعَفُ لَهُمُ الْعَذَابُ ۭ باضلالِهم غيرَہُم مَا كَانُوْا يَسْتَطِيْعُوْنَ السَّمْعَ للحق وَمَا كَانُوْا يُبْصِرُوْنَ ﴿۲۰﴾ اى لفرطِ كراہتِهم له كأنّهم لم يستطيعُوا ذلك اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ لمصيرِہم الى النار المؤبدةِ عليهم وَضَلَّ غابَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۱﴾ على اللهِ من دعوى الشركِ لَا جَرَمَ حقًا اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْاَخْسَرُوْنَ ﴿۲۲﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَخْبَتُوْٓا سكنُوا واطمأنُوا وَاَنابُوا اِلٰى رَبِّهِمْ ۙ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۳﴾ مَثَلُ صفةُ الْفَرِيْقَيْنِ الكفار والمؤمنين كَالْاَعْمٰى وَالْاَصَمِّ ہذا مثلُ الكافرِ وَالْبَصِيْرِ وَالسَّمِيْعِ ۭ ہذا مثلُ المؤمن هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ۭ لا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فيه ادغامُ التاءِ فى الاصلِ فى الذالِ تتّعِظونَ.

ترجمہ: اور اگر ہم کافر انسان کو اپنی رحمت (مثلاً) مالداری اور صحت سے نوازنے کے بعد اس کو رحمت سے محروم کر دیتے ہیں تو وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہو کر اس رحمت کی بے حد ناشکری کرنے لگتا ہے، اور اگر اس مصیبت کے بعد جو اس پر آپڑی تھی (مثلاً) فقر اور سختی، ہم اس کو نعمتوں کا مزا چکھا دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرے سب دکھ دور ہو گئے اور ان نعمتوں کے زوال کا خیال بھی نہیں کرتا اور نہ ان پر شکر ادا کرتا ہے (اور) وہ اترانے لگتا ہے اور جو کچھ اس کو دیا گیا ہے اس کی وجہ سے لوگوں پر شیخی بگھارنے لگتا ہے، مگر جو لوگ مصیبتوں پر صبر کرتے ہیں اور نعمتوں میں نیک عمل کرتے ہیں یہی ہیں وہ لوگ ہیں کہ جن کے لئے مغفرت ہے اور بڑا اجر ہے وہ جنت ہے، تو اے محمد ایسا نہ ہو کہ قرآن سے ان کی بے توجہی کی وجہ سے اس وحی کے کچھ حصے کو جو آپ کی طرف بھیجی جاتی ہے ان تک پہنچانے کو چھوڑ دیں اور آپ ان کو قرآن سنانے سے ان کی اس بات کی وجہ سے تنگ

دل ہوتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ کس لئے ان پر ہماری تجویز کے مطابق خزانہ نازل نہیں کیا گیا یا کس لئے ان کے ساتھ فرشتہ نہیں آیا جو ان کی تصدیق کرتا، آپ تو صرف آگاہ کرنے والے ہیں آپ کی ذمہ داری تو صرف پہنچا دینا ہے نہ کہ وہ سب کچھ کر دکھانا جس کا انہوں نے مطالبہ کیا ہے اور اللہ ہر شئی پر پورا اختیار رکھنے والا ہے تو وہ ان کو سزا دے گا کیا یہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ اس نے قرآن خود گھڑ لیا ہے تو (جواب میں) آپ کہئے کہ تم بھی فصاحت و بلاغت میں میرے جیسے فصیح عرب ہو لہٰذا اس کے جیسی دس سورتیں گھڑ کر لے آؤ، اولاً ان کو دس سورتوں سے چیلنج دیا (اور) پھر ایک سورت سے۔ اور اس کام میں مدد کے لئے اللہ کے سوا جس کو تم بلا سکتے ہو بلا لو اگر تم اس دعوے میں سچے ہو کہ اس کو اس نے خود گھڑ لیا ہے۔ پس اگر وہ غیر جن کو تم نے مدد کے لئے پکارا ہے تمہاری پکار کا جواب نہ دیں تو سمجھ لو خطاب مشرکوں کو ہے کہ یہ (قرآن) خدا ہی کے علم کے ساتھ اتارا گیا ہے اور اس پر افترا نہیں ہے اور یہ بھی یقین کر لو اَنْ مخففہ عن الثقیلہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو کیا تم اس حجت قاطعہ کے بعد بھی مسلمان ہوتے ہو؟ یعنی مسلمان ہو جاؤ، جس شخص نے دنیوی زندگی اور اس کی رونق ہی کو مقصد بنا لیا ہے بایں طور کہ اس نے شرک پر اصرار کیا، اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت ریا کاروں کے بارے میں نازل ہوئی ہے تو ہم ان کے اعمال خیر مثلاً صدقہ اور صلہ رحمی کا صلہ (دنیا ہی میں) پورا پورا دیتے ہیں بایں طور کہ ہم ان کے رزق میں وسعت کر دیتے ہیں اور دنیا میں ان کے صلہ میں کچھ کمی نہیں کی جاتی (سو) یہ ایسے لوگ ہیں کہ ان کے لئے آخرت میں نار جہنم کے سوا کچھ نہیں، اور جو کچھ انہوں نے عمل خیر کیا آخرت میں سب ضائع ہوگا تو ان کو کچھ اجر نہ ملے گا اور جو (عمل خیر) وہ کرتے رہے ہیں سب باطل ہو جائیگا، کیا وہ شخص جو اپنے رب کی جانب سے دلیل پر ہو اور وہ (دلیل) قرآن ہے اور وہ شخص نبی ﷺ یا مومنین ہیں اور اس کے ساتھ اللہ کی طرف سے شاہد بھی ہو کہ جو اس کی تصدیق کرتا ہو اور وہ جبرئیل علیہ السلام ہیں اور قرآن سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی کتاب تورات بھی اس کی شاہد ہے، حال یہ ہے کہ وہ پیشوا اور رحمت ہے اس شخص کے برابر جو ایسا نہیں ہے، ہو سکتا ہے؟ نہیں ہو سکتا اور یہی لوگ جو دلیل پر ہیں قرآن پر ایمان رکھتے ہیں تو ان کے لئے جنت ہے اور تمام کفار میں سے جو فریق بھی اس کا منکر ہوگا تو اس کے لئے جس جگہ کا وعدہ ہے وہ دوزخ ہے تو قرآن کے بارے میں کسی شک میں نہ رہ بالیقین قرآن تیرے رب کی جانب سے سراسر حق ہے لیکن اکثر لوگ (یعنی) اہل مکہ یقین کرنے والے نہیں ہیں اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا کہ جو اللہ کی طرف شریک اور ولد کی نسبت کر کے اللہ پر جھوٹا بہتان لگاتا ہے؟ کوئی نہیں ہوگا ایسے لوگ منجملہ دیگر لوگوں کے قیامت کے دن اپنے رب کے سامنے پیش کئے جائیں گے (اشھاد) شاھد کی جمع ہے مراد فرشتے ہیں رسولوں کے بارے میں پیغام رسانی کی اور کفار کے بارے میں جھٹلانے کی گواہی دیں گے گواہ کہیں گے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کے متعلق جھوٹی باتیں کہی تھیں، سب سن لو ایسے ظالموں مشرکوں پر اللہ کی لعنت ہے جو اللہ کے راستے سے دین اسلام سے روکتے تھے اور ٹیڑھے راستہ کی جستجو میں لگے رہتے تھے اور یہ لوگ آخرت کے بھی منکر تھے، ھُمْ سابق ھم کی تاکید ہے یہ لوگ روئے زمین پر اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے تھے اور نہ کوئی غیر اللہ ان کا مددگار ہوگا جو ان سے اللہ کے عذاب کو دفع کر سکے، دوسروں کو گمراہ کرنے کی وجہ سے ایسوں کو دوگنی سزا ہوگی یہ لوگ

نفرت کی وجہ سے نہ حق بات سن سکتے تھے اور نہ دیکھ سکتے تھے اس سے شدید کراہت کی وجہ سے گویا کہ ان میں اس کی طاقت ہی نہیں تھی یہ وہ لوگ ہیں جو دائمی آگ کی طرف لوٹنے کی وجہ سے خود کو برباد کر بیٹھے اللہ پر جو دعوائے شریک گھڑا تھا سب بھول جائیں گے یقینی بات ہے کہ آخرت میں یہی لوگ سب سے زیادہ خسارہ میں ہوں گے، بلاشبہ وہ لوگ جو اللہ پر ایمان لائے اور نیک عمل کئے اور (دل سے) اپنے رب کی جانب جھکے اور ان کو اطمینان ہوا اور (اسکی طرف) رجوع کیا، ایسے لوگ اہل جنت ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے دونوں فریقوں یعنی کافروں اور مومنوں کی حالت ایسی ہے جیسے ایک شخص اندھا اور بہرا ہو یہ مثال کافر کی ہے اور ایک شخص ایسا ہو کہ جو دیکھتا بھی ہو اور سنتا بھی ہو یہ مثال مومن کی ہے، کیا دونوں شخص حالت میں برابر ہو سکتے ہیں؟ نہیں ہو سکتے، کیا تم سمجھتے نہیں ہو؟ اس میں اصل میں تاء کا ذال میں ادغام، کیا تم نصیحت حاصل نہیں کرتے؟

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَلَئِن اَذَقْنَا الْاِنسَانَ مِنَّا رحمةً (الآية) لَئِنْ میں لام قسمیہ ہے، اِنَّهُ لَيَئُوسٌ كفور، جواب قسم ہے اور جواب شرط محذوف ہے مِنَّا حال ہے رحمةً. اَذَقْنا کا مفعول ثانی ہے، مِنَّا اصل میں رحمةً کی صفت ہے مقدم ہونے کی وجہ سے حال ہوگئی۔

قَوْلُهُ: ليئوس اور كفورٌ، یہ دونوں مبالغہ کے صیغے ہیں اور یہ دونوں اِنَّ کی خبریں ہیں۔

قَوْلُهُ: الكافر، اس میں اشارہ ہے کہ الانسان میں الف لام عہد کا ہے۔

قَوْلُهُ: شديد الكفر به یہ کفور کے صیغہ مبالغہ ہونے کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُهُ: ولم يتوقع زوالها اس میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ذهبَ السيئات میں مصائب کے صرف ختم ہونے ہی کی طرف اشارہ نہیں ہے بلکہ قائل نے ان مصائب کے عدم عود کا ارادہ کیا ہے، یعنی اب حاصل شدہ نعمتوں کے زوال کا اندیشہ نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: لكن اِلّا کی تفسیر لکن سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے اسلئے کہ لئن اذقنا الانسانَ میں انسان سے مراد انسان کافر ہے لہٰذا الّذينَ صبروا اس میں داخل نہ ہوں گے۔

قَوْلُهُ: بيانٌ، بيّنة کی تفسیر بیانٌ سے کر کے ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سَوَال: اللہ تعالیٰ کے قول يتلوه کی ضمیر بينة کی طرف راجع ہے ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ بينة معنی میں بیان کے ہے۔

قَوْلُهُ: هو النبي ﷺ او المؤمنون یہ مَنْ كانَ علىٰ بيّنةٍ میں مَنْ کے مصداق کی وضاحت ہے مَن کے مصداق میں دو احتمال ہیں ایک تو آپ ﷺ اور دوسرا مؤمنون اور وهي القرآن، بينة کے مصداق کا بیان ہے۔

قَوْلُہٗ: حَالٌ، ای ھما حالان من کتاب موسٰی علیہ الصلوٰۃ والسلام۔

قَوْلُہٗ: کمن لیس کذلك، مفسر علام نے اس جملہ کا اضافہ کرکے اشارہ کردیا کہ اَفَمَنْ کَانَ الخ مبتداء کی خبر محذوف ہے اور وہ کَمَنْ لیسَ کذلكَ ہے۔

قَوْلُہٗ: لا اس میں اشارہ ہے کہ اَفَمَنْ کان علی بینۃ میں ہمزہ استفہام انکاری ہے۔

قَوْلُہٗ: یَطلبُون السبیل یہ اس سوال کا جواب ہے کہ یَبْغونھا کی ضمیر سبیل کی طرف لوٹ رہی ہے حالانکہ ضمیر مؤنث ہے اور سبیل مذکر ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ لفظ سبیل مذکر اور مؤنث دونوں طرح مستعمل ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَئِن اَذَقْنَا الْاِنسَانَ (الآیۃ) پہلی اور دوسری آیت میں بشری طبیعت اور ایک طبعی عادت قبیحہ کا ذکر ہے، اور مسلمانوں کو اس سے بچنے کی ہدایت ہے، ارشاد ربانی ہے کہ اگر ہم انسان کو کوئی نعمت چکھا دیتے ہیں اور پھر اس سے واپس لے لیتے ہیں تو نا امید اور ناشکرا ہو جاتا ہے، اور اگر کسی تکلیف کے بعد کسی نعمت کا مزا چکھا دیتے ہیں تو کہنے لگتا ہے کہ میرے سب دکھ درد دور ہو گئے، اور وہ اترانے اور دوسروں پر فوقیت جتانے اور شیخی بگھارنے لگتا ہے مطلب یہ کہ انسان فطرۃ عجلت پسند اور زود رنج واقع ہوا ہے گذشتہ پر ناشکری اور آئندہ سے مایوسی یہی اسکی زندگی کا حاصل ہے، اگر خدا چند روز اپنی مہربانی سے عیش و آرام میں رکھنے کے بعد کسی تکلیف سے دوچار کر دیتا ہے تو پچھلی مہربانیاں بھی بھلا دیتا ہے اور ناامید ہو کر آئندہ کے لئے آس توڑ بیٹھتا ہے۔

اِلا الذین صَبَروا وعملو الصّٰلحٰت (الآیۃ) اوپر جو عام لوگوں کا حال بیان ہوا ہے اس سے اللہ کے وہ بندے مستثنی ہیں جو تکلیف و مصیبت کا مقابلہ صبر و استقامت سے کرتے ہیں اور امن و راحت کے وقت شکر گذاری کے ساتھ عمل صالح میں مستعدی سے لگے رہتے ہیں، مذکورہ صفات کے حاملین کے بارے میں کہا گیا ہے کہ ان کی خطائیں بخشدی جائیں گی اور ان کو ان کے اعمال کا بڑا اجر ملے گا۔

شانِ نزول:

فَلَعلّكَ تارِكٌ بعض مایوحٰی اِلیكَ یہ آیت ایک واقعہ میں نازل ہوئی ہے واقعہ یہ تھا کہ مشرکین مکہ نے آپ ﷺ کے سامنے مختلف قسم کی فرمائشیں پیش کیں جن میں ایک یہ کہ اس قرآن میں چونکہ ہمارے بتوں کو برا کہا گیا ہے اس لئے ہم اس پر ایمان نہیں لا سکتے اسلئے آپ یا تو کوئی دوسرا قرآن لائیں یا اسی میں ترمیم کرکے ہمارے بتوں کی مذمت نکال دیں، "اِئتِ بقرآن غیر ھذا او بدّلہُ"۔

دوسرے یہ کہ ہم آپ کے رسول ہونے پر جب یقین کریں گے کہ یا تو دنیا کے بادشاہوں کی طرح آپ پر کوئی خزانہ نازل ہو جائے جس سے سب لوگ استفادہ کریں، یا پھر کوئی فرشتہ آسمان سے آجائے وہ آپ کے ساتھ یہ تصدیق کرتا پھرے کہ بے شک

یہ اللہ کے رسول ہیں۔

رسول اللہ ﷺ ان کی بیہودہ فرمائشوں سے بہت دل تنگ ہوتے تھے اسلئے کہ یہ فرمائشیں محض بے عقلی پر مبنی تھیں، تو اللہ تعالیٰ نے آپ کی دل جوئی اور تسلی کے لئے یہ آیت نازل فرمائی جس میں کہا گیا ہے کہ کچھ باتیں جو آپ کی جانب وحی کی گئی ہیں اور وہ مشرکین کو گراں گذرتی ہیں، ممکن ہے کہ آپ وہ باتیں انھیں سنانا پسند نہ کریں آپ کا کام صرف انذار و تبلیغ ہے وہ آپ ہر صورت میں کئے جائیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اِنِّيْ ای بانّی وفی قراءة بالکسر علی حذف القول لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۲۵﴾ بیّن الانذار اَنْ ای بان لَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ ۭ اِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ ان عبدتم غیره عَذَابَ يَوْمٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۶﴾ مؤلم فی الدنیا والاخرة فَقَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ وهم الاشراف مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا ولا فضل لک علینا وَمَا نَرٰىكَ اتَّبَعَكَ اِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ اَرَاذِلُنَا اسافلنا کالحاکة والاساکفة بَادِيَ الرَّاْيِ بالهمزة وترکه ای ابتداءً من غیر تفکر فیک ونصبه علی الظرف ای وقت حدوث اول رأیهم وَمَا نَرٰى لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍۢ فتستحقون به الاتباع منا بَلْ نَظُنُّكُمْ كٰذِبِيْنَ ﴿۲۷﴾ فی دعوی الرسالة ادرجوا قومه معه فی الخطاب قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اخبرونی اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ بیان مِّنْ رَّبِّيْ وَاٰتٰىنِيْ رَحْمَةً نبوة مِّنْ عِنْدِهٖ فَعُمِّيَتْ خفیت عَلَيْكُمْ ۭ وفی قراءة بتشدید المیم والبناء للمفعول اَنُلْزِمُكُمُوْهَا انجبرکم علی قبولها وَاَنْتُمْ لَهَا كٰرِهُوْنَ ﴿۲۸﴾ لا نقدر علی ذلک وَيٰقَوْمِ لَآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ علی تبلیغ الرسالة مَالًا تعطونیه اِنْ ما اَجْرِيَ ثوابی اِلَّا عَلَي اللّٰهِ وَمَآ اَنَا بِطَارِدِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۭ کما امرتمونی اِنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ بالبعث فیجازیهم ویاخذ لهم ممّن ظلمهم وطردهم وَلٰكِنِّيْٓ اَرٰىكُمْ قَوْمًا تَجْهَلُوْنَ ﴿۲۹﴾ عاقبة امرکم وَيٰقَوْمِ مَنْ يَّنْصُرُنِيْ یمنعنی مِنَ اللّٰهِ ای عذابه اِنْ طَرَدْتُّهُمْ ۭ ای لا ناصر لی اَفَلَا فهلّا تَذَكَّرُوْنَ ﴿۳۰﴾ بادغام التاء الثانیة فی الاصل فی الذال تتعظون وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَاۗىِٕنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ اِنِّىْ مَلَكٌ بل انا بشر مثلکم وَّلَآ اَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ تَزْدَرِيْٓ تحتقر اَعْيُنُكُمْ لَنْ يُّؤْتِيَهُمُ اللّٰهُ خَيْرًا ۭ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ ښ قلوبهم اِنِّىْٓ اِذًا ان قلت ذلک لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا يٰنُوْحُ قَدْ جٰدَلْتَنَا خاصمتنا فَاَكْثَرْتَ جِدَالَنَا فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ به من العذاب اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۳۲﴾ فیه قَالَ اِنَّمَا يَاْتِيْكُمْ بِهِ اللّٰهُ اِنْ شَاۗءَ تعجیله لکم فانّ امره الیه لا الیّ وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۳۳﴾ بفائتین الله وَلَا يَنْفَعُكُمْ نُصْحِيْٓ اِنْ اَرَدْتُّ اَنْ اَنْصَحَ لَكُمْ اِنْ كَانَ اللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يُّغْوِيَكُمْ ۭ ای اغوائکم وجواب الشرط دلّ علیه فلا ینفعکم نصحی هُوَ رَبُّكُمْ ۣ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۳۴﴾ قال تعالی اَمْ بل يَقُوْلُوْنَ ای کفار مکة افْتَرٰىهُ ۭ اختلق محمد القران قُلْ اِنِ افْتَرَيْتُهٗ فَعَلَيَّ اِجْرَامِيْ ای عقوبته وَاَنَا بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُجْرِمُوْنَ ﴿۳۵﴾ من اجرامکم فی نسبة

الافتراء الیّ.

ترجمہ: یقیناً ہم نے نوح علیہ السلام کو ان کی قوم کی طرف واضح طور پر آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا (انّی) اصل میں بِانّی ہے اور ایک قراءت میں حذف قول کی وجہ سے ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے، یہ کہ تم خدا کے علاوہ کسی کی بندگی نہ کرو، اگر تم نے غیر اللہ کی بندگی کی تو مجھے تم پر دنیا اور آخرت میں دردناک دن کے عذاب کا اندیشہ ہے، اس کی کافر قوم کے سرداروں نے کہا اور وہ شرفاء قوم تھے، ہم تجھے اپنے جیسا انسان سمجھتے ہیں تجھے ہم پر کوئی فضیلت (فوقیت) حاصل نہیں، اور تیری اتباع کرنے والوں کو بھی دیکھتے ہیں کہ وہ ہماری قوم کے نیچ لوگ ہیں جیسا کہ جلاہے اور موچی، جو سطحی رائے والے ہیں، (اَلرَّای) ہمزہ اور ترک ہمزہ کے ساتھ ہے، یعنی تیرے بارے میں بغیر سوچے سمجھے عمل کرنے والے ہیں، اور (بادِیَ) کا نصب ظرفیت کی بنا پر ہے، یعنی پہلے ظاہر ہونے والی رائے پر (بغیر غور و فکر) عمل کرنے والے، اور ہم تو اپنے اوپر تمہاری کسی قسم کی برتری نہیں سمجھتے کہ جس کی وجہ سے تم ہماری اطاعت کے مستحق ہو، بلکہ ہم تو تم کو دعوائے رسالت میں جھوٹا سمجھتے ہیں خطاب میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کو بھی شامل کر لیا ہے (ورنہ نظنکم کے بجائے نظنک ہوتا) نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے میری قوم کے لوگو تم مجھے بتاؤ اگر میں اپنے رب کی طرف سے کسی دلیل پر ہوا اور اس نے مجھے اپنے فضل سے رحمت (یعنی) نبوت عطا کی اور تم پر وہ مخفی رہی، اور ایک قراءت میں (عُمِّیَتْ) میم کی تشدید اور مجہول کے صیغہ کے ساتھ ہے، کیا میں اس رحمت کو زبردستی تمہارے سر منڈھ سکتا ہوں؟ یعنی کیا میں اس کو قبول کرنے پر مجبور کر سکتا ہوں؟ حال یہ کہ تم اس رحمت کو ناپسند کرتے ہو، ہم اس پر قادر نہیں ہیں، اور اے میری قوم کے لوگو میں اس پیغام رسانی پر تم سے مال کا مطالبہ نہیں کرتا کہ جس کو تم مجھے دیتے ہو، میرا اجر و ثواب تو اللہ پر ہے اور نہ میں تمہارے کہنے کے مطابق ایمان لانے والوں کو (اپنے پاس سے) نکال سکتا ہوں انہیں دوبارہ زندہ ہو کر اپنے رب سے ملنا ہے وہ ان کو جزاء دے گا اور ان لوگوں سے جنہوں نے ان پر ظلم کیا ہوگا اور ان کو دھتکارا ہوگا بدلہ لے گا، لیکن تم کو اپنے انجام سے بے خبر لوگ سمجھتا ہوں، اور اے میری قوم کے لوگو اگر میں ان کو (اپنے پاس سے) نکال دوں تو مجھے اللہ کے عذاب سے کون بچائے گا؟ یعنی میرا کوئی بچانے والا نہیں ہوگا، تم کس لئے نصیحت حاصل نہیں کرتے؟ تاء ثانیہ کو اصل میں ذال میں ادغام کر کے بمعنی تتعظون، اور میں تم سے نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں، اور نہ میں عالم الغیب ہوں، اور نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں بلکہ میں تو تمہارے جیسا بشر ہوں، اور میں ان لوگوں کے بارے میں جن کو تم حقارت کی نظروں سے دیکھتے ہو یہ نہیں کہہ سکتا کہ اللہ ان کو اجر نہ دے گا، جو کچھ ان کے دل میں ہے، اللہ اس کو خوب جانتا ہے، اگر میں ایسا کہوں تو میں بلاشبہ ظالموں میں شمار ہوں گا، (قوم کے لوگوں نے) کہا اے نوح تو نے ہم سے بحث کر لی اور خوب بحث کر لی، اب تو جس عذاب کی ہم کو دھمکی دیتا ہے وہ عذاب ہمارے پاس لے آ اگر تو اس دھمکانے میں سچا ہے، (حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) جواب دیا اسے اللہ ہی لائیگا اگر اس کو تمہارے اوپر جلدی لانا چاہے گا اس کا اختیار اسی کے پاس

ہے نہ کہ میرے پاس، تم اللہ سے بچ کر نہیں نکل سکتے تمہیں میری نصیحت کوئی فائدہ نہیں دے سکتی اگر اللہ کو تمہاری گمراہی مقصود ہو، گو میں تم کو کتنی ہی نصیحت کروں، اور جواب شرط (محذوف ہے) جس پر لا ینفعکم نصحی، دلالت کر رہا ہے، وہی تمہارا پروردگار ہے اور اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیا کفار مکہ کہتے ہیں کہ قرآن محمد ﷺ نے از خود تصنیف کر لیا ہے (اے محمد) کہہ دو کہ اگر اس قرآن کو میں نے از خود تصنیف کیا ہے تو اس کا جرم یعنی اسکی سزا میرے اوپر ہے اور میری طرف تصنیف کی نسبت کر کے جو جرم تم کرتے ہو میں اس سے بری ہوں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: فیه اِدعام التاء الخ، یعنی تَذَکَّرُونَ باب تفعّل سے ہے نہ کہ تفعیل سے۔

قَوْلُہٗ: بیّن الانذار، مبین کی تفسیر بیّن سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مبین یہاں لازم ہے۔

قَوْلُہٗ: عذابَ یوم الیم، یوم کی صفت اَلِیمٌ کے ساتھ اسناد مجازی کے طور پر ہے علاقۂ ظرفیت کی وجہ سے۔

قَوْلُہٗ: کالحاکة یہ حائك کی جمع ہے بمعنی جلاہا۔

قَوْلُہٗ: اَساکفة یہ اِسکافٌ کی جمع ہے بمعنی موچی، کفش دوز۔

قَوْلُہٗ: بالھمزة و ترکه، یعنی ہمزہ کو باقی رکھ کر (الرأی) اور ہمزہ کو ساقط کر کے (الرای).

قَوْلُہٗ: ابتداء الخ اس میں اشارہ ہے کہ بادی بَدَأَ سے ہے بمعنی ابتداء نہ کہ بدوٌّ سے جو کہ بمعنی ظہور ہے۔

قَوْلُہٗ: نصبُهٗ علی الظرفیة، یعنی بادِیَ، اِتبعَکَ کا ظرف ہے۔

قَوْلُہٗ: وقت حدوث اولِ رایھم، وقت مضاف محذوف مان کر ایک سوال کا جواب دینا مقصود ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ ظرف یا تو زمان ہوتا ہے یا مکان اور بادی نہ زمان اور نہ مکان۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ بادی سے پہلے وقت محذوف ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُہٗ: ادرجوا قومَه معه یہ اس سوال کا جواب ہے کہ نوح علیہ السلام تو فرد واحد تھے پھر ان کے لئے نظنکم، جمع کا صیغہ کیوں استعمال کیا؟

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ کذب کی نسبت میں حضرت نوح کے ساتھ ان پر ایمان لانے والوں کو بھی شریک کر لیا اسی وجہ سے جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: وَالبناء للمفعول ای اُخْفِیَتْ.

قَوْلُہٗ: علی تبلیغ الرسالة اس اضافہ کا مقصد عَلَیهِ کی ضمیر کا مرجع بیان کرنا ہے۔

سَوَال: ماقبل میں تبلیغ الرسالہ کا کہیں ذکر نہیں ہے لہٰذا اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ تبلیغ رسالت کا ماقبل میں اگر چہ صراحۃ ذکر نہیں ہے مگر فحوائے کلام سے مفہوم ہے لہذا اضمار قبل الذکر لازم نہیں آتا۔

قَوْلُہٗ: اِنّی مفسر علام نے اِنّی مقدر مان کر اشارہ کر دیا کہ لا اَعلم کا عطف عندی خزائن اللّٰہ پر ہے نہ کہ اقول پر اسلئے مراد اِنی لا اقولُ لك أنی اعلم الغیب ہے۔

قَوْلُہٗ: تزدری، اِزدراء (افتعال) یہ زری یزری سے مشتق ہے اس کے معنی عیب لگانا زریٰ علیه ای عابهٗ اس کی اصل تزتری تھی تا کو دال سے بدل دیا۔

قَوْلُہٗ: به اس میں اشارہ ہے کہ ما موصولہ کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: اِغوائکم اس میں اشارہ ہے کہ أن یغویکم میں أن مصدریہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وجواب الشرط دَلَّ علیه، ولاینفعکم نصحی، ثانی شرط یعنی ان کان اللّٰہ الخ کا جواب محذوف ہے جس پر ولا ینفعکم دلالت کر رہا ہے، اور ثانی شرط اپنے جواب شرط سے مل کر اول شرط یعنی ان اردتُ الخ کا جواب ہے اور یہ ترکیب بصریین کے مذہب کے مطابق ہے اور کوفیین کے نزدیک اول شرط کی جزاء "ولا ینفعکم مقدم ہے اس صورت میں تقدیر کلام یہ ہوگی، "ان کان اللّٰہ یُرید أن یغویکم فإنْ اردتُ أن أنصح لکم فلا ینفعکم نصحی" اور یہ ترکیب اس وجہ سے ہے کہ جب دو شرطیں اور ایک جواب جمع ہو جائیں تو جواب ثانی شرط کا قرار دیا جاتا ہے اور شرط ثانی اپنے جواب سے مل کر اول شرط کی جزاء ہوتی ہے۔

تفسیر وتشریح

قوم نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے شبہات اور ان کے جوابات:

حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے جب اپنی قوم کو ایمان کی دعوت دی تو قوم نے ان کی نبوت اور رسالت پر چند شبہات واعتراضات پیش کئے اور حضرت نوح عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ نے ان کے جوابات دیئے جن کے ضمن میں بہت سے اصولی اور فروعی مسائل دیانت اور معاشرت کے بھی آگئے ان آیات میں یہی مکالمہ بیان کیا گیا ہے۔

اعتراضات کا خلاصہ:

قوم نوح نے پہلا اعتراض یہ کہہ کر کیا "مَا نَرَاكَ اِلَّا بشرًا مِثلَنَا" یعنی تم تو ہم جیسے انسان ہو ہماری ہی طرح کھاتے پیتے چلتے پھرتے ہو، سوتے جاگتے ہو، فرشتے نہیں ہو بشر ہو اور بشر بھی ایسے کہ تم کو کوئی ہمارے مقابلہ میں امتیازی شان حاصل نہیں ہے مثلاً آپ کوئی دولتمند یا جاہ وحکومت کے مالک ہوتے، اور جو لوگ آپ کے پیرو ہوئے وہ بھی ماشاء اللہ سب کے سب مفلس ونادار رذیل وپست ادنی طبقے کے لوگ ہیں جن کے ساتھ بیٹھنا بھی ہم جیسے شریفوں کے لئے ننگ وعار کی بات ہے، کیا ساری

خدائی میں خدا کو منصب نبوت ورسالت پر فائز کرنے کیلئے صرف تم ہی ملے تھے، آخر ہم تم سے حسب ونسب، مال و دولت خلق وخُلق کس بات میں کم تھے؟ جو ہمارا انتخاب اس عہدہ کے لئے نہ کیا گیا؟ کم ازکم آپ کے پیرو کار ہی کچھ مقتدر اور باعزت لوگ ہوتے بھلا ان رذیل اور نیچ لوگوں کا پیرو ہونا آپ کے لئے کیا موجب فضل وشرف ہوسکتا ہے، ایسے سطحی لوگوں کا بے سوچے سمجھے ایمان لے آنا آپ کا کونسا کمال ہے، بلکہ ہمارا خیال تو یہ ہے کہ تم اور تمہارے ساتھی سب جھوٹے ہو بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک نئی بات پیش کی اور چند بے وقوف گھٹیا قسم کے لوگوں نے ہاں میں ہاں ملادی تاکہ اس طرح ایک نئی تحریک کھڑی کر کے مالی منفعت اور سیاسی فائدہ اٹھایا جاسکے۔ (یہ ہے ان ملعونوں کی تقریر کا خلاصہ)

حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے جوابات کا خلاصہ:

یا قوم أرأیتم إن کنت علی بینۃٍ من رّبی الخ یہاں سے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے جوابات کی تقریر شروع ہورہی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ رسول کا بشر ہونا نبوت ورسالت کے منافی نہیں ہے بلکہ اگر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ انسانوں کے رسول کا انسان ہونا ہی ضروری ہے تاکہ انسان کے لئے اس سے استفادہ آسان ہو، انسان اور فرشتے کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق ہے، اگر فرشتہ کو رسول بنا کر بھیج دیا جاتا تو انسان کے لئے اس سے استفادہ نہایت دشوار ہوتا کیونکہ فرشتہ کو نہ تو بھوک لگتی ہے اور نہ پیاس نہ نیند آتی ہے اور نہ تھکان ہوتی ہے اور نہ اس کو انسانی ضروریات وحوائج پیش آتی ہیں، جس کی وجہ سے اس کو انسانی کمزوری اور ضرورت کا احساس نہیں ہوتا، یہ مضمون قرآن کی دوسری آیتوں میں صراحۃً وکنایۃً آچکا ہے یہاں اس کا ذکر کرنے کے بجائے یہ بتلایا کہ اگر عقل سے کام لو تو رسول کے لئے یہ تو ضروری نہیں کہ وہ بشر نہ ہوالبتہ یہ ضروری ہے کہ اللہ کی طرف سے کوئی بینہ اور حجت اس کے پاس ہو، جس کو دیکھ کر لوگوں کو یہ تسلیم کرنا آسان ہوجائے کہ یہ خدا ہی کی طرف سے بھیجا ہوا رسول ہے اور بینہ اور حجت عام لوگوں کے لئے انبیاء علیہم السلام کے معجزات ہوتے ہیں اسی لئے نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ میں اپنے ساتھ بینہ اور حجت اور رحمت لیکر آیا ہوں اگر تم اس کو دیکھتے اور اس میں غور کرتے تو انکار نہ کرتے مگر تمہارے انکار وعناد نے تمہاری نگاہوں کو اس سے اندھا کردیا کہ تم انکار اور ضد پر جمے رہے۔

مگر خدا کی یہ رحمت پیغمبر کے ذریعہ آتی ہے ایسی چیز نہیں کہ زبردستی لوگوں کے سر ڈال دی جائے جب تک وہ خود اس کی طرف رغبت نہ کریں، اس میں اشارہ پایا گیا کہ دولتِ ایمان کہ جو میں لے کر آیا ہوں اگر میرا بس چلتا تو تمہارے انکار اور ضد کے باوجود تمہیں دے ہی دیتا، مگر یہ قانون قدرت کے خلاف ہے، یہ نعمت زبردستی کسی کے سر نہیں ڈالی جاسکتی، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ زبردستی کسی کو مومن ومسلمان بنانا کسی دور نبوت میں جائز نہیں رہا، بزور شمشیر اسلام پھیلانے کا سفید جھوٹ گھڑنے والے خود بھی اس حقیقت سے بے خبر نہیں، مگر ایک بات ہے جو ناواقفوں کے دلوں میں تردد پیدا کرنے کے لئے چلتی کی جاتی ہے۔

اعتراض کا دوسرا جزء:

دوسرا جزء جس کو "وَمَا نراكَ اتبعَكَ اِلا الذین هم اَراذلنا بادیَ الرأی" سے بیان کیا ہے یعنی دیکھئے کہ آپ کی پیروی کرنے والے اور آپ پر ایمان لانے والے سب حقیر و ذلیل لوگ ہیں ان میں کوئی شریف اور بڑا آدمی نظر نہیں آتا۔

ایک مطلب تو اس کا یہ ہے کہ اگر تمہاری بات حق ہوتی تو قوم کے بڑے لوگ اس کو قبول کرتے ان ذلیل اور کمزور لوگوں کا قبول کرنا اس کی عدمت ہے کہ آپ کی دعوت ہی قبول کرنے کے لائق نہیں اس کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ ہمارے لئے آپ کی دعوت ایمان قبول کرنے سے رکاوٹ یہ ہے کہ اگر ہم ایمان لے آئے تو بحیثیت مسلمان ہم بھی ان کے برابر سمجھے جائیں گے نمازوں کی صفوں اور دوسرے مجالس میں ہمیں ان کے ساتھ ان کے برابر بیٹھنا پڑے گا یہ ہم سے نہیں ہوسکتا۔

تجربہ شاہد ہے کہ جاہ و مال کا ایک نشہ ہوتا ہے جو انسان کو بہت سی معقول اور صحیح باتوں کو قبول کرنے سے روک دیتا ہے، کمزور اور غریب آدمی کے سامنے یہ رکاوٹیں نہیں ہوتیں، یہی وجہ ہے کہ زمانہ قدیم سے عادۃ اللہ یہی رہی ہے کہ پیغمبروں پر اول ایمان لانے والے غرباء اور کمزور طبقے کے لوگ ہی ہوتے ہیں، اور پچھلی آسمانی کتابوں میں اس کی تصریحات موجود ہیں، اسی وجہ سے جب ہرقل بادشاہ روم کے پاس آنحضرت ﷺ کا دعوتی نامۂ مبارک پہنچا تو اس کو یہ فکر ہوئی کہ معاملہ کی تحقیق کرے چونکہ وہ تورات وانجیل میں انبیاء ﷺ کی علامات پڑھے ہوئے تھا اسلئے عرب کے جو لوگ جن میں ابوسفیان بھی شامل تھے ملک شام میں آئے ہوئے تھے ان کو اپنے دربار میں بلاکر ان سے مدعی نبوت ﷺ کے بارے میں چند سوالات کئے۔

ان سوالات میں ایک یہ بھی تھا کہ ان کی اتباع کرنے والے قوم کے کمزور طبقہ کے لوگ ہیں یا وہ جو قوم کے بڑے کہلاتے ہیں، ان لوگوں نے بتلایا کہ کمزور اور غریب لوگ ہیں، اس پر ہرقل نے اقرار کیا کہ یہ علامت تو سچے نبی ہونے کی ہے اسئے کہ انبیاء علیہم السلام کے پیرو اول یہی کمزور اور غریب لوگ ہوتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ غرباء و مساکین کو نیچ اور ذلیل سمجھنا ان کی جہالت تھی حقیقت میں ذلیل و رذیل تو وہ شخص ہے جو اپنے پیدا کرنے والے اور پالنے والے کو نہ پہچانے اس کے احکام سے روگردانی کرے۔

یا قوم لا أسئلکم علیه مالاً الخ جب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے واضح الفاظ میں یہ بات صاف کردی کہ میں اس پیغام رسانی کے عوض تم سے کوئی اجرت و مالی منفعت نہیں چاہتا میرا اجر تو اللہ کے ذمہ ہے لہٰذا تمہارے دماغوں میں یہ شبہ نہ ہونا چاہئے کہ اس دعوائے نبوت سے کہیں ان کا مقصد دنیا کی دولت تو جمع کرنا نہیں ہے تمہاری دولت تم کو مبارک ہو میرا اجر تو اللہ پر ہے۔

وَمَا انا بطارد الذین آمنوا انهم ملقوا رَبِّهِمْ الخ یعنی اللہ اور رسول کے پیروکاروں کو حقیر سمجھنا پھر ان کو قرب نبوت سے دور کرنے کا مطالبہ کرنا یہ تمہاری جہالت ہے یہ لوگ تو اس لائق ہیں کہ انھیں سر آنکھوں پر بٹھایا جائے، نہ یہ کہ دھتکارا جائے۔

وَاُوْحِیَ اِلٰی نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ یُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ فَلَا تَبْتَئِسْ تحزن بِمَا كَانُوْا یَفْعَلُوْنَ من الشرك فدعا عليهم بقوله رب لا تذر الخ فاجاب الله تعالى دعاءه وقال وَاصْنَعِ الْفُلْكَ السفينة بِاَعْیُنِنَا بمرأى منا وحفظنا وَوَحْیِنَا امرنا وَلَا تُخَاطِبْنِیْ فِی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا بترك اهلاكهم اِنَّهُمْ مُّغْرَقُوْنَ وَیَصْنَعُ الْفُلْكَ حكاية حال ماضية وَكُلَّمَا مَرَّ عَلَیْهِ مَلَاٌ جماعة مِّنْ قَوْمِهٖ سَخِرُوْا مِنْهُ استهزءوا به قَالَ اِنْ تَسْخَرُوْا مِنَّا فَاِنَّا نَسْخَرُ مِنْكُمْ كَمَا تَسْخَرُوْنَ اذا نجونا وغرقتم فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ موصولة مفعول العلم یَّاْتِیْهِ عَذَابٌ یُّخْزِیْهِ وَیَحِلُّ ينزل عَلَیْهِ عَذَابٌ مُّقِیْمٌ دائم حَتّٰی غاية للصنع اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا باهلاكهم وَفَارَ التَّنُّوْرُ للخباز بالماء وكان ذلك علامة لنوح قُلْنَا احْمِلْ فِیْهَا في السفينة مِنْ كُلٍّ زَوْجَیْنِ اي ذكر وانثى اي من كل انواعهما اثْنَیْنِ ذكرا وانثى وهو مفعول وفي القصة ان الله حشر لنوح السباع والطير وغيرهما فجعل يضرب بيديه في كل نوع فتقع يده اليمنى على الذكر واليسرى على الانثى فيحملهما في السفينة وَاَهْلَكَ اي زوجته واولاده اِلَّا مَنْ سَبَقَ عَلَیْهِ الْقَوْلُ اي منهم بالاهلاك وهو زوجته وولده كنعان بخلاف سام وحام ويافث فحملهم وزوجاتهم ثلثة وَمَنْ اٰمَنَ وَمَاۤ اٰمَنَ مَعَهٗۤ اِلَّا قَلِیْلٌ قيل كانوا ستة رجال ونساءهم وقيل جميع من كان في السفينة ثمانون نصفهم رجال ونصفهم نساء وَقَالَ نوح ارْكَبُوْا فِیْهَا بِسْمِ اللّٰهِ مَجْرٖىهَا وَمُرْسٰىهَا بفتح الميمين وضمهما مصدران اي جريها ورسوها اي منتهى سيرها اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ حيث لم يهلكنا وَهِیَ تَجْرِیْ بِهِمْ فِیْ مَوْجٍ كَالْجِبَالِ في الارتفاع والعظم وَنَادٰی نُوْحُ ا۟بْنَهٗ كنعان وَكَانَ فِیْ مَعْزِلٍ عن السفينة یّٰبُنَیَّ ارْكَبْ مَّعَنَا وَلَا تَكُنْ مَّعَ الْكٰفِرِیْنَ قَالَ سَاٰوِیْۤ اِلٰی جَبَلٍ یَّعْصِمُنِیْ يمنعني مِنَ الْمَآءِ قَالَ لَا عَاصِمَ الْیَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ عذابه اِلَّا لكن مَنْ رَّحِمَ الله فهو المعصوم قال تعالى وَحَالَ بَیْنَهُمَا الْمَوْجُ فَكَانَ مِنَ الْمُغْرَقِیْنَ وَقِیْلَ یٰۤاَرْضُ ابْلَعِیْ مَآءَكِ الذي نبع منك فشربته دون ما نزل من السماء فصار انهارا وبحارا وَیٰسَمَآءُ اَقْلِعِیْ امسكي عن المطر فامسكت وَغِیْضَ نقص الْمَآءُ وَقُضِیَ الْاَمْرُ تم امر هلاك قوم نوح وَاسْتَوَتْ وقفت السفينة عَلَی الْجُوْدِیِّ جبل بالجزيرة بقرب الموصل وَقِیْلَ بُعْدًا هلاكا لِّلْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ الكفرين وَنَادٰی نُوْحٌ رَّبَّهٗ فَقَالَ رَبِّ اِنَّ ابْنِیْ كنعان مِنْ اَهْلِیْ وقد وعدتني بنجاتهم وَاِنَّ وَعْدَكَ الْحَقُّ الذي لا خلف فيه وَاَنْتَ اَحْكَمُ الْحٰكِمِیْنَ اعلمهم واعدلهم قَالَ تعالى یٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اَهْلِكَ الناجين اومن اهل دينك اِنَّهٗ سوالك اياي بنجاته عَمَلٌ غَیْرُ صَالِحٍ فانه كافر ولانجاة للكافرين وفي قراءة بكسر ميم عمل فعل ونصب غير فالضمير لابنه فَلَا تَسْـَٔلْنِ بالتخفيف والتشديد مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ من انجاء ابنك اِنِّیْۤ اَعِظُكَ اَنْ تَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ بسوالك ما لم تعلم قَالَ رَبِّ اِنِّیْۤ اَعُوْذُ بِكَ من

أَنْ أَسْأَلَكَ مَا لَيْسَ لِي بِهِ عِلْمٌ وَإِلَّا تَغْفِرْ لِي ما فرط منى وَتَرْحَمْنِي أَكُنْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٤٧﴾ قِيلَ يَا نُوحُ اهْبِطْ انزل من السفينة بِسَلَامٍ بسلامة او بتحية مِنَّا وَبَرَكَاتٍ خيرات عَلَيْكَ وَعَلَىٰ أُمَمٍ مِمَّنْ مَعَكَ في السفينة اى من اولادهم وذريتهم وهم المؤمنون وَأُمَمٌ بالرفع ممن معك سَنُمَتِّعُهُمْ في الدنيا ثُمَّ يَمَسُّهُمْ مِنَّا عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿٤٨﴾ في الأخرة وهم الكفار تِلْكَ اى هذه الأيات المتضمنة قصة نوح مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ اخبار ما غاب عنك نُوحِيهَا إِلَيْكَ يا محمد مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ وَلَا قَوْمُكَ مِنْ قَبْلِ هَٰذَا القران فَاصْبِرْ على التبليغ واذى قومك كما صبر نوح إِنَّ الْعَاقِبَةَ المحمودة لِلْمُتَّقِينَ ﴿٤٩﴾

ع ٤ م الوقف على واصبر احرى ... معانقة عند المتأخرين.

ترجمہ: اور نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف وحی بھیجی گئی کہ تیری قوم میں سے جو ایمان لا چکے ان کے سوا اب کوئی ایمان لانے والا نہیں لہٰذا تم ان کے شرکیہ کرتوتوں پر غم نہ کرو چنانچہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے ربِّ لاتذر الخ کہہ کر بددعاء کردی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی بددعاء کو قبول فرمالیا اور حکم دیا کہ ہماری نگرانی اور حفاظت میں ہمارے حکم کے مطابق ایک کشتی بناؤ اور دیکھو جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کو ہلاک نہ کرنے کے بارے میں مجھ سے کوئی سفارش نہ کرنا یقیناً وہ غرق ہونے والے ہیں (نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام) کشتی بنا رہے تھے یہ حال ماضی کی حکایت ہے اور جب کبھی ان کے پاس سے ان کی قوم کے لوگ گذرتے تو اس کا مذاق اڑاتے (نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا اگر تم ہم پر ہنستے ہو تو (عنقریب) ہم تم پر ہنسیں گے جس طرح تم ہنستے ہو جب ہم نجات پائیں گے اور تم غرق ہوگے، عنقریب تم کو معلوم ہوجائیگا کہ وہ رسوا کن عذاب کس پر آتا ہے؟ مَنْ موصولہ تعلمون کا مفعول ہے اور وہ دائمی عذاب کس پر نازل ہوتا ہے؟ یہاں تک کہ ان کی ہلاکت کا ہمارا حکم آگیا اور تنور نے پانی ابال دیا اور یہ نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے علامت تھی، ہم نے حکم دیا کہ (حیوانات) میں سے ہر قسم کا ایک جوڑا کشتی میں چڑھالو، یعنی نر و مادہ کا (اثنین) احمل کا مفعول ہے قصہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے درندوں اور پرندوں کو جمع کردیا چنانچہ جب حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام ہر نوع پر ہاتھ ڈالتے تو حضرت نوح کا دایاں ہاتھ نر پر اور بایاں ہاتھ مادہ پر پڑتا، اور ان کو کشتی میں سوار کرلیتے، اور اپنے گھر والوں یعنی بیوی اور بچوں کو باستثناء اس کے کہ ان میں سے جس پر ہلاکت کا حکم نافذ ہوچکا ہے، اور وہ ان کی بیوی اور ان کا بیٹا کنعان تھا بخلاف سام، حام، یافث کے کہ ان کو اور ان تینوں کی بیویوں کو سوار کرلیا، اور (ان کے علاوہ) ان کو بھی جو ایمان لائے اور بجز قلیل آدمیوں کے ان کے ساتھ کوئی ایمان نہیں لایا کہا گیا کہ چھ مرد اور ان کی بیویاں تھیں اور کہا گیا ہے کہ کشتی میں سوار ہونے والوں کی کل تعداد اسّی تھی ان میں نصف مرد تھے اور نصف ان کی بیویاں، نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اس میں سوار ہوجاؤ، اللہ ہی کے نام سے اس کا چلنا بھی ہے اور ٹھہرنا بھی (مجریها اور مرسٰها) دونوں میم کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ مصدر ہیں یعنی اس کا چلنا اور ٹھہرنا یعنی اپنے انتہاء سفر پر جاکر ٹھہر جانا (اللہ ہی کے حکم سے ہے) میرا رب بڑا غفور رحیم ہے کہ

اس نے ہم کو ہلاک نہیں کیا، اور کشتی ان کو لے کر عظیم اور بلند ہونے میں پہاڑ جیسی موجوں کے درمیان چل رہی تھی اور نوح علیہ السلام نے اپنے بیٹے کنعان سے آواز دیکر کہا اور وہ کشتی سے فاصلہ پر تھا، اے میرے پیارے بیٹے ہمارے ساتھ سوار ہوجا، اور کافروں کے ساتھ نہ رہ (اس نے) جواب دیا کہ میں ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لئے لیتا ہوں جو مجھے پانی میں غرق ہونے سے بچالے گا (نوح علیہ السلام) نے کہا آج کوئی چیز اللہ کے عذاب سے بچانے والی نہیں بجز اس کے کہ اس پر اللہ رحم فرمائے صرف وہی بچ سکتا ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، (اتنے میں) ایک موج ان کے درمیان حائل ہوگئی اور وہ ڈوبنے والوں میں شامل ہوگیا، حکم ہوا اے زمین تو اپنا پورا پانی جو تجھ سے نکلا ہے نگل لے (جذب کرلے) چنانچہ زمین نے پورا پانی جذب کرلیا سوائے اس پانی کے جو آسمان سے برسا، سو (زمین سے نکلا ہوا پانی) نہروں اور دریاؤں میں شامل ہوگیا، اور اے آسمان (بادل) تو پانی برسانا بند کردے، چنانچہ اس نے بند کردیا اور پانی کم ہوگیا، اور قوم نوح کی ہلاکت کے فیصلے پر عمل درآمد کردیا گیا، اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی (جودی) موصل کے قریب جزیرہ کا ایک پہاڑ ہے اور کافروں کی ہلاکت کا حکم دیدیا گیا اور نوح علیہ السلام نے اپنے رب کو پکارا اور کہا اے میرے رب میرا بیٹا کنعان میرے اہل سے ہے اور تو نے میرے اہل کی نجات کا وعدہ فرمایا ہے اور بلاشبہ تیرا وعدہ سچ ہے کہ اس میں تخلف نہیں ہے، اور تو سب حاکموں سے بہتر حاکم ہے یعنی سب سے زیادہ علم والا اور سب سے زیادہ انصاف والا ہے، اللہ کی طرف سے جواب ملا کہ اے نوح وہ تیرے نجات پانے والے اہل سے نہیں ہے یا تیرے اہل دین سے نہیں ہے، بلاشبہ مجھ سے اس کی نجات کا تیرا سوال نامناسب ہے اسلئے کہ وہ کافر ہے اور کافر کی نجات نہیں ہے، اور ایک قراءت میں عَمِلَ فعل کے ساتھ اور غیر کے نصب کے ساتھ ہے اس صورت میں ضمیر ابن کی طرف راجع ہوگی، لہٰذا تو مجھ سے اس بات کی درخواست نہ کر (تسئلن) نون کی تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے، جس بات کا تجھے علم نہیں ہے اور وہ بات تیرے بیٹے کی نجات کا سوال ہے، میں تجھے نصیحت کرتا ہوں کہ جس چیز کو تو نہیں جانتا اس کا سوال کرکے خود کو نادانوں میں شامل نہ کر، (نوح علیہ السلام نے) عرض کیا اے میرے رب میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ میں تجھ سے کسی ایسی چیز کا سوال کروں جس کا مجھے علم نہیں اور اگر آپ میری غلطی کو معاف نہ فرمائیں گے اور رحم نہ فرمائیں گے تو میں زیاں کاروں میں شامل ہوجاؤں گا، حکم ہوا اے نوح تم کشتی سے ہمارے امن یا سلام کے ساتھ اور اپنے اور ان جماعتوں پر جو کشتی میں تیرے ساتھ ہیں یعنی ان کی اولاد کے ساتھ اور وہ مومنین ہیں برکت کے ساتھ اترو اور کچھ لوگ تمہارے ساتھ ایسے بھی ہیں جن کو ہم دنیا میں سامان عیش بخشیں گے اور پھر آخرت میں ہماری طرف سے ان کو دردناک عذاب پہنچے گا اور وہ کافر ہیں، یہ آیات جو نوح علیہ السلام کے قصہ پر مشتمل ہیں اے محمد تمہاری طرف غیب کی خبریں ہیں یعنی ان چیزوں کی خبریں ہیں جو تم سے مخفی ہیں اور نزول قرآن سے پہلے نہ تم ان کو جانتے تھے اور نہ تیری قوم، لہٰذا تم تبلیغ پر اور اپنی قوم کی ایذا رسانی پر صبر کرو جس طرح نوح علیہ السلام نے صبر کیا، بہتر انجام متقیوں ہی کے لئے ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهُ: وَأُوحِيَ إِلَى نُوحٍ أَنَّهُ لَنْ يُؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ إِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ، أُوْحِیَ فعل ماضی مجہول انّہٗ لن یؤمن نائب فاعل ای اوحیَ الیہ عدمُ ایمان بعض قومِہٖ.

قَوْلُهُ: تبتئس (ابتئاس افتعال) سے مضارع واحد مذکر حاضر یہاں چونکہ حرف نہی داخل ہے اس لئے نہی ہے، تو رنج نہ کر۔

قَوْلُهُ: بمرایً، مِنَّا وحفظنا، یہ اضافہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ باَعْيُنِنَا سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اَعْضاء ہیں اور جس کے اعضاء ہوں وہ مجسّم ہوتا ہے لہٰذا اللہ کے لئے جسم ہونا ثابت ہوا جیسا کہ مجسمیہ کا عقیدہ ہے۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ باَعینِنا یہ حفظ اور رویت سے کنایہ ہے جیسا کہ بَسَطَ اللّٰہ یدہ، جود وسخاوت سے کنایہ ہے، باَعْینِنَا محلاً حال ہے، تقدیر یہ ہے متلبسًا باَعْيُنِنَا.

قَوْلُهُ: حكاية حالٍ ماضية، یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: سوال یہ ہے کہ يَصْنَعُ، مضارع کا صیغہ ہے جو حال اور استقبال پر دلالت کرتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشتی بنانا خبر دینے کے بعد ہے حالانکہ کشتی زمانہ ماضی میں بنائی جا چکی تھی۔

جَوَاب: جواب یہ ہے کہ زمانہ ماضی کی حالت کی حکایت ہے، یعنی کشتی بنانے کی منظر کشی کی جاری ہے۔

قَوْلُهُ: مَنْ موصولة مفعول العلم مَنْ يأتيهِ میں مَنْ موصولہ ہے اور تعلمون کا مفعول بہ ہے ترکیب سے یہ شبہ ختم ہو گیا کہ مَنْ استفہامیہ ہے اس کو صدارت کی ضرورت ہے۔

قَوْلُهُ: غاية للصنع، یعنی حَتّٰی صنع کی غایت ہے یأتیه یا یحلُّ کی غایت نہیں ہے جیسا کہ قریب کی وجہ سے شبہ ہوتا ہے، حتّٰی ابتدائیہ ہے جو کہ جملہ شرطیہ پر داخل ہے اور واصنع الفلك کی غایت ہے۔

قَوْلُهُ: في السفينةِ، اس اضافہ میں اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ فيها کی ضمیر ماقبل میں مذکور الفلك کی طرف راجع ہے جو کہ مذکر ہے حالانکہ فيها ضمیر مؤنث ہے جواب یہ ہے کہ فلك، سفینة کے معنی میں ہے فلا شبهة

قَوْلُهُ: اِنَّهٗ سؤالك ایایَ بنجاتِهٖ، مفسر علام نے اِنَّهٗ کی ضمیر کے مرجع کی تعیین کرتے ہوئے فرمایا کہ مرجع اپنے بیٹے کنعان کی نجات کے بارے میں سوال ہے یعنی تمہارا سوال مناسب نہیں ہے، جمہور مفسرین نے، ہٗ ضمیر کا مرجع ابن کو قرار دیا ہے یعنی کنعان تمہارے اہل میں سے نہیں ہے، اس سے مجاز لازم آتا ہے اسلئے کہ حقیقۃً اہل سے نفی درست نہیں ہے جس کی وجہ سے مجازی معنی یعنی دینی اہل مراد لینے ہوں گے۔

قَوْلُهٗ: وفی قراءة بکسر میمِ عَمِلَ فعل ونصبِ غیرَ فالضمیر لابنہٖ اس عبارت کے اضافہ کا مقصد، عمل کے اعراب کو بتانا ہے جمہور کی قراءت میں عَمَلٌ مصدر ہے اور غیرُ صالح اس کی صفت ہے مطلب یہ ہے کہ تمہارا اپنے بیٹے کنعان کی نجات کی سفارش عمل نامناسب ہے، اسلئے کہ وہ کافر ہے اور کافر کی نجات نہیں ہے، اور ایک قراءت میں عَمِلَ فعل ماضی کا صیغہ ہے اس صورت میں غیرَ مصدر محذوف کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا تقدیر عبارت یہ ہوگی اِنَّهٗ عَمِلَ عَمَلاً غیرَ صالح، اس صورت میں اِنَّهٗ کی ضمیر ابن کی طرف راجع ہوگی یعنی کنعان نے عمل غیر صالح کئے، مفسر علام نے پہلی صورت کو اختیار کیا ہے کہ نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے کافر بیٹے کی نجات کی سفارش عمل نامناسب ہے اسلئے کہ آگے فرمایا گیا ہے "انی اعظك ان تکونَ مِن الجاھلین" اس سے نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی طرف جہل کی نسبت لازم آتی ہے۔

قَوْلُهٗ: فلا تَسئلنِ بالتخفیف والتشدید یعنی نون کی تشدید کے ساتھ ماقبل کے فتحہ کے ساتھ اور یہ نافع کی قراءت ہے اور ابن کثیر اور ابن عامر اور باقیوں نے لام کے سکون اور نون کی تخفیف کے ساتھ پڑھا ہے اور حالت وصل میں نون کے بعد یاء کو باقی رکھا ہے نہ وقف میں، اور ورش وابوعمرو نے وقف اور وصل دونوں صورتوں میں یاء کو باقی رکھا ہے۔

قَوْلُهٗ: بسلامَةٍ اَوْبتحیةٍ اس اضافہ کا مقصد سلامٌ کے دو معنی کو بیان کرنا ہے بسلامة کہہ کر امن وسلامتی کے معنی کی طرف اشارہ کر دیا اور بتحیةٍ کہہ کر سلام وتحیہ کی طرف اشارہ ہے مطلب یہ ہے یہاں دونوں معنی درست ہیں۔

قَوْلُهٗ: وَاُمَمٌ بالرفع ممن مَعَكَ، اُمَمٌ رفع کے ساتھ ہے مبتداء ہونے کی وجہ سے اور سَنُمَتِّعُهُمْ اس کی خبر ہے، نہ کہ امم سابق پر معطوف ہونے کی وجہ سے مجرور، اسلئے کہ یہ لوگ سلامتی اور برکت میں داخل نہیں ہیں۔

سُوَال: اُمَمٌ کا نکرہ ہونے کی وجہ سے مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے؟

جَوَاب: اُمَمٌ موصوف ہے اور ممن معك اس کی صفت ہے لہٰذا اُمَمٌ کا نکرہ موصوفہ ہونے کی وجہ سے مبتداء بننا صحیح ہے مفسر علام نے ممن معك کا اضافہ کر کے اسی تقدیر کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُهٗ: ای ھذہ الآیات المتضمنة الخ یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے سوال یہ ہے کہ تلكَ اسم اشارہ مؤنث مبتداء ہے حالانکہ اس کی تین خبریں ہیں اور تینوں مذکر ہیں، ① من انباء الغیب، ② نوحیھا الیك، ③ ما کنت تعلمھا، لہٰذا خبر کی رعایت کی وجہ سے مبتداء بھی مذکر ہونا چاہئے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ ھذہ کا مشارٌ الیہ مذکورہ خبریں نہیں ہیں، بلکہ اس کا مشارٌ الیہ الآیات، محذوف ہے جس کی طرف مفسر علام نے اشارہ کیا ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

قرآن عزیز میں حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کا تذکرہ:

قرآن کریم کے معجزہ نما نظم کلام کی یہ سنت ہے کہ وہ تاریخی واقعات میں سے جب کسی واقعہ کو بیان کرتا ہے تو اپنے مقصد "وعظ وتذکیر" کے پیش نظر واقعہ کی ان ہی جزئیات کو بیان کرتا ہے جو مقصد کے لئے ضروری ہوں چنانچہ اسی اسلوب کے پیش نظر

قرآن عزیز نے حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے واقعہ کا اجمالی و تفصیلی ذکر سولہ جگہ کیا ہے۔ (قصص القرآن سیوہاروی)

حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو حق تعالیٰ نے تقریباً ایک ہزار سال کی عمر دراز عطا فرمائی تھی، آپ اس طویل مدت میں ہمیشہ اپنی قوم کو دین حق اور کلمۂ توحید کی دعوت دیتے رہے، قوم کی طرف سے سخت ایذاؤں کا سامنا کرنا پڑا مگر آپ اپنی قوم کے لئے یہ دعاء کرتے کہ یا اللہ میری قوم کو معاف کردے یہ بے وقوف و جاہل ہیں جانتے نہیں، آپ ہدایت کی امید پر ایک نسل کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری کو ہدایت کی دعوت دیتے رہے مگر بہت قلیل لوگوں کے علاوہ کوئی ایمان نہ لایا۔

جب اس پر صدیاں گذر گئیں تو اللہ رب العزت کے سامنے ان کی حالت زار کی شکایت کی جو سورۂ نوح میں مذکور ہے، "ربِّ انی دعوتُ قومی لَیْلًا ونهارا، فلمریزدهم دعائی اِلَّا فرارا" اتنے طویل زمانہ تک اپنی قوم کے ہاتھوں مصائب برداشت کرنے کے بعد اس مرد خدا کی زبان پر یہ دعاء آئی "ربِّ انصرنی بما کذبون" اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے "وَاُوْحِیَ الی نوحٍ اَنَّهٗ لن یؤمِنَ مِنْ قومِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ آمَنَ الخ" یعنی اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تیری قوم میں جس کو ایمان لانا تھا لا چکے اب کوئی شخص ایمان نہ لائیگا، اب آپ اس قوم کا غم نہ کھائیں اور ان کے ایمان قبول نہ کرنے پر پریشان نہ ہوں۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ اب ہم اس قوم پر پانی کے طوفان کا عذاب بھیجنے والے ہیں اس لئے آپ ہماری نگرانی میں وحی کے حکم کے مطابق ایک کشتی تیار کریں جس میں آپ کے اہل و عیال اور مومنین مع اپنی ضروریات کے سما سکیں حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے حکم کے مطابق کشتی بنائی، پھر جب طوفان کے ابتداء کی علامتیں ظاہر ہونے لگیں کہ زمین سے پانی ابلنے لگا تو حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کو حکم دیا گیا کہ خود مع اپنے اہل و عیال اور ان لوگوں کے جو ایمان لا چکے ہیں کشتی میں سوار ہو جائیں، اور انسانی ضروریات جن جانوروں سے متعلق ہیں مثلاً گائے، بیل، بکری، گھوڑا، گدھا وغیرہ کا ایک ایک جوڑا رکھ لیں۔

کشتی کی وسعت اور پیائش:

یہ کشتی کس ساخت کی تھی اور اس کی پیائش کیا تھی اس کی تفصیلات بائبل میں ہیں قرآن نے ان سے یکسر صرف نظر کر لی ہے اس لئے کہ ان تفصیلات سے حاصل کچھ بھی نہیں اور نہ ان تفصیلات کے درپے ہونا کوئی مفید خدمت ہے بس اتنا معلوم ہونا کافی ہے کہ کشتی میں اتنی گنجائش تھی کہ اس وقت مومن آبادی جس کی تعداد بہ اختلاف روایات ۴۰ یا ۸۰ تھی اور ضروری جانوروں کے جوڑے اس میں سما گئے تھے۔

کشتی سازی کا حکم:

غرضیکہ حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء قبول ہوئی اور اپنے قانون جزاء اعمال کے مطابق سرکشوں کی سرکشی اور متمردوں کے تمرد کی سزا کا اعلان کر دیا اور حفظ ماتقدم کے لئے کشتی بنانے کا حکم دیا، جب نوح علیہ الصلاۃ والسلام نے کشتی بنانی

شروع کی تو کفار نے ہنسی اڑانا اور مذاق بنانا شروع کر دیا، کہ پانی پینے اور دیگر ضروریات کے لئے تو میسر نہیں بھلا کشتی چلنے کے لئے پانی کہاں سے آئیگا، معلوم ہوتا ہے اب کشتیاں صحراء کے ریت میں چلا کریں گی، ادھر کشتی بن کر تیار ہوئی اُدھر طوفان کی ابتدائی علامات کا ظہور ہونے لگا، "حتی اذا جاء امرنا وفار التنور" لفظ تنور کئی معنی میں مستعمل ہے سطح زمین کو بھی تنور کہتے ہیں روٹی پکانے کے تنور کو بھی تنور کہا جاتا ہے، زمین کے بلند حصہ کو بھی تنور کہا جاتا ہے بعض حضرات نے تنور سے سطح زمین مراد لی اور بعض نے معروف تنور، کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام کا تنور ملک شام میں مقام عین الوادہ میں تھا بعض نے کہا کہ نوح علیہ السلام کا تنور کوفہ میں تھا وہ مراد ہے اکثر مفسرین مثلاً حضرت حسن، مجاہد، شعبی اور حضرت عبداللہ بن عباس وغیرہ نے آخری قول کو اختیار کیا ہے، غرضیکہ پانی ہر جگہ سے ابل پڑا جس میں روئے زمین کے علاوہ معروف تنور بھی شامل ہے اور آسمان سے موسلا دھار بارش ہونے لگی تمام منکرین حق غرق ہو گئے اور کشتی پانی پر تیرنے لگی اور طوفان ختم ہو گیا تو کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی، جودی پہاڑ آج بھی اسی نام سے موجود ہے اس کا محل وقوع حضرت نوح علیہ السلام کے وطن اصلی عراق، موصل کے شمال میں جزیرہ ابن عمر کے قریب آرمینیہ کی سرحد پر ہے یہ ایک کوہستانی سلسلہ ہے جس کے ایک حصہ کا نام جودی ہے اسی کے ایک حصہ کو ارارا ط کہا جاتا ہے موجودہ توارت میں کشتی ٹھہرنے کا مقام کوہ ارارا ط بتایا گیا ہے ان دونوں روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

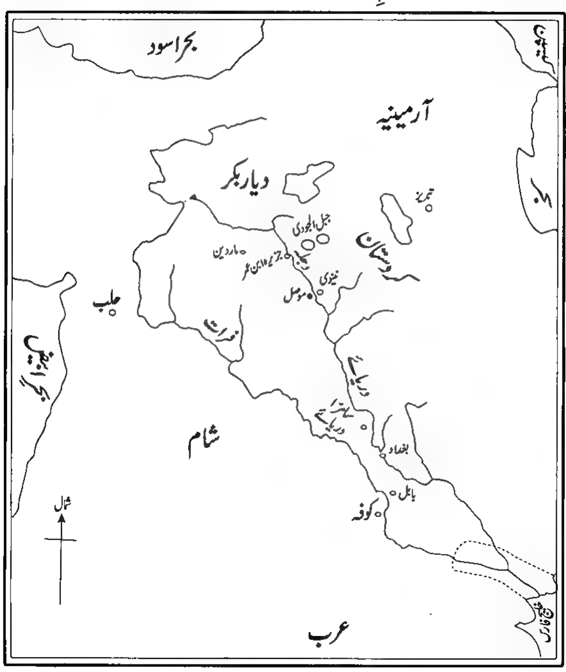
کشتی کے بعض حصے موجود ہیں:

قدیم تاریخوں میں مذکور ہے کہ بعض مقامات پر اس کشتی کے ٹکڑے اب تک موجود ہیں جن کو تبرک کے طور پر رکھا گیا ہے۔

تاریخ بغوی میں ہے کہ نوح علیہ السلام ماہ رجب کی دس تاریخ کو کشتی میں سوار ہوئے تھے، چھ ماہ تک کشتی پانی پر تیرتی رہی جب بیت اللہ پر پہنچی تو سات مرتبہ بیت اللہ کا طواف کیا پھر ۱۰ محرم کو طوفان مکمل طور پر ختم ہوا اور کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہر گئی حضرت نوح علیہ السلام اور مومنین نے شکرانہ کے طور پر اس روز، روزہ رکھا۔



قومِ نوح کا علاقہ اور جبل جُودی



کشتی کی پیمائش:

بعض تاریخی روایات سے کشتی نوح علیہ الصلاۃ والسلام کی پیمائش یہ معلوم ہوئی ہے کہ لمبائی تین سوگز اور چوڑائی ۵۰ گز اور اونچائی ۳۰ گز تھی اور یہ سہ منزلہ تھی اس میں روشندان اور دروازے بھی تھے۔

وَ اَرْسَلْنَا اِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ من القبيلةِ **هُوْدًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** وَحِّدُوْه **مَا لَكُمْ مِّنْ** زائدةٌ **اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنْ** ما **اَنْتُمْ** في عبادتِكم الاوثانَ **اِلَّا مُفْتَرُوْنَ**﴿۵۰﴾ كاذبونَ على اللهِ **يٰقَوْمِ لَاۤ اَسْـَٔلُكُمْ عَلَيْهِ** على التوحيدِ **اَجْرًا اِنْ** ما **اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى الَّذِيْ فَطَرَنِيْ** خلقنِي **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ**﴿۵۱﴾ **وَيٰقَوْمِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ** من الشرك **ثُمَّ تُوْبُوْۤا** ارجعُوْا **اِلَيْهِ** بالطاعةِ **يُرْسِلِ السَّمَآءَ** المطر وكانوا قد مُنعوه **عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا** كثيرَ الدرور **وَّيَزِدْكُمْ قُوَّةً اِلٰى** مع **قُوَّتِكُمْ** بالمال والولدِ **وَلَا تَتَوَلَّوْا مُجْرِمِيْنَ**﴿۵۲﴾ مشركينَ **قَالُوْا يٰهُوْدُ مَا جِئْتَنَا بِبَيِّنَةٍ** ببرهانٍ على قولِك **وَّمَا نَحْنُ بِتَارِكِيْۤ اٰلِهَتِنَا عَنْ قَوْلِكَ** اى لقولك **وَمَا نَحْنُ لَكَ بِمُؤْمِنِيْنَ**﴿۵۳﴾ **اِنْ** ما **نَّقُوْلُ** في شانِك **اِلَّا اعْتَرٰىكَ** اصابكَ **بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ** فخبلكَ بسبّك ايابا فانت تهذِىْ **قَالَ اِنِّيْۤ اُشْهِدُ اللّٰهَ** عَلَيَّ **وَاشْهَدُوْۤا اَنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ**﴿۵۴﴾ به **مِنْ دُوْنِهٖ فَكِيْدُوْنِيْ** اِحْتَالُوْا في هلاكِي **جَمِيْعًا** انتم واوثانُكم **ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنِ**﴿۵۵﴾ تمهِلُوْن **اِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ** زائدةٌ **دَآبَّةٍ** نسمةٍ تدبُّ على الارض **اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا** اى مالكُها وقاهرُها فلا نفعَ ولاضررَ الا باذنه وخُصَّ الناصية بالذكرِ لانَّ مَنْ اُخِذَ بناصيةٍ يكونُ في غايةِ الذُّلِّ **اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ**﴿۵۶﴾ اى طريق الحق والعدل **فَاِنْ تَوَلَّوْا** فيه حذفُ احدَى التائينِ اى تُعرضوا **فَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ مَّاۤ اُرْسِلْتُ بِهٖۤ اِلَيْكُمْ وَيَسْتَخْلِفُ رَبِّيْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ وَلَا تَضُرُّوْنَهٗ شَيْـًٔا** باشراكِكم **اِنَّ رَبِّيْ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ**﴿۵۷﴾ رقيبٌ **وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا** عذابنا **نَجَّيْنَا هُوْدًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ** هدايةٍ **مِّنَّا وَنَجَّيْنٰهُمْ مِّنْ عَذَابٍ غَلِيْظٍ**﴿۵۸﴾ شديد **وَتِلْكَ عَادٌ** اشارةٌ الى اٰثارِهم اى فَسِيْحُوْا في الارضِ وانظرُوْا اليها ثم وصفَ احوالَهم فقال **جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ وَعَصَوْا رُسُلَهٗ** جُمِعَ لِاَنَّ مَنْ عصى رسولاً عصى جميعَ الرسلِ لاشتراكِهِمْ في اصلِ مَا جاءُوْا به وهو التوحيدُ **وَاتَّبَعُوْۤا** اى السفلةُ **اَمْرَ كُلِّ جَبَّارٍ عَنِيْدٍ**﴿۵۹﴾ مُعاندٍ مُعارضٍ للحق من رؤسائِهمْ **وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا لَعْنَةً** من الناس **وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ** لعنةً على رؤسِ الخلائقِ **اَلَاۤ اِنَّ عَادًا كَفَرُوْا** جحدوا **رَبَّهُمْ اَلَا بُعْدًا** من رحمةِ اللهِ **لِّعَادٍ قَوْمِ هُوْدٍ**﴿۶۰﴾

ترجمہ: اور ہم نے عاد کی جانب ان کے خاندانی بھائی ہود کو بھیجا، ہود نے کہا اے میری قوم کے لوگو اللہ کی بندگی کرو (یعنی) اس کی توحید کا اقرار کرو، اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں، مِنْ زائدہ ہے تم بتوں کی بندگی کر کے اللہ پر بہتان لگاتے ہو، اے میری قوم میں تم سے توحید کی (تبلیغ) پر کوئی اجرت نہیں چاہتا میرا اجر تو اس پر ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، کیا تم عقل سے

کام نہیں لیتے ؟ اے میری قوم کے لوگو تم اپنے رب سے شرک کی معافی مانگو پھر اطاعت کے ذریعہ اس کی طرف رجوع کرو وہ تم کو زوردار بارش عطا کریگا (حال یہ کہ) ان سے بارش کو روک لیا گیا تھا، اور تمہاری (موجودہ) قوت میں مال اور اولاد کے ذریعہ مزید قوت کا اضافہ کرے گا، اور مشرک بنکر بے رخی مت کرو، ان لوگوں نے جواب دیا اے ہود تو ہمارے پاس اپنے دعوے پر کوئی صریح دلیل لے کر نہیں آیا اور ہم تیرے کہنے کی وجہ سے اپنے معبودوں کو نہیں چھوڑیں گے اور تجھ پر ہم ایمان لانے والے نہیں ہیں اور ہم تو تمہارے بارے میں یہ سمجھتے ہیں کہ تو ہمارے معبودوں میں سے کسی کی جھپٹ میں آگیا ہے چنانچہ تیرے اس کو برا کہنے کی وجہ سے اس نے تجھ کو باؤلا بنا دیا ہے، اسی وجہ سے تو بیہودہ باتیں کر رہا ہے، (ہود علیہ الصلاۃ والسلام نے) جواب دیا میں تو اپنے اوپر اللہ کو گواہ بناتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو میں تو غیر اللہ سے جن کو تم اس کا شریک ٹھہراتے ہو بیزار ہوں تم اور تمہارے بت، سب مل کر میرے ساتھ مکر کرلو میری ہلاکت کی تدبیر کرلو، اور پھر مجھے ذرا بھی مہلت مت دو میرا بھروسہ تو اللہ پر ہے جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی، کوئی جاندار زمین پر چلنے والا ایسا نہیں کہ اس کی چوٹی اس کے ہاتھ میں نہ ہو، یعنی وہ اس کا مالک اور اس پر غالب ہے، لہذا کوئی نفع نقصان اس کی اجازت کے بغیر نہیں، ناصیة (چوٹی) کا خاص طور پر ذکر اس وجہ سے کیا گیا ہے کہ جس کی چوٹی پکڑی گئی وہ غایت ذلت میں ہوتا ہے، بے شک میرا رب سیدھی راہ پر ہے یعنی حق و انصاف کے راستہ پر ہے، اگر تم روگردانی کروگے تو جو پیغام دے کر میں بھیجا گیا تھا وہ میں تم کو پہنچا چکا اور میرا رب تمہاری جگہ دوسری قوم لائیگا اور شرک کرکے تم اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے، یقیناً میرا رب ہر چیز پر نگراں ہے، اور جب ہمارا عذاب آگیا تو ہم نے ہود علیہ الصلاۃ والسلام کو اور ان کو جو اس پر ایمان لائے اپنی (خصوصی) رحمت سے بچالیا اور ان کو ایک سخت عذاب سے نجات دی اور یہ ہے قوم عاد، یہ اشارہ ان کے آثار (وخرابات) کی طرف ہے سو تم زمین میں سفر کرو اور ان آثار کو دیکھو، پھر ان کے احوال کو بیان کیا جنہوں نے اپنے رب کی آیتوں کو جھٹلایا اور اپنے رسولوں کی نافرمانی کی (رُسُل) کو جمع لائے ہیں اس لئے کہ جس نے ایک رسول کی نافرمانی کی اس نے تمام رسولوں کی نافرمانی کی، تمام رسولوں کے ان اصولوں میں شریک ہونے کی وجہ سے جن کو وہ لائے ہیں اور وہ توحید ہے، اور یہ احمق اپنے رؤساء میں سے ہر جبار اور دشمنِ حق کی پیروی کرتے رہے (آخر کار) اس دنیا میں بھی لوگوں کی ان پر لعنت پڑی اور قیامت کے روز بھی سب مخلوق کے سامنے (ان پر لعنت ہوگی) سنو، عاد نے اپنے رب کا انکار کیا، سنو، ہود علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم عاد کے لئے اللہ کی رحمت سے دوری ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: وَاَرْسَلْنَا الخ اس کا عطف بوحًا الی قومِہٖ پر ہے، اس کو عطف قصہ علی القصہ کہتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: هودًا یہ اَخاهم کا عطف بیان ہے۔

قِوْلَہٗ: ای لقولكَ عن کی تفسیر لام سے کرکے اشارہ کردیا کہ عن تعلیلیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: اِعْتَراكَ (اعتراءٌ افتعال) ماضی واحد مذکر غائب پیش آنا، قصد کرنا، لاحق ہونا، مصیبت میں مبتلا کرنا۔

قَوْلُہٗ: بسُوءٍ، میں باء تعدیہ کے لئے ہے۔

سُوَال: اِیَّاھا کی ضمیر لفظ بعض کی طرف راجع ہے، حالانکہ لفظ بعض مذکر ہے ضمیر اور مرجع میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: مضاف الیہ کی رعایت کرتے ہوئے ایاھا مؤنث کی ضمیر لائے ہیں۔

قَوْلُہٗ: اشارة اِلٰی آثارھم، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ تِلْكَ عَادٌ مبتداء خبر ہے عادٌ مذکر ہے لہٰذا تلك کے بجائے هذا ہونا چاہئے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس کی خبر آثار ہے جو کہ محذوف ہے ای تلك الآثار آثار عادٍ.

قَوْلُہٗ: عنید، عناد رکھنے والا، سرکش ضدی، جمع عُنُدٌ.

تَفسیر وتَشریح

آنحضرت ﷺ کے معاصر کفار و مشرکین کے سامنے توحید و رسالت نیز حشر و نشر پر روشن اور واضح دلائل پیش کرنے کے بعد تاکید و تفنن کے طور پر انبیاء سابقین کے ساتھ ان کی قوم کے معاملات و واقعات بیان فرمائے ہیں، یہاں حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قوم عاد کا بھائی بتایا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی قوم کے ایک فرد تھے باہر سے آئے ہوئے نہیں تھے۔

اس رکوع کی پہلی گیارہ آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر فرمایا ہے اور ان ہی کے نام سے یہ سورت موسوم ہے اس سورت میں حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر سات انبیاء اور ان کی قوم کے واقعات مذکور ہیں، جن میں عبرت اور موعظت کے ایسے مظاہر موجود ہیں کہ جس کے دل میں ذرا بھی حیات اور شعور باقی ہے وہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اللہ تعالیٰ نے قوم عاد کی طرف مبعوث فرمایا یہ قوم اپنے ڈیل ڈول اور زور و قوت میں پورے عالم میں ممتاز تھی، مگر یہ قوم اتنی بہادر اور قوی ہونے کے باوجود اپنی عقل و فکر کھو بیٹھی تھی، جس کی وجہ سے خود تراشیدہ پتھر کی مورتیوں کو اپنا معبود بنا رکھا تھا۔

ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی دعوت کی تین اصولی باتیں:

حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی دعوت میں تین اصولی باتیں پیش کیں اول دعوتِ توحید اور یہ کہ اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں غیر اللہ کو لائق عبادت سمجھنا اللہ پر بہتان اور افتراء ہے دوسرے یہ کہ تم میری بات پر سنجیدگی سے غور نہیں کرتے یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم عقل سے کام نہیں لیتے اگر تم عقل سے کام لیتے ہوتے تو تم ضرور سوچتے کہ جو شخص اپنی کسی ذاتی غرض کے بغیر دعوت و تبلیغ کی یہ سب مشقتیں جھیل رہا ہے اور اس نے تذکیر و نصیحت کے لئے اپنی زندگی کو وقف کر رکھا

ہے نہ کچھ اجرت طلب کرتا ہے نہ مدح وستائش کا طالب آخر ضرورت کیا تھی کہ وہ تمہیں دعوت دینے اور تمہاری اصلاح کرنے میں اتنی محنت برداشت کرتا۔

وعظ ونصیحت اور دعوت دین پر اجرت:

قرآن کریم نے یہ بات تقریباً تمام انبیاء کی زبان سے نقل کی ہے کہ ہم تم سے اپنی دعوت ومحنت کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر دعوت وتبلیغ کا معاوضہ لیا جائے تو دعوت مؤثر نہیں رہتی، اس بات پر تجربہ شاہد ہے کہ وعظ ونصیحت پر اجرت لینے والوں کی بات سامعین پر اثر انداز نہیں ہوتی۔

تیسری بات یہ فرمائی کہ گذشتہ زندگی میں تم سے جو قصور اور کوتاہیاں ہوئی ہیں، ان سے معافی مانگو، اور آئندہ کے لئے پختہ ارادہ اور عہد کرو کہ اب ان کے پاس نہ جائیں گے، اس کے نتیجے میں آخرت کی دائمی فلاح تو ملے گی ہی دنیا میں بھی اس کے بڑے فوائد وبرکات کا مشاہدہ کروگے۔

اِنْ نقول اِلَّا اعتراك الخ قوم نے حضرت ہود علیہ السلام کی دل دوز اور دل سوز نصیحتوں کا جواب یہ دیا کہ ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے دیوی دیوتاؤں اور ہمارے معبودوں کی برائی وعیب جوئی کرنے کی وجہ سے تو ہمارے کسی دیوتا کی جھپٹ میں آگیا ہے اور اسی کی مار کا نتیجہ ہے کہ تو بہکی بہکی باتیں کرنے لگا ہے۔

اِنِّیْ توکلت علی اللّٰہ الخ یہ قوم کی اس بات کا جواب ہے کہ چونکہ تو ہمارے معبودوں کی برائی کرتا ہے اور ان کی نکتہ چینی کرتا ہے جس کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ تو ہمارے کسی دیوتا کی جھپٹ میں آگیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ میرے خلاف تم سے جتنی ہو سکے مکر وسازشیں کرو اور ساتھ اپنے معبودوں کو بھی بلالو اور سب مل کر میرے خلاف تدبیر کرو تم میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے اس لئے کہ میرا توکل اور بھروسہ تو اللہ تعالیٰ پر ہے۔

وَ ارسلنا **اِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ** من القبیلۃ **صٰلِحًا قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ** وحِدوہ **مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ هُوَ اَنْشَاَکُمْ** ابتدأ خلقکم **مِّنَ الْاَرْضِ** بخلقِ ابیکم اٰدمَ منہا **وَاسْتَعْمَرَکُمْ فِیْهَا** جعلکُم عُمّارًا تسکنونَ بہا **فَاسْتَغْفِرُوْهُ** من الشرکِ **ثُمَّ تُوْبُوْۤا** ارجِعُوا **اِلَیْهِ** بالطاعۃِ **اِنَّ رَبِّیْ قَرِیْبٌ** من خلقہ بعلمہ **مُّجِیْبٌ**﴿۶۱﴾ لِمَن سالہ **قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ کُنْتَ فِیْنَا مَرْجُوًّا** نرجُوا ان تکون سیدًا **قَبْلَ هٰذَاۤ** الذی صدرَ منک **اَتَنْهٰىنَاۤ اَنْ نَّعْبُدَ مَا یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا** من الاوثانِ **وَاِنَّنَا لَفِیْ شَکٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَاۤ اِلَیْهِ** من التوحیدِ **مُرِیْبٍ**﴿۶۲﴾ موقعٍ فی الریبِ **قَالَ یٰقَوْمِ اَرَءَیْتُمْ اِنْ کُنْتُ عَلٰی بَیِّنَةٍ** بیانٍ **مِّنْ رَّبِّیْ وَاٰتٰىنِیْ مِنْهُ رَحْمَةً** نبوۃً **فَمَنْ یَّنْصُرُنِیْ** یمنعنی **مِنَ اللّٰهِ** ای عذابہٖ **اِنْ عَصَیْتُهٗ فَمَا تَزِیْدُوْنَنِیْ** بامرکم لی بذلک **غَیْرَ تَخْسِیْرٍ**﴿۶۳﴾ تضلیل **وَیٰقَوْمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَکُمْ اٰیَةً** حالٌ عاملُہ الاشارۃ **فَذَرُوْهَا تَاْکُلْ فِیْۤ اَرْضِ اللّٰهِ وَلَا تَمَسُّوْهَا بِسُوْٓءٍ** عقر **فَیَاْخُذَکُمْ عَذَابٌ قَرِیْبٌ**﴿۶۴﴾ ان عقرتُموہا **فَعَقَرُوْهَا** عقرَہا قُدارُ بامرِہم **فَقَالَ** صالحٌ **تَمَتَّعُوْا** عِیشوا **فِیْ دَارِکُمْ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ** ثم

تهلكون ذٰلِكَ وَعْدٌ غَيْرُ مَكْذُوْبٍ فيه فَلَمَّا جَاءَ أَمْرُنَا باهلاكهم نَجَّيْنَا صٰلِحًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ وهم اربعة الاف بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَ نجيناهم مِنْ خِزْيِ يَوْمِئِذٍ بكسر الميم اعرابا وفتحها بناءً لاضافته الى مبنيّ وهو الاكثر إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْقَوِيُّ الْعَزِيْزُ الغالب وَأَخَذَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ فَأَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ باركين على الركب ميتين كَأَنْ مخففة واسمها محذوف اى كأنهم لَمْ يَغْنَوْا يقيموا فِيْهَا في دارهم أَلَآ إِنَّ ثَمُوْدَاْ كَفَرُوْا رَبَّهُمْ أَلَا بُعْدًا لِّثَمُوْدَ بالصرف وتركه على معنى الحي والقبيلة.

ترجمہ: اور ہم نے ثمود کے پاس ان کے خاندانی بھائی صالح علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا، اس نے کہا اے میری قوم اللہ کی بندگی کرو (یعنی) اس کی توحید کا اقرار کرو اس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں اس نے تم کو پیدا کیا یعنی تمہاری تخلیق ابتداء مٹی سے کی تمہارے دادا آدم کو مٹی سے پیدا کر کے اور اسی نے تم کو زمین میں بسایا یعنی تم کو (زمین کا) باشندہ بنایا تا کہ تم اس میں سکونت اختیار کرو پس تم اس سے معافی طلب کرو شرک سے اور پھر طاعت کے ذریعہ اس کی طرف رجوع کرو بے شک میرا رب اپنی مخلوق سے باعتبار علم کے قریب ہے اور جو اس سے سوال کرتا ہے اس کا قبول کرنے والا ہے ان لوگوں نے جواب دیا اے صالح اس بات کے کہنے سے پہلے ہم تم سے بہت کچھ امیدیں وابستہ کئے ہوئے تھے ہمیں امید تھی کہ تم (ہمارے) سردار بنو گے کیا تم ہم کو بتوں کی بندگی کرنے سے روکتے ہو جن کی بندگی ہمارے آباء (واجداد) کرتے تھے؟ جس توحید کی طرف تم ہم کو دعوت دے رہے ہو اس میں ہمیں حیران کن تردد ہے (صالح علیہ السلام نے) کہا اے میری قوم کے لوگو کیا تم نے اس بات پر غور کیا کہ اگر میں اپنے رب کی طرف سے دلیل پر ہوں اور اس نے مجھے اپنی رحمت نبوت سے نوازا تو اگر میں اس کی نافرمانی کروں تو مجھے اللہ کے عذاب سے کون بچائیگا؟ تم تو اس بات کا حکم کر کے میری گمراہی، (یعنی) خسارہ میں اضافہ کر رہے ہو اے برادران قوم یہ اللہ کی اونٹنی تمہارے لئے نشانی ہے (آیةً) حال ہے اس کا عامل اسم اشارہ ہے، اس کو چھوڑ دو اللہ کی زمین میں چرتی پھرے اور اس کو برے (یعنی) ہلاک کرنے کے ارادہ سے ہاتھ مت لگانا، اگر تم نے اس کو ہلاک کر دیا تو تم پر بہت جلد عذاب آجائیگا چنانچہ ان لوگوں نے اس کو ہلاک کر دیا یعنی ان کے حکم سے قدار نے اس کو ہلاک کر دیا، اس پر صالح نے کہا اپنے گھروں میں تین دن اور رہ لو پھر تم کو ہلاک کر دیا جائیگا یہ ایسا وعدہ ہے جو جھوٹا نہیں ہو سکتا چنانچہ جب ان کو ہلاک کرنے کا ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے اپنی رحمت سے صالح اور ان لوگوں کو جو ان کے ساتھ ایمان لائے تھے بچا لیا اور وہ چار ہزار تھے، اور ہم نے ان کو اس دن کی رسوائی سے بچا لیا (یومئذٍ) میم کے کسرہ کے ساتھ معرب ہونے کی صورت میں اور میم کے فتحہ کے ساتھ مبنی ہونے کی وجہ سے مبنی کی جانب اضافت کی وجہ سے اور یہی اکثر کا قول ہے، یقیناً تیرا رب وہی قوی اور غالب ہے اور ظالموں کو ایک چنگھاڑ نے آدبوچا تو وہ اپنے گھروں میں مردہ ہو کر اوندھے پڑے رہ گئے ایسے کہ گویا وہ کبھی اپنے گھروں میں آبادہی نہ تھے (کَانْ) مخففہ ہے اور اس کا اسم محذوف ہے ای کَانَّھُمْ، آگاہ رہو! ثمودیوں نے اپنے رب کا کفر کیا، سن لو کہ ثمودیوں کے لئے پھٹکار ہے

(ثمود) منصرف ہے حَیّ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے اور غیر منصرف بھی ہے قبیلہ کے معنی میں ہونے کی وجہ سے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: ثمود، ثمود ایک قوم کا نام ہے جو اپنے جداعلیٰ ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح کی طرف منسوب ہے حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعلق اسی قوم سے تھا اور اسی کی طرف رسول بنا کر بھیجے گئے تھے۔

قولہ: جَعَلَکُمْ عُمَّارًا تسکنونَ بھا اس میں اشارہ ہے کہ استعمَرَ، میں س، ت، تصییر کے لئے ہے یعنی ہم نے تم کو اس کو آباد کرنے والا بنایا، اور بعض حضرات نے عمر یعمرُ سے لیا ہے اس وقت اس کے معنی ہوں گے تم کو باشندہ بنایا بسایا اس صورت میں س، ت زائدہ ہوں گے۔

قولہ: صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام مشاہیر انبیاء میں سے ہیں قرآن مجید میں ان کا نام نو جگہ آیا ہے قوم ثمود کی طرف مبعوث ہوئے تھے۔

قولہ: حالٌ یعنی آیۃً، ناقۃُ سے حال ہے اور اس میں عامل ھذہ بمعنی اشیرُ ہے۔

قولہ: فعَقَرُوھا، (ض) عَقرًا کونچیں کاٹنا عرب میں یہ دستور تھا کہ جب کسی اونٹ کو ہلاک کرنا ہوتا تو اس کی کونچیں کاٹ دیتے تھے کونچیں کاٹنے کے لئے ہلاکت لازم تھی۔

قولہ: بناءً لاضافۃِ یعنی یومَ کی اضافت جب اِذْ کی طرف ہوگی تو یومئذٍ مبنی برفتحہ ہوگا اس لئے کہ ظرف جب اسم مبہم کی طرف مضاف ہوتا ہے تو مضاف الیہ سے بناء حاصل کر لیتا ہے، یومَ، اِذْ کی طرف مضاف ہے جس کی وجہ سے مبنی بر فتحہ ہو گیا ہے۔

تفسیر و تشریح

حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نسب نامہ:

حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام جس قوم میں پیدا ہوئے اس کو ثمود کہتے ہیں اور ثمود کا ذکر قرآن کریم کی نو سورتوں میں آیا ہے، اعراف، ھود، حجر، نمل، فصّلت، النجم، القمر، الحاقہ، الشمس علماء انساب حضرت صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نسب نامہ میں مختلف نظر آتے ہیں مشہور حافظ حدیث امام بغوی نے آپ کا نسب اس طرح بیان کیا ہے صالح بن عبید بن آسف بن ماشح بن عبید بن حادر بن ثمود اس نسب نامہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس قوم کو ثمود اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس قوم کا جداعلیٰ ثمود ہے، ہر نسب نامہ آخر میں جا کر سام بن نوح پر مل جاتا ہے بہر حال تمام روایتوں سے یہ باتفاق ثابت ہوتا ہے کہ قوم ثمود بھی سامی اقوام ہی کی ایک شاخ ہے اور یہی وہ قوم ہے جو عاد اولیٰ (قوم ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی ہلاکت کے بعد حضرت ہود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ بچ گئے تھے، اور یہی نسل عاد ثانیہ کہلائی۔

ثمود کی بستیاں:

اس کے متعلق یہ طے ہے کہ ان کی آبادیاں حجر میں تھیں حجاز اور شام کے درمیان وادی قریٰ تک جو میدان ہے یہ پورا علاقہ ان کا مقام سکونت تھا، آج کل فج الناقہ کے نام سے مشہور ہے ثمود کی بستیوں کے آثار اور کھنڈرات آج تک موجود ہیں اور اس زمانہ میں بعض مصری اہل تحقیق نے ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے، ان کا بیان ہے کہ وہ ایک ایسے مکان میں داخل ہوئے جو شاہی حویلی کہلاتی ہے اس میں متعدد کمرے ہیں اور اس حویلی کے ساتھ ایک بہت بڑا حوض ہے اور یہ پورا مکان پہاڑ کاٹ کر بنایا گیا ہے۔

عرب کا مشہور مورخ مسعودی لکھتا ہے، وَدَ مممهم باقية و آثارهم بادية فى طريق مَنْ وَرَدَ مِنَ الشام، جو شخص شام سے حجاز کو آتا ہے اس کی راہ میں ان کے مٹے ہوئے نشان اور بوسیدہ کھنڈرات پڑتے ہیں۔ (قصص القرآن سیوھاروی)

قوم ثمود نے بھی اپنے پیش رو قوم ہود کے مانند اپنے نبی صالح علیہ السلام کی تکذیب کی اور ان سے مطالبہ کیا کہ ہمارے سامنے اس پہاڑ سے ایک اونٹنی ایسی اور ایسی صفات کی نکلے تو ہم تمہارے اوپر ایمان لا سکتے ہیں، صالح علیہ السلام نے ان کو ڈرایا کہ تمہارا منہ مانگا معجزہ اگر اللہ تعالیٰ نے ظاہر کر دیا اور پھر بھی تم ایمان نہ لائے تو عادۃ اللہ کے مطابق تم پر عذاب آجائیگا اور سب ہلاک کر دیئے جاؤ گے، مگر وہ اپنی ضد سے باز نہ آئے، اللہ تعالیٰ نے ان کا مطلوبہ معجزہ اپنی قدرت کاملہ سے ظاہر فرما دیا، پہاڑ کی چٹان شق ہو کر ان کے بتائے ہوئے اوصاف کے مطابق اونٹنی پہاڑ سے برآمد ہوئی، اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اس اونٹنی کو تکلیف نہ پہنچائیں ورنہ تم پر عذاب نازل ہو جائیگا مگر وہ اس پر بھی قائم نہ رہے اور اونٹنی کو ہلاک کر ڈالا۔

اونٹنی کو ہلاک کرنے کی تفصیل:

حضرت صالح علیہ السلام نے تمام لوگوں کو تنبیہ فرمائی کہ دیکھو یہ اونٹنی تمہاری طلب پر بھیجی گئی ہے خدا کا یہ فیصلہ ہے کہ پانی کی باری مقرر ہو ایک دن اس اونٹنی کا اور ایک دن پوری قوم کے جانوروں کا، قوم نے اگرچہ اس اونٹنی کو حیرت انگیز معجزہ سمجھ کر ایمان قبول نہ کیا مگر اس کو آزار پہنچانے سے باز رہے چنانچہ مقرر کردہ اصول کے مطابق کچھ دنوں تک عمل ہوتا رہا مگر آہستہ آہستہ یہ بات ان کو کھٹکنے لگی اور آپس میں اس کو ہلاک کرنے کے صلاح مشورے ہونے لگے تاکہ اس باری والے قصہ سے نجات ملے، مگر کسی کی ہمت نہیں ہوتی تھی کہ اونٹنی پر ہاتھ ڈالے، مگر ایک حسین و جمیل مالدار عورت نے جس کا نام صدقہ بنت محیا تھا خود کو ایک شخص مصدع کے سامنے اور ایک مالدار عورت عنیزہ نے اپنی خوبصورت لڑکی کو قدار کے سامنے پیش کیا کہ اگر وہ دونوں ناقہ کو ہلاک کر دیں تو تمہاری ملک ہیں تم ان کو بیوی بنا کر عیش کرو آخر قدار بن سالف اور مصدع اس کام کے لئے آمادہ ہو گئے، اور یہ طے کر لیا گیا کہ وہ راستہ میں چھپ کر بیٹھ جائیں گے اور ناقہ جب چراگاہ جانے لگے گی تو اس پر حملہ کر دیں گے اور دیگر چند آدمیوں نے بھی مدد کا وعدہ کیا۔

غرضیکہ ناقہ کو قتل کر ڈالا، اور آپس میں حلف کیا کہ رات ہونے پر صالح اور ان کے اہل وعیال کو بھی قتل کر دیں گے اور ان کے اولیاء کو قسمیں کھا کر یقین دلا دیں گے کہ یہ کام ہمارا نہیں ہے۔

اونٹنی کا بچہ یہ صورت حال دیکھ کر بھاگ کر پہاڑ پر چڑھ گیا اور چیختا چلاتا پہاڑ میں غائب ہوگیا، صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جب اس کی اطلاع ہوئی تو حسرت وافسوس کے ساتھ قوم کو مخاطب ہو کر فرمایا آخر وہی ہوا جس کا مجھے اندیشہ تھا اب خدا کے عذاب کا انتظار کرو جو تین دن کے بعد تم کو ہلاک کر دے گا، اور پھر بجلی کی چمک اور کڑک کا عذاب آیا، اور سب کو ہلاک کر دیا اور بعد میں آنے والے انسانوں کو تاریخی عبرت کا سبق دے گیا۔

سید آلوسی اپنی تفسیر روح المعانی میں تحریر فرماتے ہیں کہ ثمود پر عذاب آنے کی علامات اگلی صبح سے شروع ہوگئیں یعنی پہلے روز ان سب کے چہرے اس طرح زرد پڑ گئے جیسے خوف کی ابتدائی حالت میں ہوا کرتا ہے اور دوسرے روز سب کے چہرے سرخ تھے گویا کہ یہ خوف کا دوسرا درجہ تھا، اور تیسرے دن ان سب کے چہرے سیاہ ہو گئے یہ خوف ودہشت کا تیسرا درجہ تھا جس کے بعد موت ہی کا درجہ باقی رہ جاتا ہے۔

ایک طرف ثمود پر یہ عذاب نازل ہوا اور دوسری طرف صالح علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے پیرو کار مسلمانوں کو خدا نے اپنی حفاظت میں لے لیا اور ان کو اس عذاب سے محفوظ رکھا، (حاشیہ، قصص القرآن سیوہاروی) مذکورہ پوری تفصیل سے معلوم ہوتا ہے کہ قوم ثمود سخت آواز کے ذریعہ ہلاک کی گئی تھی لیکن سورۂ اعراف میں ان کے متعلق یہ آیا ہے "فاخذتهم الرجفة" یعنی پکڑ لیا ان کو زلزلہ نے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پر زلزلہ کا عذاب آیا تھا، قرطبی نے کہا کہ اس میں کوئی تضاد نہیں، ہوسکتا ہے کہ پہلے زلزلہ آیا ہو اور پھر سخت آواز کے ذریعہ ہلاک کر دیئے گئے ہوں۔

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا إِبْرٰهِيمَ بِالْبُشْرٰى اى باسحاقَ ويعقوبَ بعده **قَالُوا سَلٰمًا** مصدرٌ **قَالَ سَلٰمٌ** عليكم **فَمَا لَبِثَ أَنْ جَاءَ بِعِجْلٍ حَنِيذٍ** مشوى **فَلَمَّا رَأٰى أَيْدِيَهُمْ لَا تَصِلُ إِلَيْهِ نَكِرَهُمْ** بمعنى انكرہم **وَأَوْجَسَ** اضمرَ في نفسه **مِنْهُمْ خِيفَةً** خوفًا **قَالُوا لَا تَخَفْ إِنَّا أُرْسِلْنَا إِلٰى قَوْمِ لُوطٍ** لنُهلِكَهم **وَامْرَأَتُهُ** اى ابراہيمَ سارة **قَائِمَةٌ** تَخدِمُهم **فَضَحِكَتْ** استبشارًا بهلاكِهم **فَبَشَّرْنٰهَا بِإِسْحٰقَ وَمِنْ وَرَاءِ** بعدِ **إِسْحٰقَ يَعْقُوبَ** ولده تعيشُ الى أن تراه **قَالَتْ يٰوَيْلَتٰى** كلمةٌ تُقالُ عندَ امرٍ عظيمٍ والالفُ مبدَلَةٌ من ياءِ الاضافةِ **ءَأَلِدُ وَأَنَا عَجُوزٌ** لى تسعٌ وتسعونَ سنةً **وَهٰذَا بَعْلِى شَيْخًا** له مائةٌ وعشرونَ سنةً ونصبُه على الحالِ والعاملُ فيه مافِى ذا من الاشارةِ **إِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيبٌ** أن يُولدَ ولدٌ لهرمينِ **قَالُوا أَتَعْجَبِينَ مِنْ أَمْرِ اللّٰهِ** قدرتِه **رَحْمَتُ اللّٰهِ وَبَرَكٰتُهُ عَلَيْكُمْ** يا **أَهْلَ الْبَيْتِ** بيتِ ابراہيمَ **إِنَّهُ حَمِيدٌ** محمودٌ **مَجِيدٌ** كريمٌ **فَلَمَّا ذَهَبَ عَنْ إِبْرٰهِيمَ الرَّوْعُ** الخوفُ **وَجَاءَتْهُ الْبُشْرٰى** بالولدِ اخذَ **يُجٰدِلُنَا** يجادلُ رُسلَنا **فِى** شانِ **قَوْمِ لُوطٍ إِنَّ إِبْرٰهِيمَ لَحَلِيمٌ** كثيرُ الاناةِ **أَوّٰهٌ مُّنِيبٌ** رجّاعٌ فقالَ لهم اتهلكونَ قريةً فيها ثلاثمائةِ مؤمنٍ قالُوا لا، قالَ افتُهلكونَ قريةً فيها مائتا

مؤمنٍ قالُوا لا قالَ افتهلكونَ قريةً فيها اربعونَ مؤمنًا قالُوا لَا، قال افتهلكونَ قريةً فيها اربعة عشرَ مؤمنًا قالوا لا قال افرأيتُم اِنْ كان فيها مؤمنٌ واحدٌ قالوا لَا قالَ اِنَّ فيها لوطًا قالوا نحنُ اعلمُ بمَنْ فيها الخ فلما اطال مُجادلَتهم قالوا **يٰٓاِبْرٰهِيْمُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا** الجدالِ **اِنَّهٗ قَدْ جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ** بهلاكهم **وَاِنَّهُمْ اٰتِيْهِمْ عَذَابٌ غَيْرُ مَرْدُوْدٍ ۝ وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ** حزنَ بسببهم **وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا** صدرًا لانهم حِسانُ الوجوهِ في صورةِ اضيافٍ فخافَ عليهم قومَه **وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ۝** شديدٌ **وَجَآءَهٗ قَوْمُهٗ** لمّا علِمُوا بهم **يُهْرَعُوْنَ** يسرعونَ **اِلَيْهِ ۭ وَمِنْ قَبْلُ** قبل مجيئهم **كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ** هي اتيانُ الرجالِ في الادبارِ قالَ لوطٌ **قَالَ يٰقَوْمِ هٰٓؤُلَاۗءِ بَنَاتِيْ** فتزوّجوهن **هُنَّ اَطْهَرُ لَكُمْ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ** تفضحوني **فِيْ ضَيْفِيْ** اضيافي **اَلَيْسَ مِنْكُمْ رَجُلٌ رَّشِيْدٌ ۝** يامرُ بالمعروفِ وينهىٰ عن المنكرِ **قَالُوْا لَقَدْ عَلِمْتَ مَا لَنَا فِيْ بَنٰتِكَ مِنْ حَقٍّ** حاجةٍ **وَاِنَّكَ لَتَعْلَمُ مَا نُرِيْدُ ۝** مِنْ اتيانِ الرجالِ **قَالَ لَوْ اَنَّ لِيْ بِكُمْ قُوَّةً** طاقةً **اَوْ اٰوِيْٓ اِلٰى رُكْنٍ شَدِيْدٍ ۝** عشيرةٍ تنصرُني لبطشتُ بكم فلما رأت الملئكةُ ذلكَ **قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ** بسوءٍ **فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ** طائفةٍ **مِّنَ الَّيْلِ وَلَا يَلْتَفِتْ مِنْكُمْ اَحَدٌ** لئلا يرَى عظيمَ ما ينزلُ بهم **اِلَّا امْرَاَتَكَ** بالرفعِ بدلٌ من احدٍ وفي قراءةٍ بالنصبِ استثناءٌ من الاهلِ اي فلا تُسربها **اِنَّهٗ مُصِيْبُهَا مَآ اَصَابَهُمْ** فقيل انه لم يَخرُجْ بها وقيلَ خرجت والتفتتْ فقالتْ وَاقوماه فجاء ها حجرٌ فقتلها وسألهم عن وقتِ هلاكهم فقالُوا **اِنَّ مَوْعِدَهُمُ الصُّبْحُ** فقال أُريدا عجلَ من ذلِكَ قالُوا **اَلَيْسَ الصُّبْحُ بِقَرِيْبٍ ۝ فَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا** باهلاكهم **جَعَلْنَا عَالِيَهَا** اي قُراهم **سَافِلَهَا** بان رفعها جبرئيلُ الى السماءِ واسقطَها مقلوبةً الى الارضِ **وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ** طينٍ طُبخَ بالنارِ **مَّنْضُوْدٍ ۝** متتابعٍ **مُّسَوَّمَةً** مُعلَمةً عليها اسمُ من يُرمى بها **عِنْدَ رَبِّكَ** ظرفٌ لها **وَمَا هِيَ** الحجارةُ اوبلادُهم **مِنَ الظّٰلِمِيْنَ** اي اهلِ مكةَ **بِبَعِيْدٍ ۝**

ترجمہ: ہمارے فرشتے ابراہیم علیہ السلام کے پاس اسحق اور اس کے بعد یعقوب کی خوشخبری لے کر پہنچے، کہا تم پر سلام ہو سلامًا مصدر ہے ابراہیم نے کہا تم پر بھی سلام ہو کچھ (زیادہ) دیر نہیں گذری کہ ابراہیم بھنا ہوا بچھڑا لے آئے مگر جب دیکھا کہ ان کے ہاتھ کھانے کی طرف نہیں بڑھتے تو ان کو اجنبی محسوس کیا نَکِرَ بمعنی اَنکرَ ہے تو ان کی طرف سے اپنے دل میں ابراہیم نے خوف محسوس کیا فرشتوں نے کہا خوف نہ کرو، ہمیں قوم لوط کی طرف بھیجا گیا ہے تاکہ ہم اس کو ہلاک کریں اور ابراہیم کی بیوی سارہ ان کی خدمت میں لگی ہوئی تھی تو وہ قوم کی ہلاکت (اور لوط) کی (نجات کی) بشارت سنکر ہنس پڑیں، تو ہم نے اس کو اسحق اور اس کے بعد اس کے بیٹے یعقوب کی خوشخبری دی اور وہ زندہ رہے گی حتی کہ وہ بھی اس کو دیکھے گی، وہ کہنے لگی ہائے میری کم بختی یہ ایک کلمہ ہے جو امر عظیم کے وقت بولا جاتا ہے اور (وَیْلَتٰی) کا الف یاء اضافت سے بدلا ہوا ہے کیا میرے اولاد

ہوگی؟ حالانکہ میں ۹۹ سال کی بوڑھی پھونس ہوں اور میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں ان کی عمر ۱۲۰ سال ہے (شیخًا) حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا عامل ہٰذا بمعنی اشیرُ ہے، یہ یقیناً بڑی عجیب بات ہے کہ بوڑھے خاوند اور بیوی کے اولاد ہو، فرشتوں نے کہا کیا تو اللہ کی قدرت اور اس کی رحمت اور اپنے اوپر برکتوں سے تعجب کرتی ہے، اے ابراہیم کے گھرانے والو بے شک وہ قابل ستائش کریم ہے جب ابراہیم علیہ السلام کا خوف ختم ہوگیا، اور اس کو جب لڑکے کی خوشخبری پہنچ گئی تو وہ قوم لوط کے معاملہ میں ہم سے (یعنی) ہمارے فرشتوں سے کہنے سننے لگے یقیناً ابراہیم بہت تحمل کرنے والے بہت صبر کرنے والے نرم دل (اللہ کی طرف) جھکنے والے تھے، (ابراہیم علیہ السلام) نے ان سے کہا تم ایسی بستی والوں کو ہلاک کردو گے جس میں تین سو مومن موجود ہیں، فرشتوں نے جواب دیا، نہیں، (پھر) کہا تم ایسی بستی کو ہلاک کردو گے جس میں دوسو مومن موجود ہیں، کہا نہیں، (پھر) کہا کیا تم ایسی بستی کو تباہ کردو گے جس میں چالیس مومن موجود ہیں، جواب دیا نہیں (پھر کہا) کیا تم ایسی بستی کو تباہ کردو گے جس میں چودہ مومن موجود ہیں؟ جواب دیا نہیں، (پھر ابراہیم علیہ السلام) نے کہا کیا تم ایسی بستی کو تباہ کرنا مناسب سمجھو گے جس میں ایک مومن ہو، جواب دیا، نہیں، (پھر) ابراہیم علیہ السلام نے کہا اس بستی میں لوط علیہ السلام ہیں، فرشتوں نے جواب دیا ہمیں خوب معلوم ہے جو اس بستی میں ہے، جب ان کے درمیان کہا سنی طویل ہوگئی تو فرشتوں نے کہا، اے ابراہیم علیہ السلام اس بحث و تکرار کو چھوڑ دو ان کی ہلاکت کے لئے تیرے رب کا حکم آچکا ہے اور ان پر نہ ٹلنے والا عذاب ضرور آنے والا ہے، اور جب ہمارے فرستادے لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو ان کی وجہ سے غمگین ہوئے اور دل ہی دل میں کڑھنے لگے اسلئے کہ وہ خوبصورت مہمانوں کی شکل میں تھے، جس کی وجہ سے ان کے بارے میں اپنی قوم سے اندیشہ کیا، اور کہنے لگے آج کا دن بڑی مصیبت کا دن ہے، جب قوم کو مہمانوں کی آمد کا علم ہوا تو دوڑتے ہوئے لوط علیہ السلام کے پاس آئے اور وہ (ان مہمانوں کی آمد سے) پہلے ہی بدکاریوں میں مبتلا تھے اور وہ (بدکاری) مردوں کے ساتھ ہم جنسی کا فعل تھی، لوط علیہ السلام نے کہا اے میری قوم کے لوگو یہ ہیں میری بیٹیاں ان سے نکاح کرلو یہ تمہارے لئے پاکیزہ تر ہیں اللہ سے ڈرو مجھے میرے مہمانوں کے بارے میں رسوا نہ کرو کیا تم میں ایک بھی بھلا آدمی نہیں؟ جو بھلی بات کا حکم کرے اور بری بات سے روکے انہوں نے جواب دیا کہ تم بخوبی جانتے ہو کہ ہمیں تمہاری بیٹیوں کی کوئی حاجت نہیں ہے اور ہم جو چاہتے ہیں اس سے تم بخوبی واقف ہو یعنی ہم جنسی کا عمل، لوط علیہ السلام نے کہا کاش کہ مجھ میں تمہارا مقابلہ کرنے کی طاقت ہوتی یا میں کسی طاقتور قبیلے کا سہارا پکڑتا جو میری مدد کرتا تو میں تمہارا مقابلہ کرتا، جب فرشتوں نے یہ صورت حال دیکھی تو کہا ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں یہ ایذا رسانی کی نیت سے تیرے پاس ہرگز نہیں پہنچ سکتے، پس تو اپنے گھر والوں کو ساتھ لے کر کچھ رات رہے نکل جا، تم میں سے کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھنا چاہئے تاکہ وہ اس عظیم عذاب کو نہ دیکھے جو ان پر نازل ہونے والا ہے، سوائے تیری بیوی کے رفع کے ساتھ احدٌ سے بدل ہے اور ایک قراءت میں نصب ہے اھل سے استثناء کی وجہ سے یعنی تو اس کو اپنے ساتھ نہ لیجانا اس لئے کہ اسے بھی وہی پہنچنے والا ہے جو ان کو پہنچے گا کہا گیا کہ لوط علیہ السلام اپنی بیوی کو اپنے ہمراہ نہیں لے گئے اور کہا گیا ہے کہ وہ بھی نکلی تھی اور اس نے پیچھے کی

طرف مڑ کر دیکھا اور کہا ہائے میری قوم، چنانچہ ایک پتھر اس کو آکر لگا اور اس کو قتل کر دیا (حضرت) لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرشتوں سے ان کی ہلاکت کا وقت معلوم کیا انہوں نے بتایا کہ ان کی ہلاکت صبح کے وقت ہے لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرض کیا میں اس سے بھی جلدی چاہتا ہوں تو جواب دیا کہ کیا صبح بالکل قریب نہیں ہے جب ان کی ہلاکت کا ہمارا حکم آپہنچا تو ہم نے ان کی بستیوں کو زیر وزبر کر دیا بایں صورت کہ جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان بستیوں کو اوپر کی طرف اٹھایا اور پلٹ کر زمین پر ڈال دیا اور ہم نے ان بستیوں پر آگ میں پکے ہوئے مسلسل کنکر برسائے جو تیرے رب کی طرف سے نشان زدہ تھے یعنی اس پر اس شخص کا نام لکھا ہوا تھا جس کو اس کے ذریعہ ہلاک کیا جاتا تھا عند ربك، مسومة کا ظرف ہے اور وہ پتھریاں ان کی بستیاں ظالموں یعنی اہل مکہ سے دور نہیں تھیں (شام آتے جاتے وہاں سے گذر ہوتا تھا)۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: مصدرٌ اس میں اشارہ ہے کہ سلامًا سلّمنا فعل محذوف کا مصدر ہے اس میں اس اعتراض کا جواب بھی ہو گیا کہ سلامًا، قالوا کا مقولہ ہے حالانکہ مقولہ مفرد نہیں ہوا کرتا، اس اضافہ سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلاماً مفرد نہیں ہے بلکہ سلّمنا سے مل کر جملہ ہے۔

قولہ: علیکم، مفسر علام نے علیکم محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ سلامٌ مبتداء ہے اور علیکم اس کی خبر محذوف ہے۔

سوال: سلامٌ نکرہ ہے اور نکرہ کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ سلامٌ میں تنوین تعظیم کی ہے اي سلامٌ عظیمٌ لہٰذا سلام کا مبتداء واقع ہونا درست ہو گیا یہ شرٌّ اَهرَّ ذاناب کے قبیل سے ہے نیز یہاں بھی مقولہ کے مفرد ہونے کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قولہ: بشریٰ خوش کن خبر، خوش کن خبر کا اثر چونکہ چہرۂ بشر پر ہوتا ہے اسلئے اس کو بشری کہتے ہیں، بشری سے یہاں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اسحق اور ابن اسحق یعنی یعقوب کی خوش خبری مراد ہے جس کو آئندہ "فبشرنٰها باسحق الخ" سے بیان کیا ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ بشری سے عام خوشخبری مراد ہو تو اس میں حضرت لوط وغیرہ کی نجات اور اس کی بدکار قوم کی ہلاکت کی خوشخبری بھی شامل ہوگی، مفسر علام نے یہی آخری معنی مراد لئے ہیں۔

سوال: حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب میں جملہ اسمیہ استعمال کیا اور فرشتوں نے جملہ فعلیہ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ سلام کے جواب کو سلام سے بہتر ہونا چاہئے اسلئے کہ شریعت کا یہی اصول ہے جواب سلام سلام سے جب ہی احسن ہوگا کہ جب جواب میں جملہ اسمیہ استعمال کیا جائے جملہ اسمیہ جملہ فعلیہ سے احسن ہوتا ہے اسلئے کہ جملہ اسمیہ دوام اور ثبات پر دلالت کرتا ہے۔

قولہ: اَنکرَهم، نکرَهم کی تفسیر اَنکرهم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ لازم بمعنی متعدی ہے۔

قَوْلُهٗ: یاوَیْلَتَا، اصل میں یا ویلتی تھایاء اضافت کو الف سے بدل دیا۔

قَوْلُهٗ: رحمة اللّٰه الخ یہ کلام مستانف ہے اور انکار تعجب کی علت ہے، یعنی تو اس سے تعجب نہ کر اسلئے کہ یہ تمہارے اوپر اللہ کی رحمت اور برکت ہے۔

قَوْلُهٗ: اَخَذَ یُجَادِلُنَا، یہ اس سوال مقدر کا جواب ہے کہ لَمَّا، کا جواب ماضی ہوتا ہے نہ کہ مضارع اور یہاں لَمَّا کا جواب یُجادلنا مضارع واقع ہو رہا ہے جواب یہ ہے کہ یہاں اَخَذَ ماضی محذوف ہے اور وہی لَمَّا کا جواب ہے، اگرچہ ماضی مجازاً بھی لَمَّا کا جواب واقع ہوسکتا ہے بایں طور کہ مضارع پر لَمْ یا لَمَّا داخل ہو جائے مگر بہتر یہی ہے کہ حقیقةً ماضی جواب واقع ہو۔

قَوْلُهٗ: شانِ چونکہ لفظ قوم میں ظرف بننے کی صلاحیت نہیں ہے اسلئے لفظ شان محذوف مان لیا تاکہ، فی کا ظرف بنا صحیح ہو جائے۔

قَوْلُهٗ: لَبطشتُ بکم اس میں اشارہ ہے کہ لَوْ کا جواب محذوف ہے۔

قَوْلُهٗ: بالرفع بدل الخ اس لئے کہ استثناء کلام غیر موجب میں بدل مختار ہوتا ہے۔

قَوْلُهٗ: استثناء من الاهل یعنی اِلّا امراتك، مِنَ الاهل سے استثناء ہے نہ کہ احدٌ سے اس لئے کہ اَحَدٌ سے استثناء قرار دینے میں امراۃ کو التفات کا حکم دینا لازم آئے گا حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

فَائِدَۃ: اِلّا امراتكَ، نصب کے ساتھ یہ جمہور کی قراءت ہے اور ابو عمرو اور ابن کثیر کے نزدیک احدٌ سے بدل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، پہلی قراءت کی صورت میں اِمْراته، فاسرِ باهلك، سے مستثنیٰ ہوگا، ای اسرِ باهلك جميعًا الَّا امراتك فلا تُسربها، رفع کی قراءت کا ایک جماعت نے انکار کیا ہے، ان میں ابو عبید بھی شامل ہیں۔

(فتح القدیر شوکانی)

تفسیر و تشریح

وَلَقَدْ جَاءَتْ رُسُلُنَا اِبراهيمَ بالبشرىٰ، یہ دراصل حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے قصے کا ایک حصہ ہے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے برادر زادہ یعنی اپنے بھائی ہاران کے بیٹے ہیں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بچپن حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زیر سایہ گذرا تھا اور ان کی تربیت حضرت ابراہیم کی آغوش میں ہوئی تھی اسی لئے انہوں نے اور حضرت سارہ نے سب سے پہلے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت کی تصدیق کی یہ دونوں حضرات ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ہجرتوں میں بھی ہمیشہ ساتھ رہے، مصر کے سفر میں بھی یہ دونوں حضرات ساتھ تھے۔

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بستی بحیرۂ میت (SeaDead) کے جنوب مشرق میں واقع تھی جبکہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام فلسطین میں مقیم تھے، جب حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کی ہلاکت کا فیصلہ کرلیا گیا تو ان کی طرف فرشتے بھیجے

گئے، یہ فرشتے حضرت لوط علیہ السلام کی طرف جاتے ہوئے راستہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس ٹھہرے اور انھیں بیٹے کے بشارت دی۔

قالوا سلامًا قال سلامٌ الخ، ای سلّمنا علَیْكَ سَلامًا، یعنی ہم آپ کو سلام کرتے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بہتر طریقہ سے ان کے سلام کا جواب دیا، حضرت ابراہیم علیہ السلام اول وہلے میں یہ نہ سمجھ پائے کہ یہ فرشتے ہیں اور انسانی شکل میں آئے ہیں، حضرت ابراہیم علیہ السلام چونکہ بڑے مہمان نواز تھے اس لئے فوراً ہی ان کے کھانے کا انتظام کیا اور بچھڑے کا بھنا ہوا گوشت لیکر حاضر ہو گئے مگر کھانا سامنے ہونے کے باوجود انہوں نے کھانے کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا ابراہیم کو اس سے اندیشہ ہوا کہ یہ مہمان نہیں معلوم ہوتے ممکن ہے کہ کسی غلط ارادہ سے آئے ہوں فرشتے اس اندیشے کو سمجھ گئے اور یہ کہتے ہوئے کہ ہم انسان نہیں فرشتے ہیں اندیشہ کو دور کر دیا ہم آپ کو فرزند کی بشارت دینے کے علاوہ ایک اور کام کیلئے بھیجے گئے ہیں، کہ قوم لوط پر عذاب نازل کر دیں حضرت سارہ یہ ساری گفتگو سن رہی تھیں، حضرت سارہ اولاد کی خوشخبری سنکر ہنس پڑیں اور کہنے لگیں کہ کیا مجھ بڑھیا کے اولاد ہوگی اور یہ میرے شوہر بھی بوڑھے ہیں فرشتوں نے جواب دیا اللہ کی قدرت میں سب کچھ ہے تم اس سے تعجب نہ کرو آپ لوگوں کے اوپر اللہ تعالیٰ کا خصوصی فضل ہے۔

ان فرشتوں کی تعداد کیا تھی اس میں اقوال مختلف ہیں حضرت عبداللہ بن عباس کا قول ہے کہ تین فرشتے تھے بعض مفسرین کا خیال ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پہلے ہی معلوم ہو گیا تھا کہ یہ فرشتے ہیں اگر اس خیال کو درست مان لیا جائے تو یہاں یہ سوال پیدا ہوگا کہ پھر ان کے سامنے کھانا کیوں لائے جبکہ یہ بات معلوم ہے کہ فرشتے کھانا نہیں کھاتے۔

حضرت سارہ علیہا السلام کولڑکے کی خوشخبری:

فرشتوں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بجائے حضرت سارہ کو لڑکے کی خوشخبری سنائی، اس کی وجہ یہ تھی کہ حضرت سارہ ہی اولاد کی زیادہ متمنی اور خواہشمند تھیں اسلئے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہاں تو حضرت ہاجرہ کے بطن سے پہلے ہی سیدنا اسماعیل علیہ السلام پیدا ہو چکے تھے حضرت سارہ بے اولاد تھیں ان کو خوش کرنے کے لئے فرشتوں نے حضرت سارہ کو خوشخبری سنائی اور خوشخبری صرف بیٹے اسحٰق ہی کی نہیں سنائی بلکہ ساتھ ہی پوتے یعقوب کی بھی خوشخبری سنائی جس وقت یہ خوشخبری سنائی اس وقت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر تیرہ سال تھی اور اس خوشخبری کے ایک سال بعد حضرت سارہ کے یہاں حضرت اسحٰق پیدا ہوئے۔

حضرت سارہ علیہا السلام کیوں ہنسیں:

بعض حضرات کہتے ہیں کہ قوم لوط کی فساد انگیزیوں اور بدکاریوں سے وہ بھی واقف تھیں ان کی ہلاکت کی خبر سنکر ان کو بھی مسرت ہوئی، بعض کہتے ہیں کہ اس میں تقدیم وتاخیر ہے اور ہنسنے کا تعلق اسی اولاد کی بشارت سے ہے جو فرشتوں نے

اس بوڑھے جوڑے کو دی۔

اہل بیت میں بیوی بھی شامل ہے:

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہ کو فرشتوں نے اہل بیت میں شمار کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اہل بیت کی اولین مصداق اہلیہ ہوتی ہے لہٰذا اس سے اہل تشیع کے اس عقیدہ کی تردید ہوتی ہے کہ اہل بیت میں ازواج داخل نہیں، اہل تشیع اپنے دعوے پر لفظ **علیکم** سے استدلال کرتے ہیں کہ **علیکم** جمع مذکر کا صیغہ ہے جس میں مؤنث داخل نہیں حالانکہ سورۂ احزاب آیت ۳۳ میں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کو بھی اہل بیت کہا گیا ہے اور انھیں بھی **علیکم** کے لفظ سے خطاب کیا ہے اور لفظ کی رعایت سے **علیکم** کہا گیا ہے۔

یجادلنا فی قوم لوط یہاں مجادلہ سے وہ کہا سنی مراد ہے جو قوم لوط کے بارے میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام اور فرشتوں کے درمیان ہوئی تھی، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرشتوں سے کہا جس بستی کو تم ہلاک کرنے جارہے ہو اس میں لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اور دیگر مومنین موجود ہیں ان کا کیا ہوگا؟ فرشتوں نے جواب دیا کہ یہ بات ہمیں معلوم ہے لیکن ہم ان کو اور ان کے گھر والوں کو سوائے ان کی بیوی کے بچالیں گے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کا بیان تو حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصہ کے لئے بطور تمہید کے ہے۔

وَلَمَّا جاءت رُسُلنا لوطاً سِیْٓءَ بهم الخ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس سخت پریشانی کی وجہ یہ لکھی ہے کہ یہ فرشتے جو مہمانوں کی شکل میں آئے تھے، نوعمر، بے ریش، نہایت خوبرو تھے، جس سے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم کی عادت خبیثہ کے پیش نظر سخت خطرہ محسوس کیا کیونکہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ابھی تک پتہ نہیں تھا کہ یہ نووارد مہمان فرشتے ہیں اور اسی قوم کو ہلاک کرنے کیلئے آئے ہیں۔

اِدھر یہ ہوا کہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیوی جو کافرہ تھی اس نے قوم کے اوباشوں کو اپنے یہاں خوبرو مہمانوں کی آمد کی اطلاع کردی چنانچہ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اندیشہ سامنے آگیا اور قوم کے لوگ حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مکان پر چڑھ آئے، لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قوم کے لوگ اغلام بازی کی مخصوص شناعت کے علاوہ اور بھی بہت سی بری عادتوں میں مبتلا تھے، اور اجنبیوں اور پردیسیوں کے ساتھ تو ان کی بدسلوکی خاص طور پر بڑھی ہوئی تھی۔

قال یٰقوم هٰؤلاءِ بناتی الخ بناتی کی تشریح اور مراد کی تعیین میں مفسرین کی کافی بحث ہوئی ہے آیا اس سے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی صلبی بیٹیاں مراد ہیں یا امت کی عورتیں، ایک فریق نے صلبی بیٹیاں مراد لی ہیں یعنی حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مہمانوں کی عزت و آبرو کا دفاع کرنے کیلئے اپنی بیٹیاں قوم کے سامنے پیش کردیں کہ تم میری ان بیٹیوں سے نکاح کرلو مگر مجھے اور میرے مہمانوں کو رسوا نہ کرو مگر قوم نے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک نہ سنی اور کہہ دیا کہ تم کو معلوم ہے کہ ہم کس چیز کے خواہشمند ہیں لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شریعت میں مومنہ کا نکاح کافر سے جائز تھا اسلام کے ابتدائی زمانہ تک یہی حکم تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے

اپنی دو صاحبزادیوں کے نکاح کافروں سے کئے تھے ایک کا عتبہ بن ابی لہب سے اور دوسری کا ابوالعاص بن ربیع سے حالانکہ یہ دونوں کافر تھے، بعد میں کافر کے ساتھ مومنہ کے نکاح کی حرمت نازل ہوئی۔

بعض مفسرین نے کہا ہے کہ یہاں بنات سے قوم کی عورتیں مراد ہیں اسلئے کہ نبی قوم کے لئے بمنزلہ باپ کے ہوتا ہے اور امت بمنزلہ اولاد کے قرین قیاس بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ بنات سے صلبی بیٹیاں مراد نہیں ہوسکتیں اسلئے کہ حضرت لوط علیہ السلام کی کل دو یا تین بیٹیاں تھیں اور گھر پر چڑھ آنیوالا ایک کثیر مجمع تھا، دو یا تین لڑکیوں سے دو یا تین آدمیوں کا نکاح ہوسکتا تھا باقی لوگوں کا کیا ہوتا؟ بعض حضرات نے یہ تاویل کی ہے کہ ان کے دو سردار تھے ان کے لئے حضرت لوط علیہ السلام نے نکاح کی پیش کش کی تھی تاکہ وہ اپنی قوم کو مہمانوں کے ساتھ بدسلوکی کرنے سے روکیں مگر یہ تاویل دل کو نہیں لگتی اس لئے کہ مزاج پوری قوم کا فاسد ہو چکا تھا وہ اس فعل شنیع سے باز آنیوالے نہیں تھے اور نہ اس میں کسی قسم کی قباحت محسوس کرتے تھے چنانچہ مندرجہ ذیل مفسرین نے امت کی عورتیں ہی مراد ہیں۔

المرا دنساء امتہٖ (کبیر عن مجاہد وسعید بن جبیر) وھذا القول عندی ھو المختار (کبیر) اخرج ابوالشیخ عن ابن عباس۔

قولہٗ "ھٰؤلاء بناتی قال ما عَرَضَ لوطٌ بناتَہٗ علی قومِہٖ لاسفاحًا وَلا نکاحًا، انما قال ھٰؤلاءِ نسائکم، واَخرجَ ابن جریر وابن ابی حاتم عن سعید بن جبیر نحوہ، واخرج ابن ابی الدنیا وابن عساکر عن السّدی نحوہ. (فتح القدیر شوکانی)

جب حضرت لوط علیہ السلام اپنی قوم سے ہر طرح عاجز ہو گئے اور قوم نے ان کی ایک نہ سنی تو حضرت لوط علیہ السلام کی زبان پر یہ کلمات آگئے "لَوْ اَنَّ لی بکم قوۃ اَوْ آوی الی رکن شدید" یعنی کاش مجھ میں اتنی قوت ہوتی کہ میں اس پوری قوم کا خود مقابلہ کرسکتا یا پھر میرا کوئی جتھا ہوتا تو مجھے ان ظالموں کے ہاتھوں سے نجات دلاتا فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کا اضطراب دیکھ کر بات کھول دی اور کہا گھبرائیے نہیں آپ کی جماعت بڑی قوی اور مضبوط ہے، ہم اللہ کے فرشتے ہیں ان کے قابو میں آنے والے نہیں ان پر عذاب واقع کرنے کے لئے آئے ہیں۔

اس موقع پر تورات کی عبارت:

''شہر کے مردوں یعنی سدوم کے مردوں نے جوان سے لے کر بوڑھوں تک سب لوگوں نے ہر طرف سے اس گھر کو گھیر لیا ورانہوں نے لوط کو پکار کر اس سے کہا وہ مرد جو آج کی رات تیرے یہاں آئے ہیں کہاں ہیں؟ انھیں ہمارے پاس باہر لا تاکہ ہم ان سے صحبت کریں تب لوط دروازہ سے ان کے پاس باہر گیا اور کواڑ اپنے پیچھے بند کیا اور کہا کہ اے بھائیو ایسا برا کام نہ کیجیو اب دیکھو میری دو بیٹیاں ہیں جو مرد سے واقف نہیں مرضی ہو تو ان کو تمہارے پاس نکال لاؤں، اور جو تمہاری نظر میں

پسند ہوا ان سے نکاح کرلو مگر ان مردوں سے کچھ کام نہ رکھو کیونکہ وہ اسی واسطے میری چھت کے سایہ میں آئے ہیں''۔

(پیدائش ۱۹:۴-۸)

قوم لوط کا مسکن:

شہر سدوم اور عمورہ بحر مردار کے ساحل پر واقع تھے اور قریش مکہ اپنے شام کے سفر میں برابر اسی راستہ سے آتے جاتے تھے ان آبادیوں کی ہلاکت کا زمانہ جدید تحقیق کے مطابق ۲۰۶۱ ق م ہے۔ (ماجدی)

وَ ارسلنا اِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وحِّدُوه مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ وَلَا تَنْقُصُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اِنِّيْ اَرٰىكُمْ بِخَيْرٍ نعمةٍ تُغنيكم عن التطفيف وَاِنِّيْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ ان لم تؤمنوا عَذَابَ يَوْمٍ مُّحِيْطٍ﴿۸۴﴾ بكم يُهلككم ووصفُ اليومِ مجازٌ لوقوعه فيه وَيٰقَوْمِ اَوْفُوا الْمِكْيَالَ وَالْمِيْزَانَ اَتِمُّوْهما بِالْقِسْطِ بالعدلِ وَلَا تَبْخَسُوا النَّاسَ اَشْيَاءَهُمْ لا تنقُصهم من حقِهم شيئًا وَلَا تَعْثَوْا فِي الْاَرْضِ مُفْسِدِيْنَ﴿۸۵﴾ بالقتلِ وغيرِه من عثى بكسرِ المُثلَّثةِ افسدَ ومُفسدينَ حالٌ مُؤَكِّدةٌ لمعنى عاملها تَعْثَوْا بَقِيَّتُ اللّٰهِ رزقه الباقِي لكم بعدَ ايفاءِ الكيل والوزنِ خَيْرٌ لَّكُمْ من البخسِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ﴿۸۶﴾ رقيبٍ أجازيكُمْ باعمالِكم أنَّما بُعِثتُ نذيرًا قَالُوْا له استهزاءً يٰشُعَيْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ بتكليفِنا اَنْ نَّتْرُكَ مَا يَعْبُدُ اٰبَاؤُنَآ من الاصنامِ اَوْ نتركَ اَنْ نَّفْعَلَ فِيْٓ اَمْوَالِنَا مَا نَشٰٓؤُا المعنى هذا امرٌ باطلٌ لا يَدْعُو اليه دَاعِي خيرٍ اِنَّكَ لَاَنْتَ الْحَلِيْمُ الرَّشِيْدُ﴿۸۷﴾ قالُوا ذلكَ استهزاءً قَالَ يٰقَوْمِ اَرَءَيْتُمْ اِنْ كُنْتُ عَلٰى بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَرَزَقَنِيْ مِنْهُ رِزْقًا حَسَنًا حلالاً أفَاشُوبُه بالحرامِ من البخسِ والتطفيفِ وَمَآ اُرِيْدُ اَنْ اُخَالِفَكُمْ واذهب اِلٰى مَآ اَنْهٰىكُمْ عَنْهُ فارتكبه اِنْ ما اُرِيْدُ اِلَّا الْاِصْلَاحَ لكم بالعدلِ مَا اسْتَطَعْتُ وَمَا تَوْفِيْقِيْٓ قدرتي على ذلك وغيره من الطاعاتِ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ﴿۸۸﴾ أرجعُ وَيٰقَوْمِ لَا يَجْرِمَنَّكُمْ يكسِبَنَّكم شِقَاقِيْٓ خلافي فاعلُ يجرمُ والضميرُ مفعولٌ أوّلٌ والثاني اَنْ يُّصِيْبَكُمْ مِّثْلُ مَآ اَصَابَ قَوْمَ نُوْحٍ اَوْ قَوْمَ هُوْدٍ اَوْ قَوْمَ صٰلِحٍ من العذاب وَمَا قَوْمُ لُوْطٍ اي منازِلُهم اوز منُ هلاكِهم مِّنْكُمْ بِبَعِيْدٍ﴿۸۹﴾ فاعتبرُوا وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ اِنَّ رَبِّيْ رَحِيْمٌ بالمؤمنينَ وَّدُوْدٌ﴿۹۰﴾ محبٌ لهم قَالُوْا ايذانًا بقلةِ المبالاةِ يٰشُعَيْبُ مَا نَفْقَهُ نفهمُ كَثِيْرًا مِّمَّا تَقُوْلُ وَاِنَّا لَنَرٰىكَ فِيْنَا ضَعِيْفًا ذليلاً وَلَوْلَا رَهْطُكَ عشيرتُك لَرَجَمْنٰكَ بالحجارةِ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْنَا بِعَزِيْزٍ﴿۹۱﴾ كريمٍ عن الرحمِ وانما رهطُك هم الاعزةُ قَالَ يٰقَوْمِ اَرَهْطِيْٓ اَعَزُّ عَلَيْكُمْ مِّنَ اللّٰهِ فتتركونَ قتلِي لاجلهم ولا تحفظوني للّهِ

وَاتَّخَذْتُمُوْهُ ای اللہ وَرَآءَكُمْ ظِهْرِيًّا منبوذًا خلف ظهوركم لا تراقبونه اِنَّ رَبِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ علمًا فيجازيكم وَيٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ حالتكم اِنِّيْ عَامِلٌ على حالتي سَوْفَ تَعْلَمُوْنَ مَنْ موصولة مفعول العلم يَّاْتِيْهِ عَذَابٌ يُّخْزِيْهِ وَمَنْ هُوَ كَاذِبٌ وَارْتَقِبُوْٓا انتظروا عاقبة امركم اِنِّيْ مَعَكُمْ رَقِيْبٌ منتظر وَلَمَّا جَآءَ اَمْرُنَا باهلاكهم نَجَّيْنَا شُعَيْبًا وَّالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ بِرَحْمَةٍ مِّنَّا وَاَخَذَتِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوا الصَّيْحَةُ صاح بهم جبريل فَاَصْبَحُوْا فِيْ دِيَارِهِمْ جٰثِمِيْنَ باركين على الركب ميتين كَاَنْ مخففة اى كأنهم لَّمْ يَغْنَوْا يقيموا فِيْهَا ۭ اَلَا بُعْدًا لِّمَدْيَنَ كَمَا بَعِدَتْ ثَمُوْدُ

ترجمہ: اور ہم نے اہل مدین کی جانب ان کے بھائی شعیب کو بھیجا انہوں نے کہا میرے برادران قوم اللہ کی بندگی کرو یعنی اس کو ایک سمجھو، اس کے علاوہ تمہارا کوئی معبود نہیں، اور ناپ تول میں کمی نہ کیا کرو، میں تم کو خوش حالی میں دیکھ رہا ہوں جس کی وجہ سے تم کم تولنے اور کم ناپنے سے مستغنی ہو، اگر تم ایمان نہ لائے تو مجھے تمہارے بارے میں تم کو گھیرنے والے دن کے عذاب کا اندیشہ ہے جو تم کو ہلاک کر دے گا، اور یوم کی صفت محیط مجاز ہے عذاب کے اس میں واقع ہونے کی وجہ سے، اور اے میرے برادران قوم تم انصاف کے ساتھ پورا پورا ناپو اور تولو اور لوگوں کو ان کی چیزوں میں نقصان نہ پہنچاؤ، (یعنی) ان کے حق میں کچھ بھی کمی نہ کرو، اور قتل وغیرہ کے ذریعہ ملک میں فساد پھیلاتے مت پھرو، (تَعْثَوْا) عَثِیَ، ثاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، بمعنی اَفْسَدَ، اور مفسدین اپنے عامل تَعْثَوْا کے معنی سے حال مؤکدہ ہے، پورا تولنے اور ناپنے کے بعد اللہ کا دیا ہوا جو تمہارے پاس بچ جائے وہ کم دینے سے بہت بہتر ہے اگر تمہیں یقین آوے اور میں تم پر نگہبان نہیں ہوں کہ تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ دوں مجھے تو آگاہ کرنے والا بنا کر بھیجا گیا ہے تو انہوں نے شعیب علیہ السلام سے استہزاء کے طور پر کہا اے شعیب کیا تیری نماز تجھ کو اس بات کا حکم کرتی ہے کہ تو ہم کو اس بات کا مکلف بنائے کہ ہم ان بتوں کو چھوڑ دیں جن کی ہمارے آباؤ اجداد بندگی کرتے چلے آئے ہیں یا یہ کہ ہم اپنے مالوں میں اپنی منشا کے مطابق تصرف کرنا چھوڑ دیں، مطلب یہ کہ یہ غلط بات ہے کوئی خیر کی دعوت دینے والا اس کی دعوت نہیں دے سکتا، واقعی تم بڑے عقلمند دین پر چلنے والے ہو، انہوں نے یہ بات تمسخر کے طور پر کہی، شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اے میری قوم کے لوگو! دیکھو تو اگر میں اپنے رب کی طرف سے روشن دلیل لئے ہوئے ہوں اور اس نے مجھے اپنے پاس سے بہترین حلال روزی دے رکھی ہے کیا میں اس میں حرام کی جو کہ وہ نجس اور کم ناپ تول ہے آمیزش کر دوں اور میرا یہ ارادہ بالکل نہیں کہ تمہاری مخالفت کروں اور میں جس چیز سے تمہیں منع کرتا ہوں اس کی مخالفت کر کے اسی کی طرف چلا جاؤں یعنی خود اس کا ارتکاب کر لوں اور میرا ارادہ تو اپنی طاقت بھر انصاف کے ساتھ تمہاری اصلاح کرنے ہی کا ہے اور میری توفیق یعنی میری قدرت اس پر اور اس کے علاوہ پر اللہ ہی کی مدد سے ہے اور اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف رجوع کرتا ہوں اور اے میری قوم کے لوگو کہیں ایسا نہ ہو کہ میری مخالفت تم کو مجرم بنا دے (شقاقی) یَجْرِمُ کا فاعل ہے اور کُمْ ضمیر مفعول

اول ہے اور دوسرا مفعول اَنْ یُصیبَکم الخ ہے، اور تم کو ویسا ہی عذاب پہنچ جائے جیسا قوم نوح یا قوم ہود یا قوم صالح کو پہنچا تھا، اور قوم لوط یعنی اس کے مکانات یا ان کی ہلاکت کا زمانہ تم سے دور نہیں ہے، لہٰذا عبرت حاصل کرو اور اپنے رب سے معافی مانگو پھر اس کی طرف رجوع کرو، یقین مانو میرا رب مومنین پر بڑا مہربان اور ان سے بہت محبت کرنے والا ہے یہ توجہی کو ظاہر کرنے کے لئے ان لوگوں نے کہا اے شعیب تیری اکثر باتیں تو ہماری سمجھ ہی میں نہیں آتیں، اور ہم تو تجھ کو اپنے اندر کمزور ذلیل پاتے ہیں، اگر تیرے قبیلہ کا خیال نہ ہوتا تو یقیناً ہم تجھے سنگسار کر دیتے اور تجھ کو سنگسار کر دینا ہمارے لئے کوئی مشکل کام نہیں تھا ابتہ تیرا قبیلہ عزت دار ہے، شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا اے میری قوم کے لوگو کیا میرا قبیلہ تمہارے نزدیک اللہ سے بھی زیادہ ذی عزت ہے؟ کہ جن کی وجہ سے تم میرے قتل سے باز رہتے ہو، اور اللہ کے لئے میری حفاظت نہیں کرتے ہو اور تم نے اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے یعنی تم نے اس کو پس پشت ڈالا ہوا سمجھ لیا ہے جس کی وجہ سے تم اس کی نگہداشت نہیں کرتے ہو بلاشبہ میرا رب تمہارا علمی احاطہ کئے ہوئے ہے لہٰذا وہ تم کو جزاء دے گا، اور اے میری قوم کے لوگو تم اپنے طریق پر عمل کئے جاؤ اور میں اپنے طور پر عمل کر رہا ہوں تمہیں عنقریب معلوم ہو جائیگا کہ مَنْ موصولہ تعلمون کا مفعول ہے کون ہے وہ کہ جس کے پاس رسوا کن عذاب آئیگا؟ اور جھوٹا کون ہے؟ اور تم اپنے معاملہ کے انجام کا انتظار کرو میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں، اور جب ان کو ہلاک کرنے کا ہمارا حکم آ گیا تو ہم نے شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اور ان لوگوں کو جو اس کے ساتھ ایمان لائے اپنی رحمت سے بچا لیا اور ظالموں کو ایک چیخ نے جس کو جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مارا تھا پکڑ لیا تو وہ اپنے گھروں میں گھٹنوں کے بل مردہ ہو کر پڑے رہ گئے (کَاَنْ) مخففہ ہے یعنی اصل میں کَاَنَّھُمْ تھا گویا کہ وہ ان گھروں میں کبھی رہتے ہی نہ تھے، خوب سن لو (اہل) مدین کو (رحمت سے) دوری ہوئی جیسی دوری ثمود کو ہوئی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَهُ: مَدْیَنَ، ای اھلَ مدینَ، شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اسی قوم کے ایک فرد تھے جو ان کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، مدین حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ایک بیٹے کا نام ہے جو ہاجرہ اور سارہ کے علاوہ ایک تیسری بیوی قطورا کے بطن سے تھے ان ہی کے نام پر ایک شہر کا نام مدین رکھا گیا، اس کا محل وقوع عقبہ سے شرقی جانب تھا آج کل اس کو ''معان'' کہتے ہیں یہ لوگ تجارت پیشہ تھے مصر فلسطین اور لبنان سے تجارت کرتے تھے۔

قِوْلَهُ: وصف الیوم بہ مجازٌ لوقوعہ فیہ، یہ عبارت اس سوال کا جواب ہے کہ محیط، عذاب کی صفت ہے نہ کہ یوم کی حالانکہ محیط کی اضافت یوم کی جانب ہے۔ جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس میں مجاز ہے چونکہ عذاب یوم میں واقع ہوگا اور یوم عذاب کا ظرف ہوگا اسی مناسبت کی وجہ سے مظروف کی اضافت ظرف کی جانب کر دی ہے۔

قَوْلُہٗ: حال مؤکدۃ، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ تَعْثَوْا کے معنی فساد کے ہیں اور مفسدین کے معنی بھی فساد کے ہیں لہٰذا اس میں تکرار ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ تکرار نہیں بلکہ باعتبار معنی کے تاکید ہے۔

قَوْلُہٗ: لا تَعْثَوْا عِثِیٌّ اور عُثِیٌّ سے نہی جمع مذکر حاضر، تم فساد برپا نہ کرو۔

قَوْلُہٗ: لمعنی عاملِها، یعنی مفسدین اپنے عامل لا تَعْثَوا کے معنی سے حال ہے اور معنی فساد ہیں۔

قَوْلُہٗ: بَقِیَّتُ اللّٰہِ لمبی تاء (تاء مطولہ) کے ساتھ اور ابوعمرو، کسائی اور باقیوں نے تاء مدورہ کے ساتھ پڑھا ہے، بَقِیّة بچی ہوئی چیز، فعیلة کے وزن پر صفت مشبہ کا صیغہ ہے یعنی پورا تولنے اور حقوق ادا کرنے کے بعد جو بچے وہ تمہارے لئے اس سے بدرجہا بہتر ہے جو تم کم ناپ تول کر لوگوں کے حقوق مار کر بچا کر اور جمع کرتے ہو، بقیت کی اضافت اللہ کی طرف اس لئے ہے کہ اس ہی نے رزق عطاء کیا ہے یہاں طاعت اور اعمال صالحہ کے معنی میں نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: بتکلیفنا ای بتکلیفك ایّانا، بتکلیفنا مقدر مان کر مفسر علام نے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سُؤَال: یہ ہے کہ ترک، کفار کا فعل ہے اور مامور اَصَـلٰوتك تـامـرك میں شعیب علیہ السلام ہیں ترک کا ترجمہ یہ ہوگا اے شعیب کیا تیری نماز تجھ کو یہ حکم کرتی ہے کہ ہم بتوں کی بندگی ترک کر دیں، اور یہ ممکن نہیں ہے کہ ترك کا حکم تو شعیب علیہ السلام کو ہو اور عمل اس پر کافر کریں۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ یہاں مضاف محذوف ہے اور وہ بتکلیفنا ہے، اب ترجمہ یہ ہوگا کہ اے شعیب کیا تیری نماز تجھ کو اس بات کا حکم کرتی ہے کہ تو ہم کو بتوں کی بندگی کو ترک کا مکلف بنائے۔

قَوْلُہٗ: نَتْرك، اس سے اشارہ کر دیا کہ اَنْ نفعل کا بتاویل مصدر ہو کر مَا پر عطف ہے۔

قَوْلُہٗ: افَاَشوبه اس کے حذف میں اشارہ ہے اِنْ شرطیہ کا جواب محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: وَاَذْهَبَ.

سُؤَال: اَذْهَبَ مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَاب: اس لئے کہ یہاں اُخالِفَ کا صلہ اِلٰی لایا گیا ہے حالانکہ اخالف کا صلہ الٰی نہیں آتا بلکہ عن آتا ہے اذهب محذوف مان کر بتادیا کہ اخالف اَذْهَبَ کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا الی صلہ لانا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: ظِهرِیًّا پس پشت ڈالا ہوا، الظهری ظَهْر کی جانب منسوب ہے، عرب کی یہ عادت ہے کہ کسی چیز کی طرف نسبت کرتے ہوئے تلفظ میں تغیر کر لیتے ہیں مگر اس پر دوسرے لفظ کو قیاس نہیں کیا جا سکتا اس لئے کہ یہ تغیر کسی قاعدہ کے مطابق نہیں ہوتا بلکہ غیر قیاسی ہوتا ہے مثلاً بِصری کسرہ کے ساتھ بولتے ہیں حالانکہ قیاس فتحہ کے ساتھ ہے اسی طریقہ پر ظِهریٌّ ہے حالانکہ قیاس ظَهریٌّ فتحہ ظاء کے ساتھ تھا۔

تفسیر و تشریح

حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر قرآن میں:

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاھُمْ شُعَیْبًا، حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم کا تذکرہ اعراف اور ہود اور شعراء میں قدرے تفصیل سے کیا گیا ہے اور حجر و عنکبوت میں اجمالی طور پر، قرآن کریم میں حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر دس جگہ آیا ہے۔

قوم شعیب:

حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت مدین یا مدیان میں ہوئی تھی، مدین کسی مقام کا نام نہیں بلکہ ایک قبیلہ کا نام ہے یہ قبیلہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے مدین کی نسل سے تھا جو ان کی تیسری بیوی قطورا سے پیدا ہوا تھا، اس لئے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ خاندان بنی قطورا کہلایا، مدین اپنے اہل وعیال کے ساتھ علاتی بھائی حضرت اسماعیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قریبی علاقہ حجاز ہی میں آباد ہو گیا تھا یہی خاندان آگے چل کر ایک بڑا قبیلہ بن گیا اور شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی چونکہ اسی نسل اور اسی قبیلہ سے تھے اس لئے ان کی بعثت کے بعد یہ قبیلہ قوم شعیب کہلایا۔

اصحاب مدین یا اصحاب ایکہ:

یہ قبیلہ کس جگہ آباد تھا؟ اس کے متعلق عبدالوہاب نجار لکھتے ہیں کہ یہ حجاز میں شام کے متصل ایسی جگہ آباد تھا کہ جس کا عرض البلد افریقہ کے جنوبی صحراء کے عرض البلد کے مطابق پڑتا ہے اور بعض کا کہنا ہے کہ شام کے متصل معان کے خطۂ زمین پر آباد تھا۔

مفسرین کا اس میں اختلاف ہے کہ مدین اور اصحاب ایکہ دونوں ایک ہی قبیلہ کے نام ہیں یا الگ الگ قبیلہ تھے بعض کا خیال ہے کہ دونوں جدا جدا قبیلہ تھے، مگر راجح یہی ہے کہ دونوں ایک قبیلے کے نام ہیں حافظ عماد الدین ابن کثیر کا خیال ہے کہ یہاں ایکہ نام کا ایک درخت تھا اہل قبیلہ چونکہ اس درخت کی پوجا کرتے تھے لہٰذا اسی نسبت سے مدین کو اصحاب ایکہ کہا گیا، اصحاب الایکہ نسبی نام نہیں بلکہ مذہبی نام ہے، نسبی نسبت سے یہ قبیلہ مدین کہلایا اور مذہبی نسبت سے اَصحاب الایکہ کہلایا، مذکورۃ الصدر آیات میں حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کی قوم کا واقعہ مذکور ہے، ان کی قوم کفر و شرک اور ناپ تول میں کمی کے مرض میں مبتلا تھی، حضرت شعیب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کو توحید کی دعوت دی اور ناپ تول میں کمی کرنے سے منع فرمایا اور اس کے انجام بد سے بھی آگاہ کیا مگر قوم اپنے انکار اور سرکشی پر قائم رہی تو پوری قوم کو ایک سخت عذاب کے ذریعہ ہلاک کر دیا گیا، یہ عذاب سخت زلزلہ اور آگ کی شکل میں نازل ہوا تھا۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾ برهان بين ظاهر اِلٰى فِرْعَوْنَ وَمَلَائِهٖ فَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ فِرْعَوْنَ وَمَآ اَمْرُ فِرْعَوْنَ بِرَشِيْدٍ ﴿۹۷﴾ سديد يَقْدُمُ يتقدم قَوْمَهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فيتّبعونه كما اتّبعوه في الدُّنيا فَاَوْرَدَهُمُ ادخلهم النَّارَ وَبِئْسَ الْوِرْدُ الْمَوْرُوْدُ ﴿۹۸﴾ هي وَاُتْبِعُوْا فِيْ هٰذِهٖ اي الدنيا لَعْنَةً وَّيَوْمَ الْقِيٰمَةِ لعنة بِئْسَ الرِّفْدُ العونُ الْمَرْفُوْدُ ﴿۹۹﴾ رفدهم ذٰلِكَ المذكور مبتدأ خبره مِنْ اَنْۢبَآءِ الْقُرٰى نَقُصُّهٗ عَلَيْكَ يا محمدُ مِنْهَا اي القُرىٰ قَآئِمٌ هلك اهله دونه وَّ منها حَصِيْدٌ ﴿۱۰۰﴾ هلك باهله فلا اثرله كالزرع المحصود بالمناجل وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ باهلاكهم بغير ذنب وَلٰكِنْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بالشرك فَمَآ اَغْنَتْ دفعت عَنْهُمْ اٰلِهَتُهُمُ الَّتِيْ يَدْعُوْنَ يعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اي غيره مِنْ زائدة شَيْءٍ لَّمَّا جَآءَ اَمْرُ رَبِّكَ عذابه وَمَا زَادُوْهُمْ بعبادتهم لها غَيْرَ تَتْبِيْبٍ ﴿۱۰۱﴾ تخسير وَكَذٰلِكَ مثلُ ذلك الاخذ اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اَخَذَ الْقُرٰى أريد اهلها وَهِيَ ظٰلِمَةٌ بالذنوب اي فلا يُغني عنهم من أخذه شيءٌ اِنَّ اَخْذَهٗٓ اَلِيْمٌ شَدِيْدٌ ﴿۱۰۲﴾ روى الشيخان عن ابي موسى الاشعريّ قالَ قال رسولُ اللّٰه صلى اللّٰه عليه وسلم انّ اللّٰهَ ليُملي للظالم حتى إذا اخذهُ لم يُفلِتْهُ ثم قرأ صلى اللّٰه عليه وسلم وَكذلك أخذُ ربّكَ الاية اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المذكور من القصص لَاٰيَةً لعبرة لِّمَنْ خَافَ عَذَابَ الْاٰخِرَةِ ذٰلِكَ اي يومُ القيمَة يَوْمٌ مَّجْمُوْعٌ لَّهٗ فيه النَّاسُ وَذٰلِكَ يَوْمٌ مَّشْهُوْدٌ ﴿۱۰۳﴾ يشهده جميعُ الخلائقِ وَمَا نُؤَخِّرُهٗٓ اِلَّا لِاَجَلٍ مَّعْدُوْدٍ ﴿۱۰۴﴾ لوقتٍ معلومٍ عند اللّٰهِ يَوْمَ يَاْتِ ذلكَ اليوم لَا تَكَلَّمُ فيه حذفُ احدى التائين نَفْسٌ اِلَّا بِاِذْنِهٖ تعالى فَمِنْهُمْ اي الخلق شَقِيٌّ وَّ منهم سَعِيْدٌ ﴿۱۰۵﴾ كُتب كلُّ ذلكَ في الازلِ فَاَمَّا الَّذِيْنَ شَقُوْا في علمه تعالى فَفِي النَّارِ لَهُمْ فِيْهَا زَفِيْرٌ صوتٌ شديدٌ وَّشَهِيْقٌ ﴿۱۰۶﴾ صوتٌ ضعيفٌ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اي مدة دوامهما في الدنيا اِلَّا غيرَ مَا شَآءَ رَبُّكَ من الزيادةِ على مدتهما مما لامُنتهى له والمعنى خالدينَ فيها ابدًا اِنَّ رَبَّكَ فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ ﴿۱۰۷﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ سُعِدُوْا بفتحِ السّينِ وضمها فَفِي الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا غير مَا شَآءَ رَبُّكَ كما تقدمَ ودل عليه فيهم قولُه عَطَآءً غَيْرَ مَجْذُوْذٍ ﴿۱۰۸﴾ مقطوع وما تقدمَ من التاويل هو الذي ظهرلي وهو خالٍ عن التكلفِ واللّٰهُ اعلمُ بمرادِهِ فَلَا تَكُ يا محمدُ فِيْ مِرْيَةٍ شك مِّمَّا يَعْبُدُ هٰٓؤُلَآءِ من الاصنام إنا نُعَذِّبُهم كما عَذَّبنا مَنْ قبلَهم وهذا تسليةٌ للنبي صلى اللّٰه عليه وسلم مَا يَعْبُدُوْنَ اِلَّا كَمَا يَعْبُدُ اٰبَآؤُهُمْ اي كعبادتِهم مِّنْ قَبْلُ وقد عذّبناهم وَاِنَّا لَمُوَفُّوْهُمْ مثلهم نَصِيْبَهُمْ حظّهم من العذابِ غَيْرَ مَنْقُوْصٍ ﴿۱۰۹﴾ اي تامًا.

تَرجمہ: اور یقیناً ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو (بھی) اپنے معجزات اور روشن دلیلوں یعنی واضح دلیلوں کے ساتھ فرعون اور اس کے سرداروں کے پاس بھیجا مگر انہوں نے فرعون ہی کی بات مانی حالانکہ فرعون کی بات درست نہیں تھی قیامت کے

دن (فرعون) اپنی قوم کے آگے آگے ہوگا اور یہ لوگ اس کے پیچھے پیچھے ہوں گے جیسا کہ دنیا میں اس کی اتباع کرتے تھے، پھر ان (سب) کو دوزخ میں جا اتارے گا اور (دوزخ) بہت ہی بری جگہ ہے اترنے کی جس میں یہ لوگ اتارے جائیں گے اور اس دنیا میں بھی ان پر لعنت پڑی اور قیامت کے دن بھی پڑے گی، برا انعام ہے جو ان کو دیا گیا یہ مذکور چند بستیوں کی سرگذشت ہے جو ہم اے محمد تم کو سنا رہے ہیں ان بستیوں میں سے بعض تو (اب بھی) قائم ہیں کہ ان کے مکین ہلاک ہو گئے مگر بستیاں موجود ہیں اور ان میں سے بعض مع اپنے مکینوں کے ختم ہو گئیں کہ درانتی سے کٹی ہوئی کھیتی کے مانند ان کا نام ونشان بھی نہیں رہا، بغیر جرم کے ہم نے ان کو ہلاک کر کے ان پر ظلم نہیں کیا، لیکن شرک کر کے انہوں نے خود اپنے اوپر ظلم کیا سو ان کے وہ معبود جن کی وہ اللہ کو چھوڑ کر بندگی کیا کرتے تھے ان کا کچھ بھی دفاع نہ کر سکے، جب تیرے رب کا عذاب آ گیا، اور ان کو بتوں کی عبادت نے بربادی کے سوا کچھ فائدہ نہیں پہنچایا اس پکڑ کے مانند تیرے رب کی پکڑ کا طریقہ ہے جبکہ وہ بستیوں کے ظالم باشندوں کو گناہوں کی وجہ سے پکڑتا ہے بستیوں سے بستیوں کے رہنے والے مراد ہیں یعنی اس کی پکڑ سے ان کو کوئی چیز نہیں بچا سکتی ہے بے شک اس کی پکڑ بڑی دردناک ہے اور بخاری ومسلم نے ابوموسیٰ اشعری سے روایت کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ظالم کو ڈھیل دیتا رہتا ہے یہاں تک کہ جب اس کو پکڑ لیتا ہے تو اس کو چھوڑتا نہیں ہے پھر آپ ﷺ نے **وکذلک اخذ ربك الخ** تلاوت فرمائی، یقیناً ان مذکورہ قصوں میں ان لوگوں کے لئے نشانِ عبرت ہے جو آخرت کے عذاب سے ڈرتے ہیں، یہ یعنی قیامت کا دن وہ دن ہے کہ جس میں سب لوگ جمع کئے جائیں گے اور وہ دن حاضری کا دن ہوگا اس دن میں تمام مخلوق حاضر ہوگی، اور ہم اس کو صرف تھوڑی مدت کے لئے جو اللہ کو معلوم ہے ملتوی کئے ہوئے ہیں (پھر) جس وقت وہ دن آئے گا تو کوئی شخص خدا کی اجازت کے بغیر بات تک نہ کر سکے گا (**تَکَلَّمُ**) میں ایک تاء کو حذف کر دیا گیا ہے، پھر مخلوق میں سے بعض بدنصیب ہوں گے اور بعض ان میں سے خوش نصیب ہوں گے اور یہ سب کچھ روز ازل میں لکھا جا چکا ہے، سو جو لوگ اللہ تعالیٰ کے علم میں بدنصیب ہیں وہ دوزخ میں ایسے حال میں ہوں گے کہ ان کی آگ میں زور کی اور آہستہ چیخ پکار ہوگی (اور) وہ اسی حالت میں ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم ہیں، دنیا میں ان کے دوام کی مدت تک (یہ دوام کے لئے ایک محاورہ ہے) سوائے (مع) اس مزید مدت کے جو تیرا رب چاہے زمین وآسمان کی مدت پر کہ جس کی کوئی انتہا نہیں ہے، اور معنی (آیت) کے یہ ہیں کہ وہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے، یقیناً میرا رب جو کچھ چاہے کر گذرتا ہے لیکن جو لوگ نیک بخت کئے گئے، سین کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، وہ جنت میں ہوں گے جہاں ہمیشہ رہیں گے جب تک کہ آسمان اور زمین قائم رہیں گے مگر جو تیرا رب چاہے جیسا کہ سابق میں گذرا، اور اس پر ان کے بارے میں باری تعالیٰ کا قول **عطاء غیر مجذوذ** دلالت کر رہا ہے یہ سب بے انتہا بخشش ہے (یعنی) ختم نہ ہونے والی، اور جو تاویل سابق میں بیان ہوئی (یعنی اِلَّا بمعنی غیر کی) یہ وہ ہے جو میرے سمجھ میں آئی، اور یہ تکلف سے خالی ہے، اور اللہ اپنی مراد خود ہی بہتر جانتا ہے، لہٰذا اے محمد جن بتوں کی یہ پرستش کر رہے ہیں اس سے شک میں نہ پڑیں ہم ان کو یقیناً عذاب دیں گے جیسا کہ ان سے پہلوں کو عذاب دے چکے ہیں، اور یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے ان کی پوجا پاٹ تو ایسی ہی ہے

جیسی کہ اس سے پہلے ان کے باپ دادا نے کی تھی اور ہم نے ان کو عذاب دیا، اور ہم ان کو عذاب کا بغیر نقصان کے پورا پورا حصہ دینے والے ہیں یعنی مکمل۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: بآیتنا و سُلطان مبینٍ، آیات سے مراد تورات اور سلطان مبین سے مراد معجزات ہیں۔ (فتح القدیر)

قولہ: المرفود، بمعنیٰ عطاء، انعام، عون، مدد، المعاون، لعنت کو مرفود استہزاء کہا ہے۔

قولہ: الورد اترنے کی جگہ، گھاٹ۔

قولہ: مِنھا، علامہ سیوطی نے منھا محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ حصید کا عطف قائمٌ پر ہے حصیدٌ مبتداء مؤخر اور منھا خبر مقدم ہے۔

قولہ: حصید، فعیل صفت مشبہ بمعنیٰ مفعول کٹی ہوئی کھیتی۔

قولہ: یُفلِتَہٗ، اِفلات (افعال) چھوڑنا۔

قولہ: فیہِ، اس میں اشارہ ہے کہ لَہٗ، میں لام بمعنیٰ فی ہے۔

قولہ: یَشھَدُہٗ ای یشھدُ فیہ.

قولہ: غیرَ ما شاء رَبُّکَ میں الا بمعنیٰ غیر ہے، سوال اِلَّا بمعنیٰ غیر لینے میں کیا مصلحت ہے؟ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوال: سوال یہ ہے کہ اِلَّا کے ذریعہ اگر استثناء خلود سے ہے جیسا کہ بعض نے کیا ہے تو یہ کافروں کے جہنم میں عدم خلود پر دلالت کرے گا حالانکہ امر واقعہ ایسا نہیں ہے اور اگر حکم اصلی سے استثناء ہے جو کہ اللہ تعالیٰ کا قول فـفـی الـنـار ہے تو اس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ کفار جہنم میں داخل ہونے کے بعد بعض اوقات جہنم سے نکلیں گے حالانکہ یہ بھی خلاف واقعہ ہے۔

جَواب: حاصل جواب یہ ہے کہ اِلَّا بمعنیٰ غیر ہے اور یہ عرب کے قول "عَلَیَّ الف اِلَّا الفان المتقدمان" یعنی میرے اوپر فلاں شخص کے ایک ہزار ہیں مع سابق دو ہزاروں کے یعنی ایک ہزار دو ہزار کے ساتھ مل کر تین ہزار ہیں اس وقت آیت کے معنی یہ ہوں گے اَنَّ لھم عذابٌ مدة دوام السموٰتِ والارض فی الدنیا مع الزیادة التی لا آخر لَھَا علی مدة بقاءِ السمٰوات والارض.

قولہ: کما تقدّمَ من قولہ من الزیادة علی مدتھما مما لا منتھیٰ لہ، یعنی جو تاویل ماقبل میں ہوئی ہے وہی یہاں ہوگی۔

قولہ: انا نعذبھم الخ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ شک حکم کے ساتھ متعلق ہوتا ہے اور مِریة، حکم نہیں ہے۔

جَواب: جواب کا حاصل یہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے ای لَا تلک یا محمد فی مریة اِنا نعذبھم الخ.

قولہ: کعبادتھم اس میں اشارہ ہے کہ ما یعبدون میں ما مصدریہ ہے یعنی یہ لوگ اپنے آباء کے عبادت کرنے کے

مطابق عبادت کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: تاماً کے اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے کہ بعض اوقات کل بول کر بعض مراد ہوتا ہے مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا موسٰی بآیٰتنا وَسُلطان مبین، اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو اپنی نشانیوں اور کھلی سند ماموریت کے ساتھ فرعون اور اس کے اعیان سلطنت کی طرف بھیجا، آیات سے مراد بعض حضرات کے نزدیک تورات اور سلطان مبین سے معجزات مراد ہیں، اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ آیات سے آیات تسعہ اور سلطان مبین (روشن دلیل) سے عصا مراد ہے، عصا اگرچہ آیات تسعہ میں شامل ہے لیکن یہ معجزہ چونکہ نہایت عظیم الشان تھا اس لئے اس کا خصوصی طور پر ذکر کیا گیا ہے، یہ بھی ہوسکتا ہے کہ سلطان مبین سے وہ روشن دلائل مراد ہوں جو توحید وغیرہ کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون اور اس کی قوم کے سامنے پیش کئے تھے۔

وَمَا امر فرعون برشید، یعنی کھلے معجزات دیکھ کر بھی فرعونیوں نے پیغمبر خدا (موسیٰ علیہ السلام) کی بات نہ مانی اسی دشمن خدا کے حکم پر چلتے رہے حالانکہ اس کی کوئی بات ٹھکانے کی نہیں تھی جسے مان کر انسان بھلائی حاصل کرسکتا، فرعون جس طرح دنیا میں کفر وتکذیب کا امام تھا قیامت کے دن بھی امام رہے گا۔

فرعون چونکہ دنیا میں بدی اور بدکاری کا لیڈر تھا دوزخ میں بھی اس کی یہ لیڈری قائم رہے گی اور یہ حکم فرعون کے ساتھ خاص نہیں محققین نے کہا ہے کہ جو کوئی مفسدوں کا پیشوا ہوگا وہ اپنے متبعین اور ذریت کو لے کر ہی جہنم میں داخل ہوگا، اور یہی وہ گھاٹ ہے جہاں ٹھنڈے پانی کے بجائے بھسم کردینے والی آگ ملے گی، وِرد پانی کے گھاٹ کو کہتے ہیں جہاں پیاسے جاکر اپنی پیاس بجھاتے ہیں، لیکن یہاں جہنم کو ورد کہا گیا ہے۔

وَاتبعوا فی هذه لعنة الخ لعنت سے مراد پھٹکار اور رحمت الٰہی سے دوری ومحرومی ہے یعنی رہتی دنیا تک ان پر لعنت پڑتی رہے گی اور قیامت میں بھی فرشتے اور اہل موقف ان پر لعنت کریں گے۔

ذلك من انباء القریٰ، یعنی پچھلی قوموں کے قصے جو ہم تم کو سنا رہے ہیں ان میں دو قسم کی بستیاں تھیں ایک تو وہ کہ جن کو بالکل صفحۂ ہستی سے مٹا دیا گیا یہاں تک کہ روئے زمین پر ان کا کوئی نشان تک نہیں چھوڑا مثلاً امت لوط کا مسکن کہ ان کا اب دنیا میں کوئی نشان بھی موجود نہیں دوسرے وہ جن کی آبادی ہلاک کردی گئی باقی وہ زمین اور علاقے قائم ہیں جیسے عاد وثمود کے مکانوں کے کھنڈر۔

وَاَمَّا الذین شقوا ففی النار الخ ان آیات کے دو معنی ہوسکتے ہیں ایک یہ کہ جس قدر مدت آسمان اور زمین دنیا میں باقی رہے اتنی ہی مدت اشقیا (بدکار) دوزخ میں اور سعداء (نیکوکار) جنت میں رہیں گے مگر جو اور زیادہ چاہے تیرا رب، وہ اسی کو معلوم ہے اسلئے کہ جب طویل سے طویل زمانہ کا تصور کرتے ہیں تو اپنے ماحول کے اعتبار سے بڑی مدت یہی خیال میں آتی ہے

اس لئے مادامت السموات والارض وغیرہ الفاظ محاورات عرب میں دوام کے مفہوم کو ادا کرنے کے لئے بولے جاتے ہیں، باقی دوام وابدیت کا اصلی مدلول جسے لامحدود زمانہ کہنا چاہئے وہ حق تعالیٰ کے علم غیر متناہی کے ساتھ مختص ہے جس کو ماشاء ربك سے ادا کیا ہے۔

دوسرے معنی آیت کے یہ ہو سکتے ہیں کہ لفظ مادامت السموات والارض کو کنایۂ دوام سے مانا جائے یا آسمان وزمین سے آخرت کی زمین مراد لی جائے جیسے فرمایا "یوم تبدل الارض غیر الارض والسموات (سورۂ ابراہیم) مطلب یہ ہوا کہ اشقیاء دوزخ اور سعداء جنت میں اس وقت تک رہیں گے جب تک آخرت کی زمین وآسمان باقی رہیں گے یعنی ہمیشہ، مگر جو چاہے تیرا رب تو موقوف کردے، وہاں ہمیشہ نہ رہنے دے کیونکہ دوزخیوں اور جنتیوں کا خلود بھی اسی کی مشیت اور اختیار سے ہے لیکن وہ چاہ چکا کہ کفار ومشرکین کا عذاب اور اہل جنت کا ثواب کبھی موقوف نہ ہوگا۔ (فوائد عثمانی)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ التورة فَاخْتُلِفَ فِيْهِ بالتصديقِ والتكذيبِ كالقراٰنِ وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ بتاخيرِ الحسابِ والجزاءِ للخلائقِ الٰى يومِ القيٰمةِ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ في الدنيا فيما اختَلفُوْا فيه وَاِنَّهُمْ اى المكذِّبِيْنَ به لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ موقعِ الريبةِ وَاِنَّ بالتشديدِ والتخفيفِ كُلًّا اى كلَّ الخلائقِ لَمَّا ما زائدةٌ واللامُ مُوطئةٌ لقسمٍ مقدرٍ او فارقةٌ وفي قراءةٍ بتشديد لمّا بمعنى إلّا فإنْ نافيةٌ لَيُوَفِّيَنَّهُمْ رَبُّكَ اَعْمَالَهُمْ اى جزاء ہا اِنَّهٗ بِمَا يَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ عالمٌ ببواطنه كظواہرہ فَاسْتَقِمْ على العملِ بامرِ ربك والدعاءِ اليه كَمَآ اُمِرْتَ وَ ليستقمْ مَنْ تَابَ اٰمنَ مَعَكَ وَلَا تَطْغَوْا تجاوزُوْا حدودَ اللّٰهِ اِنَّهٗ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ فيُجازيكم به وَلَا تَرْكَنُوْا تميلُوْا اِلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بموادةٍ اومداہنةٍ اورضَى باعمالهم فَتَمَسَّكُمُ تصيبُكم النَّارُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اى غيرہ مِنْ زائدة اَوْلِيَآءَ يحفظونكم منه ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ تمنعونَ من عذابه وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ طَرَفَيِ النَّهَارِ الغداةَ والعشى اى الصبحَ والظهرَ والعصرَ وَزُلَفًا جمع زُلفةٍ اى طائفةً مِّنَ الَّيْلِ اى المغربَ والعشاءَ اِنَّ الْحَسَنٰتِ كالصلواتِ الخمسِ يُذْهِبْنَ السَّيِّاٰتِ الذنوبَ الصغائرَ نزلَتْ فيمَنْ قبّل احنبيةً فاخبَرہ صلى اللّٰه عليه وسلم فقالَ الى ہٰذا قال لجميعِ اُمتى كلهم رواه الشيخان ذٰلِكَ ذِكْرٰى لِلذّٰكِرِيْنَ عظةٌ للمتعظِيْنَ وَاصْبِرْ يا محمدُ على اذىٰ قومِكَ اوعلى الصلوة فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ بالصبرِ على الطاعةِ فَلَوْلَا فهلاً كَانَ مِنَ الْقُرُوْنِ الأممِ الماضيةِ مِنْ قَبْلِكُمْ اُولُوْا بَقِيَّةٍ اصحابُ دينٍ وفضلٍ يَّنْهَوْنَ عَنِ الْفَسَادِ فِي الْاَرْضِ المرادُ به النفى اى ما كان فيهم ذلكَ اِلَّا لكن قَلِيْلًا مِّمَّنْ اَنْجَيْنَا مِنْهُمْ نهوا فنجَوْا ومِنْ للبيانِ وَاتَّبَعَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا بالفسادِ اوتركِ النهى مَآ اُتْرِفُوْا نُعموا فِيْهِ وَكَانُوْا مُجْرِمِيْنَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ منه لها وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ مؤمنون

وَلَوْشَاۤءَ رَبُّكَ لَجَعَلَ النَّاسَ اُمَّةً وَّاحِدَةً اہلَ دینٍ واحدٍ وَّلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ ۝ فی الدین اِلَّا مَنْ رَّحِمَ رَبُّكَ اراد لہم الخیر فلا یختلفون فیہ وَلِذٰلِكَ خَلَقَهُمْ ای اہلَ الاختلافِ لہ واہلَ الرحمۃِ لہا وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ وہی لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنَ الْجِنَّةِ الجن وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ۝ وَكُلًّا نصبٌ بنَقُصُّ وتنوینہٗ عوضٌ عن المضافِ الیہ ای کلَّ ما یحتاجُ الیہ نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْۢبَاۤءِ الرُّسُلِ مَا بدلٌ من کلا نُثَبِّتُ نطمئنُ بِهٖ فُؤَادَكَ قلبك وَجَاۤءَكَ فِيْ هٰذِهِ الانباء اوالایاتِ الْحَقُّ وَمَوْعِظَةٌ وَّذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ خُصُّوا بالذکر لانتفاعِہم بہا فی الایمان بخلافِ الکفار وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ حالتِکم اِنَّا عٰمِلُوْنَ ۝ علی حالتنا تہدیدٌ لہم وَانْتَظِرُوْا عاقبۃَ امرِکم اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝ ذلکَ وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ای علمُ ما غابَ فیہما وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ بالبناءِ للفاعلِ یعودُ وللمفعولِ یُرَد الْاَمْرُ كُلُّهٗ فینتقمُ ممَّنْ عصٰی فَاعْبُدْهُ وحِّدہ وَتَوَكَّلْ عَلَيْهِ ثِقْ بہ فانّہ کافِیْکَ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝ وانما یؤخِرُہم لوقتِہم وفی قراءۃٍ بالفوقانیۃِ۔ ع

ترجمہ: امر واقعہ یہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو (بھی) کتاب تورات دی تھی اس میں بھی قرآن کے ، نہ تصدیق وتکذیب کر کے اختلاف کیا گیا تھا، اگر قیامت کے لئے مخلوق کے حساب وجزاء کی تاخیر کا تیرے رب کی طرف سے فیصلہ نہ کر لیا گیا ہوتا تو جس معاملہ میں وہ اختلاف کر رہے ہیں دنیا ہی میں فیصلہ کر دیا گیا ہوتا، اور یہ (قرآن) کی تکذیب کرنے والے قرآن کی طرف سے شک میں ڈالنے والے خلجان میں پڑے ہوئے ہیں اور یہ (بھی) واقعہ ہے (ان) تخفیف اور تشدید کے ساتھ ہے کہ پوری مخلوق کو جب وہ (اس کے حضور حاضر کرے گا) تو تیرا رب ان کے اعمال کی پوری پوری جزاء دیگا (لَمَا) میں ما زائدہ ہے اور لام قسم مقدر کی طرف اشارہ کرنے کے لئے ہے اور لام فارقہ ہے اور ایک قراءت میں لَمّا تشدید کے ساتھ بمعنی اِلَّا ہے اور اِنْ نافیہ ہے بالیقین وہ جو کچھ کرتے ہیں اس کے ظاہر اور باطن سے باخبر ہے لہٰذا اپنے رب کے حکم سے عمل اور دعوت الی الحق پر حکم کے مطابق ثابت قدم رہئے اور وہ بھی ثابت قدم رہیں جو آپ کے ساتھ ایمان لا چکے ہیں اور اللہ کی حدود سے تجاوز نہ کرو وہ یقیناً جو کچھ تم کرتے ہو دیکھتا ہے لہٰذا وہ اس کی جزاء دے گا، (اور دیکھو) ظالموں کی طرف مت جھکنا ان کے ساتھ دوستی کر کے یا نرمی کر کے یا ان کے اعمال پر رضا مندی ظاہر کر کے (ورنہ) تمہیں بھی آتش دوزخ لگ جائے گی، اور اللہ کے سوا دوسرا کوئی تمہارا حمایتی نہ ہوگا جو تم کو اللہ سے بچا سکے اور نہ تم اس کے عذاب سے بچائے جاؤ گے، اور (اے محمد) دن کے دونوں طرفوں صبح اور شام یعنی فجر کی اور ظہر کی اور عصر کی نمازوں کی پابندی رکھئے اور رات کے ایک حصہ میں (بھی) یعنی مغرب اور عشاء کی (زُلَفًا) زُلفۃ کی جمع ہے اس کے معنی حصہ کے ہیں، بلاشبہ نیکیاں مثلاً پنجوقتہ نماز صغیرہ گناہوں کو ختم کر دیتی ہیں (مذکورہ آیت اس شخص ابوالیسر) کے بارے میں نازل ہوئی جس نے ایک اجنبی عورت کا بوسہ لے لیا تھا، پھر اس کی اطلاع نبی ﷺ کو دی تو مذکورہ آیت نازل ہوئی، تو اس شخص نے کہا کیا یہ (حکم) میرے لئے خاص ہے آپ نے فرمایا، میری پوری امت کے لئے

ہے، شیخین نے اس کو روایت کیا ہے، یہ ایک نصیحت ہے نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے، اور اے محمد اپنی قوم کی ایذارسانی پر یا نماز کی پابندی پر صبر کرو طاعت پر صبر کے ذریعہ نیکی کرنے والوں کے اجر کو اللہ تعالیٰ ضائع نہیں فرماتے پس کس لئے تم سے پہلے سابقہ امتوں میں کیوں ایسے دیندار اور اصحاب فضل نہ ہوئے جو (لوگوں کو) فساد فی الارض سے روکتے؟ مراد (استفہام سے) نفی ہے یعنی ان میں ایسے لوگ نہیں ہوئے، لیکن بہت کم جن کو ہم نے ان میں سے نجات دی، کہ انہوں (برائی سے) روکا جس کی وجہ سے وہ نجات پا گئے، مِنْ بیانیہ ہے اور جن لوگوں نے فساد کے ذریعہ یا ترک نہی کر کے ظلم کیا وہ تو اسی سامانِ عیش کے پیچھے پڑے رہے جو ان کو دیئے گئے تھے اور وہ مجرم ہی رہے، اور آپ کا رب ایسا نہیں کہ کسی بستی کو ظلماً ہلاک کر دے حالانکہ اس بستی والے مومن ہوں، اور اگر آپ کا پروردگار چاہتا تو تمام لوگوں کو ایک دین پر کر دیتا اور وہ دین کے معاملہ میں مسلسل اختلاف ہی کرتے رہے، سوائے اس کے کہ جس پر تیرے رب نے رحم کیا کہ ان کے ساتھ خیر کا ارادہ کیا تو انہوں نے دین میں اختلاف نہیں کیا اور اسی کے لئے ان کو یعنی اہل اختلاف کو اختلاف کے لئے اور اہل رحمت کو رحمت کے لئے پیدا فرمایا اور تیرے رب کی یہ بات پوری ہوگی اور وہ یہ کہ میں جہنم کو جنوں سے اور انسانوں سے بھر دوں گا، اور ہم رسولوں کے قصوں میں سے یہ تمام (مذکورہ) قصے سنا رہے ہیں (کلاًّ) نَقُصُّ کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے یعنی ہر وہ قصہ جس کے سنانے کی ضرورت ہو مَا، کلاًّ سے بدل ہے تاکہ ہم اس کے ذریعہ آپ کے دل کو تقویت (تسلی) دیں اور ان واقعات یا آیات میں بھی حق آپ کے پاس پہنچ چکا ہے اور مومنین کے لئے وعظ و نصیحت ہے مومنین کو اس لئے خاص کیا گیا ہے کہ وہ ان پند و نصائح سے اپنے ایمان میں فائدہ اٹھاتے ہیں، بخلاف کفار کے آپ ایمان نہ لانے والوں سے کہہ دو تم اپنے طور پر عمل کئے جاؤ ہم اپنے طور پر عمل کر رہے ہیں (یہ) ان کے لئے تہدید (دھمکی) ہے تم اپنے عمل کے انجام کا انتظار کرو میں (بھی) اس کا انتظار کر رہا ہوں زمین اور آسمانوں کی پوشیدہ چیزوں کا علم صرف اللہ ہی کو ہے یعنی ان چیزوں کا علم جو ان میں مخفی ہیں، اور تمام امور اسی کی طرف رجوع ہوں گے (یرجع) معروف اور مجہول دونوں طرح ہے لہٰذا وہ نافرمانی کرنے والے سے انتقام لے گا، تو آپ صرف اسی کی بندگی کیجئے اور اسی پر بھروسہ کیجئے اسلئے کہ وہ تمہارے لئے کافی ہے اور آپ کا رب ان باتوں سے غافل نہیں جو تم لوگ کر رہے ہو (یہ اور بات ہے) کہ ان کو اس نے ان کے وقت مقرر تک کے لئے مہلت دے رکھی ہے، اور ایک قراءت میں (تاء) فوقانیہ کے ساتھ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَاِنَّ بالتشدید والتخفیف کُلًّا ای کلّ الخلائقِ لَمَّا، اِنَّ اور لَمَّا میں کل چار قراءتیں ہیں، ① اِنْ اور لَمَا دونوں مخفف، ② دونوں مشدد، ③ اِنْ مخفف اور لَمَّا مشددہ، ④ اِنَّ مشددہ اور لَمَا مخففہ، یہ چاروں قراءتیں متواترہ ہیں۔

چاروں قراءتوں میں کُلًّا اسم اِنَّ ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا، اور اِنَّ کی خبر جملہ قسمیہ لَیُوَفِّیَنَّھُمْ رَبُّکَ اَعْمَالَھُمْ ہوگی، اور لَمَّا مشددہ ہونے کی صورت میں لَیُوَفِّیَنَّھُمْ الخ جملہ ہو کر اِنَّ کی خبر ہوگی۔

قولہ: الخَلائق، لفظ خلائق محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ کُلٌّ کی تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے۔

قولہ: مَا زائدۃ، لَمَا مخففہ کی صورت میں مَا زائدہ ہے اگر مَا زائدہ کو حذف کر دیا جائے تو لفظ واحد پر دو لاموں کا داخل ہونا لازم آئیگا جو کہ موجب ثقل ہوگا اور تقدیر عبارت لَلَیُوَفِّیَنَّھُمْ ہوگی۔

قولہ: وَالّلام موطئۃ لقسمٍ مقدرٍ یعنی لیوفینّھم میں لام قسم کے حذف پر دال ہوگا، یعنی اس بات پر دلالت کرے گا کہ قسم محذوف ہے۔

قولہ: او فارقۃ، یعنی لَیُوَفِّیَنَّھُمْ میں لام فارقہ ہے یہ لیوفینّھم کے لام میں دوسرے مذہب کی طرف اشارہ ہے، لام فارقہ کا مطلب ہے ان مخففہ اور ان نافیہ کے درمیان فرق کرنے والا یعنی اگر خبر پر لام داخل ہو تو اس سے معلوم ہو جائیگا کہ اِنْ مخففہ عن المثقلہ ہے۔

تنبیہ: یہ بات یاد رہے کہ لام فارقہ اِن مخففہ کی خبر پر اس وقت داخل ہوتا ہے جب اِنْ مخففہ کو عمل سے روک دیا گیا ہو (یعنی اہمال کی صورت میں) جیسے اِنْ زیدٌ لَقائمٌ اور اگر ان زیدًا لقائم پڑھا تو التباس نہ ہونے کی وجہ سے لام فارقہ کی ضرورت نہ ہوگی، اور آیت کریمہ اِنَّ کُلًّا لَمَّا لَیُوَفِّیَنَّھُمْ میں چونکہ اِنَّ عاملہ ہے، لہٰذا لام کو فارقہ قرار دینا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اِن نافیہ اور مخففہ میں اسی وقت التباس ہوتا ہے جب ان کو عمل سے روک دیا گیا، اور بعض حضرات نے مذکورہ عبارت کا یہ مطلب بھی بیان کیا ہے کہ واللام مؤطیۃ کا تعلق اِنَّ مشددہ کی صورت سے ہے اور فارقہ کا تعلق مخففہ سے ہے۔

قولہ: کُلًّا نصبٌ بنقصٍ یعنی کُلًّا سے پہلے نقصٌ محذوف ہے جو کُلًّا کا ناصب ہے۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کو تسلی دی جارہی ہے کہ قرآن کے بارے میں لوگوں کی نکتہ چینیوں اور چہ میگویوں سے رنجیدہ اور خاطر برداشتہ نہ ہوں، یہ کوئی نئی بات نہیں ہے ہر نبی اور ہر کتاب کے بارے میں لوگوں نے یہی معاملہ کیا ہے جب موسیٰ علیہ السلام کو تورات دی گئی تھی تو اس کے بارے میں بھی اختلاف کیا گیا تھا، بے شک خدا کو یہ قدرت تھی کہ یہ اختلاف وتفریق پیدا نہ ہونے دیتا اور پیدا ہونے کے بعد دم زدن میں فیصلہ کرتا مگر اس کی حکمت تکوینی کے تحت یہ بات پہلے ہی طے ہو چکی تھی کہ انسان کو ایک خاص حد تک کسب و اختیار کی آزادی دیکر آزمائے کہ وہ کس راستہ پر چلتا ہے آیا وہ خالق ومخلوق کا حق پہچان کر رحمت خداوندی کا مستحق بنتا ہے یا کجروی اور غلط کاری سے خدا کے غیظ وغضب کا مستحق قرار پاتا ہے، غرضیکہ اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر انسان کی ساخت ایسی بنائی کہ وہ نیکی یا بدی کے اختیار کرنے میں بالکل مجبور ومضطر نہ ہو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ دنیا میں خیر وشر نیکی وبدی کی ہمیشہ آمیزش جاری

رہے گی، اور وقت آنے پر ہر ایک کے اعمال کا پورا پورا بدلہ چکا دیا جائیگا، عام لوگ ان حکمتوں کو نہ سمجھنے کی وجہ سے خلجان وتردد میں پڑے ہوئے ہیں کہ آئندہ بھی ان اختلافات کا فیصلہ ہوگا یا نہیں۔

فَاسْتَقِمْ کما اُمِرتَ الخ اس آیت میں آپ ﷺ اور اہل ایمان کو ایک تو استقامت کی تلقین کی جا رہی ہے جو دشمن کے مقابلہ کے لئے ایک بہت بڑا ہتھیار ہے دوسرے طغیان وسرکشی سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے، جو اہل ایمان کی اخلاقی قوت اور رفعت کردار کے لئے بہت ضروری ہے حتی کہ یہ تجاوز دشمن کے ساتھ معاملہ کرتے وقت بھی جائز نہیں۔

وَلا ترکنوا الی الذین ظلموا الخ سابقہ آیت میں خود کو تعدی اور عدوان سے باز رہنے کی تلقین کی گئی ہے اب اس آیت میں ظالموں اور سرکشوں کی جانب میلان سے روکا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ ظالموں کے ساتھ بے جا نرمی اور مداہنت کرتے ہوئے ان سے مدد کے طالب نہ ہو، ان کو اس سے یہ تاثر ملے گا کہ گویا تم ان کی دوسری باتوں کو بھی پسند کرتے ہو، اس طرح تمہارا یہ کام بڑا جرم بن جائے گا جس کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ آتش دوزخ کی کوئی لپٹ آپ کو بھی لگ جائے۔

وَاقم الصلوٰة طرفی النهار الخ دونوں سروں سے مراد بعض مفسرین نے فجر اور مغرب اور بعض نے صرف عشاء اور بعض نے عشاء اور مغرب دونوں کا وقت لیا ہے، امام ابن کثیر فرماتے ہیں ممکن ہے یہ آیت معراج سے پہلے نازل ہوئی جس میں پانچ نمازیں فرض کی گئیں، کیونکہ اس سے قبل صرف دو ہی نمازیں ضروری تھیں ایک طلوع شمس سے قبل اور غروب سے قبل اور رات کے آخری حصہ میں تہجد کی نماز، پھر تہجد کی نماز امت سے معاف کر دی گئی، پھر اس کا وجوب بقول بعض آپ ﷺ سے بھی ساقط ہوگیا، (ابن کثیر) یہ چار نمازوں کے اوقات کا بیان ہوگیا، ظہر کی نماز کا وقت "اقم الصلوٰة لدلوك الشمس" میں آیا ہے، زُلَفًا، زُلفَة کی جمع ہے جس کے معنی ایک حصہ کے ہیں۔

ایک عظیم فائدہ:

اس آیت میں نمازوں کے اوقات کے بیان کے بعد بتلایا گیا ہے کہ "اِنَّ الحسناتِ یُذهبنَ السّیاٰت" یعنی نیک کام برے کاموں کو مٹا دیتے ہیں، نیک کاموں سے ہر قسم کے نیک کام مراد ہیں مگر نمازوں کو ان سب میں اولیت حاصل ہے اسی طرح سیاٰت کا لفظ تمام برے کاموں کو شامل ہے خواہ وہ کبیرہ ہوں یا صغیرہ لیکن قرآن مجید کی ایک دوسری آیت نیز رسول اللہ ﷺ کے متعدد ارشادات نے اس کو صغیرہ گناہوں کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، قرآن مجید میں فرمایا گیا کہ "اِنْ تجتَنِبُوا کبائرَ مَا تُنهَونَ عنه نکفر عنکم سیاٰتکم" یعنی اگر تم بڑے گناہوں سے بچتے رہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہوں کا خود کفارہ کر دیں گے۔

صحیح مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا" کہ پانچ نمازیں اور ایک جمعہ دوسرے جمعہ تک اور رایک رمضان دوسرے رمضان تک ان تمام گناہوں کا کفارہ ہوجاتے ہیں جو ان کے درمیان صادر ہوئے ہوں، جبکہ یہ شخص کبیرہ گناہوں سے بچا رہا ہو" مطلب یہ کہ بڑے گناہ تو توبہ کے بغیر معاف نہیں ہوتے مگر چھوٹے گناہ دوسرے نیک کاموں سے

معاف ہو جاتے ہیں، مگر تفسیر بحر محیط میں محققین علماء کا یہ قول نقل کیا ہے کہ صغیرہ گناہ بھی نیک کام کرنے سے جب ہی معاف ہوتے ہیں جبکہ آدمی ان کے کرنے پر نادم ہو اور آئندہ نہ کرنے کا ارادہ کرے ان پر اصرار نہ کرے۔

اِلَّا من رحمر ربك ولذلك خلقَهُمْ الخ یعنی اللہ کی تقدیر اور قضاء میں یہ بات طے ہے کہ کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو جنت کے اور کچھ ایسے ہوں گے جو جہنم کے مستحق ہوں گے اور دوزخ و جنت کو انسانوں اور جنوں سے بھر دیا جائیگا، جیسا کہ حدیث میں ہے، آپ نے فرمایا ''جنت اور دوزخ آپس میں جھگڑ پڑے، جنت نے کہا کیا بات ہے کہ میرے اندر وہی لوگ آئیں گے جو کمزور اور معاشرہ کے گرے پڑے لوگ ہوں گے؟ جہنم نے کہا میرے اندر تو بڑے بڑے جبار اور متکبر قسم کے لوگ ہوں گے، اللہ تعالیٰ نے جنت سے فرمایا تو میری رحمت کی مظہر ہے تیرے ذریعہ سے میں جس کو چاہوں گا جزا دوں گا، اللہ تعالیٰ دوزخ اور جنت دونوں کو بھر دے گا، جنت میں ہمیشہ اس کا فضل ہوگا، حتی کہ اللہ تعالیٰ ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو جنت کے باقی ماندہ رقبے کو بھر دے گی اور جہنم، جہنمیوں کی کثرت کے باوجود ''ھَلْ مِنْ مزید'' کا نعرہ بلند کرے گی، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنا قدم رکھے گا جس پر جہنم کہہ اٹھے گی قَطْ قَطْ وَعزتك ''بس بس تیری عزت و جلال کی قسم''۔ (صحیح بخاری کتاب التوحید، باب الدار)



سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ مائة واِحْدىٰ عَشْرَةَ آيةً.

سورۂ یوسف مکی ہے (۱۱۱) ایک سو گیارہ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۞ الٓرٰ اللّٰهُ اعلمُ بمراده بذلك تِلْكَ هذه الايٰت اٰيٰتُ الْكِتٰبِ القراٰن والا ضافةُ بمعنى من الْمُبِيْنِ ۞ المُظهر لحق من الباطل اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا بلغة العرب لَعَلَّكُمْ يـا اهـلَ مكة تَعْقِلُوْنَ ۞ تـفـهـمـون معانيـه نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ اَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَآ اَوْحَيْنَآ بـايـحائـنـا اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ ۖ وَاِنْ مخففة اى وانه كُنْتَ مِنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الْغٰفِلِيْنَ ۞ اُذكُر اِذْ قَالَ يُوْسُفُ لِاَبِيْهِ يعقوبَ يٰٓاَبَتِ بالكسر دلالةً على ياء الاضافة المحذوفةِ والفتح دلالةٌ على الف محذوفةٍ قُلِبَتْ عن الياء اِنِّيْ رَاَيْتُ في المنام اَحَدَ عَشَرَ كَوْكَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَيْتُهُمْ تـاكيدٌ لِيْ سٰجِدِيْنَ ۞ جُمِعَ بـالياءِ والنون للوصفِ بالسجود الذى هو من صفاتِ العقلاء قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓى اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كيدًا يَحتالُوا فى هلا كِكَ حسدًا لعلمِهم بتاويلها من اَنّهم الكواكبُ والشمسُ امُّكَ والقمرُ ابوك كَيْدًا ۖ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ۞ ظاهرُ العداوةِ وَكَذٰلِكَ كما رايتَ يَجْتَبِيْكَ يختارُك رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ تعبيرِ الرُّؤيا وَيُتِمُّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ بـالنبوة وَعَلٰٓى اٰلِ يَعْقُوْبَ اَوْلادِه كَمَآ اَتَمَّهَا بـالنبوة عَلٰٓى اَبَوَيْكَ مِنْ قَبْلُ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ ۭ اِنَّ رَبَّكَ عَلِيْمٌ بخلقه حَكِيْمٌ ۞ فى صُنعه بهم

تَرْجَمَہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، الٓـر، اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے یہ آیتیں کتاب مبین حق و باطل کے درمیان امتیاز کرنے والی کتاب کی ہیں (آیات الکتاب) میں اضافت بمعنی مِنْ ہے ہم نے اس کتاب کو عربی زبان کا قرآن بنا کر نازل کیا ہے تا کہ اے اہل مکہ تم اس کے معانی کو (پہلے) سمجھو، ہم نے اس قرآن کی وحی آپ کی طرف کر کے آپ کو ایک بہت عمدہ قصہ سنانا چاہتے ہیں اور امر واقعہ یہ ہے کہ آپ اس سے پہلے بالکل

بے خبر تھے اور اِنْ مخففہ ہے ای وانہ وہ وقت قابل ذکر ہے کہ جب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ابا یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا تھا اے ابا جان (أبَتِ) کی تاء کے کسرہ کے ساتھ جو کہ یاء اضافت محذوفہ پر دال ہے، اور تاء کے فتحہ کے ساتھ، جو کہ الف محذوفہ پر دال ہے جو کہ یاء سے بدلا ہوا ہے میں نے خواب میں گیارہ ستاروں کو اور شمس وقمر کو اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا ہے (ساجدین) یاء نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے ستاروں کے سجدہ کے وصف سے متصف ہونے کی وجہ سے جو کہ عقلاء کی صفت ہے (یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) کہا اے میرے پیارے بیٹے تم اپنے اس خواب کا تذکرہ اپنے بھائیوں سے نہ کرنا، ایسا نہ ہو کہ وہ تیرے ساتھ کوئی فریب کاری کریں حسد کی وجہ سے تیری ہلاکت کی کوئی تدبیر کریں ان کے اس خواب کی تعبیر سے واقف ہونے کی وجہ سے کہ کواکب سے مراد وہ خود ہیں اور شمس سے تیری والدہ اور قمر سے مراد تیرے والد ہیں شیطان تو انسان کا کھلا دشمن ہے یعنی اس کی دشمنی ظاہر ہے، اور اس کے مطابق جو تو نے (خواب میں) دیکھا تیرا رب تجھ کو منتخب کرے گا، اور تجھ کو تعبیر رؤیا کا علم سکھائیگا اور تجھے تیرا رب نبوت کے ذریعہ بھرپور نعمتیں عطا کرے گا اور آل یعقوب یعنی اس کی اولاد کو بھی جیسا کہ اس سے پہلے نبوت کے ذریعہ تیرے باپ دادا ابراہیم واسحٰق کو نعمتیں عطا فرمائیں، بے شک تیرا رب اپنی مخلوق سے باخبر ہے اور ان کے ساتھ انکی تدبیر کے بارے میں باحکمت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: هذه الآيات، اس میں تلك اسم اشارہ مونث لانے کی وجہ کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: المظهر للحق اس میں اشارہ ہے کہ مبین اَبَانَ سے متعدی ہے۔

قَوْلُہٗ: بایحائنا، اس میں اشارہ ہے کہ مَا مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ کہ اسکے صلہ میں عائد کی ضرورت ہو۔

قَوْلُہٗ: مخففة ای اِنَّهٗ اس میں اشارہ ہے کہ اِنْ مخففه عن المثقله اور اِنْ کا اسم ضمیر شان محذوف ہے ای اِنَّهٗ، اور لَمِنَ الغفلين میں لام فارقہ ہے۔

قَوْلُہٗ: دلالة على الف محذوفة، اسلئے کہ اسکی اصل یا اَبَتَا تھی الف حذف کر دیا گیا فتحہ باقی رہ گیا تا کہ حذف الف پر دلالت کرے۔

قَوْلُہٗ: فی المنام، اس اضافہ میں اشارہ ہے کہ رأیتُ رؤیا سے بدل ہے نہ کہ رؤیت سے۔

قَوْلُہٗ: تاکید، رأیتُهُمْ رأیتُ کی تاکید ہے لہٰذا بے فائدہ تکرار کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: یحتالوا، کا اضافہ اس بات کا جواب ہے کہ کیدًا متعدی بنفسہ ہوتا ہے حالانکہ یہاں متعدی باللام لایا گیا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کیدٌ کا احتیال کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بالام لانا درست ہے۔

تفسیر وتشریح

آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد:

آسمانی کتابوں کے نزول کا مقصد لوگوں کی ہدایت اور رہنمائی ہوتی ہے اور یہ مقصد اسی وقت حاصل ہو سکتا ہے کہ جب وہ کتاب اس قوم کی زبان میں ہو جو اس کے اولین مخاطب ہیں یہی وجہ ہے کہ ہر آسمانی کتاب اسی قوم کی زبان میں نازل ہوئی جس قوم کی ہدایت کے لئے وہ نازل کی گئی، قرآن کریم کے اولین مخاطب چونکہ عرب تھے اس لئے قرآن عربی زبان میں نازل ہوا، علاوہ ازیں اپنی فصاحت وبلاغت اور اعجاز اور ادائے مافی الضمیر کے اعتبار سے دنیا کی بہترین زبان ہے اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس اشرف کتب کو اشرف اللغات (عربی) اشرف الرسل (محمد ﷺ) پر اشرف الملائکہ (جبرئیل) کے ذریعہ نازل فرمایا۔

شان نزول:

شان نزول کے سلسلہ میں جو روایت ملتی ہے ایک ان میں سے وہ ہے جس کو ابن مردویہ اور ابونعیم اور بیہقی نے جابر بن عبداللہ سے روایت کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک یہودی بستانی آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ ﷺ سے دریافت کیا کہ اے محمد آپ مجھے ان ستاروں کے بارے میں بتلایئے جن کو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے خواب میں اپنے لئے سجدہ کرتے ہوئے دیکھا تھا، آپ ﷺ اس وقت خاموش رہے اس کے بعد حضرت جبرائیل نازل ہوئے ان گیارہ ستاروں کے نام بتائے آپ ﷺ نے اس یہودی بستانی کو بلایا اور اس سے کہا اگر میں ان کے نام بتادوں تو کیا تو ایمان لائیگا اس نے کہا ہاں، تو آپ نے ستاروں (بھائیوں) کے نام بتائے۔

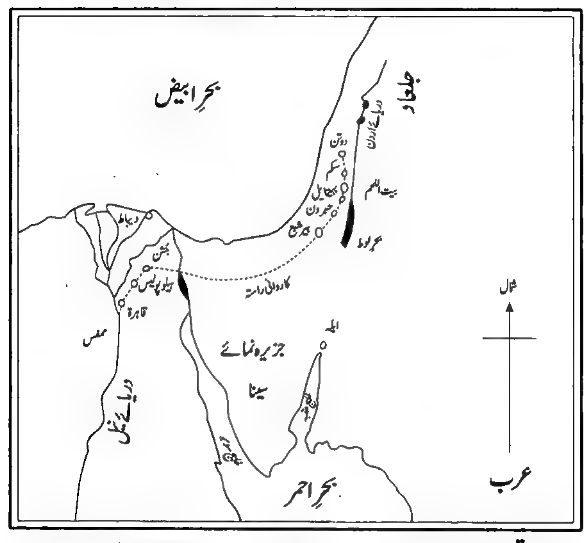
① الذیال ② الوثاب ③ الطارق ④ فلیق ⑤ الصبح ⑥ القابس ⑦ الضروح ⑧ الخرثان ⑨ الکلفان ⑩ العمودان ⑪ ذوالفرع۔ یہودی نے کہا صدقت یا محمد اور وہ اسلام نہیں لایا، مگر اس روایت کی سند میں کئی راوی متکلم فیہ ہیں اور ابن جوزی نے کہا یہ روایت موضوع ہے (اعراب القرآن للدرویش) بعض روایتوں میں ناموں کا اختلاف بھی ہے حضرت مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی مرحوم نے قصص القرآن میں سورۂ یوسف کا شان نزول اس طرح تحریر فرمایا ہے، لکھتے ہیں کہ سورۂ یوسف کے شان نزول کے سلسلہ میں حدیثی روایات اور مفسرین کے اقوال کا حاصل یہ ہے کہ کفار مکہ نے ایک مرتبہ نبی ﷺ کے متعلق گفتگو کی اور اپنی درماندگی اور پریشانی اور عاجزی کا اظہار کیا، اس

پر یہود نے ان سے کہا اس مدعی نبوت کو زچ کرنے اور جھوٹا ثابت کرنے کے لئے تم ان سے یہ سوال کرو کہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد شام سے مصر کیوں منتقل ہوئی؟ اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق جو واقعات ہیں ان کی تفصیل کیا ہے؟ اگر یہ نبی نہیں ہے تو ہرگز نہ بتا سکے گا۔

کفار نے یہود کی ہدایت کے مطابق ذات اقدس ﷺ سے یہ دونوں سوال کئے اور آپ نے وحی کے ذریعہ ان کو سب کچھ بتا دیا جو سورۂ یوسف میں موجود ہے۔ (قصص القرآن)

۞۞۞۞۞

نقشہ قصۂ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام



دوتن: وہ مقام جہاں بائبل کے بیان کے مطابق برادران یوسف نے حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو کنوئیں میں پھینکا۔

سِکم: وہ مقام جہاں حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی آبائی جائداد تھی اب اس مقام کا نام نابلس ہے۔

حبرون: وہ مقام جہاں حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام رہتے تھے اس کو الخلیل بھی کہتے ہیں۔

ممفس: مصر کا قدیم پایہ تخت اب اہل مصر اس کو منف کہتے ہیں۔

جُشن: وہ علاقہ جہاں حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے مصر میں بنی اسرائیل کو آباد کیا۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نسب نامہ:

یوسف بن یعقوب بن اسحٰق بن ابراہیم علیہم السلام اس طرح یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پڑپوتے ہیں ان کی والدہ کا نام راحیل بنت لیان یالایان ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کا انتقال ان کے چھوٹے بھائی بن یامین کی ولادت کے وقت مدت نفاس ہی میں ہوگیا تھا ان کے بعد حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خالہ لیا بنت لیان سے نکاح کرلیا تھا بن یامین حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی بھائی تھے اور باقی بھائی علاتی (باپ شریک) تھے جن کے نام اوپر مذکور ہوئے۔

قرآن عزیز میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ذکر:

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نام قرآن کریم میں ۲۶ مرتبہ آیا ہے جن میں سے ۲۴ مرتبہ صرف سورۂ یوسف میں آیا ہے اور بقیہ مرتبہ دیگر سورتوں میں، اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو یہ فخر بھی حاصل ہے کہ اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرح ان کے نام کی بھی قرآن کی ایک سورت (سورۂ یوسف) نازل ہوئی۔

قرآن عزیز نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے واقعہ کو احسن قصص کہا ہے اس لئے کہ اس واقعہ میں جس قدر نوعیت کے اعتبار سے عجیب دل کش اور زمانہ عروج وزوال کی زندہ یادگار ہے، یہ ایک فرد کے ذریعہ قوموں کے بننے اور بگڑنے، گرنے اور ابھرنے کی ایسی بولتی ہوئی تصویر ہے جو کسی تشریح وتوضیح کی محتاج نہیں۔

تاریخی وجغرافیائی حالات:

اس قصہ کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ مختصراً اس کے متعلق کچھ تاریخی وجغرافیائی معلومات بھی ناظرین کے پیش نظر رہیں، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بیٹے اور اسحٰق علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پوتے اور حضرت ابراہیم کے پڑپوتے تھے، فلسطین میں حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جائے قیام حبرون کی وادی میں تھی، حضرت اسحٰق اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مسکن بھی یہی تھا، اس کے علاوہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کچھ زمین سکم (موجودہ نابلس) میں بھی تھی، بائبل کے علماء کی تحقیق اگر درست مان لی جائے تو یوسف کی پیدائش ۱۹۰۶ ق م کے لگ بھگ ہوئی اور ۱۸۹۰ ق م میں خواب کا واقعہ پیش آیا جس سے اس قصہ کی ابتداء ہوتی ہے۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خواب اور واقعہ کی ابتداء:

اِذْقال یوسف لابیہِ یٰاَبَتِ اِنِّیْ رأیتُ اَحَدَ عَشَرَ کوکبًا والشمس والقمر رأیتُھُمْ لی ساجدین حضرت یعقوب اپنی اولاد میں حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بیحد محبت کرتے تھے یہ بات برادران یوسف کے لئے بے حد شاق اور

ناقابل برداشت تھی اور وہ ہر وقت اس فکر میں لگے رہتے تھے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے دل سے اس کی محبت نکال ڈالیں یا پھر یوسف ہی کو راستہ سے ہٹا دیں تاکہ قصہ ہی پاک ہو جائے۔

ان بھائیوں کے حاسدانہ تخیل پر تازیانہ یہ ہوا کہ یوسف علیہ السلام نے ایک خواب دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج، چاند ان کے سامنے سجدہ ریز ہیں، یعقوب علیہ السلام نے جب یہ خواب سنا تو سختی کے ساتھ یوسف علیہ السلام کو منع کر دیا کہ اپنا یہ خواب کسی سے بیان نہ کریں ایسا نہ ہو کہ تیرے بھائی تیرے ساتھ برائی سے پیش آئیں اور تیرے خواب کی تعبیر بہت صاف ہے، جس وقت حضرت یوسف علیہ السلام نے یہ خواب دیکھا تھا اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی عمر باختلاف روایات ۱۳،۱۴ یا ۱۷ سال تھی۔

خواب کا مطلب:

خواب کا صاف مطلب یہ تھا کہ سورج سے مراد حضرت یعقوب اور چاند سے مراد ان کی بیوی یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کی سوتیلی والدہ اور گیارہ ستاروں سے گیارہ بھائی بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ شمس سے مراد والدہ اور قمر سے والد مراد ہیں حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا گیارہ ستاروں سے مراد یوسف علیہ السلام کے گیارہ بھائی اور چاند سورج سے مراد ان کے ماں باپ ہیں، والدہ راحیل کا اگرچہ انتقال ہو چکا تھا مگر اس وقت حضرت یوسف علیہ السلام کی خالہ لیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے نکاح میں تھیں خالہ اور سوتیلی ماں چونکہ حقیقی ماں کے قائم مقام ہوتی ہے اسلئے خالہ کو والدہ سے تعبیر کیا ہے۔

لَقَدْ كَانَ فِيْ خبرِ **يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖٓ** وهم احد عشرَ **اٰيٰتٌ** عبر **لِّلسَّآئِلِيْنَ** ۞ عن خبرهم أذكُرْ **اِذْ قَالُوْا** اى بعض اخوة يوسفَ لبعضهِمْ **لَيُوْسُفُ** مبتدأ **وَاَخُوْهُ** شقيقُه بنيامينُ **اَحَبُّ** خبرٌ **اِلٰٓى اَبِيْنَا مِنَّا وَنَحْنُ عُصْبَةٌ** جماعةٌ **اِنَّ اَبَانَا لَفِيْ ضَلٰلٍ** خطاءٍ **مُّبِيْنِ** ۞ بينٍ بايثارِهما علينا **اقْتُلُوْا يُوْسُفَ اَوِ اطْرَحُوْهُ اَرْضًا** اى بارضٍ بعيدةٍ **يَّخْلُ لَكُمْ وَجْهُ اَبِيْكُمْ** بان يُقبلَ عليكم ولا يلتفتَ لغيركم **وَتَكُوْنُوْا مِنْ بَعْدِهٖ** اى بعد قتل يوسفَ اوطرحه **قَوْمًا صٰلِحِيْنَ** ۞ بان تتوبوا **قَالَ قَآئِلٌ مِّنْهُمْ** هويهوذا **لَا تَقْتُلُوْا يُوْسُفَ وَاَلْقُوْهُ** اِطرحُوه **فِيْ غَيٰبَتِ الْجُبِّ** مظلمِ البيرِ وفي قراءةٍ بالجمعِ **يَلْتَقِطْهُ بَعْضُ السَّيَّارَةِ** المسافرينَ **اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ** ۞ ما اردتُم من التفريق فاكتفوا بذلك **قَالُوْا يٰٓاَبَانَا مَا لَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰى يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ** ۞ لقائمونَ بمصالحِه **اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا** الى الصحراءِ **يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ** بالنون والياءِ فيهما ننشِط ونتّسِعْ **وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ** ۞ **قَالَ اِنِّيْ لَيَحْزُنُنِيْٓ اَنْ تَذْهَبُوْا** اى ذهابُكم **بِهٖ** لفراقه **وَاَخَافُ اَنْ يَّاْكُلَهُ الذِّئْبُ** والمرادُبه الجنسُ وكانت ارضُهم كثيرةَ الذئاب **وَاَنْتُمْ عَنْهُ غٰفِلُوْنَ** ۞ مشغولونَ **قَالُوْا لَئِنْ** لامُ قسمٍ **اَكَلَهُ الذِّئْبُ وَنَحْنُ عُصْبَةٌ** جماعةٌ **اِنَّآ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ** ۞ عاجزونَ فارسَلَه

معهم **فَلَمَّا ذَهَبُوا بِهِ وَأَجْمَعُوا** عَزمُوا **أَنْ يَجْعَلُوهُ فِي غَيٰبَتِ الْجُبِّ** وجوابُ لَمَّا محذوفٌ اى فعلُوا ذلك بأن نزعُوا قميصه بعد ضربه واهانته وارادة قتله وادلوه فلما وصل الى نصفِ البئرِ ألقوه ليموتَ فسقط فى الماء، ثم اوى الى صخرةٍ فنادَوْه فاجابهم لظنِ رحمتِهم فارادوْا رَضْخه بصخرةٍ فمنعهم يهودا **وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِ** فى الجب وحيَ حقيقةٍ وله سبعَ عشرةَ سنةً اودونَها تطميناً لقلبه **لَتُنَبِّئَنَّهُمْ** بعد اليوم **بِأَمْرِهِمْ** بصنيعِهم **هٰذَا وَهُمْ لَا يَشْعُرُونَ** بك حالَ الانباءِ **وَجَاءُوا أَبَاهُمْ عِشَاءً** وقتَ المساءِ **يَبْكُونَ قَالُوا يَا أَبَانَا إِنَّا ذَهَبْنَا نَسْتَبِقُ** نرمِى **وَتَرَكْنَا يُوسُفَ عِنْدَ مَتَاعِنَا** ثِيابنا **فَأَكَلَهُ الذِّئْبُ وَمَا أَنْتَ بِمُؤْمِنٍ** بمصدقٍ **لَنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِينَ** عندك لاتهمتنا فى هذه القصة لمحبة يوسف فكيف وانت تسيءُ الظنَ بنا **وَجَاءُوا عَلَىٰ قَمِيصِهِ** محلُه نصبٌ على الظرفية اى فوقه **بِدَمٍ كَذِبٍ** اى ذِى كذب بأن ذبحُوا سخلةً ولطخوه بدمِها وذهلُوا عن شقه وقالُوا إنه دمُه **قَالَ** يعقوبُ لمَّا راه صحيحًا وعلِمَ كذبَهم **بَلْ سَوَّلَتْ** زيّنت **لَكُمْ أَنْفُسُكُمْ أَمْرًا** ففعلتموه به **فَصَبْرٌ جَمِيلٌ** لاجزعَ فيه وهو خبرُ مبتدأ محذوفٍ اى أمرى **وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ** المطلوبُ منه العونُ **عَلَىٰ مَا تَصِفُونَ** تذكرونَ من امرِ يوسفَ **وَجَاءَتْ سَيَّارَةٌ** مُسافرونَ من مدينَ الى مصر فنزلُوا قريباً من جُبِّ يوسفَ **فَأَرْسَلُوا وَارِدَهُمْ** الذى يَرِدُ الماءَ ليَستقِيَ منه **فَأَدْلَىٰ** ارسل **دَلْوَهُ** فى البيرِ فتعلَّق بها يوسفُ فاخرجَه فلمَّا راٰه **قَالَ يَا بُشْرَىٰ** وفى قراءةٍ بشرَى وندائُها مجازٌ اى أحضرى فهذا وقتُك **هٰذَا غُلَامٌ** فعلِمَ به إخوتُه فأتَوْهم **وَأَسَرُّوهُ** اى أخفَوْا امرَه جاعِلِيه **بِضَاعَةً** بأنْ قالُوا هو عبدُنا ابق وسَكَتَ يوسفُ خوفًا أن يَقتُلوه **وَاللّٰهُ عَلِيمٌ بِمَا يَعْمَلُونَ وَشَرَوْهُ** اى باعوه منهم **بِثَمَنٍ بَخْسٍ** ناقص **دَرَاهِمَ مَعْدُودَةٍ** عِشرينَ اواثنين وعشرينَ **وَكَانُوا** اى اخوته **فِيهِ مِنَ الزَّاهِدِينَ** فجاء تْ به السيارةُ الى مصرَ فباعه الَّذِى إشتراهُ بعشرينَ دينارًا وزوجَىْ نعلٍ وثوبين.

تَرجَمہ: حقیقت یہ ہے کہ یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں کے قصہ میں کہ وہ گیارہ تھے سوال کرنے والوں کے لئے بڑی عبرتیں ہیں، اس وقت کا تذکرہ کرو کہ جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپس میں کہا کہ یوسف اور اس کا حقیقی بھائی بن یامین ہمارے اباجان کے لئے ہمارے مقابلہ میں زیادہ چہیتے ہیں، **لَیُوسف** مبتدا ہے اور **اَحَبُّ** اس کی خبر ہے، حالانکہ ہمارا ایک جتھا ہے، ہمارے اباجان ان دونوں کو ہم پر ترجیح دینے کے معاملہ میں کھلی غلطی پر ہیں (ایسا کرو) کہ یوسف کو قتل کردو یا کسی دور ملک میں پہنچادو (اس تدبیر سے) تمہارے اباجان کی توجہ خالص تمہاری طرف ہوجائے گی، اس طریقہ پر کہ تمہاری طرف متوجہ رہیں گے تمہارے علاوہ کسی اور کی طرف توجہ نہ کریں گے، یوسف کو قتل کرنے یا دور پہنچانے کے بعد، پھر توبہ کرکے نیک بن جانا ان میں سے ایک بولا یوسف کو قتل نہ کرو (بلکہ) کسی اندھیرے کنویں میں ڈال دو، اور ایک قراءت میں

(غیابات) جمع کے ساتھ ہے، (ابا جان سے) جدا کرنے کے سلسلہ میں اگر تمہیں کچھ کرنا ہے تو اسی پر اکتفا کرو، اسے مسافروں کا کوئی قافلہ نکال لے جائیگا (اس تجویز کے مطابق) انہوں نے (جا کر) کہا ابا جان کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے معاملہ میں ہمارے اوپر اعتماد نہیں کرتے؟ حالانکہ ہم اس کے سچے خیر خواہ ہیں، یعنی اس کی مصلحتوں کا خیال رکھنے والے ہیں، کل اس کو ہمارے ساتھ جنگل کی طرف بھیج دیجئے تاکہ مزے سے کھائے کھیلے (اور ایک قراءت میں) دونوں (فعل) نون کے ساتھ ہیں تاکہ ہم تیر اندازی کریں اور کھیلیں کودیں، اور اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں، یعقوب علیہ السلام نے جواب دیا کہ تمہارا اس کو لیجانا اس کی جدائی کی وجہ سے مجھے بہت رنجیدہ کرے گا اور مجھے یہ بھی اندیشہ ہے کہ کہیں اسے بھیڑیا نہ کھا جائے اور (ذئب سے) جنس ذئب مراد ہے، اور ان کے علاقہ میں بھیڑیے بکثرت تھے، اور تم اس سے غافل رہو یعنی کھیل کود میں مشغول رہو ان لوگوں نے جواب دیا واللہ اگر اسے بھیڑیا کھا جائے حال یہ کہ ہم ایک (بڑی) جماعت ہیں تب تو ہم ناکارہ ہی ٹھہرے، القصہ (یعقوب علیہ السلام نے) یوسف علیہ السلام کو ان کے ساتھ بھیج دیا، چنانچہ جب اس کو لے گئے اور پختہ ارادہ کرلیا کہ اس کو کسی اندھے کنویں میں ڈال دیں (لَمَّا) کا جواب محذوف ہے اور وہ (فَعَلُوا ذٰلِكَ) ہے یعنی انہوں نے یہ کیا کہ اس کی قمیص اتارنے اور اس کو زدوکوب کرنے اور اس کی تذلیل کرنے کے بعد اس کو قتل کے ارادہ سے کنویں میں لٹکا دیا، جب یوسف علیہ السلام درمیان کنویں تک پہنچ گئے تو اس کو چھوڑ دیا تاکہ مرجائے، غرضیکہ یوسف علیہ السلام پانی میں جاگرے پھر اس نے ایک پتھر کا سہارا لیا، تو بھائیوں نے اس کو آواز دی (یوسف نے) ان کی آواز پر یہ خیال کرتے ہوئے کہ شاید ان کو رحم آگیا ہو لبیک کہا، تو انہوں نے پتھر سے سر کچلنے کا ارادہ کیا، مگر یہودا نے ان کو اس حرکت سے منع کیا، اور ہم نے کنویں ہی میں یوسف کے پاس اطمینان قلبی کے لئے حقیقۃً وحی بھیجی اور یوسف اس وقت سترہ سال یا اس سے کچھ کم کے تھے کہ (اے یوسف) تو مستقبل میں ان کی اس حرکت کی خبر دے گا حال یہ کہ خبر دیتے وقت وہ تجھ کو نہ پہچان سکیں گے، اور شام کے وقت سب بھائی اپنے ابا جان کے پاس روتے ہوئے آئے کہا اے ہمارے ابا جان ہم تو تیر اندازی کے مقابلہ بازی میں مشغول ہوگئے تھے اور یوسف کو ہم نے اپنے کپڑے وغیرہ سامان کے پاس چھوڑ دیا تھا اس کو تو بھیڑیا کھا گیا، آپ تو ہماری بات کا یقین کرنے والے ہیں نہیں اگرچہ ہم تمہارے نزدیک سچے ہیں مگر تم اس معاملہ میں یوسف کی محبت کی وجہ سے، ہمیں یقیناً متہم کروگے، اور آپ ہماری بات کا یقین کر بھی کیسے سکتے ہو؟ جبکہ آپ ہمارے بارے میں بدگمانی رکھتے ہیں، اور برادران یوسف، یوسف علیہ السلام کی قمیص پر جھوٹ موٹ کا خون لگا لائے عَلٰی قَمِیْصِهٖ ظرفیت کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے، ای فَوْقَ قَمِیْصِهٖ، یعنی جھوٹا خون اس طریقہ پر کہ ایک بھیڑ کے بچہ کو ذبح کیا اور اس قمیص کو اس کے خون میں آلودہ کرلیا مگر قمیص کو پھاڑنا ان کے خیال سے نکل گیا اور کہہ دیا کہ یہ یوسف کا خون ہے، یعقوب علیہ السلام نے جب قمیص کو صحیح سالم دیکھا تو ان کے جھوٹ کو سمجھ گئے (یعقوب علیہ السلام) نے کہا (جو تم کہہ رہے ہو) بات ایسی نہیں ہے بلکہ تم نے اپنی طرف سے بات گھڑلی جس کو تم نے اس کے ساتھ عملی جامہ پہنایا ہے، (اب تو) میرے لئے صبر ہی بہتر ہے صبر جمیل وہ ہے کہ جس میں کوئی شکوہ شکایت نہ ہو (آہ وفغاں نہ ہو) فَصَبْرٌ جَمِیْلٌ،

امــری مبتداء محذوف کی خبر ہے اور یوسف کے معاملہ میں جو تم باتیں بنا رہے ہو اس کے بارے میں اللہ ہی سے مدد مانگی جاسکتی ہے یعنی اسی سے مدد مطلوب ہے اور مدین کے مسافروں کا ایک قافلہ مصر جانے کے لئے آیا اور اس کنویں کے قریب پڑاؤ کیا جس میں یوسف علیہ السلام پڑے ہوئے تھے، اور اہل قافلہ نے اپنے سقے کو پانی لانے کے لئے بھیجا جس کی ذمہ داری پانی کا نظم کرنے کی تھی تاکہ اس سے سیرابی حاصل کریں، سو سقے نے جب کنویں میں ڈول ڈالا تو اس سے لٹک گئے اور یوسف علیہ السلام کو سقے نے نکال لیا، اور (وہ سقا) چلا اٹھا مبارک ہو اور ایک قراءت میں بُشْریٰ ہے اور اس کو نداءِ مجازاً ہے، اے میری خوشخبری تو حاضر ہو جا یہ تیرے حاضر ہونے کا وقت ہے، یہ تو ایک لڑکا ہے، چنانچہ اس کا علم اُس (یوسف) کے بھائیوں کو بھی ہو گیا، چنانچہ وہ قافلہ والوں کے پاس آئے، اور بھائیوں نے یوسف کو مال تجارت قرار دیتے ہوئے (واقعہ) کی اصل حقیقت کو چھپایا، اس طریقہ پر کہ انہوں نے کہا ہمارا بھاگا ہوا غلام ہے اور یوسف اس خیال سے خاموش رہے کہ کہیں ان کو قتل نہ کر دیں، حالانکہ وہ جو کچھ کر رہے تھے اللہ اس سے باخبر تھا اور یوسف کے بھائیوں نے یوسف کو قافلے والوں میں سے ایک شخص کے ہاتھ بہت ہی قلیل قیمت یعنی گنتی کے چند درہموں یعنی بیس یا بائیس درہم کے عوض فروخت کر دیا، اور یوسف کے بھائی یوسف سے کوئی رغبت نہیں رکھتے تھے، چنانچہ قافلہ یوسف کو مصر لے آیا، اور جس شخص نے یوسف کو خریدا تھا اس نے بیس دینار اور دو جوڑی جوتوں اور دو جوڑے کپڑوں میں یوسف کو بیچ دیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: خبر مفسر علام نے خبر مضاف محذوف مان کر ایک سوال کا جواب دیا ہے سوال یہ ہے کہ آیت میں یوسف علیہ السلام فی کا ظرف واقع ہے حالانکہ یوسف چونکہ ذات ہے اس لئے اس میں ظرف بننے کی صلاحیت نہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ یوسف ظرف نہیں ہے بلکہ یوسف سے پہلے خبر محذوف ہے جیسا کہ مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: مبتدأ، اس میں اشارہ ہے کہ لَیوسف پر لام ابتدائیہ ہے نہ کہ قسمیہ۔

قَوْلُہٗ: شقیقُہٗ، اس میں اشارہ ہے کہ بنیامین حضرت یوسف علیہ السلام کے حقیقی بھائی تھے اور بقیہ تمام بھائی علاتی بھائی تھے۔

قَوْلُہٗ: بارض بعیدۃ، بعیدۃ کے اضافہ میں اشارہ ہے کہ ارضاً کی تنوین تعظیم کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: غیابة الجُبِّ، تاریک کنواں، کنویں کی اندھیری، گہرائی۔

قَوْلُہٗ: فاکتفوا بذلك، یہ ان کنتم کا جواب ہے جو محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: یرتع مضارع واحد مذکر غائب (فتح) پھل کھائے، مزے اڑائے، راتع چرنے والا۔

قَوْلُہٗ: فعلوا ذلك یہ لَمَّا کا جواب ہے۔

قَوْلُہٗ: بـأن نـزعـوا قـمـيـصـهٗ، باءِ تصویریہ ہے کہ جو کہ صورت فعل کو بتانے کے لئے ہے، یعنی کنویں میں یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کس طرح ڈالا؟

قَوْلُہٗ: بالنون والياء فيها ننشط ونتسع اس اضافہ کا مقصد يرتع ويلعب میں دوقراءتوں کو بیان کرنا ہے یعنی يرتع اور يلعب واحد مذکر غائب اور جمع متکلم دونوں قراءتیں ہیں، اور ننشط نلعب کی تفسیر ہے یعنی تا کہ ہم تیر اندازی میں مسابقت کریں اور نتسع یہ نرتع کی تفسیر ہے یعنی تا کہ ہم کھائیں اور مزے اڑائیں، اس تفسیر میں لف ونشر غیر مرتب ہے۔

قَوْلُہٗ: المراد به الجنس اس اضافہ سے یہ بتانا مقصود ہے الذئب میں الف لام عہد کا نہیں ہے اسلئے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذہن میں کوئی متعین بھیڑیا نہیں تھا بلکہ الف لام جنس کا ہے یعنی بھیڑیئے کا کوئی بھی فرد اس کو کھا جائے۔

قَوْلُہٗ: انّا اذًا لخاسرون، جواب قسم ہے۔

قَوْلُہٗ: جوابُ لَمّا محذوف یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ کلام تام نہیں ہے اسلئے کہ فَلَمّا ذهبوا کا جواب مذکور نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ لَمّا کا جواب محذوف ہے اور وہ فعلوا ذلك ہے۔

قَوْلُہٗ: رَضخَهٗ (ف) رَضخًا پتھر سے کچلنا، ٹکرانا۔

قَوْلُہٗ: ولو كنّا صادقين، اى فرضًا.

قَوْلُہٗ: لا تُهْمَتَنَا یہ لو كنا کا جواب محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: محلّه نصبٌ على الظرفية، يعنى على قميصه ظرف ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، تقدیر عبارت یہ ہے "وجاء وفوق قميصه بدمٍ كذبٍ".

قَوْلُہٗ: اى ذى كذب اس اضافہ کا مقصد اس اعتراض کو دفع کرنا ہے کہ بدمٍ كذبٍ میں مصدر کا حمل ذات پر ہے جو کہ درست نہیں ہے ذی کا اضافہ کر کے بتا دیا کہ مصدر بمعنی اسم فاعل ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں، اور اگر ذی محذوف نہ مانا جائے تو بطور مبالغہ حمل درست ہوگا جیسا کہ زید عدل میں ہے۔

قَوْلُہٗ: الذى يرد الماء یہ وارِدٌ کی تفسیر ہے یعنی وہ شخص جو پانی کا انتظام کرتا ہے جس کو سقا کہتے ہیں اس سقے کا نام مالک ابن ذعر خزاعی تھا۔

قَوْلُہٗ: ليستسقى منه تا کہ کنویں سے پانی لائے، بعض نسخوں میں ليستقى ہے دونوں کا صلہ من آتا ہے، استقى من النهر، نہر سے پانی لایا۔

قَوْلُہٗ: فى قراءة بُشرِىَ میری خوشخبری، بشارت کو نداء مجازًا کہہ دیا ہے اس لئے کہ بشارت میں مخاطب بننے کی صلاحیت نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

لَقَدْ كَانَ فِي يُوْسُفَ وَاِخْوَتِهٖ آيَاتٌ لِلسَّائِلِين، اس آیت میں اس بات پر متنبہ کیا گیا ہے کہ قصۂ یوسف کو محض ایک قصہ مت سمجھو بلکہ اس میں تحقیق کرنے والوں اور سوال کرنے والوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

سائلین کون تھے؟

سورۂ یوسف کے شان نزول کے سلسلہ میں یہ بات گذر چکی ہے کہ پوری سورۂ یوسف مشرکین مکہ کے ایک سوال کے جواب میں بیک وقت نازل ہوئی تھی، مکہ میں جب آپ ﷺ کی نبوت کا چرچا ہوا تو مشرکین مکہ نے اس کی بڑی شدت سے مخالفت کی اور ایذا رسانی کا ایک لا متناہی سلسلہ شروع کر دیا اور کوشش کی (بزعم خویش) اس فتنہ کو بہر صورت ختم کر دیا جائے، مگر وہ اس میں کامیاب نہ ہوئے اور اسلامی تحریک دن بدن ترقی کرتی رہی آخر کار مشرکین نے تنگ آ کر یہود مدینہ سے اس سلسلہ میں گفتگو کی اور اپنی پریشانی اور لاچاری کا اظہار کیا اس پر یہود نے کہا کہ تم اس مدعی نبوت سے دو سوال کرو ایک یہ کہ یعقوب کی اولاد شام سے مصر کیوں منتقل ہوئی؟ دوسرے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے متعلق واقعات کی تفصیل کیا ہے؟ اگر نبی نہیں ہے تو ہرگز نہ بتا سکے گا۔

کفار نے یہود کی ہدایت کے مطابق آپ ﷺ سے یہ دونوں سوال کئے اور آپ نے وحی الٰہی کے ذریعہ وہ سب کچھ ان کو سنا دیا جو سورۂ یوسف میں موجود ہے۔

یہ واقعہ یہودیوں نے اس لئے منتخب کیا تھا کہ نہ اس واقعہ کی کوئی عام شہرت تھی اور نہ مکہ میں اس واقعہ سے کوئی واقف تھا اور اس وقت مکہ میں اہل کتاب میں سے بھی کوئی موجود نہیں تھا کہ ان کے ذریعہ تورات کے حوالہ سے یہ واقعہ معلوم ہو سکتا آپ ﷺ کا اس تفصیل سے واقعۂ یوسف کو بیان کر دینا یہ آپ کا معجزہ اور نبوت کی کھلی دلیل ہے اس لئے کہ ایک امی کے لئے اس بسط وتفصیل سے واقعہ کو بیان کر دینا کہ تورات میں بھی اتنی تفصیل نہیں ہے یہ وحی الٰہی سے ہی ہو سکتا تھا۔

قطع نظر یہود کے سوال کے خود یہ واقعہ ایسے امور پر مشتمل ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کی بڑی نشانیاں اور تحقیق کرنے والوں کے لئے بڑی ہدایتیں اور احکام ومسائل موجود ہیں کہ جس بچہ کو بھائیوں نے ہلاکت کے لئے کنویں میں ڈالا تھا اللہ تعالیٰ کی قدرت نے اس کو کہاں سے کہاں پہنچایا، اس واقعہ کو سنکر قلوب میں حق تعالیٰ کی عظیم قدرت وحکمت کا نقش جم جاتا ہے، نبی کریم ﷺ کی صداقت کا بین ثبوت ملتا ہے، اس واقعہ میں خصوصاً مشرکین مکہ کیلئے جو یہود کے اکسانے پر آپ ﷺ سے سوال کر رہے تھے بڑی عبرت ہے کہ جس طرح یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بھائیوں نے گھر سے نکالا از راہ حسد قتل اور جلاوطن کرنے کے مشورہ کئے قسم قسم کی اذیتیں پہنچائیں، اہانت اور استخفاف میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا آخر ایک وقت آیا کہ یوسف کی طرف نادم ومحتاج ہو کر آئے، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خدا تعالیٰ نے دین ودنیا کے اعلیٰ مناصب پر فائز کیا اور انہوں نے اپنے عروج واقتدار کے

وقت بھائیوں کے جرائم سے چشم پوشی کی اور نہایت دریا دلی سے سب کے قصور معاف کردیئے ٹھیک اسی طرح محمد ﷺ کی برادری نے آپ کے متعلق ناپاک منصوبے بنائے اذیتیں پہنچائیں آپ ﷺ کی عزت وآبرو پر حملے کئے حتی کہ وطن چھوڑنے پر مجبور کیا، لیکن جلد ہی وہ دن آگیا کہ وطن سے علیحدہ ہوکر آپ کی کامیابی اور رفعت شان کا آفتاب چمکا اور چند ہی سالوں کے بعد فتح مکہ کا وہ تاریخی دن آگیا کہ جب آپ نے اپنے وطنی اور قومی بھائیوں اور جانی دشمنوں کی تمام تقصیرات پر بعینہ حضرت یوسف والے کلمات "لا تثریب علیکم الیوم" فرما کر قلم عفو پھیر دیا۔

واقعہ کی تفصیل:

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے بھائیوں کے واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کل بارہ بیٹے تھے ان میں سے ہر لڑکا صاحب اولاد ہوا ہے اور سب کے خاندان خوب پھلے پھولے، چونکہ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا لقب اسرائیل تھا اسلئے یہ بارہ خاندان بنی اسرائیل کہلائے، (معارف) ان بارہ بیٹوں میں سے دس بیٹے یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلی بیوی لیا بنت لیان کے بطن سے تھے، ان کی وفات کے بعد یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے لیا کی بہن راحیل بنت لیان سے نکاح کرلیا ان کے بطن سے دو لڑکے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اور بنیامین پیدا ہوئے، بن یامین حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حقیقی بھائی تھے اور باقی دس علاتی بھائی تھے جن کے ناموں کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ راحیل کا انتقال بھی ان کے بچپن میں بنیامین کی ولادت کے وقت ہوگیا تھا۔

دوسری آیت سے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ شروع ہوا ہے کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائیوں نے اپنے والد صاحب کو دیکھا کہ وہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے غیر معمولی محبت رکھتے ہیں، اس پر ان کو حسد ہوا، اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی طرح بھائیوں کو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے خواب کا علم ہوگیا ہو جس سے انہوں نے محسوس کیا ہو کہ یوسف کی بڑی شان ہونے والی ہے اس سے حسد ہوا اور وہ سمجھتے ہوں کہ محبت تو ہم سے زیادہ ہونی چاہئے اس لئے کہ ہم ایک بڑی اور طاقتور جماعت ہیں وقت پڑنے پر ہم ہی کام آسکتے ہیں یہ بچے کیا کام آسکتے ہیں؟ اسلئے ہمارے والد صاحب کی یہ کھلی ناانصافی ہے اس کے علاج کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں یا تو یوسف کو قتل کردو تا کہ قصہ پاک ہوجائے یا پھر ان کو کسی دور دراز ملک میں پہنچا دو اس طرح والد صاحب کی توجہ اور محبت تمہارے ساتھ مخصوص ہوجائیگی، رہا قتل یا کنویں میں ڈالنے کا گناہ تو بعد میں توبہ کرکے تم نیک بن سکتے ہو۔

وتکونوا من بعدہ قومًا صالحین، کے ایک معنی یہ بھی بیان کئے گئے ہیں کہ یوسف کو راستہ سے ہٹانے کے بعد تمہارے حالات درست ہوجائیں گے کیونکہ باپ کی توجہ کا یہ مرکز ختم ہوجائیگا۔

قال قائل منھم، ان ہی بھائیوں میں سے ایک بھائی نے جو کہ ان میں سب سے زیادہ صائب الرائے تھے جس کا نام بعض مفسرین نے یہوذا اور بعض نے روبیل اور بعض نے شمعون بتایا ہے کہا یوسف کو قتل نہ کرو اگر کچھ کرنا ہے تو اسے کنویں میں ایسی جگہ ڈال دو جہاں یہ زندہ رہے اور جب مسافر اس کنویں پر آئیں تو اس کو نکال کرلے جائیں، اس طرح تمہارا مقصد بھی پورا

ہو جائیگا اور اس کو لے کر تمہیں کہیں دور مقام پر جانا بھی نہ پڑے گا۔

قالوا یا ابانا مالك لاتأمنا علی یوسف جب بھائیوں کے درمیان مشورہ میں یہ بات طے ہوگئی کہ یوسف کو کسی اندھیرے کنویں میں ڈالدیا جائے تو اپنے والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خیر خواہانہ انداز میں یہ درخواست پیش کی کہ ابا جان یہ کیا بات ہے کہ آپ کو یوسف کے بارے میں ہم پر اطمینان نہیں حالانکہ ہم اس کے پورے خیر خواہ اور ہمدرد ہیں، کل آپ اس کو ہمارے ساتھ سیر و تفریح کے لئے بھیج دیجئے کہ وہ بھی آزادی کے ساتھ کھائے پیئے اور کھیلے کودے، اور ہم اس کی پوری طرح حفاظت کریں گے، حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا میں اس کو تمہارے ساتھ بھیجنا دو وجہ سے پسند نہیں کرتا اول مجھے اس نور نظر کے بغیر چین نہیں آتا دوسرے یہ کہ مجھے خطرہ ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہاری غفلت کی وجہ سے اسے کوئی بھیڑیا کھا جائے۔

یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کو بھیڑیئے کا خطرہ محسوس ہونے کی وجہ:

یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے بھیڑیئے کا خطرہ یا تو اس وجہ سے محسوس کیا کہ سرزمین کنعان میں بھیڑیئے زیادہ تھے، اور یا اس وجہ سے کہ حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے ایک خواب دیکھا تھا کہ وہ خود ایک پہاڑ کے اوپر ہیں اور یوسف علیہ الصلاۃ والسلام پہاڑ کے دامن میں ہیں اچانک دس بھیڑیوں نے یوسف پر حملہ کرنا چاہا مگر ان میں سے ایک بھیڑیئے نے مدافعت کر کے چھڑا دیا، پھر یوسف علیہ الصلاۃ والسلام زمین کے اندر چھپ گئے، جس کی تعبیر بعد میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ دس بھیڑیئے یہ دس بھائی تھے اور جس بھیڑیئے نے مدافعت کر کے ان کو ہلاکت سے بچایا وہ بڑے بھائی یہوذا تھے، اور زمین میں چھپ جانا کنوئیں کے گہرائی کی تعبیر ہے۔

حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک روایت میں منقول ہے کہ یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کو اس خواب کی بنا پر خود ان بھائیوں سے خطرہ تھا ان ہی کو بھیڑیا کہا تھا مگر مصلحتاً پوری بات ظاہر نہیں کی۔

امام قرطبی نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو کنوئیں میں ڈالنے کا واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ جب ان کو کنوئیں میں ڈالنے لگے تو وہ کنوئیں کی من سے چمٹ گئے بھائیوں نے ان کے ہاتھ باندھ دیئے تاکہ کسی چیز کو پکڑ نہ سکیں، اس وقت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے پھر ان سے فریاد کی مگر بجائے ان پر رحم کرنے کے جواب یہ ملا کہ گیارہ ستارے جو تجھے سجدہ کرتے ہیں ان کو بلا، وہی تیری مدد کریں گے، پھر ایک ڈول میں رکھ کر کنویں میں لٹکایا اور درمیان ہی میں رسی کاٹ دی اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی حفاظت فرمائی اور قریب ہی ایک پتھر کی چٹان جو باہر کو نکلی ہوئی تھی صحیح سالم اس پر بیٹھ گئے، بعض روایات میں ہے کہ جبرائیل نے ان کو چٹان پر بٹھا دیا۔

یوسف علیہ الصلاۃ والسلام تین روز کنوئیں میں رہے ان کا بھائی یہوذا دوسرے بھائیوں سے چھپ کر روزانہ ان کے لئے کھانا لاتا اور ڈول کے ذریعہ ان تک پہنچا دیتا۔

شام کو بھائیوں کا روتے ہوئے آنا:

وجاء و اباھم عشاءً یبکون، یعنی عشاء کے وقت یہ بھائی روتے ہوئے اپنے باپ کے پاس پہنچے حضرت یعقوب ان کے رونے کی آواز سنکر باہر آئے، معلوم کیا کیا حادثہ پیش آیا ہے کیا تمہاری بکریوں پر کسی نے حملہ کیا ہے؟ اور یوسف کہاں ہے؟ تو بھائیوں نے کہا، ہم آپس میں دوڑ لگانے میں مشغول ہو گئے اور یوسف کو اپنے سامان کے پاس چھوڑ دیا، اس درمیان یوسف کو بھیڑیا کھا گیا، اور ہم کتنے ہی سچے ہوں آپ کو ہمارا یقین تو آئیگا نہیں۔

شریعت میں جائز کھیلوں کا حکم:

ابن عربی نے احکام القرآن میں فرمایا کہ باہمی مسابقت (دوڑ) شریعت میں مشروع اور اچھی بات ہے جو جنگ و جہاد میں کام آتی ہے، خود رسول اللہ ﷺ سے بنفس نفیس مسابقت کرنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، صحابۂ کرام میں سے سلمہ بن اکوع نے ایک شخص کے ساتھ دوڑ میں مسابقت کی تو سلمہ غالب آ گئے تھے۔

وجاء وعلی قمیصہ بدم کذب، یعنی یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی یوسف کے کرتے پر ایک بکری کا بچہ ذبح کر کے اس کا خون لگا لائے تاکہ والد صاحب کو یقین دلائیں کہ یوسف کو بھیڑیا کھا گیا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کا جھوٹ ظاہر کرنے کے لئے ان کو اس بات سے غافل کر دیا کہ کرتے پر خون لگانے کے ساتھ اس کو پھاڑ بھی دیتے تاکہ بھیڑیئے کا کھانا ثابت ہو جاتا، یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کرتہ کو صحیح سالم دیکھ کر فرمایا، بیٹو! یہ بھیڑیا کیسا حکیم اور عقلمند تھا کہ اس نے یوسف کو اس طرح کھایا کہ کرتہ کہیں سے نہیں پھٹا؟

اس طرح حضرت یعقوب پر ان کی جعل سازی کا راز فاش ہو گیا، تو فرمایا "بل سوّلت لکم انفسکم امراً فصبرٌ جمیل".

فائدہ: حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کرتہ کے صحیح سالم ہونے سے برادران یوسف کے جھوٹ پر استدلال کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ قاضی یا حاکم کو فریقین کے دعوے اور دلائل کے ساتھ حالات اور قرائن پر بھی نظر کرنا چاہئے۔ (قرطبی، معارف)

قافلہ کا ورود اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کنوئیں سے نکالنا:

اتفاقاً ایک قافلہ اس سرزمین پر آنکلا یہ قافلہ شام سے مصر جا رہا تھا اور راستہ بھٹک کر اس غیر آباد میدان میں پہنچ گیا اور پانی کیلئے پانی کے منتظم سقے کو کنوئیں پر بھیجا، گو لوگوں کی نظر میں یہ اتفاقی واقعہ تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی حکمت تکوینی میں کوئی بخت و اتفاق نہیں، حق تعالیٰ شانہ، جس کی شان فَعَّالٌ لما یرید ہے مخفی حکمتوں کے تحت ایسے حالات پیدا فرما دیتے ہیں کہ ظاہری واقعات سے ان کا جوڑ سمجھ میں نہیں آتا تو انسان ان کو اتفاقی حوادث قرار دیتا ہے۔

بہرحال قافلہ والوں نے اپنے ایک شخص کو جس کے ذمہ پانی کی فراہمی کی ذمہ داری تھی اس کا نام مالک بن ذعر بتایا جاتا ہے پانی لانے کیلئے بھیجا، جب اسنے کنوئیں میں ڈول ڈالا تو یوسف علیہ السلام نے ڈول پکڑلیا اور جو ڈول نکالا تو ایک حسین نہایت ہی خوبرو بچہ برآمد ہوا بچہ کو دیکھ کر وہ فوراً ہی چلا اٹھا "یا بشریٰ هذا غلام" بڑی خوشی کی بات ہے یہ تو بڑا اچھا لڑکا نکل آیا، جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کو معلوم ہوا کہ قافلہ والوں نے یوسف کو کنوئیں سے نکال لیا ہے تو دوڑے ہوئے پہنچے، اس مقام پر بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ برادران یوسف نے یوسف کو قافلہ والوں کے ہاتھ فروخت کردیا مگر مفسرین کے اس قول کی تائید نہ تورات سے ہوتی ہے اور نہ روایات سے اور نہ قرآن عزیز کی آیات سے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ قافلے والوں ہی نے یوسف علیہ السلام کو کنوئیں سے نکالا اور غلام بنالیا، اور مال تجارت کے ساتھ ان کو مصر لے گئے۔

وَشَرَوْهُ بثمن بخس دَرَاهم مَعْدُوْدَة، لفظ شراء عربی زبان میں خرید وفروخت دونوں معنی میں استعمال ہوتا ہے، یہاں دونوں ہی معنی کا احتمال ہے، ضمیر اگر برادران یوسف کی طرف لوٹائی جائے تو فروخت کرنے کے معنی ہوں گے اور اگر قافلہ والوں کی طرف لوٹائی جائے تو خریدنے کے معنی ہوں گے، ابن کثیر نے بروایت عبداللہ بن مسعود لکھا ہے کہ بیس درہم میں سودا ہوا اور دس بھائیوں نے دو دو درہم آپس میں تقسیم کر لئے، تعداد کے سلسلہ میں ۲۲ اور ۴۰ دراہم کی روایات بھی ہیں۔

وکانوا فیه من الزاهدین، زاهدین، زاهد کی جمع ہے جو زھد سے مشتق ہے زھد کے لفظی معنی بے رغبتی اور بے توجہی کے ہیں محاورات میں دنیا کے مال ودولت سے بے رغبتی کے ہیں آیت کے معنی یہ ہیں کہ برادران یوسف اس معاملہ میں دراصل مال کے خواہشمند نہ تھے ان کا اصل مقصد یوسف علیہ السلام کو باپ سے جدا کرنا تھا اس لئے قلیل دراہم میں معاملہ کرلیا۔

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِنْ مِّصْرَ وهو قطفير العزيز لِامْرَأَتِهٖ زليخا اَكْرِمِيْ مَثْوٰهُ مقامه عندنا عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَا اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا وكان حصورا وَكَذٰلِكَ كما نجيناه من القتل والجب وعطفنا قلب العزيز مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ ارض مصر حتى بلغ ما بلغ وَلِنُعَلِّمَهٗ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ تعبير الرؤيا عطف على مقدر متعلق بمكنا اى لنملكه او الواو زائدة وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ تعالى لا يعجزه شيء وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وهم الكفار لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱﴾ ذلك وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وهو ثلاثون سنة او وثلث اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا حكمة وَّعِلْمًا فقها في الدين قبل ان يبعث نبيا وَكَذٰلِكَ كما جزيناه نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۲﴾ لانفسهم وَرَاوَدَتْهُ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا هي زليخا عَنْ نَّفْسِهٖ اى طلبت منه ان يواقعها وَغَلَّقَتِ الْاَبْوَابَ للبيت وَقَالَتْ له هَيْتَ لَكَ اى هلم واللام للتبيين وفي قراءة بكسر الهاء واخرى بضم التاء قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اعوذ بالله من ذلك اِنَّهٗ اى الذى اشترانى رَبِّيْٓ سيدى اَحْسَنَ مَثْوَايَ مقامى فلا اخونه فى اهله اِنَّهٗ اى الشان لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۳﴾ الزناة وَلَقَدْ هَمَّتْ بِهٖ قصدت منه الجماع وَهَمَّ بِهَا قصد ذلك لَوْلَآ اَنْ رَّاٰ بُرْهَانَ رَبِّهٖ قال ابن عباس رضي الله تعالى عنهما مُثّل له يعقوب فضرب صدره فخرجت شهوته من انامله وجواب لولا

لجامعها كَذٰلِكَ اريناه البرهان لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ الخيانة وَالْفَحْشَآءَ الزنا اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۲۴﴾ في الطاعة وفي قراءة بفتح اللام اي المختارين وَاسْتَبَقَا الْبَابَ بادرا اليه يوسفُ للفرار وهي للتشبث به فامسكت ثوبه وجذبته اليه وَقَدَّتْ شقت قَمِيْصَهٗ مِنْ دُبُرٍ وَّاَلْفَيَا وجدا سَيِّدَهَا زوجها لَدَا الْبَابِ فنزهت نفسها ثم قَالَتْ مَا جَزَآءُ مَنْ اَرَادَ بِاَهْلِكَ سُوْٓءًا زنا اِلَّآ اَنْ يُّسْجَنَ اي يحبس اي السجن اَوْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۵﴾ مؤلم بان يُضرب قَالَ يوسفُ متبرئا هِيَ رَاوَدَتْنِيْ عَنْ نَّفْسِيْ وَشَهِدَ شَاهِدٌ مِّنْ اَهْلِهَا ابنُ عمها رُوي انه كان في المهد فقال اِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ قُبُلٍ قدام فَصَدَقَتْ وَهُوَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۲۶﴾ وَاِنْ كَانَ قَمِيْصُهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ خلف فَكَذَبَتْ وَهُوَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۲۷﴾ فَلَمَّا رَاٰ زوجها قَمِيْصَهٗ قُدَّ مِنْ دُبُرٍ قَالَ اِنَّهٗ اي قولك ما جزاء من اراد الخ مِنْ كَيْدِكُنَّ اِنَّ كَيْدَكُنَّ ايها النساء عَظِيْمٌ ﴿۲۸﴾ ثم قال يا يُوْسُفُ اَعْرِضْ عَنْ هٰذَا الامر ولا تذكره لئلا يشيع وَاسْتَغْفِرِيْ يا زليخا لِذَنْۢبِكِ اِنَّكِ كُنْتِ مِنَ الْخٰطِـِٕيْنَ ﴿۲۹﴾ الآثمين واشتهر الخبرُ وشاع.

تَرجِمہ: اور اس مصری شخص نے جس نے یوسف کو خریدا تھا جس کا نام قطفیر اور (لقب) عزیز تھا، اپنی بیوی زلیخا سے کہا اس کو عزت اور احترام کے ساتھ رکھنا (یعنی اس کو عزت کا مقام دینا اور اچھی طرح دیکھ بھال کرنا) بعید نہیں کہ ہمارے لئے نفع بخش ثابت ہو یا ہم اس کو اپنا بیٹا ہی بنالیں اور عزیز عنین (نامرد) تھا، اور جس طرح ہم نے یوسف کو قتل اور کنویں سے نجات دی اور عزیز مصر کے دل کو اس کی طرف مائل کیا، اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک مصر میں اقتدار عطا کیا حتی کہ وہ پہنچے جس مرتبہ پر پہنچے، (اور ہم نے ان کو قدرت دی) تا کہ ہم اس کو خوابوں کی تعبیر سکھائیں (لِنُعَلِّمَهُ) کا عطف لِنُمَلِّكَهُ محذوف پر ہے جو مکّنا سے متعلق ہے (تقدیر یہ ہے) ای مکّنا لِنُعَلِّمَهُ، یا واؤ زائدہ ہے، اور اللہ اپنے ارادہ پر غالب ہے اس کو کوئی شی عاجز نہیں کرسکتی، لیکن اکثر لوگ کہ وہ کافر ہیں اس سے بے خبر ہیں اور جب یوسف پختہ عمر کو پہنچ گئے اور وہ ۳۰ یا ۳۳ سال ہے، تو ہم نے ان کو حکمت اور تفقه فی الدین منصب نبوت پر فائز کرنے سے پہلے عطا کئے اور ہم اپنے اعمال میں نیکوکاروں کو اسی طرح کی جزاء دیتے ہیں اور وہ عورت کہ جس کے گھر میں وہ تھے اور وہ زلیخا تھی ان پر ڈورے ڈالنے لگی (یعنی پھنسانے کی کوشش کرنے لگی) یعنی اس سے اپنا مقصد پورا کرنے کا مطالبہ کرنے لگی، اور (ایک روز) دروازے بند کرکے بولی جلدی آجاؤ، (اے یوسف) تم ہی سے کہتی ہوں، لک کا لام تبیین کے لئے ہے اور ایک قراءت میں (هِیتَ) ہاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور ایک دوسری قراءت میں تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے (یوسف علیہ السلام) نے کہا خدا کی پناہ (یعنی) میں زنا سے خدا کی پناہ چاہتا ہوں، وہ جس نے مجھے خریدا اور عزت بخشی میرا مالک ہے اس کی ناموس میں خیانت نہیں کرسکتا، بات یہ ہے کہ ظالم (یعنی) زنا کار فلاح نہیں پایا کرتے اور وہ پختہ ارادہ کرچکی تھی یعنی اس سے زنا کا پختہ قصد کرچکی تھی، یوسف بھی اس کا ارادہ کرلیتے اگر وہ اپنے رب کی برہان نہ دیکھ لیتے، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ یوسف کے سامنے یعقوب علیہ السلام کی صورت کردی گئی (یعقوب

علیہ السلام نے) ان کے سینے پر (ہاتھ) مارا جس کی وجہ سے ان کی شہوت انگلیوں کے ذریعہ نکل گئی، اور لو لا کا جواب لجامعھا محذوف ہے، ہم نے برہان اسلئے دکھائی کہ ہم اس کو خیانت اور زنا سے باز رکھیں درحقیقت وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے تھے، یعنی اطاعت میں اور ایک قراءت میں (مخلصین) کے لام کے فتحہ کے ساتھ ہے یعنی برگزیدہ (بندوں میں) اور دونوں (آگے پیچھے) دروازہ کی طرف بھاگے یوسف فرار کے لئے اور وہ اس کو پکڑنے کے لئے چنانچہ عورت نے یوسف کا کپڑا پکڑ لیا اور اس کو اپنی طرف کھینچا آخر کار عورت نے یوسف کا کرتہ پیچھے سے پھاڑ دیا، اور دونوں نے اس کے شوہر کو دروازہ پر پایا تو عورت نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کیا سزا ہے اس شخص کی جو تیری بیوی سے زنا کا ارادہ کرے؟ سوائے اس کے کہ اس کو جیل میں قید کر دیا جائے یا یہ کہ اس کو زدوکوب کی سخت سزا دی جائے، یوسف نے اپنی براءت ظاہر کرتے ہوئے کہا اسی نے مجھے اپنے ساتھ پھانسنے کی کوشش کی، تو اس عورت کے خاندان والوں میں سے ایک گواہ نے یعنی اس کے چچازاد بھائی نے جو کہ گہوارہ میں تھا گواہی دی، کہا اس کا کرتہ اگر آگے سے پھٹا ہے تو عورت سچی ہے اور وہ جھوٹا ہے اور اگر اس کا کرتہ پیچھے سے پھٹا ہے تو عورت جھوٹی ہے اور وہ سچا ہے، چنانچہ جب اس کے شوہر نے یوسف کے کرتے کو پیچھے سے پھٹ ہوا دیکھ، کہا تیرا یہ کہنا "ماجزاء مَنْ اراد الخ" تم عورتوں کا مکر ہے اے عورت بلاشبہ تمہارا مکر بھی غضب کا ہے پھر کہا اے یوسف تم اس بات کو جانے دو اور اس کا تذکرہ نہ کرو تا کہ اس کی شہرت نہ ہو، اور اے زلیخا تو اپنی خطاء کی معافی مانگ بلاشبہ تو ہی خطا کاروں میں سے ہے اور یہ خبر پھیل کر مشہور ہو گئی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: وقال واؤ عاطفہ ہے، معطوف علیہ "فاشتراہُ عزیز مِصْرَ" ہے، ای فاشتراہُ وقال لامرأتِہٖ الّذِی اشْتَرَاہُ، قال کا فاعل ہے مِنْ مصرَ کائنًا کے متعلق ہو کر فاعل سے حال ہے بعض حضرات نے لفظ مصر سے پہلے اہل محذوف مانا ہے تقدیر یہ ہو گی الذی اشتراہ من اھل مصر اور بعض نے من کو فی کے معنی میں لیا ہے ای اشتراہ فی مصر، اس صورت میں کوئی التباس نہیں رہتا۔ (تفسیر ماجدی)

لامرأتہ قال کے متعلق ہے، اور اکرمی مثواہ مقولہ ہے۔

قَوْلُہٗ: قطفیر، بروزن قندیل، مصر کے وزیر خزانہ کا نام ہے اس کا لقب عزیز ہے۔

قَوْلُہٗ: اکرمی مقامہ عندنا یعنی ان کو اپنے یہاں عزت و احترام سے رکھو۔

قَوْلُہٗ: حصورا یہ مبالغہ کا صیغہ ہے، جماع پر قدرت نہ رکھنے والا۔

قَوْلُہٗ: لنعلمہ فعل مضارع ہے جو کہ لام کے بعد أن مقدرہ کی وجہ سے منصوب ہے، علامہ سیوطی نے ولنعلمہ میں دو ترکیبوں کی طرف اشارہ کیا ہے اول یہ کہ واؤ عاطفہ ہو اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہو گی، مکناہ فی الارض لنملکہ ما

فیها ولنعلمه من تاویل الاحادیث اس صورت میں لنعلمه کا عطف لنملکه محذوف پر ہوگا مفسر کے قول عطف علی مقدر کا یہی مطلب ہے دوسری صورت یہ کہ واؤ زائدہ ہو اس صورت میں تقدیر عبارت یہ ہوگی، مکنا لـه فی الارض لنعلمه تاویل الاحادیث، نملکه اگر ملک بکسر المیم سے مشتق ہو تو معنی ہوں گے تا کہ ہم اس کو مالک بنائیں اور اگر ملک بضم المیم سے مشتق ہو تو معنی ہوں گے تا کہ اس کو بادشاہ بنائیں۔ (جمل)

قَوْلُهُ: اشده یہ واحد بروزن جمع ہے۔

تَنْبِیْهٌ: احقر کے پیش نظر جلالین کے نسخے میں عبارت لنمکنه ہے صحیح نسخہ لنملکه ہے۔

قَوْلُهُ: راودته، اس عورت نے اس کو پھسلایا، ماضی واحد مؤنث غائب اور ضمیر واحد مذکر غائب کی ہے۔

قَوْلُهُ: طلبت منه سے اشارہ کر دیا کہ مفاعلہ یہاں طرف واحد کے لئے ہے۔

قَوْلُهُ: هیت لك یہ کلمہ دو لفظوں سے مرکب ہے هیت اور لك، هیت اسم فعل بمعنی امر ہے بمعنی آ، لك میں لام جارہ ہے اور کاف مجرور ہے جار مجرور اقول فعل محذوف سے متعلق ہیں، اس کے معنی ہیں، میں تجھ ہی سے کہتی ہوں جلدی آ (روح) سراج میں خطیب نے لکھا ہے کہ هیت لك پورا اسم فعل ہے یہ هلم کے معنی میں ہے جس کے معنی ہیں آ، اور هیت کے تاء میں تینوں اعراب ہیں لك میں لام مخاطب کی وضاحت کے لئے ہے، یعنی هیت میں جو مخاطب ہے اسی کو لك سے واضح کر دیا ہے کاف مخاطب کی ضرورت نہ ہونے کے باوجود وضاحت کے لئے لایا گیا ہے اسلئے کہ هیت کے معنی وہی ہیں جو هیت لك کے ہیں، جیسا کہ سقیالك بولتے ہیں حالانکہ سقیًا کاف خطاب کا محتاج نہیں ہے اسلئے کہ سقیًا کے معنی سقاك اللّٰه سقیا کے ہیں، لك کو محض تاکید کیلئے لایا گیا ہے۔ (اعراب القرآن للدرویش)

قَوْلُهُ: معاذ اللّٰه یہ عاذ یعوذ کے مصادر میں سے ایک ہے۔

قَوْلُهُ: وجواب لولا لجامعها یہ اضافہ اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ لولا کا جواب محذوف ہے نہ کہ ماقبل میں مذکور همّ بها، اس لئے کہ لولا کا جواب لولا پر مقدم نہیں ہوتا۔

قَوْلُهُ: اریناه اس میں اشارہ ہے کہ کذلك محذوف کا مفعول ہونے کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے، ای اریناه کذلك اور لنصرف کالام ارینا محذوف کے متعلق ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

یوسف اور غلامی:

سلسلۂ واقعہ کی اگلی کڑی یہ ہے کہ یوسف کے بھائیوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ایک اسماعیلی مدیانی قافلے کے ہاتھوں ایک قلیل قیمت میں غلام گریختہ قرار دے کر فروخت کر دیا، یہ قافلہ شام سے مصر کو بخورات، بلسان اور مسالہ جات لے کر

جا رہا تھا، بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ یوسف کو خود ان کے بھائیوں نے ہی کنویں سے نکال کر قافلہ کے ہاتھوں فروخت کیا تھا، مگر مفسرین کے اس قول کی تائید و موافقت نہ تو تورات کرتی ہے اور نہ قرآن عزیز، بلکہ دونوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ قافلے والوں ہی نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کنویں سے نکالا اور اپنا غلام بنالیا، اور مال تجارت کے ساتھ اس کو بھی مصر لے گئے۔

حضرت یوسف کی زندگی اور عظمتیں:

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زندگی کا یہ پہلو اپنے اندر کس قدر عظمتیں پنہاں رکھتا ہے اس کا اندازہ وہی کر سکتا ہے جو چشم بصیرت رکھتا ہے، چھوٹی سی عمر ہے، والدہ کا انتقال ہو چکا ہے، باپ کی آغوش محبت تھی وہ بھی چھوٹی، وطن چھوٹا، بھائیوں نے بے وفائی کی، آزادی کی جگہ غلامی نصیب ہوگئی، مگر ان تمام باتوں کے باوجود نہ آہ وزاری ہے اور نہ جزع وفزع، قسمت پر شاکر، مصائب پر صابر اور قضائے الٰہی پر راضی برضاء سر نیاز خم کئے ہوئے بازار مصر میں فروخت ہونے کیلئے جا رہے ہیں، کسی نے خوب کہا ہے۔

نزدیکاں راہیش بود حیرانی

یوسف مصر میں:

تقریباً دو ہزار سال قبل مسیح مصر تمدن و تہذیب کا گہوارہ سمجھا جاتا تھا یہاں کے حکمراں عمالقہ (ہکیسوس) تھے مصر کے حکمراں کا لقب فرعون ہوا کرتا تھا، جس وقت حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک غلام کی حیثیت سے مصر میں داخل ہوئے، مصر کا دار السلطنت رعمیس تھا یہ غالباً اسی جگہ واقع تھا جہاں آج صان کی بستی واقع ہے، ان دنوں مصر کا حکمراں ریّان بن ولید تھا اور بعض نے ریان بن اسید بتایا ہے، اتفاق کی بات ہے کہ ملک مصر کا وزیر مالیات جس کو تورات نے فوطیفار یا قطفیر اور قرآن نے عزیز بتایا ہے ایک روز بازار مصر سے گذر رہا تھا کہ اس کی نظر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر پڑی جن کی بولی لگ رہی تھی، لوگ بڑھ چڑھ کر قیمت لگا رہے تھے یہاں تک کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وزن کے برابر سونا اور اسی کے برابر مشک اور اتنے ہی ریشمی کپڑے قیمت لگ گئی، یہ دولت اللہ تعالیٰ نے عزیز مصر کے لئے مقدر کی تھی اس نے بڑی بھاری قیمت دیکر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خرید لیا۔

خدا کی قدرت وحکمت:

خدائے تعالیٰ کی کارسازی دیکھئے کہ ایک بدوی اور وہ بھی غلام ایک متمدن اور صاحب شوکت وحشمت رئیس کے یہاں جب پہنچتا ہے تو اپنی عصمت مآب زندگی، حلم و وقار اور امانت وسلیقہ مندی کے پاک اوصاف کی بدولت اس کی آنکھوں کا تارا اور دل کا دُلارا بن جاتا ہے اور وہ اپنی بیوی سے جس کا نام راعیل یا زلیخا بتایا جاتا ہے کہتا ہے اکرمی مثواہ عسی ان ینفعنا او نتخذہ

ولدا دیکھو، اسے عزت سے رکھو کچھ عجب نہیں کہ یہ ہم کو فائدہ بخشے یا اس کو ہم اپنا بیٹا بنالیں۔
معلوم ہونا چاہئے کہ جو کچھ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ ہو رہا ہے یہ کوئی اتفاقی واقعات نہیں ہیں بلکہ رب العلمین کی بنائی ہوئی مستحکم تدبیر کے اجزاء ہیں جس کے تحت ایک بدوی یتیم بچہ کو جو حضارت و مدنیت سے یکسر نا آشنا ہے جہانداری اور جہانبانی کے لئے تیار کیا جا رہا ہے جو عنقریب سپرد کی جانے والی ہے، گویا اس کی تمہید ہے اسی لئے ارشاد ہوا، **وکذلک مکنا لیوسف فی الارض ولنعلمه من تاویل الاحادیث. (الآیة)**.

عزیز مصر کی بیوی اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام:

ایک مشہور مقولہ ہے "ربما کمنت المنن فی المحن" اللہ تعالیٰ کے اکثر احسانات و کرم مصائب میں مستور ہوتے ہیں، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ساری زندگی ہو بہو اس کا مصداق ہے، بچپن کی پہلی مصیبت یا آزمائش نے کنعان کی بدوی زندگی سے نکال کر تہذیب و تمدن کے گہوارہ مصر کے ایک بڑے گھرانے کا مالک بنا دیا، غلامی میں آقائی اسی کو کہتے ہیں۔
اب زندگی کی سب سے بری اور کٹھن آزمائش شروع ہوتی ہے، وہ یہ کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جوانی کا عالم تھا حسن و خوبروئی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہے جو ان کے اندر موجود نہ ہو، جمال و رعنائی کا پیکر مجسم، رخ روشن شمس و قمر کی طرح منور، عصمت و حیا کی فراوانی سونے پر سہاگہ، اور ہر وقت کا ساتھ، عزیز مصر کی بیوی دل پر قابو نہ رکھ سکی دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ گیا، یوسف پر بہ ہزار جان پروانہ وار قربان ہونے لگی، مگر ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا پوتا اسحق و یعقوب کا نور دیدہ، خانوادۂ نبوت کا چشم و چراغ اور منصب نبوت کے لئے منتخب بھلا اس سے یہ کس طرح ممکن تھا کہ ناپاکی اور فحش میں مبتلا ہو اور عزیز مصر کی بیوی کے ناپاک عزم کو پورا کرے۔

زلیخا کا جادو نہ چل سکا:

لیکن مصر کی اس آزاد عورت نے جب اس طرح جادو چلتے نہ دیکھا تو ایک روز بے قابو ہو کر مکان کے دروازے بند کر دیئے اور اصرار کرنے لگی کہ مجھے شاد کام کر، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے یہ وقت سخت آزمائش کا تھا، شاہی خاندان کی نوجوان عورت، شعلۂ حسن سے لالہ رو، محبوب نہیں بلکہ عاشق، آرائش حسن کی بے پناہ نمائش، عشوہ طرازیوں کی بارش، ادھر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام خود نوجوان، دروازے بند کسی کا نہ خوف اور نہ ڈر، مالکہ خود ذمہ دار، حالات ہر طرح سازگار، مگر کیا حالات کی سازگاری سے یوسف نے ایک لمحہ کے لئے بھی عزیز مصر کی بیوی کی حوصلہ افزائی کی، کیا اس کے دل نے قرار چھوڑ کر بے قراری کی، کیا نفس نے ثبات قلب کو ایک لمحہ کے لئے بھی متزلزل کیا؟ نہیں ہرگز نہیں، بلکہ اس کے برعکس اس پیکر عصمت، امین نبوت مہبط وحی الٰہی نے دو ایسے معقول و محکم دلائل سے اس مصری حسینہ کو سمجھانے کی کوشش کی جو ایک ایسی ہستی ہی سے ممکن تھے جس کی تربیت براہ راست آغوش الٰہی میں ہوئی ہو، فرمایا یہ ناممکن ہے، پناہ بخدا، میں اور اس کی

نافرمانی کروں جس کا اسم جلالت اللہ ہے اور وہ تمام کائنات کا مالک ومولا ہے، اور کیا میں اپنے اس مربی عزیز مصر کی امانت میں خیانت کروں جس نے غلام سمجھنے کے بجائے مجھے یہ عزت وحرمت بخشی، اگر میں ایسا کروں تو ظالم ٹھہروں گا اور ظالموں کے لئے انجام ومآل کے اعتبار سے کبھی فلاح نہیں ہے۔

مگر عزیز مصر کی بیوی پر اس نصیحت کا مطلق اثر نہ ہوا، اور اس نے اپنے ارادہ کو عملی شکل دینے پر اصرار کیا، تب یوسف نے اپنے اس برہان ربی کے پیش نظر جس کو وہ دیکھ چکے تھے صاف انکار کر دیا۔

وراودته التي هو في بيتها عن نفسه وغلقت الابواب وقالت هيت لك قال معاذ الله انه ربي احسن مثواى انه لايفلح الظلمون ولقد همت به وهم بها لولا أن رابرهان ربه كذلك لنصرف عنه السوء و الفحشاء انه من عبادنا المخلصين.

اور پھسلایا یوسف کو اس عورت نے جس کے گھر میں وہ رہتے تھے اس کے نفس کے بارے میں اور دروازے بند کر دیئے اور کہنے لگی آ میرے پاس آ، یوسف نے کہا خدا کی پناہ بلاشبہ (عزیز مصر) میرا مربی ہے، جس نے مجھے عزت سے رکھا، بلاشبہ ظالم فلاح نہیں پاتے اور البتہ اس عورت نے یوسف سے ارادہ کیا اور وہ بھی ارادہ کرتے اگر اپنے پروردگار کی برہان نہ دیکھ لیتے، اور اس طرح ہوا تاکہ ہٹائیں ہم ان سے برائی اور بے حیائی کو بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں ہے۔

ولقد همت به وهم بها کی تفسیر:

مفسرین نے آیت مذکورہ کی مختلف تفسیریں کی ہیں، لیکن اوپر آیت کے جو معنی کئے گئے ہیں وہی مقام وموقع کے لحاظ سے زیادہ موزوں ومناسب ہیں، مطلب یہ ہے کہ عزیز مصر کی بیوی حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے برہان رب سن لینے کے بعد بھی اپنی ہٹ سے باز نہ آئی اور اپنا ارادہ روبکار لانے پر مصر رہی یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے ارادہ کو قطعاً رد کر دیا اور اس کے سامنے اس کے ارادہ کی بالکل پرواہ نہیں کی اور نتیجہ یہ نکلا کہ یوسف اس سے بچنے کے لئے دروازہ کی طرف بھاگے اور عزیز مصر کی بیوی نے ان کا پیچھا کیا۔

بعض مفسرین نے اس تفسیر پر یہ اعتراض کیا ہے کہ نحوی قواعد کا تقاضا ہے کہ لولا، کلام کے شروع میں استعمال ہوا ہے اسلئے کہ عربی قاعدہ کے لحاظ سے اس کا درمیان کلام میں استعمال درست نہیں ہے تقدیر عبارت یہ ہوگی "**وهم بهالولاأن راى برهان ربه**" یوسف بھی گناہ کا ارادہ کر لیتے اگر اپنے رب کے برہان کو نہ دیکھ لیتے مگر یہ اعتراض اس لئے درست نہیں ہے کہ اس مقام پر بھی لولا کا استعمال شروع کلام ہی میں ہوا ہے دال علی الجواب مقدم ہے اور لولا کا جواب جو بعد میں مذکور ہوتا اس دال علی الجواب کی وجہ سے محذوف ہے، علامہ سیوطی نے بھی **لجامعها** محذوف مان کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

اس قاعدہ کی نظیر قرآن مجید میں موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی والدہ کے تذکرہ سے متعلق یہ آیت ہے، **ان كادت لتبدى به لولا ان ربطنا على قلبها** (قریب تھا کہ وہ اس کو ظاہر کر دے اگر ہم اس کے دل کو مضبوط نہ کرتے) یہاں بھی لولا کا جواب تبدی به

محذوف ہے اور دال علی الجواب مقدم ہے، اسی طرح یہاں بھی یہ معنی ہیں، اگر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو برہان رب حاصل نہ ہوتا تو وہ بھی ارادہ کر لیتا لیکن انہوں نے ارادہ نہیں کیا کیونکہ وہ برہان رب دیکھ چکے تھے۔

وہ برہان رب کیا تھا؟

جس برہان رب کو دیکھ کر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام بدی کے ارادہ سے بھی باز رہے وہ کیا تھا؟ قرآن کریم نے یہ واضح نہیں کیا کہ وہ برہان رب کیا تھا؟ قرآن مجید نے اپنی بلیغانہ اور معجزانہ خطابت میں خود ہی اس کو اس طرح بیان کر دیا ہے کہ اس کے بعد سوال کی گنجائش ہی باقی نہیں رہتی دروازہ بند ہو جانے پر عزیز کی بیوی کو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جواب دیا ایسے مقام کے لحاظ سے اس سے بہتر جواب کیا ہو سکتا تھا، سو یہی وہ برہان رب تھا جو یوسف کو عطا ہوا اور جس نے عصمت یوسف کو بے داغ رکھا، یہی وجہ ہے کہ قرآن نے اسے اس کے بعد بڑے شد و مد سے بیان کیا، "كذلك" یوں ہی ہوا۔

''تا کہ ہٹا دیں ہم اس سے برائی اور بے حیائی، بے شک وہ ہمارے مخلص بندوں میں سے ہے''۔

خلاصہ یہ ہے کہ حضرت یعقوب کی صورت کا نظر آنا اور ان کا اشارہ سے منع کرنا یا فرشتہ کا ظاہر ہو کر ان کو اس سے روکنا یا عزیز کے گھر میں رکھے ہوئے بت پر عزیز مصر کی بیوی کا پردہ ڈالنا، اور حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اس سے عبرت حاصل کرنا ان تمام اقوال کے مقابلہ میں ''برہان رب'' کی وہی تفسیر بہتر ہے جو قرآن عزیز کی نظم و ترتیب سے ثابت ہے یعنی ① ایمان باللہ کا حقیقی تصور ② مربی مجازی کے احسان کی احسان شناسی اور وصف امانت۔

بہرحال حضرت یوسف جب دروازے کے طرف بھاگے تو عزیز کی بیوی نے پیچھا کیا دروازہ کسی طرح کھل گیا سامنے عزیز مصر اور عورت کا چچا زاد بھائی کھڑے ہوئے تھے عورت ان کو دیکھ کر سٹپٹا گئی اور اصل حقیقت کو چھپانے کے لئے غیظ و غضب میں آ کر کہنے لگی کہ ایسے شخص کی سزا قید خانہ یا دردناک سزا کے علاوہ اور کیا ہو سکتی ہے جو تیرے اہل کے ساتھ ارادۂ بد رکھتا ہو، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے مکر و فریب کو سنا تو فرمایا، یہ اس کا بہتان ہے اصل حقیقت یہ ہے کہ خود اس نے میرے ساتھ ارادۂ بد کیا تھا مگر میں نے کسی طرح نہ مانا اور بھاگ کر باہر نکل جانا چاہتا تھا کہ اس نے پیچھا کیا اتفاقاً سامنے آپ نظر آ گئے تو اس نے یہ جھوٹ گھڑ لیا۔

عزیز کی بیوی کا چچا زاد بھائی ذکی یعنی سمجھدار اور ہوشیار تھا اس نے کہا یوسف کا پیراہن دیکھنا چاہئے اگر وہ سامنے سے چاک ہے تو عورت راستباز ہے اور اگر پیچھے سے چاک ہے تو یوسف صادق القول ہے اور عورت جھوٹی ہے جب دیکھا گیا تو یوسف کا پیراہن پیچھے سے چاک تھا عزیز مصر نے اصل حقیقت کو سمجھ لیا مگر اپنی عزت و ناموس کی خاطر معاملہ کو ختم کرتے ہوئے کہا، یوسف سچے تم ہی ہو اور اس عورت کے معاملہ سے درگذر کرو اور اس کو یہیں ختم کر دو اور پھر بیوی سے کہا یہ سب تیرا مکر ہے اور تم عورتوں کا مکر و فریب بہت ہی بڑا ہوتا ہے بلا شبہ تو ہی خطاکار ہے لہٰذا اپنی اس حرکت بد کے لئے استغفار کر اور معافی مانگ۔

بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ یہ شہادت پیش کرنے والا ایک شیر خوار بچہ تھا خدا نے اسے قوت گویائی عطا فرمائی اور اس بچہ نے یہ شہادت دی، لیکن یہ روایت کسی صحیح قوی سند سے ثابت نہیں ہے اور نہ اس معاملہ میں خواہ مخواہ معجزہ سے مدد لینے کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اس شاہد نے جس قرینہ کی بنیاد پر جس شہادت کی طرف توجہ دلائی ہے وہ سراسر ایک معقول شہادت ہے اور اس کو دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ شخص ایک معاملہ فہم اور جہاندیدہ آدمی تھا جو صورت معاملہ سامنے آتے ہی معاملہ کی تہ تک پہنچ گیا، مفسرین کے یہاں شیر خوار بچہ کا قصہ دراصل یہودی روایات سے آیا ہے۔ (ملاحظه هو تلمود)

تفسیروں میں ایک مرفوع روایت کے حوالہ سے آتا ہے کہ یہ گواہ ایک شیر خوار بچہ تھا جو بطور خرق عادت حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی صفائی میں بول اٹھا تھا، لیکن بہت سے ائمہ تفسیر نے اس کے علاوہ کہا ہے کہ یہ شخص زلیخا کا چچازاد بھائی تھا جو شاہی درباریوں میں سے تھا، ماکان بصبی ولکن کان رجلا حکیما (ابن جریر عن عکرمه) یہاں شہادت سے عرفی اور اصطلاحی شہادت مراد نہیں ہے جس کے لئے عاقل بالغ مسلمان عادل اور موقع پر موجود ہونا شرط ہے یہ اصطلاحات بعد کی پیداوار ہیں، یہ گواہی تو صرف اس معنی میں تھی کہ اس نے فریقین کے متضاد بیانات کے درمیان فیصلے کا ایک عاقلانہ طریقہ سمجھا دیا۔

وَقَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ مدينة مصر **امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰهَا** عبدها **عَنْ نَّفْسِهٖ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا** تمييز اى دخل حبه شغاف قلبها اى غلافه **اِنَّا لَنَرٰهَا فِيْ ضَلٰلٍ** خطأ **مُّبِيْنٍ** ۞ بين بحبها اياه **فَلَمَّا سَمِعَتْ بِمَكْرِهِنَّ** غيبتهن لها **اَرْسَلَتْ اِلَيْهِنَّ وَاَعْتَدَتْ** اعدت **لَهُنَّ مُتَّكَاً** طعا مايقطع بالسكين للاتكاء عنده وهو الاترج **وَّاٰتَتْ** اعطت **كُلَّ وَاحِدَةٍ مِّنْهُنَّ سِكِّيْنًا وَّقَالَتِ** ليوسف **اخْرُجْ عَلَيْهِنَّ فَلَمَّا رَاَيْنَهٗ اَكْبَرْنَهٗ** اعظمنه **وَقَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ** بالسكاكين ولم يشعرن بالالم لشغل قلبهن بيوسف **وَقُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ** تنزيهاله **مَا هٰذَا** اى يوسف **بَشَرًا اِنْ** ما **هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ** ۞ لما حواه من الحسن الذى لا يكون عادة في النسمة البشرية وفي الصحيح انه اعطى شطر الحسن **قَالَتْ** امرأة العزيز لما رأت ماحل بهن **فَذٰلِكُنَّ** فهذا هو **الَّذِيْ لُمْتُنَّنِيْ فِيْهِ** في حبه بيان لعذرها **وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ** امتنع **وَلَئِنْ لَّمْ يَفْعَلْ مَا اٰمُرُهٗ** به **لَيُسْجَنَنَّ وَلَيَكُوْنًا مِّنَ الصّٰغِرِيْنَ** ۞ الذليلين فقلن له اطع مولاتك **قَالَ رَبِّ السِّجْنُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِمَّا يَدْعُوْنَنِيْ اِلَيْهِ وَاِلَّا تَصْرِفْ عَنِّيْ كَيْدَهُنَّ اَصْبُ** أمل **اِلَيْهِنَّ وَاَكُنْ** اصر **مِّنَ الْجٰهِلِيْنَ** ۞ المذنبين والقصد بذلك الدعاء فلذا قال تعالى **فَاسْتَجَابَ لَهٗ رَبُّهٗ** دعاءه **فَصَرَفَ** للقول **عَنْهُ كَيْدَهُنَّ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ** للقول **الْعَلِيْمُ** ۞ بالفعل **ثُمَّ بَدَا** ظهر **لَهُمْ مِّنْ بَعْدِ مَا رَاَوُا الْاٰيٰتِ** الدالات على براءة يوسف ان يسجنوه دل على هذا **لَيَسْجُنُنَّهٗ حَتّٰى** الى **حِيْنٍ** ۞ ينقطع فيه كلام الناس فسجن

ترجمہ: اور شہر مصر کی عورتیں آپس میں چرچا کرنے لگیں کہ عزیز کی بیوی اپنے نوجوان غلام کے پیچھے پڑی ہوئی

ہے محبت نے اس کو بے قرار کر رکھا ہے، اس کی محبت اس کے دل کے نہاں خانوں میں پیوست ہوگئی ہے، ہمارے نزدیک تو وہ اس سے محبت کرنے کے معاملہ میں صریح غلطی پر ہے جب عزیز کی بیوی نے ان کی مکارانہ باتیں یعنی انکی بدگوئی کی باتیں سنیں تو ان کو بلوا بھیج دیا اور ان کے لیے چھری سے کاٹ کر کھایا جانے والا کھانا تیار کرایا اس کھانے کو **متکئا** اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس کو کھاتے وقت تکیہ لگا لیتے ہیں۔

دُوسْرا ترجمہ: اور ان کے لئے مسندوں سے آراستہ مجلس تیار کرائی اور وہ کھانا ترنج تھا، اور ان میں سے ہر ایک کو چھری دیدی اور یوسف سے کہہ دیا کہ ذرا ان کے سامنے نکل آ چنانچہ جب ان کی نظر یوسف پر پڑی تو دنگ رہ گئیں اور چھری سے اپنے ہاتھ کاٹ لئے، اور ان کے دلوں کے یوسف کے ساتھ مشغول ہونے کی وجہ سے ان کو تکلیف کا احساس بھی نہ ہوا اور پکار اٹھیں حاشا للہ پاکی اللہ کیلئے ہے، یہ یعنی یوسف انسان نہیں ہے یہ تو کوئی بزرگ فرشتہ ہے اس لئے کہ اس کو ایسے حسن نے گھیر لیا ہے کہ عادۃً کسی فرد بشر میں نہیں ہوتا، اور صحیح حدیث میں ہے کہ (حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مجموعی) حسن کا نصف حصہ عطا کیا گیا تھا، عزیز کی بیوی نے جب ان کی حالت غیر دیکھی تو کہا یہی تو ہے وہ جس کی محبت کے بارے میں تم مجھکو طعنے دیتی تھیں، یہ اپنے عذر کا بیان ہے، اور بے شک میں نے اس کو رجھانے کی کوشش کی تھی مگر یہ بچ نکلا، اور اگر یہ وہ کام نہیں کرے گا جو اس سے میں چاہتی ہوں تو یقیناً قید کیا جائیگا اور بہت ذلیل وخوار ہوگا، تو ان عورتوں نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کہا اپنی مالکن کی بات مان لے، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعاء کی اے میرے پروردگار مجھے جیل منظور ہے اس کام کے مقابلہ میں جس کی طرف یہ مجھے بلا رہی ہے اور اگر تو نے مجھ سے ان کی چال بازیوں کو دفع نہ کیا تو میں ان کے دام میں پھنس جاؤنگا، اور گنہگاروں میں شامل ہو جاؤں گا اور (**الا تصرف**) سے مقصد دعاء ہے اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے **فاستجاب** فرمایا تو اس کے رب نے اس کی دعا قبول کرلی کہ اس سے ان کے مکر کو دفع کر دیا بلاشبہ وہ باتوں کا سننے والا عمل کا دیکھنے والا ہے پھر اس نے یہ طے کیا کہ اس کو واللہ جیل میں ڈالدیں گے ایک مدت کے لئے باوجودیکہ وہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پاکدامنی پر دلالت کرنے والی نشانیاں دیکھ چکے تھے، اس (حذف فاعل) پر لیسجننه دلالت کر رہا ہے تاکہ اس بات کا چرچا ختم ہو جائے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: **نسوة** عورتوں کی جماعت، یہ اسم جمع ہے اس کا لفظوں میں واحد نہیں ہے اور باعتبار معنی کے **امرأة** اس کا واحد ہے **نسوة** مؤنث غیر حقیقی ہے اس کے فعل کا مذکر اور مؤنث دونوں لانا جائز ہے اسی وجہ سے **قالت** کے بجائے **قال** لائے ہیں۔

قولہ: **مدينة مصر**، اس میں اشارہ ہے کہ **المدينة** میں الف لام عہد کا ہے۔

قولہ: **امرأة العزيز** مبتداء ہے اور **تراود**، اس کی خبر ہے، **تراود** مضارع واحد مؤنث غائب ہے (**مفاعلة**) وہ بہلاتی ہے وہ پھسلاتی ہے۔

قَوْلُہٗ: تمییز یہ اس اعتراض کا جواب ہے کہ شغف متعدی بیک مفعول ہے حالانکہ یہاں اس کے دو مفعول میں اول ھا اور دوسرے حبًا، جواب یہ ہے کہ حبًا تمییز ہے نہ کہ مفعول، یہ فاعل سے منتقل ہو کر آتی ہے اصل عبارت یہ تھی دخل حبہ فی شغاف قلبھا.

قَوْلُہٗ: شغاف، شغاف القلب، وہ جھلی جو قلب کو گھیرے ہوئے ہوتی ہے۔

قَوْلُہٗ: اعتدت یہ اعتاد سے بمعنی تیار کرنا ماضی واحد مؤنث غائب۔

قَوْلُہٗ: متکأ اسم مکان ٹیک لگانے کی جگہ، گاؤتکیہ، مسند، عرب مُتکأ اس چیز کو کہتے ہیں جس پر کھانے پینے یا باتیں کرنے کے وقت سہارا لگایا جاتا ہے امام رازی نے کہا ہے کہ وہ کھانا جس کو کھانے کیلئے چھری کی ضرورت پڑے، (تفسیر کبیر) جس طرح آجکل کھانے کے لئے میز کرسیاں لگائی جاتی ہے اسی طرح پہلے مہذب دسترخوانوں کے اردگرد گاؤتکیہ لگائے جاتے تھے، اور جس طرح آجکل میز لگانے اور دسترخوان لگانے سے مراد کھانا چننا اور میز یا دسترخوان پر بیٹھنے سے مراد ہوتا ہے کھانے کیلئے بیٹھنا، اسی طرح اس زمانہ میں گاؤتکیہ لگانے سے مراد کھانا کھانے کے لئے بیٹھنا ہوتا تھا، اسی معنی میں جمیل کا شعر ہے۔

فَظَلِلْنَا بِنِعْمَةٍ وَاتَّكَأْنَا وَشَرِبْنَا الْحَلَالَ مِنْ قُلَلِهٖ

''ہم نے عیش میں دن گذارا اور کھانا کھایا، اور مٹکوں سے نکال کر شراب پی''۔

علامہ سیوطی نے متکأ کی تفسیر طعاما یقطع بالسکین سے کی ہے، اور یہی قول امام رازی کا ہے، لیکن اس کے بعد لکھا ہے وھو الاترج (ترنج) علامہ سیوطی نے ایسا وہب کی اتباع میں کیا ہے ابو عبیدہ اور دیگر اہل لغت نے اس کا انکار کیا ہے، اسلئے کہ ترنج کو مُتْك یا مُتکة کہا جاتا ہے ضرار بن نہشل نے بھی مُتکة بمعنی ترنج استعمال کیا ہے، فاھدت متکة لبنی ابیھا، اس نے اپنے چچا زاد بھائیوں کے لئے ترنج ہدیہ میں بھیجے۔ (لغات القرآن)

قَوْلُہٗ: لِلاتکاء یہ کھانے کو متکأ کہنے کی وجہ تسمیہ ہے چونکہ عرب کھانے کے وقت ٹیک لگایا کرتے تھے اسی مناسبت سے اس کھانے ہی کو استعارہ کے طور پر متکأ کہہ دیا گیا ہے۔

قَوْلُہٗ: حاش للہ، حاشا حرف تنزیہ ہے اس وقت یہ اسم ہوگا اور اس کا استعمال استثناء کے طور پر ہوتا ہے اس وقت حرف ہوگا۔

قَوْلُہٗ: بیان لعذرھا، یہ اس کا جواب ہے کہ مصری عورتوں کو تو معلوم تھا کہ عزیز کی بیوی اپنے غلام پر فریفتہ ہوگئی ہے پھر فذالکن الذی لمتننی فیه یہ ہے وہ جسکے بارے میں تم مجھے ملامت کرتی ہو یہ کہنے کی کیا ضرورت تھی؟

جَوَابُ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اس کا مقصد خبر دینا نہیں ہے بلکہ اپنی مجبوری اور لاچاری کو بیان کرنا ہے کہ جس کو تم ایک نظر دیکھ کر دنگ رہ گئیں اور اپنے ہاتھ زخمی کر بیٹھیں تو تم خود ہی بتاؤ کہ جب وہ ہر وقت میرے ساتھ میرے گھر میں رہتا ہے تو میرا کیا حال ہوگا؟ لہٰذا تم مجھے اس معاملہ میں معذور سمجھو۔

قولہ: به یہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ آمرہٗ کی ضمیر بظاہر یوسف علیہ السلام کی طرف راجع ہے اگر ایسا ہے تو ما موصولہ بغیر عائد کے رہ جائیگا۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ آمرہٗ کی ضمیر یوسف علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ ما موصولہ کی طرف راجع ہے اور آمرہٗ اصل میں آمر به تھا باء کو حذف کر دیا جیسا کہ امرتك الخير اصل میں امرتك بالخير تھا۔

قولہ: لهم، ای للعزیز واهله.

قولہ: ان یسجنوه، یہ ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ بدا فعل ہے اس کا فاعل لیسجننه ہے حالانکہ فعل بغیر فاعل کے واقع نہیں ہوا کرتا لہٰذا فعل بغیر فاعل کے رہ گیا جو کہ جائز نہیں ہے۔

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے کہ بدا کا فاعل لیسجننه نہیں ہے بلکہ فاعل مقدر ہے اور وہ ان یسجنوه ہے ان یسجنوه، أن مصدریہ کی وجہ سے بتاویل مصدر ہو کر بدا کا فاعل ہے تقدیر عبارت یہ ہے بدا تسجینهٗ.

تفسیر وتشریح

وقال نسوة عزیز مصر نے اگر چہ فضیحت و رسوائی سے بچنے کے لئے اس معاملہ کو یہیں ختم کر دیا مگر بات پوشیدہ نہ رہ سکی، اور رشدہ شدہ شاہی خاندانوں کی عورتوں میں یہ چرچا ہونے لگا کہ عزیز مصر کی بیوی کس قدر بے حیا ہے کہ اپنے غلام پر ریجھ گئی، اتنے بڑے مرتبہ کی عورت اور غلام سے اختلاط کا ارادہ؟ آہستہ آہستہ اس طعن و تشنیع کی خبر عزیز کی بیوی تک بھی پہنچ گئی، اس کو یہ طعن بیحد شاق گذرا، اور اس نے چاہا کہ اس کا انتقام لے، اور ایسا انتقام لے کہ جس بات پر وہ مجھ پر طعن کرتی ہیں اسی میں ان کو بتلا کیا جائے یہ سوچ کر ایک روز شاہی خاندان اور عمائدین شہر کی عورتوں کے کھانے کی دعوت دی اور جب کھانا کھانے کے لئے دسترخوان پر بیٹھ گئیں اور سب نے ترنج یا گوشت وغیرہ کاٹنے کے لے چھریاں ہاتھ میں لے لیں تب عزیز کی بیوی نے حضرت یوسف علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ باہر آئیں حضرت یوسف علیہ السلام مالکہ کے حکم سے باہر نکلے تو تمام عورتیں جمال یوسف کو دیکھ کر دنگ رہ گئیں اور رخ انور کی تجلی و تابانی سے اس قدر متاثر ہوئیں کہ چیزیں کاٹنے کے بجائے بیخودی میں اپنے ہاتھ کاٹ لئے اور بے ساختہ کہنے لگیں کہ کون کہتا ہے یہ انسان ہے؟ بخدا یہ تو نور کا پتلا اور بزرگ فرشتہ ہے یہ دیکھ کر عزیز کی بیوی بیحد محظوظ ہوئی اپنی کامیابی اور ان کی شکست پر فخر کرتے ہوئے کہنے لگی یہی تو وہ غلام ہے جس کے عشق و محبت کے بارے میں تم نے مجھ کو مطعون کر رکھا ہے، اب اس کو دیکھ کر خود تمہارا حال کیا ہے؟ اب تم خود ہی بتاؤ میرا یہ عشق بجا ہے یا بے جا، اور تمہاری ملامت برمحل ہے یا بے محل؟

مصری عورتوں کی یہ مدہوشی دیکھ کر اس کو مزید حوصلہ ہو گیا اور شرم و حیا کے سارے حجاب در کنار کر کے اس نے اپنے برے ارادہ کا ایک مرتبہ پھر اظہار کیا، اور یہ بھی کہا کہ بے شک میں نے اس کا دل اپنے قابو میں لینا چاہا تھا مگر وہ قابو میں نہ ہوا، مگر یہ کہے دیتی ہوں اگر اس نے میرا کہنا نہ مانا تو اس کو جیل جانا پڑے گا اور بہت ذلیل و خوار ہوگا۔

قال رب السجن احب الی الخ ذراان حالات کا اندازہ کیجئے جن حالات میں یوسف مبتلا تھے، انیس بیس سال کا ایک خوبصورت نوجوان ہے جو بدیانہ زندگی سے بہترین تندرستی اور بھری جوانی لے کر آیا ہے جلاوطنی اور جبری غلامی کے مراحل سے گذرنے کے بعد قدرت اسے رئیس اور رکن سلطنت کے گھر لے آئی ہے، یہاں پہلے تو خود گھر کی بیگم ہی اس کے پیچھے پڑ جاتی ہے جس سے اس کا شب وروز کا سابقہ ہے پھر اس کے حسن کا چرچا پورے دارالسلطنت میں ہونے لگتا ہے اور شہر بھر کے امیر گھرانوں کی عورتیں اس پر فریفتہ ہو جاتی ہیں، اب ایک طرف وہ اور دوسری طرف سینکڑوں خوبصورت جال ہیں جو ہر وقت ہر جگہ اسے پھانسنے کے لئے پھیلے ہوئے ہیں، اس حالت میں یہ خدا پرست نوجوان جس کامیابی کے ساتھ ان شیطانی ترغیبات کا مقابلہ کرتا ہے وہ بجائے خود کچھ کم قابل تعریف نہیں ہے مگر اس پر بھی وہ اپنی بشری کمزوریوں کا خیال کر کے کانپ اٹھتا ہے اور نہایت عاجزی کے ساتھ خدا سے دل ہی دل میں مدد کی التجا کرتا ہے کہ اے رب میں ایک کمزور انسان ہوں میرا اتنا بل بوتا کہاں کہ ان بے پناہ ترغیبات کا مقابلہ کرسکوں تو مجھے سہارا دے اور مجھے اپنی پناہ میں رکھ، ڈرتا ہوں کہ کہیں میرے قدم نہ پھسل جائیں۔

یوسف علیہ الصلاۃ والسلام زندان میں:

بہر حال یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو قید خانہ بھیج دیا گیا اور ایک بے خطا کو خطاوار، معصوم کو مجرم بنا دیا گیا تاکہ بیوی فضیحت و رسوائی سے بچ جائے اور مجرم کو کوئی مجرم نہ کہہ سکے عزیز مصر اور اس کے دوستوں کو اگرچہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی پاکدامنی کی کھلی نشانیاں دیکھ کر یقین ہو گیا تھا مگر شہر میں اس واقعہ کا چرچا ہونے لگا اس کو ختم کرنے کے لئے مصلحت اسی میں نظر آئی کہ کچھ عرصہ کے لئے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو جیل بھیج دیا جائے اور یہ مصلحت بھی پیش نظر ہو سکتی ہے کہ اس بہانے سے یوسف کو اپنی بیوی سے الگ کر دیا جائے تاکہ وہ دوبارہ اس قسم کی حرکت نہ کر سکے۔

وَدَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ غلامان للملك احدهما ساقيه والأخر صاحب طعامه فرأياه يعبر الرؤيا فقالا لنختبرنه **قَالَ اَحَدُهُمَآ** الساقي **اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَعْصِرُ خَمْرًا** اى عنبا **وَقَالَ الْاٰخَرُ** صاحب الطعام **اِنِّيْٓ اَرٰىنِيْٓ اَحْمِلُ فَوْقَ رَاْسِيْ خُبْزًا تَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْهُ نَبِّئْنَا** خبرنا **بِتَاْوِيْلِهٖ** بتعبيره **اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ قَالَ** لهما مخبرا انه عالم بتعبير الرؤيا **لَا يَاْتِيْكُمَا طَعَامٌ تُرْزَقٰنِهٖٓ** في منامكما **اِلَّا نَبَّاْتُكُمَا بِتَاْوِيْلِهٖ** في اليقظة **قَبْلَ اَنْ يَّاْتِيَكُمَا** تاويله **ذٰلِكُمَا مِمَّا عَلَّمَنِيْ رَبِّيْ** فيه حث على ايمانهما ثم قواه بقوله **اِنِّيْ تَرَكْتُ مِلَّةَ** دين **قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَهُمْ بِالْاٰخِرَةِ هُمْ** تاكيد **كٰفِرُوْنَ ۝ وَاتَّبَعْتُ مِلَّةَ اٰبَآءِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ مَا كَانَ** ينبغي **لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ** زائدة **شَيْءٍ** لعصمتنا **ذٰلِكَ** التوحيد **مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ** وهم الكفار **لَا يَشْكُرُوْنَ ۝** الله فيشركون ثم صرح بدعائهما الى الايمان فقال **يٰصَاحِبَيِ** ساكني

السِّجْنِ ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ؕ خير استفهام تقرير مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اى غيره اِلَّاۤ اَسْمَآءً سَمَّيْتُمُوْهَاۤ سميتم بها اصناما اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُكُمْ مَّاۤ اَنْزَلَ اللّٰهُ بِهَا بعبادتها مِنْ سُلْطٰنٍ ؕ حجة و برهان اِنِ ما الْحُكْمُ القضاء اِلَّا لِلّٰهِ ؕ وحده اَمَرَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ ؕ ذٰلِكَ التوحيد الدِّيْنُ الْقَيِّمُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ وهم الكفار لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ ما يصيرون اليه من العذاب فيشركون يٰصَاحِبَيِ السِّجْنِ اَمَّاۤ اَحَدُكُمَا اى الساقى فيخرج بعد ثلاث فَيَسْقِيْ رَبَّهٗ سيده خَمْرًا ۚ على عادته هذا تاويل رؤياه وَاَمَّا الْاٰخَرُ فيخرج بعد ثلاث فَيُصْلَبُ فَتَاْكُلُ الطَّيْرُ مِنْ رَّاْسِهٖ ؕ هذا تاويل رؤياه فقالا ما رأينا شيئا فقال قُضِيَ تم الْاَمْرُ الَّذِيْ فِيْهِ تَسْتَفْتِيٰنِ ؕ عنه سالتما صدقتما ام كذبتما وَقَالَ لِلَّذِيْ ظَنَّ ايقن اَنَّهٗ نَاجٍ مِّنْهُمَا وهو الساقى اذْكُرْنِيْ عِنْدَ رَبِّكَ سيدك فقل له ان فى السجن غلاما محبوسا ظلما فخرج فَاَنْسٰىهُ اى الساقى الشَّيْطٰنُ ذِكْرَ يوسف عند رَبِّهٖ فَلَبِثَ مكث يوسف فِى السِّجْنِ بِضْعَ سِنِيْنَ ؕ قيل سبعا وقيل اثنى عشر

ترجمہ: چنانچہ (یوسف کو) جیل میں ڈال دیا گیا اور اس کے ساتھ دو اور نوجوان بھی جیل خانہ میں داخل ہوئے جو بادشاہ کے غلام تھے، ایک ان میں سے بادشاہ کا ساقی تھا اور دوسرا شاہی مطبخ کا ذمہ دار، ان دونوں کو معلوم ہوا کہ (یوسف) خوابوں کی تعبیر بتاتے ہیں تو دونوں نے مشورہ کیا کہ ہم اس کو ضرور آزمائیں گے، ان میں سے ایک نے جو کہ ساقی تھا کہا میں نے اپنے آپ کو دیکھا کہ میں انگور نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے مطبخ کے ذمہ دار نے کہا میں اپنے سر پر روٹیاں اٹھائے ہوئے ہوں اس میں سے پرندے کھا رہے ہیں، ہمیں آپ اس کی تعبیر بتائیے، ہم آپ کو نیک آدمی سمجھتے ہیں، (یوسف علیہ السلام نے) ان کو یہ بتاتے ہوئے کہ وہ خوابوں کی تعبیر سے واقف ہیں کہا کہ جو کھانے (پینے کی چیز) تم کو خواب میں کھلائی جاتی ہے بیدار ہونے کے بعد میں نے اس کی تعبیر بتادی اس کی تعبیر خارج میں ظاہر ہونے سے پہلے، یہ وہ علم ہے کہ جو مجھے میرے رب نے سکھایا ہے اس مقولہ میں ان دونوں کو ایمان پر آمادہ کرنا ہے پھر اس کی تائید اپنے قول "انی تركت ملة الخ" سے کی ہے میں نے تو ان لوگوں کا دین چھوڑ رکھا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور یہ لوگ آخرت کے بھی منکر ہیں دوسرا ھم پہلے ھم کی تاکید ہے اور میں نے تو اپنے آباواجداد ابراہیم اور اسحٰق اور یعقوب کا دین اختیار کر رکھا ہے، ہمارے لئے ہماری عصمت کی وجہ سے کسی طرح زیبا نہیں کہ ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کریں، یہ توحید ہمارے اور تمام لوگوں پر اللہ کا فضل ہے لیکن اکثر لوگ کہ وہ کافر ہیں اللہ کی شکر گذاری نہیں کرتے جس کی وجہ سے وہ شرک کرتے ہیں پھر صراحت کے ساتھ ان کو ایمان کی دعوت دیتے ہوئے کہا اے میرے قیدخانہ کے رفیقو (تم خود ہی سوچو) کہ بہت سے متفرق رب بہتر ہیں یا ایک کہ وہ اللہ ہے بہتر ہے، کہ جو (سب پر) غالب ہے استفہام تقریر کے لئے ہے اس کے علاوہ جن کی تم بندگی کرتے ہو وہ اس کے سوا کچھ نہیں کہ چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادا نے رکھ لئے ہیں اور اللہ نے ان کی عبادت پر کوئی سند اور دلیل نازل نہیں کی حکم (فیصلہ) صرف اللہ وحدہٗ

لاشریک لہ کا ہے اسی نے حکم دیا کہ صرف اسی کی بندگی کرو اور یہ توحید ہی صحیح دین ہے، لیکن اکثر لوگ اور وہ کافر ہیں اس عذاب کو نہیں جانتے جس کی طرف وہ جارہے ہیں، اسی وجہ سے وہ شرک کرتے ہیں، اے میرے زندان کے ساتھیو! تم میں سے ایک یعنی ساقی تین دن کے بعد (جیل سے) رہا کیا جائیگا، تو وہ حسب سابق اپنے مالک کو شراب پلائیگا یہ اسکے خواب کی تعبیر ہے، اور دوسرا (بھی) تین دن کے بعد (جیل سے) رہا کیا جائیگا تو وہ سولی چڑھایا جائیگا پرندے اس کے سر کو (نوچ نوچ کر) کھائیں گے یہ اس کے خواب کی تعبیر ہے، تو ان دونوں نے کہا ہم نے کوئی خواب واب نہیں دیکھا، تو یوسف علیہ السلام نے کہا جس کا تم نے سوال کیا اس کا فیصلہ کر دیا گیا خواہ تم نے سچ بولا یا جھوٹ بولا، اور دونوں میں سے جس کے بارے میں بری ہونے کا یقین تھا اس سے کہا اور وہ ساقی تھا، اپنے مالک سے میرا ذکر کرنا اور اس سے کہنا ایک غلام زندان میں ظلما بند ہے، چنانچہ وہ (قید خانہ سے) رہا ہو گیا مگر شیطان نے ساقی کو اپنے مالک سے یوسف کا ذکر کرنا بھلا دیا جس کی وجہ سے یوسف قید میں کئی سال رہے کہا گیا ہے کہ سات سال رہے اور کہا گیا ہے کہ بارہ سال رہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: فسجن اس حذف میں اشارہ ہے کہ واؤ عاطفہ ہے اور دخل کا عطف محذوف پر ہے اور محذوف سجن ہے۔

قَوْلُہٗ: الملك اس بادشاہ کا نام ریان بن الولید تھا۔

قَوْلُہٗ: ای عنبا یہ مایؤل الیہ کے اعتبار سے مجاز ہے لہٰذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ خمر نچوڑنے کی چیز نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: مخبرا انه عالم بتعبير الرؤيا، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ یوسف علیہ السلام کا جواب، سوال کے مطابق نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: في منامكما، اس اضافہ کا مقصد اس تفسیر کو دفع کرنا ہے جو بعض مفسرین نے طعام ترزقانه کی اس کھانے سے کی ہے جو کہ قیدیوں کو دیا جاتا تھا، اسلئے کہ اس تفسیر کے مطابق دونوں قیدیوں کے سوال اور یوسف علیہ السلام کے جواب میں مطابقت باقی نہیں رہتی اسلئے کہ سوال خواب میں کھانے کی اشیاء کے بارے میں تھا اور جواب بیداری میں کھانے کے بارے میں ہے۔

قَوْلُہٗ: ذلكما یہ اسم اشارہ بعید کے لئے ہے اور مراد خواب کی تعبیر کا علم ہے۔

قَوْلُہٗ: ذلك التوحيد اسم اشارہ بعید کے بجائے اسم اشارہ قریب کا لانا علو مرتبہ اور عظمت توحید کو ظاہر کرنے کے لئے ہے۔

قَوْلُہٗ: ثم صرح بدعائهما الى الايمان یعنی ماقبل میں توحید کی دعوت کنایۃ اشارۃ تھی یہاں صراحۃ ہے لہٰذا تکرار کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قَوْلَہٗ: صاحبی یہ صاحب کا تثنیہ ہے اصل میں صاحبین تھا منادی مضاف ہونے کی وجہ سے آخر سے نون ساقط ہوگیا۔
قَوْلَہٗ: لعصمتنا اس اضافہ کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔
سَوَال: یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ فرمانا کہ ہمارے لئے ہرگز مناسب نہیں کہ ہم کسی کو خدا کا شریک ٹھہرائیں، یہ نامناسب ہونا صرف حضرت یوسف اوران کے اباء واجداد ہی کیلئے نامناسب اور نازیبا نہیں ہے بلکہ یہ تو تمام انسانوں کے لئے نامناسب ہے پھر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے ساتھ خاص کرنا کہاں تک صحیح ہے؟
جَوَاب: لعصمتنا کا اضافہ کرکے اسی سوال کا جواب دیا ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ کفر وشرک کا نامناسب ہونا ہمارے لئے اس لئے نہیں ہے کہ وہ حرام ہے بلکہ اس لئے نامناسب ہے کہ ہم کو اس سے پاک وصاف اور محفوظ رکھ گیا ہے بخلاف غیر انبیاء کے ان کو کفر سے پاک وصاف اور محفوظ نہیں رکھا گیا ہے اگرچہ کفر وشرک کو ان کے اوپر حرام کیا گیا ہے۔
قَوْلَہٗ: سمیتم بھا، سمیتموھا کی تفسیر سمیتم بھا سے کرنے کا مقصد ایک اعتراض کا جواب ہے اعتراض یہ ہے کہ ھا ضمیر کا مرجع اسماء ہے لہٰذا ترجمہ ہوگا کہ وہ چند نام ہیں جن کا تم نے نام رکھ لیا ہے اس طرح اسماء کے لئے اسماء کا ہونا لازم آتا ہے جو کہ درست نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ حرف جر ضمیر منصوب سے پہلے محذوف ہے تقدیر عبارت سمیتم بھا ہے یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ کہا جاتا ہے سمیتہ زیدا ای سمیت زیدا.
قَوْلَہٗ: مایصیرون یہ یعلمون کا مفعول ہے۔

تَفْسِیر وتَشْرِیح

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پس دیوار زندان اور دونو جوانوں کا جیل خانہ میں دخول:

ودخل معه السجن فتیان، حسن اتفاق کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ساتھ دونو جوان بھی قید خانہ میں داخل ہوئے، یہ دونوں نوجوان شاہی دربار سے وابستہ تھے ایک ان میں سے بادشاہ کا ساقی تھا اور دوسرا شاہی باورچی خانہ کا ذمہ دار، جس زمانہ میں یہ واقعہ پیش آیا اس زمانہ کے فرعون کا نام ریان بن الولید تھا، اور اس ساقی کا نام ابرو ہایا ادیونا تھا اور دوسرے کا نام مخلب یا غالب تھا، نام کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔

ان دونوں جوانوں کے جیل میں جانے کی وجہ:

بیان کیا گیا ہے کہ مصر کے کچھ لوگوں نے جو بادشاہ سے کسی وجہ سے ناراض تھے بادشاہ کو راستہ سے ہٹانے کی سازش کی اور اس کا آلہ کار ان دونوں نوجوانوں کو بنایا ان کو یہ لالچ دیا کہ اگر تم بادشاہ کے کھانے یا پانی میں زہر ڈال کر بادشاہ کو ہلاک کردوگے تو تمہیں بہت سا مال دیں گے، یہ دونوں نوجوان اس پر آمادہ ہوگئے مگر بعد میں ساقی اس معاملہ سے الگ ہوگیا

لیکن نان پز اس پر قائم رہا اور بادشاہ کے کھانے میں اس نے زہر ملا دیا جب کھانا بادشاہ کے سامنے آیا تو ساقی نے عرض کیا کہ آپ اس کھانے کو نہ کھائیں اس لئے کہ یہ کھانا زہر آلود ہے اور خباز نے جب یہ صورت حال دیکھی تو کہا بادشاہ سلامت آپ یہ مشروب نہ پئیں اس لئے کہ اس میں زہر ملا ہوا ہے بادشاہ نے ساقی سے کہا تم اس مشروب کو پیو چنانچہ ساقی نے پی لیا اور اس کو کوئی نقصان نہیں ہوا اس کے بعد نان پز سے کہا تم یہ کھانا کھاؤ اس نے انکار کر دیا، وہ کھانا ایک جانور کو کھلا کر تجربہ کیا گیا چنانچہ وہ جانور مسموم کھانا کھا کر مر گیا، بادشاہ نے دونوں کو قید خانہ بھیج دیا ساقی کو ابتداءً شریک سازش ہونیکی وجہ سے اور خباز کو مجرم ہونے کی وجہ سے۔ (حاشیہ جلالین)

قید خانہ میں دعوت وتبلیغ:

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام خدا کے پیغمبر تھے دعوت وتبلیغ کے ساتھ ساتھ عبادت وریاضت تقویٰ وطہارت راستبازی وحسن کرداری کے لحاظ سے قید خانہ میں ممتاز تھے تمام قیدی آپ کی عزت واحترام کرتے تھے حتی کہ قید خانہ کا داروغہ بھی آپ کا معتقد ہو گیا تھا غرضیکہ آپ کی نیک نامی کی شہرت عام تھی زندانیاں اپنی ضرورتوں میں بھی حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف رجوع کرتے تھے آپ ان کے ساتھ شفقت ومہربانی سے پیش آتے اگر ان کے بس میں ہوتا تو ان کی مدد کرتے یا داروغہ سے سفارش کر کے مدد کرتے اللہ تعالیٰ نے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تعبیر رؤیا کا خصوصی علم بھی عطا کیا تھا ایک روز وہ دونوں نوجوان آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ ہمیں آپ نیک آدمی معلوم ہوتے ہو ہم نے خواب دیکھا ہے آپ اس کی تعبیر بتائیں، یہاں بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ ان نوجوانوں نے کوئی خواب نہیں دیکھا تھا محض یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آزمائش کے لئے انہوں نے فرضی خواب بیان کئے تھے علامہ سیوطی کی رائے بھی یہی ہے مگر دیگر اکثر مفسرین کی رائے اس کے خلاف ہے۔

خلاصہ یہ کہ دونوں نوجوانوں نے اپنے خواب بیان کئے اول ساقی نے کہا میں نے خواب دیکھا ہے کہ میں شراب کے لئے انگور نچوڑ رہا ہوں اور دوسرے نے کہا کہ میں نے یہ دیکھا ہے کہ میرے سر پر روٹیوں کا خوان ہے اور پرندے اس سے کھا رہے ہیں۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نبی اور نبی زاد تھے دین کی تبلیغ کا ذوق ان کے رگ وریشہ میں پیوست تھا، اسلئے دین حق کی اشاعت ان کی زندگی کا نصب العین تھا، گو قید میں تھے مگر مقصد حیات کیسے فراموش کر سکتے تھے؟ موقع کو غنیمت جانا اور ان سے نرمی اور محبت سے فرمایا، بے شک اللہ تعالیٰ نے جو باتیں مجھے تعلیم فرمائی ہیں منجملہ ان کے تعبیر رؤیا کا علم بھی اس نے مجھے عطا کیا ہے، میں اس سے پہلے کہ تمہارا مقررہ کھانا تم تک پہنچے تمہارے خوابوں کی تعبیر بتا دوں گا، مگر میں تم سے ایک بات کہتا ہوں: ذرا اس پر بھی غور کرو اور سمجھو۔

میں نے ان لوگوں کی ملت کو اختیار نہیں کیا جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں میں نے اپنے آباء واجداد یعنی ابراہیم، اسحق، اور یعقوب علیہم السلام کی ملت کی پیروی کی ہے ہم ایسا نہیں کر سکتے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک ٹھہرائیں،

یہ اللہ کا ایک فضل ہے جو اس نے ہم پر کیا ہے لیکن اکثر لوگ اس نعمت کا شکر ادا نہیں کرتے۔

اے دوستو! تم نے اس پر بھی غور کیا کہ جدا جدا معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا یکتا اللہ کا جو سب پر غالب ہے، تم اس کے علاوہ جن کی بھی بندگی کرتے ہو ان کی حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں کہ چند نام ہیں جن کو تمہارے باپ دادا نے گھڑ لیا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں برہان وسند نہیں اتاری حکومت تو صرف اللہ ہی کی ہے اس نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو یہی راہ مستقیم ہے مگر اکثر لوگ جانتے نہیں ہیں جس کی وجہ سے وہ شکر گذار بھی نہیں ہیں۔

رشد وہدایت کی تبلیغ کے بعد حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تعبیر خواب کی طرف متوجہ ہونا:

یاصاحبی السجن اما احدکما، توحید کی نصیحت کرنے کے بعد ان کے خوابوں کی تعبیر کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا دوستو! جس نے یہ دیکھا ہے کہ وہ انگور نچوڑ رہا ہے وہ قید سے رہا ہو کر حسب سابق بادشاہ کے ساقی کی خدمت انجام دے گا اور جس نے روٹیوں والا خواب دیکھا ہے اسے سولی دی جائیگی اور پرندے اس کے سر کو نوچ نوچ کر کھائیں گے، جن باتوں کے بارے میں تم نے سوال کیا تھا وہ فیصل ہو چکیں اور فیصلہ یہی ہے۔

احکام ومسائل

آیات مذکورہ سے مفہوم چند احکام ومسائل:

① جیل خانہ عام طور پر مجرموں اور بدمعاشوں کی بستی سمجھی جاتی ہے، مگر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ساتھ بھی حسن اخلاق اور حسن معاشرت کا معاملہ کیا جس سے یہ سب لوگ گرویدہ ہو گئے، اس سے معلوم ہوا کہ مصلحین کے لئے ضروری ہے کہ مجرموں اور بدمعاشوں کو بھی حسن معاشرت کے ذریعہ مانوس ومربوط کریں ان سے نفرت کا اظہار نہ کریں۔

② **انا نراك من المحسنین** سے یہ معلوم ہوا کہ خواب کی تعبیر ایسے ہی لوگوں سے دریافت کرنا چاہئے جن کے نیک اور ہمدرد ہونے پر اعتماد ہو۔

③ یہ بھی معلوم ہوا کہ اصلاح خلق کی خدمت کرنے والوں کو چاہئے کہ اپنے عمل واخلاق کے ذریعہ لوگوں کا اپنے اوپر اعتماد بحال کریں خواہ اس میں ان کو کچھ اپنے کمالات کا اظہار کرنا پڑے، جیسا کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس موقع پر اپنا معجزہ بھی ذکر کیا اور اپنا خاندان نبوت کا ایک فرد ہونا بھی ظاہر کیا، اگر یہ اظہار اخلاص کے ساتھ ہو تو **فلا تزکوا انفسکم** کی ممانعت میں نہیں آتا۔

④ چوتھی بات یہ بتلائی گئی کہ داعی اور مصلح کا فرض ہے کہ ہر حال میں اپنے وظیفۂ دعوت وتبلیغ کو مقدم رکھے، جب بھی کوئی موقع میسر ہو خواہ انفرادی طور پر یا اجتماعی طور پر اس کو ہاتھ سے نہ جانے دے جیسا کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس یہ قیدی

خواب کی تعبیر دریافت کرنے کے لئے آئے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب کی تعبیر بتانے سے پہلے دعوت وتبلیغ کے ذریعہ ان کو رشد وہدایت کا تحفہ عطا فرمایا، یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ دعوت وتبلیغ کے کام کے لئے کسی جلسے یا منبر اور اسٹیج ہی درکار ہوتے ہیں، شخصی اور نجی ملاقاتوں کے ذریعہ یہ کام زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

⑤ حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی کے لئے اس قیدی سے جس کا دوبارہ اپنی ملازمت پر بحال ہونا یقینی تھا کہا کہ جب تم بادشاہ کے پاس جاؤ تو میرا بھی ذکر کرنا کہ ایک بے قصور جیل میں ہے اس سے معلوم ہوا کہ کسی مصیبت سے خلاصی کے لئے کسی شخص کی کوشش کو واسطہ بنانا توکل کے خلاف نہیں۔

وَقَالَ الْمَلِكُ مصر الريان بن الوليد اِنِّىٓ اَرٰى اى رأيت سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ يبتلعهن سَبْعٌ من البقر عِجَافٌ جمع عجفاء وَّسَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ اى سبع سنبلات يٰبِسٰتٍ قد التوت على الخضر وعست عليها يٰٓاَيُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِىْ فِىْ رُءْيَاىَ بينوا لى تعبيرها اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْيَا تَعْبُرُوْنَ ﴿۴۳﴾ فاعبروها قَالُوْٓا هذه اَضْغَاثُ احلاط اَحْلَامٍ وَمَا نَحْنُ بِتَاْوِيْلِ الْاَحْلَامِ بِعٰلِمِيْنَ ﴿۴۴﴾ وَقَالَ الَّذِىْ نَجَا مِنْهُمَا اى من الفتيين وهو الساقى وَادَّكَرَ فيه ابدال التاء فى الاصل دالا واد غامها فى الدال اى تذكر بَعْدَ اُمَّةٍ حين حال يوسف اَنَا اُنَبِّئُكُمْ بِتَاْوِيْلِهٖ فَاَرْسِلُوْنِ ﴿۴۵﴾ فارسلوه اليه فاتى يوسف فقال يا يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ الكثير الصدق اَفْتِنَا فِىْ سَبْعِ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ يَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّسَبْعِ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّاُخَرَ يٰبِسٰتٍ لَّعَلِّىْٓ اَرْجِعُ اِلَى النَّاسِ اى الملك واصحابه لَعَلَّهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۶﴾ تعبيرها قَالَ تَزْرَعُوْنَ اى ازرعوا سَبْعَ سِنِيْنَ دَاَبًا بسكون الهمزة وفتحها متتابعة وهى تاويل السبع السمان فَمَا حَصَدْتُّمْ فَذَرُوْهُ اتركوه فِىْ سُنْۢبُلِهٖ لئلا يفسد اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تَاْكُلُوْنَ ﴿۴۷﴾ فدوسوه ثُمَّ يَاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اى السبع المخصبات سَبْعٌ شِدَادٌ مجدبات صعاب وهى تاويل السبع العجاف يَّاْكُلْنَ مَا قَدَّمْتُمْ لَهُنَّ من الحب المزروع فى السنين المخصبات اى تاكلونه فيهن اِلَّا قَلِيْلًا مِّمَّا تُحْصِنُوْنَ ﴿۴۸﴾ تدخرون ثُمَّ يَاْتِىْ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ اى السبع المجدبات عَامٌ فِيْهِ يُغَاثُ النَّاسُ بالمطر وَفِيْهِ يَعْصِرُوْنَ ﴿۴۹﴾ الاعناب وغيرها لخصبه وَقَالَ الْمَلِكُ لما جاءه الرسول واخبره بتاويلها ائْتُوْنِىْ بِهٖ اى بالذى عبرها فَلَمَّا جَآءَهُ اى يوسف الرَّسُوْلُ وطلبه للخروج قَالَ قاصدا اظهار براءته ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْئَلْهُ ان يسال مَا بَالُ حال النِّسْوَةِ الّٰتِىْ قَطَّعْنَ اَيْدِيَهُنَّ ؕ اِنَّ رَبِّىْ سيدى بِكَيْدِهِنَّ عَلِيْمٌ ﴿۵۰﴾ فرجع فاخبر الملك فجمعهن قَالَ مَا خَطْبُكُنَّ شانكن اِذْ رَاوَدْتُّنَّ يُوْسُفَ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ هل وجدتن منه ميلا اليكن قُلْنَ حَاشَ لِلّٰهِ مَا عَلِمْنَا عَلَيْهِ مِنْ سُوْٓءٍ ؕ قَالَتِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ الْئٰنَ حَصْحَصَ وضح الْحَقُّ ؗ اَنَا رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الصّٰدِقِيْنَ ﴿۵۱﴾ فى قوله هى راودتنى عن نفسى فاخبر يوسف بذلك فقال ذٰلِكَ اى طلب البراءة لِيَعْلَمَ العزيز اَنِّىْ لَمْ اَخُنْهُ فى أهله بِالْغَيْبِ حال

وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِيْ كَيْدَ الْخَآئِنِيْنَ ﴿۵۲﴾

ترجمہ: مصر کے بادشاہ ریان بن ولید نے کہا میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ سات فربہ گایوں کو سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں (عِجَاف) عجفاء کی جمع ہے اور سات ہری بالیں ہیں اور دوسری سات خشک بالیں ہیں اور سوکھی بالیں ہری بالوں پر لپٹی ہوئی ہیں اور سوکھی بالیں ہری بالوں پر غالب آگئی ہیں، اے درباریو تم میرے خواب کی تعبیر بتاؤ، اگر تم تعبیر بتا سکتے ہو تو بتاؤ درباریوں نے جواب دیا یہ منتشر خیالات کے خواب ہیں اور ہم منتشر خیالات کے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے، اور اس نوجوان نے جو دونو جوانوں میں سے (جیل سے) رہا ہوا تھا اور وہ ساقی تھا جس کو ایک مدت دراز کے بعد یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حال یاد آگیا کہا (وادکر) میں اصل میں تاء دال سے بدلی ہوئی ہے اور دال کا دال میں ادغام ہے، یعنی یاد آیا، اس نے کہا میں تمہیں اس کی تعبیر بتلا دوں گا، مجھے اجازت دیجئے چنانچہ اس کو یوسف کے پاس جانے کی اجازت دیدی، اس نے (جا کر) کہا اے سراپا راستی، یوسف، آپ ہمیں اس خواب کی تعبیر بتلائیے کہ سات فربہ گائیں ہیں جنہیں سات دبلی گائیں کھا رہی ہیں اور سات ہری بالیں ہیں اور سات دوسری خشک، تاکہ میں لوگوں یعنی بادشاہ اور اسکے درباریوں کے پاس جا کر خواب کی تعبیر بتاؤں تاکہ وہ خواب کی تعبیر جان لیں یوسف نے کہا کہ تم سات سال تک مسلسل کھیتی کرو (دَأَبًا) ہمزہ کے سکون اور فتحہ کے ساتھ بمعنی مسلسل یہ سات فربہ گایوں کی تعبیر ہے اور جو فصل تم کاٹو اسکو خوشوں (بالوں) میں ہی رہنے دینا تاکہ غلہ خراب نہ ہو، صرف کھانے کی ضرورت کے مطابق ہی غلّہ (خوشہ) سے نکالو، پھر ان شادابی کے سات سالوں کے بعد سات سال نہایت خشک سالی یعنی تکلیف کے آئیں گے اور یہ سات دبلی گایوں کی تعبیر ہے، شادابی کے سالوں کا اگایا ہوا غلہ جس کو تم نے خشکی کے سالوں کے لئے جمع کیا ہے وہ (خشکی کے سال) اس کو کھا جائیں گے، یعنی تم ان سالوں میں اس (ذخیرہ شدہ) غلہ کو کھاؤ گے مگر اس میں بہت تھوڑا سا جس کو تم بحفاظت بچا سکو (باقی رہیگا) پھر اس کے بعد ایک سال ایسا آئے گا یعنی خشک سالی کے سات سالوں کے بعد کہ اس میں لوگوں پر بارش کے ذریعہ فریاد رسی کی جائے گی (یعنی خوب بارش برسائی جائے گی) اور اس سال میں لوگ شادابی کی وجہ سے (خوب) انگور وغیرہ نچوڑیں گے، جب قاصد (واپس) آیا اور بادشاہ کو اس کے خواب کی تعبیر بتائی تو بادشاہ نے کہا جس نے خواب کی تعبیر بتائی ہے اسے میرے پاس لاؤ جب قاصد یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس آیا اور ان سے جیل سے باہر آنے کی درخواست کی تو (یوسف) نے قاصد سے اپنی اظہار براءت کے طور کہا اپنے بادشاہ کے پاس واپس جا اور اس سے پوچھ کہ ان عورتوں کا حقیقی واقعہ کیا ہے جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ میرا آقا (عزیز) ان عورتوں کے مکر سے بخوبی واقف ہے چنانچہ قاصد واپس گیا اور بادشاہ سے صورت حال بیان کی چنانچہ بادشاہ نے ان عورتوں کو جمع کیا (اور) ان سے پوچھا تمہارا کیا معاملہ تھا کہ تم نے یوسف کو اس کے نفس کے بارے میں رجھانے (پھسلانے) کی کوشش کی تھی، کیا تم نے اس کا ادنیٰ میلان بھی تمہاری طرف پایا؟ انہوں نے جواب دیا معاذ اللہ (حاشا وکلا) ہم نے اس کے اندر کوئی برائی نہیں پائی عزیز کی بیوی بولی اب تو

سچی بات ظاہر ہوگئی میں نے ہی اس کو اس کی ذات کے بارے میں رجھانے کی کوشش کی تھی وہ یقیناً اپنے قول "هي راودتني عن نفسي" میں سچا ہے، یوسف کو اس کی اطلاع دی گئی، اور یہ بے گناہی ثابت کرنا اسلئے تھا کہ عزیز جان لے کہ پیٹھ پیچھے اس کی اہل میں خیانت نہیں کی (بالغیب) (اخنه کے) فاعل یا مفعول سے حال ہے، اور یہ کہ یقیناً اللہ تعالیٰ خیانت کرنے والوں کے مکر کو چلنے نہیں دیتا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: رأيت، اس میں اشارہ ہے کہ مضارع ماضی کے معنی میں ہے حالت ماضیہ کی منظر کشی کے طور پر مضارع سے تعبیر کیا ہے۔

قِوْلَهُ: عجاف جمع عجفاء، عجاف، عجفاء کی جمع ہے نہ کہ عجیف کی اس لئے کہ یہ بقرة کی صفت ہے۔

سَوْال: افعل اور فعلاء کی جمع فعال کے وزن پر نہیں آتی، قیاس کے مطابق عجف ہونا چاہئے جیسا کہ حمراء کی جمع حمر آتی ہے۔

جَوَاب: یہ حمل النقیض علی النقیض کے قبیل سے ہے عجاف چونکہ سمان کی ضد ہے اسلئے عجاف کو سمان پر قیاس کر کے عجاف جمع لائے ہیں۔

قِوْلَهُ: سبع سنبلات کو سبع بقرات پر قیاس کرتے ہوئے سنبلات میں سبع کو حذف کر دیا ہے جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے۔

سَوْال: گایوں کی حالت کو بیان کیا کہ سات دبلی گائیں سات فربہ گایوں کو کھا گئیں مگر سنبلات کی حالت بیان نہیں کی جس کو مفسر علام نے التوت سے بیان کیا ہے۔

جَوَاب: بقرات کی حالت پر قیاس کرتے ہوئے سنبلات کی حالت کے بیان کو ترک کر دیا۔

قِوْلَهُ: فاعبروها، یہ حذف جزا کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلَهُ: هذه اس میں اشارہ ہے کہ اضغاث مبتداء محذوف کی خبر ہے لہٰذا کلام کے غیر مفید ہونے کا شبہ ختم ہوگیا، اضغاث، ضغث کی جمع ہے گھاس کے مٹھے کو کہتے ہیں جس میں تر و خشک ہر قسم کی گھاس ہو یہاں خوابہائے پریشان مراد ہیں جن میں وسوسوں اور حدیث نفس کا دخل ہوتا ہے۔

قِوْلَهُ: احلام، حلم کی جمع ہے خواب کو کہتے ہیں۔

قِوْلَهُ: امة، امت سے یہاں لوگوں کی جماعت مراد نہیں ہے بلکہ جماعت ایام یعنی مدت طویلہ مراد ہے مفسر علام نے امة کی تفسیر حين سے کر کے اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: حال یوسف اس میں اشارہ ہے کہ وادکر میں واؤحالیہ ہے لہٰذا عامل قال، اور معمول أنا انبئکم کے درمیان فصل کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: یوسف یہ ادکر کا مفعول ہے۔

قَوْلُہٗ: بالمطر اس میں اشارہ ہے کہ یغاث، غیث سے ہے نہ کہ غوث سے۔

قَوْلُہٗ: سیدی، ربی کی تفسیر سیدی سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ربی سے سردار عزیز مراد ہے نہ کہ خالق، اللہ۔

تفسیر وتشریح

پردۂ غیب سے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رہائی کی صورت:

آیات مذکورہ میں یہ بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پردۂ غیب سے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی رہائی کی صورت پیدا فرمائی، کہ بادشاہ مصر نے ایک خواب دیکھا جس سے وہ بہت پریشان ہوا اور اپنی مملکت کے تعبیر دانوں، کاہنوں اور نجومیوں کو بلایا تا کہ ان سے خواب کی تعبیر دریافت کرے۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ فراعنۂ مصر کے زمانہ سے تعلق رکھتا ہے، فراعنہ کا خاندان نسلی اعتبار سے عمالقہ میں سے تھا، مصر کی تاریخ میں ان کو ہکسوس کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے، اور ان کی اصلیت کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ چرواہوں کی ایک قوم تھی، جدید تحقیقات سے پتہ چلا ہے کہ یہ قوم عرب سے آئی تھی دراصل یہ عرب عاربہ ہی کی ایک شاخ تھی۔

مصر کے مذہبی تخیل کی بنا پر ان کا لقب فاراع (فرعون) تھا اسلئے کہ مصری دیوتاؤں میں سب سے بڑا اور مقدس دیوتائے امن، راع (سورج دیوتا) تھا اور بادشاہ وقت اس کا اوتار (یعنی) فاراع کہلاتا تھا یہی فاراع عبرانی میں فارعن ہوا اور عربی میں فرعون کہلایا، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ کے فرعون کا نام ریان بن ولید بتایا گیا ہے اور مصری جدید تحقیقات آثار میں آپوفی کے نام سے موسوم ہے۔

بہر حال یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ابھی زندان ہی میں تھے کہ وقت کے فرعون نے ایک خواب دیکھا، فرعون نے تعبیر دانوں نجومیوں اور کاہنوں کو خواب کی تعبیر معلوم کرنے کے لئے بلایا مگر خواب سنکر سب نے کہہ دیا کہ یہ تو اضغاث احلام ہیں ہم ایسے خوابوں کی تعبیر نہیں جانتے اگر کوئی صحیح خواب ہوتو ہم اس کی تعبیر بتا سکتے ہیں، بادشاہ کو کاہنوں اور تعبیر دانوں کے جواب سے اطمینان نہ ہوا، اسی اثناء میں ساقی کو اپنا خواب اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعبیر کا واقعہ یاد آ گیا، اس نے بادشاہ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر

اجازت ہوتو میں اس کی تعبیر لاسکتا ہوں، بادشاہ کی اجازت سے وہ اسی وقت قید خانہ پہنچا اور یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو بادشاہ کا خواب سنایا اور کہا کہ آپ اس کو حل کیجئے کیوں کہ آپ سچائی اور تقدس کے پیکر ہیں، آپ ہی اس کو حل کر سکتے ہیں اور کیا عجب ہے کہ جن لوگوں نے مجھے بھیجا ہے جب میں صحیح تعبیر لے کر ان کے پاس واپس جاؤں تو وہ آپ کی حقیقی قدر و منزلت سمجھ لیں۔

خواب کی حقیقت:

تفسیر مظہری میں ہے کہ واقعات کی جو صورتیں عالم مثال میں ہوتی ہیں وہی انسان کو خواب میں نظر آتی ہیں، اس عالم میں اس کے خاص معنی ہوتے ہیں فن کا تمام تر مدار اس بات کے جاننے پر ہے کہ فلاں صورت مثالی سے اس عالم میں کیا مراد ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو یہ فن مکمل عطا فرمایا تھا آپ نے خواب سنکر سمجھ لیا کہ سات فربہ گائیں (بیل) اور سات ہرے بھرے خوشوں سے خوشحالی کے سات سال مراد ہیں کہ جن میں معمول کے مطابق بلکہ کچھ زیادہ ہی پیداوار ہوگی کیونکہ بیل کو زمین کے ہموار کرنے نیز جوتنے اور بونے سے خاص تعلق ہے، اور سات دبلے اور کمزور بیلوں اور سات خشک خوشوں سے مراد یہ ہے کہ پہلے خوشحالی کے سات سالوں کے بعد سات سال نہایت خشک سالی کے آئیں گے، اور دبلی گایوں کے فربہ گایوں کے کھانے کا مطلب کہ سات سالوں کا ذخیرہ کیا ہوا غلہ بعد کے سات سالوں میں خرچ ہو جائیگا صرف بیج وغیرہ کے لئے کچھ غلہ بچے گا۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا کمال صبر:

حضرت یوسف کے کمال صبر و استقلال کا اندازہ کیجئے اور جلالت قدر کا اندازہ لگائیے کہ جن ظالموں نے مجھ بے قصور کو زندان میں ڈالا ہے وہ اگر تباہ ہو جائیں اور اس خواب کا حل نہ پا کر برباد ہو جائیں تو اچھا ہے ان کی یہی سزا ہے، ایسا کچھ بھی نہیں بلکہ اس سلسلہ میں صحیح تدبیر بھی بتلا دی اور ساقی کو پوری طرح مطمئن کر کے فرمایا اس خواب کی تعبیر اور اس کی بنا پر جو کچھ تم کو کرنا چاہئے وہ یہ کہ تم سات سال تک لگاتار کھیتی کرتے رہو اور یہ تمہاری خوشحالی کے سال ہوں گے جب کھیتی کٹنے کا وقت آئے تو جو مقدار تمہارے سال بھر کھانے کے لئے ضروری ہو اس کو الگ کر لو اور باقی غلہ کو ان کے خوشوں میں رہنے دو تا کہ محفوظ رہے اور گلے سڑے نہیں اس کے بعد سات سال سخت قحط سالی کے آئیں گے وہ تمہارا جمع کیا ہوا تمام ذخیرہ ختم کر دیں گے، اس کے بعد پھر ایک سال ایسا آئیگا کہ خوب بارش ہوگی کھیتیاں ہری بھری ہوں گی اور لوگ پھلوں اور دانوں سے عرق اور تیل بہتات کے ساتھ نکالیں گے۔

ساقی نے دربار میں جا کر پورا واقعہ بادشاہ کو سنا دیا خواب کی تعبیر سن کر بادشاہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے علم و دانش اور جلالت قدر کا قائل ہو گیا اور نادیدہ مشتاق بنکر کہنے لگا ایسے شخص کو میرے پاس لاؤ۔

بادشاہ کا قاصد یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں:

جب بادشاہ کا قاصد یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس پہنچا اور بادشاہ کی طلب و اشتیاق کا حال سنایا تو حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قید خانہ سے باہر آنے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ اس طرح تو میں جانے کو تیار نہیں ہوں تم اپنے آقا کے پاس جاؤ اور اس سے کہو کہ وہ یہ تحقیق کرے کہ ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ پہلے یہ بات صاف ہو جائے کہ انہوں نے کیسی کچھ مکاریاں کی تھیں اور میرا مالک تو ان مکاریوں سے بخوبی واقف ہے۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا واقعہ کی تحقیق کا مطالبہ:

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام بے قصور اور بے خطا برسوں جیل میں رہے بلا وجہ ان کو زندانی بنا کر رکھا اب جبکہ بادشاہ نے مہربان ہو کر رہائی کا مژدہ سنایا تو چاہئے تھا کہ وہ مسرت اور خوشی کے ساتھ زندان سے باہر نکل آتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا اور گزشتہ معاملہ کی تحقیق کا مطالبہ شروع کر دیا، اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام خانوادۂ نبوت سے ہیں اور خود بھی نبی ہیں اس لئے غیرت و حمیت اور عزت نفس کے بدرجہ اتم مالک ہیں انہوں نے سوچا کہ اگر بادشاہ کی اس مہربانی پر میں رہا ہو گیا تو یہ بادشاہ کا رحم و کرم سمجھا جائیگا اور میرا بے قصور ہونا پردۂ خفا میں رہ جائے گا اس طرح صرف عزت نفس ہی کو ٹھیس نہیں لگے گی بلکہ دعوت و تبلیغ کے اس اہم مقصد کو بھی نقصان پہنچے گا جو میری زندگی کا عین مقصد ہے، لہٰذا اب بہترین وقت ہے کہ معاملہ کی اصل حقیقت سامنے آجائے، اور حق ظاہر اور واضح ہو جائے۔

صحیحین میں واقعۂ یوسف کا ذکر:

بخاری اور مسلم کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس واقعہ کا ذکر کرتے ہوئے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے صبر وضبط کو بہت سراہا اور کسر نفسی کی حد تک اس کو بڑھا کر یہ ارشاد فرمایا۔

لو لبثت فی السجن مالبث یوسف لأجبت الداعی. (بخاری کتاب الانبیاء)

اگر میں اس قدر دراز مدت تک قید میں رہتا جس قدر یوسف رہے تو بلانے والے کی دعوت فوراً قبول کر لیتا۔

اس جگہ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اگر چہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا معاملہ براہ راست عزیز مصر کی بیوی کے ساتھ پیش آیا تھا مگر حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کا ذکر نہیں کیا بلکہ ان مصری عورتوں کا حوالہ دیا جنہوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسا کیوں کیا؟ اس کی دو وجہ تھیں ایک یہ کہ حضرت یوسف کو اگر چہ عزیز کی بیوی سے زیادہ تکلیف پہنچی تھی مگر قید کے معاملہ میں ان عورتوں کی بھی سازش تھی ان سب نے مل کر عزیز مصر کی بیوی کو قید کے مشورہ کو عملی جامہ پہنانے پر آمادہ کیا یہی وجہ ہے کہ زندان کا معاملہ ان عورتوں کے قضیہ کے بعد پیش آیا۔

دوسری وجہ یہ تھی کہ حضرت یوسف علیہ السلام سمجھتے تھے کہ عزیز مصر نے میرے ساتھ ہر ممکن حسن سلوک برتا ہے اس لئے مناسب نہیں کہ میں ان کی بیوی کا نام لے کر اس کی رسوائی کا باعث بنوں۔

غرضیکہ بادشاہ نے جب یہ سنا تو ان عورتوں کو بلوایا اور ان سے کہہ دیا کہ صاف صاف اور صحیح صحیح بتاؤ کہ اس معاملہ کی اصل حقیقت کیا ہے، جب تم نے یوسف پر ڈورے ڈالے تھے تاکہ تم اس کو اپنی طرف مائل کرلو تو وہ ایک زبان ہو کر بولیں۔

قلن حاش للّٰہ ما علمنا علیہ من سوء.

''بولیں حاشاللہ ہم نے اس میں کوئی برائی نہیں پائی''۔

مجمع میں عزیز مصر کی بیوی بھی موجود تھی اس نے جب یہ دیکھا کہ یوسف کی خواہش ہے کہ حقیقت حال سامنے آجائے تو بے اختیار بول اٹھی۔

الئٰن حصحص الحق انارا ودتہ عن نفسہ وانہ لمن الصّٰدقین.

''جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہوگئی ہاں وہ میں ہی تھی جس نے یوسف پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ہار بیٹھی بلاشبہ وہ (اپنے بیان میں) بالکل سچا ہے''۔

ثم تواضع لِلّٰہ فقال **وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ** من الزلل **اِنَّ النَّفْسَ** الجنس **لَاَمَّارَةٌ** کثیرۃ الامر **بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا** بمعنی من **رَحِمَ رَبِّيْ** فعصمہ **اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ وَقَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِيْ بِهٖٓ اَسْتَخْلِصْهُ لِنَفْسِيْ** اجعلہ خالصا لی دون شریک فجاءہ الرسول وقال اجب الملک فقام وودع اھل السجن ودعالھم ثم اغتسل ولبس ثیابا حسانا ودخل علیہ **فَلَمَّا كَلَّمَهٗ قَالَ** لہ **اِنَّكَ الْيَوْمَ لَدَيْنَا مَكِيْنٌ اَمِيْنٌ ۝** ذومکانۃ وامانۃ علی امرنا فما ذاتری ان نفعل قال اجمع الطعام وازرع زرعا کثیرا فی ھذہ السنین المخصبۃ وادخر الطعام فی سنبلہ فیاتی الیک الخلق لیمتاروا منک فقال من لی بھذا **قَالَ** یوسف **اجْعَلْنِيْ عَلٰي خَزَآئِنِ الْاَرْضِ** ارض مصر **اِنِّيْ حَفِيْظٌ عَلِيْمٌ ۝** ذو حفظ وعلم بامرھا وقیل کاتب وحاسب **وَكَذٰلِكَ** کانعامنا علیہ بالخلاص من السجن **مَكَّنَّا لِيُوْسُفَ فِي الْاَرْضِ** ارض مصر **يَتَبَوَّاُ** ینزل **مِنْهَا حَيْثُ يَشَآءُ** بعد الضیق والحبس وفی القصۃ ان الملک توجہ وختمہ وولاہ مکان العزیز وعزلہ ومات بعد فزوجہ امرأتہ زلیخا فوجدھا عذراء وولدت لہ ولدین واقام العدل بمصر ودانت لہ الرقاب **نُصِيْبُ بِرَحْمَتِنَا مَنْ نَّشَآءُ وَلَا نُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ خَيْرٌ** من اجر الدنیا **لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝**

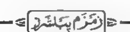
تَرجَمہ: پھر اللہ کے لئے تواضع کی اور پھر (یوسف علیہ السلام نے) کہا میں اپنے نفس کی لغزشوں سے پاکیزگی بیان

نہیں کرتا جنس نفس تو بلا شبہ کثرت سے برائی کا حکم کرنے والا ہی ہے مگر یہ کہ میرا پروردگار ہی رحم کرے تو اس کو بچالیتا ہے ما بمعنی مَن ہے، بادشاہ نے کہا اسے میرے پاس لاؤ تا کہ میں اسے اپنے لئے مخصوص کرلوں، یعنی میں اس کو بغیر کسی شریک کے حاصل کرلوں، چنانچہ قاصد یوسف علیہ السلام کے پاس آیا اور کہا بادشاہ کا حکم مانو، تو حضرت یوسف علیہ السلام اٹھے اور رفقاء زندان کو رخصت کیا اور ان کو دعاء دی، پھر غسل کیا اور عمدہ لباس پہنا اور بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے، چنانچہ جب آپس میں گفتگو ہوئی تو بادشاہ نے کہا اب آپ ہمارے یہاں قدر و منزلت رکھتے ہیں اور آپ کی امانتداری پر پورا بھروسہ ہے یعنی آپ ہمارے معاملات میں با اقتدار اور امین ہیں، اب آپ کا کیا مشورہ ہے؟ ہم کو کیا کرنا چاہئے؟ (حضرت یوسف علیہ السلام نے) فرمایا غلہ کا ذخیرہ کرو اور ان سرسبزی اور شادابی کے سالوں میں کثرت سے کھیتی کراؤ اور غلہ کو اس کے خوشوں ہی میں رہنے دو لوگ آپ کے پاس غلہ لینے آئیں گے، تو بادشاہ نے کہا میری طرف سے اس کی کون ذمہ داری لے گا، یوسف علیہ السلام نے کہا ملک مصر کے خزانے میرے سپرد کیجئے میں حفاظت کرنے والا بھی ہوں اور علم بھی رکھتا ہوں، (یعنی) محافظ بھی ہوں اور اس کے معاملات (طریق کار) سے واقف بھی ہوں، کہا گیا ہے کہ میں لکھنا بھی جانتا ہوں اور حساب دان بھی ہوں، جس طرح ہم نے جیل سے رہائی دے کر اس پر انعام کیا، اسی طرح ہم نے یوسف کو ملک مصر میں تنگی اور قید کے بعد اقتدار بخشا اس طریقہ پر کہ (ملک میں) جہاں چاہے رہے قصہ یہ ہے کہ بادشاہ نے اس کی تاج پوشی کی اور اس کو اپنی (شاہی) مہر سونپ دی، اور عزیز کے منصب پر ان کو مقرر کردیا، اور عزیز کو معزول کردیا، اس کے بعد عزیز کا انتقال ہوگیا تو بادشاہ نے یوسف علیہ السلام کا نکاح عزیز کی بیوی زلیخا سے کردیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے اس کو کنواری پایا حضرت یوسف کے اس سے دو بچے پیدا ہوئے اور (یوسف علیہ السلام نے) مصر میں ایسا عدل قائم کیا کہ گردنیں ان کے سامنے جھک گئیں ہم جسے چاہتے ہیں اپنی رحمت پہنچا دیتے، نیکوکاروں کے اعمال کو ضائع نہیں کرتے اور یقیناً ایمان والوں اور پرہیزگاروں کا آخرت کا اجر دنیا کے اجر سے بدرجہا بہتر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وما ابرئ نفسی یہ جملہ، ذلک لیعلم سے حال ہے، یعنی ذلک کے عامل مقدر یعنی اطلب البراء ۃ لیعلم الخ سے حال ہے، مطلب یہ ہے کہ اطلب البراء ۃ سے جو تنزیہ نفس مفہوم ہو رہی اس سے عزیز مصر کی بیوی کے معاملہ میں تنزیہ اور بے گناہی مراد ہے نہ کہ مطلقاً لغزشوں اور خطاؤں سے، خلاصہ یہ ہے کہ ماقبل میں جو میں نے طلب براءت کی ہے سے تنزیہ نفس مراد نہیں۔

قولہ: الجنس، ای الذی فی ضمن جمیع الافراد، اگر مفسر علام جنس کے بجائے استغراق سے تعبیر کرتے تو بہتر ہوتا۔



قَوْلُہٗ: ما بمعنی من ہے اس لئے کہ نفس سے مراد ذوالعقول ہے اور یہ بھی جائز ہے کہ ما رحم معنی میں زمان کے ہو تو اس صورت میں ما کو من کے معنی میں لینے کی ضرورت نہ ہوگی، ای الا وقت رحمة ربی تقدیر عبارت یہ ہوگی، انها امارة فی کل وقت الا وقت العصمة.

قَوْلُہٗ: اجعله، اس میں اشارہ ہے کہ استخلصه معنی میں تصییر کے ہے اسلئے کہ طلب کے معنی درست نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: فقال من لی بهذا، ای من یضمن هذا لاجلی.

قَوْلُہٗ: ومات بعده ای بعد العزل.

تفسیر و تشریح

ایتونی به استخلصه لنفسی، اس کو (جلد) میرے پاس لاؤ کہ میں اس کو اپنے کاموں کے لئے مخصوص کرلوں یوسف علیہ الصلاۃ والسلام جب بایں رعنائی و دلبری، بایں عصمت و پاکبازی، اور بایں عقل و دانش زندان سے نکل کر بادشاہ کے دربار میں تشریف لائے، بات چیت ہوئی تو بادشاہ حیران رہ گیا کہ اب تک جس کی راستبازی، امانت داری، اور وفاء عہد کا تجربہ کیا تھا وہ عقل و دانش اور حکمت و فطانت میں بھی اپنی نظیر آپ ہے اور مسرت کے ساتھ کہنے لگا، "انك الیوم لدینا مکین امین" پھر اس نے دریافت کیا کہ میرے خواب میں جس قحط سالی کا ذکر ہے اس کے متعلق مجھ کو کیا تدابیر اختیار کرنی چاہئیں؟ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے جواب دیا۔

قال اجعلنی علی خزائن الارض انی حفیظ علیم، یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا اپنی مملکت کے خزانوں پر آپ مجھے مختار کیجئے میں حفاظت کرسکتا ہوں اور اس کام کا کرنے والا ہوں۔

چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنی تمام مملکت کا امین و کفیل بنادیا اور شاہی خزانوں کی کنجیاں ان کے حوالہ کرکے مختار عام کردیا۔

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی زلیخا سے شادی:

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اسی زمانہ میں زلیخا کے شوہر عزیز مصر (قطفیر) کا انتقال ہوگیا تو بادشاہ نے زلیخا کی شادی یوسف علیہ الصلاۃ والسلام سے کردی اس وقت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے اس سے فرمایا کہ کیا یہ صورت اس سے بہتر نہیں ہے جو تو چاہتی تھی زلیخا نے اعتراف کرکے اپنا عذر بیان کیا۔

اللہ تعالیٰ نے بڑی عزت اور شان کے ساتھ ان کی مراد پوری فرمائی اور عیش و نشاط کے ساتھ زندگی گذری تاریخی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے دولڑکے بھی پیدا ہوئے جن کا نام افرائیم اور میشا تھا۔

مصر میں قحط کی ابتداء:

غرض جب قحط سالی کا زمانہ شروع ہوا تو مصر اور اس کے قرب وجوار کے علاقہ میں بھی سخت کال پڑا، اور کنعان میں خاندان یعقوب بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا جب حالت نزاکت اختیار کر گئی تو حضرت یعقوب نے صاحبزادوں سے کہا کہ مصر میں عزیز مصر نے اعلان کیا ہے کہ اس کے پاس غلہ محفوظ ہے، تم سب جاؤ اور غلہ خرید کر لاؤ چنانچہ باپ کے حکم کے مطابق یہ کنعانی قافلہ عزیز مصر سے غلہ لینے کے لئے مصر روانہ ہوا، خدا کی قدرت دیکھئے کہ برادران یوسف کا یہ قافلہ اسی بھائی سے غلہ لینے چلا ہے جس کو اپنے خیال میں وہ کسی مصری گھرانے کا معمولی اور گمنام غلام بنا چکے تھے مگر اس یوسف فروش قافلہ کو کیا معلوم کہ وہ کل کا غلام آج مصر کے تاج وتخت کا مالک ومختار ہے اور اس کو اسی کے سامنے عرض حال کرنا ہے بہرحال کنعان سے چلے اور مصر جا پہنچے، اور جب دربار یوسفی میں پیش ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا البتہ وہ یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے۔

ودخلت سنو القحط واصاب ارض كنعان والشام **وَجَاۤءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ** الا بنيامين ليمتاروا لما بلغهم ان عزيز مصر يعطي الطعام بثمنه **فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ** انهم اخوته **وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ**۞۵۸ لا يعرفونه لبعد عهدهم به وظنهم هلاكه فكلموه بالعبرانية فقال كالمنكر عليهم ما اقدمكم بلادي فقالوا للميرة فقال لعلكم عيون قالوا معاذ الله قال فمن اين انتم قالوا من بلاد كنعان وابونا يعقوب نبي الله قال وله اولاد غيركم قالوا نعم كنا اثني عشر فذهب اصغرنا هلك في البرية وكان احبنا اليه وبقي شقيقه فاحتبسه ليتسلى به عنه فامر بانزالهم واكرامهم **وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ** وفى لهم كيلهم **قَالَ ائْتُوْنِيْ بِاَخٍ لَّكُمْ مِّنْ اَبِيْكُمْ** اي بنيامين لاعلم صدقكم فيما قلتم **اَلَا تَرَوْنَ اَنِّيْۤ اُوْفِي الْكَيْلَ** اتمه من غير بخس **وَاَنَا خَيْرُ الْمُنْزِلِيْنَ**۞۵۹ **فَاِنْ لَّمْ تَاْتُوْنِيْ بِهٖ فَلَا كَيْلَ لَكُمْ عِنْدِيْ** اي ميرة **وَلَا تَقْرَبُوْنِ**۞۶۰ نهي او عطف على محل فلا كيل اي تحرموا ولا تقربوا **قَالُوْا سَنُرَاوِدُ عَنْهُ اَبَاهُ** سنجتهد في طلبه منه **وَاِنَّا لَفٰعِلُوْنَ**۞۶۱ ذلك **وَقَالَ لِفِتْيٰنِهٖ** وفي قراءة لفتيانه غلمانه **اجْعَلُوْا بِضَاعَتَهُمْ** التي اتوا بها ثمن الميرة وكانت دراهم **فِيْ رِحَالِهِمْ** اوعيتهم **لَعَلَّهُمْ يَعْرِفُوْنَهَاۤ اِذَا انْقَلَبُوْۤا اِلٰۤى اَهْلِهِمْ** وفرغوا اوعيتهم **لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ**۞۶۲ الينا لانهم لا يستحلون امساكها **فَلَمَّا رَجَعُوْۤا اِلٰۤى اَبِيْهِمْ قَالُوْا يٰۤاَبَانَا مُنِعَ مِنَّا الْكَيْلُ** ان لم ترسل معنا اخانا اليه **فَاَرْسِلْ مَعَنَاۤ اَخَانَا نَكْتَلْ** بالنون والياء **وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ**۞۶۳ **قَالَ هَلْ** ما **اٰمَنُكُمْ عَلَيْهِ اِلَّا كَمَاۤ اَمِنْتُكُمْ عَلٰۤى اَخِيْهِ** يوسف **مِنْ قَبْلُ** وقد فعلتم به ما فعلتم **فَاللّٰهُ خَيْرٌ حٰفِظًا** وفي قراءة حافظا تمييز كقولهم لله دره فارسا **وَّهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ**۞۶۴ فارجوان

يمن بحفظه وَلَمَّا فَتَحُوا مَتَاعَهُمْ وَجَدُوا بِضَاعَتَهُمْ رُدَّتْ إِلَيْهِمْ قَالُوا يَا أَبَانَا مَا نَبْغِي ما استفهامية اى اى شئ نطلب من اكرام الملك اعظم من هذا وقرئ بالفو قانية خطابا ليعقوب و كانوا ذكروا له اكرامه لهم هَٰذِهِ بِضَاعَتُنَا رُدَّتْ إِلَيْنَا وَنَمِيرُ أَهْلَنَا نأتى بالميرة لهم وهى الطعام وَنَحْفَظُ أَخَانَا وَنَزْدَادُ كَيْلَ بَعِيرٍ لاخينا ذَٰلِكَ كَيْلٌ يَسِيرٌ سهل على الملك لسخائه قَالَ لَنْ أُرْسِلَهُ مَعَكُمْ حَتَّىٰ تُؤْتُونِ مَوْثِقًا عهدا مِّنَ اللَّهِ بان تحلفوا لَتَأْتُنَّنِي بِهِ إِلَّا أَن يُحَاطَ بِكُمْ اى تموتوا اوتغلبوا فلا تطيقوا الاتيان به فاجابوه الى ذلك فَلَمَّا آتَوْهُ مَوْثِقَهُمْ بذلك قَالَ اللَّهُ عَلَىٰ مَا نَقُولُ نحن وانتم وَكِيلٌ شهيد وارسله معهم وَقَالَ يَا بَنِيَّ لَا تَدْخُلُوا مصرَ مِن بَابٍ وَاحِدٍ وَادْخُلُوا مِنْ أَبْوَابٍ مُّتَفَرِّقَةٍ لئلا تصيبكم العين وَمَا أُغْنِي ادفع عَنكُم بقولى ذلك مِّنَ اللَّهِ مِن زائدة شَيْءٍ قدره عليكم وانما ذلك شفقة إِنِ ما الْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ وحده عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ به وثقت وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُونَ قال تعالى وَلَمَّا دَخَلُوا مِنْ حَيْثُ أَمَرَهُمْ أَبُوهُم اى متفرقين مَّا كَانَ يُغْنِي عَنْهُم مِّنَ اللَّهِ اى قضائه مِن شَيْءٍ إِلَّا لكن حَاجَةً فِي نَفْسِ يَعْقُوبَ قَضَاهَا وهى ارادة دفع العين شفقة وَإِنَّهُ لَذُو عِلْمٍ لِّمَا عَلَّمْنَاهُ لتعليمنا اياه وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ وهم الكفار لَا يَعْلَمُونَ الهام الله لا وليائه.

ترجمہ: اور قحط کے سال شروع ہوگئے اور (اس کے اثرات) ملک کنعان اور شام تک پہنچ گئے، جب اہل کنعان کو یہ اطلاع پہنچی کہ عزیز مصر قیمۃً غلہ دیتا ہے تو یوسف علیہ السلام کے بھائی سوائے بنیامین کے غلہ لینے کے لئے (مصر) آئے چنانچہ جب بھائی یوسف علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے تو یوسف نے اپنے بھائیوں کو پہچان لیا اور بھائی یوسف کو نہ پہچان سکے، (انکی جدائی کو) مدت دراز گذر جانے کی وجہ سے اور اس کے بارے میں یہ گمان ہونے کی وجہ سے کہ وہ ہلاک ہوگیا ہوگا، بھائیوں نے یوسف سے عبرانی زبان میں گفتگو کی، یوسف علیہ السلام نے انجان بنکر ان سے معلوم کیا کہ میرے ملک آنے کا تمہارا کیا سبب ہوا؟ انہوں نے جواب دیا کہ غلہ لینے کے لئے آئے ہیں، حضرت یوسف علیہ السلام نے کہا ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تم جاسوس ہو، کہنے لگے اللہ کی پناہ (پھر ان سے) پوچھا تم کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے جواب دیا بلاد کنعان سے اور ہمارے والد یعقوب علیہ السلام اللہ کے نبی ہیں، یوسف علیہ السلام نے ان سے معلوم کیا کہ تمہارے علاوہ بھی اس کی کوئی اولاد ہے جواب دیا ہاں ہم کل بارہ بھائی تھے ہمارا چھوٹا بھائی تو جنگل میں گیا تھا ہلاک ہوگیا وہ ہمارے والد کو ہم سب میں زیادہ پیارا تھا، اور اس کا حقیقی بھائی موجود ہے اس کو ہمارے والد صاحب نے اپنے پاس روک لیا ہے تاکہ اس سے تسلی حاصل کرے، تو یوسف علیہ السلام نے ان کو اکرام کے ساتھ ٹھہرانے کا حکم دیا، اور جب ان کا ساز وسامان تیار کرادیا اور ان کو خوب پیمانہ بھر بھر کے دیدیا، تو فرمایا کہ تم (آئندہ) اپنے علاتی بھائی کو بھی لے کر آنا یعنی بنیامین کو تاکہ تمہاری بات کی سچائی کو میں جان سکوں، کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں پورا ناپ کر دیتا ہوں یعنی بغیر کمی پورا بھرتا ہوں، اور میں بہترین میزبانی کرنے والوں میں سے ہوں، اگر تم اس کو

میرے پاس نہ لاؤ گے تو میرے پاس تمہارے لئے کوئی غلہ (ولہ) نہیں ہے اور میرے پاس بھی مت آنا (لاتقربون) نہی ہے فلا کیل کے محل پر عطف ہے یعنی تم کو محروم کر دیا جائیگا اور تم قریب (بھی) مت آنا، تو بھائیوں نے جواب دیا کہ ہم اس کے باپ کو اس کے بارے میں پھسلائیں گے (سمجھائیں گے) اور ان سے لینے کے لئے پوری کوشش کریں گے اور ہم یہ کام ضرور کریں گے اور (یوسف نے) اپنے خادموں سے کہا اور ایک قراءت میں لفتیانه ای لغلمانه ہے کہ تم ان کی پونجی کو جس کو وہ غلہ خریدنے کے لئے لائے ہیں اور وہ دراہم تھے ان کی بوریوں میں رکھ دو شاید کہ جب وہ اپنے گھر پہنچیں اور اپنی بوریوں کو خالی کریں تو اپنی پونجی کو پہچان لیں تو ممکن ہے کہ وہ ہمارے پاس واپس آئیں اسلئے کہ وہ اس (پونجی) کو اپنے پاس رکھنا حلال نہ سمجھیں گے، چنانچہ جب وہ اپنے ابا جان کے پاس واپس پہنچے تو کہا اے ہمارے ابا جان (آئندہ) ہم کو غلہ دینے سے منع کر دیا گیا ہے، اگر آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی (بنیامین) کو اس کے پاس نہ بھیجیں گے، لہٰذا آپ ہمارے ساتھ ہمارے بھائی کو بھیج دیجئے تاکہ ہم غلہ حاصل کر سکیں، (نکتل) نون اور یا، کے ساتھ ہے، اور ہم یقیناً اس کی حفاظت کریں گے (یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام) نے کہا میں تمہارے اوپر بنیامین کے بارے میں اعتماد نہیں کر سکتا مگر ویسا ہی جیسا کہ اس کے بھائی یوسف کے بارے میں اس سے پہلے اعتماد کیا تھا، اور اس کے ساتھ تم نے وہی کیا جو تم نے کیا، لہٰذا اللہ ہی بہترین محافظ ہے اور ایک قراءت میں (حفظ) کے بجائے حافظا ہے یہ تمیز ہے جیسا کہ ان کے قول للہ درہٗ فارسا میں اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، مجھے امید ہے کہ وہ اس کی حفاظت کر کے احسان کریگا اور جب بھائیوں نے اپنا سامان کھولا تو انہوں نے دیکھا کہ ان کو پونجی ان ہی کو لوٹا دی گئی ہے اور بھائیوں نے کہا اے ہمارے ابا جان بادشاہ کی طرف سے اس سے زیادہ ہمیں اور کیا اکرام چاہئے؟ (ما نبغی) میں ما استفہامیہ ہے اور (نبغی) کو تاء کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے حضرت یعقوب کو خطاب کرتے ہوئے، اور بھائیوں نے اپنے ابا جان سے بادشاہ کے ان کے اکرام کرنے کا تذکرہ کیا تھا، دیکھئے یہ ہمارا سرمایہ بھی ہمیں لوٹا دیا گیا ہے اور ہم اپنے اہل خانہ کے لئے غلہ لائیں گے اور میرہ غلہ کو کہتے ہیں، اور اپنے بھائی کی حفاظت رکھیں گے اور ہم اپنے بھائی کا ایک اونٹ بوجھ مزید لائیں گے اور یہ مقدار بادشاہ کے لئے اس کی سخاوت کی وجہ سے آسان ہے (یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام) نے فرمایا میں اس کو ہرگز تمہارے ساتھ نہ بھیجوں گا تا آں کہ تم اللہ کی قسم کھا کر عہد نہ کرو کہ تم اس کو ضرور میرے پاس (واپس) لاؤ گے الا یہ کہ تم گھیر لیے جاؤ یعنی مر جاؤ یا مغلوب کر دیئے جاؤ جس کی وجہ سے تم اسے میرے پاس نہ لا سکو، چنانچہ بھائیوں نے شرطیں منظور کر لیں، جب بھائیوں نے اپنے ابا جان سے اس کا عہد و پیمان کر لیا تو یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا ہم اور تم جو عہد و پیمان کر رہے ہیں اللہ اس پر گواہ ہے اور یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا اے میرے بچو تم سب مصر میں ایک دروازہ سے مت داخل ہونا (بلکہ) متفرق دروازوں سے داخل ہونا تاکہ تم کو نظر نہ لگ جائے، میں اپنے اس قول سے اللہ کی طرف سے کسی ہونے والی چیز کو نہیں ٹال سکتا مـــن زائدہ ہے (یعنی) جو چیز اس نے تمہارے لئے مقدر کر دی ہے (اس کو نہیں ٹال سکتا) یہ تو محض شفقت (پدری) ہے حکم صرف اللہ وحدہٗ کا چلتا ہے میرا بھروسا تو اسی پر ہے یعنی اسی پر اعتماد کیا ہے، اور ہر بھروسا کرنے والے کو

اسی پر بھروسا کرنا چاہئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور جب بھائی اپنے ابا جان کے کہنے کے مطابق متفرق دروازوں سے داخل ہوئے تو اللہ کی تقدیر سے انھیں کوئی چیز نہیں بچا سکی لیکن یعقوب کے دل میں ایک خیال (پیدا ہوا) جسے انہوں نے پورا کیا (ظاہر کیا) اور وہ شفقۃً نظر بد دفع کرنے کا ارادہ تھا، بلاشبہ وہ ہمارے سکھلائے ہوئے علم کا عالم تھا لیکن اکثر لوگ اور وہ کفار ہیں، اپنے اولیاء پر اللہ کے الہام کو نہیں جانتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: وجاء اخوة يوسف واؤ عاطفہ ہے اس کا عطف محذوف پر ہے، جس کو مفسر علام نے ظاہر کر دیا ہے یعنی فراغت اور خوشحالی کے سال ختم ہو کر جب قحط اور تنگی کے سال شروع ہوئے اس کے اثرات کنعان و شام وغیرہ میں بھی محسوس کئے گئے جس سے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اور ان کے اہل خانہ کو بھی تنگی لاحق ہوئی تو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ مجھے معلوم ہوا کہ مصر کا نیک دل بادشاہ مناسب قیمت پر غلہ فروخت کر رہا ہے لہٰذا تم بھی جاؤ اور اپنی حاجت کی بقدر لے کر آؤ چنانچہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بھائی آئے۔ (ای، وجاء اخوة يوسف).

قِوْلَهُ: يمتاروا اى ليشتروا الميرة، ميرة اس غلہ کو کہا جاتا ہے جس کو ایک شہر سے دوسرے شہر کو لایا جاتا ہے۔

قِوْلَهُ: لا تقربون یا تو نہی ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے اس کا نون وقایہ کا ہے، یا فلا کیل پر عطف ہے اس صورت میں محل جزاء پر عطف ہونے کی وجہ سے مجزوم ہوگا۔

قِوْلَهُ: تحرموا یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: فلا کیل لکم کی تفسیر تحرموا سے کیوں کی ہے؟

جَوَاب: اس لئے کہ لاتقربوا کا عطف لا کیل لکم پر ہے اور یہ عطف الفعل على الاسم کے قبیل سے ہے جو کہ جائز نہیں ہے لہٰذا لا کیل لکم کو تحرموا کی تاویل میں کر دیا تا کہ فعل کا عطف فعل پر ہو جائے۔

قِوْلَهُ: لتعليمنا، اس میں اشارہ ہے کہ لما کا ما مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ۔

تفسیر و تشریح

وجاء اخوة يوسف فدخلوا (الآية) غرض جب قحط سالی کا زمانہ شروع ہوا تو مصر کے قرب و جوار کے علاقہ میں بھی سخت کال پڑا، کنعان میں خاندان یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام بھی اس سے محفوظ نہ رہ سکا جب حالت نزاکت اختیار کر گئی تو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے صاحبزادوں سے کہا کہ مصر میں عزیز مصر نے اعلان کیا ہے کہ اس کے پاس غلہ محفوظ ہے تم سب جاؤ اور غلہ خرید کر لاؤ چنانچہ والد صاحب کے حکم سے یہ کنعانی قافلہ غلہ خریدنے کے لئے مصر کے لئے روانہ ہوا خدا کی قدرت دیکھئے کہ برادران یوسف کا یہ قافلہ اسی بھائی سے غلہ لینے چلا ہے جس کو اپنے خیال میں وہ کسی مصری گھرانے کا معمولی غلام بنا چکے تھے مگر

اس یوسف فروش قافلہ کو کیا معلوم کہ وہ کل کا ''غلام'' آج مصر کے تاج وتخت کا مالک ومختار ہے اور اس کو اسی کے سامنے عرض حال کرنا ہے، بہر حال جب دربار یوسفی میں پیش ہوئے تو یوسف علیہ السلام نے ان کو پہچان لیا، البتہ وہ یوسف علیہ السلام کو نہ پہچان سکے کیونکہ جب یوسف کو کنویں میں ڈالا تو اس وقت ان کی عمر دس بارہ سال رہی ہوگی اور اب چالیس سال کا عرصہ گذر چکا ہے اتنی مدت میں ہر چیز میں تبدیلی آجاتی ہے اور اگر کسی طرح شبہ کرتے بھی تو کس طرح؟ ان کے وہم وگمان میں بھی بات نہیں آسکتی تھی کہ یوسف، اور تخت شاہی!

برادران یوسف پر جاسوسی کا الزام:

تورات کا بیان ہے کہ برادران یوسف پر جاسوسی کا الزام لگایا گیا اور اسی وجہ سے ان کو یوسف علیہ السلام کے روبرو پیش کیا گیا جس کی وجہ سے ان کو یوسف علیہ السلام سے بالمشافہ گفتگو کرنے کا موقع ملا، غرض یہ کہ یوسف علیہ السلام نے والد، حقیقی بھائی اور گھر کے حالات کو خوب کرید کرید کر معلوم کیا اور آہستہ آہستہ سب کچھ معلوم کر لیا، اور پھر ان کی حسب مرضی غلہ بھر دیا اور ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ قحط اس قدر شدید ہے کہ تم کو دوبارہ یہاں آنا پڑے گا اسلئے یاد رکھواب کی مرتبہ اگر تم آؤ تو اپنے چھوٹے بھائی کو ضرور ساتھ لانا اگر تم اس کو ساتھ نہ لائے تو ہرگز غلہ نہیں ملے گا۔

برادران یوسف نے کہا کہ ہم اپنے والد کو سمجھائیں گے اور ہر طرح ترغیب دیں گے کہ وہ بنیامین کو ہمارے ساتھ یہاں بھیجنے پر راضی ہو جائیں پھر جب وہ یوسف علیہ السلام سے الوداعی ملاقات کرنے آئے تو انہوں نے اپنے نوکروں کو حکم دیا کہ خاموشی کے ساتھ ان کے کجاؤں میں ان کی وہ پونجی بھی رکھ دو جو انہوں نے غلہ کی قیمت کے نام سے دی ہے تو عجب نہیں کہ وہ اس پونجی کو مصری بیت المال کا مال ہونیکی وجہ سے اپنے لئے حلال نہ سمجھتے ہوئے واپس کرنے کے لئے آئیں، ابن کثیر نے یوسف علیہ السلام کے اس عمل میں کئی احتمال بیان کئے ہیں ایک تو یہی جو اوپر بیان ہوا، دوسرا یہ کہ شاید یوسف علیہ السلام کو یہ خیال ہوا ہو کہ ہوسکتا ہے کہ ان کے پاس اس نقدی کے علاوہ اور نقدی نہ ہو جس کی وجہ سے دوبارہ غلہ لینے کے لئے نہ آسکیں تیسرے یہ کہ اپنے والد، اور بھائیوں سے کھانے کی قیمت لینا گوارہ نہ کیا ہو اور اس غلہ کی قیمت شاہی خزانہ میں اپنے پاس سے جمع کرادی ہو۔

بہر حال یوسف علیہ السلام نے یہ انتظامات اس لئے کئے کہ آئندہ بھی بھائیوں کے آنے کا سلسلہ جاری رہے اور چھوٹے حقیقی بھائی بنیامین سے ملاقات بھی ہو جائے۔

برادران یوسف واپس کنعان میں:

برادران یوسف کا قافلہ جب واپس کنعان پہنچا تو انہوں نے سفر کی پوری روداد اپنے والد یعقوب علیہ السلام کو سنائی اور ان سے کہا کہ مصر کے والی نے صاف صاف کہہ دیا ہے کہ اس وقت تک آئندہ غلہ کے لئے یہاں ہرگز نہ آنا جب تک کہ

اپنے علاتی بھائی بنیامین کو ساتھ نہ لاؤ، لہٰذا آپ سے درخواست ہے کہ آپ اسے ہمارے ساتھ مصر بھیج دیں ہم اس کی ہر طرح نگرانی اور حفاظت کریں گے۔

حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کیا تم پر اسی طرح اعتماد کروں جس طرح اس کے بھائی یوسف کے بارے میں کر چکا ہوں اور تمہاری حفاظت ہی کیا اصل حفاظت اللہ بڑے رحم کرنے والے کی ہے۔

اس گفتگو سے فارغ ہونے کے بعد انہوں نے اپنا سامان کھولنا شروع کیا تو دیکھا کہ ان کی پونجی ان ہی کو واپس کر دی گئی ہے، یہ دیکھ کر وہ کہنے لگے، ابا جان اس سے زیادہ اور ہم کو کیا چاہئے؟ دیکھئے غلہ بھی ملا اور ہماری پونجی بھی جوں کی توں لوٹا دی گئی، اس نے تو ہم سے قیمت بھی نہ لی اب ہمیں اجازت دیجئے کہ ہم دوبارہ اس کے پاس جائیں اور گھر والوں کے لئے رسد لائیں، اور بنیامین کو بھی ہمارے ساتھ بھیج دیجئے اس کی حفاظت کے ہم ذمہ دار ہیں، اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لائیں گے، اسلئے کہ یہ غلہ جو ہم لائے ہیں کافی نہیں ہے۔

یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بن یامین کو ساتھ بھیجنے سے انکار:

بہر حال یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ میں بنیامین کو ہرگز تمہارے ساتھ نہیں بھیجوں گا جب تک کہ تم اللہ کے نام پر مجھ سے عہد نہ کرو اور یہ کہ جب تک ہم خود نہ گھیر لئے جائیں اور ہر طرح سے مجبور نہ کر دیئے جائیں ہم اس کو ضرور آپ کے پاس واپس لائیں گے، جب سب نے متفقہ طور پر اپنے والد کے سامنے عہد کیا اور ہر طرح اطمینان دلایا تب حضرت یعقوب نے فرمایا کہ جو کچھ ہوا محض اسباب ظاہری کی بنا پر ہے ورنہ کیا تم اور کیا تمہاری حفاظت، اور کیا ہم اور کیا ہمارا عہد ہم سب کو خدا کی نگہبانی چاہئے۔

قال یا بنی لا تدخلوا من باب واحد وادخلوا من ابواب متفرقۃ حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیٹوں کو رخصت کرتے وقت نصیحت فرمائی کہ دیکھو سب ایک ہی دروازہ سے داخل نہ ہونا بلکہ متفرق دروازوں سے داخل ہونا، اور یہ بھی فرمایا کہ اس نصیحت کا مقصد یہ نہیں ہے کہ تم اپنی تدابیر پر مغرور ہو بیٹھو، کیونکہ میں تمہیں کسی ایسی بات سے ہرگز نہیں بچا سکتا جو اللہ کے حکم سے ہونے والی ہو، حکم تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کا چلتا ہے اسلئے میں نے جو کچھ کہا ہے وہ صرف احتیاطی تدابیر کے طور پر ہے اور احتیاطی تدابیر کو استعمال کرنا خدا پرستی کے خلاف نہیں ہے۔

ولما دخلوا من حیث امرھم ابوھم الخ یعنی برادران یوسف مصر میں اپنے والد محترم کی نصیحت کے مطابق ہی داخل ہوئے مگر ضروری نہیں کہ احتیاطی تدابیر ہر جگہ راست ہی آجائیں، اگر خدا تعالیٰ کی مشیت اس کے برعکس مصلحت دیکھتی ہے تو پھر وہی ہو کر رہتا ہے اور سب تدابیر بیکار ہو کر رہ جاتی ہیں۔

مسائل وفوائد:

یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے اس واقعہ سے اس بات کا جواز معلوم ہوا کہ جب کسی ملک میں اقتصادی حالات ایسے خراب ہو جائیں کہ اگر حکومت نظم قائم نہ کرے تو بہت سے لوگ اپنی ضروریات زندگی سے محروم ہو جائیں گے تو حکومت ایسی چیزوں کو اپنے نظم اور کنٹرول میں لیکر مناسب قیمت مقرر کر سکتی ہے حضرات فقہاء نے اس کی تصریح فرمائی ہے۔ (معارف)

یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کا اپنے والد کو اپنے حالات سے باخبر نہ کرنا امر الٰہی سے تھا:

حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے اس واقعہ میں ایک بات نہایت حیرت انگیز یہ ہے کہ ایک طرف تو ان کے والد صاحب جو خدا کے پیغمبر بھی تھے ان کی مفارقت سے اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے نابینا ہو گئے، اور دوسری طرف یوسف علیہ الصلاۃ والسلام خود بھی نبی ہیں، باپ سے فطری اور طبعی محبت کے علاوہ ان کے حقوق سے بھی پوری طرح باخبر ہیں لیکن چالیس سال کے طویل زمانہ میں ایک مرتبہ بھی یہ خیال نہ آیا کہ میرے والد میری جدائی سے بے چین ہیں اپنی خیریت کی خبر کسی طرح ان تک پہنچا دیتے لیکن یوسف علیہ الصلاۃ والسلام سے کہیں منقول نہیں کہ انہوں نے اس کا ارادہ بھی کیا ہو، اور بھائیوں کو بھی اظہار واقعہ کے بغیر ہی رخصت کر دیا۔

یہ تمام حالات کسی ادنی انسان سے بھی متصور نہیں ہو سکتے اللہ کے برگزیدہ رسول سے یہ صورت کیسے برداشت ہوئی؟ حقیقت یہ کہ اللہ نے ہی وحی کے ذریعہ حضرت یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کو اظہار حال سے روک دیا تھا کہ اپنے گھر کسی قسم کی کوئی خبر نہ دیں تفسیر قرطبی میں اس کی صراحت موجود ہے کون اللہ تعالیٰ کی حکمتوں کا احاطہ کر سکتا ہے؟ اللہ اپنی حکمتوں کو خود ہی خوب جانتا ہے، بظاہر اس کی اصل حکمت اس امتحان کی تکمیل تھی جو یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کا لیا جا رہا تھا۔

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى ضم اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ تحزن بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ من الحسد لنا واسره ان لا يخبرهم وتواطأمعه على انه سيحتال على ان يبقيه عنده فَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِهِمْ جَعَلَ السِّقَايَةَ هى صاع من ذهب مرصع بالجواهر فِيْ رَحْلِ اَخِيْهِ بنيامين ثُمَّ اَذَّنَ مُؤَذِّنٌ نادى مناد بعد انفصالهم عن مجلس يوسف اَيَّتُهَا الْعِيْرُ القافلة اِنَّكُمْ لَسٰرِقُوْنَ ۝ قَالُوْا وَ قد اَقْبَلُوْا عَلَيْهِمْ مَّاذَا ما الذى تَفْقِدُوْنَ ۝ قَالُوْا نَفْقِدُ صُوَاعَ صاع الْمَلِكِ وَلِمَنْ جَآءَ بِهٖ حِمْلُ بَعِيْرٍ من الطعام وَّاَنَا بِهٖ بالحمل زَعِيْمٌ ۝ كفيل قَالُوْا تَاللّٰهِ قسم فيه معنى التعجب لَقَدْ عَلِمْتُمْ مَّا جِئْنَا لِنُفْسِدَ فِى الْاَرْضِ وَمَا كُنَّا سٰرِقِيْنَ ۝ ماسرقنا قط قَالُوْا اى المؤذن واصحابه فَمَا جَزَآؤُهٗٓ اى السارق اِنْ كُنْتُمْ كٰذِبِيْنَ ۝ فى قولكم ماكنا سارقين ووجدفيكم قَالُوْا جَزَآؤُهٗ مبتدأ خبره مَنْ وُّجِدَ فِيْ رَحْلِهٖ يسترق ثم اكد بقوله فَهُوَ اى السارق جَزَآؤُهٗ اى

المسروق لا غير وكانت سنة آل يعقوب **كَذٰلِكَ** الجزاء **نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ** ﴿٧٥﴾ بالسرقة فصرفوا الى يوسف لتفتيش اوعيتهم **فَبَدَاَ بِاَوْعِيَتِهِمْ** ففتشها **قَبْلَ وِعَآءِ اَخِيْهِ** لئلا يتهم **ثُمَّ اسْتَخْرَجَهَا** اى السقاية **مِنْ وِّعَآءِ اَخِيْهِ** قال تعالى **كَذٰلِكَ** الكيد **كِدْنَا لِيُوْسُفَ** علمناه الاحتيال فى اخذ اخيه **مَا كَانَ** يوسف **لِيَاْخُذَ اَخَاهُ** رقيقا عن السرقة **فِيْ دِيْنِ الْمَلِكِ** حكم ملك مصر لان جزاؤه عنده الضرب وتغريم مثلى المسروق لا الاسترقاق **اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ** اخذه بحكم ابيه اى لم يتمكن من اخذه الا بمشية الله تعالى بالهامه سوال اخوته وجوابهم بسنتهم **نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ** بالاضافة والتنوين فى العلم كيوسف **وَفَوْقَ كُلِّ ذِيْ عِلْمٍ** من المخلوقين **عَلِيْمٌ** ﴿٧٦﴾ اعلم منه حتى ينتهى الى الله تعالى **قَالُوْٓا اِنْ يَّسْرِقْ فَقَدْ سَرَقَ اَخٌ لَّهٗ مِنْ قَبْلُ** اى يوسف وكان سرق لابى امه صنما من ذهب فكسره لئلا يعبده **فَاَسَرَّهَا يُوْسُفُ فِيْ نَفْسِهٖ وَلَمْ يُبْدِهَا** يظهرها **لَهُمْ** والضمير للكلمة التى فى قوله **قَالَ** فى نفسه **اَنْتُمْ شَرٌّ مَّكَانًا** من يوسف واخيه لسرقتكم اخاكم من ابيكم وظلمكم له **وَاللّٰهُ اَعْلَمُ** عالم **بِمَا تَصِفُوْنَ** ﴿٧٧﴾ تذكرون فى امره **قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ اِنَّ لَهٗٓ اَبًا شَيْخًا كَبِيْرًا** يحبه اكثر منا ويتسلى به عن ولده الهالك ويحزنه فراقه **فَخُذْ اَحَدَنَا** استعبده **مَكَانَهٗ** بدلا منه **اِنَّا نَرٰىكَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ** ﴿٧٨﴾ فى افعالك **قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ** نصب على المصدر حذف فعله واضيف الى المفعول اى نعوذ بالله من **اَنْ نَّاْخُذَ اِلَّا مَنْ وَّجَدْنَا مَتَاعَنَا عِنْدَهٗٓ** لم يقل من سرق تحرزا من الكذب **اِنَّآ اِذًا** ان اخذنا غيره **لَّظٰلِمُوْنَ** ﴿٧٩﴾

ترجمہ: اور جب (برادران یوسف) یوسف کے حضور پہنچے تو (یوسف نے) اپنے بھائی (بنیامین) کو اپنے پاس ٹھہرایا اور کہا میں تیرا ہی بھائی ہوں (جو گم ہو گیا تھا) لہٰذا اب تم اس حرکت پر جو یہ ہم سے حسد کی بنا پر کرتے رہے ہیں رنجیدہ نہ ہو، اور اس سے یہ بھی کہہ دیا کہ تم اس کی خبر ان کو نہ دینا، اور دونوں نے اس بات پر اتفاق کر لیا کہ عنقریب کوئی ایسا حیلہ کیا جائیگا کہ اس کے ذریعہ اس کو اپنے پاس روک لے اور جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کو سامان ٹھیک ٹھاک کر کے دیا تو اپنے بھائی بنیامین کے سامان میں پیالہ رکھ دیا وہ پیالہ سونے کا تھا اور اس پر جواہر جڑے ہوئے تھے، پھر ایک آواز دینے والے نے ان کے یوسف کی مجلس سے جدا ہونے کے بعد آواز دی، اے قافلے والو تم لوگ چور ہو، انہوں نے پلٹ کر پوچھا تمہاری کیا چیز کھوئی گئی؟ جواب دیا شاہی پیمانہ گم ہے، اور جو شخص لا کر دیگا اس کو ایک بار شتر غلہ انعام ملے گا اور اس بار شتر کا میں ضامن ہوں، تو انہوں نے کہا اللہ کی قسم اس قسم میں تعجب کے معنی ہیں، تم خوب جانتے ہو کہ ہم ملک میں فساد کرنے نہیں آئے اور نہ ہم چور ہیں، یعنی ہم نے ہرگز چوری نہیں کی، اعلان کرنے والے اور اس کے ساتھیوں نے کہا چور کی (تمہارے نزدیک) کیا سزا ہے اگر تم اپنی بات "ماکنا سارقین" میں جھوٹے نکلے اور چور تمہارے اندر ہی سے نکلا، انہوں نے کہا اس کی جزاء خود وہ ہے جس کے سامان میں

وہ پیالہ نکلے (یعنی) اس کو غلام بنالیا جائے (جزاؤہ) مبتداء ہے من وجد الخ اس کی خبر ہے، پھر اس کو اپنے قول فھو جزاؤہ سے مؤکد کیا، یعنی وہی چور اس مال مسروق کی جزاء ہے نہ کہ دوسرا اور آل یعقوب کا یہی دستور تھا، ہم تو ایسے ظالموں کو چوری کی ایسی ہی سزا دیتے ہیں، چنانچہ ان کو یوسف کے پاس ان کے سامان کی تلاشی کے لئے لایا گیا، چنانچہ اپنے حقیقی بھائی کے سامان کی تلاشی سے پہلے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دوسروں کے سامان کی تلاشی شروع کی تاکہ تہمت کا شک نہ ہو پھر اس پیالے کو اپنے (حقیقی) بھائی کے سامان سے برآمد کیا اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہم نے یوسف کے لئے ایسی ہی تدبیر کی یعنی اپنے بھائی کو روکنے کے لئے (یوسف کو) ایسی تدبیر سکھائی، یوسف کے لئے ملک مصر کے قانون کی رو سے یہ ممکن نہ تھا کہ چوری کے بدلے میں اپنے بھائی کو غلام بنالے اس لئے کہ چور کی سزا اُن کے نزدیک زدوکوب کرنا اور مال مسروق کی دوگنی مقدار تاوان ڈالنا تھا نہ کہ غلام بنانا، مگر یہ کہ اللہ ہی یوسف کے والد کے قانون کے مطابق اس کو پکڑ کر رکھنا چاہے، یعنی یوسف اپنے بھائی کو روکنے پر محض اللہ کی مشیت ہی سے قادر ہوئے یوسف کو اپنے بھائیوں سے سوال کا الہام کے ذریعہ اور ان کے اپنے قانون کے مطابق جواب کے ذریعہ، ہم جس کے چاہیں علم میں درجات بلند کردیں جیسا کہ یوسف کے (درجات من) میں اضافت اور تنوین (دونوں درست ہیں) مخلوق میں سے ہر ذی علم پر دوسرا ذی علم فوقیت رکھنے والا موجود ہے یعنی ہر ذی علم کے اوپر عالم موجود ہے یہاں تک کہ یہ سلسلہ اللہ تعالیٰ پر منتہی ہوتا ہے۔

قالوا ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل، بھائیوں نے کہا اگر یہ چوری کرے تو کچھ تعجب کی بات نہیں اس سے پہلے اس کا بھائی یوسف بھی چوری کرچکا ہے (یعنی) اس نے اپنے نانا کا سونے کا بت چرا کر توڑ دیا تھا تاکہ وہ اس کی بندگی نہ کرے، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس بات کو اپنے دل ہی میں رکھا (یعنی اس بات کو پی گئے) ان کے سامنے اس کو ظاہر نہ کیا اور (ھا) ضمیر اس کلمہ کی طرف راجع ہے جو ان کے قول سے مفہوم ہے (بس زیر لب) اتنا کہہ کر رہ گیا کہ تم تو یوسف اور اس کے بھائی سے بدتر ہو تمہارے اپنے بھائی کو اپنے باپ سے چرانے کی وجہ سے اور اس پر ظلم کرنے کی وجہ سے اور جو کچھ تم کہہ رہے ہو اللہ اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے بھائیوں نے کہا اے سردار ذی اقتدار اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے ہماری بہ نسبت اس سے زیادہ پیار کرتا ہے اور اپنے ہلاک ہونے والے بیٹے کے بجائے اسی سے دل بہلاتا ہے، اور اس کی جدائی اس کو غم زدہ کردے گی، لہٰذا اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو غلام بنالیجئے، ہم برتاؤ میں آپ کو بڑا ہی نیک نفس سمجھتے ہیں، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا (ایسی ناانصافی سے) اللہ بچائے (معاذاللّٰہ) مصدریت کی وجہ سے منصوب ہے اور اس کا فعل (نعوذ) حذف کردیا گیا ہے اور مفعول کی جانب اضافت کردی گئی ہے (ای نعوذ باللّٰہ) یعنی اللہ ہمیں اس بات سے بچائے کہ ہم اس کے علاوہ کہ جس کے پاس ہم نے اپنا سامان پایا ہو کسی دوسرے کو پکڑ کر رکھ لیں (حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے) جھوٹ سے بچنے کے لئے من سرق کا لفظ استعمال نہیں کیا، اگر ہم نے کسی دوسرے کو پکڑ کر رکھ لیا تو اس صورت میں ہم بڑے ناانصاف کہلائیں گے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: تواطأمعه، تواطأ، ای توافق دونوں نے اتفاق کرلیا۔

قَوْلَہٗ: السقاية، پانی پلانے کا برتن پانی پلانے کی جگہ، پانی پلانا، یہاں پانی کا پیالہ مراد ہے، بعد میں اس پیالہ کو کیل کے طور پر استعمال کیا جانے لگا، صاع اس میں ایک لغت صواع بھی ہے۔

قَوْلَہٗ: لئلا يتهم، تا کہ سازش کی تہمت نہ لگے۔

قَوْلَہٗ: علمناه الاحتيال، یہ کدنا لیوسف کی تفسیر ہے اس تفسیر کا مقصد اللہ تعالیٰ کی طرف کید کی نسبت کی نفی مقصود ہے، کدنا کے معنی ہیں علمنا الكيد، ہم نے یوسف کو حیلہ سکھایا۔

قَوْلَہٗ: بحكم ابيه، یعنی یوسف کے والد یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی شریعت کے مطابق ان کی شریعت میں چوری کی سزا غلام بنالینا تھی۔

قَوْلَہٗ: بالهامه سوال اخوته وجوابهم بسنتهم، مصری قانون کی رو سے بنیامین کو غلام بنا کر نہیں روک سکتے تھے، اسلئے کہ مصری قانون میں چوری کی سزا زدوکوب کرنا اور مال مسروقہ کی دوگنی مقدار تاوان وصول کرنا تھا، اللہ تعالیٰ نے یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کے دل میں بذریعہ الہام یہ بات ڈالی کہ خودان ہی سے سوال کرو کہ چوری کی سزا کیا ہونی چاہئے تا کہ وہ اپنے قانون کے مطابق جواب دیں کنعانی قانون میں چوری کی سزا استرقاق (غلام بنانا تھی) اس طرح برادران یوسف نے خود ہی بنیامین کی سزا یعنی غلام بنالینا تجویز کردیا۔

قَوْلَہٗ: من المخلوقين بعض حضرات نے جن میں فلاسفہ اور معتزلہ بھی شامل ہیں اللہ تعالیٰ کے قول "فوق كل ذى علم عليم" سے استدلال کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم بالذات ہے نہ کہ عالم بالصفات اسلئے کہ اگر اللہ تعالیٰ عالم بالصفت ہوتو ہر ذی علم کے اوپر اعلم ہے اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ سے بڑھ کر بھی کوئی اعلم ہو حالانکہ یہ باطل ہے۔

جَوَابٌ: مفسر علام نے من المخلوقين کا اضافہ کر کے اسی سوال کا جواب دیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ہر ذی علم پر فوقیت مخلوق کے اعتبار سے ہے نہ کہ خالق کے اعتبار سے، من المخلوقين کی قید کے بعد پھر حتى ينتهى کی قید کی ضرورت نہیں رہتی۔

قَوْلَہٗ: والضمير للكلمة التى فى الخ اس میں ما اضمر عامله على شريطة التفسير کی طرف اشارہ ہے، خازن میں ہے کہ فاسرّها کی ضمیر مفعولی میں تین اقوال ہیں۔

1. ضمیر بعد والے کلمہ یعنی انتم شر مكانا کی طرف راجع ہے۔
2. فقد سرق اخ له کی طرف راجع ہے۔
3. ضمیر حجۃ کی طرف راجع ہے مطلب یہ ہوگا کہ یوسف نے اس احتجاج کو ترک کردیا۔

تفسیر وتشریح

فلما دخلوا علی یوسف الخ جب برادران یوسف شہر مصر میں داخل ہوئے، اور حضرت یوسف علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو حضرت یوسف علیہ السلام نے دیکھا کہ یہ وعدہ کے مطابق اُن کے حقیقی چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی ساتھ لے آئے ہیں تو یوسف علیہ السلام نے ان کی کافی آؤ بھگت کی اور شاہی اکرام کے ساتھ ان کو ٹھہرانے کا انتظام کیا، دو دو بھائیوں کو ایک ایک کمرہ میں ٹھہرایا چونکہ برادران یوسف گیارہ تھے دو دو ایک ایک کمرہ میں ٹھہرنے کے بعد بنیامین تنہا رہ گئے تو ان کو تنہا ایک کمرہ میں ٹھہرایا اس میں مصلحت یہ تھی کہ موقع نکال کر بنیامین سے تنہائی میں باتیں ہو سکیں چنانچہ آپس میں تنہائی میں خوب باتیں ہوئی ہوں گی دونوں حقیقی بھائیوں کی ملاقات ایک مدت دراز یعنی بیس اکیس سال بعد ہو رہی ہے، حضرت یوسف علیہ السلام نے بتایا ہوگا کہ وہ کن کن حالات سے گذرتے ہوئے اس مرتبہ پر پہنچے ہیں، بنیامین نے سنا ہوگا کہ ان کے سوتیلے بھائیوں نے ان کے ساتھ کیا کیا بدسلوکیاں کیں ہیں پھر حضرت یوسف علیہ السلام نے تسلی دی ہوگی کہ اب گھبرانے کی بات نہیں ہے مصیبتوں کے دن ختم ہو چکے ہیں اب تم میرے ہی پاس رہو گے، یقیناً یوسف علیہ السلام کی یہ دلی خواہش رہی ہوگی کہ کسی طرح اپنے عزیز بھائی بنیامین کو اپنے پاس روک لے اور یقیناً اس کیلئے کوئی تدبیر بھی ضرور سوچی ہوگی، مگر انتہائی خواہش کے باوجود یوسف علیہ السلام کے لئے ایسا کرنا ممکن نہ تھا اسلئے کہ مصری قانون میں کسی غیر مصری کو بغیر کسی معقول وجہ کے روک لینا سخت منع تھا اور حضرت یوسف علیہ السلام یہ کسی طرح نہیں چاہتے تھے کہ اس وقت لوگوں پر یا ان کے بھائیوں پر اصل حقیقت منکشف ہو۔

بنیامین کو روک لینے کی تدبیر:

فلما جهزهم بجهازهم جعل السقاية في رحل اخيه آیات مذکورہ میں اس کا بیان ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے حقیقی بھائی بنیامین کو اپنے پاس روکنے کے لئے یہ حیلہ اور تدبیر اختیار کی کہ جب سب بھائیوں کو قاعدہ کے موافق غلہ دیدیا گیا تو ہر بھائی کا غلہ الگ الگ اونٹ پر رکھا گیا۔

بنیامین کے لئے جو غلہ اونٹ پر لادا گیا اس میں ایک برتن چھپا دیا گیا، اس برتن کو قرآن مجید نے ایک جگہ لفظ ''سقایہ'' سے اور دوسری جگہ ''صواع الملک'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے سقایہ کے معنی ہیں پانی پینے کا برتن اور صواع بھی اسی قسم کا ایک برتن ہوتا ہے اور ناپنے کے برتن کو بھی صواع یا صاع کہتے ہیں ہو سکتا ہے یہ بادشاہ کے پانی پینے کا کوئی مخصوص برتن ہو مگر برکت کے طور پر اسے غلہ ناپنے کے کام میں لیا جانے لگا ہو البتہ صواع الملک میں ملک کی جانب نسبت کرنے سے اتنی بات ضرور معلوم ہوتی ہے کہ یہ کوئی قیمتی برتن تھا خواہ سونے کا ہو یا چاندی کا یا کسی اور قیمتی چیز کا، بہر حال وہ برتن بنیامین کے سامان میں چھپا دیا گیا تھا، قیمتی برتن ہونے کے علاوہ وہ ملک مصر سے کوئی اختصاص بھی رکھتا تھا۔

ثم اذن مؤذن الخ یعنی کچھ دیر کے بعد منادی نے پکارا کہ اے قافلہ والو! تم چور ہو ندا دینے والا کوئی مطبخ وغیرہ کا ذمہ دار رہا ہوگا اور اس طے شدہ حیلہ کا علم نہ ہوگا اور جب سرکاری ساز و سامان کی جانچ پڑتال کی ہوگی تو وہ مخصوص برتن نہ ملنے کی وجہ سے برادران یوسف پر شبہ ہوا ہوگا اس لیے کہ شاہی محل میں ان کے سوا اور کوئی نہ ٹھہرا تھا جس کی وجہ سے ان پر چوری کا الزام لگایا برادران یوسف کارندوں کی طرف متوجہ ہو کر کہنے لگے ہم پر خواہ مخواہ کیوں الزام لگاتے ہو، آخر معلوم تو ہو کہ تمہاری کیا چیز گم ہوئی ہے؟ کارندے کہنے لگے شاہی پیمانہ (پیالہ) گم ہو گیا ہے اور ان میں سے ایک نے کہا کہ جو شخص اس چوری کا پتہ لگا دے گا اس کو ایک اونٹ غلہ انعام دیا جائیگا، اور میں اس بات کا ضامن ہوں، برادران یوسف نے کہا خدا جانتا ہے کہ ہم مصر میں فساد اور شرارت کی غرض سے نہیں آئے اور تم جانتے ہو کہ ہم اس سے پہلے بھی غلہ لینے آچکے ہیں، کارندوں نے کہا اچھا جس کے پاس سے یہ چوری نکلے اس کی سزا کیا ہونی چاہئے انہوں نے جواب دیا کہ وہ خود آپ اپنی سزا ہے یعنی وہ تمہارے حوالہ کر دیا جائیگا ہمارے یہاں چوری کی یہی سزا ہے، جب کارندوں نے برادران یوسف کا یہ جواب سنا تو تلاشی لینی شروع کی ابتداء دوسرے بھائیوں سے کی اور جب ان کے سامان میں پیالہ نہ نکلا تو آخر میں بنیامین کے سامان کی تلاشی لی تو پیالہ برآمد ہوا اور قافلہ کو واپس لوٹا کر عزیز مصر یوسف کی خدمت میں معاملہ پیش کیا، حضرت یوسف نے معاملہ کی نوعیت کو سنا تو دل میں بیحد مسرور ہوئے اور خدا تعالیٰ کی کارسازی کا شکر ادا کیا اور خاموش رہے اور یہ ظاہر نہ کیا کہ یہ پیالہ میں نے خود رکھا تھا، ادھر بنیامین خاموش رہے چونکہ یہ واقعہ ان کی مرضی کے عین موافق تھا۔

برادران یوسف نے جب دیکھا کہ مسروقہ پیالہ بنیامین کے سامان سے برآمد ہوا ہے تو کہنے لگے اگر بنیامین نے چوری کی ہے تو کیا تعجب ہے اس سے پہلے اس کا بڑا بھائی یوسف بھی چوری کر چکا ہے۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب چوری کے واقعہ کی حقیقت:

ابن کثیر نے بحوالہ محمد بن اسحٰق، مجاہد سے نقل کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ولادت کے تھوڑے ہی دنوں کے بعد بنیامین کی ولادت ہوئی تھی اور اسی ولادت کے سلسلہ میں ان کی والدہ راحیل کا انتقال ہو گیا تھا اب یہ دونوں بچے بغیر ماں کے رہ گئے جس کی وجہ سے انکی تربیت ان کی پھوپھی کی گود میں ہوئی اللہ تعالیٰ نے بچپن ہی سے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کچھ ایسی شان عطا فرمائی تھی کہ جو دیکھتا ان سے بیحد محبت کرنے لگتا تھا پھوپھی کا بھی یہی حال تھا کہ کسی وقت بھی ان کو نظروں سے غائب کرنے پر قادر نہیں تھیں، دوسری طرف حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی ایسا ہی حال تھا مگر بہت چھوٹا ہونے کی وجہ سے ضرورت اس کی تھی ان کو ابھی کسی عورت ہی کی نگرانی میں رکھا جائے، اس لئے پھوپھی کے حوالہ کر دیا جب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام چلنے پھرنے کے قابل ہو گئے تو حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے چاہا کہ یوسف کو اپنے پاس رکھیں جب پھوپھی سے کہا تو انہوں نے عذر کر دیا جب زیادہ اصرار کیا تو مجبور ہو کر ان کے والد کے حوالہ کر دیا ایک تدبیر ان کو واپس

لینے کی یہ کی کہ پھوپھی کے پاس ایک پٹکا تھا جو حضرت اسحق علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف سے ان کو ملا تھا اور اس کی بڑی قدر و قیمت سمجھی جاتی تھی یہ پٹکا پھوپھی نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کپڑوں کے نیچے کمر پر باندھ دیا۔

یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے جانے کے بعد یہ شہرت کر دی کہ میرا پٹکا چوری ہو گیا ہے جب تلاشی لی گئی تو یوسف کے پاس سے برآمد ہوا، شریعت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم کے مطابق اب پھوپھی کو یہ حق ہو گیا کہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے پاس غلام بنا کر رکھ سکیں چنانچہ حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پھر پھوپھی کے حوالہ کر دیئے گئے اور جبتک پھوپھی زندہ رہیں یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے پاس رہے۔

یہ واقعہ تھا جس میں یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام پر چوری کا الزام لگا تھا، اس واقعہ کی حقیقت اسی وقت سب لوگوں پر عیاں ہو گئی تھی کہ پھوپھی نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اپنے پاس روکنے کے لئے یہ سازش رچائی تھی جس کو کسی طرح بھی چوری نہیں کہا جا سکتا مگر یوسف کے بھائیوں نے یہ جاننے کے باوجود کہ یہ چوری کا واقعہ نہیں تھا بد دیانتی کی وجہ سے اس کو یوسف کے منہ ہی پر چوری کا واقعہ بنا کر پیش کیا، **ان یسرق فقد سرق اخ له من قبل** میں اسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے بعض مفسرین نے نانا کے گھر سے سونے کی مورتی چرانے کی بات کہی جیسا کہ صاحب جلالین نے بھی نقل کیا ہے مگر یہ بات کسی مستند روایت سے ثابت نہیں ہے

وکان ابو امه کافراً یعبد الاصنام فامرته امه بان یسرق تلک الاوثان ویکسرها ففعل. (کبیر)

جب یوسف نے دیکھا کہ خود ان کے منہ پر جھوٹ بول رہے ہیں تو ضبط سے کام لیا اور غصہ کو پی کر رہ گئے اور دل میں کہا کہ تمہارے لئے نہایت بری جگہ ہے کہ جھوٹا الزام لگا رہے ہو حالانکہ اللہ اس کی حقیقت کو خوب جانتا ہے۔

برادران یوسف کا آپس میں مشورہ:

برادران یوسف نے جب یہ صورت حال دیکھی تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ کس طرح بنیامین کو حاصل کیا جائے؟ جب کوئی صورت نظر نہ آئی تو کہنے لگے اب صرف ایک صورت باقی ہے کہ خوش آمدانہ عرض معروض کر کے عزیز مصر کو بنیامین کو واپسی کی ترغیب دلائیں، کہنے لگے اے سردار با اقتدار ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے اس کو اس سے پہلے بھائی کا بھی غم ہے آپ اس پر رحم کیجئے اور آپ اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو روک لیجئے آپ بلاشبہ پاک نفس اور بااخلاق شخص ہیں عزیز مصر (یوسف) نے کہا، خدا کی پناہ یہ کیسے ممکن ہے اگر ہم ایسا کریں گے تو ہمارا شمار ظالموں میں ہوگا۔

فَلَمَّا اسْتَيْـَٔسُوْا يئسوا **مِنْهُ خَلَصُوْا** اعتزلوا **نَجِيًّا** مصدر يصلح للواحد وغيره اى يناجى بعضهم بعضا **قَالَ كَبِيْرُهُمْ** سنا روبيل اورأيا يهودا **اَلَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنَّ اَبَاكُمْ قَدْ اَخَذَ عَلَيْكُمْ مَّوْثِقًا** عهدا **مِّنَ اللّٰهِ** فى اخيكم **وَمِنْ قَبْلُ مَا** زائدة **فَرَّطْتُّمْ فِيْ يُوْسُفَ** وقيل ما مصدرية مبتدأ خبره من قبل **فَلَنْ اَبْرَحَ** ارض مصر **الْاَرْضَ** بالعود اليه **حَتّٰى يَاْذَنَ لِيْٓ اَبِيْٓ** بالعود اليه **اَوْ يَحْكُمَ اللّٰهُ لِيْ** بخلاص أخى **وَهُوَ خَيْرُ الْحٰكِمِيْنَ** ⑧ أعدلهم

اِرْجِعُوْٓا اِلٰٓى اَبِيْكُمْ فَقُوْلُوْا يٰٓاَبَانَآ اِنَّ ابْنَكَ سَرَقَ وَمَا شَهِدْنَآ عليه اِلَّا بِمَا عَلِمْنَا تيقنا من مشاهدة الصاع في رحله وَمَا كُنَّا لِلْغَيْبِ لما غاب عنا حين اعطاء الموثق حٰفِظِيْنَ۝ ولو علمنا انه يسرق لم ناخذه وَسْـَٔلِ الْقَرْيَةَ الَّتِيْ كُنَّا فِيْهَا هي مصر اى ارسل الى اهلها فاسالهم وَالْعِيْرَ اى اصحاب العير الَّتِيْٓ اَقْبَلْنَا فِيْهَا وهم قوم من كنعان وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ۝ في قولنا فرجعوا اليه وقالوا له ذلك قَالَ بَلْ سَوَّلَتْ زينت لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ففعلتموه اتهمهم لما سبق منهم في امر يوسف فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ صبري عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّاْتِيَنِيْ بِهِمْ بيوسف واخويه جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ بحالي الْحَكِيْمُ۝ في صنعه وَتَوَلّٰى عَنْهُمْ تاركا خطابهم وَقَالَ يٰٓاَسَفٰى الالف بدل من ياء الاضافة اى ياحزني عَلٰى يُوْسُفَ وَابْيَضَّتْ عَيْنٰهُ انمحق سوادهما وبدل بياضا من بكائه مِنَ الْحُزْنِ عليه فَهُوَ كَظِيْمٌ۝ مغموم مكروب لايظهر كربه قَالُوْا تَاللّٰهِ لا تَفْتَؤُا تزال تَذْكُرُ يُوْسُفَ حَتّٰى تَكُوْنَ حَرَضًا مشرفا على الهلاك لطول مرضك وهو مصدر يستوى فيه الواحد وغيره اَوْ تَكُوْنَ مِنَ الْهٰلِكِيْنَ۝ الموتى قَالَ لهم اِنَّمَآ اَشْكُوْا بَثِّيْ هو عظيم الحزن الذي لايصبر عليه حتي يبث الى الناس وَحُزْنِيْٓ اِلَى اللّٰهِ لاالى غيره فهو الذي تنفع الشكوى إليه وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ۝ مِنْ أَنَّ رؤيايوسف صدق و هو حي ثم قال يٰبَنِيَّ اذْهَبُوْا فَتَحَسَّسُوْا مِنْ يُّوْسُفَ وَاَخِيْهِ اطلبوا اخبرهما وَلَا تَايْـَٔسُوْا تقنطوا مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ رحمته اِنَّهٗ لَا يَايْـَٔسُ مِنْ رَّوْحِ اللّٰهِ اِلَّا الْقَوْمُ الْكٰفِرُوْنَ۝ فانطلقوا نحو مصر ليوسف فَلَمَّا دَخَلُوْا عَلَيْهِ قَالُوْا يٰٓاَيُّهَا الْعَزِيْزُ مَسَّنَا وَاَهْلَنَا الضُّرُّ الجوع وَجِئْنَا بِبِضَاعَةٍ مُّزْجٰىةٍ مدفوعة يدفعها كل من راٰها لرداء تها و كانت دراهم زيوفا اوغيرها فَاَوْفِ أتم لَنَا الْكَيْلَ وَتَصَدَّقْ عَلَيْنَا بالمسامحة عن رداء ة بضاعتنا اِنَّ اللّٰهَ يَجْزِي الْمُتَصَدِّقِيْنَ۝ يثيبهم فَرَقَّ عليهم وأدركته الرحمة ورفع الحجاب بينه وبينهم ثم قَالَ لهم توبيخا هَلْ عَلِمْتُمْ مَّا فَعَلْتُمْ بِيُوْسُفَ من الضرب والبيع وغيرذلك وَاَخِيْهِ من هضمكم له بعد فراق اخيه اِذْ اَنْتُمْ جٰهِلُوْنَ۝ مايؤل اليه امر يوسف قَالُوْٓا بعد ان عرفوه لما ظهر من شمائله مستثبتين ءَاِنَّكَ بتحقيق الهمزتين وتسهيل الثانية وادخال الف بينهما على الوجهين لَاَنْتَ يُوْسُفُ قَالَ اَنَا يُوْسُفُ وَهٰذَآ اَخِيْ قَدْ مَنَّ انعم اللّٰهُ عَلَيْنَا بالاجتماع اِنَّهٗ مَنْ يَّتَّقِ يخف الله وَيَصْبِرْ على ماينالـه فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ۝ فيه وضع الظاهر موضع المضمر قَالُوْا تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ فضلك اللّٰهُ عَلَيْنَا بالملك وغيره وَاِنْ مخففة اى انا كُنَّا لَخٰطِـِٕيْنَ۝ اثمين في امرك فاذللنا لك قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عتب عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ خصه بالذكر لانه مظنة التثريب فغيره اولي يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ۝ وسألهم عن ابيه فقالوا ذهبت عيناه فقال اِذْهَبُوْا بِقَمِيْصِيْ هٰذَا وهو قميص ابراهيم الذي لبسه حين القى

فی النار کان فی عنقه فی الجب وهو من الجنة امره جبرئیل بارساله له وقال ان فیه ریحها ولا یلقی علی مستلی الاعوفی فَأَلْقُوهُ عَلَىٰ وَجْهِ أَبِي يَأْتِ یصر بَصِيرًا وَأْتُونِي بِأَهْلِكُمْ أَجْمَعِينَ ﴿٩٣﴾

ترجمہ: جب برادران یوسف، یوسف کی طرف سے بالکل ناامید ہوگئے تو ایک گوشہ میں جا کر مشورہ کرنے لگے (نجیا) مصدر واحد اور غیر واحد سب پر اس کا اطلاق صحیح ہے، یعنی انہوں نے آپس میں مشورہ کیا، ان میں جو عمر کے لحاظ سے یارائے کے اعتبار سے بڑا تھا جس کا نام روبیل یا یہودا تھا بولا کیا تم جانتے نہیں ہو کہ تمہارے والد تم سے تمہارے بھائی کے بارے میں خدا کے نام پر پختہ عہد لے چکے ہیں اور اس سے پہلے یوسف کے بارے میں تم زیادتی کر ہی چکے ہو وہ بھی تم کو معلوم ہے، **ما**، زائدہ ہے، اور کہا گیا ہے کہ **ما** مصدریہ مبتداء ہے اور اس کی خبر **من قبل** ہے، اب میں تو ملک مصر کو ہرگز نہ چھوڑوں گا تا آں کہ ابا جان ہی مجھے اپنے پاس واپس آنے کی اجازت نہ دیدیں، یا اللہ ہی میرے بھائی کو رہائی دلا کر میرے بارے میں کوئی فیصلہ نہ کردے، اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، تم اپنے ابا جان کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ کے صاحبزادے نے چوری کرلی ہے (اس لئے گرفتار ہوئے ہیں) اور ہم وہی شہادت دے رہے ہیں جن کا ہم کو یقینی علم ہوا ہے، اس کے کجاوہ سے پیالہ برآمد ہوتے دیکھنے کی وجہ سے، اور قول وقرار کرتے وقت کچھ ہم غیب کے جاننے والے تو تھے نہیں اور اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ یہ چوری کرے گا تو ہم (ہرگز) عہد نہ کرتے، اور اس بستی والوں سے معلوم کرلیں جس میں ہم تھے اور وہ بستی مصر ہے یعنی اس بستی والوں کے پاس کسی کو بھیج کر تحقیق کرا لیجئے اور اس قافلے والوں سے دریافت کرلیجئے جس میں ہم آئے ہیں، اور وہ کنعانی لوگ ہیں، اور **عیر** سے اصحاب عیر مراد ہیں، اور ہم اپنے بیان میں بالکل سچے ہیں چنانچہ (نو بھائی) حضرت یعقوب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مذکورہ تمام باتیں ابا جان سے کہیں (یعقوب علیہ السلام نے) کہا (حقیقت ایسی نہیں ہے) بلکہ تم نے اپنی طرف سے ایک بات گھڑلی جس کو تم نے عملی جامہ پہنادیا، ان کو متہم کرنے کی وجہ بھائیوں کی وہ حرکت تھی جو وہ یوسف علیہ السلام کے معاملہ میں کر چکے تھے، لہٰذا اب صبر ہی بہتر ہے، (تقدیر عبارت یہ ہے) **فصبری صبر جمیل**، مجھے امید ہے کہ اللہ یوسف علیہ السلام اور اس کے دونوں بھائیوں (بنیامین اور یہودا) کو میرے پاس پہنچا دے گا وہی میری حالت سے واقف (اور) اپنی صنعت میں باحکمت ہے اور ان سے سلسلہ گفتگو ختم کرکے ان کی طرف منہ پھیر لیا، اور کہا ہائے یوسف! **اسفی** کا الف یاء اضافت سے بدلا ہوا ہے، معنی میں **یا حزنی** کے ہے، یوسف کے غم میں روتے روتے ان کی آنکھیں سفید ہوگئی تھیں (یعنی) آنکھوں کی سیاہی زائل ہو کر سفیدی میں تبدیل ہوگئی تھی، وہ دل ہی دل میں گھٹ رہے تھے (یعنی) مغموم بے چین تھے، اپنی بے چینی کا اظہار نہیں کر رہے تھے، بیٹوں نے کہا واللہ تم تو ہمیشہ یوسف ہی کو یاد کرتے رہو گے یہاں تک کہ اپنے طول مرض کی وجہ سے لب جان ہوجاؤ گے (**حرضا**) مصدر ہے اس میں واحد اور غیر واحد سب برابر ہیں، یا ہلاک ہی ہوجاؤ گے (یعقوب) نے ان سے کہا میں تو اپنی پریشانی اور غم کی فریاد اللہ ہی سے کررہا ہوں نہ کہ کسی اور سے (**بث**) اس شدید غم کو کہتے ہیں کہ جس پر صبر نہ

کیا جاسکے یہاں تک کہ لوگوں کو بھی اس کا علم ہوجائے ایک وہی ذات ایسی ہے کہ اسی سے فریاد فائدہ دے سکتی ہے اور اللہ سے جیسا میں واقف ہوں تم واقف نہیں ہو اس بات سے کہ یوسف علیہ السلام کا خواب سچا ہے اور وہ زندہ ہے (یعقوب علیہ السلام) نے کہا میرے پیارے بچو! جاؤ اور یوسف اور اس کے بھائی کو پوری طرح تلاش کرو (یعنی) ان کی خبر نکالو، اور اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہو یقیناً اللہ کی رحمت سے وہی لوگ ناامید ہوتے ہیں جو کافر ہوتے ہیں، چنانچہ برادران یوسف مصر کی طرف روانہ ہوئے، جب یہ لوگ یوسف کے حضور حاضر ہوئے تو عرض کیا اے سردار بااقتدار ہم اور ہمارے بچے بھوک (فاقہ) میں مبتلا ہوگئے ہیں، اور ہم کچھ حقیری پونجی لے کر آئے ہیں جس کو اس کے کھوٹے ہونے کی وجہ سے ہر وہ شخص رد کرتا ہے جو اس کو دیکھتا ہے اور وہ کھوٹے دراہم یا ان کے علاوہ تھے، آپ ہم کو بھرپور غلہ دیجئے اور ہماری کھوٹی پونجی سے چشم پوشی کرتے ہوئے ہمارے اوپر خیرات کیجئے، اللہ تعالیٰ خیرات کرنے والوں کو جزائے خیر عطا کرتا ہے، یعنی ان کو اجر عطا کرتا ہے، چنانچہ یوسف علیہ السلام کو ان پر ترس آگیا، اور یوسف کا دل ان پر نرم ہوگیا اور یوسف اور اس کے بھائیوں کے درمیان جو حجاب تھا وہ ہٹا دیا، پھر زجر و توبیخ کے طور پر ان سے کہا جانتے بھی ہو کہ تم نے یوسف کے ساتھ زدوکوب اور فروخت وغیرہ کا کیا سلوک کیا تھا؟ اور اس کے بھائی کے ساتھ ظلم کا معاملہ کیا تھا اس کے بھائی سے جدا ہونے کے بعد اس وقت جبکہ تم کو معلوم نہیں تھا کہ یوسف کس رتبہ کو پہنچے گا، یوسف کی پہچان کے بعد جب یوسف کے خصائل ظاہر ہوگئے تو اقرار کرتے ہوئے کہنے لگے کیا تم سچ مچ یوسف ہی ہو؟ (ءانك) میں دونوں ہمزوں کی تحقیق اور دوسرے کی تسہیل اور دونوں کے درمیان دونوں صورتوں میں الف داخل کرکے، انہوں نے کہا میں یوسف ہوں اور یہ میرا بھائی (بنیامین) ہے بلاشبہ اللہ نے جمع کرکے ہمارے اوپر انعام فرمایا، واقعی جو شخص اللہ سے ڈرتا ہے اور پیش آنے والے مصائب پر صبر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ ایسے نیک کام کرنے والوں کے اجر کو ضائع نہیں کیا کرتا، اس میں ضمیر کی جگہ اسم ظاہر رکھا ہے، کہنے لگے بخدا اللہ نے آپ کو ہم پر ملک وغیرہ میں فضیلت دی ہے اور بے شک ہم تیرے معاملہ میں خطا اور گنہگار تھے ان مخففه عن الثقيله ہے سو ہم کو (اللہ نے) تمہارے سامنے ذلیل کردیا، (یوسف علیہ السلام) نے کہا آج تم پر کوئی ملامت (الزام) نہیں، عدم ملامت کے لئے الیوم کو خاص کیا اسلئے کہ وہ دن ملامت کا دن تھا لہٰذا دیگر ایام ملامت میں بطریق اولیٰ داخل ہوں گے، اللہ تمہارا قصور معاف کرے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے زیادہ رحم کرنے والا ہے، اور (یوسف نے) اپنے والد کے بارے میں دریافت کیا تو کہا ان کی دونوں آنکھیں سفید ہوگئی ہیں، (یعنی نابینا ہوگئے ہیں) اب تم میرا یہ کرتہ لے جاؤ اور یہ ابراہیم علیہ السلام کا وہی کرتہ تھا جو ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں ڈالتے وقت پہنا تھا، اور کنویں میں بھی (یوسف) اس کو پہنے ہوئے تھے، اور وہ جنتی لباس تھا، اور جبرائیل علیہ السلام نے اس کرتہ کو یعقوب کے پاس بھیجنے کے لئے کہا تھا، اور کہا تھا کہ اس میں ایک قسم کی خوشبو ہے، اور جب بھی کسی مبتلائے مصیبت پر ڈالا جاتا ہے اس کو عافیت نصیب ہوتی ہے، تم اس کو میرے اباجان کے چہرے پر ڈالدو ان کی بینائی لوٹ آئی گی اور تم اپنے سب گھر والوں کو بھی میرے پاس لے آؤ۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: استیئسوا، وہ ناامید ہوگئے (استیاس) سے ماضی مذکر غائب۔

قولہ: یئسوا اس میں اشارہ ہے کہ استفعل معنی میں فعل کے ہے اور سین وتاء مبالغہ کے لئے ہیں، ای یئسوا یأسا کاملا.

قولہ: مصدر صالح الخ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ خلصوا جمع ہے اور نجیا واحد ہے اور واحد کا حمل جمع پر جائز نہیں ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ نجیا مصدر ہے اور مصدر کا اطلاق واحد و جمع سب پر ہوتا ہے۔

قولہ: ای یناجی بعضهم بعضا، اس میں اشارہ ہے کہ نجیا حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے خلصوا متناجین.

قولہ: صبری اس میں اشارہ ہے کہ فصبر جمیل، صبری مبتداء محذوف کی خبر ہے، بعض حضرات نے صبری کے بجائے امری محذوف مانا ہے۔

قولہ: المحق انمحاق (انفعال) یہ محق سے ماخوذ ہے بمعنی مٹانا اور باطل کرنا۔

قولہ: لا، اس میں اشارہ ہے کہ تفتئوا سے پہلے حرف نفی لا محذوف ہے، ورنہ تو ترجمہ یہ ہوگا کہ تم بھول جاتے ہو اور یاد کرتے رہتے ہو، حالانکہ اس کا کوئی مفہوم نہیں ہے، دوسری بات یہ کہ تفتئوا جواب قسم ہے اور جواب قسم جب ماضی مثبت واقع ہوتا ہے تو اس پر لام اور نون کا لانا ضروری ہوتا ہے حالانکہ یہاں یہ دونوں نہیں ہیں۔

قولہ: حرضا، حرضا مصدر ہے لہٰذا جمع پر حمل درست ہے۔

قولہ: مزجاة ازجیت سے ماخوذ ہے ازجیته ای دفعته.

قولہ: مستثبتین اور بعض نسخوں میں متثبتین ہے، اس میں اشارہ ہے کہ هل علمتم اور مافعلتم بیوسف میں ما استفہام تقریری ہے۔

قولہ: فاذلنا لك الخ ای جَعَلَنَا ذَلِیْلًا. (ترویح الارواح)

تفسیر و تشریح

فلما استیئسوا منه خلصوا نجیا الخ جب برادران یوسف بنیامین کی رہائی سے مایوس ہوگئے تو خلوت میں بیٹھکر مشورہ کرنے لگے ان میں سے علم و فضل میں بڑے بھائی نے جس کا نام یہودا تھا یا عمر میں بڑے بھائی تھے جس کا نام روبیل تھا کہا میں تو یہیں رہوں گا آپ سب لوگ ابا جان کے پاس جائیں اور ان کو بتلائیں کہ آپ کے صاحبزادے نے چوری کی جس کی پاداش میں ان کو روک لیا گیا ہے، اور ہم جو کچھ کہہ رہے ہیں وہ چشم دید حالات ہیں کہ مسروقہ مال ہمارے سامنے بنیامین کے سامان سے برآمد ہوا، اور ہمیں کوئی غیب کا علم تو تھا نہیں کہ یہ چوری کرے گا ورنہ ہم ہرگز اس کو واپس لانے کی ذمہ داری نہ لیتے۔

چونکہ برادرانِ یوسف اس سے پہلے ایک فریب یوسف کے بارے میں دے چکے تھے اور یہ جانتے تھے کہ ہمارے مذکورہ بیان سے والد صاحب کو ہرگز اطمینان نہ ہوگا، اس لئے مزید تاکید کے لئے کہا کہ آپ کو ہماری بات کا یقین نہ آئے تو آپ مصر کے لوگوں سے تحقیق کرالیں، اور آپ اس قافلے سے بھی تحقیق کر سکتے ہیں جو ہمارے ساتھ ہی مصر سے کنعان آیا ہے اور ہم اس بیان میں بالکل سچے ہیں۔

قال بل سولت لکم انفسکم الخ غرضیکہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے برادران یوسف کے بیان کی تصدیق نہ کی چونکہ یوسف کے معاملہ میں ان بھائیوں کا جھوٹ ثابت ہو چکا تھا اس لئے اس مرتبہ ان کی سچی بات کا بھی یقین نہیں کیا، اور کہہ دیا "**بل سولت لکم انفسکم امرًا، فصبر جمیل**" یعنی تم نے یہ بات اپنی طرف سے گھڑی ہے میرے لئے صبر ہی بہتر ہے، قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب کو مجھے ملا دے گا۔

وتولی عنهم وقال یا اسفٰی علی یوسف الخ اس دوسرے صدمہ کے بعد صاحبزادوں سے اس معاملہ میں گفتگو موقوف کردی اور اپنے رب کے سامنے فریاد شروع کردی، اور اسی غم میں روتے روتے ان کی بینائی جاتی رہی مقاتل نے کہا ہے کہ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی یہ حالت چھ سال رہی، حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کے بعد زیادہ تر خاموش رہنا شروع کردیا دل ہی دل میں گھٹتے رہتے تھے کسی سے کچھ نہ کہتے تھے۔

یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتنی شدید آزمائش کس وجہ سے ہوئی؟

امام قرطبی نے حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس شدید ابتلا وامتحان کی وجہ یہ بیان فرمائی ہے، بعض روایات میں آیا ہے کہ ایک روز حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کے سامنے سو رہے تھے، اچانک حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام سے کچھ خراٹے کی آواز نکلی تو یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توجہ یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف چلی گئی ایسا تین مرتبہ ہوا تیسری مرتبہ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا دیکھو یہ میرا دوست مجھ سے ہمکلامی کے وقت غیر کی طرف متوجہ ہوتا ہے میری عزت وجلال کی قسم کہ ان کی دونوں آنکھیں نکال لونگا اور جس کی طرف توجہ کی ہے اس کو مدت دراز کے لئے اس سے جدا کردوں گا۔ (معارف)

فلما دخلوا علیه قالوا یا ایها العزیز مسنا واهلنا الضر، جب برادران یوسف والد کے حکم کے مطابق مصر پہنچے اور عزیز مصر سے ملاقات ہوئی تو خوش آمدانہ گفتگو شروع کی، اپنی محتاجی اور بیکسی کا اظہار کیا کہ اے عزیز ہمکو اور ہمارے گھر والوں کو قحط کی وجہ سے سخت تکلیف پہنچ رہی ہے، یہاں تک کہ اب ہمارے پاس غلہ خریدنے کیلئے بھی مناسب قیمت موجود نہیں، ہم مجبور ہو کر کچھ نکمی نخالص چیزیں غلہ خریدنے کیلئے لے کر آئے ہیں آپ اپنے کریمانہ اخلاق سے انہی نکمی چیزوں کو قبول فرمالیں اور غلہ

پورا عنایت فرمادیں ہماری کھوٹی پونجی کی وجہ سے غلہ میں کمی نہ کریں، ظاہر ہے کہ ہمارا استحقاق نہیں ہے مگر آپ خیرات سمجھ کر دیدیجئے اللہ تعالیٰ خیرات دینے والوں کو جزاء خیر عطا کرتا ہے۔

یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے جب بھائیوں کے یہ مسکنت آمیز الفاظ سنے اور شکستہ حالت دیکھی تو طبعی طور پر حقیقت حال ظاہر کردینے پر مجبور ہوئے اور یوسف علیہ الصلاۃ والسلام پر منجانب اللہ اظہار حال کی جو پابندی لگی ہوئی تھی اب اس کے خاتمہ کا وقت آگیا تھا۔

یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کا عزیز مصر کے نام خط:

تفسیر مظہری اور قرطبی میں بروایت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نقل کیا ہے کہ اس موقع پر یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے عزیز مصر کے نام ایک خط لکھ کر دیا تھا جس کا مضمون یہ تھا۔

''منجانب یعقوب صفی اللہ بن اسحٰق ذبیح اللہ بن ابراہیم خلیل اللہ، بخدمت عزیز مصر اما بعد! ہمار پورا خاندان بلاؤں اور آزمائشوں میں معروف ہے میرے دادا ابراہیم خلیل اللہ کا آتش نمرود میں امتحان لیا گیا، پھر میرے والد اسحٰق کا شدید امتحان لیا گیا، پھر میرے لڑکے کے ذریعہ میرا امتحان لیا گیا، جو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا، یہاں تک کہ اس کی مفارقت میں میری بینائی جاتی رہی اس کے بعد اس کا ایک چھوٹا بھائی مجھ غم زدہ کی تسلی کا سامان تھا جس کو آپ نے چوری کے الزام میں گرفتار کرلیا، اور میں بتلاتا ہوں کہ ہم اولاد انبیاء ہیں نہ ہم نے کبھی چوری کی اور نہ ہماری اولاد میں کوئی چور پیدا ہوا، والسلام''۔

جب یوسف نے خط پڑھا تو کانپ گئے، اور بے اختیار رونے لگے اور اپنے راز کو ظاہر کردیا اور تعارف کی تمہید کے طور پر بھائیوں سے یہ سوال کیا کہ تم کو کچھ یہ بھی یاد ہے کہ تم نے یوسف اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا برتاؤ کیا تھا جبکہ تمہاری جہالت کا زمانہ تھا اور یوسف کی اس شان سے بھی ناواقف تھے جو اس کو حاصل ہونے والی تھی۔

برادران یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے جب یہ سوال سنا تو چکرا گئے کہ عزیز مصر کو یوسف کے قصہ سے کیا واسطہ پھر ادھر بھی دھیان گیا کہ یوسف نے جو بچپن میں خواب دیکھا تھا اس کی تعبیر یہی تھی کہ اس کو کوئی بلند مرتبہ حاصل ہوگا کہ ہم سب کو اس کے سامنے جھکنا پڑے گا، کہیں یہ عزیز مصر خود یوسف ہی نہ ہو پھر جب اس پر غور و تامل کیا تو کچھ علامات سے پہچان لیا اور مزید تحقیق کے لئے ان سے کہا۔

انك لانت يوسف کیا تو سچ مچ یوسف ہے، تو یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے کہا ہاں میں ہی یوسف ہوں اور یہ بنیامین میرا حقیقی بھائی ہے سوال کے جواب میں اقرار واعتراف کے ساتھ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ کے احسان کا ذکر اور صبر وتقوے کے نتائج حسنہ بھی بیان کرکے بتلادیا کہ تم نے مجھے ہلاک کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہیں کیا لیکن یہ اللہ کا فضل واحسان ہے کہ اس نے نہ صرف یہ کہ مجھے کنویں سے نجات عطا فرمائی بلکہ مصر کی فرماں روائی بھی عطا فرمادی، اور یہ نتیجہ ہے اس صبر وتقوی کا جس کی توفیق اللہ نے مجھے عطا فرمائی۔

بھائیوں کا اعتراف جرم:

بھائیوں نے جب یوسف علیہ السلام کی یہ شان دیکھی تو انہوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کرلیا، حضرت یوسف علیہ السلام نے بھی پیغمبرانہ عفو ودرگذر سے کام لیتے ہوئے فرمایا کہ جو ہوا سو ہوا آج تمہیں کوئی سرزنش اور ملامت نہیں کی جائے گی، فتح مکہ کے دن رسول اللہ ﷺ نے بھی مکہ کے ان کفار اور سرداران قریش کو جو آپ کے خون کے پیاسے تھے اور آپ کو طرح طرح ایذائیں پہنچائی تھیں قتل کی سازشیں کیں معاشرتی اور معاشی بائیکاٹ کیا حتی کہ وطن عزیز سے نکلنے پر مجبور کردیا اور مدینہ میں بھی چین سے نہ رہنے دیا تھا "لاتثریب علیکم الیوم" کے الفاظ فرما کر معاف فرمادیا تھا۔

اذھبوا بقمیصی ھذا الخ یعنی میں بحالت موجودہ شام کا سفر نہیں کرسکتا تم جاؤ اور والدین اور اپنے سب متعلقین کو یہاں لے آؤ چونکہ والد بزرگوار کی نسبت معلوم ہو چکا تھا کہ ان کی بینائی جاتی رہی ہے اس لئے اپنا کرتہ دے کر فرمایا یہ ان کی آنکھوں کو لگا دینا بینائی بحال ہو جائے گی۔

ادھر یہ قمیص لے کر قافلہ مصر سے روانہ ہوا ادھر یعقوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت یوسف علیہ السلام کی خوشبو آنے لگی یہ گویا اس بات کا اعلان تھا کہ اللہ کے پیغمبر کو بھی جب تک اللہ تعالیٰ کی طرف سے اطلاع نہ پہنچے پیغمبر بے خبر ہوتا ہے، خدا کی قدرت، یوسف قریب ہی چاہ کنعان میں موجود ہیں کبھی نہ کہا کہ یوسف کی خوشبو آتی ہے کیونکہ خدا کو امتحان پورا کرنا تھا، مگر جب خدا کو منظور ہوا تو ادھر صدہا میل دور مصر سے قافلہ یوسف علیہ السلام کا کرتہ لے کر چلا ادھر پیراہن یوسفی کی خوشبو یعقوب علیہ السلام کے مشام جان کو معطر کرنے لگی، کرتہ کی وجہ سے بینائی کا عود کر آنا ظاہر ہے کہ کوئی مادی سبب نہیں ہوسکتا بلکہ یہ ایک معجزہ تھا، یوسف علیہ السلام کو باذن خداوندی معلوم ہوگیا تھا کہ جب ان کا کرتہ والد کے چہرے پر ڈالا جائیگا تو اللہ تعالیٰ ان کی بینائی بحال کردیں گے۔

جنتی کرتہ کی خصوصیت:

ضحاک اور مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے فرمایا ہے کہ یہ اس کرتے کی خصوصیت تھی اسلئے کہ یہ کرتہ عام کپڑوں کی طرح نہ تھا بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لئے جنت سے اس وقت لایا گیا تھا جب نمرود نے آپ کو برہنہ کرکے آگ میں ڈالا تھا، پھر یہ جنتی کرتہ ہمیشہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس رہا حضرت ابراہیم کے بعد حضرت اسحٰق علیہ السلام کے پاس رہا ان کی وفات کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کے پاس رہا آپ نے اس کرتے کو ایک متبرک شئ سمجھ کر ایک نلکی میں بند کرکے یوسف علیہ السلام کے گلے میں بطور تعویذ ڈال دیا تھا تاکہ نظر بد سے محفوظ رہیں، برادران یوسف نے جب دھوکا دینے کے لئے ان کا کرتہ اتار لیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو برہنہ کرکے کنویں میں ڈالنے لگے تو جبرئیل امین تشریف لائے اور گلے میں پڑی ہوئی نلکی سے کرتا نکال کر یوسف علیہ السلام کو پہنا دیا اور یہ کرتہ حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس محفوظ تھا، اس وقت بھی جبرئیل ہی نے

حضرت یوسف علیہ السلام کو یہ مشورہ دیا تھا کہ یہ جنت کا لباس ہے اس کی خاصیت یہ ہے کہ اگر نابینا کی آنکھوں سے لگا دیا جائے تو بینائی عود کر آتی ہے۔ (معارف)

حضرت مجدد الف ثانی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تحقیق:

حضرت مجدد الف ثانی کی تحقیق یہ ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن و جمال اور ان کا وجود خود جنت ہی کی ایک چیز تھی اسلئے ان کے جسم کے متصل ہونے والے ہر کرتہ کی یہ خاصیت ہو سکتی ہے۔ (مظہری)

مادی سبب:

یہ بات قابل توجہ اور قرین عقل و قیاس ہے کہ کسی شدید صدمہ کی وجہ سے جس طرح بینائی جاسکتی ہے اسی طرح بیحد مسرت اور خوشی کی وجہ سے عود بھی کر سکتی ہے، چنانچہ واقعات و مشاہدات کی وجہ سے یہ بات تسلیم کر لی گئی ہے کہ کسی سخت صدمہ یا غیر معمولی خوشی کے اثر سے بعض نابینا دفعۃً بینا ہو گئے ہیں۔ (فوائد عثمانی)

قرطبی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ برادران یوسف میں سے یہودا نے کہا کہ یہ کرتہ میں لے کر جاؤں گا کیونکہ ان کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر بھی میں ہی لے کر گیا تھا جس سے والد صاحب کو صدمہ پہنچا تھا، اب اس کی مکافات بھی میرے ہی ہاتھ سے ہونی چاہئے۔

وَلَمَّا فَصَلَتِ الْعِيرُ خرجت من عريش مصر قَالَ أَبُوهُمْ لمن حضر من بنيه واولادهم إِنِّي لَأَجِدُ رِيحَ يُوسُفَ اوصلته اليه الصبا باذنه تعالى من مسيرة ثلاثة ايام اوثمانية اواكثر لَوْلَا أَنْ تُفَنِّدُونِ ﴿۹۴﴾ تسفهونى لصدقتمونى قَالُوا له تَاللَّهِ إِنَّكَ لَفِي ضَلَالِكَ خطائك الْقَدِيمِ ﴿۹۵﴾ من افراطك فى محبته ورجاء لقائه على بُعد العهد فَلَمَّا أَنْ زائدة جَاءَ الْبَشِيرُ يهودا بالقميص وكان قد حمل قميص الدم فاحب ان يفرحه كما احزنه أَلْقَاهُ طرح القميص عَلَىٰ وَجْهِهِ فَارْتَدَّ رجع بَصِيرًا ۖ قَالَ أَلَمْ أَقُل لَّكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ مِنَ اللَّهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۹۶﴾ قَالُوا يَا أَبَانَا اسْتَغْفِرْ لَنَا ذُنُوبَنَا إِنَّا كُنَّا خَاطِئِينَ ﴿۹۷﴾ قَالَ سَوْفَ أَسْتَغْفِرُ لَكُمْ رَبِّي ۖ إِنَّهُ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ﴿۹۸﴾ اخر ذلك الى السحر ليكون اقرب الى الاجابة وقيل الى ليلة الجمعة ثم توجهوا الى مصر وخرج يوسف والاكابر لتلقيهم فَلَمَّا دَخَلُوا عَلَىٰ يُوسُفَ فى مَضربه آوَىٰ ضم إِلَيْهِ أَبَوَيْهِ اَباه وأمّه اوخالته وَقَالَ لهم ادْخُلُوا مِصْرَ إِن شَاءَ اللَّهُ آمِنِينَ ﴿۹۹﴾ فدخلوا وجلس يوسف على سريره وَرَفَعَ أَبَوَيْهِ اجلسهما معه عَلَى الْعَرْشِ السرير وَخَرُّوا اى ابواه واخوته لَهُ سُجَّدًا ۖ سجود انحناء لاوضع جبهة وكان تحيتهم فى ذلك الزمان وَقَالَ يَا أَبَتِ هَٰذَا تَأْوِيلُ رُؤْيَايَ مِن قَبْلُ قَدْ جَعَلَهَا رَبِّي حَقًّا ۖ وَقَدْ أَحْسَنَ بِي الى إِذْ أَخْرَجَنِي مِنَ السِّجْنِ لم

یقبل من الحب تكرمـا لـئلا يخجل اخوتـه وَجَآءَ بِكُمْ مِّنَ الْبَدْوِ البادية مِنْۢ بَعْدِ اَنْ نَّزَغَ افسد الشَّيْطٰنُ بَيْنِيْ وَبَيْنَ اِخْوَتِيْ ۚ اِنَّ رَبِّيْ لَطِيْفٌ لِّمَا يَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ هُوَ الْعَلِيْمُ بخلقه الْحَكِيْمُ﴿۱۰۰﴾ في صنعه واقام عنده ابوه اربعـا وعشـريـن سـنة اوسبع عشرة سنة وكانت مدة فراقه ثمان عشرة اواربعين أوثمانين سنة و حضره الـموت فـوصـى يـوسـف أن يحمله ويد فنه عندأبيه فمضى بنفسه ودفنه ثمه ثم عاد الى مصر واقام بعده ثلاثـا وعشـريـن سنة ولـمـا تـم امـره وعـلـم انـه لا يـدوم تـاقـت نفسـه الـى الملك الدائم فقال رَبِّ قَدْ اٰتَيْتَنِيْ مِنَ الْمُلْكِ وَعَلَّمْتَنِيْ مِنْ تَاْوِيْلِ الْاَحَادِيْثِ ۚ تعبير الرؤيا فَاطِرَ خالق السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۟ اَنْتَ وَلِيّٖ متولي مصالحي فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ تَوَفَّنِيْ مُسْلِمًا وَّاَلْحِقْنِيْ بِالصّٰلِحِيْنَ﴿۱۰۱﴾ من ابـائـى فـعـاش بعد ذلك اسبوعـا اواكثر ومـات ولـه مـائة وعشـرون سنة وتشاح المصريون في قبره فجعلوه في صندوق مرمر ودفنوه في اعلى النيل لتعم البركة جانبيه فسبحان من لاانقضاء لملكه ذٰلِكَ المذكور من امر يوسف مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ اخبـار مـاغـاب عنك يـا محمد نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ لـدى اخوة يوسف اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ في كيده اى عزموا عليه وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ﴿۱۰۲﴾ به اى لم تحضرهم فتعرف قصتهم فتخبربها وانـمـا حـصـل لك عـلـمها من جهة الوحي وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ اى اهل مكة وَلَوْ حَرَصْتَ عـلـى ايـمـانهم بِمُؤْمِنِيْنَ﴿۱۰۳﴾ وَمَا تَسْـَٔلُهُمْ عَلَيْهِ اى القران مِنْ اَجْرٍ ۭ تاخذه اِنْ ما هُوَ اى القران اِلَّا ذِكْرٌ عظة لِّلْعٰلَمِيْنَ﴿۱۰۴﴾ ع ۵

ترجمہ: اور جب یہ قافلہ مصر کی آبادی سے باہر نکلا تو ان کے والد نے حاضرین میں سے ان سے جوان کے بیٹے اور پوتوں میں سے موجود تھے کہا میں یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشبو محسوس کر رہا ہوں اگر تم مجھے سٹھیایا ہوا قرار نہ دو تو تم میری تصدیق کرو گے، بادصبا نے باذن خداوندی یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خوشبو کو یعقوب تک تین دن کی یا آٹھ دن کی یا اس سے زیادہ کی مسافت سے پہنچا دیا تھا، تو حاضرین نے ان سے کہا واللہ تم تو اپنے پرانے خبط میں مبتلا ہو اس سے بیحد محبت کرنے اور اس سے ملاقات کی (شدید) خواہش کی وجہ سے باوجود عرصہ دراز گذر جانے کے، چنانچہ جب خوشخبری دینے والا یہودا کرتہ لے کر آیا اور یہودا ہی خون آلود کرتہ لے کر گیا تھا لہٰذا اس نے چاہا کہ جس طرح میں نے ابا جان کو رنج پہنچایا تھا اسی طرح میں ہی ان کو پیغام مسرت سناؤں (اور) یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کے چہرے پر کرتہ ڈالا تو ان کی بینائی لوٹ آئی، یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا میں تم سے نہ کہا کرتا تھا کہ میں اللہ کی طرف سے وہ باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، انہوں نے کہا ابا جان ہمارے لئے ہماری خطاؤں کی معافی طلب کیجئے بے شک ہم قصوروار ہیں، فرمایا میں عنقریب تمہارے لئے اپنے رب سے معافی مانگوں گا وہ بہت بڑا بخشنے والا بہت بڑا مہربان ہے، اس استغفار کو صبح (صادق) تک مؤخر کیا تاکہ قبولیت کے زیادہ قریب ہو جائے، اور کہا گیا ہے کہ جمعہ کی رات تک مؤخر کیا پھر مصر کی طرف متوجہ ہوئے، اور یوسف اور عمائدین سلطنت ان کی ملاقات کے لئے (شہر سے) باہر نکلے،

جب (برادران یوسف کا) پورا گھرانا یوسف کے پاس خیمہ میں پہنچ گیا تو اپنے والدین کو اپنے پاس جگہ دی (یعنی) اپنے والد اور والدہ کو یا اپنی خالہ کو، اور کہا بمشیئت خداوندی تم لوگ امن وامان کے ساتھ مصر میں آؤ، چنانچہ یہ لوگ داخل ہوئے اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام تخت پر بیٹھے اور اپنے والدین کو بھی اپنے ساتھ تخت پر بٹھالیا اور ان کے والدین اور ان کے بھائی یوسف کے سامنے سجدہ میں گر گئے اور یہ سجدہ جھکنے کے طور پر تھا نہ کہ زمین پر پیشانی رکھ کر، اور اس زمانہ میں ان لوگوں کو سلام کا یہی طریقہ تھا، تب (یوسف نے) کہا ابا جان یہ میرے سابق خواب کی تعبیر ہے میرے پروردگار نے اسے سچ کر دکھایا، اس نے میرے ساتھ بڑا احسان کیا جبکہ اس نے مجھے جیل سے نکالا اور یہ نہیں کہا کہ کنویں سے نکالا بھائیوں کے اکرام کی وجہ سے تاکہ وہ شرمندہ نہ ہوں اور آپ لوگوں کو اس اختلاف کے بعد کہ جو شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں ڈال دیا تھا صحرا سے آئے میرا رب جو چاہے اس کے لئے بہترین تدبیر کرنے والا ہے اور وہ اپنی مخلوق کے بارے میں بہت علم والا (اور) اپنی صنعت کے بارے میں حکمت والا ہے اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے والدین کو اپنے پاس ۲۴ سال یا ۱۷ سال مقیم رکھا، اور جدائی کی مدت ۱۸ سال یا ۴۰ سال یا ۸۰ سال تھی مصر ہی میں یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ہوا اور یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو وصیت کی کہ ان (کے تابوت) کو اٹھا کر لیجائیں اور ان کے والد (اسحق) کے پاس دفن کریں، چنانچہ یوسف بذات خود اس کو لے گئے اور ان کو (وصیت کے مطابق) دفن کیا، پھر مصر واپس آگئے، اور اس کے بعد مصر میں ۲۳ سال رہے، اور جب ان کا کام (مصر میں) مکمل ہو گیا اور سمجھ گئے کہ وہ ہمیشہ رہنے والے نہیں ہیں اور ان پر ملک بقاء کا شوق غالب آگیا، تو یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا اے میرے پروردگار تو نے مجھے ملک عطا فرمایا اور خوابوں کی تعبیر سکھلائی، اے آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے تو ہی میرا مصلحتوں کا والی ہے دنیا اور آخرت میں تو مجھے اسلام کی حالت میں وفات دے اور تو مجھے صالحین (یعنی) میرے آباء (واجداد) کے ساتھ ملا دے اس کے بعد حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک ہفتہ یا اس سے (کچھ) زائد بقید حیات رہے اور ان کی عمر ۱۲۰ سال ہوئی اور اہل مصر نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقام دفن میں اختلاف کیا چنانچہ ان کو ایک سنگ مرمر کے صندوق میں رکھ کر دریائے نیل کے اوپر کی جانب دفن کر دیا تا کہ دونوں جانب کو برکت حاصل ہو، پاک ہے وہ ذات جس کے ملک کا کبھی اختتام نہیں ہے، یوسف کا یہ واقعہ غیب کی ان خبروں میں سے ہے اے محمد جو تجھ سے مخفی ہیں، جس کی ہم آپ کی طرف وحی کر رہے ہیں اور آپ یوسف کے بھائیوں کے پاس نہیں تھے جبکہ انہوں نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں سازش کی تھی، یعنی اس کا پختہ ارادہ کر لیا تھا، حال یہ کہ وہ یوسف کے ساتھ مکر کر رہے تھے یعنی (اے محمد) تم برادران یوسف کے پاس موجود نہیں تھے کہ ان کے قصہ سے واقف ہوتے کہ اس واقعہ کی خبر دیتے، آپ کو اس کا علم بذریعہ وحی ہوا ہے اور اکثر لوگ یعنی اہل مکہ اگرچہ آپ ان کے ایمان کے خواہشمند ہیں قرآن پر ایمان لانے والے نہیں ہیں، اور آپ قرآن پر ان سے اجرت کا سوال نہیں کر رہے ہیں کہ آپ اس کو وصول کرتے ہوں، یہ یعنی قرآن تو تمام جہانوں کے لئے نصیحت ہی نصیحت ہے۔

تحقیق و ترکیب

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: خرج من عريش مصر، عریش ایک قول کے مطابق ملک مصر وشام کی سرحد پر ایک مشہور شہر کا نام ہے دوسرا قول یہ ہے کہ عریش آبادی کو کہتے ہیں مراد مصر کی آبادی ہے۔

قَوْلُہٗ: من بنيه واولادهم اس سے معلوم ہوا ہے کہ برادران یوسف میں سے کچھ اپنے والد کے پاس بھی رہ گئے تھے حالانکہ سابق میں معلوم ہو چکا ہے کہ تمام بھائی مصر چلے گئے تھے تفسیر خازن میں ہے من اولادبنيه، اور شیخ زادہ کی عبارت ہے "من ولد ولده".

قَوْلُہٗ: اوصلته اليه الصبا، ای ريح الصبا مضاف محذوف ہے ای بادصبا، یہاں ایک قوی شبہ یہ ہے کہ صبا مشرق سے جانب مغرب چلنے والی ہوا کو کہتے اور مغرب سے مشرق کی جانب چلنے والی ہوا کو دبور کہتے ہیں اور شام مصر سے جانب مشرق میں واقع ہے لہٰذا شام کی طرف سے آنیوالی ہوا صبا کہلائے گی لہٰذا صبا شام (کنعان) سے مصر کی طرف خوشبو کو لا تو سکتی ہے مگر لیجا نہیں سکتی البتہ دبور مصر سے شام کی طرف خوشبو لیجا سکتی ہے مناسب ہوتا کہ مفسر علام صبا کے بجائے دبور فرماتے۔ (واللہ اعلم)

قَوْلُہٗ: تفندون (تفعیل، تفنيد) صیغہ جمع مذکر حاضر درازی عمر کی وجہ سے عقل کا کمزور ہو جانا، سٹھیا جانا، عقل میں فتور یا نقصان کا آجانا۔

قَوْلُہٗ: لصد قتموني یہ لولا کا جواب ہے۔

قَوْلُہٗ: فی مضربة بڑا خیمہ۔

سُؤال: مضربة محذوف ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوابُ: اس لیے کہ دخلوا علی یوسف کہنے کے بعد ادخلوا مصر کہنے کی کوئی ضرورت نہیں رہتی اسلئے کہ دخول کے بعد دخول کا کوئی مطلب نہیں ہوتا اس لئے فی مضربة محذوف مانا تاکہ اول دخول سے خیمہ میں دخول مراد ہو جو استقبال کے لئے شہر سے باہر بنایا تھا اس کے بعد دوسرا دخول شہر مصر میں ہوا۔

قَوْلُہٗ: امه اوخالته اس میں اس اختلاف کی طرف اشارہ ہے کہ آیا یوسف کی والدہ راحیل اس وقت زندہ تھیں یا نہیں، بعض حضرات کا قول ہے کہ بقید حیات تھیں، لیکن جمہور مفسرین کی رائے یہ ہے کہ بنیامین کی ولادت کے وقت انتقال ہو گیا تھا ان کے انتقال کے بعد حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام نے راحیل کی بہن لیا سے نکاح کر لیا تھا اور مجازاً خالہ کو بھی ماں کہہ دیا جاتا ہے جس طرح چچا کو مجازاً ابا کہہ دیا جاتا ہے عبرانی میں بنیام دردزہ کو کہتے ہیں اسی مناسبت سے بنیامین نام رکھا گیا تھا یہ بھی اس بات کی دلیل ہے کہ یوسف علیہ الصلاۃ والسلام کی والدہ کا انتقال ہو چکا تھا۔ (حاشیہ جلالین)

قَوْلُہٗ: آمنين، ای آمنين من القحط وسائر المكاره.

قَوْلُهٗ: الی اس میں اشارہ ہے کہ یاء بمعنی الی ہے۔

تفسیر وتشریح

ولما فصلت العیر یوسف علیہ السلام نے فرمایا جو کچھ ہونا تھا وہ ہو چکا ہم سب کو یہ داستان فراموش کر دینی چاہئے میں درگاہ الٰہی میں دعاء کرتا ہوں کہ وہ تمہاری غلطی معاف فرمادے کیونکہ وہی سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

اب تم کنعان واپس جاؤ اور میرے پیراہن کو لیتے جاؤ یہ والد کی آنکھوں پر ڈال دینا انشاء اللہ شمیم یوسف ان کی آنکھوں کو روشن کردے گی، اور تمام خاندان کو مصر لے آؤ۔

برادران یوسف کا کاروان کنعان کے لئے روانہ:

ادھر برادران یوسف کا کاروان پیراہن یوسفی ساتھ لے کر کنعان کے لئے روانہ ہوا ادھر خدا کے برگزیدہ پیغمبر یعقوب علیہ السلام کو شمیم یوسف نے مہکا دیا فرمانے لگے اے خاندان یعقوب اگر تم یہ نہ کہو کہ بڑھاپے میں اس کی عقل ماری گئی ہے تو میں یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ مجھے یوسف کی مہک آرہی ہے، سب کہنے لگے واللہ تم تو اپنے اسی پرانے خبط میں پڑے ہو، یعنی اس قدر عرصہ گذر جانے کے بعد بھی جبکہ یوسف کا نام ونشان بھی باقی نہیں رہا تمہیں یوسف ہی کی رٹ لگی ہوئی ہے۔

غرضیکہ یہ کنعانی قافلہ بخیر وعافیت کنعان پہنچ گیا، اور برادران یوسف نے یوسف علیہ السلام کے حکم کے مطابق ان کا پیراہن یعقوب علیہ السلام کی آنکھوں پر ڈال دیا یعقوب علیہ السلام کی آنکھیں فوراً روشن ہوگئیں، فرمانے لگے دیکھو میں نہ کہتا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے۔

برادران یوسف کے لئے یہ وقت بڑا کٹھن تھا، شرم وندامت میں غرق سر جھکائے ہوئے بولے اے ابا جان آپ ہمارے لئے جناب باری میں گناہوں کی مغفرت کی دعاء کر دیجئے کیونکہ اب یہ تو ظاہر ہو ہی چکا ہے کہ بلاشبہ ہم سخت خطا کار اور قصوروار ہیں، یعقوب علیہ السلام نے فرمایا **سوف استغفر لکم ربی انه هو الغفور الرحیم** میں عنقریب تمہارے لئے دعاء کروں گا بلاشبہ وہ غفور الرحیم ہے۔

یعقوب علیہ السلام نے فوراً دعا کرنے کے بجائے وعدہ فرمایا کہ عنقریب دعاء کروں گا، اسکی وجہ عام مفسرین نے یہ لکھی ہے کہ اس وعدہ کا مقصد یہ تھا کہ رات یا آخر شب میں اہتمام سے دعاء کروں گا، ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اصل معاملہ حضرت یوسف کے ساتھ زیادتی کا تھا گو بالواسطہ حضرت یعقوب کو بھی تکلیف پہنچی تھی، حضرت یوسف چونکہ اصل صاحب معاملہ تھے اس لئے انہوں نے فوراً دعاء مغفرت کردی مگر چونکہ یعقوب علیہ السلام کا براہ راست معاملہ نہیں تھا اسلئے وعدہ کرلیا تاکہ اصل صاحب معاملہ سے بھی مشورہ ہو جائے۔ (قصص القرآن)

خاندانِ یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام مصر میں:

غرض یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے پورے خاندان کو لیکر مصر پہنچے، جس وقت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاندان مصر پہنچا تو اس کی تعداد بائبل کے بیان کے مطابق ۶۷ یا ۷۰ تھی اس وقت حضرت یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر ۱۳۰ سال تھی اور اس کے بعد وہ مصر میں ۱۷ سال زندہ رہے۔

جب یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اطلاع ہوئی کہ ان کے والد مع خاندان شہر کے قریب پہنچ گئے ہیں تو وہ فوراً استقبال کے لئے شہر سے باہر نکلے، جب دونوں نے ایک دوسرے کو مدت دراز کے بعد دیکھا تو فرط محبت میں یعقوب علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سینہ سے لگالیا، اور جب یہ پرمسرت اور رقت آمیز ملاقات ہو چکی تو حضرت یوسف نے والد سے عرض کیا کہ اب تو آپ عزت واحترام اور امن وحفاظت کے ساتھ شہر میں تشریف لے چلیں۔

اس وقت مصر کا دارالسلطنت رعمیس تھا، حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنے والد ماجد اور تمام دیگر افراد خاندان کو بڑے کرّ وفر اور تزک واحتشام کے ساتھ شاہی سواریوں میں بیٹھا کر شہر میں لائے اور شاہی محل میں قیام کرایا۔

جب ان تمام باتوں سے فراغت پائی تو اب ارادہ کیا کہ دربار منعقد کریں تاکہ اہل مصر کا بھی حضرت یعقوب اور ان کے خاندان سے تعارف ہوجائے اور تمام درباری ان کے عزت واحترام سے واقف ہوجائیں، دربار منعقد ہوا تمام درباری اپنی مقررہ نشستوں پر بیٹھ گئے، یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حکم سے ان کے والدین کو تخت شاہی پر جگہ دی گئی اور باقی تمام خاندان نے حسب مراتب نیچے جگہ پائی، جب یہ سب انتظامات مکمل ہوگئے تب حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام شاہی محل سے باہر تشریف لائے اور شاہی تخت پر جلوہ افروز ہوئے، اسی وقت تمام درباری حکومت کے دستور کے مطابق تخت شاہی کے سامنے تعظیم کے لئے سجدہ میں گر پڑے موجودہ صورت کو دیکھ کر خاندان یوسف نے بھی یہی عمل کیا، یہ دیکھ کر یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کو فوراً اپنے بچپن کا خواب یاد آگیا اپنے والد سے کہنے لگے **وقال یا ابت هذا تاويل رء یای من قبل الخ.**

تورات میں ہے کہ اس واقعہ کے بعد یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تمام خاندان مصر میں آباد ہوگیا کیونکہ اس وقت کے فرعون ریان نے اصرار کے ساتھ یہ کہا تھا کہ تم اپنے خاندان کو مصر ہی مین آباد کرو، میں ان کو بہت عمدہ زمین دوں گا اور ہر طرح ان کی عزت کروں گا۔

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات:

حضرت یوسف علیہ الصلوٰۃ والسلام کا انتقال ایک سوبیس سال کی عمر میں ہوا اور دریائے نیل کے کنارے دفن کئے گئے، ابن اسحق نے عروہ بن زبیر کی روایت سے بیان کیا ہے کہ جب موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو ساتھ لے کر مصر سے نکل جائیں تو بذریعہ وحی یہ بھی کہا گیا کہ ان ہڈیوں کو اپنے ساتھ لے کر ملک شام چلے جائیں اور ان کے آباواجداد کے پاس دفن کریں اس حکم

کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے تفتیش کر کے ان کی قبر دریافت کی جو ایک سنگ مرمر کے تابوت میں تھی اس کو اپنے ساتھ ارض فلسطین (کنعان) میں لے گئے اور حضرت اسحٰق ویعقوب کے برابر دفن کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے بعد قوم عمالیق کے فراعنہ مصر پر مسلط ہو گئے اور بنو اسرائیل ان کی حکومت میں رہتے ہوئے دین یوسف علیہ السلام پر قائم رہے مگر ان کو غیر ملکی سمجھ کر طرح طرح کی ایذائیں دی جانے لگیں یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ان کو اس عذاب سے نجات دی۔ (مظہری)

حضرت یعقوب علیہ الصلاۃ والسلام کی وفات:

تفسیر قرطبی میں اہل تاریخ کے حوالہ سے مذکور ہے کہ مصر میں ۲۴ سال رہنے کے بعد یعقوب علیہ السلام کی وفات ۱۴۷ سال کی عمر میں ہوئی، حضرت سعید بن جبیر نے فرمایا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو سال کی لکڑی کے تابوت میں رکھکر بیت المقدس کی طرف ان کی وصیت کے مطابق منتقل کیا گیا۔

وَكَاَيِّنْ و كم **مِّنْ اٰيَةٍ** دالة على وحدانية الله **فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا** يشاهدونها **وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ** لايتفكرون فيها **وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ** حيث يقرون بانه الخالق الرازق **اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ** به بعبادة الاصنام ولذا كانوا يقولون في تلبيتهم لبيك لاشريك لك الا شريكا هو لك تملكه وما ملك يعنونها **اَفَاَمِنُوْٓا اَنْ تَاْتِيَهُمْ غَاشِيَةٌ** نعمة تغشاهم **مِّنْ عَذَابِ اللّٰهِ اَوْ تَاْتِيَهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً** فجاة **وَّهُمْ لَا يَشْعُرُوْنَ** بوقت اتيانها قبله **قُلْ** لهم **هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ** وفسرها بقوله **اَدْعُوْٓا اِلَى** دين **اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ** حجة واضحة **اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ** امن بى عطف على انا المبتدأ المخبر عنه بما قبله **وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ** تنزيها له عن الشركاء **وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ** من حملة سبيله ايضا **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ** وفي قراءة بالنون وكسر الحاء **اِلَيْهِمْ** لاملائكة **مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى** الامصار لانهم اعلم واحلم بخلاف اهل البوادي لجفائهم وجهلهم **اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا** اى أهل مكة **فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** اى اخر امرهم من اهلاكهم بتكذيبهم رسلهم **وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ** اى الجنة **خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ اتَّقَوْا** الله **اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ** بالياء والتاء يا اهل مكة هذا فتومنون **حَتّٰٓى** غاية لما دل عليه وما ارسلنا من قبلك الا رجالا اى فتراخى نصرهم حتى **اِذَا اسْتَيْئَسَ** يئس **الرُّسُلُ وَظَنُّوْٓا** ايقن الرسل **اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا** بالتشديد تكذيبا لاايمان بعده والتخفيف اى ظن الامم ان الرسل اخلفوا ما وعدوا به من النصر **جَآءَهُمْ نَصْرُنَا فَنُجِّيَ** بنونين مشددا ومخففا وبنون مشدد اماض **مَنْ نَّشَآءُ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُنَا** عذابنا **عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ** المشركين **لَقَدْ كَانَ فِىْ قَصَصِهِمْ** اى الرسل

عِبْرَةٌ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ اصحاب العقول مَا كَانَ هذا القران حَدِيثًا يُفْتَرَى يختلق وَلَٰكِن كان تَصْدِيقَ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ قبله من الكتب وَتَفْصِيلَ تبيين كُلِّ شَيْءٍ يحتاج اليه في الدين وَهُدًى من الضلالة وَرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُؤْمِنُونَ ﴿١١١﴾ خصوا بالذكر لانتفاعهم به دون غيرهم.

ترجمہ: آسمانوں اور زمین میں خدا کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی بے شمار نشانیاں ہیں ان کو دیکھتے ہوئے منہ موڑ کر گذر جاتے ہیں ان میں غور و فکر نہیں کرتے اور ان میں سے اکثر لوگ اللہ پر ایمان رکھنے یعنی اس کو خالق و رازق تسلیم کرنے کے باوجود بتوں کی بندگی کر کے مشرک ہیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے تلبیہ میں کہا کرتے تھے **لبیك لا شریك لك الاشریکا ھو لك تملکه وما ملك** (ترجمہ) ہم تیرے حضور میں حاضر ہیں تیرا کوئی شریک نہیں سوائے اس شریک کے کہ اس کا تو مالک ہے اور اس کا بھی تو مالک ہے جس کا وہ مالک ہے اور وہ **الا شریکا** سے اصنام مراد لیتے تھے، کیا وہ اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان پر اللہ کے عذابوں میں سے کوئی چھا جانے والا عذاب آجائے یا ان پر اچانک قیامت ٹوٹ پڑے اور وہ پہلے سے اس کے آنے کا احساس نہ کر سکیں، آپ ان سے کہہ دو یہ ہے میرا طریقہ اور طریقہ کی تفسیر اپنے قول **ادعوا الی اللہ الخ** سے کی ہے، کہ میں اور میری اتباع کرنے والے جو مجھ پر ایمان لائے ہیں اللہ کے دین کی طرف **علی وجه البصیرت حجة واضحه** کے ساتھ دعوت دیتے ہیں **من** کا عطف، **أنا** مبتداء پر ہے جس کی خبر اس کا ماقبل (یعنی **علی وجه البصیرة**) ہے اور اللہ پاک ہے وہ شریک کے نقص سے بری ہے، اور میں مشرکوں میں سے نہیں ہوں یہ بھی آپ کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے، آپ سے پہلے بستی والوں میں ہم نے جتنے بھی رسول بھیجے وہ سب مرد ہی تھے نہ کہ فرشتے (اور عورت) ایک قراءت میں (نوحی) نون اور حاء مکسورہ کے ساتھ ہے، یعنی شہروں کے رہنے والے تھے، اس لئے کہ شہری بہ نسبت بدویوں کے زیادہ جاننے والے اور زیادہ بردبار ہوتے ہیں، نہ کہ بادیہ نشین اپنے جہل و ظلم کی وجہ سے، کیا مکہ والوں نے زمین میں چل پھر کر نہیں دیکھا؟ کہ ان سے پہلے والوں کا ان کے اپنے رسولوں کو جھٹلانے کی وجہ سے کیسا انجام ہوا؟ ان کو ہلاک کر کے یقیناً آخرت کا گھر یعنی جنت اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے بہت ہی بہتر ہے اے اہل مکہ! کیا تم اسے سمجھتے نہیں ہو کہ ایمان لے آؤ (**یعقلون**) یاء اور تاء کے ساتھ ہے **حتی** اس کی غایت کیلئے ہے جس پر **وما ارسلنا من قبلك الا رجالا** دلالت کرتا ہے، یعنی ان کی نصرت مؤخر ہو گئی، یہاں تک کہ جب رسول ناامید ہونے لگے اور رسولوں نے یقین کر لیا کہ ان کو جھٹلایا گیا (**کذبوا** کے ذال کی) تشدید کے ساتھ ایسی تکذیب کہ اس کے بعد ایمان (کی توفیق) نہیں اور (ذال) کی تخفیف کے ساتھ بھی، یعنی امتوں نے گمان کر لیا کہ رسولوں نے اس نصرت کی وعدہ خلافی کی جس کا انہوں نے وعدہ کیا تھا، تو ان کے پاس ہماری نصرت آپہنچی تو جس کو ہم چاہتے ہیں نجات دیتے ہیں (**ننجی**) دونوں اور جیم مشدد کے ساتھ ہے اور جیم کی تخفیف کے ساتھ (بھی ہے) اور ایک نون اور جیم مشدد کے ساتھ ماضی مجہول کا صیغہ، اور ہمارا عذاب مشرکوں سے ہٹایا نہیں

جائے گا، بلاشبہ ان رسولوں کے قصوں میں عقلمندوں کے لئے عبرت ہے یہ قرآن گھڑی ہوئی بات نہیں ہے بلکہ سابقہ کتب کی تصدیق ہے، اور ہر چیز کو کھول کھول کر بیان کرنے والا ہے اور ایمان لانے والوں کے لئے رحمت ہے (مومنین) کا ذکر خاص طور پر اس لئے ہے کہ وہی اس سے مستفید ہوتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: كَايِّنْ، یہ دراصل کای تھا تنوین کو نون سے بدل دیا کاین ہوگیا یہ کاف تشبیہ اور ای سے مرکب ہے، یہ اکثر کم خبریہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جو تکثیر کے معنی دیتا ہے مثلاً کای من رجل رایت میں نے بہت سے آدمی دیکھے، اور کبھی کبھی استفہام کے معنی میں استعمال ہوتا ہے جیسا کہ حضرت ابی بن کعب نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے معلوم کیا کای تقرأ سورۃ الاحزاب تم نے سورۂ احزاب کتنی مرتبہ پڑھی، کاین مبتداء ہے اور من آیۃ تمیز مجرور بمن ہے۔

قولہ: فی السموات والارض آیۃ کی صفت ہے۔

قولہ: یمرون علیها جملہ ہو کر کاین کی خبر ہے اور وهم عنها معرضون جملہ ہو کر یمرون کی ضمیر سے حال ہے۔

قولہ: المخبر عنه بما قبله، أنا اور من مبتداء مؤخر اور علی بصیرۃ خبر مقدم، کما صرح المفسر۔

قولہ: بخلاف اهل البوادِ اس میں اشارہ کہ اهل القری سے شہروں کا مقابل مراد ہے لہٰذا اب یہ اعتراض وارد نہ ہوگا کہ انبیاء زیادہ تر شہر ہی میں مبعوث ہوئے ہیں۔

قولہ: یئس استیئس میں (س ت) طلب کے لئے نہیں ہے۔

قولہ: تکذیبا لا ایمان بعده، اس میں اس شبہ کا جواب ہے کہ تکذیب تو پہلے ہی سے موجود تھی یعنی اب ایسی تکذیب کردی کہ اس کے بعد ایمان کی توقع ختم ہوگئی اور ظنوا کا ترجمہ ایقن الرسل، قد کُذِّبُوا کی تشدید کی صورت میں ہوگا اور تخفیف کی صورت میں ظنوا اپنے معنی پر ہوگا۔

قولہ: فننجی جیم کی تشدید کے ساتھ، تَنْجِیَۃٌ (تفعیل) سے ہم بچالیتے ہیں، فَنُنْجِی مخففا (افعال) مضارع جمع متکلم، نُجِّیَ ماضی مجہول واحد مذکر غائب (تَنْجِیَۃ تفعیل) سے اس کو بچایا گیا (مشددا) کا تعلق ہر قراءت میں جیم کے ساتھ ہے، ماضی مجہول کی صورت میں من نشاء نائب فاعل ہوگا پہلی دونوں صورتوں میں مفعول بہ ہوگا، بعض حضرات نے مشددا کو نون کی صفت قرار دیا ہے جو کہ سہو ہے۔

تفسیر و تشریح

وکاین من آیۃ الخ، آسمان اور زمین کی پیدائش اور ان میں بے شمار چیزوں کا وجود اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ خالق اور صانع ایک ہے جس نے ان چیزوں کو وجود بخشا ہے اور ایک مدبر ہے جو ان کا انتظام کر رہا ہے کہ صدیوں سے یہ نظام چل رہا

ہے اوران میں آپس میں کبھی ٹکراؤ وتصادم نہیں ہوتا لیکن لوگ ان چیزوں کو دیکھتے ہوئے یوں ہی گذر جاتے ہیں نہ ان میں غور وفکر کرتے ہیں اور نہ ان سے رب کی معرفت حاصل کرتے ہیں، یہ ایسے لوگوں کا بیان تھا جو خدا تعالیٰ کے وجود اور اس کی حکمت وقدرت ہی کے قائل نہیں تھے، آگے ان لوگوں کا بیان ہے کہ جو وجود باری کے قائل تو ہیں مگر اس کی خدائی میں دوسروں کو شریک قرار دیتے ہیں، فرمایا۔

وما یؤمن اکثرھم باللّٰہ الا وھم مشرکون، یعنی ان میں جو ایمان لاتے ہیں وہ بھی شرک کے ساتھ یعنی اللہ تعالیٰ کے علم وقدرت وغیرہ اوصاف میں دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہیں جو سراسر ظلم اور جہل ہے، قرآن اس کو بوضاحت بیان کرتا ہے کہ یہ مشرکین یہ تو مانتے ہیں کہ آسمان وزمین کا خالق ومالک، ورازق ومدبر صرف اللہ تعالیٰ ہے، لیکن اس کے باوجود عبادت میں اللہ کے ساتھ دوسروں کو بھی شریک ٹھہراتے ہیں آج کے قبر پرستوں کا بھی شرک یہی ہے کہ وہ قبروں میں مدفون بزرگوں کو صفات الوہیت کا حامل سمجھ کر انھیں مدد کے لئے پکارتے ہیں۔

امام المفسرین ابن کثیر نے فرمایا، کہ اس آیت کے مفہوم میں وہ مسلمان بھی داخل ہیں کہ جو ایمان کے باوجود مختلف قسم کے شرک میں مبتلا ہیں، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھے تم پر جس چیز کا خطرہ ہے ان سب میں سب سے زیادہ خطرناک شرک اصغر ہے، صحابہ کے دریافت کرنے پر فرمایا کہ ریا شرک اصغر ہے اسی طرح ایک حدیث میں غیر اللہ کی قسم کھانے کو شرک فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کی منت اور نذر ونیاز ماننا بھی باتفاق فقہا اس میں داخل ہے۔

وما ارسلنا من قبلك الا رجالا الخ یہ آیت اس بات پر نص ہے کہ تمام نبی مرد ہی ہوئے ہیں نہ فرشتے اور نہ عورت، اسی طرح انبیاء کا مقام بعثت قریہ تھا جو قصبہ دیہات اور شہر کو شامل ہے ان میں سے کوئی بھی صحرا نشینوں میں سے نہیں تھا اسلئے کہ اہل بادیہ نسبۃ طبیعت کے سخت اور اخلاق کے کھردرے ہوتے ہیں، یہ خیال بے بنیاد اور لغو ہے کہ اللہ کا رسول فرشتہ ہونا چاہئے نہ کہ انسان بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے انسانوں کا رسول ہمیشہ انسان ہی ہوتا چلا آیا ہے، البتہ عام انسانوں سے اس کو امتیاز حاصل ہوتا ہے اس لئے کہ اس کی طرف بارگاہ الٰہی کی طرف سے براہ راست وحی آتی ہے، نبوت کسی کی سعی وعمل کا نتیجہ نہیں ہوتی، البتہ اللہ خود ہی اپنے بندوں میں سے جس کو مناسب سمجھتا ہے اس کام کے لئے منتخب کر لیتا ہے۔

حتی اذا استیئس الرسل الخ رسولوں کو یہ مایوسی اپنی قوم کے ایمان نہ لانے سے ہوئی۔

وظنوا انھم قد کذبوا الخ اس آیت کی مختلف قراءتوں کی وجہ سے اس آیت کے مختلف مفہوم بیان کئے گئے ہیں لیکن زیادہ مناسب مفہوم یہ ہے کہ ظنوا کا فاعل قوم کفار کو قرار دیا جائے یعنی کفار نے جب دیکھا کہ رسولوں نے جس عذاب کی دھمکی دی تھی جب اس کے آنے میں تاخیر ہوئی اور اس کے آنے کے آثار بھی دور دور تک نظر نہ آئے تو کہنے لگے کہ معلوم ہوتا ہے کہ نبیوں سے بھی یوں ہی جھوٹا وعدہ کیا گیا ہے اس آیت میں لفظ کذبوا مشہور قراءت کے مطابق پڑھا گیا، مطلب یہ ہوگا کہ عذاب موعود کے آنے میں بہت زیادہ تاخیر ہونے کی وجہ سے پیغمبر یہ خیال کر کے مایوس ہو گئے کہ اللہ تعالیٰ کے اجمالی وعدۂ عذاب

کا جو وقت ہم نے اپنے اندازہ کے مطابق اپنے ذہنوں میں مقرر کر رکھا تھا وقت پر عذاب نہ آئیگا اور وعدۂ الٰہی کا وقت مقرر کرنے میں ہم سے غلط فہمی ہوئی ہے جس کی وجہ سے مایوسی ہوئی، اسی مایوسی کی حالت میں ان کو ہماری مدد پہنچی اور وہ یہ کہ وعدہ کے مطابق کفار پر عذاب آیا، پھر ہم نے اس عذاب سے مومنین کو بچالیا اور کفار ہلاک ہو گئے اسلئے کہ ہمارا عذاب مجرموں سے ہٹایا نہیں جاتا، بلکہ ضرور آ کر رہتا ہے اسلئے کفار مکہ کو چاہئے کہ عذاب میں تاخیر ہونے سے دھوکہ میں نہ رہیں۔

بعض قراءتوں میں کذبوا تشدید کے ساتھ بھی آیا ہے یہ مصدر تکذیب سے مشتق ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ انبیاء نے اندازہ سے جو عذاب کا وقت مقرر کر دیا تھا اس عذاب کے بروقت نہ آنے پر ان کو یہ خطرہ ہو گیا کہ اب جو مسلمان ہیں وہ بھی ہماری تکذیب نہ کرنے لگیں کہ جو کچھ ہم نے کہا تھا وہ پورا نہیں ہوا، ایسی حالت میں اللہ تعالیٰ نے اپنا وعدہ پورا کر دکھایا۔

لقد کان فی قصصهم عبرۃ لاولی الالباب، قرآن کریم میں جو قصہ یوسف علیہ السلام اور دیگر قوموں کے واقعات بیان کئے گئے ہیں ان کو گھڑا نہیں بلکہ یہ پچھلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے اور اس میں دین کے بارے میں ساری ضرورتیں اجمالی یا تفصیلی یا اصولی طور پر موجود ہیں اور یقین رکھنے والوں کے لئے ہدایت اور رحمت ہے۔



سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ ثَلٰثٌ وَّاَرْبَعُوْنَ اٰيَةً وَّسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ اِلَّاوَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كفروا، الآية، ويقول الذين كفروا لَسْتَ مُرْسَلًا، الآية، اَوْ مَدنِيَّةٌ اِلَّا ولَوْ انَّ قرآنا الآيتين ثلثٌ اَوْ اَرْبعٌ اَوْ خمسٌ اَو سِتٌّ وَاَرْبَعُوْنَ آيةً.

سورۂ رعد مکی ہے، علاوہ وَلا يزالُ الذين كفروا پوری آیت کے، اور يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوا لَسْتَ مُرسلًا پوری آیت کے، یا مدنی ہے سوائے وَلَوْ اَنَّ قرآنًا دو آیتوں کے ۴۳ یا ۴۴ یا ۴۵ یا ۴۶ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓمّٓرٰ اللّٰہُ اعلمُ بمرادِہ بذلك تِلْكَ ہذہ الاياتُ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ القرانِ والاضافةُ بمعنٰی مِن وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ای القرانُ مبتدأٌ خبرُہ الْحَقُّ لاشكَّ فيه وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ ای اہلَ مكة لَا يُؤْمِنُوْنَ① بانّه مِن عندِہ تعالٰی اَللّٰهُ الَّذِيْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ای العمدُ جمعُ عمادٍ وہو الأُسطوانة وہو صادقٌ بانْ لاعمدَ اصلاً ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ استواءً يليقُ به وَسَخَّرَ ذلل الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ منهما يَّجْرِيْ فی فَلَكِه لِاَجَلٍ مُّسَمًّى يومَ القيٰمةِ يُدَبِّرُ الْاَمْرَ يقضِي امرَ ملكه يُفَصِّلُ يُبيِّنُ الْاٰيٰتِ دلالاتِ قدرتِه لَعَلَّكُمْ يا اہلَ مكة بِلِقَآءِ رَبِّكُمْ بالبعثِ تُوْقِنُوْنَ② وَهُوَ الَّذِيْ مَدَّ بسط الْاَرْضَ وَجَعَلَ خلَق فِيْهَا رَوَاسِيَ جبالاً ثوابتَ وَّاَنْهٰرًا وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ يُغْشِي الَّيْلَ النَّهَارَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المذكور لَاٰيٰتٍ دلالاتٍ على وحدانيتِه تعالٰی لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ③ فی صُنعِ اللّٰهِ وَفِي الْاَرْضِ قِطَعٌ بقاعٌ مختلفةٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ مُتلاصِقاتٌ فمنها طيبٌ وسبخٌ وقليلُ الرّيعِ وكثيرُہ وہو مِن دلائلِ قدرته تعالٰی وَّجَنّٰتٌ بساتينُ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ بالرفعِ عطفًا على جناتٌ والجرِ على اعنابٍ وكذا قوله وَّنَخِيْلٌ صِنْوَانٌ جمع

صنو وہی النخلات یجمعُها اصلٌ واحدٌ وتتشعبُ فروعها **وَغَيْرُ صِنْوَانٍ** منفردة **يُسْقَى** بالتاءِ اى الجناتُ وما فيها والياء اى المذكورُ **بِمَاءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ** بالنون والياء **بَعْضَهَا عَلٰى بَعْضٍ فِي الْاُكُلِ** بضم الكافِ وسكونها فمن حُلوٍ وحامضٍ وهو من دلائلِ قدرتِه تعالى **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ** المذكورِ **لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ**۝ يتدبّرُون **وَاِنْ تَعْجَبْ** يا محمدُ من تكذيبِ الكفار لك **فَعَجَبٌ** حقيقٌ بالعجبِ **قَوْلُهُمْ** منكرينَ للبعثِ **ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ** لِاَنَّ القادرَ على انشاءِ الخلقِ وماتقدّمَ على غيرِ مثالٍ سَبَق قادرٌ على اعادتِهم وفى الهمزتينِ فى الموضعينِ التحقيقُ وتحقيق الأُولى وتسهيلُ الثانيةِ وادخالُ الفٍ بينهما على الوجهين وتركها وفى قراء ةٍ بالاستفهام فى الاول والخبر فى الثانى واخرى عكسُه **اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ وَاُولٰٓئِكَ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ**۝ ونزل فى استعجالِهم العذابَ استهزاءً **وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالسَّيِّئَةِ** العذابِ **قَبْلَ الْحَسَنَةِ** الرحمةِ **وَقَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِمُ الْمَثُلٰتُ** جمعُ المَثُلةِ بوزنِ السَّمُرةِ اى عقباتُ امثالِهم من المُكذّبينَ افلا يعتبِرُونَ بها **وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى** مع **ظُلْمِهِمْ** والّالم يترك على ظهرِها دابةً **وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ**۝ لِمَنْ عصَاهُ **وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ** ہلا **اُنْزِلَ عَلَيْهِ** على محمدٍ **اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ** كالعصَا واليدِ والناقةِ قال تعالى **اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ** مخوّفُ الكافرينَ وليس عليك اِتيانُ الاياتِ **وَّلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ**۝ نبيٌّ يدعُوہم الى ربِّهم بما يعطيه من الاياتِ لابما يقترحون.

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو نہایت مہربان بڑا رحم والا ہے، الٓمٓرٰ، اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ آیتیں قرآن کریم کی آیتیں ہیں اور (آیاتُ الکتاب) میں اضافت بمعنی مِنْ ہے اور جو کچھ آپ کی طرف آپ کے رب کی طرف سے اتارا جاتا ہے سب حق ہے (یعنی) اس میں کوئی شک نہیں ہے، (وَالَّذِیْ اُنْزِلَ اِلَیْكَ الخ) مبتداء ہے اور الحقُّ اس کی خبر ہے، لیکن اکثر لوگ اس پر ایمان نہیں لاتے کہ یہ منجانب اللہ ہے اور وہ اہل مکہ ہیں، اللہ وہ ہے جس نے آسمانوں کو ایسے ستونوں کے بغیر بلند فرمایا جو تم کو نظر آتے ہوں، العمد، عمادٌ کی جمع ہے اور وہ ستون ہیں اور عدم رویت اس وقت بھی صادق آتی ہے جبکہ ستون ہی نہ ہوں پھر وہ تخت شاہی پر جلوہ فرما ہوا ایسی جلوہ فرمائی کہ جو اس کے شایان شان ہے اور اس نے شمس وقمر دونوں کو قانون کا پابند بنایا ان میں سے ہر ایک اپنے مدار پر ایک مدت (یعنی) قیامت تک کے لئے جاری ہے (وہی اللہ) ہر کام کی تدبیر کرتا ہے (یعنی) اپنے ملک کے معاملات طے کرتا ہے اور وہ اپنی قدرت کی دلالتوں کو خوب کھول کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ اے اہل مکہ بعث کے ذریعہ تم اپنے رب کی ملاقات کا یقین کرو اور وہ ایسی ذات ہے کہ اس نے زمین کو پھیلایا اور اس میں نہ ہلنے والے پہاڑ پیدا کئے اور نہریں پیدا کیں اور زمین میں ہر قسم کے پھلوں کے دُہرے دُہرے جوڑے پیدا

لئے وہ رات کی تاریکی کے ذریعہ دن کو چھپا دیتا ہے یقیناً اس مذکور میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی بہت سی نشانیاں ہیں اللہ کی صنعت میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے، اور زمین میں الگ الگ خطے پائے جاتے ہیں جو ایک دوسرے سے متصل واقع ہیں، ان میں زرخیز بھی ہیں اور بنجر بھی اور قلیل النفع بھی ہیں اور کثیر النفع بھی، یہ بھی خدا کی قدرت کی نشانیوں میں سے ہے، اور انگور کے باغات ہیں، اور کھیتیاں ہیں (زرعٌ) رفع کے ساتھ جنات پر عطف کی وجہ سے اور جر کے ساتھ بھی اعناب پر عطف کی وجہ سے، اور کھجور کے درخت ہیں (صنوان) صنوٌ کی جمع ہے کھجور کے ان درختوں کو کہتے ہیں جن کی جڑ ایک ہو اور اوپر اس میں متعدد شاخیں ہوں اور کچھ اکہرے بھی ہیں سب کو ایک ہی پانی سیراب کرتا ہے (تسقی) کی ضمیر مذکور کی طرف راجع ہوگی مگر مزے میں ہم بعض کو بہتر بنا دیتے اور بعض کو کمتر (نفضل) نون اور یاء کے ساتھ ہے (الاُکُلُ) کاف کے ضمہ اور اس کے سکون کے ساتھ (دو قراءتیں ہیں) بعض ان میں شیریں اور بعض ترش ہوتے ہیں یہ بھی خدا کی قدرت کے دلائل میں سے ہے، بلاشبہ ان مذکورہ باتوں میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے نشانیاں ہیں اور اگر اے محمد آپ کو کفار کے آپ کی تکذیب کرنے سے تعجب ہوتا ہے تو درحقیقت منکرین بعث کا یہ قول قابل تعجب ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم نئے سرے سے پیدا کئے جائیں گے؟ اس لئے کہ جو ذات سابقہ نمونے کے بغیر از سر نو پیدا کرنے اور مذکورہ چیزوں پر قادر ہے وہ ان کو دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے، اور دونوں ہمزوں میں دونوں جگہ تحقیق اور پہلے کی تحقیق اور ثانی کی تسہیل اور دونوں صورتوں میں دونوں ہمزوں کے درمیان الف داخل کر کے اور ادخال کو ترک کر کے (سب جائز ہے) اور ایک قراءت اول میں استفہام اور ثانی میں خبر اور دوسری قراءت میں اس کا برعکس یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کا کفر کیا اور یہ وہ لوگ ہیں کہ جن کی گردنوں میں طوق ہے، یہ جہنمی ہیں اور جہنم میں ہمیشہ رہیں گے، اور ان کے بطور استہزاء عذاب کے بارے میں جلدی مچانے کے بارے میں (آئندہ) آیت نازل ہوئی یہ لوگ نیکی یعنی رحمت سے پہلے برائی کے لئے جلدی مچا رہے ہیں حالانکہ ان سے پہلے عبرتناک مثالیں گذر چکی ہیں مَثلات، مَثلۃ کی جمع ہے مَسْمُرَۃ کے وزن پر، یعنی ان جیسے تکذیب کرنے والوں کی سزائیں (گذر چکی ہیں) کیا اس سے عبرت حاصل نہیں کرتے؟ حقیقت یہ ہے کہ تیرا رب لوگوں کی زیادتی کے باوجود ان کو معاف بھی کرتا ہے ورنہ تو وہ روئے زمین پر کوئی چلنے والا (یعنی ذی روح) نہ چھوڑے اور یہ بھی حقیقت ہے کہ تیرا رب اپنی نافرمانی کرنے والوں کو سخت سزا دینے والا ہے اور کافر کہتے ہیں کس لئے محمد ﷺ پر نہیں اتاری گئی اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی جیسا کہ عصا (موسیٰ علیہ السلام) اور ید (بیضاء) اور اونٹنی (ناقۂ صالح علیہ السلام) اللہ تعالیٰ نے فرمایا آپ تو کافروں کو محض آگاہ کرنے والے ہیں (یعنی) ڈرانے والے ہیں، معجزات کا لانا آپ کے ذمہ نہیں ہے، اور ہر قوم کے لئے رہنما ہوتا ہے (یعنی) نبی ہوتا ہے جو لوگوں کو ان معجزات کے ذریعہ جو اس کو اللہ عطا کرتا ہے ان کے رب کی طرف بلاتا ہے نہ کہ ان معجزات کے ذریعہ جن کو وہ تجویز کرے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: سورة الرعد مكية سورة الرعد مبتداء ہے مکیة خبراول ہےاور ثلث الخ خبرثانی ہے، مکی مدنی ہونے کے بارے میں پانچ قول ہیں ① پوری سورت مکی سوائے "ولا یزال الذین کفروا (الآیة) کے ② پوری سورت مکی ہے سوائے ھو الذی یریکم البرق، الی قوله. له دعوة الحق ③ پوری سورت مدنی ہے سوائے وَلَوْ انَّ قرآنا (دو آیتیں) ④ کہا گیا ہے کہ پوری سورت مدنی ہے، ⑤ کہا گیا ہے کہ پوری سورت مکی ہے۔

قَوْلُہٗ: الاضافة بمعنی من، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ آیات الکتاب میں اضافت الشی الی نفسه لازم آرہی ہے اس لئے کہ آیات اور کتاب ایک ہی شئ ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ اضافت الشی الی نفسہ اس وقت لازم آتی جب اضافت بمعنی لام ہوتی یہاں اضافت بمعنی من ہے فلاحرج۔

قَوْلُہٗ: بانّه من عنده یہ جملہ یؤمنون کا مفعول بہ ہے۔

سَوَال: یُؤمِنُ متعدی بالبی استعمال ہوتا ہے نہ کہ متعدی بالباء۔

جَوَاب: یؤمنون، یقرّون کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا تعدیہ بالباء درست ہے۔

قَوْلُہٗ: اللّٰه الذی رفع السمٰوات الخ اللّٰه مبتداء ہے اور اَلّذِیْ الخ اس کی خبر ہے۔

قَوْلُہٗ: وهو صادق بان لا عَمَدَ اصْلًا یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ جمع کی نفی بطور مفہوم کے ثبوت واحد پر دلالت کرتی ہے یعنی ایک ستون ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ مقید کی نفی مطلق کی نفی پر دلالت کرتی ہے، یہاں نفی موصوف اور صفت دونوں کی طرف راجع ہے۔

قَوْلُہٗ: جَعَلَ، یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ جعل متعدی بدو مفعول ہوتا ہے حالانکہ یہاں دو مفعول نہیں ہیں۔

جَوَاب: جعَلَ بمعنی خلَقَ ہے نہ کہ بمعنی صَیَّرَ.

قَوْلُہٗ: من کل نوع میں من کُلّ الثمرات کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: یغشی اللّیل النهارَ یہ جملہ مستانفہ ہے اور ماقبل میں مذکور افعال کے فاعل سے حال بھی ہوسکتا ہے، یُغشِی کا فاعل ضمیر ھو مستتر ہے جو اللہ کی طرف راجع ہے، اللّیلَ مفعول اول ہے اور النهارَ مفعول ثانی یعنی اللہ تعالیٰ رات کے ذریعہ دن کو چھپا دیتا ہے۔

قَوْلُہٗ: صِنوان، بالتثلیث، نخلة لها رأسان واصلها واحد، ایسا کھجور کا درخت کہ جس کی جڑ ایک ہو سر دو ہوں۔

قَوْلُہٗ: بالتاء والیاء تُسْقٰی مؤنث کی صورت میں اس کا نائب فاعل الجنات ہوگا اور یُسْقٰی مذکر کی صورت میں اس کا فاعل مذکور ہوگا۔

قَوْلُهٗ: بالیاء، یعنی نُفصّلُ میں یاء اور نون دونوں جائز ہیں مذکر غائب کی صورت میں یُدَبِّرُ کے ساتھ مطابقت ہوگی۔

قَوْلُهٗ: حقیق بالعجب.

سَوَال: فعجبٌ کی تفسیر حقیق سے کس مقصد کے پیش نظر کی ہے؟

جَوَاب: اس کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَال: کیا ہے؟ سوال یہ ہے کہ عجبٌ خبر مقدم ہے اور قولُهم مبتداء مؤخر ہے، اور عجبٌ مصدر ہے اور مصدر کا حمل قولُهم پر درست نہیں۔

جَوَاب: حقیق محذوف مانا تاکہ حمل درست ہو جائے۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

فضائل سورۂ رعد:

سورۂ رعد کا محتضر (قریب المرگ شخص) کے پاس پڑھنا مستحب ہے اس سے روح نکلنے ہونے میں آسانی ہوتی ہے، ابن ابی شیبہ نے جابر بن زید سے روایت کیا ہے، قال! کان یستحب اِذا احتضر المیت أن یقرأ عندهٗ سورة الرعد فاِن ذلك یخفف عن المیت واِنه اهون لِقبضه وأیسرُ لشانِهٖ. (فتح القدیر شوکانی)

الٓـمر، تلك ایت الکتٰب (الآیة) حروف مقطعات کے متعلق الٓمر کے شروع میں بحث گذر چکی ہے وہاں دیکھ لی جائے احوط اور مناسب طریقہ یہی ہے کہ اس کے بارے میں زیادہ بحث نہ کی جائے اور اس کی حقیقی مراد کو اللہ کے حوالہ کیا جائے، اس سورت میں جو کچھ پڑھا جانے والا ہے وہ اس عظیم الشان قرآن کی آیتیں ہیں، یہ کتاب جو آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی ہے یقیناً حق وصواب ہے، لیکن تعجب کا مقام ہے کہ ایسی صاف اور واضح حقیقت کے ماننے سے بھی لوگ انکار کرتے ہیں۔

سورت کا مرکزی مضمون:

پہلی آیت میں مرکزی مضمون کی مناسبت سے تمہیدی مضمون تھا دوسری آیت سے اصل مضمون شروع ہو رہا ہے، یہ بات پیش نظر رہے کہ نبی ﷺ اس وقت جس چیز کی طرف لوگوں کو دعوت دے رہے تھے وہ تین بنیادی باتوں پر مشتمل تھی ایک یہ کہ خدائی پوری کی پوری اللہ ہی کی ہے اس کے علاوہ کوئی مستحق بندگی نہیں، دوسرے یہ کہ اس زندگی کے بعد ایک دوسری زندگی ہے جس میں سب کو اپنے اپنے اعمال کی جوابدہی کرنی ہوگی تیسرے یہ کہ میں اللہ کا رسول ہوں جو کچھ پیش کر رہا ہوں وہ اپنی طرف سے نہیں

بلکہ خدا کی طرف سے ہے یہی تین باتیں ہیں جنہیں لوگ ماننے سے انکار کر رہے ہیں۔

دوسری آیت (اللّٰہ الذی رفع السمٰوات بغیر عمدٍ ترونھا) میں اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی توحید کے دلائل مذکور ہیں کہ اس کی مخلوقات اور مصنوعات کو ذرا غور سے دیکھو تو یقین کرنا پڑے گا کہ اس کو بنانے والی کوئی ایسی ذات ہے کہ جو قادر مطلق اور تمام مخلوقات و کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے۔

کیا آسمان کا جرم آنکھوں سے نظر آتا ہے؟

عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ نیلا رنگ جو ہم کو نظر آتا ہے آسمان کا رنگ ہے، مگر فلاسفہ کا کہنا یہ ہے کہ یہ رنگ روشنی اور اندھیرے کی آمیزش سے محسوس ہوتا ہے جیسا کہ گہرے پانی پر روشنی پڑتی ہے تو وہ نیلا نظر آتا ہے، مگر ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے دونوں باتیں ایک جگہ جمع ہو سکتی ہیں۔

ثُمَّ اسْتَوٰی علی العرش پھر تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہو گیا جیسی جلوہ فرمائی کہ اس کی شایان شان ہے اس جلوہ فرمائی کی کیفیت کو کوئی نہیں سمجھ سکتا، اتنا اعتقاد رکھنا کافی ہے کہ جس طرح کا استویٰ شان الٰہی کے لائق ہے وہ مراد ہے۔

وسخر الشمس والقمر، سورج اپنا دورہ ایک سال اور چاند ایک ماہ میں پورا کرتا ہے، **لِاَجلٍ مُسَمًّی** کے معنی اگر وقت مقرر تک کے لئے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ چاند سورج قیامت تک اسی طرح چلتے رہیں گے کائناتی دلائل کو پیش کرنے اور ان میں غور و فکر کی دعوت دینے کا مقصد یہ ہے کہ جو ذات اتنی عظیم الشان مخلوق پیدا کر سکتی ہے اس کے لئے تمہارا دوبارہ پیدا کرنا کیا مشکل ہے؟!

شمس و قمر کو مسخر کرنے سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دونوں کو جس ضابطہ کا پابند بنا دیا ہے ہزار ہا سال گذر گئے مگر اسی ضابطہ کی پابندی کے ساتھ رفتار میں کمی بیشی کے بغیر چل رہے ہیں نہ تھکتے ہیں اور نہ اپنے کام سے انحراف کرتے ہیں یہ نظام قدرت باواز بلند کہہ رہا ہے کہ اس کائنات کو بنانے اور چلانے والی کوئی ایسی ہستی ضرور ہے جو انسان کے ادراک و شعور سے بالا تر ہے۔

یُدَبِّرُ الْاَمْرَ، اللہ ہر امر کا انتظام حکمت اور مصلحت کے ساتھ کرتا رہتا ہے یعنی وہ محض صانع اور خالق ہی نہیں کہ جو ایک مرتبہ تخلیق کے بعد معطل ہو کر بیٹھ گیا ہو جیسا کہ بعض گمراہ فرقوں کا عقیدہ ہے بلکہ حاکم اور متصرف بھی ہے۔

وَهُوَ الَّذِیْ مد الارض کرۂ ارض جو کہ دیگر بہت کروں کے مقابلہ میں مثل ذرہ کے ہے پھر بھی اس کی وسعت کا اندازہ لگانا ایک عام آدمی کے لئے نہایت دشوار ہے، اور بلند و بالا پہاڑوں کے ذریعہ زمین میں گویا میخیں گاڑ دی ہیں، نہروں، دریاؤں اور چشموں کا ایسا سلسلہ قائم کیا ہے کہ جس سے انسان خود بھی مستفید ہوتے ہیں اور کھیتوں کو بھی سیراب کرتے ہیں جن سے انواع و اقسام کے غلے اور پھل پیدا ہوتے ہیں جن کی شکلیں بھی ایک دوسرے سے مختلف اور ذائقے بھی جدا گانہ ہوتے ہیں اور ان میں

مختلف انواع واقسام کے ساتھ ساتھ جوڑے بھی پیدا کئے، اس کا ایک مطلب یہ ہے کہ نراور مادہ دونوں بنائے جیسا کہ جدید تحقیق نے بھی اس کی تصدیق کردی ہے اور دوسرا مطلب یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جوڑے سے مراد میٹھا اور کھٹا، سرد اور گرم، سیاہ وسفید، ذائقہ دار اور بدذائقہ اس طرح ایک دوسرے سے مختلف اور متضاد قسمیں پیدا کیں۔

وفی الارض قطع متجاورات یعنی صانع حکیم نے پوری روئے زمین کو یکساں نہیں بنایا، بلکہ اس میں بے شمار خطے پیدا کئے جو متصل ہونے کے باوجود شکل میں، رنگ میں، مادۂ ترکیب میں، خاصیتوں میں، قوتوں اور صلاحیتوں میں، کیمیاوی یا معدنی خزانوں میں ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں، ان مختلف خطوں کی پیدائش اور ان کے اندر طرح طرح کا تفاوت واختلاف کی موجودگی اپنے اندر اتنی حکمتیں اور مصلحتیں رکھتی ہے کہ ان کا شمار نہیں ہوسکتا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ پوری کائنات کی تخلیق یقیناً کسی حکیم مطلق کے سوچے سمجھے اور اس کے دانشمندانہ ارادہ کا نتیجہ ہے اسے محض ایک اتفاقی حادثہ قرار دینا ایک بڑی جرأت اور ہٹ دھرمی کی بات ہے۔

کھجور کے درختوں میں بعض ایسے ہوتے ہیں کہ جڑ سے ایک ہی تنا نکلتا ہے اور بعض میں ایک جڑ سے دو یا زیادہ نکلتے ہیں، ان باتوں سے خدا کی قدرت اور حکمت کے نشانات ملتے ہیں جو اس کی توحید اور قادر مطلق ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔

جو شخص ان باتوں پر غور کرے گا وہ کبھی دیکھ کر پریشان نہ ہوگا کہ انسانی طبائع اور میلانات اور مزاجوں میں اتنا اختلاف کیوں ہے؟ اگر اللہ چاہتا تو تمام انسانوں کو ہر حیثیت سے یکساں بنا دیتا مگر جس حکمت پر اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو پیدا کیا ہے وہ یکسانی نہیں بلکہ تنوع اور رنگارنگی کی متقاضی ہے، سب کو یکساں بنا دینے کے بعد تو یہ سارا ہنگامۂ ہست وبود ہی بے معنی ہوکر رہ جاتا، چمن اسی کو کہتے ہیں جس میں ہمہ قسم کے پھول ہوں ہر پھول کا رنگ اور مہک الگ ہو، گویا کہ یہ کارخانہ قدرت ایک چمن ہے جس میں بیلا بھی ہے اور چنبیلی بھی، جوہی بھی ہے اور موگھرا بھی، گلاب بھی ہے اور گل ہزارہ بھی، رات کی رانی بھی ہے اور دن کا راجہ بھی غرضیکہ ہر ایک اپنی مہک سے مشام جان کو معطر کر رہا ہے اور اپنی خوش رنگی سے آنکھوں کو نور اور دل کو سرور بخش رہا ہے، اگر کسی باغ میں گلاب ہی گلاب ہوں جو کہ پھولوں کا راجہ ہے تو اس کو چمن نہیں کہا جاسکتا البتہ اس کو گلاب کا کھیت کہہ سکتے ہیں چمن نہیں۔

وَاِنْ تعجب فعجبٌ قولھم ءَاِذا کنا تُرَابًا ءِ انا لفی خلقٍ جدید، اس آیت میں خطاب نبی کریم ﷺ کو ہے کہ کفار آپ کے کھلے معجزات اور آپ کی نبوت پر کھلی نشانیاں دیکھنے کے باوجود آپ کی نبوت کا انکار کرتے ہیں، اس کے برخلاف ایسے پتھروں کو پوجتے ہیں کہ جن میں نہ حس ہے اور نہ حرکت اور نہ عقل ہے نہ شعور وہ خود اپنے نفع نقصان کے بھی مالک نہیں یہ قابل تعجب بات ہے۔

اس سے بھی زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ جب ہم مر کر مٹی ہوجائیں گے تو ہمیں دوبارہ پیدا کیا جائیگا؟ حالانکہ وہ اس بات کے قائل ہیں کہ پہلی مرتبہ تمام کائنات کو بیشمار حکمتوں کے ساتھ اسی نے پیدا کیا ہے، پھر دوبارہ پیدا

کر دینا اس کے لئے مشکل اور عقل کے اعتبار سے اس میں کیا استحالہ ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے اللہ کی قدرت کو پہچانا نہیں ہے اس کی قدرت کو اپنی قدرت پر قیاس کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ کھلی ہوئی نشانیوں کے باوجود جس طرح ان کا نبوت سے انکار قابل تعجب ہے اس سے زیادہ قیامت میں دوبارہ زندہ ہونے اور حشر کے دن سے انکار تعجب کی چیز ہے۔

باوجودیکہ قوموں اور بستیوں کی تباہی کی مثالیں پہلے گذر چکی ہیں اور اپنے سفر کے دوران ان کی ہلاکت کی نشانیاں دیکھتے ہیں مگر ایک بے عقل و شعور حیوان کی طرح چشم عبرت بند کر کے گذر جاتے ہیں اس کے باوجود جلدی عذاب مانگتے ہیں، یہ کفار کے اس سوال کے جواب میں کہا گیا کہ اے پیغمبر اگر تو سچا ہے تو وہ عذاب ہم پر لے آ جس سے تو ہمیں ڈراتا ہے۔

وَیقول الذین کفروا لولا انزل علیه آیة من ربّه، اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہر نبی کو حالات اور ضروریات اور اپنی منشا کے مطابق کچھ نشانیاں اور معجزات عطا فرمائے، لیکن کافر اپنے حسب منشا معجزات کے طالب ہوتے رہے ہیں جیسے کہ کفار مکہ آپ ﷺ سے کہتے تھے کہ کوہ صفا کو سونے کا بنا دیا جائے یا پہاڑوں کی جگہ نہریں اور چشمے جاری ہو جائیں وغیرہ وغیرہ، جب ان کے مطلوبہ معجزے نہ دکھائے جاتے تو کہتے کہ ان پر کوئی نشانی نازل کیوں نہیں کی گئی؟ اللہ نے فرمایا اے پیغمبر تمہارا کام صرف انذار و تبلیغ ہے وہ تم کرتے رہو کوئی مانے یا نہ مانے اس سے تم کو کوئی غرض نہیں اسلئے کہ ہدایت دینا ہمارا کام ہے تمہارا کام راستہ دکھانا ہے۔

وَلِکل قوم ھادٍ گذشتہ ہر قوم میں ہادی ہوتے چلے آئے ہیں اور ہر نبی کا وظیفہ اور کار منصبی یہ تھا کہ وہ قوم کو ہدایت کریں، اللہ کے عذاب سے ڈرائیں، معجزات کا ظاہر کرنا کسی نبی کے اپنے اختیار میں نہیں ہوتا یہ سب اللہ کے اختیار و قدرت میں ہوتا ہے۔

اَللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ کُلُّ اُنْثٰی من ذکرٍ وانثی وواحدٍ ومتعددٍ وغیرِ ذلك **وَمَا تَغِیْضُ** تنقصُ **الْاَرْحَامُ** من مدةِ الحملِ **وَمَا تَزْدَادُ** منه **وَکُلُّ شَیْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ**⑧ بقدرٍ واحدٍ لایتجاوزُه **عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ** ماغابَ وماشوہدَ **الْکَبِیْرُ** العظیمُ **الْمُتَعَالِ**⑨ علی خلقِه بالقهرِ بیاءٍ ودونِها **سَوَاۗءٌ مِّنْکُمْ** فی علمِه تعالی **مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍۭ** مستترٍ **بِالَّیْلِ** بظلامِه **وَسَارِبٌۢ** ظاهرٌ بذهابِه فی سربِه ای طریقِه **بِالنَّهَارِ**⑩ **لَهٗ** للانسانِ **مُعَقِّبٰتٌ** ملائکةٌ تعتقبُه **مِّنْۢ بَیْنِ یَدَیْهِ** قدامه **وَمِنْ خَلْفِهٖ** ورائِه **یَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ** ای بامرِه من الجنِ وغیرِهم **اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ** لا یسلُبهم نعمتَه **حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ** من الحالةِ الجمیلةِ بالمعصیةِ **وَاِذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِقَوْمٍ سُوْۗءًا** عذابًا **فَلَا مَرَدَّ لَهٗ** من المعقباتِ ولا غیرِها **وَمَا لَهُمْ** لِمَنْ ارادَ اللّٰهُ تعالی بهم سوءً **مِّنْ دُوْنِهٖ** ای غیرِ اللّٰهِ **مِنْ** زائدة **وَّالٍ**⑪ یمنعُه عنهم **هُوَ الَّذِیْ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا** للمسافرِ

من الصواعقِ **وَّطَمَعًا** للمقيمِ فی المطرِ **وَيُنْشِئُ** يخلقُ **السَّحَابَ الثِّقَالَ﴿١٢﴾** بالمطر **وَيُسَبِّحُ الرَّعْدُ** ہو ملكٌ موكلٌ بالسحابِ يسوقُه مُتلبِسًا **بِحَمْدِهٖ** ای يقولُ سبحانَ اللّٰهِ وبحمدِه **وَ** تسبّحُ **الْمَلٰٓئِكَةُ مِنْ خِيْفَتِهٖ** ای اللّٰهِ **وَيُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ** وہی نارٌ تخرجُ من السحابِ **فَيُصِيْبُ بِهَا مَنْ يَّشَآءُ** فتحرقُه نزلَ فی رجلٍ بعث اليهِ النبیُ صلی اللّٰه عليه وسلم مَنْ يَدعُوْه فقالَ مَنْ رسولُ اللّٰهِ وَمَا اللّٰهُ أمِن ذہبٍ ہُوَ اَمْ مِنْ فضةٍ ام نحاسٍ فنزلتْ بہ صاعقةٌ فذہبتْ بقحفِ رأسِه **وَهُمْ** ای الكفارُ **يُجَادِلُوْنَ** يُخاصِمُوْنَ النبیَ **فِي اللّٰهِ وَهُوَ شَدِيْدُ الْمِحَالِ﴿١٣﴾** القوةِ اوالاخذِ **لَهٗ** تعالٰی **دَعْوَةُ الْحَقِّ** ای كلمتُه وہی لا الٰہ الااللّٰہُ **وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ** بالياءِ والتاءِ يعبدُوْنَ **مِنْ دُوْنِهٖ** ای غيرِه وہم الاصنامُ **لَا يَسْتَجِيْبُوْنَ لَهُمْ بِشَيْءٍ** مما يطلُبونه **اِلَّا** استجابةً **كَبَاسِطِ** ای كَستجابةِ باسطِ **كَفَّيْهِ اِلَى الْمَآءِ** علی شفيرِ البيرِ يدعوه **لِيَبْلُغَ فَاهُ** بارتفاعِه من البيرِ اليه **وَمَا هُوَ بِبَالِغِهٖ** ای فاهُ ابدًا فكذلكَ ماہم بمُستجيبينَ لہم **وَمَا دُعَآءُ الْكٰفِرِيْنَ** عبادتُہم الاصنامَ اوحقيقةُ الدعاءِ **اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ﴿١٤﴾** ضياع **وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا** كالمؤمنين **وَّكَرْهًا** كالمنافقينَ ومن أكرِہَ بالسيفِ **وَّ** يَسجُدُ **ظِلٰلُهُمْ بِالْغُدُوِّ** البكرِ **وَالْاٰصَالِ﴿١٥﴾** العشايا **قُلْ** يا محمدُ لقومِكَ **مَنْ رَّبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ قُلِ اللّٰهُ** اِنْ لم يقولوه لاجوابَ غيرُه **قُلْ** لہم **اَفَاتَّخَذْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖٓ** ای غيرِه **اَوْلِيَآءَ** اصنامًا تعبدُونَہا **لَا يَمْلِكُوْنَ لِاَنْفُسِهِمْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا** وتَركتم مالِكَہم استفہامُ توبيخٍ **قُلْ هَلْ يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ** الكافرُو المؤمنُ **اَمْ هَلْ تَسْتَوِي الظُّلُمٰتُ** الكفر **وَالنُّوْرُ** الايمانُ لا **اَمْ جَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ خَلَقُوْا كَخَلْقِهٖ فَتَشَابَهَ الْخَلْقُ** ای خلقُ الشركاءِ بخلقِ اللّٰهِ تعالٰی **عَلَيْهِمْ** فاعتقدُوا استحقاقَ عبادتِہم بخلقِہم استفہامُ انكارٍ ای ليس الامرُ كذلكَ ولايستحقُ العبادةَ الا الخالقُ **قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ** لا شريكَ له فيه فلا شريكَ له فی العبادةِ **وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ﴿١٦﴾** لعبادِه ثم ضربَ مثلاً للحقِ والباطلِ فقالَ **اَنْزَلَ** تعالٰی **مِنَ السَّمَآءِ مَآءً** مطرًا **فَسَالَتْ اَوْدِيَةٌ بِقَدَرِهَا** بمقدارِ ملئِہا **فَاحْتَمَلَ السَّيْلُ زَبَدًا رَّابِيًا** عالياً عليه ہو ماعلی وجہہ من قذرٍ ونحوِه **وَمِمَّا يُوْقِدُوْنَ** بالتاءِ والياءِ **عَلَيْهِ فِي النَّارِ** من جواہرِ الارضِ كالذہبِ والفضةِ والنحاسِ **ابْتِغَآءَ** طلب **حِلْيَةٍ** زينةٍ **اَوْ مَتَاعٍ** يُنتفعُ به كالاوانی اذا أذيبَتْ **زَبَدٌ مِّثْلُهٗ** ای مثلُ زبدِ السَّيلِ وہوخبثُه الذی ينفيه الكيرُ **كَذٰلِكَ** المذكورُ **يَضْرِبُ اللّٰهُ الْحَقَّ وَالْبَاطِلَ** ای مثلہما **فَاَمَّا الزَّبَدُ** مِنَ السيلِ وما اوقدَ عليه من الجواہرِ **فَيَذْهَبُ جُفَآءً** باطلاً مَرميا به **وَاَمَّا مَا يَنْفَعُ النَّاسَ** من الماءِ والجواہرِ **فَيَمْكُثُ** يبقی **فِي الْاَرْضِ** زمانًا **كَذٰلِكَ** الباطلُ يضمحلُ ويمحقُ وانْ عَلَا علی الحقِ فی بعضِ الاوقاتِ والحقُ ثابتٌ باقٍ كَذلِكَ المذكورُ **يَضْرِبُ** يُبيّنُ **اللّٰهُ الْاَمْثَالَ﴿١٧﴾ لِلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِرَبِّهِمُ** اَجابُوه بالطاعةِ **الْحُسْنٰى** الجنةُ **وَالَّذِيْنَ لَمْ يَسْتَجِيْبُوْا لَهٗ** وہم

الكفار لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ من العذاب اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وهو المواخذة بكل ما عملوه ولا يغفر منه شئ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ الفراش هي.

ترجمہ: اللہ بخوبی جانتا ہے کہ مادہ کس چیز سے حاملہ ہے؟ آیا لڑکا ہے یا لڑکی اور ایک ہے یا متعدد وغیرہ وغیرہ اور مدت حمل میں جو کمی بیشی ہوتی ہے اس کو بھی جانتا ہے ہر چیز اس کے نزدیک مقدار اور تحدید کے ساتھ ہے کہ اس (مقررہ مقدار) سے تجاوز نہیں ہوتا، پوشیدہ اور ظاہر کا جاننے والا ہے وہ عظیم اور اپنی مخلوق پر قوت کے ذریعہ غالب ہے، (المتعال میں) یاء اور بغیر یاء دونوں قراءتیں ہیں تم میں سے کوئی شخص خواہ آہستہ بات کرے یا زور سے، اللہ تعالیٰ کے علم میں سب برابر ہے اور وہ جو رات کی تاریکی میں چھپا ہو اور (یا) دن میں راستہ میں چلنے (پھرنے) کی وجہ سے ظاہر ہو ہر انسان کے ساتھ آگے پیچھے (نگرانی) کے لئے رات دن کی ڈیوٹی والے فرشتے لگے رہتے ہیں جو اللہ کے حکم سے اس کی نگرانی کرتے ہیں، یعنی اس کے حکم سے جن وغیرہ سے حفاظت کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کے حالات کو نہیں بدلتا یعنی اس کی نعمتوں کو سلب نہیں کرتا تا آں کہ وہ خود ان صفات کو نہ بدل دے جو اس میں ہیں یعنی اپنی صفات جمیلہ کو معصیت سے نہ بدل دے، اور جب کسی قوم کے بارے میں عذاب کا فیصلہ کر لیتا ہے تو پھر اسے کوئی نہیں ٹال سکتا خواہ نگران فرشتے ہوں یا اور کوئی اللہ تعالیٰ جن کو سزا دینے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اس کے مقابلہ میں ان کا کوئی حامی نہیں ہوتا کہ ان کو عذاب سے بچا سکے (مِنْ والٍ) میں مِنْ زائدہ ہے وہی ہے جو تمہارے سامنے بجلی چمکاتا ہے جس سے مسافروں کو اندیشہ لاحق ہوتا ہے اور مقیمین کو بارش کی امید ہوتی ہے وہی ہے جو پانی سے بھرے ہوئے بادلوں کو پیدا کرتا ہے اور بادلوں کی گرج کہ وہ ایک فرشتہ ہے جو بادلوں کے چلانے پر مقرر ہے حمد کے ساتھ تسبیح بیان کرتا ہے یعنی وہ سبحان اللہ وبحمدہ کہتا ہے اور فرشتے اس کی یعنی اللہ کی ہیبت سے اس کی تسبیح بیان کرتے ہیں اور وہ بجلیوں کو بھیجتا ہے اور وہ ایک قسم کی آگ ہے جو بادلوں سے نکلتی ہے سو وہ جس پر چاہتا ہے گرا دیتا ہے تو وہ اس کو جلا ڈالتی ہے (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس کو دعوت دینے کے لئے آپ ﷺ نے ایک شخص کو بھیجا، تو اس شخص نے کہا اللہ کا رسول کون؟ اور اللہ کیا؟ آیا وہ سونے کا ہے یا چاندی کا ہے یا تانبے کا ہے تو اس پر (آسمانی) بجلی گری اور اس کی سر کی کھوپڑی کو اچک لے گئی اور کفار اللہ کے بارے میں نبی ﷺ سے جھگڑ رہے ہوتے ہیں فی الواقع وہ زبردست قوت والا یا پکڑ والا ہے اور اللہ تعالیٰ کا کلمہ برحق ہے اور اس کا کلمہ "لا اِلٰہ الا اللّٰہ" ہے اور وہ ہستیاں جن کو وہ پکارتے ہیں اس کے علاوہ اور وہ بت ہیں، بندگی کرتے ہیں ان کو کچھ بھی جواب نہیں دے سکتیں، اس چیز کے بارے میں جس کو وہ طلب کر رہے ہیں ان کو پکارنا تو قبولیت کے بارے میں ایسا ہے کہ کوئی پانی کی طرف ہاتھ پھیلا کر کنویں کے کنارے کھڑے ہو کر پانی سے کہے کہ اے پانی تو کنویں سے نکل کر میرے منہ میں پہنچ جا، حالانکہ وہ پانی اس کے منہ تک کبھی پہنچنے والا نہیں، اسی طرح وہ (اصنام) بھی ان کی پکار کا جواب دینے والے نہیں ہیں اور کافروں کا بتوں کی بندگی کرنا یا حقیقۃً ان کو پکارنا اکارتِ محض ہے (یعنی تیر بے ہدف ہے) (اور

اللہ ہی ہے) کہ جس کے لئے آسمانوں اور زمین کی ہر چیز بخوشی جیسا کہ مومنین اور ناخوشی جیسا کہ منافقین اور وہ جس کو تلوار کے ذریعہ مجبور کر دیا گیا ہو اور سب چیزوں کے سایہ صبح وشام (اللہ کو) سجدہ کرتے ہیں، اے محمد ﷺ اپنی قوم سے پوچھو کہ آسمانوں اور زمین کا رب کون ہے؟ اور اگر وہ جواب نہ دیں تو خود ہی بتادو کہ وہ اللہ ہے، اس لئے کہ اس کے علاوہ کوئی جواب نہیں، (پھر) ان سے کہو کہ (جب حقیقت یہ ہے) تو کیا تم نے اللہ کے غیر (یعنی) بتوں کو کارساز بنالیا جن کی تم بندگی کرتے ہو جو اپنے بھی نفع نقصان کے مالک نہیں اور تم نے نفع نقصان کے مالک کو چھوڑ دیا؟! یہ استفہام توبیخی ہے، (ان سے پوچھو) کیا نابینا اور بینا یعنی کافر اور مومن (اور) کفر کی تاریکی اور ایمان کی روشنی یکساں ہوتی ہے، نہیں ہوتی، اور اگر ایسا نہیں تو کیا انہوں نے اللہ کے ایسے شریک ٹھہرا رکھے ہیں کہ جنہوں نے اللہ کے مانند کچھ پیدا کیا ہے جس کی وجہ سے شرکاء کی پیدا کردہ اللہ کی پیدا کردہ شی ان پر مشتبہ ہوگئی؟ کہ ان کی تخلیق کی وجہ سے ان کو مستحق عبادت یقین کرلیا، یہ استفہام انکاری ہے، یعنی بات ایسی نہیں ہے اور خالق (حقیقی) کے علاوہ کوئی مستحق عبادت نہیں ہے، کہو ہر چیز کا خالق صرف اللہ ہے اس میں اس کا کوئی شریک نہیں، لہٰذا عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں، وہ یکتا ہے (اور) اپنے بندوں پر غالب ہے، پھر حق وباطل کی مثال بیان کرتے ہوئے فرمایا اللہ تعالیٰ نے آسمان سے پانی برسایا تو ندی (نالے) اپنی گنجائش کے مطابق اس کو لے کر بہہ نکلے پھر اس سیلاب نے پانی پر چڑھے جھاگوں کو اٹھالیا وہ سطح آب پر آنے والا کوڑا کرکٹ وغیرہ ہے اور ارضیاتی دھاتوں میں سے مثلاً سونا اور چاندی، اور تانبا جس کو آگ میں تپاتے ہیں زیور بنانے کے لئے یا ساز وسامان بنانے کے لئے تاکہ ان سے استفادہ کیا جائے مثلاً برتن جبکہ اس کو پگھلایا جائے اسی طرح کے یعنی سیلاب کے جھاگوں کے مانند جھاگ ہیں اور وہ، وہ میل ہوتا ہے جس کو بھٹی الگ کر دیتی ہے، مذکورہ مثال کے مانند اللہ تعالیٰ حق وباطل کی مثال بیان کرتا ہے، سیلاب اور پگھلائی ہوئی دھات کے جھاگ تو وہ ناکارہ ہو کر ختم ہو جاتے ہیں یعنی بیکار سمجھ کر پھینک دیا جاتا ہے، اور جس سے لوگ نفع اٹھاتے ہیں کہ وہ پانی اور دھات ہے تو وہ زمین پر ایک زمانہ تک ٹھہر جاتا ہے، اور حق ثابت اور باقی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ مذکورہ مثال کی طرح مثالیں بیان کرتا ہے اور جن لوگوں نے اپنے رب کی حکم برداری کی یعنی اطاعت کے ذریعہ فرمانبرداری کی، ان کے لئے جنت ہے، اور جن لوگوں نے کہ وہ کافر ہیں اس کی حکم برداری نہیں کی اگر ان کے لئے زمین میں جو کچھ ہے اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو اس کو عذاب کے عوض میں دیدیں گے یہی ہیں وہ لوگ جن کے لئے برا حساب ہے اور وہ ان کے تمام اعمال کا مواخذہ ہے اس میں سے کچھ بھی معاف نہیں کیا جائیگا، اور جن کا ٹھکانہ جہنم ہے جو بری جگہ ہے وہ برا بچھونا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اَلْمُتَعَال اسم فاعل واحد مذکر غائب، (تَفَاعُلٌ سے) مصدر تَعَالِیٌ، اَلْمُتَعَال اصل میں المتعالیُ تھا آخر سے یاء حذف ہوگئی، مادہ عُلُوٌّ ہے، یہاں ثلاثی مجرد کو ثلاثی مزید میں لیجانے کا مقصد معنی میں زیادتی کو بیان کرنا ہے، اس کے معنی ہیں

برتر، بزرگ تر، المتعال میں دو قراءتیں ہیں یاء کے ساتھ یعنی المتعالی اور بغیر یاء کے یعنی المتعال.

قَوْلُہٗ: سواءٌ منکم الخ اس میں دو ترکیبیں ہیں، ① سواءٌ خبر مقدم اور مَنْ اَسَرَّ و مَنْ جَهَرَ مبتداء مؤخر۔

سُوَال: جب مبتداء دو ہیں تو خبر بھی تثنیہ لانی چاہئے تھی یعنی سواء ان کہنا چاہئے تھا۔

جَوَاب: سواء چونکہ مصدر بمعنی مستو ہے لہٰذا اس میں واحد تثنیہ جمع سب برابر ہیں، ② سواء مبتداء اور اَسَرَّ القولَ الخ اس کی خبر۔

سُوَال: سواء نکرہ ہے اس کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

جَوَاب: سواء کی صفت چونکہ منکم موجود ہے لہٰذا اس میں تخصیص پیدا ہوگئی جس کی وجہ سے سواءٌ کا مبتداء بننا درست ہوگیا۔

قَوْلُہٗ: سارِبٌ یہ سربٌ سے اسم فاعل ہے بمعنی، راہ میں چلنے والا، گلیوں میں پھرنے والا، سارب کی جمع سَرْبٌ ہے جیسا کہ راکبٌ کی جمع رَکْبٌ آتی ہے سارِبٌ کا عطف من هو مستخفٍ پر ہے نہ کہ مستخفٍ پر۔

قَوْلُہٗ: معقِّبات یہ اسم فاعل کا صیغہ ہے اور مُعَقِّبَةٌ کی جمع ہے (تفعیل) سے تعقیب مصدر ہے، باری باری سے روز وشب میں آنے والے فرشتے۔ (بیضاوی، و کبیر)

قَوْلُہٗ: تَعْتَقِبُ اس میں اشارہ ہے کہ مُعَقِّبَاتٌ اِعْتَقَبَ سے ہے، اصل میں مُتَعَقِّبَاتٌ تھا تاء کو قاف میں ادغام کردیا وہ ملائکہ جو آمد ورفت میں ایک دوسرے کا تعاقب کرتے ہیں، مراد وہ ملائکہ ہیں جو شب وروز میں ڈیوٹی بدلتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: مَرَدَّ، اسم فعل، ٹالنا، لوٹانا۔

قَوْلُہٗ: مِنْ والٍ، مِنْ زائدہ ہے وَال اسم فاعل اصل میں والیٌ تھا (ض) یاء حذف کردی گئی، مددگار، حمایتی۔

قَوْلُہٗ: خوفًا وطمعًا، بعض لوگوں نے کہا ہے کہ دونوں مصدریت کی وجہ سے منصوب ہیں تقدیر عبارت یہ ہے، لتخافوا خوفًا، ولتطمعوا طمعًا، اور کہا گیا ہے یہ دونوں یُریکم کے کاف سے حال ہیں، ای حَالَ کو نکم خائفین وطامعین، ابوالبقاء نے کہا ہے کہ یہ دونوں اپنے اپنے فعلوں کے مفعول بھی ہوسکتے ہیں، (مگر زمخشری نے انکار کیا ہے) اور بعض حضرات نے اَلْبَرْق سے بھی حال قرار دیا ہے۔ (اعراب القرآن للدرویش)

قَوْلُہٗ: تُسَبِّحُ اس میں اشارہ ہے کہ الملائکة کا عطف الرَّعد پر ہے نہ کہ قریب پر۔

قَوْلُہٗ: بقحف، قُحف کھوپڑی، کاسۂ سر (جمع) اقحاف، قُحوف.

قَوْلُہٗ: ای کلمة اس میں اشارہ ہے کہ دعوت دعاء کے معنی میں نہیں ہے اور نہ بمعنی اَلدَّعوة المجابة کے معنی میں ہے۔

قَوْلُہٗ: اِستجابة.

سُوَال: استجابة مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَاب: دو وجہ سے اول یہ کہ مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ کی جنس سے ہوجائے اسلئے کہ مستثنیٰ متصل ہی اصل ہے، اور مستثنیٰ منہ استجابة

ہے جو یستجیبون سے مفہوم ہے اسلئے کہ فعل مصدر پر دلالت کرتا ہے دوسرے یہ کہ اگر استجابة کو مقدر نہ مانا جائے تو تشبیہ اعرض بالذات لازم آئے گی جو کہ جائز نہیں ہے، اسلئے کہ استجابة عرض ہے اور بواسطہ کفیه ذات، بتوں سے مراد مانگنے والے کو اس شخص سے تشبیہ دی گئی ہے جو پانی سے کہہ رہا ہو کہ اے پانی تو میرے منہ میں آجا ظاہر ہے کہ یہ حماقت وسفاہت ہے اسلئے کہ پانی جماد ہے اس میں کسی کی فریاد سننے کی صلاحیت نہیں ہے، اسی طرح وہ شخص جو بتوں سے مرادیں مانگ رہا ہے وہ بھی سفیہ اور احمق ہے اسلئے کہ بت بھی جماد بے حس ہیں۔

قِوْلَهُ: غُدُوٌّ، غداة کی جمع ہے، صبح کا وقت۔

قِوْلَهُ: الآصال، یہ اصیل کی جمع ہے شام کا وقت۔

قِوْلَهُ: جُفَاءٌ بروزن غُرابٌ، باطل، بے فائدہ یقال، جَفَاالوادی والقدرُ یعنی وادی (ندی) اور ہانڈی نے جھاگ باہر نکالدیئے۔

قِوْلَهُ: اجابوه بالطاعة اس میں اشارہ ہے کہ استجابوا (استفعال) افعال کے معنی میں ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ یہاں طلب کے معنی مقصود نہیں ہیں۔

قِوْلَهُ: الجنة، اس کے اضافہ سے اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے الحُسْنٰی الجنة محذوف کی صفت ہے الجنةُ الحُسْنٰی، مبتداء مؤخر اور للذین الخ خبر مقدم ہے۔

تفسیر وتشریح

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى (الآية) رحم مادر میں کیا ہے؟ نر ہے یا مادہ، خوبصورت ہے بدصورت، خوش نصیب ہے یا بدنصیب، نیک ہے یا بد، طویل العمر ہے یا قصیر العمر، ناقص تولد ہوگا یا کامل، یہ سب باتیں صرف اللہ ہی جانتا ہے اس کا علم بلا واسطہ ہے، نہ کسی آلہ کا محتاج اور نہ ذریعہ کا۔ غرضیکہ وہ ہر ذرہ کے بدلتے ہوئے حالات سے واقف ہے، قرائن اور تخمینہ سے کوئی حکیم یا ڈاکٹر جو کچھ اس معاملہ میں رائے دیتا ہے اس کی حیثیت ایک گمان اور اندازہ کی ہوتی ہے بسا اوقات واقعہ اس کے خلاف نکلتا ہے، الٹراساؤنڈ یا ایکسرے مشین کے ذریعہ حاصل ہونے والی معلومات بھی یقینی نہیں ہوتیں ان کا غلط ہونا بھی تجربہ اور مشاہدہ سے ثابت ہے اس کے علاوہ مشینوں کے ذریعہ معلومات حاصل کرنا ایک قسم کے مشاہدہ سے حاصل ہونے والا علم ہے جیسا کہ کوئی آپریشن کر کے نر و مادہ ہونے کو متعین کر لے، اس کا علم غیب سے کوئی تعلق نہیں غیب سے مراد وہ چیز ہے جو انسانی حواس سے غائب ہو یعنی نہ آنکھوں سے اور نہ آلات سے اس کو دیکھا جاسکے اور نہ کانوں اور آلات سے اسے سنا جاسکے اور نہ ناک سے سونگھا جاسکے اور نہ زبان سے چکھا جاسکے اور نہ ہاتھوں سے چھوا جاسکے، اور شہادت سے اس کے بالمقابل وہ چیزیں مراد ہیں کہ جو انسانی حواس مذکورہ کے ذریعہ معلوم کیا جاسکے مطلب یہ ہے کہ اس قسم کا علم غیب خاص اللہ تعالیٰ ہی کی صفت ہے، اللہ تعالیٰ غائب کو اسی طرح جانتا ہے جس طرح حاضر و مشاہد کو جانتا ہے، عمومی حالات میں بچہ کے رحم مادر میں رہنے کی مدت ۲۸۰ دن ہوتی اگر

کوئی عارض پیش نہ آئے۔

لہ مُعَقِّبٰتٌ مِنۢ بین یَدَیْهِ وَمِنْ خلفِهٖ (الآیۃ) یعنی بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو ہر حال میں براہِ راست خود دیکھ رہا ہے اور ہر ذرہ کی تمام حرکات وسکنات سے واقف ہے، بلکہ مزید براں اللہ کے مقرر کئے ہوئے نگرانِ کار بھی ہر شخص کے ساتھ لگے ہوئے ہیں اور اس کے پورے کارنامۂ زندگی کا رکارڈ محفوظ کرتے جاتے ہیں، بخاری شریف کی روایت ہے کہ رات اور دن کے نگران فرشتے الگ الگ ہیں ان کی ڈیوٹی صبح فجر کی نماز کے بعد اور عصر کے بعد تبدیل ہوتی ہے۔

فَلا مَرَدَّ له وَمَا لَهُمْ من دونهٖ من والٍ، یعنی کسی کو بھی اس غلط فہمی میں نہ رہنا چاہئے کہ کوئی پیر یا فقیر یا کوئی جن یا فرشتہ ایسا زور آور ہے کہ تم خواہ کچھ بھی کرتے رہو وہ تمہاری نذروں اور نیازوں کی رشوت لے کر تم کو تمہارے برے اعمال کی پاداش سے بچالے گا۔

اِنَّ اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتی یغیّروا ما بانفسهِمْ (الآیۃ) اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب تک کوئی کفرانِ نعمت کا راستہ اختیار کرکے اور اللہ کے اوامر ونواہی سے اعراض کرکے اپنے احوال واخلاق کو نہیں بدل لیتا اللہ تعالیٰ اس پر اپنی نعمتوں کا دروازہ بند نہیں فرماتے یعنی ان کے امن وعافیت کو آفت ومصیبت میں اس وقت تک تبدیل نہیں کرتے جب تک وہ قوم خود ہی اپنے اعمال واحوال کو برائی اور فساد میں تبدیل نہ کرے ورنہ تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا طرز عمل بدل دیتے ہیں۔

اس تشریح سے معلوم ہوا کہ آیت مذکورہ میں تغیر احوال سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی قوم اطاعت وشکر گذاری چھوڑ کر اپنے حالات میں بری تبدیلی پیدا کرلے تو اللہ تعالیٰ بھی اپنا حفاظت ورحمت کا طرز بدل دیتے ہیں۔

اس آیت کا عام طور پر جو یہ مفہوم بیان کیا جاتا ہے کہ کسی قوم میں اچھا انقلاب اس وقت تک نہیں آتا جبتک وہ خود اچھے انقلاب کے لئے اپنے حالات کو درست نہ کرے، اسی مفہوم میں یہ شعر مشہور ہے۔

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی ۔۔۔ نہ ہو جس کو خیال خود اپنی حالت کے بدلنے کا

یہ بات اگرچہ ایک حد تک صحیح ہے مگر آیت مذکور کا یہ مفہوم نہیں ہے، اور اس کا صحیح ہونا بھی ایک عام قانون کی حیثیت سے ہے جو شخص خود اپنے حالات کی اصلاح کا ارادہ نہیں کرتا اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی اس کی امداد ونصرت کا وعدہ نہیں، بلکہ یہ وعدہ اسی حالت میں ہے کہ جب خود اصلاح کی فکر کرے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھی ہدایت کے راستے تب ہی کھلتے ہیں جب خود ہدایت کی طلب موجود ہو، لیکن انعاماتِ الٰہیہ اس قانون کے پابند نہیں بسا اوقات اس کے بغیر بھی عطا ہوجاتے ہیں۔ (معارف)

هو الَّذِیْ یُرِیکم البرق (الآیۃ) یعنی اللہ ہی کی ذات پاک ہے کہ جو تم کو برق وبجلی دکھلاتی ہے جو انسان کے لئے خوف بھی بن سکتی ہے کہ جس جگہ پڑ جائے سب کچھ خاک کر ڈالے، اور طمع وامید بھی ہوتی ہے کہ بجلی کی چمک کے بعد بارش آئے گی، جو انسانوں کی زندگی کا سہارا ہے۔

لہٗ دعوۃ الحق (الآیۃ) یعنی امید وبیم کے وقت اسی ایک خدا کو پکارنا چاہئے کیونکہ وہی ہر ایک کی پکار سنتا ہے اور قبول کرتا

ہے یہاں دعوت عبادت کے معنی میں ہے یعنی اس کی عبادت حق اور صحیح ہے، اس کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں، کیونکہ کائنات کا خالق و مالک اور مدبر و متصرف صرف وہی ہے اس لئے عبادت بھی صرف اسی کا حق ہے، اور دعوۃ کے معنی کلمہ کے بھی ہیں جیسا کہ مفسر علام نے صراحت کی ہے۔

اور جو لوگ اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کو مدد کے لئے پکارتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص کنوئیں کی مَن (کنارے) پر کھڑا ہو کر اور دونوں ہاتھ پھیلا کر پانی سے کہے کہ اے پانی تو میرے منہ تک آجا! ظاہر بات ہے کہ پانی جامد اور لاشعور چیز ہے اسے یہ پتہ ہی نہیں کہ ہاتھ پھیلانے والا پیاسا ہے اور نہ اسے یہ پتہ کہ یہ ہاتھ پھیلانے والا مجھ سے اپنے منہ تک پہنچنے کا مطالبہ کر رہا ہے، اور نہ اس میں یہ قدرت کہ اپنی جگہ سے حرکت کر کے اس کے منہ تک پہنچ جائے، اسی طرح یہ مشرک اللہ کے سوا جن بتوں کو پکارتے ہیں انہیں نہ یہ پتہ کہ کوئی انہیں پکار رہا ہے اور اس کی فلاں حاجت ہے اور نہ اس حاجت روائی کی ان میں قدرت ہی ہے۔

اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَسَالَتْ اَوْدِیَةٌ بِقَدَرِهَا، اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے تشبیہ و تمثیل کے پیرایہ میں حق و باطل کی حقیقت واضح کی ہے سورۂ بقرہ کے آغاز میں بھی منافقین کے لئے مثالیں بیان فرمائی ہیں، مثال سے مقصد بات کو اچھی طرح ذہن نشین کرانا ہے۔

حق و باطل کی مثال:

اس آیت میں مذکورہ مثال کا خلاصہ یہ ہے کہ نزول قرآن کو جو ہدایت اور بیان جامع ہے بارش کے نزول سے تشبیہ دی ہے، اسلئے کہ قرآن کا نفع بھی بارش کے نفع کی طرح عام ہے اور وادیوں کو دل سے تشبیہ دی ہے اسلئے کہ بارش کا پانی وادیوں اور ندی نالوں میں جا کر جمع ہوتا ہے اور بقدر وسعت پانی لے کر رواں ہو جاتا ہے، جس طرح قرآن مومنوں کے دلوں میں قرار پکڑتا ہے۔

دونوں مثالوں کا حاصل یہ ہے کہ جیسا ان مثالوں میں میل کچیل برائے چندے (وقتی طور پر) اصلی چیز کے اوپر چڑھا ہوا نظر آتا ہے لیکن انجام کار وہ پھینک دیا جاتا ہے اور اصلی چیز رہ جاتی ہے اسی طرح باطل گو چند روز حق کے اوپر نظر آئے لیکن آخر کار باطل محو اور مغلوب ہو جاتا ہے اور حق باقی اور ثابت رہتا ہے۔

اسی طرح جب سونے چاندی وغیرہ کو بھٹی میں تپایا جاتا ہے تو میل کچیل اوپر آکر اچھل کود شروع کر دیتا اور بڑی شان کے ساتھ کچھ دیر کے لئے اصل دھات پر چڑھ جاتا ہے اور سطح پر وہی نظر آتا ہے مگر کچھ ہی دیر کے بعد کوڑے دان کی نذر ہو جاتا ہے، اسی طرح باطل بظاہر کچھ دیر کے لئے حق کو مغلوب کر لیتا ہے مگر کچھ مدت کے بعد حق باطل سے اس طرح ٹکراتا ہے کہ باطل کا بھیجہ پاش پاش کر دیتا ہے۔

اُولٰئِكَ لهم سوء الحساب، بُری حساب فہمی یا سخت حساب فہمی کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کی خطاء اور کسی لغزش کو معاف نہ کیا جائے اور ہر قصور پر مواخذہ کیا جائے۔

قرآن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس قسم کا محاسبہ اپنے ان بندوں سے کرے گا جو اس کے باغی بن کر دنیا میں رہے ہیں، بخلاف ان کے جنہوں نے اپنے خدا سے وفاداری کی ہے ان سے حساب یسیر یعنی ہلکا حساب لیا جائیگا، اور ان کی خدمات کے مقابلہ میں ان کی خطاؤں کو درگذر کیا جائیگا اور ان کے مجموعی طرز عمل کی بھلائی کو ملحوظ رکھ کر ان کی بہت سی کوتاہیوں سے صرف نظر کر لیا جائیگا اس کی مزید توضیح اس حدیث سے ہوتی ہے جو حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا سے ابوداؤد میں مروی ہے، حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے نزدیک کتاب اللہ میں سب سے زیادہ خوفناک آیت وہ ہے جس میں ارشاد ہے "**من يعمل سوءً ا يجزبه**" جو شخص کوئی برائی کرے گا وہ اس کی سزا پائیگا، اس پر حضور نے فرمایا، عائشہ، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ خدا کے مطیع و فرمانبردار بندے کو دنیا میں جو تکلیف بھی پہنچتی ہے، حتیٰ کہ اگر کوئی کانٹا بھی اس کو چبھتا ہے تو اللہ اسے اس کے کسی قصور کی سزا قرار دیکر دنیا ہی میں اس کا حساب صاف کر دیتا ہے، آخرت میں تو جس سے بھی محاسبہ ہوگا وہ سزا پا کر رہے گا، حضرت عائشہ نے عرض کیا پھر اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کا مطلب کیا ہے؟ "**فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَسِيْرًا**" جس کا اعمال نامہ اس کے سیدھے ہاتھ میں دیا جائیگا اس سے ہلکا حساب لیا جائیگا، حضور نے جواب دیا اس سے مراد صرف پیشی ہے مگر جس سے باز پرس ہوئی وہ تو مارا گیا۔

ونَزَل في حمزة وأبي جهل **اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ** فامنَ به **كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى** لا يعلمه ولا يؤمن به لا **اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ** يَتعظُ **اُولُوا الْاَلْبَابِ** اصحابُ العقول **الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ** المأخوذِ عليهم وبم في عالم الذرّ أو كلُّ عهدٍ **وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ** بتركِ الايمان او الفرائض **وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ** من الايمانِ والرحمِ وغيرِ ذلك **وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ** اي وعيدَه **وَيَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ** تقدَّمَ مثلُه **وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا** على الطاعةِ والبلاءِ وعن المعصيةِ **ابْتِغَآءَ** طلبَ **وَجْهِ رَبِّهِمْ** لا غيرِه مِنْ اغراضِ الدُّنيا **وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا** في الطاعةِ **مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ** يدفعونَ **بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ** كالجهلِ بالحِلمِ والاذى بالصبرِ **اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ** اي العاقبةُ المحمودةُ في الدارِ الآخرةِ هي **جَنّٰتُ عَدْنٍ** اقامةٍ **يَدْخُلُوْنَهَا** هم **وَمَنْ صَلَحَ** امنَ **مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَاَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ** وان لم يعمَلُوا بعملِهم يكونُونَ في درجاتِهم تكرمةً لهم **وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ** من ابوابِ الجنةِ او القصورِ اولَ دخولِهم للتهنيةِ يقولونَ **سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ** هذا الثوابُ **بِمَا صَبَرْتُمْ** بصبرِكُم في الدنيا **فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ** عُقباكم **وَالَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ** بالكفرِ والمعاصي **اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ** البعدُ من رحمةِ اللهِ **وَلَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ** اي العاقبةُ السيئةُ في الدارِ الآخرةِ وهي جهنمُ **اَللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يوسِّعُه **لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ** يُضيقُه لِمَنْ يشاءُ **وَفَرِحُوْا** اي اهلُ مكةَ فرحَ بطرٍ **بِالْحَيٰوةِ الدُّنْيَا** اي بما نالُوه فيها **وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا فِي** جنبِ حيوةِ **الْاٰخِرَةِ اِلَّا مَتَاعٌ** شيٌ قليلٌ يتمتَّعُ به ويذهبُ

ترجمہ: اور (آئندہ آیت) (حضرت) حمزہ اور ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئی، کیا وہ شخص کہ جو یہ علم رکھتا ہو کہ آپ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے جو اتارا گیا ہے وہ حق ہے اور اس پر ایمان بھی رکھتا ہے اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو اندھا ہو، کہ نہ اس کو جانتا ہو اور نہ اس پر یقین رکھتا ہو، نہیں، نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہوتے ہیں، جو اللہ کے عہد (پیمان) کو پورا کرتے ہیں جو ان سے اس وقت لیا گیا تھا کہ جب وہ عالم ذر (یعنی چیونٹیوں) کی شکل میں تھے یا مطلقاً کسی عہد کو نہیں توڑتے، اور وہ ایمان یا فرائض کو ترک کر کے عہد کو توڑتے نہیں ہیں، اور جو اس کو جوڑتے ہیں جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اور وہ (جس کا حکم دیا ہے) ایمان لانا ہے اور صلہ رحمی کرنا ہے وغیرہ وغیرہ، اور اپنے رب سے ڈرتے ہیں یعنی اس کی وعید سے، اور بُرے حساب سے ڈرتے ہیں (اس جیسی آیت) سابق میں گذر چکی ہے، اور وہ اپنے رب کی رضامندی کی طلب کے لئے نہ کہ دنیاوی کسی غرض کے لئے طاعت پر اور مصیبت پر اور معصیت سے باز رہنے پر صبر کرتے ہیں اور نمازوں کو برابر قائم رکھتے ہیں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے طاعت میں ظاہر اور پوشیدہ طور پر خرچ کرتے ہیں، اور برائی کو بھلائی سے دفع کرتے ہیں مثلاً جہل کو بردباری سے اور تکلیف کو صبر سے یہی تو ہیں وہ جن کے لئے آخرت کا گھر ہے، یعنی دار آخرت میں اچھا انجام وہ جنت ہے جس میں وہ مقیم رہیں گے جہاں وہ خود بھی جائیں گے اور ان کے آباء اور ازواج اور اولاد میں سے جو ایمان لائے ہوں گے وہ بھی جائیں گے اگرچہ انہوں نے ان کے جیسا عمل نہ کیا ہو وہ بھی ان ہی کے درجوں میں ہوں گے اور یہ ان کے اکرام کے طور پر ہوگا، اور فرشتے ان کے پاس جنت کے ہر دروازہ سے آئیں گے یا محفلوں کے ہر دروازہ سے آئیں گے، فرشتوں کا دخول اوّلی مبارکبادی کے لئے ہوگا وہ کہیں گے تمہارے اوپر سلامتی ہو یہ اجر وثواب تم کو اس صبر کے بدلے میں ہے کہ جو تم نے دنیا میں کیا، کیا ہی اچھا بدلہ ہے تمہارے لئے دار آخرت کا اور جو لوگ اللہ کے عہد کو اس کی پختگی کے بعد توڑتے ہیں اور جس کو اللہ نے جوڑنے کا حکم دیا ہے، اسے توڑتے ہیں، اور کفر و معاصی کے ذریعہ زمین میں فساد برپا کرتے ہیں یہی وہ لوگ ہیں جن کے اوپر لعنت ہے (یعنی) اللہ کی رحمت سے دوری ہے، اور ان کے لئے برا گھر ہے، یعنی آخرت میں ان کے لئے برا انجام ہے اور وہ جہنم ہے، اللہ جس کی روزی چاہتا ہے بڑھا دیتا ہے اور جس کی چاہتا ہے گھٹا دیتا ہے اور اہل مکہ تو دنیوی زندگی میں اترا کر مست ہوگئے، یعنی اس پر جو ان کو دنیوی زندگی میں حاصل ہوا اور دنیوی زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلہ میں نہایت حقیر پونجی ہے، اس سے استفادہ کرتا ہے اور (پھر) چھوڑ کر (دنیا سے) رخصت ہوجاتا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: اَفَمَنْ یَعْلَمُ ہمزہ فعلِ محذوف پر داخل ہے اور فاء عاطفہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے أیستوی المؤمن والکافر فمن یعلم الخ.

قولہ: لا اس میں اشارہ ہے کہ استفہام انکاری بمعنی نفی ہے۔

قولہ: اُولٰئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدار یہ جملہ الذین صبروا مبتداء کی خبر ہے۔

قولہ: هِیَ اس میں اشارہ ہے کہ جنّٰتُ عدنٍ مبتداء محذوف کی خبر ہے نہ کہ عُقْبَى الدار سے بدل جیسا کہ بعض لوگوں نے کہا ہے۔

قولہ: یدخلونَهاهم۔

سوال: هم مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: تا کہ مَنْ صَلحَ کا عطف یدخلونها کی ضمیر پر درست ہو جائے، اسلئے کہ ضمیر مرفوع متصل پر عطف کے لئے ضمیر منفصل کے ذریعہ تاکید لانا ضروری ہوتا ہے۔

قولہ: یقولون، یقولون کو مقدر ماننا تا کہ کلام مربوط و منظم ہو جائے۔

قولہ: بما نالوا فیها، یعنی دنیوی زندگی تو ہر شخص کو حاصل ہے نفس زندگی پر اترانا مراد نہیں ہے بلکہ دنیاوی زندگی میں ان کو جو کچھ حاصل ہوا اس پر اترانا اور بے جا فخر کرنا مراد ہے۔

تفسیر و تشریح

اَفَمَنْ يَعْلَمُ اَنَّمَا انزلَ الیك الخ یعنی ایک وہ شخص جو قرآن کی حقانیت اور صداقت پر یقین رکھتا ہو اور دوسرا اندھا ہو یعنی اسے قرآن کی صداقت میں شک ہو، کیا دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟! استفہام انکار کے لئے ہے یعنی یہ اسی طرح برابر نہیں ہو سکتے جس طرح جھاگ پانی کے، اور سونا چاندی اور ان کا میل کچیل برابر نہیں ہو سکتے۔

اور جن کے پاس عقل سلیم اور قلب صحیح نہ ہو اور انہوں نے اپنے دلوں کو گناہوں کی کثافت سے آلودہ اور اپنی عقلوں کو خراب کر لیا ہو وہ اس قرآن سے نصیحت حاصل نہیں کر سکتے، الذین یؤمنون بعهد اللّٰه الخ یہ اہل دانش کی صفات بیان کی جا رہی ہیں۔

سوال: اللہ کے عہد سے کیا مراد ہے۔

جواب: اللہ کے عہد سے مراد اس کے احکام (اوامر و نواہی) ہیں جنہیں وہ بجالاتے ہیں، یا وہ عہد ہے جو عہد الست کہلاتا ہے، اور عہد و پیمان میں وہ قول و قرار بھی داخل ہیں جنہیں لوگ آپس میں کرتے ہیں۔

اور اہل دانش کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ کسی سے بھی کئے گئے عہد و میثاق کی خلاف ورزی نہیں کرتے ان میں وہ عہد و پیمان بھی شامل ہیں جو اللہ سے کئے ہیں اور وہ بھی جو اللہ کے رسول کے لئے ہوں اور آپسی عہد و معاہدے بھی۔

وَالذین یَصِلون ما اَمر اللّٰه به الخ یعنی رشتوں اور قرابتوں کو توڑتے نہیں ہیں بلکہ ان کو جوڑتے اور قائم رکھتے ہیں

مشہور تفسیر تو یہی ہے کہ رشتہ داری کے تعلقات کو قائم رکھتے ہیں اوران کے تقاضوں پر عمل کرتے ہیں، اور بعض حضرات نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ یہ لوگ ایمان کے ساتھ عمل صالح کرتے ہیں یا آنحضرت ﷺ اور قرآن پر ایمان رکھنے کے ساتھ ساتھ پچھلے انبیاء اوران کی کتابوں پر ایمان کو ملا دیتے ہیں۔ (معارف)

اللہ کی نافرمانیوں اور گناہوں سے بچتے ہیں تکلیفوں اور آزمائشوں پر صبر کرتے ہیں، اور حدود اللہ سے تجاوز کر کے من مانی زندگی بسر نہیں کرتے، اور جب خرچ کرنے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اپنوں اور بیگانوں میں امتیاز کئے بغیر علانیہ اور پوشیدہ طور پر خرچ کرتے ہیں اور اگر کوئی ان کے ساتھ برائی سے پیش آتا ہے وہ بھلائی سے پیش آتے ہیں یا عفو درگذر اور صبر جمیل سے کام لیتے ہیں۔

یدخلونها و من صلح (الآیة) یعنی اس طرح اللہ تعالیٰ قرابتداروں کو جمع کر دے گا تاکہ ایک دوسرے کو دیکھ کر ان کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں حتی کے ادنیٰ درجہ کے جنتی کو اعلیٰ درجہ عطا فرمادے گا تاکہ وہ اپنے قرابتداروں کے ساتھ جمع ہو جائیں اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نیک رشتہ داروں کو جمع فرمادے گا اور جس کے پاس ایمان کو پونجی نہیں ہوگی وہ جنت میں نہیں جائیگا خواہ وہ جنتی کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں۔

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ اهلِ مكةَ **لَوْلَا** هلَّا **أُنزِلَ عَلَيْهِ** على محمدٍ **آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ** كالعصا واليدِ والناقةِ **قُلْ** لهم **إِنَّ اللَّهَ يُضِلُّ مَن يَشَاءُ** اضلالَه فلا تُغنِي الآياتُ عنه شيئًا **وَيَهْدِي** يُرشِدُ **إِلَيْهِ** إلى دينِه **مَنْ أَنَابَ** رجعَ اليه ويُبدلُ مِنْ مَن **الَّذِينَ آمَنُوا وَتَطْمَئِنُّ** تسكنُ **قُلُوبُهُم بِذِكْرِ اللَّهِ** اى وعدِه **أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ** اى قلوبُ المؤمنين **الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ** مبتدأ خبرُه **طُوبَىٰ** مصدرٌ من الطيبِ اوشجرةٌ فى الجنةِ يسيرُ الراكبُ فى ظلها مائةَ عامٍ ما يقطعُها **لَهُمْ وَحُسْنُ مَآبٍ** مرجعٍ **كَذَٰلِكَ** كما ارسلنا الانبياءَ قبلكَ **أَرْسَلْنَاكَ فِي أُمَّةٍ قَدْ خَلَتْ مِن قَبْلِهَا أُمَمٌ لِّتَتْلُوَ** تقرأَ **عَلَيْهِمُ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ** اى القرانَ **وَهُمْ يَكْفُرُونَ بِالرَّحْمَٰنِ** حيثُ قالُوا لمّا أُمروا بالسجودِ لهُ وما الرحمنُ **قُلْ** لهم يا محمدُ **هُوَ رَبِّي لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَإِلَيْهِ مَتَابِ** ونزلَ لمّا قالُوا له ان كنتَ نبيًّا فسيِّرْ عنّا جبالَ مكةَ واجعلْ لنا فيها انهارًا وعيونًا لِنغرسَ ونزرعَ وابعثْ لنا ابائَنا الموتى يُكلِّمونا انّكَ نبيٌّ **وَلَوْ أَنَّ قُرْآنًا سُيِّرَتْ بِهِ الْجِبَالُ** نُقلتْ عن اماكنِها **أَوْ قُطِّعَتْ** شُقِّقتْ **بِهِ الْأَرْضُ أَوْ كُلِّمَ بِهِ الْمَوْتَىٰ** بأن يحيوا لما آمنُوا **بَل لِّلَّهِ الْأَمْرُ جَمِيعًا** لا بغيرِه فلا يُؤمِنُ الّا مَنْ يشاءُ اللهُ ايمانَه دونَ غيرِه وان أُوتوا ما اقترحُوا ونزلَ لما ارادَ الصحابةُ اظهارَ مااقترحُوا طمعًا فى ايمانِهم **أَفَلَمْ يَيْأَسِ** يَعلَمِ **الَّذِينَ آمَنُوا أَن** مخففة اى أنّهُ **لَّوْ يَشَاءُ اللَّهُ لَهَدَى النَّاسَ جَمِيعًا** الى الايمانِ من غيرِ آيةٍ **وَلَا يَزَالُ الَّذِينَ كَفَرُوا** من اهلِ مكةَ **تُصِيبُهُم بِمَا صَنَعُوا** بصُنعِهم اى بكفرِهم **قَارِعَةٌ** داهيةٌ تقرعُهم بصنوفِ البلاءِ من القتلِ والاسرِ والحربِ

والجدب أَوْتَحُلُّ یا محمدُ بجیشك قَرِیْبًا مِّنْ دَارِهِمْ مكة حَتّٰى یَأْتِیَ وَعْدُ اللّٰهِ بالنصر علیهم إِنَّ اللّٰهَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ ﴿۳۱﴾ وقد حلّ بالحُدیبیة حتی اتی فتحُ مكّةَ.

ترجمہ: اور اہل مکہ میں سے کافر کہتے ہیں کہ محمد ﷺ پر اس کے رب کی طرف سے کوئی نشانی (معجزہ) عصا اور ید بیضاء اور ناقۂ صالح جیسی کیوں نہیں اتاری گئی؟ ان سے کہہ دو کہ اللہ جس کو گمراہ کرنا چاہتے ہیں اس کو بے راہ کر دیتے ہیں نشانیاں (معجزات) اس کو کچھ بھی فائدہ نہیں دیتے، اور جو اس کی طرف رجوع کرتا ہے اس کی اپنے دین کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور مَنْ سے اَلَّذِیْنَ آمنوا، بدل ہے، جو لوگ ایمان لائے ان کے قلوب اللہ کے ذکر یعنی اس کے وعدہ سے اطمینان حاصل کرتے ہیں، یاد رکھو اللہ کے ذکر سے ہی مومنوں کے دلوں کو تسلی ہوتی ہے جو لوگ ایمان لائے اور نیک عمل بھی کئے ان کے لئے خوشحالی ہے اور بہترین ٹھکانہ ہے (اَلَّذِیْنَ آمنوا) مبتداء ہے اور (طوبی) اس کی خبر ہے (طوبی) الطیب سے مصدر ہے یا جنت میں ایسا درخت ہے کہ (گھوڑ) سوار اس کے سایہ میں سو سال تک چلے گا تب بھی اس کی مسافت طے نہ کر سکے گا، یعنی جس طرح آپ سے پہلے ہم نے انبیاء بھیجے اسی طرح ہم نے آپ کو ایسی امت میں بھیجا ہے کہ جس سے پہلے بہت سی امتیں گذر چکی ہیں تاکہ آپ ﷺ ان کو وہ قرآن پڑھ کر سنائیں جس کو ہم نے آپ کی طرف بذریعہ وحی بھیجا ہے، یہ رحمٰن کے منکر ہیں اسلئے کہ جب ان سے کہا گیا کہ رحمٰن کو سجدہ کرو، تو انہوں نے کہا رحمٰن کیا چیز ہے؟ آپ کہئے کہ میرا پروردگار تو وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی پر میرا بھروسہ ہے اور اسی کی طرف میرا رجوع ہے، اور (آئندہ آیت اس وقت) نازل ہوئی کہ جب کفار مکہ نے آپ ﷺ سے کہا اگر تم نبی ہو تو مکہ کے پہاڑوں کو ہمارے یہاں سے ہٹا دو اور ہمارے لئے مکہ میں نہریں اور چشمے جاری کر دو، تاکہ ہم درخت لگائیں اور کھیتی کریں اور ہمارے مردہ آباء و اجداد کو زندہ کر دو تاکہ وہ ہمیں بتائیں کہ تم اللہ کے نبی ہو، اور اگر بالفرض کوئی قرآن ایسا ہوتا کہ جس کے ذریعہ پہاڑ اپنی جگہ سے منتقل کر دیئے جاتے یا زمین کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جاتے یا اس کے ذریعہ مُردوں سے باتیں کرادی جاتیں بایں طور کہ ان کو زندہ کر دیا جاتا، تو پھر بھی یہ ایمان نہ لاتے، بلکہ پورا اختیار اللہ ہی کو ہے نہ کہ کسی اور کو، تو بھی کوئی ایمان نہ لاتا مگر وہی جس کے ایمان کو اللہ چاہتا نہ کہ دوسرا، اگرچہ ان کی مطلوبہ نشانیاں دکھا دی جاتیں، اور (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جبکہ صحابہ نے اہل مکہ کے ایمان کی خواہش کرتے ہوئے ان کی مطلوبہ نشانیوں کو ظاہر کرنے کی تمنا کی تو کیا ایمان والے اس بات کو نہیں جانتے کہ بات یہ ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو بغیر نشانی کے سب لوگوں کو ایمان کی ہدایت دیدیتا اور کافروں (یعنی) اہل مکہ پر ان کے کرتوتوں یعنی کفر کی بدولت مختلف قسم کے ایسے حوادث مسلسل پہنچتے رہیں گے جو ان کو جھنجوڑتے رہیں گے مثلاً قتل اور قید اور جنگ اور خشک سالی اے محمد آپ اپنے لشکر کے ساتھ مکہ کے قریب (حدیبیہ میں) نزول فرمائیں گے یہاں تک ان کے خلاف اللہ کا نصرت کا وعدہ آجائے یقیناً اللہ (اپنے) وعدہ کے خلاف نہیں کرتا اور آپ نے حدیبیہ میں نزول فرمایا یہاں تک کہ مکہ کی فتح آگئی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: هَلَّا، لَوْلَا کی تفسیر هَلَّا سے کرکے اشارہ کردیا کہ لولا تحضیضیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: ویبدل مِنْ مَنْ یعنی مَنْ اناب سے اَلَّذِیْنَ آمنوا الخ جملہ ہوکر بدل الکل ہے۔

قَوْلُہٗ: الذین آمنوا میں ترکیب کے اعتبار سے پانچ صورتیں ہوسکتی ہیں ① الذین آمنوا مبتداء اور بعد میں آنے والا اَلَّذِیْنَ آمنوا جملہ ہوکر اس کی خبر اور درمیان میں وتطمئنُّ قلوبهم بذکر الله، جملہ معترضہ، ② اَلَّذِیْنَ آمنوا، مَنْ اناب سے بدل الکل، ③ اَلَّذِیْنَ آمنوا، مَنْ کا عطف بیان ہو، ④ مبتداء محذوف کی خبر ہو، ای هم الذین آمنوا ⑤ فعل محذوف کی وجہ سے منصوب ہو ای امدحُ الَّذِیْنَ آمنوا.

قَوْلُہٗ: ای وعده، ذکر الله کی تفسیر وعدہ سے کرکے اشارہ کردیا کہ یہاں عام بول کر خاص مراد ہے ورنہ ذکر اللہ وعدہ اور وعید دونوں کو شامل ہے اور وعید سے قلوب مطمئن ہونے کے بجائے مضطرب ہوتے ہیں مفسر علام نے ای وعده سے اسی سوال کے جواب کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: طوبیٰ، خوبی، خوش حالی، جنت کے درخت کا نام، علامہ آلوسی نے طوبی کو طاب یطیبُ (ض) کا مصدر بتایا ہے جیسا کہ بشریٰ، زُلفیٰ اور یاء ساکن اپنے ماقبل ضمہ ہونے کی وجہ سے واؤ سے بدلی ہوئی ہے اصل میں طیبیٰ تھا۔

قَوْلُہٗ: فَسَیَّرعنا، ای سیِّر بقراءَتِكَ عنا جبالَ مكة.

قَوْلُہٗ: شُقِّقَتْ یعنی آپ کی قراءت کی وجہ سے زمین شق ہوکر اس میں سے چشمے اور نہریں جاری ہوجاتیں، اور بعض نے کہا ہے قُطعت کا مطلب ہے قرآن کے ذریعہ طیّ الارض یعنی سرعت کے ساتھ آناً فاناً مسافت طے ہوجایا کرے۔

قَوْلُہٗ: لَمَا آمنوا یہ لَوْ کا جواب ہے جو کہ محذوف ہے۔

قَوْلُہٗ: لا بغیرہ اس میں اشارہ ہے کہ لِلّٰه الامر جمیعا، اصل عبارت ہے الامر جمیعا لِلّٰه جار مجرور کو اختصاص کے لئے مقدم کردیا جس کو مفسر علام نے لابغیرہ کہہ کر ظاہر کردیا ہے۔

قَوْلُہٗ: یعلمْ، یَیْئَس کی تفسیر یعلمُ سے کی ہے یعنی لم یَیْئَسو کی تفسیر لم یعلموا سے لغت بنی نخع یا ہوازن کے مطابق ہے اور یا یأس کے علم کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے کی ہے اس لئے کہ جو شخص مایوس ہوتا ہے وہ جانتا ہے کہ یہ کام ہونے والا نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: بصنعهم ما صنعوا کی تفسیر بصنعهم سے کرکے اشارہ کردیا کہ ما، مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ، لہٰذا عدم عائد کا اعتراض واقع نہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: الدّاهية، الامر العظیم.

تفسیر وتشریح

ویقول الذین کفروا یعنی یہ مشرکین مکہ از راہ طعن وعناد کہتے تھے کہ یہ صاحب جو مدعی نبوت پیدا ہوئے ہیں آخر اپنے خدا کے یہاں سے کوئی معجزہ ہماری پسند کا کیوں نہیں لا دیتے؟

اَلَّذِیْنَ آمنوا وتطمئن قلوبھم بذکر اللّٰہ، ذکر اللّٰہ سے مراد توحید کا بیان ہے جس سے مومنوں کے دلوں میں انشراح اور کافروں کے دل میں انقباض پیدا ہوتا ہے یا خدا کی بندگی، تلاوت قرآن، نوافل اور دعاء ومناجات مراد ہیں جو اہل ایمان کے دلوں کی خوراک ہے، یا اس کے احکام وفرامین کی بجا آوری مراد ہے جس کے بغیر اہل ایمان وتقوی بے قرار رہتے ہیں، یعنی ذکر الٰہی کی خاصیت ہی یہ ہے کہ یہ انسان کے قلب کو غیر اللہ کی طرف متوجہ ہونے کے الجھاوے سے بچا دیتا ہے، اور شرک سے جو انتشار ذہنی پیدا ہوتا ہے یقیناً توحید اس کے لئے تریاق کا کام دیتی ہے، البتہ اس اطمینان کے بھی مختلف درجے ہیں جس درجہ کا ذکر الٰہی ہوتا ہے اسی نسبت سے اطمینان قلب حاصل ہوتا ہے۔

ذکر الٰہی کے آثار میں سے ایک اثر خوف وخشیت کا ہے "**اِذَا ذکر اللّٰہ وجلت قلوبھم**" لیکن یہ ماسوا کی طرف سے اطمینان اور فراغت، خوف خدا کے منافی بالکل نہیں بلکہ یہ دونوں کیفیتیں تو عین ایک دوسرے کی متمم اور مکمل ہیں۔

کذٰلك اَرْسَلْنٰكَ فی اُمّۃ الخ جس طرح ہم نے آپ کو تبلیغ رسالت کے لئے بھیجا ہے اسی طرح پہلی امتوں میں بھی رسول بھیجے تھے، ان کی بھی اسی طرح تکذیب کی گئی تھی اور جس طرح تکذیب کے نتیجہ میں وہ قومیں عذاب الٰہی سے دوچار ہوئیں انہیں بھی اس انجام سے بے فکر نہیں رہنا چاہئے۔

مشرکین مکہ "رحمٰن" کے لفظ سے بہت بدکتے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر بھی جب **بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم** کے الفاظ لکھے گئے تو انہوں نے کہا تھا کہ یہ رحمٰن اور رحیم کیا ہے؟ ہم نہیں جانتے۔ (ابن کثیر)

شانِ نزول:

لَوْ اَنَّ قرآنًا سُیِّرت بہ الجبال الخ مشرکین مکہ نے یہود کی تعلیم وترغیب سے اس قسم کی فرمائشیں کی تھیں کہ دعویٰ تو پیغمبری کا ہے مگر داؤد علیہ السلام پیغمبر کی طرح پہاڑوں کی تسخیر کا تماشا کیوں نہیں دکھا دیتے، یا سلیمان علیہ السلام بن داؤد کی طرح ہوا کے دوش پر سفر کیوں نہیں کرواتے یا عیسیٰ نبی اللہ کی طرح مردوں سے کیوں گفتگو نہیں کرا دیتے۔ مذکورہ آیت ان ہی بیہودہ فرمائشوں کے جواب میں نازل ہوئی، تفسیر بغوی میں اس مضمون کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

مشرکین مکہ جن میں ابوجہل بن ہشام اور عبداللہ بن امیہ خصوصیت سے قابل ذکر ہیں، ایک روز بیت اللہ کے پیچھے جا کر بیٹھ گئے اور عبداللہ بن امیہ کو رسول اللہ ﷺ کے پاس بھیجا، اس نے کہا اگر آپ یہ چاہتے ہیں کہ قوم اور ہم سب آپ کے رسول ہونے کو تسلیم کرلیں تو ہمارے چند مطالبات ہیں اپنے قرآن کے ذریعہ ان کو پورا کر دیجئے تو ہم سب اسلام قبول کرلیں گے۔

مطالبات میں ایک تو یہ تھا کہ شہر مکہ کی زمین بڑی تنگ ہے چاروں طرف سے پہاڑوں سے گھری ہوئی ہے اور زمین بھی سنگ ۔ رخ ہے جس میں نہ کاشت وزراعت کی گنجائش نہ باغات کی اور دوسری ضروریات کی، آپ معجزے کے ذریعہ ان پہاڑوں کو دور ہٹا دیجئے، تاکہ مکہ کی زمین کشادہ ہو جائے آخر آپ کے کہنے کے مطابق داؤد علیہ السلام کے لئے پہاڑ مسخر کر دیئے گئے تھے، اور داؤد علیہ السلام تسبیح پڑھتے تو پہاڑ بھی تسبیح پڑھتے، آپ بقول خود اللہ کے نزدیک داؤد علیہ السلام سے کم تو نہیں ہیں۔

دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ جس طرح سلیمان علیہ السلام کے لئے آپ کے قول کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہوا کو مسخر کر کے زمین کے بڑے بڑے فاصلوں کو مختصر کر دیا تھا آپ بھی ہمارے لئے ایسا ہی کر دیں کہ ہمارے لئے شام و یمن وغیرہ کے سفر آسان ہو جائیں۔

تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ جس طرح عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کر دیتے تھے آپ ان سے کچھ کم تو ہیں نہیں آپ بھی ہمارے لئے ہمارے دادا قصی کو زندہ کر دیجئے تاکہ ہم ان سے یہ دریافت کر سکیں کہ آپ کا دین سچا ہے یا نہیں۔

(معارف، مظہری، بحوالہ بغوی وابن ابی حاتم وابن مردویہ)

مذکورہ آیت میں تسییر جبال سے مراد پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دینا اور **قطعت به الارض** سے مراد مختصر وقت میں طویل مسافت طے کرنا جس کو طی الارض کہا جاتا ہے، اور **کلم به الموتی** سے مردوں کو زندہ کر کے ان سے کلام کرنا مراد ہے۔

آیت کا مفہوم یہ ہے کہ اگر قرآن کے ذریعہ بطور معجزہ ان کے یہ مطالبات پورے کرا دیئے جائیں تب بھی وہ ایمان لانے والے نہیں کیونکہ وہ ان مطالبات سے پہلے ایسے معجزات کا مشاہدہ کر چکے ہیں جو ان کے مطلوبہ معجزات سے بہت زیادہ بڑھے ہوئے ہیں، رسول اللہ ﷺ کے اشارہ سے چاند کے دو ٹکڑے ہو جانا، پہاڑوں کے اپنی جگہ سے ہٹ جانے سے اور تسخیر ہوا سے کہیں زیادہ حیرت انگیز ہے، اسی طرح بے جان کنکریوں کا آپ کے دست مبارک میں بولنا اور تسبیح کرنا کسی مردہ انسان کے دوبارہ زندہ ہو کر بولنے سے کہیں زیادہ عظیم معجزہ ہے، لیلۃ المعراج میں مسجد اقصیٰ اور وہاں سے آسمانوں کا سفر اور بہت مختصر وقت میں واپسی تسخیر ہوا اور تخت سلیمانی کے اعجاز سے بہت زیادہ عظیم ہے مگر یہ ظالم یہ سب کچھ دیکھنے کے بعد بھی جب ایمان نہ لائے تو اب ان مطالبات سے بھی ان کی نیت محض دفع الوقتی معلوم ہوتی ہے اسلئے کہ جب ہمارے مطلوبہ معجزے پیش نہ کئے جائیں گے تو ہمیں یہ کہنے کا موقع مل جائیگا کہ یہ اللہ کے نبی نہیں ہیں اسلئے کہ اگر یہ اللہ کے سچے نبی ہوتے تو ہمارے مطلوبہ معجزے دکھا دیتے۔

اَفَلَمْ یایئس الذین آمنوا الخ امام بغوی نے نقل کیا ہے کہ صحابۂ کرام نے جب مشرکین کے یہ مطالبات سنے تو یہ تمنا کرنے لگے کہ بطور معجزہ کے یہ مطالبات پورے کر دیئے جائیں تو بہتر ہے سارے مکہ والے مسلمان ہو جائیں گے، اور اسلام کو بڑی قوت حاصل ہو جائے گی اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس کے معنی یہ ہیں کہ کیا اہل ایمان ان مشرکوں کی حیلہ جوئی اور معاندانہ بحثوں کو دیکھنے اور جاننے کے باوجود اب تک ان کے ایمان لانے سے مایوس نہیں ہوئے ہیں کہ ایسی تمنا کرنے لگے جبکہ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب ہی انسانوں کو ایسی ہدایت دیدیتا کہ وہ ایمان لائے بغیر نہ رہ سکتے مگر حکمت کا تقاضا یہ نہ تھا کہ سب کو ایمان و اسلام پر مجبور کر دیا جائے بلکہ حکمت یہی تھی کہ ہر شخص کا اپنا اختیار باقی رہے اپنے

اختیار سے اسلام کو پسند کرے یا کفر کو۔

وَلَا یزالُ الذین کفروا الخ حضرت ابن عباس نے فرمایا کہ قارعۃ کے معنی مصیبت اور آفت کے ہیں آیت کا مطلب یہ ہے کہ مشرکوں کے مطلوبہ معجزے اس لئے پورے نہیں کئے گئے کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ مطلوبہ معجزے دیکھنے کے بعد بھی یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے، تو اللہ کے نزدیک یہ اسی کے مستحق ہیں کہ ان پر دنیا میں بھی آفتیں اور مصیبتیں آئیں جیسا کہ اہل مکہ پر کبھی قحط کی مصیبت آئی اور کبھی اسلامی غزوات، بدر وغیرہ میں ان کے قتل وقید ہونے کی آفت نازل ہوئی، کسی پر بجلی گری اور کوئی کسی بد میں مبتلا ہوا۔ (معارف)

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ كما استُهزِئَ بك وهذا تسلية للنبي صلى الله عليه وسلم **فَأَمْلَيْتُ** امهلتُ **لِلَّذِينَ كَفَرُوا ثُمَّ أَخَذْتُهُمْ** بالعقوبة **فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ** اى هو واقعٌ موقعه فكذلك افعل بمن استهزأ بك **أَفَمَنْ هُوَ قَائِمٌ عَلَىٰ كُلِّ نَفْسٍ بِمَا كَسَبَتْ** عملتْ من خير وشر وهو الله كمن ليس كذلك من الاصنام لادلّ على هذا **وَجَعَلُوا لِلَّهِ شُرَكَاءَ قُلْ سَمُّوهُمْ** له من هم **أَمْ** بل أ **تُنَبِّئُونَهُ** تُخبرون الله **بِمَا** اى بشريك **لَا يَعْلَمُ فِي الْأَرْضِ** استفهام انكار اى لاشريك له اذلو كان لعلمهٗ تعالى عن ذلك **أَمْ** بل أتُسمُّونهم شركاء **بِظَاهِرٍ مِّنَ الْقَوْلِ** بظن باطل لاحقيقة له في الباطن **بَلْ زُيِّنَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا مَكْرُهُمْ** كفرهم **وَصُدُّوا عَنِ السَّبِيلِ** طريق الهدى **وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَمَا لَهُ مِنْ هَادٍ لَّهُمْ عَذَابٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا** بالقتل والاسر **وَلَعَذَابُ الْآخِرَةِ أَشَقُّ** اشدُّ منه **وَمَا لَهُم مِّنَ اللَّهِ** اى عذابه **مِن وَاقٍ** مانعٍ **مَّثَلُ** صفة **الْجَنَّةِ الَّتِي وُعِدَ الْمُتَّقُونَ** مبتدأٌ خبره محذوف اى فيما نَقُصُّ عليكم **تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ أُكُلُهَا** ما يُؤكلُ فيها **دَائِمٌ** لا يفنى **وَظِلُّهَا** دائمٌ لا تنسخه شمسٌ لعدمها فيها **تِلْكَ** اى الجنة **عُقْبَى** عاقبةُ **الَّذِينَ اتَّقَوا** الشرك **وَّعُقْبَى الْكَافِرِينَ النَّارُ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ** كعبدِ الله بن سلام وغيره من مُؤمني اليهودِ **يَفْرَحُونَ بِمَا أُنزِلَ إِلَيْكَ** لموافقته ما عندهم **وَمِنَ الْأَحْزَابِ** الذين تحزّبوا عليك بالمعادات من المشركين واليهود **مَن يُنكِرُ بَعْضَهُ** كذكر الرحمن وما عدا القصص **قُلْ إِنَّمَا أُمِرْتُ** فيما أنزل اليّ **أَنْ** اى بأن **أَعْبُدَ اللَّهَ وَلَا أُشْرِكَ بِهِ إِلَيْهِ أَدْعُو وَإِلَيْهِ مَآبِ** مرجعي **وَكَذَٰلِكَ** الانزالُ **أَنزَلْنَاهُ** اى القرآن **حُكْمًا عَرَبِيًّا** بلغةِ العرب تحكُم به بين الناس **وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم** اى الكفار فيما يَدْعُونك اليه من ملتهم فرضًا **بَعْدَ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ** بالتوحيد **مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن** زائدة **وَلِيٍّ** ناصرٍ **وَلَا وَاقٍ** مانعٍ من عذابه.

ترجمہ: یقیناً آپ سے پہلے (بھی) رسولوں کا مذاق اڑایا گیا جیسا کہ آپ کا مذاق اڑایا گیا، اور یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے، تو میں نے کافروں کو ڈھیل دی پھر میں نے ان کو سزا میں پکڑ لیا پس میرا عذاب کیسا رہا یعنی وہ اپنے محل میں واقع ہوا، تو

میں ہر اس شخص کے ساتھ ایسا ہی کروں گا جو آپ کا مذاق اڑائیگا، کیا وہ ذات جو ہر متنفس کے اچھے برے عمل کی نگراں ہے اور وہ اللہ ہے، اس کے مانند ہوگا کہ جو ایسا نہیں ہے کہ وہ بت ہیں نہیں، اس (حذف جواب) پر وَجَعَلُوا لِلّٰهِ الخ دلالت کر رہا ہے، آپ ان سے کہئے کہ ان کے نام تو بتاؤ وہ کون ہیں؟ بلکہ تم اللہ کو اس کے شریک کی خبر دے رہے ہو جس کو وہ زمین میں نہیں جانتا، استفہام انکاری ہے یعنی اس کا کوئی شریک نہیں اسلئے کہ اگر (شریک) ہوتا تو وہ اس کے علم میں ہوتا، اللہ تعالیٰ اس سے برتر ہے، یا تم نے یوں ہی یہ بات گمان باطل سے کہی ہے کہ واقع میں اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ کافروں کے لئے ان کے مکر کو یعنی کفر کو آراستہ کر دیا گیا ہے، اور ان کو راہِ ہدایت سے روک دیا گیا ہے اور اللہ جس کو گمراہ کرے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں ان کے لئے دنیوی زندگی میں قتل وقید کا عذاب ہے اور آخرت کا عذاب تو اس سے بہت ہی زیادہ سخت ہے اور انھیں اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں اس جنت کی صفت جس کا متقیوں سے وعدہ کیا گیا ہے، (الجنة التی الخ) مبتداء ہے اس کی خبر محذوف ہے، اور وہ فیما نقصُّ علیکم ہے، اس میں نہریں جاری ہوں گی اور اس کے پھل دائمی ہوں گے (یعنی) جنت کے ماکولات دائمی ہوں گے وہ کبھی فنا نہ ہوں گے اور اس کا سایہ بھی دائمی ہوگا، اس کو سورج ختم نہ کر سکے گا، اس لئے کہ جنت میں سورج نہیں ہوگا یہ یعنی جنت ان لوگوں کا انجام ہوگا جو شرک سے بچتے رہے ہوں گے اور کافروں کا انجام دوزخ ہوگی اور وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے جیسا کہ عبداللہ بن سلام مومنین یہود میں سے اس سے خوش ہوتے ہیں جو آپ کی طرف نازل کیا جاتا ہے اس کے مطابق ہونے کی وجہ سے جو ان کے پاس ہے اور یہود و مشرکین کے کچھ گروہ جو دشمنی کی وجہ سے متحدہ محاذ بنا کر آپ پر حملہ آور ہوئے وہ ہیں جو قرآن کی بعض باتوں کا انکار کرتے ہیں اور قصوں کے علاوہ (احکام) کا انکار کرتے ہیں آپ اعلانیہ کہہ دیجئے کہ جو چیز مجھ پر نازل کی گئی ہے مجھے تو اس میں حکم دیا گیا ہے کہ میں (صرف) اللہ کی بندگی کروں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروں، میں اسی کی طرف بلا رہا ہوں، اور اسی کی طرف میرا ٹھکانہ ہے اور اسی طرح ہم نے قرآن کو عربی کا فرمان بنا کر عربی زبان میں نازل کیا تاکہ آپ اس کے ذریعہ لوگوں کے درمیان فیصلے کریں، اور اگر آپ کے پاس توحید کا علم آنے کے بعد آپ نے کفار کی خواہشات کی بالفرض اگر ان باتوں میں جس کی طرف وہ آپ کو دعوت دے رہے ہیں اتباع کر لی تو اللہ کی جانب سے نہ آپ کا کوئی مددگار ہوگا اور نہ اس کے عذاب سے کوئی بچانے والا، مِن زائدہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: کیف کان عقاب، ای علی ایّ حالةٍ کان عِقابی؟ ھل کان ظلمًا لَھُم او کان عَدْلًا؟ یعنی میرا عقاب ظالمانہ رہا یا عادلانہ، اس کا جواب شارح نے اپنے قول "ھُوَ واقعٌ موقِعهٗ" سے دیدیا۔

قولہ: کمن لَیسَ کذلك یہ أفَمَنْ ھو قائمٌ مبتداء کی خبر محذوف ہے، قرینۂ مقابلہ سے چونکہ خبر کا حذف مفہوم ہے اسلئے کلام بے فائدہ ہونے کا اعتراض نہیں ہوگا۔

قولہ: دَلّ علی ھذا، یعنی مذکور پر وَجَعَلوا لِلّٰہ شرکاء دلالت کر رہا ہے اور مذکورہ سے مراد استفہام کا انکاری ہونا اور خبر محذوف پر دلالت کا ہونا، یعنی اجعلوا الخ دونوں باتوں پر دلالت کر رہا ہے۔

قولہ: مثل جنة التی وُعِدَ المتقون جملہ ہو کر مبتداء اس کی خبر محذوف ہے اور وہ فیما نقص علیکم ہے تحری من تحتھا الانھارُ ضمیر محذوف سے حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے، "مَثَلُ الجنة التی وُعِدَھَا المتقون تجری من تحتھا الانھارُ".

قولہ: اُکُلُھا دَائمٌ، وظِلُّھا دائمٌ، یہ دونوں جملے بھی مبتداء خبر ہو کر حال ہیں، اور ظِلُّھا مبتداء کی خبر دائمٌ ماقبل کے قرینہ کی وجہ سے محذوف ہے۔

قولہ: مایو کل فیھا.

سَوال: اُکُلُھا کی تفسیر ما یو کلُ سے کس مقصد سے کی ہے۔

جواب: اس کا مقصد دو اعتراضوں کو دفع کرنا ہے، ① اگر اَکْلُھا کو مصدر مانا جائے تو دائمٌ کا حمل اس پر درست نہیں اور اگر اُکُلٌ بمعنی ما کولٌ لیا جائے تو ماکول تو کھانے کے بعد معدوم ہو جاتا ہے لہٰذا دوام کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

جواب: اُکُلٌ سے مراد ما مِنْ شانہ اَنْ یو کل ہے اس تفسیر سے دونوں اعتراض ختم ہو گئے۔

قولہ: فیھا، اس میں اشارہ ہے کہ اُکُلُھا میں اضافت بمعنی فی ہے اور یہ اسناد مجازی ہے، اور اس میں علاقہ ظرفیت کا ہے۔

قولہ: حُکمًا عربیًا، یہ دونوں انزلناہ کی ضمیر یعنی قرآن سے حال ہیں حالانکہ حُکْمًا اور عربیًا کا قرآن پر حمل درست نہیں ہے۔

جواب: کا حاصل یہ ہے کہ حکْمًا مصدر بمعنی مفعول یعنی ما یحکم بہ بین الناس.

تفسیر وتشریح

وَلَقَدِ استُھزِئَ بِرسُلٍ من قبلك، اے محمد ﷺ یہ حالات جو آپ کو درپیش ہیں صرف آپ ہی کو پیش نہیں آئے آپ سے پہلے انبیاء کو بھی اسی قسم کے حالات سے سابقہ پڑتا رہا ہے کہ انبیاء کے ساتھ تمسخر کرتے رہے ہیں مگر مجرموں اور منکروں کی فوراً پکڑ نہیں کی گئی جب حد اور بس ہو گئی اور مجرموں کا جرم انتہاء کو پہنچ گیا تو پھر ان کو عذاب الٰہی نے پکڑ لیا اور کیسا پکڑا؟ کہ کسی کو اس کے مقابلہ کی تاب نہ رہی۔

حدیث میں آتا ہے "اِنَّ اللّٰہ لَیُملِیْ للظالم حتّٰی اذا اخذَہٗ لَمْ یُفْلِتَہٗ" اللہ تعالیٰ ظالم کو مہلت دیئے جاتا ہے حتیٰ کہ جب اسے پکڑتا ہے تو چھوڑتا نہیں اس کے بعد نبی ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی، وکذلك اَخْذُ رَبِّكَ اِذَآ اخذ القریٰ وھی ظالمة اِنَّ اخذہ الیم شدید" (سورۂ ھود) اسی طرح تیرے رب کی پکڑ ہے جب وہ ظلم کی مرتکب بستیوں کو پکڑتا ہے یقیناً اس کی پکڑ بہت الم ناک اور سخت ہے۔ (صحیح بخاری)

اَفَمَنْ هو قائمٌ علی کل نفس، اس آیت میں مشرکین کی جہالت اور بے عقلی کو اس طرح واضح فرمایا ہے کہ یہ کیسے بے وقوف ہیں کہ بے جان و بے شعور بتوں کو اس ذات پاک کے برابر ٹھہراتے ہیں جو ہر نفس پر نگراں اور اس کے اعمال و افعال کا محاسبہ کرنے والی ہے، پھر فرمایا کہ اصل سبب اس کا یہ ہے کہ شیطان نے ان کی اس جہالت ہی کو ان کی نظروں میں مزین کر رکھا ہے وہ اسی کو بڑا کمال اور کامیابی سمجھتے ہیں۔ (معارف)

قُلْ سَمُّوْهم، لهٗ ای قل یا محمد ﷺ جَعَلْتُمْ لَهٗ شرکاء فَسَمُّوهم، مَنْ هم؟ یعنی اے محمد آپ مشرکوں سے کہیں کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے جو شریک ٹھہرا رکھے ہیں تم ان کا نام تو لو وہ کون ہیں؟ یعنی ہمیں بھی تو بتاؤ تاکہ انھیں پہچان سکیں، اسلئے کہ ان کی کوئی حقیقت ہی نہیں ہے یعنی ان کا وجود ہی نہیں ہے اسلئے کہ اگر زمین میں ان کا وجود ہوتا تو اللہ تعالیٰ کے علم میں تو ضرور ہوتا اس پر تو کوئی شئ مخفی نہیں ہے۔

اہل کتاب صحابہ اور صحابیات کی تعداد:

الذین آتینا هم الکتاب، اس آیت میں ان اہل کتاب کا ذکر ہے کہ جو مشرف باسلام ہو کر اصحاب رسول کی مبارک جماعت میں شامل ہوئے، ان کی تعداد ۶۳ بتائی گئی ہے اور ۷ نام کتابیات کے ان کے علاوہ ہیں کل تعداد ۷۰ ہوتی ہے۔

(ماجدی، ملخصًا)

وَکَذٰلك انزلناه حکمًا عربیًا (الآیة) جس طرح انبیاء سابقین پر کتابیں ان کی مقامی زبان میں نازل کیں اسی طرح آپ پر قرآن ہم نے عربی زبان میں نازل کیا اس لئے کہ قرآن کے اولین مخاطب عرب ہی ہیں جو صرف عربی زبان ہی جانتے ہیں اگر یہ قرآن کسی اور زبان میں نازل کیا جاتا تو ان کی سمجھ سے بالا ہوتا اور قبول ہدایت میں ان کے لئے عذر بن جاتا ہم نے قرآن کو عربی زبان میں نازل کر کے ان کا یہ عذر بھی دور کر دیا۔

آپ ﷺ کو مشرکین مکہ اور اہل کتاب کی خواہشات کی اتباع کرنے سے منع کیا گیا ہے مثلاً اہل کتاب کی خواہش تھی کہ بیت المقدس کو ہمیشہ کے لئے قبلہ رہنے دیا جائے اور ان کے معتقدات کی مخالفت نہ کی جائے اسی طرح مشرکین کی خواہش تھی کہ ہمارے بتوں کی تنقیص نہ کی جائے بلکہ ان کی شان میں کچھ توصیفی کلمے فرمائے جائیں، یا یہ کہ ایک سال ہم تمہارے معبود کی بندگی کریں اور ایک سال تم ہمارے معبودوں کی بندگی کرو وغیرہ وغیرہ۔

ونزل لما عَیَّرُوْه بکثرةِ النساءِ **وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّذُرِّيَّةً** اولادًا وانت مثلُهم **وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ** منهم **اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ** لانهم عبيدٌ مَربُوبُونَ **لِكُلِّ اَجَلٍ** مدة **كِتَابٌ**۝ مكتوبٌ فيه تحديدُه **يَمْحُوا اللّٰهُ** منه **مَا يَشَاۗءُ وَيُثْبِتُ** بالتخفيفِ والتشديدِ فيه ما يشاءُ من الاحكامِ وغيرِها **وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ**۝ اصلُه الذي لا يُغيَّرُ منه شيءٌ وهو ما كَتَبَه في الازلِ **وَاِنْ مَّا** فيه ادغامُ نونِ اِن

الشرطية في ما المزيدةِ **نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِي نَعِدُهُمْ** به من العذاب في حياتك وجوابُ الشرطِ محذوفٌ اي فذاك **أَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ** قبلَ تعذيبهم **فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ** لا عليك الا التبليغ **وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ** اذا صارُوا الينا فنُجازيهم **أَوَلَمْ يَرَوْا** اي اهلُ مكة **أَنَّا نَأْتِي الْأَرْضَ** نقصدُ ارضَهم **نَنْقُصُهَا مِنْ أَطْرَافِهَا** بالفتح على النبي صلى الله عليه وسلم **وَاللَّهُ يَحْكُمُ** في خلقه بما يشاءُ **لَا مُعَقِّبَ** رادَّ **لِحُكْمِهِ وَهُوَ سَرِيعُ الْحِسَابِ** **وَقَدْ مَكَرَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ** من الامم بانبيائهم كما مكرُوا بك **فَلِلَّهِ الْمَكْرُ جَمِيعًا** وليس مكرُهم كمكره لانه تعالى **يَعْلَمُ مَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ** فيُعِدُّ لها جزائها وهذا هو المكرُ كلُّه لانه ياتيهم به من حيثُ لا يشعرونَ **وَسَيَعْلَمُ الْكُفَّارُ** المرادُ به الجنسُ وفي قراءةٍ الكفارُ **لِمَنْ عُقْبَى الدَّارِ** اي العاقبةُ المحمودةُ في الدار الاخرة الهُمْ ام للنبي صلى الله عليه وسلم واصحابه **وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا** لك **لَسْتَ مُرْسَلًا قُلْ** لهم **كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا بَيْنِي وَبَيْنَكُمْ** على صدقي **وَمَنْ عِنْدَهُ عِلْمُ الْكِتَابِ** من مؤمني اليهود والنصارى.

ترجمہ: آئندہ آیت اس وقت نازل ہوئی کہ جب انہوں نے آپ ﷺ کو کثرت ازواج پر عار دلائی، ہم آپ سے پہلے بھی رسول بھیج چکے ہیں، ہم نے ان میں سے ہر ایک کو بیوی بچوں والا بنایا، اور آپ بھی ان کے مثل ہیں ان میں سے کسی رسول کی یہ طاقت نہ تھی کہ وہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ لا سکے، اس لئے کہ وہ تربیت یافتہ بندے ہیں، ہر دور کے لئے ایک کتاب ہے وہ اسی (دور) کے لئے محدود ہے اللہ جس چیز کو چاہتا ہے اس میں سے مٹا دیتا ہے اور جن احکام وغیرہ کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے ام الکتاب (اصل) اسی کے پاس ہے اصل کتاب کہ اس میں کسی قسم کا تغیر نہیں کرتا اور وہ وہی ہے جس کو اس نے ازل میں لکھا اور جس عذاب کی دھمکیوں کا ہم نے ان سے وعدہ کیا ہے (اِمَّا) میں اِنْ شرطیہ کا ما زائدہ میں ادغام ہے ان میں سے بعض ہم آپ کو دکھا دیں (یعنی) آپ کی زندگی ہی میں (ان پر) وہ عذاب آجائے اور جواب شرط محذوف ہے، ای فذاك، یعنی ایسا بھی ہو سکتا ہے، یا ان کو عذاب دینے سے پہلے ہی آپ کو وفات دیدیں آپ کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے اور بس یعنی آپ پر تبلیغ کے علاوہ کوئی ذمہ داری نہیں ہے اور ہمارے ذمہ ان کا حساب ہے جب ہمارے پاس آئیں گے تو ہم ان کو بدلہ دیں گے کیا اہل مکہ نہیں دیکھتے کہ ہم نبی ﷺ کو فتح دیکر زمین اس کے اطراف سے گھٹاتے چلے آرہے ہیں اور اللہ اپنی مخلوق میں جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے کوئی اس کے حکم کو ٹالنے والا نہیں وہ جلد حساب لینے والا ہے، ان سے پہلے امتوں نے بھی اپنے انبیاء کے ساتھ مکاریاں کی ہیں جیسا کہ آپ کے ساتھ مکاریاں کی ہیں، لیکن تمام تدبیریں اللہ ہی کی ہیں اور ان کی تدبیریں اس کی تدبیر جیسی نہیں ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالیٰ ہر متنفس کے بارے میں جانتا ہے کہ وہ کیا کرے گا لہٰذا اس کے لئے اس کی جزاء تیار رکھتا ہے اور یہی اس کی مکمل تدبیر ہے، اسلئے کہ اس کو اس طرح بروئے کار لاتا ہے کہ ان کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا، اور کافروں کو عنقریب معلوم ہو جائیگا اور کافر سے مراد جنس کافر ہے، اور ایک قراءت میں (کافر کے بجائے) کفار ہے کہ دار آخرت کس کے

لئے ہے (یعنی) دار آخرت میں بہتر انجام کس کا ہے، ان کا یا نبی ﷺ کا اور ان کے اصحاب کا یہ کافر کہتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول نہیں ہیں آپ ان سے کہئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری صداقت پر اللہ گواہ کے اعتبار سے کافی ہے اور وہ کہ جس کے پاس کتاب کا علم ہے (اور وہ) یہود و نصاریٰ میں سے مومنین ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: فَذَاكَ، مبتداء ہے اور شافیك اس کی خبر محذوف ہے مبتداء خبر سے مل کر جملہ ہو کر (امّا) کا جواب شرط ہے۔

قولہ: نتوفینك بھی شرط سابق پر معطوف ہونے کی وجہ سے شرط ہے اس کا بھی جواب محذوف ہے اور وہ فلا تقصیر منك ہے فانما عَلَيْكَ اس محذوف کی علت ہے شاید مفسر علام نے شرط ثانی کے جواب کے حذف کی طرف اول پر اعتماد کرتے ہوئے یا علت پر اعتماد کرتے ہوئے اشارہ نہیں کیا بخلاف پہلی شرط کے جواب کے کہ اس کی علت بیان نہیں کی گئی۔

قولہ: المراد به الجنس.

سوال: یہ اس سوال کا جواب ہے کہ الکافر میں الف لام عہد کا ماننے کا تو کوئی قرینہ نہیں ہے اسلئے کہ کوئی متعین و مخصوص کافر مراد نہیں ہے نہ مطلقاً ایک کافر مراد ہے تو پھر الکافر کو مفرد لانے کا کیا مقصد ہے؟

جواب: الکافر میں الف لام جنس کا ہے جو جمع کے معنی پر مشتمل ہے فلا اعتراض۔

تفسیر و تشریح

تمام انبیاء ورسل بشر ہی تھے:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا الخ یعنی مع آپ کے جتنے بھی رسول اور نبی آئے سب بشر ہی تھے جن کا اپنا خاندان تھا، قبیلہ تھا، بیوی بچے تھے، نہ وہ فرشتے تھے نہ انسانی شکل میں کوئی نوری مخلوق بلکہ جنس بشر ہی میں سے تھے، کیونکہ اگر وہ فرشتے ہوتے تو انسانوں کے لئے ان سے مانوس ہونا اور ان سے قریب ہونا ناممکن تھا، جس سے ان کے بھیجنے کا اصل مقصد جو اصلاح و تہذیب ہے فوت ہو جاتا اور اگر وہ فرشتے بشری جامہ میں بشری خصوصیات کے ساتھ ہوتے تو وہی اعتراض ہوتا جو اب ہو رہا ہے اور بشری خصوصیات کے بغیر آتے تو نہ ان کا دنیا میں کوئی خاندان ہوتا اور نہ قبیلہ اور نہ ان کے بیوی بچے ہوتے اس صورت میں وہ امت کے لئے نمونہ نہ ہوتے کہ ان کی اقتداء و اطاعت کی جاتی، اس سے معلوم ہوا کہ تمام انبیاء بحیثیت جنس کے بشر ہی تھے بشری شکل میں فرشتے یا کوئی نوری مخلوق نہیں تھے مذکورہ آیت میں ازواجاً سے رہبانیت کی تردید ہوتی ہے اور ذریة سے خاندانی منصوبہ بندی کی تردید ہوتی ہے اسلئے کہ ذریة جمع ہے جس کا کم از کم تین پر اطلاق ہوتا ہے۔

نبیوں اور رسولوں کے متعلق کفار و مشرکین کا عام تصور:

کفار و مشرکین کا رسول اور نبی کے متعلق ایک عام تخیل یہ تھا کہ وہ جنس بشر کے علاوہ کوئی دوسری مخلوق مثل فرشتوں کے ہونی چاہئے جس کی وجہ سے عام انسانوں سے ان کی برتری واضح ہو جائے، قرآن کریم نے ان کے اس خیال فاسد کا جواب متعدد آیت میں دیا ہے کہ تم نے نبوت و رسالت کی حقیقت اور حکمت کو ہی نہیں سمجھا، اس لئے تمہارے ذہن میں اس قسم کے واہی خیالات پیدا ہوئے، کیونکہ رسول کو حق تعالیٰ ایک نمونہ بنا کر بھیجتے ہیں تا کہ امت کے سارے انسان ان کی پیروی کریں، انہی جیسے اعمال و اخلاق سیکھیں، اور یہ ظاہر ہے کہ انسان اپنے ہم جنس انسان ہی کی پیروی کر سکتا ہے، جو اس کی جنس کا نہ ہو اس کی پیروی انسان سے ناممکن ہے، مثلاً فرشتے کو نہ بھوک لگتی ہے نہ پیاس اور نہ نفسانی خواہشات سے ان کو کوئی واسطہ نہ اس کو نیند آئے نہ اونگھ نہ تکان لاحق ہو نہ کسل اب اگر انسان کو ان کی پیروی کا حکم دیا جاتا تو یہ ان کی قدرت سے زائد تکلیف ہو جاتی۔

آپ ﷺ اور تعدد ازواج:

آپ ﷺ کے متعلق بھی لوگوں کو یہی اعتراض اور شبہ ہوا، اور آپ ﷺ کے تعدد ازواج سے ان کا یہ شبہ اور بڑھ گیا، اس کا جواب آیت کے پہلے جملہ میں یہ دیا گیا ہے کہ ایک یا اس سے زائد نکاح کرنے اور بیوی بچوں والا ہونے کو تم نے کس دلیل سے نبوت و رسالت کے منافی سمجھ لیا اللہ تعالیٰ کی تو ابتداء آفرینش سے یہی سنت رہی ہے کہ اپنے پیغمبروں کو صاحب اولاد بناتے ہیں جتنے انبیاء علیہم السلام پہلے گذرے ہیں اور ان میں سے بعض کی نبوت کے تو تم بھی قائل ہو وہ سب متعدد بیویاں رکھتے تھے اور صاحب اولاد تھے۔

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین سو بیویاں اور سات سو باندیاں تھیں:

حضرت سلیمان علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تین سو بیویاں آزاد اور سات سو باندیاں تھیں اور ان کے والد حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سو بیویاں تھیں اور کثرت ازواج سے ان کی نبوت میں نہ کوئی نقص تھا اور نہ قباحت لہٰذا یہ آپ کی نبوت کے لئے قادح اور عیب کیسے ہو سکتا ہے؟

آپ ﷺ کی اولاد کی تفصیل:

آپ ﷺ کی سات اولاد تھیں چار لڑکیاں اور تین لڑکے ان کی ترتیب اس طرح تھی، سب سے بڑے قاسم رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس کے بعد زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، پھر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا پھر کلثوم رضی اللہ تعالیٰ عنہا اس کے بعد عبد اللہ جن کا لقب طیب و طاہر تھا، ان کے بعد ابراہیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ یہ سب حضرت خدیجہ سے تھے سوائے ابراہیم

کے کہ وہ ماریہ قبطیہ سے تھے اور سوائے فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا کے سب کا انتقال آپ کی حیات ہی میں ہو گیا تھا، البتہ حضرت فاطمہ آپ ﷺ کے انتقال کے بعد چھ ماہ بقید حیات رہیں۔

کفار و مشرکین کے معاندانہ سوالات:

ہر زمانہ میں کفار مشرکین اپنے زمانہ کے نبی کے سامنے معاندانہ سوالات پیش کرتے رہے ہیں، آپ ﷺ کے زمانہ کے مشرکین نے آپ سے بھی اسی قسم کے سوالات کئے تھے، ان میں دو سوال بہت عام ہیں ایک یہ کہ اللہ کی کتاب میں ہماری خواہش کے مطابق احکام نازل ہوا کریں جیسا کہ سورۂ یونس میں ان کا مطالبہ مذکور ہے "اِئْتِ بقرآن غیر ھٰذا اَوْ بدِّلْهُ" یعنی یا تو اس موجودہ قرآن کے بجائے بالکل ہی دوسرا قرآن لا دیجئے جس میں ہمارے بتوں کی عبادت کو منع نہ کیا گیا ہو یا پھر آپ اس قرآن میں کچھ رد و بدل اور ترمیم کر کے ان آیتوں کو نکال دیجئے جن سے ہمارے بتوں کی مذمت نکلتی ہے یا جن میں عذاب کی دھمکی دی گئی ہے یعنی حلال کی جگہ حرام اور حرام کی جگہ حلال کر دیجئے۔

موجودہ اعداءِ اسلام کی ذہنیت آج بھی یہی ہے:

مغربی صیہونی ذہن میں یہ بات آپ کی بعثت کے روز اول ہی سے کھٹک رہی ہے ان کی طرف سے بار بار مطالبہ ہوتا ہے کہ قرآن سے ان آیتوں کو حذف کر دیا جائے جن سے یہودیت اور نصرانیت کی مذمت ثابت ہوتی ہے، مختلف طریقوں سے اس کی ترغیب دی جاتی ہے کبھی مالی لالچ دیا جاتا ہے تو کبھی اقتصادی پابندی کی دھمکی دی جاتی ہے ایسی کوششیں ماضی میں بھی متعدد بار ہو چکی ہیں جو ناکام رہی ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی ناکام رہیں گی اسلئے کہ اللہ تعالیٰ نے خود ہی اپنی کتاب کی حفاظت کا تاکیدی وعدہ فرمایا ہے، حال ہی میں اخبارات کے ذریعہ معلوم ہوا ہے کہ امریکہ اور اسرائیل نے اپنی مشترکہ کوششوں سے ایک نیا قرآن "فرقان الحق" کے نام سے شائع کیا ہے، جس سے وہ تمام آیتیں جو یہود و نصاریٰ کی مذمت پر دلالت کرتی ہیں نکال دی ہیں، دنیا کا مسلمان صیہونیوں کی اس سازش سے واقف اور باخبر ہے اور ان کے ناپاک عزائم کو ناکام کرنے کے لئے ہمہ وقت تیار ہے۔

دوسرا مطالبہ نت نئے معجزات طلب کرنے کا ہے کہ اگر فلاں قسم کا معجزہ دکھا دیا جائے تو ہم اسلام قبول کر لیں گے، حالانکہ اللہ تعالیٰ کا کھلا اعلان ہے کہ کسی نبی یا رسول کو یہ اختیار نہیں دیا گیا کہ وہ جب چاہے اور جس طرح کا چاہے معجزہ ظاہر کر سکے۔

لِکُلِّ اَجَلٍ کتاب، اجل کے معنی مدت متعینہ کے ہیں اور کتاب اس جگہ مصدر کے معنی میں ہے، یعنی تحریر، معنی یہ ہیں کہ ہر چیز کی میعاد اور مقدار اللہ تعالیٰ کے پاس لکھی ہوئی ہے، اس نے ازل میں لکھ دیا ہے کہ فلاں شخص فلاں وقت پیدا ہوگا اور اتنے دن زندہ رہے گا، کہاں کہاں جائے گا اور کہاں مرے گا۔

اس طرح یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ فلاں زمانہ میں فلاں پیغمبر پر کیا وحی اور کیا احکام نازل ہوں گے اسلئے کہ احکام ہر قوم اور ہر زمانہ کے مناسب آتے ہیں اور یہ بھی لکھا ہوتا ہے کہ فلاں پیغمبر سے فلاں فلاں معجزہ کس کس وقت ظہور پذیر ہوگا کس نبی کی شریعت کتنی مدت کے لئے ہے۔

احکام قرآنی میں محو واثبات کا مطلب:

یمحوا اللّٰہ ما یشاء وَیثبتُ وعندہ ام الکتاب، اُمُّ الکتاب کے لفظی معنی ہیں اصل کتاب، مراد اس سے لوح محفوظ ہے جس میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوتا۔

آیت کے معنی یہ ہیں کہ حق تعالیٰ اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ سے جس حکم کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس حکم کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے اور اس محو واثبات کے بعد جو کچھ واقع ہوتا ہے وہ اللہ تعالیٰ کے پاس محفوظ ہے جس پر نہ کسی کی دست رس ہے نہ اس میں کوئی کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

ائمہ تفسیر میں سے حضرت سعید بن جبیر اور قتادہ وغیرہ نے اس آیت میں محو واثبات سے احکام کا محو واثبات مراد لیا ہے اور آیت کا یہ مطلب بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے مختلف رسولوں کے ذریعہ قوموں کے حالات اور زمانوں کے تغیرات کے مناسب احکام بھیجتے ہیں اور قوموں کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق احکام میں بھی محو واثبات کرتے رہتے ہیں اور اصل کتاب بہر حال اس کے پاس محفوظ ہے جس میں محو واثبات کی پوری تفصیل لکھی ہوئی ہے اور جو احکام شرائط کے ساتھ مشروط ہوتے ہیں وہ بھی اس میں لکھے ہوتے ہیں، اور کچھ احکام علم الٰہی کے مطابق میعادی ہوتے ہیں مگر ان کو مطلق بیان کیا جاتا ہے جس کو بندہ اپنی لاعلمی کی بنا پر دائمی سمجھ لیتا ہے حالانکہ جب ان کی میعاد پوری ہو جاتی ہے تو وہ حکم ختم ہو جاتا ہے اور بندہ یہ سمجھتا ہے کہ یہ حکم منسوخ ہو گیا حالانکہ ایسا نہیں ہوتا۔

مذکورہ آیت کی دوسری تفسیر:

سفیان ثوری، وکیع وغیرہ نے حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا سے اس آیت کی ایک دوسری تفسیر نقل کی ہے جس میں آیت کا تعلق نوشتۂ تقدیر سے قرار دیا ہے اور آیت کے معنی یہ بیان کئے ہیں کہ قرآن وحدیث کی تصریحات کے مطابق مخلوقات کی تقدیریں اور ہر شخص کی عمر اور زندگی بھر میں ملنے والا رزق اور پیش آنے والی راحت یا مصیبت اور ان سب چیزوں کی مقداریں اللہ تعالیٰ نے ازل میں مخلوقات کی پیدائش سے بھی پہلے لکھ دی ہیں پھر بچہ کی پیدائش کے وقت فرشتوں کو بھی لکھوا دیا جاتا ہے اور ہر سال شب قدر میں اس سال کے اندر پیش آنے والے معاملات کا چٹھا فرشتوں کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہر فرد مخلوق کی عمر، رزق، حرکات وسکنات سب متعین ہیں اور لکھے ہوئے ہیں مگر اللہ اس نوشتۂ تقدیر میں سے جس کو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے باقی رکھتا ہے، "وعندہ ام الکتاب" یعنی اصل کتاب جس کے مطابق محو واثبات

کے بعد انجام کار عمل ہوتا ہے وہ اللہ کے پاس ہے اس میں کوئی ردوبدل نہیں ہوسکتا۔

تشریح اس کی یہ ہے کہ بہت سی احادیث صحیحہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض اعمال سے انسان کی عمر اور رزق بڑھ جاتے ہیں اور بعض سے گھٹ جاتے ہیں، صحیح بخاری میں ہے کہ صلہ رحمی عمر میں زیادتی کا سبب بنتی ہے غرضیکہ اسی قسم کی بہت سی احادیث محو واثبات پر دلالت کرتی ہیں۔

مذکورہ آیت کے مضمون کا ماحصل یہ ہے کہ کتاب تقدیر میں لکھی ہوئی عمر یا رزق وغیرہ میں ردوبدل کسی عمل یا دعاء کی وجہ سے ہوتا ہے اس سے مراد وہ کتاب تقدیر ہے جو فرشتوں کے ہاتھ یا ان کے علم میں ہے اس میں بعض اوقات کوئی حکم کسی شرط پر معلق ہوتا ہے جب وہ شرط نہ پائی جائے تو وہ حکم بھی نہیں پایا جاتا یہ تقدیر معلق کہلاتی ہے جس میں اس آیت کی تصریح کے مطابق محو واثبات ہوتا رہتا ہے لیکن آیت کے آخری جملہ میں "ومَن عنده علم الكتاب" نے بتلا دیا کہ اس تقدیر معلق کے اوپر ایک تقدیر مبرم ہے، جو ام الکتاب میں لکھی ہوئی اللہ کے پاس ہے وہ صرف علم الٰہی کے لئے مخصوص ہے اس میں وہ احکام لکھے جاتے ہیں جو شرائط اعمال یا دعاء کے بعد آخری نتیجہ کے طور پر ہوتے ہیں اسی لئے وہ محو واثبات اور کمی بیشی سے بالکل پاک ہے۔

(ابن کثیر، معارف)

وإمّا نُرِيَنَّكَ بعض الذى نعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ، اس آیت میں آپ ﷺ کو تسلی دینے اور مطمئن کرنے کے لئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جو وعدے آپ سے کئے ہیں کہ اسلام کی مکمل فتح ہوگی اور کفر اور کافر ذلیل ہوں گے یہ تو ہو کر رہے گا مگر آپ اس فکر میں نہ پڑیں کہ یہ فتح مکمل کب ہوگی، ممکن ہے کہ آپ کی زندگی میں ہو جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ آپ کی وفات کے بعد ہو، اور آپ کے اطمینان کے لئے تو اتنا کافی ہے آپ برابر دیکھ رہے ہیں کہ ہم کفار کی زمینوں کو ان کے اطراف سے برابر گھٹاتے چلے آرہے ہیں یعنی یہ اطراف لگاتار مسلمانوں کے قبضے میں آتے جارہے ہیں اس سے ایک دن اس فتح کی تکمیل بھی ہو جائے گی، حکم اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اس کے حکم کو کوئی ٹالنے والا نہیں وہ بہت جلد حساب لینے والا ہے۔



سُوْرَةُ اِبْرٰهِیْمَ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ اثْنَتَانِ وَخَمْسُوْنَ اٰيَةً وَّسَبْعُ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ اِبْرَاهِيْمَ مَكِّيَّةٌ اِلَّا، المرترَ الى الذين بدّلوا نعمة اللّٰه (الأيتين) احدىٰ او ثنتانِ او اربعٌ او خمسٌ وخمسون آيةً.

سورۂ ابرہیم مکی ہے، مگر المر تر الى الذين الخ دوآیتیں ۵۱،۵۲،۵۴،۵۵ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓرٰ اللّٰه اعلم بمراده بذلك هذا القران كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ يامحمد لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ الكفر اِلَى النُّوْرِ الايمان بِاِذْنِ بامر رَبِّهِمْ ويبدل من الى النور اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الغلب الْحَمِيْدِ ۝ المحمود اللّٰهِ بالجربدل اوعطف بيان وما بعده صفة والرفع مبتدأ خبره الَّذِيْ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ملكا وخلقا وعبيدا وَوَيْلٌ لِّلْكٰفِرِيْنَ مِنْ عَذَابٍ شَدِيْدِ ۝ الَّذِيْنَ نعت يَسْتَحِبُّوْنَ يختارون الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا عَلَى الْاٰخِرَةِ وَيَصُدُّوْنَ الناس عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ دين الاسلام وَيَبْغُوْنَهَا اى السبيل عِوَجًا معوجة اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ بَعِيْدٍ ۝ عن الحق وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ بلغة قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ ليفهمهم ما اتى به فَيُضِلُّ اللّٰهُ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَهُوَ الْعَزِيْزُ فى ملكه الْحَكِيْمُ ۝ فى صنعه وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَآ التسع وقلنا له اَنْ اَخْرِجْ قَوْمَكَ بنى اسرائيل مِنَ الظُّلُمٰتِ الكفر اِلَى النُّوْرِ الايمان وَذَكِّرْهُمْ بِاَيّٰىمِ اللّٰهِ بنعمه اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ التذكير لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ على الطاعة شَكُوْرٍ ۝ للنعم وَ اذكر اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ اَنْجٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ وَيُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ المولودين وَيَسْتَحْيُوْنَ يستبقون نِسَآءَكُمْ لقول بعض الكهنة ان مولودا يولد في بني اسرائيل يكون سبب ذهاب ملك فرعون وَفِيْ ذٰلِكُمْ الانجاء اوالعذاب بَلَآءٌ انعام اوابتلاء مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ۝

ع ۱ / ۱۲

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، الٓر، اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا

ہے یہ قرآن عظیم الشان کتاب ہے اے محمد اس کو ہم نے آپ پر نازل کیا ہے تا کہ آپ لوگوں کو کفر کی ظلمتوں سے ان کے رب کے حکم سے ایمان کی روشنی کی طرف نکالیں، اور الی النور سے الی صراط العزیز بدل ہے یعنی غالب اور قابل ستائش اللہ کے راستہ کی طرف (لائیں) (اللّٰہ) کا جر (العزیز) سے بدل یا عطف بیان ہونے کی وجہ سے ہے، اس کا مابعد (یعنی الذی لہ الخ) اللہ کی صفت ہے اور (اللہ) کے رفع کی صورت میں اللّٰہ مبتداء ہوگا اور الذین لہ اس کی خبر ہوگی وہ اللہ کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے، ملک اور تخلیق اور مملوک ہونے کے اعتبار سے، اور کافروں کے لئے تو شدید عذاب کی وجہ سے ہلاکت (وبربادی) ہے جو دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کرتے ہیں (الذین) الکافرین کی صفت ہے، اور لوگوں کو اللہ کے راستہ یعنی دین اسلام سے روکتے ہیں اور اس راستہ میں کجی نکالتے ہیں یہی لوگ پرلے درجہ کی گمراہی میں ہیں (یعنی) حق سے دور ہیں ہم نے ہر نبی کو اس کی قومی زبان ہی میں بھیجا ہے تا کہ وہ جو کچھ لے کر آیا ہے اسے ان کو سمجھائے اب اللہ جسے چاہے گمراہ کردے اور جسے چاہے ہدایت بخشے، وہ اپنے ملک میں غلبہ والا اور اپنی صنعت میں حکمت والا ہے اور یہ امر واقعہ ہے کہ ہم نے موسیٰ کو اپنے نو معجزے دیکر بھیجا اور ان سے کہا یہ کہ اپنی قوم بنی اسرائیل کو کفر کی ظلمت سے ایمان کی روشنی کی طرف نکال اور انھیں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو یاد دلا بلاشبہ اس تذکیر میں طاعتوں پر ہر صبر کرنے والے اور نعمتوں پر شکر کرنے والے کے لئے نشانیاں ہیں اور اس وقت کا ذکر جبکہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے قوم سے کہا تم اپنے اوپر اللہ کی نعمتوں کو یاد کرو جبکہ تم کو قوم فرعون سے نجات دی وہ تم کو شدید تکلیف پہنچا رہا تھا اور تمہارے نومولود لڑکوں کو قتل کر رہا تھا اور تمہاری عورتوں کو زندہ چھوڑ رہا تھا اور اس نجات یا عذاب میں ہمارے رب کی طرف سے بڑا انعام یا بڑی آزمائش تھی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: ھذا القرآن، اس تقدیر میں اشارہ ہے کہ کتاب انزلناہ مبتداء محذوف کی خبر ہے، نہ کہ کتاب مبتداء اور انزلناہ، اس کی خبر، اسلئے کہ کتاب نکرہ محضہ ہے جس کا مبتداء واقع ہونا درست نہیں ہے۔

قولہ: ویبدل من الی النور، الی صراط العزیز، الی صراط العزیز، الی النور سے اعادۂ عامل کے ساتھ بدل ہے۔

قولہ: بالجر بدل او عطف بیان، یعنی لفظ اللہ، العزیز سے بدل ہے یا عطف بیان ہے۔

سَوال: اللہ علم ہے اور العزیز صفت ہے علم کا صفت سے بدل واقع ہونا صحیح نہیں ہے۔

جَواب: العزیز صفت مختصہ ہونے کی وجہ سے بمنزلہ علم کے ہے لہٰذا لفظ اللہ کا اس سے بدل واقع ہونا درست ہے۔

قاعدہ معروفہ:

صفت معرفہ اگر موصوف پر مقدم ہو تو صفت کا اعراب حسب عامل ہوتا ہے اور موصوف بدل یا عطف بیان واقع ہوتا ہے، اصل عبارت اس طرح ہے، "الی صراط اللّٰہ العزیز الحمید الذی له مافی السمٰوات وما فی الارض" لفظ اللہ کی تین صفات ہیں ان میں سے دو مقدم ہیں اور ایک مؤخر ہے العزیز اور الحمید مقدم ہیں اور الذی له مافی السموات الخ مؤخر ہے۔

اسی معروف قاعدہ کے اعتبار سے لفظ اللہ، العزیز سے بدل یا عطف بیان واقع ہے، دوسری صورت لفظ اللہ میں رفع کی ہے، اس میں لفظ اللہ مبتداء اور الذی له مافی السموات الخ اس کی خبر ہوگی۔

قِوْلُہٗ: نعت، یعنی الذین یستحبون الخ جملہ ہو کر للکافرین کی صفت ہونے کی وجہ سے محلاً مجرور ہے، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ مبتداء ہونے کی وجہ سے محلاً مرفوع ہے اور اولئك فی ضلال بعید اس کی خبر ہے۔

قِوْلُہٗ: بنعمه۔ ایام اللّٰہ سے نعمت مراد اس طرح ہے کہ یہ ظرف بول کر مظروف مراد لینے کے قبیل سے ہے نعمتیں اور احسانات چونکہ ایام میں حاصل ہوتے ہیں اسلئے ایام بول کر انعامات اور احسانات مراد لئے ہیں۔

قِوْلُہٗ: یستبقون، یستحیون کی تفسیر یستبقون سے کرکے اشارہ کردیا کہ یستحیون کے معنی موضوع لہ مراد نہیں ہیں بلکہ لازم معنی مراد ہیں۔

تفسیر و تشریح

سورۂ ابراہیم ترتیب کے لحاظ سے چودھویں سورت ہے، باختلاف تعداد چند آیتوں کے علاوہ پوری سورت مکی ہے، سورت کے انداز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سورت مکہ کے آخری دور کی سورتوں میں سے ہے اس سورت کے مرکزی مضامین میں ان لوگوں کو فہمائش اور تنبیہ کرنا ہے کہ جو نبی ﷺ کی رسالت کو ماننے سے انکار کر رہے تھے، اور آپ کی دعوت کو ناکام کرنے کے لئے ہر طرح کی تدبیریں اور بدتر سے بدتر چالیں چل رہے تھے۔

اس سورت کی شروع میں رسالت اور نبوت اور ان کی کچھ خصوصیات کا ذکر ہے، پھر توحید کا بیان ہے اور اس کے شواہد کا ذکر ہے اسی سلسلہ میں حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کا قصہ ذکر کیا گیا ہے، اور اسی کی مناسبت سے سورت کا نام سورۂ ابراہیم ہے۔

الٓر، کتب انزلناہ الیك لتخرج الناس من الظلمات الی النور باذن ربهم. الٓر ان حروف مقطعات میں سے ہیں جن کے متعلق بار بار ذکر کیا جا چکا ہے کہ اس میں اسلم اور محتاط طریقہ سلف صالحین کا ہے کہ اس پر ایمان و یقین رکھیں کہ جو کچھ اس کی مراد ہے وہ حق ہے لیکن اس کے معنی کی تحقیق و تفتیش کے درپے نہ ہوں۔

تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لانے کا مطلب شیطانی راستوں سے ہٹا کہ خدا کے راستہ پر لانا ہے یا یوں کہا جا سکتا ہے کہ جو شخص خدا کی راہ پر نہیں وہ جہالت کی تاریکیوں میں بھٹک رہا ہے خواہ وہ اپنے آپ کو کتنا ہی روشن خیال سمجھ رہا ہو، بخلاف اس کے کہ جس نے خدا کا راستہ پالیا وہ علم کی روشنی میں آ گیا خواہ وہ ان پڑھ دیہاتی ہی کیوں نہ ہو۔

ہدایت صرف خدا کا فعل ہے:

لتخرج الناس من الظلمت الی النور باذن ربھم، ناس سے تمام عالم کے انسان مراد ہیں، **ظلمت، ظلمۃ** کی جمع ہے یہاں ظلمت سے کفر و شرک اور بداعمالیوں کی ظلمت مراد ہے اور نور سے مراد ایمان کی روشنی ہے، چونکہ کفر و شرک کی بہت سی انواع و اقسام ہیں اسلئے ظلمات کو جمع لایا گیا ہے اور ایمان اور حق ایک ہی ہے اسلئے نور کو مفرد کے صیغہ کے ساتھ لایا گیا ہے، اس آیت میں تاریکی سے نکال کر روشنی میں لانے کو اگر چہ آپ ﷺ کا فعل قرار دیا گیا ہے مگر حقیقت میں ہدایت دینا اللہ کا کام ہے یہ اسناد مجازی نسبت الی السبب کے قبیل سے ہے اس لئے کہ ہدایت دینا محض اللہ کا کام ہے آپ کا کام صرف رہنمائی کرنا ہے "**انک لاتھدی من احببت**" آپ اپنے مہربان چچا خواجہ ابوطالب کو تمام تر خواہش کے باوجود ایمان پر نہ لا سکے اسی آیت کے آخر میں **الا باذن ربھم** کا لفظ بڑھا دیا تا کہ یہ شبہ ختم ہو جائے کہ کفر وشرک کی ظلمتوں سے نکالنا آپ کا کام ہے، اس میں دراصل اس حقیقت کی طرف اشارہ ہے کہ کوئی مبلغ خواہ وہ نبی اور رسول ہی کیوں نہ ہو راہ راست پیش کر دینے سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتا۔

اللہ کے راستہ سے روکنے کا مطلب:

اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ اسلام کی تعلیمات میں لوگوں کو بدظن کرنے کے لئے مین میکھ نکالتے ہیں اور اسلام کی تعلیمات کو مسخ کر کے پیش کرتے ہیں دوسرا مطلب یہ ہے کہ اپنی اغراض و خواہشات کے مطابق اس میں تبدیلی کرنا چاہتے ہیں،

جب اللہ تعالیٰ نے اہل دنیا پر احسان فرمایا کہ ان کی ہدایت کے لئے کتابیں نازل کیں اور کتابوں پر عمل کر کے دکھانے کے لئے رسول بھیجے تو اس احسان کی تکمیل اس طرح فرمائی کہ ہر رسول کو اس کی قومی زبان میں بھیجا تا کہ کسی کو ہدایت کا راستہ سمجھنے میں دشواری نہ ہو لیکن اس کے باوجود ہدایت ملے گی اس کو جس کو اللہ چاہے گا۔

جس طرح ہم نے اے محمد آپ کو اپنی قوم کی طرف بھیجا اور کتاب نازل کی تا کہ آپ اپنی قوم کو کفر و شرک کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی کی طرف لائیں اسی طرح ہم نے موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معجزات و دلائل دے کر ان کی قوم کی طرف بھیجا تا کہ وہ انھیں کفر و جہل کی تاریکیوں سے نکال کر ایمان کی روشنی سے روشناس کرائیں۔

ان فی ذلک لآیات لکل صبار شکور، صبر اور شکر یہ دو بڑی خوبیاں ہیں اسلئے یہاں صرف ان ہی دو کا ذکر کیا گیا ہے یہاں دونوں مبالغہ کے صیغے استعمال ہوئے ہیں "صبار" بہت صبر کرنے والا "شکور" بہت شکر کرنے والا، رسول اللہ ﷺ نے

فرمایا کہ جس شخص کو شکر ادا کرنے کی توفیق مل گئی وہ کبھی نعمتوں اور برکتوں سے محروم نہ ہوگا، اور اللہ نے فرمایا اگر تم میری نعمتوں کی ناشکری کرو گے تو میرا عذاب بھی سخت ہے۔

وَاِذْ تَاَذَّنَ اعلم رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ نعمتي بالتوحيد والطاعة لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ جحدتم النعمة بالكفر والمعصية لاعذبنكم دل عليه اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ۝٧ وَقَالَ مُوْسٰى لقومه اِنْ تَكْفُرُوْٓا اَنْتُمْ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا فَاِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عن خلقه حَمِيْدٌ ۝٨ محمود في صنعه بهم اَلَمْ يَاْتِكُمْ استفهام تقرير نَبَؤُا الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ قَوْمِ نُوْحٍ وَّعَادٍ قوم هود وَّثَمُوْدَ قوم صالح وَالَّذِيْنَ مِنْ بَعْدِهِمْ لَا يَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ لكثرتهم جَآءَتْهُمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ بالحجج الواضحة على صدقهم فَرَدُّوْٓا اي الامم اَيْدِيَهُمْ فِيْٓ اَفْوَاهِهِمْ اي اليها ليعضوا عليها من شدة الغيظ وَقَالُوْٓا اِنَّا كَفَرْنَا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ على زعمكم وَاِنَّا لَفِيْ شَكٍّ مِّمَّا تَدْعُوْنَنَآ اِلَيْهِ مُرِيْبٍ ۝٩ موقع للريبة قَالَتْ رُسُلُهُمْ اَفِي اللّٰهِ شَكٌّ استفهام انكار اي لا شك في توحيده للدلائل الظاهرة عليه فَاطِرِ خالق السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَدْعُوْكُمْ الى طاعته لِيَغْفِرَ لَكُمْ مِّنْ ذُنُوْبِكُمْ من زائدة فان الاسلام يغفر به ما قبله او تبعيضية لاخراج حقوق العباد وَيُؤَخِّرَكُمْ بلا عذاب اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى اجل الموت قَالُوْٓا اِنْ ما اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا من الاصنام فَاْتُوْنَا بِسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ۝١٠ حجة ظاهرة على صدقكم قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ ما نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ كما قلتم وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ بالنبوة وَمَا كَانَ ما ينبغي لَنَآ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ بامره لانا عبيد مربوبون وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ يثقوا به وَمَا لَنَآ اَلَّا نَتَوَكَّلَ عَلَى اللّٰهِ اي لا مانع لنا من ذلك وَقَدْ هَدٰىنَا سُبُلَنَا وَلَنَصْبِرَنَّ عَلٰى مَآ اٰذَيْتُمُوْنَا على اذاكم وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُتَوَكِّلُوْنَ ۝١٢

ترجمہ: اور جب تمہارے رب نے آگاہ کر دیا کہ اگر تم توحید اور اطاعت کے ذریعہ میری نعمتوں کا شکر کرو گے تو میں بے شک تم کو مزید دوں گا، اور اگر تم کفر و معصیت کے ذریعہ (میری) نعمتوں کی ناشکری کرو گے تو میں تم کو ضرور عذاب دوں گا، لاعذبنکم، (جواب محذوف پر) ان عذابی لشدید دلالت کر رہا ہے، یقیناً میرا عذاب نہایت سخت ہے، اور موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنی قوم سے کہا کہ اگر تم اور روئے زمین کے تمام باشندے ناشکری کریں تو بھی اللہ اپنی مخلوق سے بے نیاز ہے اور اپنی صنعت میں قابل ستائش ہے کیا تمہارے پاس استفہام تقریری ہے تم سے پہلے لوگوں کی (یعنی) قوم نوح کی اور عاد کی اور قوم ہود اور ثمود کی اور قوم صالح کی اور ان لوگوں کی جو ان کے بعد ہوئے خبریں نہیں آئیں جن کی تعداد ان کی کثرت کی وجہ سے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ان کے پاس ان کے رسول اپنی صداقت پر واضح دلائل لیکر آئے تو ان امتوں نے اپنے ہاتھ شدت غضب کی وجہ سے کاٹنے کے لئے اپنے منہ میں دبائے اور کہہ دیا کہ بزعم خود جس چیز کو تم دے کر بھیجے گئے ہو اس کے ہم

منکر ہیں اور ہم تو یقیناً اس کے بارے میں جس کی تم دعوت دے رہے ہو الجھن میں ڈالنے والے شک میں ہیں، ان کے رسولوں نے ان سے کہا کیا تم حق تعالیٰ کے بارے میں شک میں ہو استفہام انکاری ہے، توحید پر واضح دلائل موجود ہونے کی وجہ سے اس کی توحید میں کسی شک (کی گنجائش) نہیں ہے وہ آسمانوں اور زمینوں کا پیدا کرنے والا ہے وہ تم کو اپنی اطاعت کی طرف بلا رہا ہے تاکہ تم سے تمہارے گناہوں کو معاف کرے مِنْ زائدہ ہے یہ امر واقعہ ہے کہ اسلام کی وجہ سے اسلام سے پہلے کے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں یا (من تبعیضیہ) ہے حقوق العباد کو خارج کرنے کے لئے اور یہ کہ ایک مقررہ وقت تک کے لئے تمہیں مہلت عطا فرمائے یعنی موت تک ان لوگوں نے جواب دیا تم تو ہمارے جیسے انسان ہو تم چاہتے ہو کہ ہمیں ان معبودوں بتوں سے روک دو جن کی بندگی ہمارے باپ دادا کرتے آئے ہیں اچھا تو ہمارے سامنے اپنی صداقت پر کوئی کھلی دلیل پیش کرو ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا یہ تو سچ ہے کہ ہم تمہارے ہی جیسے انسان ہیں جیسا کہ تم نے کہا لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نبوت عطا کرکے اپنا فضل کرتا ہے اور ہماری مجال نہیں کہ ہم اللہ کے حکم کے بغیر کوئی معجزہ لاکر تم کو دکھا سکیں اسلئے کہ ہم تربیت یافتہ بندے ہیں، اور ایمان والوں کو صرف اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہئے، آخر کیا وجہ ہے کہ ہم اللہ پر بھروسہ نہ کریں یعنی ہمارے لئے اس سے کوئی مانع نہیں ہے جبکہ اسی نے ہمیں ہماری راہیں دکھائیں واللہ جو ایذائیں تم ہمیں دو گے ہم ضرور اس پر صبر کریں گے (یعنی) تمہاری ایذا رسانی پر، توکل کرنے والوں کیلئے یہی لائق ہے کہ اللہ پر توکل کریں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: اعلم، تاذن کی تفسیر اعلم سے کرکے اشارہ کردیا کہ تأذن باب تفعل اپنی خاصیت کے اعتبار سے تکلف پر دلالت کرتا ہے جو شان باری تعالیٰ کے مناسب نہیں ہے لہٰذا تأذن بمعنی اذن ہے۔

قَوْلُهُ: لاعذبنکم یہ شرط کی جزاء ہے جو محذوف ہے، نہ کہ ان عذابی لشدید لہٰذا ان عذابی کے شرط پر عدم ترتب کا اعتراض ختم ہوگیا، اور حذف جواب پر ان عذابی لشدید دلالت کر رہا ہے۔

قَوْلُهُ: ای الیھا، اس میں اشارہ ہے کہ فی بمعنی الی ہے، ایدیھم اور افواھھم، دونوں کی ضمیریں کفار کی طرف راجع ہیں یعنی کفار نے اپنے ہاتھ شدید غصہ کی وجہ سے اپنے منہ میں دبائے اور یہ تفسیر عضوا علیکم الانامل من الغیظ کے مطابق ہے، اور بعض حضرات نے ثانی ھم کی ضمیر رسل کی طرف لوٹائی ہے، مطلب یہ بیان کیا ہے کہ امت کے لوگوں نے اپنے ہاتھ رسولوں کے منہ پر رکھ دیئے تاکہ حق بات نہ بول سکیں، یہ خلاف ظاہر ہے۔

قَوْلُهُ: بزعمکم یہ اس سوال کا جواب ہے کہ بما ارسلتم سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار ما جاء به الرسل کے قائل تھے حالانکہ حقیقت ایسی نہیں ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ ہمیں تو تمہارا رسول ہونا تسلیم نہیں مگر بقول شما بھی ہم تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہیں۔

قَوْلُهٗ: لاشك فی توحیدہ ایک شبہ کا جواب ہے کہ شبہ یہ ہے کہ ہمزہ انکاری کا حق یہ ہے کہ شک (مظروف) پر داخل ہو نہ کر ظرف پر اور یہاں اللہ پر داخل ہے جو کہ ظرف ہے حاصل جواب یہ ہے کہ کلام شک میں نہیں ہے بلکہ مشکوک میں ہے فتدبر.

تفسیر وتشریح

اذ تأذن ربکم، تأذن، اعلم کے معنی میں ہے، بولا جاتا ہے تأذن بوعدہ لکم، ای اعلمکم بوعدہ لکم، اس نے اپنے وعدہ سے تمہیں آگاہ کیا، ان عذابی لشدید، سے معلوم ہوتا ہے کہ کفرانِ نعمت اللہ کو سخت ناپسند ہے اسی وجہ سے اس نے ناشکری پر سخت عذاب کی وعید بیان کی ہے، آپ ﷺ نے ایک حدیث میں فرمایا ''کہ عورتوں کی اکثریت اپنے خاوندوں کی ناشکری کرنے کی وجہ سے جہنم میں جائے گی''۔ (صحیح مسلم)

مطلب یہ ہے کہ شکر گذاری میں خود بندہ ہی کا فائدہ ہے اور اگر ناشکری کرے گا تو اس میں اللہ کا کوئی نقصان نہیں ہے وہ تو بے نیاز ہے اگر سارا جہان ناشکرا ہو جائے تو اس کا کیا بگڑے گا؟

ایک حدیث قدسی:

ایک حدیث قدسی میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"یا عبادی! لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی اتقی قلب رجل منکم مازاد ذلك فی ملکی شیئا، یاعبادی! لو ان اولکم واخرکم وانسکم وجنکم کانوا علی افجر قلب رجل منکم مانقص ذلك فی ملکی شیئا، یا عبادی! لو أن اولکم واخرکم وانسکم وجنکم قاموا فی صعید واحد، فسالونی فاعطیت کل انسان مسألته مانقص ذلك من ملکی شیئا الا کما ینقص المخیط اذا ادخل فی البحر".

(صحیح مسلم کتاب البر)

تَرْجَمَہ: اے میرے بندو! اگر تمہارے اول وآخر اور روئے زمین کے تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کی طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہو تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں اضافہ نہیں ہوگا، اے میرے بندو! اگر تمہارے اول وآخر اور تمام انسان اور جن اس ایک آدمی کے دل کے طرح ہو جائیں جو تم میں سب سے بڑا نافرمان اور فاجر ہو تو اس سے میری حکومت اور بادشاہی میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی، اے میرے بندو! اگر تمہارے اول وآخر اور انسان وجن سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں اور مجھ سے سوال کریں، پس میں ہر انسان کو اس کے سوال کے مطابق عطا کروں تو اس سے میرے خزانے اور بادشاہی میں اتنی ہی کمی ہوگی جتنی سوئی کے سمندر میں ڈبو کر نکالنے سے

سمندر کے پانی میں ہوتی ہے۔ (فسبحانه وتعالى الغنى الحميد).

فردوا ایدیهم فی افواههم، مفسرین نے اس کے مختلف معانی بیان کئے ہیں:

❶ انہوں نے ہاتھ اپنے منہ میں رکھ لئے اور کہا ہمارا تو صرف ایک ہی جواب ہے کہ ہم تمہاری رسالت کے منکر ہیں۔
❷ انہوں نے اپنی انگلیوں سے اپنے مونہوں کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ خاموش رہو اور یہ جو پیغام لے کر آئے ہیں ان کی طرف توجہ مت کرو۔
❸ انہوں نے اپنا ہاتھ استہزاء اور تعجب کے طور پر اپنے منہ پر رکھ لئے جس طرح کوئی شخص ہنسی ضبط کرنے کے لئے ایسا کرتا ہے۔
❹ انہوں نے اپنا ہاتھ رسول کے منہ پر رکھ کر کہا خاموش رہو۔
❺ بطور غیظ وغضب کے اپنے ہاتھ اپنے مونہوں پر رکھ لئے جس طرح منافقین کی بابت دوسرے مقام پر آتا ہے "عضوا عليكم الانامل من الغيظ" وہ غیظ وغضب کی وجہ سے تم پر اپنی انگلیاں کاٹتے ہیں، اکثر مفسرین نے اس آخری معنی کو پسند کیا ہے ان میں طبری اور شوکانی بھی شامل ہیں۔

قالوا انا كفرنا بما ارسلتم به وانا لفى شك مما تدعوننا اليه مريب یعنی جس پیغام کے ساتھ تم بھیجے گئے ہو ہم اس کو نہیں مانتے اور جس چیز کی تم دعوت دے رہے ہو اس کی طرف سے ہم سخت خلجان آمیز شک میں پڑے ہوئے ہیں، یعنی ایسا شک کہ جس کی وجہ سے اطمینان رخصت ہو گیا ہے۔ (باقی آیات کی تفسیر واضح ہے)۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ اى لتصيرن فِىْ مِلَّتِنَا ديننا فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ الكفرين وَلَنُسْكِنَنَّكُمُ الْاَرْضَ ارضهم مِنْۢ بَعْدِهِمْ بعد هلاكهم ذٰلِكَ النصر وايراث الارض لِمَنْ خَافَ مَقَامِىْ اى مقامه بين يدى وَخَافَ وَعِيْدِ بالعذاب وَاسْتَفْتَحُوْا استنصر الرسل بالله على قومهم وَخَابَ خسر كُلُّ جَبَّارٍ متكبر عن طاعة الله عَنِيْدٍ معاند للحق مِّنْ وَّرَآئِهٖ اى امامه جَهَنَّمُ يدخلها وَيُسْقٰى فيها مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ هو ماء يسيل من جوف اهل النار مختلطا بالقيح والدم يَّتَجَرَّعُهٗ يبتلعه مرة بعد مرة لمرارته وَلَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ يزدرده لقبحه وكراهته وَيَاْتِيْهِ الْمَوْتُ اى اسبابه المقتضية له من انواع العذاب مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّمَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَمِنْ وَّرَآئِهٖ بعد ذلك العذاب عَذَابٌ غَلِيْظٌ قوى متصل مَثَلُ صفة الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ مبتدأ ويبدل منه اَعْمَالُهُمْ الصالحة كصلة وصدقة فى عدم الانتفاع بها كَرَمَادِ ۨاشْتَدَّتْ بِهِ الرِّيْحُ فِىْ يَوْمٍ عَاصِفٍ شديد هبوب الريح فجعلته هباء منثورا لا يقدر عليه والمجرور خبر المبتدأ لَا يَقْدِرُوْنَ اى الكفار مِمَّا كَسَبُوْا عملوا فى الدنيا عَلٰى شَىْءٍ اى لا يجدون له ثوابا لعدم شرطه ذٰلِكَ هُوَ الضَّلٰلُ الهلاك الْبَعِيْدُ اَلَمْ تَرَ تنظر يا مخاطبا استفهام تقرير اَنَّ اللّٰهَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ

متعلق بحق **اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ** بدلكم **وَّمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ** شديد **وَبَرَزُوْا** اى الخلائق والتعبير فيه وفيما بعده بالماضي لتحقق وقوعه **لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا** الاتباع **لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا** المتبوعين **اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا** جمع تابع **فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ** دافعون **عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ** من الاولى للتبيين والثانية للتبعيض **قَالُوْا** اى المتبوعون **لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ** لدعوناكم الى الهدى **سَوَآءٌ عَلَيْنَآ اَجَزِعْنَآ اَمْ صَبَرْنَا مَا لَنَا مِنْ** زائدة **مَّحِيْصٍ** ملجأ.

ترجمہ: اور کافروں نے اپنے رسولوں سے کہا ہم تم کو یقیناً ملک بدر کر دیں گے الا یہ کہ تم ہمارے مذہب میں داخل ہو جاؤ، تو ان کے پروردگار نے ان کی طرف وحی بھیجی کہ ہم ان ظالموں کافروں ہی کو غارت کر دیں گے اور ان کی ہلاکت کے بعد تم کو ان کی زمین پر بسا دیں گے، یہ مدد اور وراثت ارضی اس کے لئے ہے جو میرے سامنے کھڑے ہونے کا ڈر رکھے گا اور عذاب کی وعید کا ڈر رکھے گا اور رسولوں نے اپنی قوم کے مقابلہ میں اللہ سے مدد طلب کی اور اللہ کی اطاعت کے مقابلہ میں ہر سرکشی کرنے والا ضدی حق کا دشمن نامراد ہو گیا، اس کے سامنے جہنم ہے جس میں وہ داخل ہوگا جہاں وہ پیپ کا پانی پلایا جائیگا، اور وہ ایسا پانی ہے کہ جو جہنمیوں کے اندر سے نکلے گا جو پیپ اور خون کا آمیزہ ہوگا جس کو وہ مجبوراً پیئے گا (یعنی) اس کی تلخی کی وجہ سے تھوڑا تھوڑا کر کے پیئے گا اس کی قباحت اور کراہت کی وجہ سے اس کو نگل نہ سکے گا، اور اس کو ہر طرف سے موت آتی نظر آئے گی یعنی موت کے اسباب جو موت کے متقاضی ہوں گے مختلف اقسام کے عذابوں سے، مگر وہ مرے گا نہیں اور اس عذاب کے بعد ایک نہ ختم ہونے والا سخت عذاب ہوگا اور اپنے رب کے ساتھ کفر کرنے والے لوگوں کے اعمال صالحہ مثلاً صلہ رحمی اور صدقہ کی مثال ان سے منتفع نہ ہونے میں الذین کفروا مبتداء (مبدل منہ) اور اعمالھم بدل ہے اس راکھ کی سی ہے کہ جس پر آندھی کے دن تیز و تند ہوا چلی ہو (اور) اس کو اڑتا ہوا غبار کر دیا ہو کہ اس کے اجر کے پانے پر قادر نہ ہوں گے (یعنی اپنے اعمال صالحہ کا اجر پانے پر قادر نہ ہو) اور مجرور (کرماد) مبتداء کی خبر ہے، جو بھی انہوں نے دنیا میں عمل (صالح) کیا کفار اس پر یعنی اس کا اجر پانے پر اس کی شرط نہ پائے جانے کی وجہ سے قادر نہ ہوں گے یہی دور کی گمراہی ہلاکت ہے، اے مخاطب! کیا تو نے نہیں دیکھا استفہام تقریری ہے، کہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو بامقصد پیدا کیا، بالحق، خلق کے متعلق ہے اگر وہ چاہے تو تم سب کو ختم کر دے اور تمہارے بجائے ایک نئی مخلوق پیدا کر دے اور اللہ کے لئے یہ کوئی مشکل نہیں ہے، اور پوری مخلوق (روز محشر) اللہ کے روبرو حاضر ہوگی اور تعبیر یہاں اور آئندہ صیغۂ ماضی کے ذریعہ یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے ہے اس وقت کمزور لوگ یعنی تابعین سربراہوں (یعنی) متبوعین سے کہیں گے ہم تو تمہارے تابعدار تھے تبعا، تابع کی جمع ہے تو کیا تم اللہ کے عذاب میں سے کچھ ہم سے دفع کر سکتے ہو پہلا مِن تبیین کے لئے ہے اور دوسرا تبعیض کے لئے ہے، مخدومین جواب دیں گے اگر اللہ ہمیں ہدایت دیتا تو ہم بھی تمہاری رہنمائی کرتے (یعنی) ہم تم کو ہدایت کی طرف دعوت دیتے، اب ہم خواہ وائے

ویلا کریں یا صبر کریں دونوں ہمارے لئے برابر ہیں (اب) ہمارے لئے کوئی جائے پناہ نہیں ہے **من** زائدہ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: لتصيرن مفسر علام نے لتعودن کی تفسیر لتصيرن سے کرکے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔

سوال: سوال یہ ہے کہ عود کے لئے پہلے اس حالت پر ہونا ضروری ہے جس سے عود کرے اس کا مطلب یہ ہوا کہ انبیاء علیہم السلام پہلے اپنی امت کے دین پر ہوتے تھے بعد میں اس سے نکل کر دین حق پر آتے تھے حالانکہ امر واقعہ ایسا نہیں ہے نبی ابتداء ہی سے دین حق پر ہوتے ہیں؟

جواب: جواب کا حاصل یہ ہے تعودن، تصیرن کے معنی میں ہے، یعنی تم ہمارے دین پر ہو جاؤ۔

قولہ: بعد هلاكهم، اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: يدخلها، يدخلها محذوف مان کر اشارہ کر دیا کہ يسقى کا عطف محذوف پر ہے تا کہ عطف فعل علی الاسم لازم نہ آئے۔

قولہ: فيها.

سوال: (فيها) مقدر ماننے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: جب معطوف جملہ واقع ہوتا ہے تو اس میں عائد کا ہونا ضروری ہوتا ہے جو معطوف علیہ کی طرف راجع ہوتا ہے۔

قولہ: يتجرعه، اى يتكلف.

قولہ: يزدرده، الازدراد خوشگواری اور سہولت سے کسی چیز کا حلق میں اتارنا۔

قولہ: اسبابه المقتضية للموت، اس میں اشارہ ہے کہ جہنم میں موت نہیں ہوگی اسلئے کہ موت کے لئے تو ایک ہی سبب کافی ہوتا ہے چہ جائے کہ بہت سے اسباب موجود ہوں اور پھر بھی موت نہ آئے، یہ موت نہ آنے کی دلیل ہے۔

قولہ: ويبدل منه یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: مبتداء اور خبر کے درمیان (اعمالهم) کا فصل بالاجنبی لازم آرہا ہے جو درست نہیں ہے۔

جواب: یہ فصل اجنبی نہیں ہے بلکہ وہ مبتداء سے بدل ہے اور بدل مبدل منہ سے اجنبی نہیں ہوتا۔

قولہ: فی يوم عاصف، عاصف کی یوم کی طرف اسناد مجاز کے طور پر ہے اور يوم عاصف، نهاره صائم و ليله قائم کے قبیل سے ہے۔

قولہ: من الاولى للتبيين یعنی مِن اپنے بعد واقع ہونے والے لفظ شئ کے بیان کے لئے ہے بیان جو کہ عذاب الله ہے مبین یعنی شئ پر مقدم ہے تقدیر عبارت یہ ہے "هل انتم مغنون عنا بعض الشئ هو بعض عذاب الله".

تفسیر وتشریح

قال الذین کفروا لرسلهم الخ حضرات انبیاء کے وعظ وتذکیر سے بجائے اس کے کہ منکرین کے دل کچھ نرم پڑتے اور ٹھنڈے دل سے اپنے رسول کی بتائی باتوں پر غور کرتے الٹے انہوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ تم ہی ہمارے دھرم میں آجاؤ ورنہ ہم تمہیں ملک بدر کر دیں گے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انبیاء علیہم السلام منصب نبوت پر فائز ہونے سے پہلے گمراہ لوگوں کے دین دھرم میں شامل ہوا کرتے تھے اور وحی ہدایت آنے کے بعد دین باطل کو ترک کر کے دین حق کی طرف آتے تھے بلکہ مطلب یہ ہے کہ نبوت سے پہلے چونکہ وہ ایک طرح خاموش زندگی بسر کرتے تھے کسی دین کی تبلیغ اور رائج الوقت دین کی تردید نہیں کرتے تھے اس لئے ان کی قوم یہ سمجھتی تھی کہ وہ بھی ہماری ملت میں ہیں، اور کار نبوت شروع کرنے کے بعد ان پر یہ الزام لگایا جاتا تھا کہ وہ ملت آبائی سے نکل گئے ہیں، حالانکہ وہ نبوت سے پہلے بھی کبھی مشرکوں کی ملت میں شامل نہیں ہوئے تھے کہ ان پر اس سے خروج کا الزام عائد کیا جائے۔

ولنسکننکم الارض الخ اسی وعدہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے نبی ﷺ کی مدد فرمائی، اگرچہ آپ ﷺ کو بادل ناخواستہ مکہ سے نکلنا پڑا لیکن چند سالوں کے بعد ہی آپ فاتحانہ مکہ میں داخل ہوئے اور آپ کو نکلنے پر مجبور کرنے والے ظالم مشرکین سر جھکائے کھڑے آپ کے اشارۂ ابرو کے منتظر تھے، لیکن آپ نے خلق عظیم کا مظاہرہ کرتے ہوئے **لا تثریب علیکم الیوم** کہہ کر سب کو معاف فرمادیا۔

مثل الذین کفروا بربهم اعمالهم کرماد الخ یعنی جن لوگوں نے اپنے رب کے ساتھ بے وفائی، خود مختاری نافرمانی اور سرکشی کی روش اختیار کی اور اطاعت وبندگی کا وہ طریقہ اختیار کرنے سے انکار کر دیا کہ جس کی دعوت انبیاء کرام لے کر آئے تھے، ایسے لوگوں کی زندگی بھر کا سرمایۂ عمل ایسا لا حاصل اور بے معنی ثابت ہوگا جیسا کہ راکھ کا ایک ڈھیر تھا، مگر صرف ایک ہی دن کی آندھی نے اس کو ایسا اڑا دیا کہ اس کا ایک ایک ذرہ منتشر ہو کر رہ گیا، حتی کہ ان کی عبادتیں اور ان کی ظاہری نیکیاں اور ان کے خیراتی اور رفاہی کارنامے بھی جن پر ان کو فخر وناز تھا سب کے سب آخر کار راکھ کا ڈھیر ہی ثابت ہوں گے جسے یوم قیامت کی آندھی بالکل صاف کر دے گی اور عالم آخرت میں اس کا ایک ذرہ بھی ان کے پاس اس لائق نہ رہے گا کہ اسے خدا کی میزان میں رکھ کر کچھ وزن پا سکیں۔

دوزخیوں کی آپس میں گفتگو:

جہنمی آپس میں گفتگو کرتے ہوئے کہیں گے کہ جنتیوں کو جنت اس لئے ملی کہ وہ اللہ کے سامنے روتے اور گڑگڑاتے تھے آؤ ہم بھی اللہ کی بارگاہ میں آہ وزاری کریں چنانچہ وہ رو رو کر خوب آہ وزاری کریں گے لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، پھر کہیں گے جنتیوں کو جنت ان کے صبر کی وجہ سے ملی چلو ہم بھی صبر کرتے ہیں پھر وہ صبر کا بھرپور مظاہرہ کریں گے لیکن اس کا بھی کوئی فائدہ

نہیں ہوگا، تو اس وقت کہیں گے کہ ہم صبر کریں یا جزع و فزع اب رہائی کی کوئی صورت نہیں یہ ان کی گفتگو جہنم کے اندر ہوگی۔

وَقَالَ الشَّیْطٰنُ ابلیس لَمَّا قُضِیَ الْاَمْرُ وادخل اهل الجنة الجنة واهل النار النار واجتمعوا عليه اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ بالبعث والجزاء فصدقكم وَوَعَدْتُّكُمْ انه غير كائن فَاَخْلَفْتُكُمْ وَمَا كَانَ لِیَ عَلَیْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ قوة وقدرة اقهر كم على متابعتي اِلَّآ لكن اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِیْ فَلَا تَلُوْمُوْنِیْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ على اجابتي مَآ اَنَا بِمُصْرِخِكُمْ بمغيثكم وَمَآ اَنْتُمْ بِمُصْرِخِیَّ بفتح الياء وكسرها اِنِّیْ كَفَرْتُ بِمَآ اَشْرَكْتُمُوْنِ باشراككم اياى مع الله مِنْ قَبْلُ في الدنيا قال تعالى اِنَّ الظّٰلِمِیْنَ الكافرين لَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ﴿٢٢﴾ مؤلم وَاُدْخِلَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ اى حال مقدرة فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ تَحِیَّتُهُمْ فِیْهَا من الله من الملئكة وفيما بينهم سَلٰمٌ ﴿٢٣﴾ اَلَمْ تَرَ تنظر كَیْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا ويبدل منه كَلِمَةً طَیِّبَةً اى لا اله الا الله كَشَجَرَةٍ طَیِّبَةٍ هي النخلة اَصْلُهَا ثَابِتٌ في الارض وَّفَرْعُهَا غصنها فِی السَّمَآءِ ﴿٢٤﴾ تُؤْتِیْٓ تعطى اُكُلَهَا ثمرها كُلَّ حِیْنٍۭ بِاِذْنِ رَبِّهَا بارادته كذلك كلمة الايمان ثابتة في قلب المؤمن وعمله يصعد الى السماء وبناله بركته وثوابه كل وقت وَیَضْرِبُ يبين اللّٰهُ الْاَمْثَالَ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَذَكَّرُوْنَ ﴿٢٥﴾ يتعظون فيؤمنون وَمَثَلُ كَلِمَةٍ خَبِیْثَةٍ هي كلمة الكفر كَشَجَرَةٍ خَبِیْثَةِ هي الحنظلة اِجْتُثَّتْ استوصلت مِنْ فَوْقِ الْاَرْضِ مَا لَهَا مِنْ قَرَارٍ ﴿٢٦﴾ مستقر وثبات كذلك كلمة الكفر لاثبات لها ولا فرع ولابركة یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ هو كلمة التوحيد فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ اى في القبر لما يسالهم الملكان عن ربهم ودينهم ونبيهم فيجيبون بالصواب كما في حديث الشيخين وَیُضِلُّ اللّٰهُ الظّٰلِمِیْنَ الكفار فلا يهتدون للجواب بالصواب يقولون لاندرى كما في الحديث وَیَفْعَلُ اللّٰهُ مَا یَشَآءُ ﴿٢٧﴾

ترجمہ: اور جب فیصلہ چکا دیا جائیگا، اور اہل جنت، جنت میں، دوزخی دوزخ میں داخل کر دیئے جائیں گے اور دوزخی شیطان کے پاس جمع ہوں گے تو ابلیس ان سے کہے گا، حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے بعث اور جزاء کے جتنے وعدے تم سے کئے تھے وہ سب سچے تھے اور میں نے تم سے جو وعدہ کیا تھا کہ (بعث وغیرہ) کچھ ہونے والا نہیں ہے میں نے اس کو پورا نہیں کیا (یعنی اس کا جھوٹ ہونا ظاہر ہوگیا) اور میری تم پر کوئی زور زبردستی تو تھی نہیں کہ جس کے ذریعہ میں تم کو اپنی اطاعت پر مجبور کرتا البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ میں نے تم کو دعوت دی تو تم نے میری بات پر لبیک کہہ دیا، لہٰذا اب تم میری دعوت پر لبیک کہنے پر مجھے ملامت نہ کرو بلکہ اپنے آپ کو ملامت کرو۔

میں نہ تمہاری فریادرسی کر سکتا ہوں اور نہ تم میری (مصرخی) یاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے اس سے پہلے دنیا میں جو تم نے مجھے خدا کا شریک ٹھہرا رکھا تھا میں اس سے بری الذمہ ہوں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ایسے ظالموں کے لئے دردناک سزا یقینی ہے (بخلاف) ان لوگوں کے جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے ان کو ایسے باغوں میں داخل کیا جائیگا کہ جن میں نہریں بہہ رہی ہوں گی جن میں وہ اپنے رب کی اجازت سے ہمیشہ رہیں گے اس میں ان کے لئے اللہ اور فرشتوں کی طرف سے اور خود آپس میں بھی سلامتی کی مبارک بادی ہوگی خالدین (جنّت) سے حال مقدرہ ہے، کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کلمہ طیبہ کو کس چیز سے مثال دی ہے؟ یعنی لا الٰہ الا اللہ کو اور کلمۃ طیبۃ. مثلا سے بدل ہے، اس کی مثال ایسی ہے کہ اچھی نسل کا درخت ہو اور وہ کھجور کا درخت ہے، کہ اس کی جڑیں زمین میں (گہری) جمی ہوئی ہیں اور اس کی شاخیں آسمان تک پہنچی ہوئی ہیں ہر آن وہ اپنے رب کے حکم و ارادہ سے پھل دے رہا ہے کلمۂ ایمان کی مثال ایسی ہی ہے کہ قلب مومن میں جما ہوا ہے اور اس کا عمل آسمان کی طرف چڑھتا ہے اور مومن اپنے عمل کی برکت اور ثواب ہر آن پاتا ہے، یہ مثالیں اللہ تعالیٰ اس لئے دیتا ہے تاکہ لوگ اس سے نصیحت (سبق) حاصل کریں اور ایمان لے آئیں، اور کلمہ خبیثہ کی مثال کہ وہ کلمۂ کفر ہے برے نسل کے درخت کی سی ہے اور وہ حنظل کا درخت ہے کہ اس کو سطح زمین سے جڑ سے اکھاڑ پھینکا اور اس کے لئے کوئی استحکام نہیں ہے کلمہ کفر ایسا ہی ہے کہ نہ اس کیلئے استحکام ہے اور نہ اس کی شاخیں ہیں اور نہ برکت ایمان والوں کے لئے اللہ تعالیٰ ایک قول ثابت کی بنیاد پر کہ وہ کلمۂ توحید ہے دنیا اور آخرت کی (یعنی) قبر کی زندگی میں ثبات عطا کرتا ہے جبکہ دو فرشتے ان کے رب اور ان کے دین اور ان کے نبی کے بارے میں سوال کریں گے تو وہ درست جواب دیں گے، جیسا کہ شیخین کی حدیث میں ہے، اور ظالموں کافروں کو اللہ بھٹکا دیتا ہے جس کی وجہ سے وہ درست جواب تک رسائی نہیں پاتے بلکہ وہ کہتے ہیں (ھاء ھاء لاندری) ہائے افسوس کہ ہم نہیں جانتے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہے، اور اللہ کو اختیار ہے جو چاہے کرے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وعدالحق، ای وعدا من حقه ان ینجز، یعنی ایسا وعدہ کہ جس کا حق یہ ہے کہ اس کو پورا کیا جائے اور اضافت موصوف الی الصفت بھی قرار دیا جا سکتا ہے الی الوعد الحق.

قولہ: لکن اس میں اشارہ ہے کہ الا ان دعوتکم، دعوتکم، مستثنیٰ منقطع ہے، اسلئے کہ دعاء سلطان کی جنس سے نہیں ہے۔

قولہ: بالفتح یعنی مصرخی میں یاء پر فتحہ اور کسرہ دونوں قراءتیں ہیں فتحہ تخفیف کے لئے ہے اور کسرہ اصل کے مطابق، مصرخ اسم فاعل مذکر، فریاد رسی کرنے والا (افعال) اصراخ، اضداد میں سے ہے اس کے معنی فریاد رسی کرنے والا، اور فریاد خواہ یعنی دادرس اور دادخواہ۔

قولہ: حال مقدرة یعنی مقدرین خلودھم، خالدین، جنّت سے حال ہے جنت کا وجود مقدم ہے اور دخول جنت بعد

میں ہوگا معلوم ہوا کہ حال اور ذوالحال کا زمانہ ایک نہیں ہے حالانکہ ایک ہونا ضروری ہے، جواب یہ ہے کہ حال مقدرہ ہے ای مقدرین خلودهم.

قَوْلُہٗ: تعطی اس میں اشارہ ہے کہ تؤتی ایتاء سے ہے نہ اتیان سے۔

قَوْلُہٗ: اجتثت اس کو اکھاڑ دیا گیا ماضی مجہول واحد مؤنث غائب، مصدر اجتثاث (افتعال).

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

اللہ کا وعدہ:

وقال الشيطان لما قضى الامر (الآية) یہاں فیصلے سے مراد یہ ہے کہ مطیع جنت میں اور نافرمان دوزخ میں پہنچ چکیں گے، اللہ کا وعدہ یہ ہے کہ ایک روز جزاء اور سزا کا آنے والا ہے، اہل ایمان کو اس روز نجات نصیب ہوگی اور اہل کفر کو ہلاکت۔

شیطان کا وعدہ:

شیطان کا وعدہ یہ ہے کہ کفر پر ایمان کو ترجیح نہیں، جنت اور دوزخ سب ڈھکو سلے ہیں، آخرت میں جزا سزا کسی کو نہیں ہوگی۔

دوزخ میں جب دوزخی سارا الزام ابلیس پر ڈالیں گے تو شیطان کہے گا کہ تمہارے گلے شکوے اس حد تک تو صحیح ہیں کہ اللہ سچا تھا اور میں جھوٹا تھا، اس سے مجھے ہرگز انکار نہیں، اللہ کے وعدے اور اس کی وعید میں تم دیکھ رہے ہو کہ اس کی ہر بات اور ہر وعدہ صدفی صد صحیح نکلا، اور میں خود یہ تسلیم کرتا ہوں کہ جو بھروسے میں نے تمہیں دنیا میں دلائے اور خوشنما باغ تم کو دکھائے اور پر فریب توقعات کے جال میں میں نے تم کو پھانسا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ میں نے یہ یقین جو تمہیں دلایا کہ اول تو آخرت کچھ ہے ہی نہیں، سب ڈھکو سلے ہیں اور اگر بالفرض ہوئی بھی تو فلاں حضرت کے تصدق سے تم صاف بچ نکلو گے، بس ان کی خدمت میں نذر و نیاز کی رشوت پیش کرتے رہو اور پھر جو چاہو کرتے پھرو نجات دلانے کا ذمہ ان کا، یہ ساری باتیں جو میں تم سے کہتا رہا یا اپنے ایجنٹوں کے ذریعہ کہلواتا رہا سب دھوکا اور فریب تھا۔

وما كان لى عليكم من سلطان الخ جہنم میں ابلیس جہنمیوں کے الزام کا جواب دیتے ہوئے کہے گا کہ میں کب تمہارا ہاتھ پکڑ کر زبردستی غلط راستے پر کھینچ کر لایا نہ میرا تم پر کوئی دباؤ تھا نہ زور زبردستی، میں نے اس کے سوا کچھ نہیں کیا کہ دعوت حق کے مقابلہ میں اپنی دعوت باطل تمہارے سامنے پیش کی سچائی کے مقابلہ میں جھوٹ کی طرف بلایا، باقی ماننے اور نہ ماننے کا اختیار تو آپ حضرات کو ہی حاصل تھا میرے پاس آپ کو مجبور کرنے کی کوئی طاقت نہیں تھی لہٰذا اس غلط انتخاب کی ذمہ داری مجھ پر ڈالنے کے بجائے خود تمہیں اٹھانی چاہئے، اسلئے کہ اس انتخاب میں تمام تر قصور تمہارا ہی ہے تم نے عقل و شعور سے ذرا کام نہ لیا دلائل واضحہ کو تم نے نظر انداز کیا اور دعوائے محض کے پیچھے لگے رہے جس کی پشت پر کوئی دلیل نہیں تھی لہٰذا نہ تم کو اس قہر و غضب سے

نکلواسکتا ہوں جس میں تم مبتلا ہو اور نہ تم اس عذاب سے مجھے نکلوا سکتے ہو، کہ جس میں میں مبتلا ہوں، اور مجھے اس بات سے بھی انکار ہے کہ میں اللہ کا شریک ہوں اگر تم مجھے یا کسی اور کو اللہ کا شریک سمجھتے رہے تو تمہاری اپنی غلطی اور نادانی تھی، جس اللہ نے ساری کائنات بنائی اس کی تدبیر وہی کرتا رہا بھلا اس کا شریک کوئی کیونکر ہوسکتا ہے؟

الم تر کیف ضرب اللّٰہ مثلا الخ اس کا مطلب ہے کہ مومن کی مثال اس درخت کی طرح ہے کہ جو گرمی سردی غرضیکہ ہر موسم میں پھل دیتا ہے، اسی طرح مومن کے اعمال صالحہ شب و روز کے لحات میں ہر آن اور ہر وقت آسمان کی طرف جاتے رہتے ہیں۔ کلمہ طیبہ سے اسلام یا لا الہ الا اللّٰہ اور شجرۂ طیبہ سے کھجور کا درخت مراد ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں ہے۔

کلمۂ خبیثہ سے مراد کفر اور شجرۂ خبیثہ سے مراد حنظل (اندرائن) کا درخت ہے جس کی جڑیں زمین میں اوپر ہوتی ہیں اور ذرا سے اشارہ میں اکھڑ جاتی ہیں، یعنی کافر کے اعمال نیک بالکل بے حیثیت ہیں نہ وہ آسمان پر چڑھتے ہیں نہ اللہ کی بارگاہ میں وہ قبولیت کا درجہ پاتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ تـنظر اِلَى الَّذِيْنَ بَدَّلُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اى شكرها كُفْرًا هم كفار قريش وَّاَحَلُّوْا انزلوا قَوْمَهُمْ باضلالهم اياهم دَارَ الْبَوَارِ﴿۲۸﴾ الهلاك جَهَنَّمَ عطف بيان يَصْلَوْنَهَا يدخلونها وَبِئْسَ الْقَرَارُ﴿۲۹﴾ المقرهى وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا شركاء لِّيُضِلُّوْا بفتح الياء وضمها عَنْ سَبِيْلِهٖ دين الاسلام قُلْ لهم تَمَتَّعُوْا اى بدنيا كم قليلا فَاِنَّ مَصِيْرَكُمْ مرجعكم اِلَى النَّارِ﴿۳۰﴾ قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ اى فداء فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ﴿۳۱﴾ مخالة اى صداقة تنفع هو يوم القيمة اَللّٰهُ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَسَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ السفن لِتَجْرِيَ فِي الْبَحْرِ بالركوب والحمل بِاَمْرِهٖ باذنه وَسَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ﴿۳۲﴾ وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ جاريين فى فلكهما لايفتران وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ لتسكنوا فيه وَالنَّهَارَ﴿۳۳﴾ لتبتغوا فيه من فضله وَاٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ على حسب مصالحكم وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ بمعنى انعامه لَا تُحْصُوْهَا لاتطيقوا عدها اِنَّ الْاِنْسَانَ الكافر لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴿۳۴﴾ كثير الظلم لنفسه بالمعصية والكفر لنعمة ربه

ترجمہ: کیا آپ نے ان پر نظر نہیں ڈالی جنہوں نے اللہ کی نعمتوں یعنی ان کے شکر کو ناشکری سے بدل دیا اور وہ کفار قریش ہیں، اور اپنی قوم کو گمراہ کر کے ہلاکت کے گھر میں لا اتارا یعنی جہنم میں یہ عطف بیان ہے جس میں یہ سب داخل ہوں گے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے اور انہوں نے اللہ کے شریک ٹھہرا لئے کہ لوگوں کو اللہ کی راہ دین اسلام سے بہکائیں یاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اپنی دنیا میں (چند دن) مزے اڑا لو، تمہاری جائے بازگشت تو آخر جہنم ہی ہے (اے نبی) میرے ان بندوں سے جو ایمان لائے ہیں کہہ دیجئے کہ نماز کی پابندی کریں، اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں

سے ظاہر اور پوشیدہ طور پر خرچ کریں قبل اس کے کہ وہ دن آجائے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی نہ دوستی (نہ ان کے پاس کچھ ہوگا کہ جس کو وہ فدیہ میں دے سکیں) اور وہ دن قیامت کا ہوگا، اللہ وہ ذات ہے کہ جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا اور بادلوں سے پانی برسایا اس پانی کے ذریعہ تمہارے رزق کے لئے پھل پیدا کئے اور کشتیوں کو تابع کر دیا کہ دریا میں سواریوں اور بوجھ کو اللہ کی اجازت سے لے کر چلتی ہیں اور اسی نے دریا تمہارے اختیار میں کر دیئے اور سورج و چاند کو تمہارے لئے مسخر کر دیا (یعنی تمہارے کام میں لگا دیا) کہ اپنی منزلوں میں رواں دواں ہیں (ذرہ برابر) سستی نہیں کرتے اور رات کو بھی تمہارے کام میں لگا رکھا ہے تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرو اور دن کو بھی تاکہ تم اس میں اللہ کا فضل (روزی) تلاش کرو اور جو چیز تم نے اس سے طلب کی اس میں سے تمہاری مصلحت کے مطابق عطا کی، اگر تم اللہ کے انعامات کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے یعنی تمہارے اندر ان کو شمار کرنے کی طاقت نہیں یقیناً کافر انسان بڑا ہی ناانصاف اور ناشکرا ہے یعنی اپنی رب کی نعمتوں کی ناشکری اور معصیت کر کے اپنے اوپر بڑا ہی ظلم کرنے والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: ای شکرھا، یہ اضافہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سَوَالٌ: یہ ہے کہ بدلوا نعمة اللہ کفرا کے معنی ہیں کہ ان لوگوں نے اللہ کی نعمت کو کفر سے بدل لیا، حالانکہ نعمت عین ہے اور کفر وصف ہے اور تبدیل عین بالوصف کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

جَوَابٌ: مضاف محذوف ہے مطلب یہ ہے کہ نعمت کے شکر کو ناشکری سے بدل دیا، یعنی شکر کرنے کے بجائے ناشکری کی۔

قَوْلُہٗ: لیضلوا۔

سَوَالٌ: جعلوا للہ اندادا، کی غرض اضلال اور ضلال کو قرار دیا ہے حالانکہ شریک قرار دینے سے مشرکین کی غرض اضلال اور ضلال نہیں تھی۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ اضلال اور ضلال اگرچہ انداد کی غرض نہیں ہے مگر نتیجہ ضرور ہے لہٰذا نتیجہ کو غرض قرار دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: قل لعبادی الذین آمنوا یقیموا الصلوة الخ.

سَوَالٌ: یقیموا الصلوة الخ کا مقولہ واقع ہونا درست نہیں ہے اسلئے کہ اقامت صلوة مخاطب کا عمل ہے نہ کہ قائل کا مقولہ، حالانکہ مقولہ کے لئے قائل کا ہی مقولہ ہونا ضروری ہے۔

جَوَابٌ: قل کا مقولہ محذوف ہے اور جواب امر جو کہ یقیموا الصلوة ہے حذف پر دال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے قل لعبادی الذین آمنوا أقیموا وأنفقوا، لیقیموا الصلوة وینفقوا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ امر مقولہ ہے تقدیر عبارت یہ ہے قل لھم لیقیموا الخ قُلْ کی دلالت کی وجہ سے لام کو حذف کر دیا گیا ہے یقیموا ہو گیا اور اگر ابتداءً حذف کے

ساتھ یقیموا کو مقولہ قرار دیا جائے تو درست نہ ہوگا۔

قَوْلُہٗ: سرا وعلانیة دونوں أنفقوا امر کی ضمیر سے حال واقع ہونے کی وجہ سے منصوب ہیں، ای ینفقون مسرین ومعلنین۔

قَوْلُہٗ: السفن، اسد کے وزن پر جمع ہے لہٰذا تجری فعل کا مؤنث لانا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: دائبین، ایک دستور پر چلنے والے یہ دائبٌ کا تثنیہ ہے، بمعنی حال، عادت، رسم، دستور، (ف) داب یداب، دابا لگاتار کسی کام میں لگنا۔

تفسیر وتشریح

الم تر الی الذین بدلوا نعمة اللّٰہ کفرا، یہ ذکر سرداران کفر اور پیشوایان ضلالت کا ہو رہا ہے، اس کی تفسیر صحیح بخاری میں اس طرح ہے کہ اس سے مراد کفار مکہ ہیں جنہوں نے رسالت محمدیہ کا انکار کر کے اور جنگ بدر میں مسلمانوں سے لڑ کر اپنے لوگوں کو ہلاک کر دیا اگر چہ یہ آیت شان نزول کے اعتبار سے خاص ہے مگر اپنے مفہوم کے اعتبار سے عام ہے اور مطلب یہ ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین اور لوگوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، سو جس نے اس نعمت کی قدر کی اسے قبول کیا تو اس نے اس کا شکر ادا کیا اور وہ جنتی ہو گیا، اور جس نے اسے رد کر دیا اور کفر اختیار کئے رکھا وہ مستحق دوزخ ہوا۔

نعمة کا لفظ اگر چہ مفرد استعمال ہوا ہے مگر مراد اس سے جنس کے طور پر عام ہے اس سے دنیا کی تمام نعمتیں جو محسوس ومشاہد ہیں جن کا تعلق انسان کے ظاہری منافع سے ہے مراد ہو سکتی ہیں اور معنوی وروحانی نعمتیں بھی جن کا تعلق انسان کے رشد وہدایت کے لئے حق تعالیٰ کی طرف سے انبیاء اور آسمانی کتابوں اور نشانیوں کی شکل میں نازل ہوتی ہیں مراد ہو سکتی ہیں، اور دونوں بھی۔

دونوں قسم کی نعمتوں کا تقاضا یہ تھا کہ انسان اللہ کی عظمت اور قدرت کو پہچانتا اس کی نعمتوں کا شکر گذار ہوتا اس کی فرمانبرداری اختیار کرتا مگر کفار ومشرکین نے نعمتوں کا مقابلہ شکر کے بجائے کفران نعمت سے اور اس کے احسانات کا مقابلہ سرکشی اور نافرمانی سے کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے اپنی قوم کو ہلاکت وبربادی کے مقام میں ڈال دیا اور خود بھی ہلاک ہوئے۔

قل تمتعوا، تمتعوا کے معنی کسی چیز سے چند روزہ عارضی فائدہ حاصل کرنے کے ہیں، اس آیت میں مشرکین کو بتلا دیا گیا ہے کہ چند روز دنیا میں عیش کر لو اور دنیا کی نعمتوں سے چند روز فائدہ اٹھا لو مگر انجام کار تمہارا ٹھکانہ جہنم ہے۔

قل لعبادی، سابقہ آیت میں نافرمان بندوں، کفار ومشرکین کی مذمت اور ان کے انجام بد کا ذکر ہے اور دوسری آیت میں اپنے فرمانبردار اور شکر گذار مومن بندوں کا ذکر ہے اور ان کو ادائے شکر کے طریقوں کی ہدایت ہے جس میں سب سے پہلی ہدایت اقامت صلوۃ کی ہے اقامت صلوۃ کا مطلب ہے کہ اسے اپنے وقت پر تعدیل ارکان کے ساتھ اور خشوع وخضوع کے ساتھ ادا کیا جائے، صلہ رحمی کی جائے، ضرورت مندوں کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کے مالی فرائض ادا کئے جائیں۔

لا بیع فیه ولا خلال لفظ خلال خلة کی جمع ہے جس کے معنی بے غرض مخلصانہ دوستی کے ہیں، نیز اس لفظ کو باب مفاعلہ

کا مصدر بھی کہہ سکتے ہیں جیسے، قتال، دفاع وغیرہ اس صورت میں اس کے معنی دو شخصوں کے درمیان مخصانہ دوستی کے ہوں گے، یہ سب نیکیاں دنیا ہی میں موت سے پہلے پہلے کر لینی چاہئیں، اس کے بعد قیامت کا دن ایسا ہوگا کہ جہاں نہ خرید و فروخت ممکن ہوگی اور نہ ہی خود غرضی کی دوستی کسی کے کام آئیگی۔

اللہ الذی خلق السموات والارض الخ اس آیت سے آخر رکوع تک اللہ تعالیٰ نے اپنی بڑی بڑی نعمتوں کی یاد دہانی کرا کے انسان کو اپنی عبادت اور اطاعت کی دعوت و ترغیب دی ہے، غرضیکہ اللہ کی نعمتیں ان گنت اور بے شمار ہیں انہیں کوئی حیطۂ شمار میں نہیں لاسکتا چہ جائے کہ ان نعمتوں کے شکر کا حق ادا کر سکے، ایک اثر میں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قول ذکر کیا گیا ہے، انہوں نے کہا ''اے رب میں تیرا شکر کس طرح ادا کروں؟ جبکہ شکر بجائے خود تیری طرف سے میرے اوپر ایک نعمت ہے'' اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''اے داؤد اب تو نے میرا شکر ادا کر دیا جبکہ تو نے یہ اعتراف کر لیا کہ اے اللہ تیری نعمتوں کا شکر ادا کرنے سے قاصر ہوں''۔ (ابن کثیر)

وَ اذكر **اِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا الْبَلَدَ** مكة **اٰمِنًا** ذا امن وقداجاب الله تعالى دعاء ه فجعله حرما لايسفك فيه دم انسان ولا يظلم فيه احد ولا يصاد صيده ولا يختلى خلاه **وَّاجْنُبْنِيْ** بعدنى **وَبَنِيَّ** عن **اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ﴿٣٥﴾ رَبِّ اِنَّهُنَّ** اى الاصنام **اَضْلَلْنَ كَثِيْرًا مِّنَ النَّاسِ** بعبادتهم لها **فَمَنْ تَبِعَنِيْ** على التوحيد **فَاِنَّهٗ مِنِّيْ** من اهل دينى **وَمَنْ عَصَانِيْ فَاِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٦﴾** هذا قبل علمه انه تعالى لا يغفر الشرك **رَبَّنَآ اِنِّيْٓ اَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِيْ** اى بعضها وهو اسمعيل مع امه هاجر **بِوَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ** هو مكة **عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ** الذى كان قبل الطوفان **رَبَّنَا لِيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ فَاجْعَلْ اَفْئِدَةً** قلوب **مِّنَ النَّاسِ تَهْوِيْٓ** تميل وتحن **اِلَيْهِمْ** قال ابن عباس لو قال افئدة الناس لحنت اليه فارس والروم والناس كلهم **وَارْزُقْهُمْ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُوْنَ ﴿٣٧﴾** وقد فعل بنقل الطائف اليه **رَبَّنَآ اِنَّكَ تَعْلَمُ مَا نُخْفِيْ** ما نسر **وَمَا نُعْلِنُ وَمَا يَخْفٰى عَلَى اللّٰهِ مِنْ** زائدة **شَيْءٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا فِي السَّمَآءِ ﴿٣٨﴾** يحتمل ان يكون من كلامه تعالى اوكلام ابراهيم **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ وَهَبَ لِيْ** اعطانى **عَلَى** مع **الْكِبَرِ اِسْمٰعِيْلَ** ولد وله تسع وتسعون سنة **وَاِسْحٰقَ** وله مائة وثنتا عشرة سنة **اِنَّ رَبِّيْ لَسَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿٣٩﴾ رَبِّ اجْعَلْنِيْ مُقِيْمَ الصَّلٰوةِ وَ** اجعل **مِنْ ذُرِّيَّتِيْ** من يقيمها واتى بمن لاعلام الله تعالى له ان منهم كفارا **رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿٤٠﴾** المذكور **رَبَّنَا اغْفِرْ لِيْ وَلِوَالِدَيَّ** قبل ان يتبين له عداوتهما لله وقيل اسلمت امه وقرئ والدى مفردا وَولدى **وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ يَوْمَ يَقُوْمُ** يثبت **الْحِسَابُ ﴿٤١﴾**

ع ۱۸

ترجمہ: اور اس وقت کا ذکر کرو کہ جب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعاء کی کہ اے میرے پروردگار تو اس شہر مکہ کو امن

والا بنادے اور بلا شبہ اللہ نے ان کی دعاء قبول فرمائی اور اس کو محترم بنادیا، کہ وہاں نہ کسی انسان کا خون بہایا جاتا ہے اور نہ وہاں کسی پر ظلم کیا جاتا ہے اور نہ اس کے جانور کا شکار کیا جاتا ہے اور نہ اس کی ہری گھاس اکھاڑی جاتی ہے، اور تو (اے میرے پروردگار) مجھے اور میری اولاد کو اس بات سے کہ ہم بت پرستی کریں دور رکھ، اے میرے پروردگار ان بتوں نے بہت سے انسانوں کو ان کے ان کی بندگی کرنے کی وجہ سے گمراہ کردیا، پس جس نے توحید کے معاملے میں میری اتباع کی تو وہ میرا یعنی میرے اہل ملت میں ہے، اور جس نے میری نافرمانی کی تو آپ بہت ہی معاف کرنے والے اور نہایت رحم کرنے والے ہیں (حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی) یہ دعاء اس علم سے پہلے کی ہے کہ اللہ تعالیٰ شرک معاف نہ فرمائیں گے، اے ہمارے پروردگار، میں نے اپنی بعض اولاد کو کہ وہ اسماعیل ہیں مع اس کی والدہ ہاجرہ کے بے آب وگیاہ وادی میں تیرے محترم گھر کے پاس کہ وہ طوفان (نوح) سے پہلے گھر تھا بسادیا ہے، اے ہمارے پروردگار یہ اس لئے کیا ہے تاکہ وہ نماز قائم کریں تو کچھ لوگوں کے دلوں کو (اس گھر کی طرف) مائل ومشتاق کردے، حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا اگر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام **افئدۃ الناس** کہتے تو اس کی طرف فارس اور روم اور تمام لوگ مائل ہوجاتے، اور تو انہیں پھلوں (ہر قسم کی پیداوار) کی روزی عطا فرما تاکہ وہ تیرا شکر ادا کریں اور خطہ طائف کو منتقل کرکے یہ دعاء قبول کرلی گئی، اے ہمارے پروردگار تو بخوبی جانتا ہے جسے ہم چھپائیں یا ظاہر کریں اور اللہ پر زمین اور آسمان کی کوئی شئ پوشیدہ نہیں **مِنْ** زائدہ ہے، مذکورہ کلام میں احتمال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہو اور یہ بھی احتمال ہے کہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا کلام ہو، اللہ کا شکر ہے کہ جس نے اس بڑھاپے میں اسماعیل بیٹا عطا کیا اسماعیل کی پیدائش اس وقت ہوئی جبکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر ٩٩ سال تھی، اور اسحق عطا کیا (اسحق) کی پیدائش اس وقت ہوئی جبکہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عمر ١١٢ سال تھی، اس میں کوئی شک نہیں کہ میرا رب دعاء کا سننے والا ہے اے میرے پروردگار تو مجھے نماز کا پابند رکھ اور میری اولاد میں بھی ایسے لوگ پیدا فرما کہ جو نماز قائم کریں، اور لفظ **مِنْ** استعمال فرمایا اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بتلادیا کہ ان میں کچھ کافر بھی ہوں گے، اے ہمارے پروردگار تو مذکورہ دعاء کو قبول فرما، اے ہمارے پروردگار تو مجھے اور میرے والدین کو بخشدے اور دیگر مومنوں کو بھی جس دن حساب ہونے لگے اور والدین کے لئے یہ دعاء اللہ سے ان کی عداوت ظاہر ہونے سے پہلے کی تھی اور کہا گیا ہے کہ ان کی والدہ ایمان لے آئی تھیں اور ایک قراءت میں **والدی** اور **ولدی** افراد کے ساتھ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

سُوال: سورۂ بقرہ میں بلدا نکرہ استعمال ہوا ہے اور یہاں البلد معرفہ اس میں کیا حکمت ہے؟

جَوَاب: سورۂ بقرہ میں تعمیر بلد سے پہلے دعاء فرمائی کہ یا اللہ تو یہاں ایک شہر تعمیر فرمادے اور یہاں جو دعاء ہے وہ تعمیر بلد کے بعد اس کے مامون ہونے کی ہے۔

قَوْلُهُ: ذا امن

سُوَال: آمنا کی تفسیر ذا امن سے کرنے میں کیا مصلحت ہے؟

جَوَاب: یہ ہے کہ آمن نسبت کا صیغہ ہے نہ کہ اسم فاعل کا، جیسا کہ تـامر تمر بیچنے والا، آمن کے معنی ہیں امن والا، نہ کہ امن دینے والا، اسلئے کہ آمـــــن اسم فاعل بمعنی امن دینے والا درست نہیں ہے اس لئے کہ بلد غیر ذی روح اور غیر ذوی العقول میں سے ہے لہٰذا اس میں امن دینے کی صلاحیت نہیں ہے اور نہ امن کی نسبت بلد کی طرف مناسب اس لئے کہ امن دینا درحقیقت اللہ کا کام ہے۔

قَوْلُهُ: یختلی، یہ اختلاء (افتعال) سے ہے معنی سبز گھاس وغیرہ اکھاڑنا۔

قَوْلُهُ: اجنبنی (ن) امر واحد مذکر حاضر اصل میں اجنب ہے اس میں نون وقایہ یاء متکلم کی ہے تو مجھے بچا، تو مجھ کو دور رکھ۔

قَوْلُهُ: عن أن نعبد الاصنام، لفظ عن کا اضافہ کرکے بتادیا کہ ان نعبد میں ان مصدریہ ہے نہ کہ تفسیریہ اسلئے کہ أن تفسیر کے لئے ماقبل میں لفظ قول یا اس کے ہم معنی ہونا ضروری ہے جو یہاں نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: اضـلـلن کثیرا، اضلال کی اسناد بتوں کی طرف مجازی ہے یہ اسـنـاد الشئ الی سببه کے قبیل سے ہے چونکہ یہ بت لوگوں کے گمراہ ہونے کا سبب ہیں اسلئے اضلال کی نسبت انہی کی طرف کردی۔

قَوْلُهُ: الـذی کـان قبل الطوفان، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ عـنـد بیتك المحرم فرمانا کیسے درست ہے جبکہ وادی غیر ذی ذرع میں کوئی بیت تھا ہی نہیں۔

جَوَاب: جواب کا حاصل یہ ہے بیت کہنا یا تو ماکان کے اعتبار سے ہے یا مایکون کے اعتبار سے، یعنی طوفان نوح علیہ الصلاۃ والسلام سے پہلے وہاں بیت تھا اور آئندہ بھی موجود ہوگا۔

قَوْلُهُ: تحن، ای تشتاق وتمیل.

قَوْلُهُ: افلدة الناس یعنی اگر بغیر من تبعیضیہ کے کہتے تو ہر انسان کی رغبت ہوتی۔

قَوْلُهُ: اسمعیل، اسحق، اسمٰعیل کا نام اسماعیل اس لئے ہوا کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام جب اللہ تعالیٰ سے اولاد کے لئے دعاء فرماتے تھے تو فرماتے تھے، اسـمـع یـا ایل، اسمع امر بمعنی سن اور ایل عبرانی میں اللہ کو کہتے ہیں، اب اسمٰعیل کا ترجمہ ہوا اے خدا تو سن! اور جب اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ الصلاۃ والسلام کی دعاء سن لی اور فرزند عطا کردیا تو اس کا نام اسمٰعیل رکھ دیا، اور اسحٰق کو عبرانی میں اضحاک کہتے ہیں۔

قَوْلُهُ: اجعل، اس میں اشارہ ہے کہ ومن ذریتی کا عطف اجعلنی کی ضمیر منصوب پر ہے۔

قَوْلُهُ: من یقیمها یہ اشارہ ہے کہ اجعلنی کا مفعول ثانی محذوف ہے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

واذقال ابراهيم الخ، گذشتہ آیات میں عقیدۂ توحید کی معقولیت اور اہمیت کا اور شرک و جہالت کی مذمت کا بیان تھا، اب یہاں اسی مناسبت سے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ ذکر فرمایا، اس قصہ کے ضمن میں اہل مکہ کو یہ بھی بتانا مقصود ہے کہ اے اہل مکہ! تمہارا دعوی ہے کہ تم حضرت ابراہیم علیہ السلام کی نسل سے ہو اور تمہارا رشتۂ نسب حضرت خلیل اللہ سے ملتا ہے، مگر ذرا غور تو کرو کہ تمہارے جدامجد کا عقیدہ اور عمل کیا تھا؟ توحید کے معاملہ میں زمرۂ انبیاء علیہم السلام میں سب سے زیادہ کامیاب جہاد حضرت خلیل اللہ کا جہاد تھا، اسی لئے ملت ابراہیمی کو دین حنیف کا نام دیا جاتا ہے تاکہ اہل مکہ تقلید آبائی کے خوگر شاید اپنے جدامجد کے عقیدہ وعمل پر نظر کر کے کفر وشرک سے باز آجائیں، اسی مصلحت سے ابراہیم علیہ السلام کا قصہ سنایا گیا ہے۔

دعاء ابراہیمی کی تاثیر:

وارزقهم من الثمرات لعلهم يشكرون، دعاء ابراہیمی کی تاثیر کس قدر عیاں ہے کہ مکہ جیسی بے آب وگیاہ سرزمین میں جہاں کوئی پھلدار درخت نہیں، دنیا بھر کے پھل اور میوے نہایت فراوانی کے ساتھ مہیا ہیں اور حج کے موقع پر بھی جبکہ لاکھوں افراد کا اضافی اجتماع ہوتا ہے پھلوں کی فراوانی میں کمی نہیں آتی، نہ صرف پھل بلکہ دنیا بھر کی مصنوعات مکہ میں بآسانی دستیاب ہوتی ہیں۔

رب اجعلنی مقيم الصلوة ومن ذريتی، اس دعاء میں اپنے ساتھ اپنی اولاد کو بھی شریک فرمایا اور اپنے ساتھ اپنی اولاد کے لئے بھی نماز کی پابندی کی دعاء کی، اور اپنی مغفرت اور اپنے والدین کے لئے بھی مغفرت کی دعاء فرمائی حالانکہ والد یعنی آذر کا کافر ہونا قرآن میں مذکور ہے ہوسکتا ہے کہ یہ ممانعت سے پہلے کی دعاء ہو، اور جب آذر کا عدواللہ ہونا معلوم ہوگیا تو دعاء ترک کردی۔

قال تعالى وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۚ الكافرون من اهل مكة اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ بلاعذاب لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۙ لهول ماترى يقال شخص بصر فلان اى فتحه فلم يغمضه مُهْطِعِيْنَ مسرعين حال مُقْنِعِيْ رافعي رُءُوْسِهِمْ الى السماء لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ بصرهم

وَأَفْئِدَتُهُمْ قلوبهم هَوَاءٌ خالية من العقل لفزعهم وَأَنْذِرْ خوّف يا محمد النَّاسَ الكفار يَوْمَ يَأْتِيهِمُ الْعَذَابُ هو يوم القيامة فَيَقُولُ الَّذِينَ ظَلَمُوا كفروا رَبَّنَا أَخِّرْنَا بأن تردنا إلى الدنيا إِلَى أَجَلٍ قَرِيبٍ نُجِبْ دَعْوَتَكَ بالتوحيد وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ فيقال لهم توبيخا أَوَلَمْ تَكُونُوا أَقْسَمْتُمْ حلفتم مِنْ قَبْلُ في الدنيا مَا لَكُمْ مِنْ زائدة زَوَالٍ عنها إلى الآخرة وَسَكَنْتُمْ فيها فِي مَسَاكِنِ الَّذِينَ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ بالكفر من الأمم السابقة وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ من العقوبة فلم تنزجروا وَضَرَبْنَا بيّنّا لَكُمُ الْأَمْثَالَ في القرآن فلم تعتبروا وَقَدْ مَكَرُوا بالنبي صلى الله عليه وسلم مَكْرَهُمْ حيث أرادوا قتله أو تقييده أو إخراجه وَعِنْدَ اللَّهِ مَكْرُهُمْ أي علمه أو جزاؤه وَإِنْ ما كَانَ مَكْرُهُمْ وإن عظم لِتَزُولَ مِنْهُ الْجِبَالُ المعنى لا يعبأ به ولا يضر إلا أنفسهم والمراد بالجبال هنا قيل حقيقتها وقيل شرائع الإسلام المشبهة بها في القرار والثبات وفي قراءة بفتح لام لتزول ورفع الفعل فإن مخففة والمراد تعظيم مكرهم وقيل المراد بالمكر كفرهم ويناسبه على الثانية تكاد السماوات يتفطرن منه وتنشق الأرض وتخر الجبال هدًا وعلى الأول ما قرئ وما كان فَلَا تَحْسَبَنَّ اللَّهَ مُخْلِفَ وَعْدِهِ رُسُلَهُ بالنصر إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ غالب لا يعجزه شيء ذُو انْتِقَامٍ ممن عصاه اذكر يَوْمَ تُبَدَّلُ الْأَرْضُ غَيْرَ الْأَرْضِ وَالسَّمَاوَاتُ هو يوم القيامة فيحشر الناس على أرض بيضاء نقية كما في حديث الصحيحين وروى مسلم حديث سئل صلى الله عليه وسلم أين الناس يومئذ قال على الصراط وَبَرَزُوا خرجوا من القبور لِلَّهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ وَتَرَى يا محمد تبصر الْمُجْرِمِينَ الكافرين يَوْمَئِذٍ مُقَرَّنِينَ مشدودين مع شياطينهم فِي الْأَصْفَادِ القيود أو الأغلال سَرَابِيلُهُمْ قمصهم مِنْ قَطِرَانٍ لأنه أبلغ لاشتعال النار وَتَغْشَى تعلو وُجُوهَهُمُ النَّارُ لِيَجْزِيَ متعلق ببرزوا اللَّهُ كُلَّ نَفْسٍ مَا كَسَبَتْ من خير وشر إِنَّ اللَّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ يحاسب جميع الخلق في قدر نصف نهار من أيام الدنيا لحديث بذلك هَذَا القرآن بَلَاغٌ لِلنَّاسِ أي أنزل لتبليغهم وَلِيُنْذَرُوا بِهِ وَلِيَعْلَمُوا بما فيه من الحجج أَنَّمَا هُوَ أي الله إِلَهٌ وَاحِدٌ وَلِيَذَّكَّرَ بإدغام التاء في الأصل في الذال يتعظ أُولُو الْأَلْبَابِ أصحاب العقول.

ترجمہ: مکہ کے کافر جو کچھ کرتے ہیں اس سے تم خدا کو ہرگز غافل نہ سمجھو، وہ تو ان کو عذاب سے اس دن تک کے لئے مہلت دیئے ہوئے ہے کہ جس دن منظر کی ہولناکی کی وجہ سے آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی، کہا جاتا ہے شخص بصر فلان، یعنی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں جس کو وہ بند نہ کر سکا، حال یہ کہ وہ آسمان کی طرف اپنے سروں کو اٹھائے ہوئے (داعی کی آواز کی طرف) تیزی سے دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (ایک لمحہ کے لئے بھی) ان کی پلک نہ جھپکے گی اور ان کے قلوب ان کے خوف کی وجہ سے عقل سے خالی ہوں گے اور اے محمد ﷺ آپ کافر لوگوں کو اس دن سے ڈراؤ جس دن ان پر

عذاب آویگا اور وہ قیامت کا دن ہوگا، اور ظالم کافر کہیں گے اے ہمارے پروردگار، تو ہمیں تھوڑے وقت کی مہلت دے بایں صورت کہ تو ہمیں دنیا کی طرف لوٹا دے تا کہ ہم تیری توحیدی دعوت قبول کرلیں اور تیرے رسولوں کی اتباع کریں تو ان سے جھڑکی کے طور پر کہا جائیگا، کیا تم اس سے پہلے دنیا میں قسم کھا کر نہیں کہا کرتے تھے کہ ہمارے لئے تو دنیا سے آخرت کی طرف ٹلنا ہی نہیں ہے حالانکہ تم دنیا میں ان کی بستیوں میں رہ چکے ہو کہ جنہوں نے امم سابقہ میں سے کفر کرکے اپنے اوپر ظلم کیا اور تمہارے لئے ظاہر ہو چکا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ عذاب کا کیسا معاملہ کیا تھا؟ پھر بھی تم باز نہیں آئے، اور ہم نے تمہارے (سمجھانے) کے لئے قرآن میں طرح طرح کی مثالیں بیان کیں مگر تم نے عبرت حاصل نہ کی، اور یہ لوگ نبی ﷺ کے ساتھ اپنی چالیں چل رہے ہیں اس طریقہ پر کہ ان لوگوں نے آپ کے قتل کا یا قید کرنے کا یا وطن سے نکالنے کا ارادہ کیا اور اللہ کو ان کے مکر کا علم ہے یا اللہ کے پاس ان کی سزا ہے، اور ان کی چالیں اگر چہ کتنی ہی عظیم ہوں ایسی نہ تھیں کہ ان سے پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل سکیں، معنی یہ ہیں کہ ان کی چالیں قابل توجہ نہ تھیں اور وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور پہاڑوں سے مراد حقیقۃً پہاڑ ہی ہیں، یا اسلامی احکام ہیں جن کو ثبات و قرار میں پہاڑوں کے ساتھ تشبیہ دی اور ایک قراءت میں (لتزول) کے لام کے فتحہ اور فعل کو رفع کے ساتھ ہے اور ان مخففہ ہے اور مقصد ان کے مکر کے عظیم ہونے کو بیان کرنا ہے اور کہا گیا ہے کہ مکر سے مراد ان کا کفر ہے اور **تکاد السمٰوات یتفطرن** (الآیۃ) ثانی قراءت کے مناسب ہے، اور پہلی قراءت کے مناسب وہی ہے جو پڑھا گیا ہے، (یعنی) **وما کان مکرھم الخ** آپ ہرگز یہ خیال نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں سے نصرت کے بارے میں وعدہ خلافی کرے گا اللہ تعالیٰ غالب ہے اس کو کوئی چیز عاجز نہیں کرسکتی اور اپنے نافرمانی کرنے والے سے بدلہ لینے والا ہے (اور) اس دن کو یاد کرو کہ موجودہ زمین دوسری زمین سے بدل دی جائے گی اور آسمان بھی اور وہ قیامت کا دن ہوگا، تو لوگوں کو ایک صاف ستھری سفید زمین پر جمع کیا جائیگا، جیسا کہ صحیحین کی حدیث میں ہے، اور روایت کی مسلم نے ایک حدیث جس میں سوال کیا گیا رسول ﷺ سے کہ (تبدیلی ارض) کے دن لوگ کہاں ہوں گے؟ آپ نے فرمایا پل صراط پر، اور (سب لوگ) قبروں سے نکل کر خدائے واحد غالب کے روبرو حاضر ہوں گے اور اے محمد آپ اس دن مجرموں کافروں کو بیڑیوں میں یا طوقوں میں شیاطین کے ساتھ جکڑے ہوئے دیکھو گے حال یہ ہے کہ ان کا لباس گندھک (یا تارکول) کا ہوگا، اسلئے کہ گندھک آگ بھڑکانے والی بہت زیادہ ہوتی ہے اور آگ ان کے چہروں پر بھی چھائی ہوئی ہوگی تا کہ اللہ ہر شخص کو اس کے اعمال نیک و بد کا بدلہ دے، **لیجزی**، **برزوا** کے متعلق ہے بلاشبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد حساب لینے والا ہے اللہ تعالیٰ پوری مخلوق کا حساب دنیا کے دنوں کے اعتبار سے نصف دن میں لے لیگا اس مضمون کی حدیث کی وجہ سے یہ قرآن تمام لوگوں کے لئے اطلاع نامہ ہے یعنی لوگوں کی تبلیغ کے لئے نازل کیا گیا ہے تا کہ اس کے ذریعہ ان کو آگاہ کر دیا جائے اور تا کہ لوگ ان دلائل کو جان لیں جو قرآن میں ہیں کہ اللہ ایک اکیلا معبود ہے اور تا کہ اہل عقل (وبصیرت) اس سے نصیحت حاصل کریں، (لیذکر) اصل میں یا ءذال میں ادغام کے ساتھ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تشخص (ف) مضارع واحد مؤنث غائب، مصدر شخوص، ٹکٹکی باندھ کر دیکھنا، آنکھوں کا کھلا رہ جانا، آنکھوں کا چڑھ جانا۔

قولہ: مھطعین یہ مھطع اسم فاعل کی جمع ہے (افعال) اھطاع سر جھکانا تیزی سے دوڑنا مھطعین، اصحاب مضاف محذوف سے حال ہے تقدیر عبارت یہ ہے، اصحاب الابصار مھطعین.

قولہ: مقنعی، اقناع سے اسم فاعل اٹھائے ہوئے، (افعال) اصل میں مقنعین تھا، نون اضافت کی وجہ سے حذف ہو گیا، مادہ قنع ہے۔

قولہ: افئدتھم، افئدۃ، فؤاد کی جمع ہے بمعنی دل۔

قولہ: ھواء یہ اسم ہے بمعنی خالی، خوف اور گھبراہٹ کی وجہ سے دل کا خالی ہونا ہر بھلائی سے خلی، ھواء اس فضاء کو کہتے ہیں جو آسمان اور زمین کے درمیان ہے، محاورہ میں ڈرپوک دل کی صفت واقع ہوتی ہے۔

قولہ: نجب یہ اخرنا امر کا جواب ہے۔

قولہ: یقال لھم، ماقبل سے ربط پیدا کرنے کے لئے اس کے محذوف ماننے کی ضرورت پیش آئی۔

قولہ: تبین، اس کا فاعل دلالت کلام کی وجہ سے مضمر ہے اور وہ حال ہے، تقدیر عبارت یہ ہے تبین لکم کیف فعلنا بھم؟

قولہ: ان ما، اس میں اشارہ ہے کہ ان نافیہ ہے اور لتزول میں لام تاکید نفی کے لئے ہے، وفی قراءت بفتح لام الاولی ورفع الاخیرۃ ای لتزول، اس صورت میں ان مخففہ عن الثقیلہ ہوگا، مطلب یہ ہوگا کہ ان کا مکر اتنا شدید تھا کہ پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائے، (لتزول) کا لام، مخففہ اور نافیہ کے درمیان فارقہ ہے۔

خلاصہ: ثانی قراءت یعنی اَن مخففہ کی صورت میں (لتزول) سے کفار کے مکر کو عظیم اور شدید ہونے کو بیان کرنا مقصود ہے، اور پہلی قراءت یعنی ان نافیہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ (لتزول) سے ان کے مکر کے ضعف کو بیان کرنا مقصود ہے یعنی ان کا مکر خدائی تدبیر کے مقابلہ میں اتنا ضعیف اور کمزور ہے کہ وہ قابل توجہ بھی نہیں ہے اور نہ وہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتا ہے، دوسری قراءت کے اللہ تعالیٰ کا قول تکاد السمٰوات یتفطرن الخ مناسب ہے اور پہلی قراءت کے اللہ تعالیٰ کا قول: ماکان مکرھم لتزول منہ الجبال" مناسب ہے۔

قولہ: قطران، قطران ایک سیال سیاہ غلیظ مادہ ہوتا ہے جس میں حدت ہوتی ہے، اگر اس کی خارشی اونٹوں کے مالش کر دی جائے تو خارش ختم ہو جاتی ہے یہ مادہ آگ بہت جلدی پکڑتا ہے اور بدبودار ہوتا ہے، بعض حضرات نے اس کا ترجمہ گندھک

اور بعض نے تارکول کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: متعلق ببَرَزُوْا، یعنی لیجزی، برزوا کے متعلق ہے اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: انزل لتبلیغھم، ھذا بلاغ میں چونکہ وصف کا حمل ذات پر لازم آرہا ہے اس لئے شارح رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے مذکورہ عبارت مقدر مانی تاکہ حمل درست ہو جائے، یعنی یہ ہذا کی خبر نہیں ہے بلکہ خبر محذوف ہے خبر کی علت کے قائم مقام کر دیا ہے۔

تفسیر وتشریح

سورۂ ابراہیم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کے اس آخری رکوع میں، خلاصہ کے طور پر انہی اہل مکہ کو پچھلی قوموں کی سرگذشت سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین ہے اور اب بھی ہوش میں نہ آنے کی صورت میں قیامت کے ہولناک عذابوں سے ڈرایا گیا ہے

ولا تحسبن اللّٰہ غافلا عما یعمل الظّٰلمون، پہلی آیت میں رسول اللہ ﷺ اور ہر مظلوم کو تسلی اور ظالم کے لئے سخت عذاب کی دھمکی ہے کہ ظالم لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ڈھیل دینے سے بے فکر نہ ہو جائیں اور یہ نہ سمجھیں کہ اللہ تعالیٰ کو ان کے جرائم کی خبر نہیں اسلئے کوئی عذاب اور مصیبت ان پر نہ آئیگا، بلکہ اللہ کی نظر سے ان کا کوئی عمل مخفی نہیں مگر اس نے اپنی رحمت اور حکمت کے تقاضے سے ڈھیل دے رکھی ہے۔

تشخص فیہ الابصار، یعنی قیامت کا ہولناک نظارہ ان کے سامنے ہوگا اور ٹکٹکی لگائے اسے دیکھ رہے ہوں گے اس طرح کہ ان کے دیدے پتھرا گئے ہیں نہ پلک جھپکے گی اور نہ نظر ہٹے گی۔

اولم تکونوا اقسمتم من قبل مالکم من زوال، یعنی دنیا میں تم قسمیں کھا کھا کر کہا کرتے تھے کہ نہ کوئی حساب کتاب ہے اور نہ دوزخ وجنت اور نہ کسی کو دوبارہ زندہ ہونا ہے، ان کی عبرت کے لئے گذشتہ قوموں کے حالات وواقعات بیان کردیئے جن کے گھروں میں اب تم چل پھر رہے ہو اور ان کے کھنڈر بھی تمہیں دعوت غور وفکر دے رہے ہیں، اگر تم ان سے عبرت نہ پکڑو اور ان کے انجام سے بچنے کی فکر نہ کرو تو تمہاری مرضی، پھر تم بھی اس انجام کے لئے تیار رہو، حالانکہ تم دیکھ چکے تھے کہ تمہاری پیش رو قوموں نے قوانین الٰہی کی خلاف ورزی کے نتائج سے بچنے اور انبیاء کی دعوت کو ناکام کرنے کے لئے کیسی کیسی زبردست چالیں چلیں اور یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ اللہ کی ایک ہی چال سے وہ کس طرح مات کھا گئے، مگر پھر بھی تم حق کے خلاف چالبازیاں کرنے سے باز نہ آئے، اور یہی سمجھتے رہے کہ ہماری چالیں ضرور کامیاب ہوں گی۔

وقد مکروا مکرھم الخ اس آیت میں مخالفانہ تدبیروں کا ذکر کیا گیا ہے، یعنی ان لوگوں نے دین حق کو مٹانے اور مسلمانوں کو ستانے کے لئے بھرپور تدبیریں کیں اور اللہ تعالیٰ ان کی مخفی اور ظاہر تدبیروں سے واقف ہے اللہ ان کے ناکام بنادینے پر قادر ہے اگرچہ ان کی تدابیر اتنی عظیم وشدید تھیں کہ ان کے مقابلہ پر پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ہٹ جاتے مگر اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے سامنے ساری تدبیریں گرد وغبار کی طرح ہباءً منثورا ہوگئیں، یہ مطلب ان مخففہ عن المثقلہ کی صورت میں ہوگا اور

ان کو نفیہ قرار دے کر یہ معنی ہوں گے، اگرچہ انہوں نے بہت سی تدبیریں اور چالیں چلیں، لیکن ان کی تدبیروں اور چالوں سے یہ ممکن نہ تھا کہ پہاڑ اپنی جگہ سے ٹل جائیں، اور پہاڑ سے مراد آپ ﷺ کا عزم واستقلال ہے۔

فلا تحسبن اللّٰہ مخلف وعدہ، اگرچہ اس میں روئے سخن آپ ﷺ کی طرف ہے مگر مراد مخالفین ہیں یعنی کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول سے جو وعدے فتح ونصرت اور کامیابی کے کیے ہیں وہ ان کے خلاف کرے گا اللہ بڑا زبردست ہے وہ ضرور دشمنوں سے انتقام لے گا اور اپنے پیغمبروں سے جو وعدے کئے ہیں ان کو ضرور پورا کرے گا۔

یوم تبدل الارض غیرالارض والسمٰوات (الآیۃ) اس آیت میں موجودہ زمین وآسمان کی تبدیلی کا ذکر ہے یہ تبدیلی ذات کے اعتبار سے بھی ہوسکتی ہے اور صفات کے اعتبار سے بھی اور دونوں طریقوں سے بھی، بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ارض وسماء کی تبدیلی کے وقت مخلوق پل صراط پر ہوگی، غرضیکہ موجودہ نظام طبعی درہم برہم کردیا جائیگا اور نفخۂ اولیٰ اور ثانیہ کی مدت کے درمیان زمین وآسمان کی موجودہ ہیئت بدل ڈالی جائیگی، اور ایک دوسرا نظام طبیعت دوسرے قوانین فطرت کے ساتھ بنادیا جائیگا پھر نفخۂ ثانیہ کے ساتھ ہی تمام وہ انسان جو تخلیق آدم سے لے کر قیامت تک پیدا ہوئے تھے از سر نو زندہ کرکے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کئے جائیں گے اسی کا نام حشر ہے، قرآنی اشارات اور حدیث کی تصریحات سے یہ بات ثابت ہے کہ حشر اسی زمین پر ہوگا یہیں عدالت قائم ہوگی یہیں میزان عدل قائم کی جائی گی، اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ہماری وہ دوسری زندگی جس میں یہ معاملات پیش آئیں گے محض روحانی نہیں ہوگی، بلکہ ٹھیک اسی طرح جسم وروح کے ساتھ ہم زندہ کئے جائیں گے جس طرح آج زندہ ہیں۔



سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ تِسْعٌ وَتِسْعُوْنَ آيَةً وَسِتُّ رُكُوْعَاتٍ

سُوْرَةُ الْحِجْرِ مَكِّيَّةٌ تِسْعٌ وَ تِسْعُوْنَ آيَةً.

سورۂ حجر مکی ہے ۹۹ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ الٓرٰ الله اعلم بمراده بذلك تِلْكَ هذه الايات آيٰتُ الْكِتٰبِ القران والا ضافة بمعنى من وَقُرْاٰنٍ مُّبِيْنٍ① مظهر للحق من الباطل عطف بزيادة صفة رُبَمَا بالتشديد والتخفيف يَوَدُّ يتمنى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يوم القيمة اذا عاينوا حالهم وحال المسلمين لَوْكَانُوْا مُسْلِمِيْنَ② ورب للتكثير فانه يكثر منهم تمنى ذلك وقيل للتقليل فان الاهوال تدهشهم فلا يفيقون حتى يتمنوا ذلك الافى احيان قليلة ذَرْهُمْ اترك الكفار يا محمد يَاْكُلُوْا وَيَتَمَتَّعُوْا بدنياهم وَيُلْهِهِمُ يشغلهم الْاَمَلُ بطول العمروغيره عن الايمان فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ③ عاقبة امرهم وهذا قبل الامر بالقتال وَمَآ اَهْلَكْنَا مِنْ زائدة قَرْيَةٍ اريد اهلها اِلَّا وَلَهَا كِتَابٌ اجل مَّعْلُوْمٌ④ محدود لهلاكها مَا تَسْبِقُ مِنْ زائدة اُمَّةٍ اَجَلَهَا وَمَا يَسْتَاْخِرُوْنَ⑤ يتاخرون عنه وَقَالُوْا اى كفار مكة للنبى صلى الله عليه وسلم يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْ نُزِّلَ عَلَيْهِ الذِّكْرُ القران فى زعمه اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ⑥ لَوْمَا هلا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ⑦ فى قولك انك نبى وان هذا القران من عندالله تعالى قال تعالى مَا نُنَزِّلُ فيه حذف احدى التائين الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ بالعذاب وَمَا كَانُوْٓا اِذًا اى حين نزول الملائكة بالعذاب مُّنْظَرِيْنَ⑧ مؤخرين اِنَّا نَحْنُ تاكيد لاسم ان اوفصل نَزَّلْنَا الذِّكْرَ القران وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ⑨ من التبديل والتحريف والزيادة والنقص وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رسلا فِيْ شِيَعِ فرق الْاَوَّلِيْنَ⑩ وَمَا كان يَاْتِيْهِمْ مِّنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ⑪ استهزاء قومك بك وهذا تسلية للنبى صلى الله عليه وسلم كَذٰلِكَ نَسْلُكُهٗ اى مثل ادخالنا التكذيب فى قلوب اولئك ندخله فِيْ قُلُوْبِ الْمُجْرِمِيْنَ⑫ اى كفار مكة لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ بالنبى صلى الله عليه وسلم وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ⑬ اى سنة الله فيهم من تعذيبهم بتكذيبهم انبيائهم

وهؤلاء مثلهم ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِم بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَظَلُّوا فِيهِ﴾ في الباب ﴿يَعْرُجُونَ﴾ يصعدون ﴿لَقَالُوا إِنَّمَا سُكِّرَتْ﴾ سدت ﴿أَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُورُونَ﴾ يخيل الينا ذلك.

ترجمہ: الٓـر، اس سے اپنی مراد کو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ آیات قرآن کی آیتیں ہیں، اور اضافت بمعنی من ہے اور قرآن مبین کی (آیتیں ہیں) جو حق کو باطل سے ممتاز کرنے والا ہے یہ زیادتی صفت کے ساتھ عطف ہے بعید نہیں کہ کافر لوگ قیامت کے دن جب اپنے حال کو اور مسلمانوں کے حال کو دیکھیں تو تمنا کریں کاش ہم سر تسلیم خم کر دیتے (ربما) تشدید اور تخفیف کے ساتھ ہے، رب تکثیر کے لئے ہے بایں صورت کہ ان کی جانب سے اس کی کثرت سے تمنا ہو اور کہا گیا ہے کہ (رُب) تقلیل کے لئے ہے امر واقعہ یہ ہے کہ (قیامت کی) ہولناکیاں ان کو مدہوش کئے ہوں گی جس کی وجہ سے ان کو ہوش ہی نہ ہوگا کہ وہ اس کی تمنا کریں، الا یہ کہ بہت قلیل وقت کے لئے اے محمد ﷺ ان کافروں کو چھوڑو کہ اپنی دنیا میں کھائیں (پئیں) اور مزے کریں اور درازی عمر کی امید ان کو ایمان وغیرہ سے غفلت میں ڈالے رہے، اپنے عمل کا انجام انہیں عنقریب معلوم ہو جائیگا اور یہ حکم قتال سے پہلے کا ہے، اور ہم نے کسی بستی کو یعنی بستی والوں کو ہلاک نہیں کیا مگر یہ کہ اس کے لئے مقررہ نوشتہ تھا (یعنی) اس کی ہلاکت کا وقت مقرر تھا من زائدہ، اور قریہ سے اہل قریہ مراد ہیں، کوئی (متنفس) اپنی موت کے وقت مقررہ سے نہ آگے بڑھ سکتا ہے اور نہ اس سے پیچھے ہٹ سکتا ہے، من زائدہ ہے کفار مکہ نبی ﷺ سے کہتے ہیں کہ اے وہ شخص کہ جس پر بزعم خود ذکر (یعنی) قرآن نازل کیا گیا ہے بلاشبہ تو دیوانہ ہے اگر تو اپنے اس دعوے میں کہ تو نبی ہے اور یہ کہ قرآن اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے سچا ہے تو ہمارے پاس فرشتے کیوں نہیں لاتا اور ہم فرشتوں کو حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں (یعنی) عذاب کے ساتھ اور جب فرشتے عذاب لے کر اترتے ہیں تو پھر ان کو مہلت نہیں دی جاتی ہم نے ہی اس قرآن کو نازل کیا ہے (نحن) ان کے اسم کی تاکید ہے یا ضمیر فصل ہے اور ہم ہی تبدیل وتحریف اور زیادتی ونقصان سے حفاظت کرنے والے ہیں اور ہم نے آپ سے پہلے گذشتہ قوموں میں (بھی برابر) رسول بھیجے اور ایسا کبھی نہیں ہوا کہ ان کے پاس رسول آیا ہو اور اس نے تیری قوم کے تیرا مذاق اڑانے کے مانند مذاق نہ اڑایا ہو اور یہ نبی ﷺ کو تسلی ہے اور اسی طرح یعنی ان لوگوں کے دلوں میں تکذیب (استہزاء) ڈالنے کے مانند مجرموں یعنی کفار مکہ کے دلوں میں ڈال دیتے ہیں (جس کی وجہ سے) یہ لوگ نبی ﷺ کی (رسالت) کی تصدیق نہیں کرتے اور یہ دستور پہلے ہی سے چلا آتا ہے یعنی ان کی تکذیب کی وجہ سے ان کو سزا دینے کا اللہ کا دستور پہلے ہی سے چلا آتا ہے، اور یہ بھی (تکذیب میں) ان جیسے ہیں اور اگر ہم ان کے لئے آسمان کا دروازہ کھول بھی دیں اور یہ اس دروازہ سے چڑھ بھی جائیں تب بھی یہ یہی کہیں گے کہ ہماری تو نظر بندی کر دی گئی بلکہ ہمارے اوپر جادو کر دیا گیا یعنی یہ (آسمان پر چڑھنا) ہمارے خیال میں ڈال دیا گیا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: هذه الأيات.

سوال: تلك کی تفسیر هذه سے کرنے کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: قرب حسی کو بیان کرنا مقصود ہے۔

سوال: تو پھر هذه ہی کیوں نہ استعمال کیا گیا۔

جواب: تلك سے علو رتبی کو بیان کرنا مقصود ہے، تلك کو هذه کے معنی میں لینے سے دونوں فائدے حاصل ہو گئے علو رتبی اور قرب حسی اگر تلك کی جگہ هذه استعمال ہوتا تو صرف قرب حسی ہی کا فائدہ حاصل ہوتا۔

قولہ: اضافت بمعنی من ای آیات من الکتاب.

قولہ: مظهر الحق.

سوال: مفسر علام عام طور پر مبین کی تفسیر بین سے کرتے ہیں اور یہ قرین قیاس بھی ہے اسلئے کہ متعدی بمعنی لازم لینا مقصود ہوتا ہے مگر یہاں مبین سے متعدی معنی ہی مراد ہیں نہ کہ لازم اسی لئے مفسر علام نے مبین کی تفسیر مظهر سے کی ہے۔

قولہ: عطف بزيادة الصفة.

سوال: اس اضافہ کا کیا فائدہ ہے؟

جواب: یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: یہ ہے کہ قرآن کا عطف کتاب پر ہو رہا ہے اور دونوں کا مصداق ایک ہی ہے لہٰذا یہ عطف الشئ علی نفسه کے قبیل سے ہو گیا حالانکہ عطف مغایرت کو چاہتا ہے۔

جواب: کتاب جو کہ معطوف علیہ ہے مطلق ہے اور قرآن صفت مبین کے ساتھ مقید ہے لہٰذا یہ عطف مقيد على المطلق کے قبیل سے ہے اور دونوں میں مغایرت ظاہر ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں، مفسر علام نے عطف بزيادة الصفة سے اسی سوال کا جواب دیا ہے۔

قولہ: يتاخرون عنه یہ بھی ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: یہ کہ يستاخرون باب استفعال ہے جو طلب پر دلالت کرتا ہے حالانکہ یہاں طلب کے معنی مقصود نہیں ہیں؟

جواب: استفعال بمعنی تفعل ہے۔

قولہ: انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون یہ مشرکین کے رد و انکار کا جواب ہے جو مشرکین نے بھی "انك لمجنون" کہہ کر نزول ذکر کا تاکید کے ساتھ انکار کیا تھا لہٰذا اللہ تعالیٰ نے نزول ذکر کا اثبات بھی تاکید کے ساتھ انا نحن نزلنا الذكر الخ کہہ کر فرمایا۔

قولہ: تاکید او فصل یعنی نحن اسم انّا کی تاکید ہے یا یہ کہ فصل ہے نحن کو فصل قرار دینے کی صورت میں یہ سوال ہوگا کہ فصل دو اسموں کے درمیان ہوتا ہے نہ کہ اسم اور فعل کے درمیان جیسا کہ یہاں ہے اور دوسرا سوال یہ ہوگا کہ فصل ضمیر غائب سے ہوتا ہے نہ کہ اس کے علاوہ سے البتہ جرجانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے اسم اور فعل کے درمیان بھی فصل کو جائز کہا ہے، غالباً مفسر علام نے جرجانی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ کے مسلک پر عمل کیا ہے۔

قولہ: کان، کان کا اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ ماحالیہ اس مضارع پر داخل ہوتا ہے جو حال کے معنی میں ہو یا اس ماضی پر داخل ہوتا ہے جو قریب الی الحال ہو مفسر علام نے کان مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ ماحالیہ ماضی قریب الی الحال پر داخل ہے۔

قولہ: ندخلہ، ای الاستھزاء، ہٗ ضمیر کا مرجع استہزاء ہے۔

تفسیر وتشریح

سورت کا نام:

اس سورت کا نام حجر ہے جو کہ آیت ۸۰ کے فقرہ **كذب اصحٰب الحجر المرسلين** سے ماخوذ ہے۔

مقام حجر کا مختصر تعارف:

حجر یہ قوم ثمود کا مرکز تھا اس کے کھنڈر مدینہ سے شمال مغرب میں موجودہ شہر العلا سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہیں، مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے یہ شہر شاہ راہ عام پر پڑتا ہے اور قافلے اس وادی سے ہو کر گذرتے ہیں ۹ھ میں آنحضرت ﷺ تبوک جاتے ہوئے اس علاقہ سے گذرے تھے مگر آپ نے اس معذب بستی سے جلدی سے گذرنے کا حکم فرمایا تھا دولت عثمانیہ کے زمانہ میں یہ حجاز ریلوے کا اسٹیشن تھا۔

آٹھویں صدی ہجری میں ابن بطوطہ حج کو جاتے ہوئے یہاں پہنچا تھا، وہ لکھتا ہے کہ یہاں سرخ رنگ کے پہاڑوں میں قوم ثمود کی تراشی ہوئی عمارتیں موجود ہیں جو انہوں نے پہاڑوں کو تراش کر ان کے اندر بنائی تھیں ان کے نقش ونگار اس وقت تک ایسے تازہ ہیں جیسا آج یہ بنائے گئے ہوں، ان مکانات میں اب گلی سڑی ہڈیاں پڑی ہوئی ملتی ہیں۔

الٓر: اس کی حقیقی مراد تو اللہ ہی بہتر جانتا ہے، یہ آیتیں ہیں ایک کامل کتاب کی، کتاب مبین سے مراد قرآن کریم ہی ہے قرآن کی تنوین تفخیم کے لیے ہے یعنی یہ قرآن کامل اور نہایت عظمت وشان والا ہے۔

ربما يود الذين كفروا لو كانوا مسلمين، کفار ومشرکین یہ آرزو کس وقت کریں گے؟ موت کے وقت جب فرشتے انھیں جہنم کی آگ دکھاتے ہیں، یا جہنم میں داخل ہونے کے بعد، یا میدان حشر میں جہاں [illegible] حساب کتاب ہو رہا ہوگا اور کافر مسلمانوں کو [illegible] میں اور [illegible] کو [illegible] جنت میں جاتا [illegible] یکھیں گے، اس وقت یہ کافر آرزو کریں گے کہ کاش وہ بھی مسلمان ہوتے "ربما" اکثر

وتکثیر کے لئے استعمال ہوتا ہے مگر کبھی قلت کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے رُبَ بغیر ما کے فعل پر داخل نہیں ہوتا۔

ذرهم یا کلوا و یتمتعو (الآیة) یہ کافروں کے لئے تہدید و توبیخ ہے یعنی اگر یہ کافر کفر و شرک سے باز نہیں آئے تو انھیں اپنی حالت پر چھوڑ دیجئے، یہ دنیوی لذتوں سے محظوظ ہوں اور خوب داد عیش دیں، عنقریب انھیں اپنے کفر و شرک کا انجام معلوم ہو جائیگا۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانے پینے کو مقصد اصلی اور مشغلہ بنالینا اور دنیوی عیش و عشرت کے سامان میں موت سے بےفکر ہو کر طویل منصوبہ سازی کرتے رہنا کفار ہی کا شیوہ ہو سکتا ہے جن کا آخرت اور اس کے حساب و کتاب اور جزاء و سزا پر ایمان نہیں، مومن بھی کھاتا پیتا ہے، اور معاش کا بقدر ضرورت سامان بھی کرتا ہے اور آئندہ کاروبار کے منصوبے بھی بناتا ہے مگر موت اور فکر آخرت سے خالی ہو کر یہ کام نہیں کرتا۔

ما تسبق من امة اجلها وما یستاخرون، جس بستی کو بھی ہم نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کرتے ہیں، تو فوراً ہلاک نہیں کر ڈالتے، بلکہ ہم ایک وقت مقرر کئے ہوئے ہیں اس وقت تک اس بستی والوں کو مہلت دی جاتی ہے لیکن جب وہ مقررہ وقت آجاتا ہے تو انھیں ہلاک کر دیا جاتا ہے پھر وہ اس سے آگے پیچھے نہیں ہوتے۔

قرآن اور حفاظت قرآن:

انا نحن نزلنا الذکر وانا له لحافظون، اس آیت میں پیشین گوئی کر دی گئی ہے کہ قرآن کریم قیامت تک اپنی اصلی شکل میں محفوظ رہے گا، دنیا کی کوئی طاقت اسے مٹانے یا اس میں تحریف و ترمیم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے گی، ہم نے مقدمہ میں حفاظت قرآن کے زیر عنوان گفتگو کی ہے وہاں آپ نے غالباً پڑھ لیا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے اس پیشین گوئی کو عملی طور پر کس طرح سچا کر کے دکھایا، اور ہر دور میں اس کی کس طرح حفاظت کی، چنانچہ آج یہ بات پورے وثوق اور دعوے کے ساتھ بلا خوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ قرآن کریم ہمارے پاس اسی شکل میں موجود ہے جس شکل میں آنحضرت ﷺ نے اسکی تعلیم دی تھی، اور اس میں آج تک کسی ایک نقطہ یا شوشے کا بھی فرق نہیں ہو سکا، معاندین اسلام نے ماضی میں بھی قرآن میں تحریف و ترمیم کی کوششیں کی ہیں اور آج بھی یہ کوششیں جاری ہیں مگر مایوسی اور ناکامی کے علاوہ ان کے کچھ ہاتھ نہیں لگا۔

حفاظت قرآن غیروں کی نظر میں:

قرآن محفوظ ہونے کا عقیدہ صرف مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ منصف مزاج غیر مسلموں نے بھی اس حقیقت کو تسلیم کیا ہے اور اس سے انکار کی جرأت نہیں کی، لیکن جب نگاہوں پر تعصب کا پردہ پڑ جائے تو ایک شفاف چشمہ بھی گدلا نظر آنے لگتا ہے حفاظت قرآن کا وعدۂ الٰہی جس حیرت انگیز طریقہ پر پورا ہو کر رہا اسے دیکھ کر بڑے بڑے متعصب و مغرور مخالفوں کے سر نیچے ہو گئے "میور" کہتا ہے۔

''جہاں تک ہماری معلومات ہیں دنیا بھر میں ایک بھی ایسی کتاب نہیں کہ جو قرآن کی طرح بارہ صدیوں تک ہر قسم کی تحریف سے پاک رہی ہو''۔

ایک اور یوروپین لکھتا ہے۔

''ہم ایسے ہی یقین سے قرآن کو بعینہ محمد ﷺ کے منہ سے نکلے ہوئے الفاظ سمجھتے ہیں جیسے مسلمان اسے خدا کا کلام سمجھتے ہیں''۔

حفاظت قرآن کے سلسلہ میں مامون رشید کے دربار کا ایک واقعہ:

قرطبی نے اس جگہ سند متصل کے ساتھ ایک واقعہ امیر المومنین مامون کے دربار کا نقل کیا ہے کہ مامون گاہے بگاہے علمی مسائل پر بحث ومباحثے اور مذاکرے کرایا کرتا تھا، ایسے ہی ایک مباحثہ میں ایک یہودی بھی ایک مرتبہ آگیا، جب مجلس ختم ہوگئی تو مامون نے بلا کر دریافت کیا، کیا تم اسرائیلی ہو؟ اس نے کہا ہاں، مامون نے امتحاناً کہا اگر تم مسلمان ہو جاؤ تو ہم تمہارے ساتھ بہت اچھا سلوک کریں گے۔

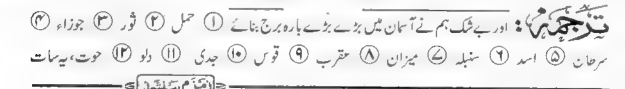
اس نے جواب دیا کہ میں اپنے آباء واجداد کے دین کو نہیں چھوڑ سکتا، پھر اسی شخص نے ایک سال بعد مسلمان ہو کر دربار میں مجلس مذاکرہ میں فقہ اسلامی کے موضوع پر بہترین تقریر اور عمدہ تحقیقات پیش کیں، مجلس ختم ہونے کے بعد مامون نے اس کو بلا کر کہا کہ تم وہی شخص ہو جو سال گذشتہ آئے تھے اس نے کہا ہاں وہی ہوں، مامون نے دریافت کیا اس وقت تم نے اسلام قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا پھر اب مسلمان ہونیکا سبب کیا ہوا؟

اس نے جواب دیا کہ سال گذشتہ جب یہاں سے واپس گیا تو میں نے موجودہ مذاہب کی تحقیق کرنے کا ارادہ کیا، میں ایک خطاط اور خوش نویس آدمی ہوں، کتابیں لکھ کر فروخت کرتا ہوں، اچھی قیمت سے فروخت ہو جاتی ہیں، میں نے آزمائش اور امتحان کے طور پر تورات کے تین نسخے کتابت کئے جن میں میں نے بہت سی جگہ اپنی طرف سے حذف واضافہ کر دیا اور میں وہ نسخے لے کر کنیسہ میں پہنچا، یہودیوں نے بڑی رغبت سے ان کو خرید لیا، پھر اسی طرح انجیل کے تین نسخے حذف واضافہ کے ساتھ کتابت کئے اور نصاریٰ کے پاس لے گیا وہاں بھی عیسائیوں نے بڑی قدر ومنزلت کے ساتھ یہ نسخے مجھ سے خرید لئے، پھر یہی کام میں نے قرآن کے ساتھ کیا، اس کے بھی تین نسخے عمدہ کتابت کئے جن میں اپنی طرف سے کمی بیشی کر دی پھر ان کو لے کر میں فروخت کے لئے نکلا تو جس مسلمان کے پاس لے کر گیا اس نے دیکھا کہ صحیح بھی ہیں یا نہیں جب کمی بیشی نظر آئی تو اس نے مجھے وہ نسخے واپس کر دیئے۔

اس واقعہ سے میں نے سبق لیا کہ یہ کتاب محفوظ ہے اور اللہ ہی نے اس کی حفاظت کی ہوئی ہے، اسی وجہ سے میں مسلمان ہوگیا۔

واقعات بتلاتے ہیں کہ ہر زمانہ میں ایک بڑی تعداد علماء کی ایسی رہی ہے کہ جس نے قرآن کریم کے علوم اور مطالب کی حفاظت کی ہے، کاتبوں نے رسم الخط کی، قاریوں نے طرز ادا اور تلفظ کی، حافظوں نے اس کے الفاظ اور عبارت کی وہ حفاظت کی کہ نزول کے وقت سے لے کر آج تک کوئی لمحہ اور کوئی ساعت نہیں بتلائی جاسکتی کہ جس میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد حفاظ قرآن کی موجود نہ رہی ہو آٹھ دس سال کا بچہ جسے اپنی مادری زبان میں دو تین جز کا رسالہ یاد کرنا دشوار ہے وہ ایک اجنبی زبان کی اتنی ضخیم کتاب کس طرح فرفر سنا دیتا ہے۔

وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا اثنى عشر الحمل والثور والجوزاء والسرطان والاسد والسنبلة والميزان والعقرب والقوس والجدى والدلو والحوت وهى منازل الكواكب السبعة السيارة المريخ وله الحمل والعقرب والزهرة ولها الثور والميزان وعطارد وله الجوزاء والسنبلة والقمر وله السرطان والشمس ولها الاسد والمشترى وله القوس والحوت وزحل وله الجدى والدلو **وَزَيَّنَّاهَا** بالكواكب **لِلنَّاظِرِينَ** ⑯ **وَحَفِظْنَاهَا** بالشهب **مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَجِيمٍ** ⑰ مرجوم **إِلَّا** لكن **مَنِ اسْتَرَقَ السَّمْعَ** خطفه **فَأَتْبَعَهُ** لحقه **شِهَابٌ مُبِينٌ** ⑱ كوكب يضئ يحرقه او يثقبه او يخبله **وَالْأَرْضَ مَدَدْنَاهَا** بسطناها **وَأَلْقَيْنَا فِيهَا رَوَاسِيَ** جبالا ثوابت لئلا تتحرك باهلها **وَأَنْبَتْنَا فِيهَا مِنْ كُلِّ شَيْءٍ مَوْزُونٍ** ⑲ معلوم مقدر **وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيهَا مَعَايِشَ** بالياء من الثمار والحبوب وجعلنا لكم **وَمَنْ لَسْتُمْ لَهُ بِرَازِقِينَ** ⑳ من العبيد والدواب والانعام فانما يرزقهم الله **وَإِنْ** ما **مِنْ** زائدة **شَيْءٍ إِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهُ** مفاتيح خزائنه **وَمَا نُنَزِّلُهُ إِلَّا بِقَدَرٍ مَعْلُومٍ** ㉑ على حسب المصالح **وَأَرْسَلْنَا الرِّيَاحَ لَوَاقِحَ** تلقح السحاب فيمتلئ ماء **فَأَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ** السحاب **مَاءً** مطرا **فَأَسْقَيْنَاكُمُوهُ وَمَا أَنْتُمْ لَهُ بِخَازِنِينَ** ㉒ اى ليست خزائنه بايديكم **وَإِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ** ㉓ الباقون نرث جميع الخلق **وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَقْدِمِينَ مِنْكُمْ** اى من تقدم من الخلق من لدن آدم **وَلَقَدْ عَلِمْنَا الْمُسْتَأْخِرِينَ** ㉔ المتاخرين الى يوم القيمة **وَإِنَّ رَبَّكَ هُوَ يَحْشُرُهُمْ إِنَّهُ حَكِيمٌ** فى صنعه **عَلِيمٌ** ㉕ بخلقه



ترجمہ: اور بے شک ہم نے آسمان میں بڑے بڑے بارہ برج بنائے ① حمل ② ثور ③ جوزاء ④ سرطان ⑤ اسد ⑥ سنبلہ ⑦ میزان ⑧ عقرب ⑨ قوس ⑩ جدی ⑪ دلو ⑫ حوت، یہ سات

سیاروں کی بارہ منزلیں ہیں مریخ کے لئے حمل اور عقرب ہیں اور زہرہ کے لئے ثور اور میزان ہیں اور عطارد کے لئے جوزاء اور سنبلہ ہیں اور قمر کے لئے سرطان ہے اور شمس کے لئے اسد ہے، اور مشتری کے لئے قوس اور حوت ہیں اور ہم نے آسمان کو دیکھنے والوں کے لئے تاروں سے سجایا اور آسمانوں کو ہم نے ستاروں کے ذریعہ ہر شیطان مردود سے محفوظ کیا، الا یہ کہ کوئی چوری سے سن بھاگے تو اس کے تعاقب میں ایک روشن ستارہ ہوتا ہے، (جو) اس کو جلا ڈالتا ہے یا بیندھ ڈالتا ہے یا بدحواس بنا دیتا ہے اور ہم نے زمین کو پھیلایا اور اس میں ہم نے نہ ہلنے والے پہاڑ ثبت کر دیئے تاکہ زمین اپنے باشندوں کو لے کر (اضطرابی) حرکت نہ کرے اور ہم نے اس میں ہر چیز ایک مقررہ اندازہ سے اگائی، اور ہم نے تمہارے لئے معاش کے سامان پیدا کئے (معایش) یاء کے ساتھ ہے اور وہ سامان پھل اور غلے ہیں، اور تمہارے لئے وہ چیزیں بھی بنائیں جن کو تم (حقیقت میں) روزی نہیں دیتے اور وہ غلام اور چوپائے اور مویشی ہیں ان کو (درحقیقت) اللہ روزی دیتا ہے، اور جتنی بھی چیزیں ہیں ان کے خزانے ہمارے پاس ہیں مِن زائدہ ہے یعنی ان خزانوں کے سرچشمے (ہمارے پاس ہیں) اور ہم ہر چیز کو مصلحت کے مطابق مقررہ انداز سے اتارتے ہیں اور ہم ہی بھر دینے والی ہواؤں کو چلاتے ہیں جو بادلوں کو (پانی سے) بھر دیتی ہیں جس کی وجہ سے بادل پانی سے بھر جاتے ہیں، ہم بادلوں سے پانی برساتے ہیں اور وہ پانی تمہیں پلاتے ہیں، اور تم اس کا ذخیرہ کرنے والے نہیں تھے، یعنی اس کے خزانے تمہارے قدرت میں نہیں ہیں اور بلاشبہ ہم ہی جلاتے ہیں اور مارتے ہیں اور (بالآخر) ہم ہی وارث ہیں، باقی رہنے والے ہیں کہ تمام مخلوق کے وارث ہوں گے، اور تمہارے پیش رو ہمارے علم میں ہیں یعنی اولاد آدم میں سے جو مخلوق آگے جا چکی ہے وہ ہمارے علم میں ہے، اور پس ماندگان بھی ہمارے علم میں ہیں (یعنی) قیامت تک بعد میں آنے والے اور یقیناً آپ کا رب تمام انسانوں کو جمع کرے گا یقیناً وہ اپنی صنعت میں باحکمت (اور) اپنی مخلوق کے بارے میں باخبر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: بروجا، بروج، برج کی جمع ہے جس کے معنی ظہور کے ہیں اسی معنی میں تبرج ہے عورت کے اظہار زینت کو کہتے ہیں، یہاں آسمان کے ستاروں کو برج کہا گیا ہے اس لئے کہ وہ بھی بلند اور ظاہر ہوتے ہیں، اور بعض مفسرین کا خیال ہے کہ سبع سیارہ کی بارہ منزلوں کا نام برج ہے علم ہیئت میں یہی مراد ہے۔

قِوْلَهُ: المریخ، یہ سبع سیارہ کا بیان ہے۔

قِوْلَهُ: المریخ وله الحمل والعقرب، حمل اور عقرب کے مریخ کی منزل ہونے کا مطلب ہے کہ مریخ ان دونوں منزلوں میں داخل ہوتا ہے اور کتب تفاسیر اور حکمت میں جو یہ درج ہے کہ بارہ برج شمس کے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ شمس ان کی محاذات میں واقع ہوتا ہے نہ یہ کہ شمس ان میں داخل ہوتا ہے دیگر سیاروں کا بھی یہی حال ہے لہٰذا دونوں نظریوں میں کوئی تضاد نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: مرجوم، اس میں اشارہ ہے کہ فعیل بمعنی مفعول ہے۔

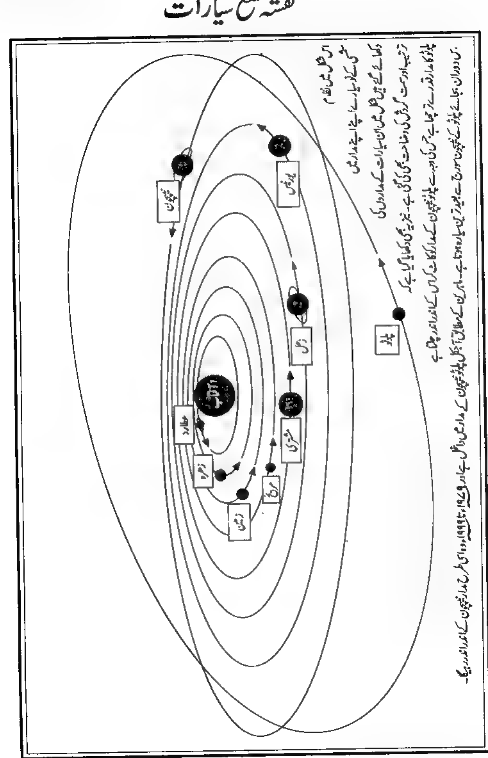
قِوْلَہٗ: لکن، الا کی تفسیر لکن سے کرکے اشارہ کردیا کہ استثناء منقطع ہے اسلئے کہ استراق جنس حفظ سے نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: خطفه، استرق کی تفسیر خطفه سے کرکے ایک اعتراض کا جواب دینا مقصود ہے، اعتراض یہ ہے کہ سمع ایک صفت ہے جو سامع کے ساتھ قائم ہے لہٰذا اس کا انتقال ممکن نہیں ہے، لہٰذا استرق السمع کا کیا مطلب ہے؟

جَوَابٌ: استرق بمعنی الاختلاس سرا یعنی چپکے سے اچک لینا اور یہ بطور تشبیہ کے ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔



نقشہ تسع سیارات



قَوْلُہٗ: لحقه، اتبعه کی تفسیر لحقه سے کرکے اشارہ کردیا کہ افعل بمعنی مجرد، لازم ہے ہذا معنی درست ہیں۔

قَوْلُہٗ: یخبله یہ خبل سے ہے اس کے معنی ہیں بدحواس کرنا، باؤلا بنانا، شیطان شہاب کی مار سے بدحواس ہوکر غول یعنی جنگلی بھوت ہوجاتا ہے جو لوگوں کو جنگل میں ڈراتا ہے اور بہکاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: وجعلنا لکم، اس میں اشارہ ہے کہ من لستم کا عطف معایش پر ہے لہٰذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ من لستم کا عطف لکم کی ضمیر مجرور پر ہے اور ضمیر مجرور پر عطف بغیر اعادہ جار درست نہیں ہے۔

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

''برج'' عربی زبان میں قلعہ، قصر اور مستحکم عمارت کو کہتے ہیں، قدیم علم ہیئت میں برج کا لفظ اصطلاحاً ان بارہ منزلوں کے لئے استعمال ہوتا ہے جن پر سورج کے مدار کو تقسیم کیا گیا ہے اس وجہ سے بعض مفسرین نے یہ سمجھا کہ قرآن کا اشارہ بھی انہی برجوں کی طرف ہے بعض دیگر مفسرین نے اس سے سیارے مراد لئے ہیں، وجعلنا فی السماء بروجا، یہاں آسمان کے تاروں کو برج کہا گیا ہے کیونکہ وہ بھی بلند اور ظاہر ہوتے ہیں بعض نے کہا ہے کہ بروج سے مراد شمس و قمر اور دیگر سیاروں کی منزلیں ہیں جو ان کے لئے مقرر ہیں، سیارے سات ہیں اور ان کی منزلیں بارہ ہیں تقسیم اس طرح ہے شمس و قمر کے لئے ایک ایک منزل ہے اور باقی پانچ کے لئے دو دو منزلیں ہیں اس طرح سات سیاروں پر بارہ منزلیں تقسیم ہیں۔

حفظنا ها من کل شیطان رجیم، رجیم، مرجوم کے معنی میں ہے، رجم کے معنی سنگسار کرنے کے ہیں شیطان کو رجیم اسلئے کہا جاتا ہے کہ جب وہ آسمان کی طرف جانے کی کوشش کرتا ہے تو آسمانی شہاب ثاقب ان پر ٹوٹ پڑتے ہیں، رجیم ملعون کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب:

یہاں ایک قوی اشکال یہ پیدا ہوتا ہے کہ فضائے آسمانی میں شہابوں کا وجود اور ان کا ٹوٹنا کوئی نئی بات نہیں ہے یہ ہمیشہ ہوتا رہا ہے، آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے بھی اور بعد میں بھی، اور اب بھی یہ سلسلہ جاری ہے، تو پھر اس کا کیا مطلب ہے کہ شہاب ثاقب شیاطین کو مارنے کے لئے پیدا ہوئے ہیں جو کہ عہد نبوی کی خصوصیت ہے، فلاسفہ کا خیال ہے کہ آفتاب کی گرمی سے جو دخانی اجزاء زمین سے اٹھتے ہیں ان میں آتش گیر مادہ بھی ہوتا ہے اوپر جا کر جب ان کو مزید گرمی ملتی ہے تو وہ سلگ اٹھتے ہیں دیکھنے والوں کو محسوس ہوتا ہے کہ ستارہ ٹوٹا۔

جَوَابٌ: جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض واختلاف نہیں زمین سے اٹھنے والے بخارات مشتعل ہو جائیں یہ بھی ممکن ہے اور یہ بھی بعید نہیں کہ کسی تارے یا سیارے سے کوئی شعلہ نکل کر گرے بعثت نبوی سے پہلے ان شعلوں سے کوئی خاص

کام نہیں لیا جاتا تھا، آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد ان شہابی شعلوں سے یہ کام لیا گیا کہ شیاطین جو فرشتوں کی باتیں چوری سے سننا چاہیں ان کو شعلوں سے مارا جائے۔ (علامہ آلوسی نے بھی یہی توجیہ فرمائی ہے)۔

صحیح مسلم کی ایک حدیث میں بروایت ابن عباس خود آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد نقل کیا گیا ہے کہ ایک شب آپ ﷺ صحابہ کی مجلس میں تشریف فرما تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا آپ نے لوگوں سے دریافت فرمایا کہ تم زمانہ جاہلیت میں اس ستارہ ٹوٹنے کو کیا سمجھتے تھے؟ لوگوں نے جواب دیا ہم یہ سمجھا کرتے تھے کہ دنیا میں کوئی بڑا حادثہ رونما ہونے والا ہے، یا تو کوئی بڑا شخص پیدا ہونے والا ہے یا مرنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا یہ لغو خیال ہے اس کا کسی کے مرنے جینے سے کوئی تعلق نہیں، یہ شعلے تو شیاطین کو دفع کرنے کے لئے پھینکے جاتے ہیں۔

وجعلنا لكم فيها معايش، اس سے مراد نوکر چاکر، غلام اور جانور ہیں، یعنی جانوروں کو تمہارے تابع کر دیا جن پر تم سواری بھی کرتے ہو اور بار برداری بھی اور بعض کو ان میں سے ذبح کر کے کھاتے بھی ہو، یہ اگرچہ تمہارے ماتحت ہیں اور تم ان کے چارہ خوراک وغیرہ کا انتظام بھی کرتے ہو لیکن حقیقت میں ان کا رازق اللہ تعالیٰ ہے تم نہیں ہو۔

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنسَانَ آدم **مِن صَلْصَالٍ** طين يابس تسمع له صلصلة اى صوت اذا نقر **مِّنْ حَمَإٍ** طين اسود **مَّسْنُونٍ**﴿٢٦﴾ متغير **وَالْجَانَّ** ابا الجن وهو ابليس **خَلَقْنَاهُ مِن قَبْلُ** اى قبل خلق آدم **مِن نَّارِ السَّمُومِ**﴿٢٧﴾ هي نار لادخان لها تنفذ في المسام وَ اذكر **إِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي خَالِقٌ بَشَرًا مِّن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ**﴿٢٨﴾ **فَإِذَا سَوَّيْتُهُ** اتممته **وَنَفَخْتُ** جريت **فِيهِ مِن رُّوحِي** فصار حيا واضافة الروح اليه تشريف لآدم **فَقَعُوا لَهُ سَاجِدِينَ**﴿٢٩﴾ سجود تحية بالانحناء **فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ**﴿٣٠﴾ فيه تاكيدان **إِلَّا إِبْلِيسَ** ابو الجن كان بين الملائكة **أَبَىٰ** امتنع من **أَن يَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ**﴿٣١﴾ **قَالَ** تعالى **يَا إِبْلِيسُ مَا لَكَ** مامنعك **أَلَّا** زائدة **تَكُونَ مَعَ السَّاجِدِينَ**﴿٣٢﴾ **قَالَ لَمْ أَكُن لِّأَسْجُدَ** لاينبغي لي ان اسجد **لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِن صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ مَّسْنُونٍ**﴿٣٣﴾ **قَالَ فَاخْرُجْ مِنْهَا** اى من الجنة وقيل من السموات **فَإِنَّكَ رَجِيمٌ**﴿٣٤﴾ مطرود **وَإِنَّ عَلَيْكَ اللَّعْنَةَ إِلَىٰ يَوْمِ الدِّينِ**﴿٣٥﴾ الجزاء **قَالَ رَبِّ فَأَنظِرْنِي إِلَىٰ يَوْمِ يُبْعَثُونَ**﴿٣٦﴾ اى الناس **قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنظَرِينَ**﴿٣٧﴾ **إِلَىٰ يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ**﴿٣٨﴾ وقت النفخة الاولى **قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي** اى باغوائك لي والباء للقسم وجوابه **لَأُزَيِّنَنَّ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ** اى المعاصي **وَلَأُغْوِيَنَّهُمْ أَجْمَعِينَ**﴿٣٩﴾ **إِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ**﴿٤٠﴾ اى المؤمنين **قَالَ** تعالى **هَٰذَا صِرَاطٌ عَلَيَّ مُسْتَقِيمٌ**﴿٤١﴾ وهو **إِنَّ عِبَادِي** اى المؤمنين **لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ** قوة **إِلَّا** لكن **مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ**﴿٤٢﴾ الكافرين **وَإِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ**﴿٤٣﴾ اى من اتبعك معك **لَهَا سَبْعَةُ أَبْوَابٍ** اطباق **لِّكُلِّ بَابٍ** منها **مِّنْهُمْ جُزْءٌ** نصيب **مَّقْسُومٌ**﴿٤٤﴾

ترجمہ: بے شک ہم نے انسان (یعنی) آدم کو کالی سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کیا یعنی ایسی خشک مٹی سے کہ جب اس کو بجایا جائے تو اس کی آواز سنی جائے اور اس سے پہلے (یعنی) تخلیق آدم سے پہلے ہم نے جنات (یعنی) ابوالجن کو کہ وہ ابلیس ہے شعلے سے کہ جس میں دھواں نہ ہو اور وہ مسامات (یعنی بدن کے مسامات) میں نفوذ کر جائے پیدا کیا اور اس وقت کا تذکرہ کرو کہ جب تیرے پروردگار نے فرشتوں سے فرمایا کہ میں انسان کو کالی سڑی ہوئی کھنکھناتی مٹی سے پیدا کرنے والا ہوں تو جب میں اس کو مکمل کر چکوں اور اس میں اپنی روح ڈال چکوں اور وہ زندہ ہو جائے اور روح کی نسبت اللہ کی طرف آدم کے لئے کرامت کے طور پر ہے، تو تم سب اس کے لئے سجدہ میں گر پڑنا، یعنی جھک کر تعظیم کرنا، چنانچہ تمام فرشتوں نے مجموعی طور پر سجدہ کیا مگر ابلیس نے اور وہ ابوالجن تھا جو فرشتوں کے درمیان رہتا تھا، سجدہ کرنے والوں میں شامل ہونے سے (صاف) انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے ابلیس تجھے کیا ہوا کہ تو سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا من زائدہ ہے وہ بولا کہ میں ایسا کرنے والا نہیں (یعنی) میرے لئے ہرگز مناسب نہیں کہ میں ایسے انسان کو سجدہ کروں کہ جس کو تو نے کالی سڑی ہوئی کھنکھناتی ہوئی مٹی سے پیدا کیا (اللہ نے) فرمایا جنت سے نکل جا اور کہا گیا ہے کہ آسمانوں سے نکل جا، بلاشبہ تو مردود ہے اور تجھ پر میری پھٹکار ہے روز جزاء تک، کہنے لگا مجھے اس دن تک ڈھیل دیدے کہ لوگوں کو زندہ کر کے اٹھایا جائے (اللہ نے) فرمایا اچھا تو تجھے وقت مقرر تک مہلت ہے یعنی نفخہ اولیٰ تک، (شیطان نے) کہا اے میرے رب چونکہ تو نے مجھے گمراہ کیا ہے یعنی تیرے مجھ کو گمراہ کرنے کی وجہ سے، اور با قسمیہ ہے اور اس کا جواب لا زیننه ہے، مجھے بھی قسم ہے کہ میں بھی زمین میں ان کے لئے معاصی کو مزین کروں گا، اور ان سب کو بہکاؤں گا بھی سوائے تیرے ان بندوں کے کہ جو مومنین ہیں ارشاد ہوا یہی مجھ تک پہنچنے کی سیدھی راہ ہے، میرے مخلص بندوں یعنی مومن بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا، سوائے ان گمراہ کافر لوگوں کے جو تیری پیروی کریں یقیناً ان سب کے وعدہ کی جگہ جہنم ہے یعنی اس شخص کی جو تیرے ساتھ تیری پیروی کرے، جس کے سات طبقے ہیں ہر طبقے کے لئے ان میں سے ایک حصہ مخصوص کر دیا گیا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: آدم، الانسان کی تفسیر، آدم، سے کر کے اشارہ کر دیا کہ الانسان میں الف لام عہد کا ہے۔

قولہ: حماء، کیچڑ، گارا، سیاہ مٹی۔

قولہ: تنفذ فی المسام، اس میں سموم کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ ہے۔

قولہ: فقعوا، وقع یقع، سے امر جمع مذکر حاضر ہے، تم سب گر جاؤ۔ فا، جواب شرط ہونے کی وجہ سے داخل ہے۔

قولہ: تاکید ان اول تاکید نے اطلاق الجمع علی البعض کے احتمال کو ختم کر دیا جیسا کہ "اذقالت السلائکة

یامریم" میں جمع کا اطلاق بعض پر ہوا ہے مگر ابھی احتمال انفراد باقی ہے اس کو **اجمعون** کہہ کر ختم کر دیا، اب آیت کا مفہوم یہ ہوگا کہ تمام فرشتوں نے سجدہ کیا ہے گویا کہ حکم موجودین کو ہوا جن میں ابلیس بھی داخل ہے۔

قِوْلَهُ: باغوائك اس میں اشارہ ہے کہ **بما اغویتنی** میں ما مصدریہ ہے نہ کہ موصولہ کہ عائد کی ضرورت ہو اور با قسمیہ ہے، یعنی قسم ہے تیرے مجھے گمراہ کرنے کی۔

قِوْلَهُ: اُزَیِّنَنَّ، یہ تزیین (تفعیل) سے مضارع واحد متکلم بانون تاکید ثقیلہ ہے میں زینت دوں گا، آراستہ کروں گا۔

قِوْلَهُ: المعاصی اس میں اشارہ ہے کہ ازینن متعدی ہے، اور اس کا مفعول معاصی محذوف ہے۔

قِوْلَهُ: مخلصین، ای اخلصته لعبادتك.

قِوْلَهُ: هذا ای تخلص المؤمنین من اغوائك.

قِوْلَهُ: صراط علی، ای حق علی.

قِوْلَهُ: وهو، اس میں اشارہ ہے کہ هو کا مرجع **ان عبادی الخ** ہے، اور **ان عبادی، صراط مستقیم** کا بیان ہے۔

قِوْلَهُ: اطباق یہ طبق کی جمع ہے یعنی وہ درجات جن میں حسب اتباع مراتب شیطان جہنمیوں کو داخل کیا جائیگا، اور جہنم کے حسب ترتیب سات درجے ہیں، ① **جهنم** ② **لظی** ③ **الحطمه** ④ **السعیر** ⑤ **السقر** ⑥ **الجحیم** ⑦ **الهاویه**.

تَفْسِیر وَتَشْرِیح

انسان کی اصل آدم علیہ الصلاۃ والسلام ہے نہ کہ بندر یا کوئی حیوان:

ولقد خلقنا الانسان من صلصال من حماء مسنون، یہاں قرآن اس بات کی صراحت کرتا ہے کہ انسان کا پہلا فرد آدم علیہ السلام ہے اور آدم کی اصل مٹی ہے، ایسا نہیں کہ انسان بندر یا کسی اور حیوان سے ترقی کے منازل طے کرتا ہوا انسان بنا ہو جیسے کہ ڈارون کا نظریۂ ارتقاء ہے اور بعض ڈارون زدہ ذہنیت کے لوگ قرآن کی صراحت کے باوجود اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ اپنا جد امجد بندر یا کسی اور جانور کو ثابت کریں، حقیقت یہ ہے کہ انسان کی تخلیق براہ راست ارضی مادہ سے ہوئی ہے جس کی کیفیت اللہ تعالیٰ نے **صلصال من حماء مسنون** کے الفاظ سے بیان فرمائی ہے **حماء** عربی زبان میں ایسی سیاہ کیچڑ کو کہتے ہیں کہ جس کے اندر بو پیدا ہوگئی ہو، یا بالفاظ دیگر خمیر اٹھ آیا ہو"مسنون" کے دو معنی ہیں، ایک معنی ہیں، متغیر، **مُنتن** اور **املس** یعنی ایسی سڑی ہوئی مٹی کہ جس میں سڑنے کی وجہ سے چکناہٹ پیدا ہوگئی ہو، اس کا مصدر سَنٌّ ہے، (ن) متغیر، سڑا ہوا، علامہ سیوطی نے یہی معنی مراد لئے ہیں، دوسرے معنی ہیں مصور، یعنی سانچے میں ڈھلی ہوئی جس کو کوئی خاص شکل دیدی گئی ہو،

''صصل'' اس سوکھے گارے کو کہتے ہیں کہ جو خشک ہوجانے کے بعد بجنے لگے، ان الفاظ سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ خمیر اٹھی ہوئی مٹی کا ایک پتلا بنایا گیا تھا جو بننے کے بعد خشک ہوا اس کے بعد اس میں روح پھونکی گئی۔

روح کی حقیقت کیا ہے؟

روح کوئی جسم لطیف ہے یا جوہر مجرد؟ اس میں علماء اور حکماء کا اختلاف قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے، ہمارے محققین علماء نے روح کو جسم لطیف تسلیم کیا ہے۔

الروح جسم لطیف. (قرطبی)

الروح جسم لطیف یحیا بہ الانسان. (معالم)

واجمع اهل السنة علی انها جسم لطیف یخالف الاجسام بالماهیة والصفة متصرف فی البدن حال فیه حلول الزیت فی الزیتون اوالنار فی الفحم، یعبرعنه بانا وانت والی ذلك ذهب امام الحرمین. (روح)

ترجمہ: جمہور اہل السنت کا مسلک یہ ہے کہ روح ایک جسم لطیف ہے ماہیت اور صفت میں اجسام کے عکس ہے بدن میں متصرف ہے، روح جسم میں اس طرح حلول کئے ہوئے ہے جس طرح زیتون کا تیل زیتون میں اور آگ کوئلہ میں، اس کو میں اور تو، سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

لیکن بعض کی تحقیق جن میں امام غزالی بھی شامل ہیں یہ ہے کہ روح ایک جوہر مجرد ہے جو نہ جسم میں داخل ہے نہ خارج، نہ اس سے متصل نہ اس سے منفصل۔

مولانا عبدالماجد دریابادی اپنی تفسیر ماجدی میں لکھتے ہیں کہ ''احقر کے نزدیک روح کی ماہیت وحقیقت کے باب میں زیادہ کھود کرید کچھ مناسب نہیں، مسلمان کے لئے صرف اس قدر عقیدہ کافی ہے کہ روح موہبت الٰہی میں سے کوئی خاص چیز ہے جسے اللہ تعالیٰ براہ راست انسان کو منتقل کردیتا ہے اور اس سے انسان، انسان بن جاتا ہے اور جوں ہی وہ اپنے اس عطیہ کو واپس لے لیتا ہے انسان مردہ بے جان ہوجاتا ہے،'' (اسی حقیقت کی جانب اللہ تعالیٰ نے ''قل الروح من امر ربی'' سے اشارہ فرمایا ہے)۔

انسان کی پیدائش میں اگرچہ عنصر غالب مٹی ہے اور اسی لئے قرآن عزیز میں انسان کی پیدائش کو مٹی کی طرف منسوب کیا گیا ہے لیکن انسان درحقیقت دس چیزوں کو جامع ہے جن سے پانچ عالم خلق کی ہیں اور پانچ عالم امر کی۔ عالم خلق کی چیزوں میں چار تو عناصر اربع آگ، پانی، مٹی، ہوا ہیں اور پانچواں ان چاروں سے پیدا ہونے والا بخار لطیف جس کو روح سفلی یا نفس کہا جاتا ہے اور عالم امر کی پانچ چیزیں یہ ہیں قلب، روح، سر، خفی، اخفی، اسی جامعیت کی وجہ سے انسان خلافت الٰہیہ کا

مستحق بنا اور نورِ معرفت اور نارِ عشق ومحبت کا متحمل ہوا، جس کا نتیجہ بے کیف محبت الٰہیہ کا حصول ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے "المرء مع من احب".

اور انسان تجلیات الٰہیہ کی قابلیت اور محبت الٰہیہ کا جو درجہ اس کو حاصل ہے اسی وجہ سے حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ ہوا کہ اس کو مسجود ملائکہ بنایا جائے ارشاد ہوا "فقعوا له ساجدین". (معارف)

آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سجدہ کے حکم میں ابلیس شامل تھا یا نہیں؟

سورۂ اعراف میں ابلیس کو خطاب کر کے ارشاد فرمایا، "**ما منعك ان لا تسجد اذ امرتك**" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سجدہ کا حکم فرشتوں کے ساتھ ابلیس کو بھی دیا گیا تھا، مذکورہ آیات جن سے بظاہر اس حکم کا فرشتوں کے لئے مخصوص ہونا معلوم ہوتا ہے اس کا مفہوم یہ ہوسکتا ہے کہ اصالۃً حکم فرشتوں کو دیا گیا مگر ابلیس بھی چونکہ فرشتوں میں موجود تھا اسلئے تبعاً وہ بھی اس حکم میں شامل تھا، اس لئے کہ جب فرشتوں کو جو کہ اللہ کے نزدیک بزرگ ترین مخلوق اور ابلیس سے بہر حال افضل ہیں حکم دیا گیا تو دوسری مخلوق جو کمتر ہے اس کا حکم میں تبعاً داخل ہونا ظاہر تھا، اسی لئے ابلیس نے جواب میں یہ نہیں کہا کہ مجھے سجدہ کا حکم دیا ہی نہیں گیا تو عدم تعمیل کا جرم مجھ پر عائد ہی نہیں ہوتا۔

قال فاخرج منها فانك رجیم الخ اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس کا جواب سنا تو فرمایا" اچھا تو یہاں سے نکل جا کیونکہ تو مردود ہے" اور اب تجھ پر روز جزاء تک لعنت ہے، یعنی قیامت تک تو ملعون رہے گا اور اس کے بعد جب روز جزاء قائم ہوگا تو تجھے تیری نافرمانیوں کی سزا دیجائیگی۔

قال رب بما اغویتنی لازینن لهم فی الارض (الآیة) یعنی جس طرح تو نے اس حقیر اور کمتر مخلوق کو سجدہ کرنے کا حکم دے کر مجھے مجبور کر دیا کہ تیرا حکم نہ مانوں، اسی طرح اب میں ان انسانوں کے لئے دنیا کو ایسا دلفریب بنادوں گا کہ یہ سب اس سے دھوکا کھا کر تیرے نافرمان بن جائیں گے۔

اغوا اور اضلال کا یہ انتساب ذات باری تعالیٰ کی جانب جس حد تک بھی صحیح ہے صرف تکوینی حیثیت سے یا علت العلت کے معنی میں ہے، 'بما' میں باء سببیہ ہے ای **بسبب اغوائك ایای**.

هذا صراط علی مستقیم، اس فقرہ کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ" راستہ ہے جو مجھ تک سیدھا پہنچاتا ہے" اور راستہ سے مراد اخلاص کا راستہ ہے، دوسرے معنی یہ ہیں **هذا طریق حق علی أن اراعیه** "یعنی یہ بات درست ہے میں بھی اس کا پابند رہوں گا"۔ (بیضاوی)

ان عبادی لیس لك علیهم سلطان (الآیة) شیطان کا منتہائے قوت بس یہ ہے کہ شیطان دم دلاسا خوب دیتا ہے انسان کو فوری لذتوں کی چاٹ خوب چٹاتا ہے۔ بس اس سے زیادہ اس کو کوئی اختیار نہیں، انسان گناہ کرنے پر مجبور، مضطر نہیں، جب

توفیق الٰہی ساتھ چھوڑ دیتی ہے تب خود انسان شیطان کے دام فریب میں پھنس جاتا ہے امام رازی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالىٰ نے فرمایا کہ شیطان نے جو اوپر دعویٰ کر دیا کہ میں لوگوں کو گمراہ کروں گا اور خوب سبز باغ دکھاؤں گا، تو اس سے یہ گمان پیدا ہو سکتا تھا کہ شاید شیطان کو کچھ نہ کچھ قوت و اقتدار حاصل ہے اس آیت میں اسی غلط فہمی کی تردید ہے، اور اعلان ہے کہ شیطان کی راہ پر چلنے لگے تو ہے اختیار ہے، غرض اس آیت سے حق تعالیٰ نے خود شیطان کی بھی غلط فہمی دور کر دی۔ (کبیر، ملخصا)

لهاسبعة ابواب (الآیة) دوزخ کے دروازوں یا طبقات کی یہ تعداد ممکن ہے کہ استحقاق عذاب کے اظہار کے لئے ہو لان صلها سبع فرق (بیضاوی) ای سبعة اطباق. (ابن جریر، عن عکرمة)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ محض تعداد مراد ہو، اور اس سے مراد دوزخ میں داخل ہونے والوں کی کثرت تعداد کا اظہار ہو۔

(روح)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ بساتين وَّعُيُوْنٍ ﴿٤٥﴾ تجری فیها ویقال لهم اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ ای سالمين من كل خوف اومع سلام ای سلموا وادخلوا اٰمِنِيْنَ ﴿٤٦﴾ من کل فزع وَنَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ حقد اِخْوَانًا حال من هم عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿٤٧﴾ حال ایضا ای لاینظر بعضهم الی قفا بعض لدوران الاسرة بهم لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ تعب وَّمَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ﴿٤٨﴾ ابدا نَبِّئْ خبريا محمد عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ للمؤمنين الرَّحِيْمُ ﴿٤٩﴾ بهم وَاَنَّ عَذَابِيْ للعصاة هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ ﴿٥٠﴾ المؤلم وَنَبِّئْهُمْ عَنْ ضَيْفِ اِبْرٰهِيْمَ ﴿٥١﴾ وهم ملائكة اثنا عشر اوعشرة اوثلاثة منهم جبرئيل اِذْ دَخَلُوْا عَلَيْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ای هذا اللفظ قَالَ ابراهيم لما عرض عليهم الاكل فلم ياكلوا اِنَّا مِنْكُمْ وَجِلُوْنَ ﴿٥٢﴾ خائفون قَالُوْا لَا تَوْجَلْ لاتخف اِنَّا رسل ربك نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِيْمٍ ﴿٥٣﴾ ذی علم كثير هو اسحاق كما ذكر في هود قَالَ اَبَشَّرْتُمُوْنِيْ بالولد عَلٰٓى اَنْ مَّسَّنِيَ الْكِبَرُ حال ای مع مسه ایای فَبِمَ فبای شیء تُبَشِّرُوْنَ ﴿٥٤﴾ استفهام تعجب قَالُوْا بَشَّرْنٰكَ بِالْحَقِّ بالصدق فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْقٰنِطِيْنَ ﴿٥٥﴾ الآيسين قَالَ وَمَنْ ای لا يَّقْنَطُ بكسر النون وفتحها مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَ ﴿٥٦﴾ الكافرون قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ شانكم اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿٥٧﴾ قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿٥٨﴾ كافرين ای قوم لوط لاهلاكهم اِلَّآ اٰلَ لُوْطٍ اِنَّا لَمُنَجُّوْهُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿٥٩﴾ لايمانهم اِلَّا امْرَاَتَهٗ قَدَّرْنَآ اِنَّهَا لَمِنَ الْغٰبِرِيْنَ ﴿٦٠﴾ الباقين في العذاب لكفرها

ترجمہ: (شرک و کفر سے) بچنے والے (متقی) باغوں اور چشموں میں ہوں گے جو باغوں میں جاری ہوں گے، ان سے کہا جائیگا ہر گھبراہٹ سے سلامتی اور امن کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ، (یعنی) حال یہ کہ تم ہر خطرہ سے سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ، یا سلام کے ساتھ، یعنی سلام کرو اور داخل ہو جاؤ، ان کے دلوں میں جو تھوڑی بہت کھوٹ کپٹ ہوگی ہم اس کو

نکالدیں گے وہ آپس میں بھائی بھائی بن کر مسہریوں پر آمنے سامنے بیٹھیں گے (اخوانا) ھم ضمیر سے حال ہے (متقابلین) بھی اخوانا سے حال ہے یعنی کوئی کسی کی گدی (پشت) کو نہ دیکھے گا، اسلئے کہ ان کے تخت دائرہ کی شکل میں ہوں گے، نہ وہاں انھیں کسی مشقت سے پالا پڑے گا اور نہ وہ وہاں سے کبھی نکالے جائیں گے اے محمد میرے بندوں کو بتادو کہ میں مومنوں کے لئے درگذر کرنے والا اور ان پر بہت مہربان ہوں (اور ساتھ ہی یہ بھی بتادو کہ) نافرمانوں کے لئے میرے عذاب بڑے دردناک ہیں، اور انہیں ابراہیم علیہ السلام کے مہمانوں کا قصہ بھی سنادو اور وہ (مہمان) بارہ یا دس یا تین فرشتے تھے ان میں جبرائیل علیہ السلام بھی تھے جب وہ ابراہیم علیہ السلام کے پاس آئے اور ان کو سلام کیا یعنی انہوں نے لفظ سلاما کہا، جب ان کے سامنے ابراہیم علیہ السلام نے کھانا پیش کیا اور انہوں نے نہ کھایا تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا، ہمیں تو تم سے ڈر لگتا ہے انہوں نے کہا ڈرو نہیں ہم تیرے رب کے فرستادے ہیں ایک ذی علم فرزند کی آپ کو خوشخبری دیتے ہیں یعنی زیادہ علم والے فرزند کی، وہ فرزند اسحاق ہیں جیسا کہ سورۂ ہود میں ذکر کیا گیا، (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا کیا تم بڑھاپا لاحق ہونے کی حالت میں مجھے لڑکے کی خوش خبری دے رہے ہو؟! (علی ان الخ) حال ہے یعنی حال یہ ہے کہ مجھے بڑھاپا لاحق ہوگیا ہے یہ خوش خبری تم کس بنا پر دے رہے ہو؟ استفہام تعجبی ہے، فرشتوں نے جواب دیا ہم آپ کو بالکل سچی خوش خبری سنا رہے ہیں، لہٰذا آپ مایوس ہونے والوں میں نہ ہوں، (ابراہیم علیہ السلام نے) فرمایا اپنے رب کی رحمت سے تو صرف گمراہ کافر لوگ ہی ناامید ہوتے ہیں (یقنط) نون کے کسرہ اور اس کے فتحہ کے ساتھ ہے، ابراہیم علیہ السلام نے دریافت کیا اے (خدائی) فرستادو آپ کس مہم پر تشریف لائے ہو وہ بولے ہم ایک مجرم کافر قوم کی طرف بھیجے گئے ہیں یعنی قوم لوط کی جانب ان کو ہلاک کرنے کے لئے، صرف لوط علیہ السلام کے گھر والے مستثنیٰ ہیں، ہم ان سب کو ان کے ایمان کی وجہ سے بچالیں گے سوائے اس کی بیوی کے جس کے لئے (اللہ فرماتا ہے) کہ ہم نے مقدر کردیا ہے کہ وہ پیچھے رہنے والوں میں شامل رہے گی یعنی اپنے کفر کی وجہ سے عذاب میں پھنسنے والوں میں رہے گی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: سالمین، سلام کی تفسیر سالمین سے کرنے کا مقصد ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ سلام مصدر ہے اس کا حمل ھا، ضمیر پر درست نہیں ہے اسلئے کہ ضمیر سے مراد جنت ہے جو ذات ہے اور مصدر کا حمل ذات پر درست نہیں ہوتا۔

جَوَاب: یہ ہے کہ مصدر بتاویل مشتق سالمین ہو کر حال ہے لہٰذا حمل درست ہے۔

قَوْلُهُ: مع سلام اس میں اشارہ ہے کہ بسلام میں باء بمعنی مع ہے نہ کہ سببیہ۔

قَوْلُهُ: ای سلموا ای سلم علیکم الملائکۃ.

قَوْلُہٗ: ادخلوا.

سَوَال: ادخلوا مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جَوَاب: اس میں اشارہ ہے آمنین ادخلوا کی ضمیر سے حال ثانیہ ہے نہ کہ بسلام سے اسلئے کہ عمل میں اصل فعل ہے نہ کہ مصدر۔

قَوْلُہٗ: حال من، هم، یعنی اخوانا، هم سے حال ہے نہ کہ صفت ہے۔

سَوَال: حال مضاف سے ہوا کرتا ہے نہ کہ مضاف الیہ سے اور یہاں اخوانا، هم ضمیر سے حال واقع ہے جو کہ مضاف الیہ ہے۔

جَوَاب: مضاف الیہ جب مضاف کا جز ہو تو حال واقع ہونا درست ہوتا ہے یہاں چونکہ مضاف الیہ مضاف کا بعض ہے لہٰذا حال واقع ہونا درست ہے اور ادخلوا کی ضمیر سے حال واقع ہونا بھی درست ہے اور متقابلین، اخوانا سے بھی حال واقع ہوسکتا ہے جبکہ اخوانا متصافین یا متحابین کے معنی میں ہو اور اخوانا کی صفت بھی واقع ہوسکتا ہے۔

قَوْلُہٗ: کما ذکر فی الهود ای فبشرنها باسحٰق.

قَوْلُہٗ: بکسر النون ای من باب ضرب، وبفتح النون ای من باب فتح.

تفسیر و تشریح

ان المتقین فی جنات وعیون (الآیة) قرآن کریم کا ایک خاص اسلوب بیان ہے کہ وہ متقابلین کو بیان کرتا ہے تاکہ دونوں کا فرق خوب واضح ہو جائے یہاں وہی اسلوب اختیار کیا ہے پچھلی آیتوں میں جہنم اور اہل جہنم کا ذکر تھا اب اس کے بعد جنت اور اہل جنت کا تذکرہ ہے تاکہ جنت کی رغبت اور دوزخ سے نفرت پیدا ہو، اور متقین سے مراد وہ لوگ ہیں جو کفر و شرک سے بچتے رہے اور بعض کے نزدیک وہ اہل ایمان مراد ہیں جو ہر قسم کے معاصی سے بچتے رہے غرضیکہ اس میں وہ سب لوگ داخل ہیں جو شیطان کی پیروی سے بچے رہے ہوں اور انہوں نے اللہ سے ڈرتے ہوئے عبدیت کی زندگی گذاری ہو۔

متقی اور پرہیزگار لوگ ہر حزن وملال سے بے خوف اور ہر مصیبت و آفت سے مامون اور ہر تعب و مشقت سے محفوظ سلامتی کے ساتھ آپس میں مبارک بادی دیتے ہوئے اور سلامتی کی دعائیں دیتے اور لیتے ہوئے اور خود ذات خداوندی کی طرف سے دائمی سلامتی کا اعلان سنتے ہوئے جنت میں داخل ہوں گے۔

ونزعنا ما فی صدورهم من غل اخوانا علی سرر متقابلین، یعنی جن لوگوں کے درمیان آپس کی غلط فہمیوں کی بنا پر دنیا میں اگر کچھ رنجشیں اور کدورتیں رہی ہوں گی تو جنت میں داخل ہوتے وقت وہ دور کردی جائیں گی اور ان کے دل آپس میں ایک دوسرے کے لئے بالکل صاف شفاف کردیئے جائیں گے۔

اسی آیت کو پڑھ کر حضرت علی نے فرمایا تھا، کہ مجھے امید ہے کہ اللہ میرے اور طلحہ اور زبیر کے درمیان بھی صفائی کرادے گا۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے فرمایا کہ اہل جنت جب جنت میں داخل ہوں گے تو سب سے پہلے ان کے سامنے پانی کے دو چشمے پیش کئے جائیں گے پہلے چشمے سے جب وہ پانی پئیں گے تو ان سب کے دلوں سے باہمی رنجش و کدورت جو کبھی دنیا میں پیش آئی تھی اور طبعی طور پر اس کا اثر آخرت تک موجود رہا وہ سب دھل جائے گا اور سب کے دلوں میں باہمی محبت والفت پیدا ہو جائیگی کیونکہ باہمی رنجش بھی ایک تکلیف اور عذاب ہے اور جنت ہر تکلیف سے پاک ہے۔

کینہ کے ہوتے ہوئے جنت میں داخل نہ ہونے کا مطلب:

حدیث میں وارد ہے کہ جس شخص کے دل میں ذرہ برابر بھی کسی مسلمان کی طرف سے کینہ ہوگا وہ جنت میں نہ جائیگا، اس سے مراد وہ کینہ ہے جو دنیوی غرض سے اور اپنے قصد واختیار سے ہو اور اس کی وجہ سے یہ شخص اس کے درپے رہے کہ جب موقع ملے اپنے دشمن کو تکلیف اور نقصان پہنچائے، طبعی انقباض جو خاصۂ بشری اور غیر اختیاری ہے وہ اس میں داخل نہیں، اسی طرح جو کسی شرعی بنیاد پر مبنی ہو، وہ بھی اس کینہ اور بغض میں داخل نہیں۔

قال انا منکم وجلون الخ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ان فرشتوں سے ڈر اس لئے محسوس ہوا کہ انہوں نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تیار کیا ہوا کھانا نہیں کھایا، اور عرب میں یہ بات مشہور تھی کہ اگر آنے والا مہمان میزبان کے یہاں کھانا نہ کھائے تو سمجھا جاتا تھا کہ آنے والے مہمان کی نیت اچھی نہیں ہے، اس کا تکلیف پہنچانے کا ارادہ ہے، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کوئی غیب کا علم تو تھا نہیں کہ وہ سمجھ جاتے کہ انسانی شکل میں آنے والے فرشتے ہیں اور ان کے لئے کھانا تیار نہ کرائے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ انبیاء کو غیب کا علم نہیں ہوتا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بڑھاپے کی عمر میں اولاد ہونے پر جو تعجب اور حیرت تھی وہ صرف اپنے بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے تھی نہ یہ کہ وہ خدا کی رحمت سے ناامید یا خدانخواستہ ان کو خدا کی قدرت میں شک تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرشتوں کی گفتگو سے اندازہ لگایا کہ یہ صرف اولاد کی بشارت دینے ہی نہیں آئے بلکہ ان کی آمد کا اصل مقصد کچھ اور ہے چنانچہ ان سے پوچھا، **فما خطبکم ایها المرسلون؟**

فَلَمَّا جَآءَ آلَ لُوطٍ ای لوط **الْمُرْسَلُونَ ﴿٦١﴾ قَالَ** لهم **إِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنكَرُونَ ﴿٦٢﴾** لا اعرفکم **قَالُوا بَلْ جِئْنَاكَ بِمَا كَانُوا** ای قومك **فِيهِ يَمْتَرُونَ ﴿٦٣﴾** یشکون وهو العذاب **وَأَتَيْنَاكَ بِالْحَقِّ وَإِنَّا لَصَادِقُونَ ﴿٦٤﴾** فی قولنا **فَأَسْرِ بِأَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ اللَّيْلِ وَاتَّبِعْ أَدْبَارَهُمْ** امش خلفهم **وَلَا يَلْتَفِتْ مِنكُمْ أَحَدٌ** لئلا یری عظیم ما ینزل بهم **وَامْضُوا حَيْثُ تُؤْمَرُونَ ﴿٦٥﴾** وهو الشام **وَقَضَيْنَا** اوحینا **إِلَيْهِ ذَٰلِكَ الْأَمْرَ** وهو **أَنَّ دَابِرَ هَٰؤُلَاءِ مَقْطُوعٌ مُّصْبِحِينَ ﴿٦٦﴾** حال ای یتم استیصالهم فی الصباح **وَجَآءَ أَهْلُ الْمَدِينَةِ** مدینة سدوم وهم قوم لوط لما اخبروا ان فی بیت لوط مُرْدًا

حسانا وهم الملائكة يَسْتَبْشِرُوْنَ ﴿٦٧﴾ حال طمعا في فعل الفاحشة بهم قَالَ لوط اِنَّ هٰٓؤُلَآءِ ضَيْفِيْ فَلَا تَفْضَحُوْنِ ﴿٦٨﴾ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَلَا تُخْزُوْنِ ﴿٦٩﴾ بقصدكم اياهم بفعل الفاحشة بهم قَالُوْٓا اَوَلَمْ نَنْهَكَ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٠﴾ عن اضافتهم قَالَ هٰٓؤُلَآءِ بَنٰتِيْٓ اِنْ كُنْتُمْ فٰعِلِيْنَ ﴿٧١﴾ ماتريدون من قضاء الشهوة فتزوجوهن قال تعالى لَعَمْرُكَ خطاب للنبي صلى الله عليه وسلم اى وحياتك اِنَّهُمْ لَفِيْ سَكْرَتِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿٧٢﴾ يترددون فَاَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ صيحة جبرئيل مُشْرِقِيْنَ ﴿٧٣﴾ وقت شروق الشمس فَجَعَلْنَا عَالِيَهَا اى قراهم سَافِلَهَا بان رفعها جبريل الى السماء واسقطها مقلوبة الى الارض وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ﴿٧٤﴾ طين طبخ بالنار اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ المذكور لَاٰيٰتٍ دلالات على وحدانيته تعالى لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ ﴿٧٥﴾ للناظرين المعتبرين وَاِنَّهَا اى قرى قوم لوط لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ ﴿٧٦﴾ طريق قريش الى الشام لم يندرس افلا يعتبرون بهم اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لعبرة لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٧٧﴾ وَاِنْ مخففة اى انه كَانَ اَصْحٰبُ الْاَيْكَةِ هي غيضة شجر بقرب مدين وهم قوم شعيب لَظٰلِمِيْنَ ﴿٧٨﴾ بتكذيبهم شعيبا فَانْتَقَمْنَا مِنْهُمْ بان اهلكناهم بشدة الحر وَاِنَّهُمَا اى قرى قوم لوط والايكة لَبِاِمَامٍ طريق مُّبِيْنٍ ﴿٧٩﴾ واضح افلا يعتبرهم اهل مكة.

ترجمہ: پھر جب یہ فرستادے آل لوط یعنی لوط (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کے پاس پہنچے تو لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان سے کہا تم لوگ اجنبی معلوم ہوتے ہو، میں تم کو نہیں پہچانتا، فرشتوں نے جواب دیا، نہیں، بلکہ ہم تمہارے پاس وہی چیز لے کر آئے ہیں جس (کے آنے) میں تمہاری قوم شک کر رہی تھی اور وہ عذاب ہے، اور ہم تمہارے پاس صریح حق لے کر آئے ہیں اور ہم اپنی بات میں بالکل سچے ہیں، اب تم رات کے کسی حصہ میں اپنے اہل کو لے کر نکل جانا، اور تم ان کے پیچھے رہنا، یعنی ان کے پیچھے (پیچھے) چلنا، اور تم میں سے کوئی پیچھے مڑ کر نہ دیکھے تاکہ اس عظیم ہولناک (عذاب) کو نہ دیکھے جو ان پر نازل ہو رہا ہو، اور جہاں جانے کا تمہیں حکم دیا گیا ہے اور وہ شام ہے (سیدھے) چلے جاؤ اور ہم نے انھیں اپنا یہ فیصلہ پہنچا دیا اور وہ یہ کہ صبح ہوتے ہوتے ان کی جڑیں کاٹ دی جائیں گی (مصبحین) حال ہے، یعنی صبح ہوتے ہوتے ان کی جڑیں اکھاڑ دی جائیں گی، اور شہر والے (یعنی) سدوم کے باشندے اور وہ لوط (علیہ الصلوٰۃ والسلام) کی قوم کے لوگ تھے، جب ان کو یہ خبر ملی کہ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں خوبصورت امرد (بے ریش) لڑکے ہیں حالانکہ وہ فرشتے تھے (یستبشرون) حال ہے، ان کے ساتھ بدفعلی کی خواہش کرتے ہوئے خوش ہوتے ہوئے آئے، لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کہا (بھائیو) یہ میرے مہمان ہیں تم مجھے ان کے بارے میں رسوا نہ کرو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان کے ساتھ بدفعلی کا ارادہ کر کے میری فضیحت نہ کرو وہ کہنے لگے کیا ہم نے تم کو دنیا بھر کی ٹھکیداری یعنی ان کی مہمان نوازی کرنے سے منع نہیں کیا لوط (علیہ الصلوٰۃ والسلام) نے کہا اگر تمہیں قضاء شہوت کرنی ہی ہے تو یہ میری بیٹیاں موجود ہیں ان سے نکاح کر لو، اللہ تعالیٰ نے فرمایا تیری عمر کی قسم یہ آپ ﷺ کو خطاب ہے یعنی تیری زندگی کی قسم، وہ تو اپنی بدمستی میں بھٹک رہے تھے

آخر صبح ہوتے ہوتے ان کو ایک چیخ نے (یعنی) جبرائیل علیہ السلام کی چیخ نے پکڑ لیا یعنی سورج طلوع ہونے کے وقت بالآخر ہم نے اس شہر کو تہ وبالا کر دیا اس طریقہ پر کہ ان بستیوں کو جبرائیل علیہ السلام نے اوپر کی طرف اٹھایا اور زمین پر پلٹ کر پھینک دیا اور ان لوگوں پر کنکر یلے پتھر برسائے یعنی آگ میں پکی ہوئی مٹی کے پتھر بلاشبہ ان مذکورہ (واقعات) میں اہل بصیرت عبرت حاصل کرنے والوں کے لئے خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں اور قوم لوط کی یہ بستیاں قریش کے شام جانے والی شاہ راہ پر واقع تھیں اور (ابھی تک) ان کے نشانات مٹے نہیں تھے تو کیا یہ لوگ ان سے نصیحت حاصل نہیں کرتے بے شک اس (مذکور) میں مومنین کے لئے عبرت ہے اور ان مخففہ ہے یعنی انہ کان اور اصحاب ایکہ کہ وہ (ایکہ) مدین کے قریب کہ وہ شعیب علیہ السلام کی قوم تھی ایک جھاڑی تھی یہ بھی حضرت شعیب علیہ السلام کی تکذیب کی وجہ سے بڑے ظالم تھے جن سے ہم نے انتقام لے ہی لیا کہ ہم نے ان کو سخت گرمی کے ذریعہ ہلاک کر دیا اور یہ دونوں یعنی قوم لوط کی بستیاں اور ایکہ شاہ راہ پر واقع تھیں کیا یہ اہل مکہ ان سے عبرت حاصل نہیں کرتے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: ای لوطا، اس میں اشارہ ہے کہ آل لوط سے صرف لوط علیہ السلام مراد ہیں اسلئے کہ اللہ تعالیٰ کے قول "ولقد جاءت رسلنا لوطا" سے بھی یہی مفہوم ہے۔

قِوْلَہٗ: لا اعرفکم، تم انجان ہو اسلئے کہ نہ تو تم مقامی ہو ورنہ میں تم کو ضرور پہچانتا، اور نہ تم مسافر معلوم ہوتے ہو اسلئے کہ تمہارے اوپر سفر کی کوئی علامت نہیں ہے۔

قِوْلَہٗ: اوحینا، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ قضینا کا صلہ الیٰ نہیں آتا حالانکہ یہاں صلہ، الیٰ استعمال ہوا ہے جواب یہ ہے کہ قضینا، اوحینا کے معنی کو متضمن ہے اور اوحینا کا صلہ الیٰ آتا ہے۔

قِوْلَہٗ: ذلك الامر یہ مبہم ہے، اس کی تفصیل، أن دابر ھؤلاء مقطوع مصبحین سے کی ہے۔

قِوْلَہٗ: حال یعنی ھؤلاء سے حال ہے اور بعض حضرات نے مقطوع کی ضمیر سے حال قرار دیا ہے اور مقطوع معنی میں مقطوعین کے ہوگا۔

قِوْلَہٗ: مردا یہ امرد کی جمع ہے، بے ریش نوجوان کو کہتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: حال یعنی یستبشرون، اھل المدینة سے حال ہے نہ کہ صفت اسلئے کہ جملہ نکرہ ہونے کی وجہ سے معرفہ کی صفت واقع نہیں ہوسکتا۔

قِوْلَہٗ: عن اضافتھم، ای ضیافتھم، میزبانی کرنا۔

قَوْلُہٗ: يترددون ای يتحيرون فكيف يسمعون نصيحتك.

قَوْلُہٗ: وقت شروق الشمس عذاب کی ابتداء طلوع فجر کے وقت ہوئی اور تکمیل حضرت جبرائیل کی چیخ کے ذریعہ طلوع شمس کے وقت ہوئی لہٰذا کوئی منافات نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: تندرس، اندراس، خراب شدن، مٹنا۔

قَوْلُہٗ: طریق، اس میں اشارہ ہے کہ امام سے یہاں معروف معنی مراد نہیں ہیں ای ما یؤتم به بلکہ یہاں راستہ مراد ہے اسلئے کہ راستہ کی بھی مسافر اقتداء کرتا ہے راستہ جدھر جاتا ہے مسافر بھی اسی طرف جاتا ہے۔

قَوْلُہٗ: متوسمين، متوسم اسم فاعل کی جمع ہے (تفعل) توسم مصدر ہے، اہل فراست، گہرائی سے دیکھنے والے وسم مادہ ہے، علامت۔

تفسیر و تشریح

فلما جاء آل لوط ن المرسلون، یہاں بات بہت مختصر بیان ہوئی ہے سورۂ ہود میں اس واقعہ کو مفصل بیان کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان فرستادوں کی آمد سے حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام بہت گھبرائے اور ان کو دیکھتے ہی اپنے دل میں کہنے لگے آج بڑا سخت دن آیا ہے، اس کی وجہ یہ تھی کہ فرشتے نہایت ہی خوبصورت لڑکوں کی شکل میں حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے یہاں آئے تھے اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی قوم کی بدکرداری سے واقف تھے، مہمانوں کو واپس بھی نہیں کیا جاسکتا تھا اور انھیں بدمعاشوں سے بچانا بھی مشکل تھا۔

وجاء اهل المدينة يستبشرون، ادھر تو لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر میں قوم کی ہلاکت کا فیصلہ ہو رہا تھا، ادھر قوم لوط کو پتہ چلا کہ لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر چند خوش شکل نوجوان مہمان آئے ہیں تو وہ اپنی امرد پرستی کی وجہ سے بہت خوش ہوئے اور حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام کے گھر پر چڑھ آئے اور ان نوجوان کو سپرد کرنے کا مطالبہ کیا۔

حضرت لوط علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انھیں بہت سمجھانے کی کوشش کی اور اپنی رسوائی اور بے عزتی کے حوالہ سے بہت کچھ کہا مگر ان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا اسلئے کہ وہ اپنی بدمستی اور شہوت پرستی کے جوش میں شراب کے نشے کی مانند دھت تھے۔

وانها لبسبيل مقيم، سبیل مقیم سے شاہ راہ مراد ہے یعنی قوم لوط کی بستیاں مدینہ سے شام جاتے ہوئے راستہ میں پڑتی تھیں ہر آنے جانے والا ان بستیوں سے گذرتا تھا، کہتے ہیں کہ یہ پانچ بستیاں تھیں ان کا مرکزی مقام سدوم تھا۔

وان اصحاب الايكة لظلمين، ایکہ گھنے درخت کو کہتے ہیں چونکہ یہ لوگ زراعت پیشہ تھے اور جانور بھی بکثرت رکھتے

تھے اسلئے یہ لوگ اس آب وگیاہ والے مقام پر رہتے تھے، کہا گیا ہے کہ اس سے مراد قوم شعیب ہے ان کا زمانہ لوط علیہ السلام کے بعد ہے ان کا علاقہ حجاز اور شام کے درمیان قوم لوط کی بستیوں کے قریب ہی تھا۔

وَلَقَدْ كَذَّبَ أَصْحٰبُ الْحِجْرِ وادبين المدينة والشام وهم ثمود الْمُرْسَلِينَ ﴿۸۰﴾ بتكذيبهم صلحا لانه تكذيب لباقي الرسل لاشتراكهم في المجئ بالتوحيد وَاٰتَيْنٰهُمْ اٰيٰتِنَا في الناقة فَكَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ﴿۸۱﴾ لايتفكرون فيها وَكَانُوْا يَنْحِتُوْنَ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا اٰمِنِيْنَ ﴿۸۲﴾ فَأَخَذَتْهُمُ الصَّيْحَةُ مُصْبِحِيْنَ ﴿۸۳﴾ وقت الصباح فَمَآ أَغْنٰى دفع عَنْهُمْ العذاب مَّا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿۸۴﴾ من بناء الحصون وجمع الاموال وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ إِلَّا بِالْحَقِّ وَإِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ لامحالة فيجازى كل احد بعمله فَاصْفَحِ يا محمد عن قومك الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ﴿۸۵﴾ اعرض عنهم اعراضا لاجزع فيه وهذا منسوخ بآية السيف إِنَّ رَبَّكَ هُوَ الْخَلّٰقُ لكل شئ الْعَلِيْمُ ﴿۸۶﴾ بكل شئ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ قال صلى الله عليه وسلم هي الفاتحة رواه الشيخان لانها تثنى في كل ركعة وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ﴿۸۷﴾ لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ إِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖٓ أَزْوَاجًا اصنافا مِّنْهُمْ وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ ان لم يؤمنوا وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ الن جانبك لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸۸﴾ وَقُلْ إِنِّيْٓ أَنَا النَّذِيْرُ من عذاب الله ان ينزل عليكم الْمُبِيْنُ ﴿۸۹﴾ البين الانذار كَمَآ أَنْزَلْنَا العذاب عَلَى الْمُقْتَسِمِيْنَ ﴿۹۰﴾ اليهود والنصارى الَّذِيْنَ جَعَلُوا الْقُرْاٰنَ اى كتبهم المنزلة عليهم عِضِيْنَ ﴿۹۱﴾ اجزاء حيث آمنوا ببعض وكفروا ببعض وقيل المراد بهم الذين اقتسموا طرق مكة يصدون الناس عن الاسلام وقال بعضهم في القرآن سحر وبعضهم كهانة وبعضهم شعر فَوَرَبِّكَ لَنَسْأَلَنَّهُمْ أَجْمَعِيْنَ ﴿۹۲﴾ سوال توبيخ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۳﴾ فَاصْدَعْ يامحمد بِمَا تُؤْمَرُ اى اجهر به وامضه وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۹۴﴾ هذا قبل الامر بالجهاد إِنَّا كَفَيْنٰكَ الْمُسْتَهْزِءِيْنَ ﴿۹۵﴾ بك بان اهلكنا كلامنهم بآفة وهم الوليد بن المغيرة والعاص بن وائل وعدى بن قيس والاسود بن المطلب والاسود بن عبد يغوث الَّذِيْنَ يَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰهِ إِلٰهًا اٰخَرَ صفة وقيل مبتدأ ولتضمنه معنى الشرط دخلت الفاء في خبره وهو فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ﴿۹۶﴾ عاقبة امرهم وَلَقَدْ للتحقيق نَعْلَمُ أَنَّكَ يَضِيْقُ صَدْرُكَ بِمَا يَقُوْلُوْنَ ﴿۹۷﴾ من الاستهزاء والتكذيب فَسَبِّحْ متلبسا بِحَمْدِ رَبِّكَ اى قل سبحان الله وبحمده وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۹۸﴾ المصلين وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ﴿۹۹﴾ الموت.

ترجمہ: اور حجر والوں نے حجر، مدینہ اور شام کے درمیان ایک وادی ہے اور وہ ثمود تھے صالح (علیہ السلام) کی

تکذیب کر کے (سب) رسولوں کی تکذیب کی، اسلئے کہ صالح ﷺ کی تکذیب باقی رسولوں کی بھی تکذیب ہے اسلئے کہ توحید کے رنے میں سب مشترک ہیں اور ہم نے ان کو ناقہ کی شکل میں اپنی نشانیوں بھی دیں مگر وہ اس سے اعراض ہی کرتے رہے یعنی انہوں نے ان نشانیوں میں غور وفکر نہیں کیا، اور لوگ بے خوف ہو کر پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتے تھے آخر انھیں بھی صبح ہوتے ایک زوردار آواز نے آ پکڑا پس ان کی کسی تدبیر و عمل نے ان کو عذاب دفع کرنے میں کوئی فائدہ نہیں دیا یعنی ان کے قلعوں نے اور مال جمع کرنے نے ان کو کوئی فائدہ نہیں دیا اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے حق کے ساتھ (یعنی بامقصد) پیدا کیا ہے اور قیامت ضرور بالضرور آنے والی ہے ہر شخص کو اس کے عمل کی جزا دی جائے گی اے محمد تم اپنی قوم سے حسن وخوبی کے ساتھ درگذر کرو، یعنی ان سے آپ صرف نظر کرلیں اس طور پر کہ اس میں جزع فزع نہ ہو اور یہ حکم آیت سیف سے منسوخ ہے، یقیناً تیرا رب ہر شئ کا پیدا کرنے والا (اور) ہر شئ کا جاننے والا ہے اور یقیناً ہم نے آپ کو سات آیتیں دے رکھی ہیں (یعنی) سبع مثانی آپ ﷺ نے فرمایا وہ سورۂ فاتحہ ہے (رواہ الشیخان) اسلئے کہ اس کو ہر رکعت میں دہرایا جاتا ہے، اور قرآن عظیم بھی عطا کیا ہے اور آپ ہرگز اپنی نظریں ان چیزوں کی طرف نہ اٹھائیں جو ہم نے ان میں سے مختلف قسم کے لوگوں کو دے رکھی ہیں اور اگر وہ ایمان نہ لائیں تو آپ ان پر غم نہ کریں اور مومنوں کے لئے اپنے بازو جھکائے رہیں (یعنی) ان کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں، اور کہہ دیجئے کہ میں تو اللہ کے عذاب سے کھلا ڈرانے والا ہوں یہ کہ تمہارے اوپر عذاب نازل ہو جائے جیسے کہ ہم نے ان تقسیم کرنے والے یہود ونصاریٰ پر نازل کیا جنہوں نے قرآن کو یعنی ان کتابوں کو جو ان پر نازل کی گئی تھیں ٹکڑے ٹکڑے کردیا اس طور پر کہ بعض (حصہ) پر ایمان لائے اور بعض کا انکار کردیا اور کہا گیا ہے کہ مراد وہ لوگ ہیں جنہوں نے مکہ کے راستوں کو (آنیوالے) لوگوں کو اسلام سے روکنے کے لئے تقسیم کرلیا تھا اور بعض نے قرآن کے بارے میں سحر کہا اور بعض نے کہانت کہا اور بعض نے شعر کہا، قسم ہے تیرے رب کی ہم ان سب سے ان کے اعمال کے بارے میں ضرور باز پرس کریں گے اور یہ سوال توبیخ کے لئے ہوگا، پس اے محمد اس حکم کو جو آپ کو دیا جارہا ہے کھول کر سنا دیجئے اور نافذ کردیجئے اور مشرکین سے صرف نظر کرلیجئے یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے آپ سے جو لوگ استہزاء کرتے ہیں ہم ان کے لئے آپ کی طرف سے کافی ہیں اس طریقہ پر کہ ہم ان سب کو کسی آفت کے ذریعہ ہلاک کردیں گے، اور وہ ولید بن مغیرہ اور عاص بن وائل اور عدی بن قیس، اور اسود بن المطلب اور اسود بن عبد یغوث ہیں، جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسرے معبود مقرر کرتے ہیں انھیں عنقریب اس کا انجام معلوم ہو جائے گا کہا گیا ہے کہ صفت ہے اور کہا گیا ہے کہ مبتدا متضمن بمعنی شرط ہے اور اسی وجہ سے اس کی خبر پر فا داخل ہے اور وہ (خبر فسوف تعلمون ہے) اور ہمیں خوب معلوم ہے کہ ان کی باتوں سے آپ کا دل تنگ ہوتا ہے اور وہ باتیں استہزاء اور تکذیب ہیں، آپ اپنے رب کی تسبیح وتحمید بیان کرتے رہیں یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہتے رہیں اور سجدہ کرنے (نماز پڑھنے) والوں میں شامل رہیں اور اپنے رب کی عبادت کرتے رہیں یہاں تک کہ آپ کا یقینی (موت کا) وقت آجائے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہُ: فی الناقۃ، مفسر علام نے فی الناقۃ کہہ کر اس سوال کا جواب دیا ہے کہ آیتنا جمع ہے اور اس کی تفسیر الناقۃ مفرد سے کی ہے جو کہ درست نہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ ناقۃ کئی آیات کو مشتمل تھی اونٹنی کا پہاڑ سے نکلنا، آ کر فوراً بچہ دینا، اور اپنی باری میں تمام پانی پی جانا اور زیادہ مقدار میں دودھ دینا، لہٰذا آیتنا کی تفسیر ناقۃ سے درست ہے۔

قِوْلَہُ: اصنافا، ازواجا کی تفسیر اصنافا سے کر کے اشارہ کر دیا کہ ازواجا کے معروف معنی مراد نہیں ہیں بلکہ اصناف واقسام مراد ہیں مثلاً کافر یہود، نصاریٰ، مجوس، بت پرست وغیرہ۔

قِوْلَہُ: کتبھم قرآن کی تفسیر کتبھم سے کر کے اشارہ کر دیا کہ قرآن سے یہاں معروف قرآن مراد نہیں ہے۔

قِوْلَہُ: اجزاء، یہ عضین کے لغوی معنی کو بیان کرنے کے لئے اضافہ کیا ہے عضین، عضۃ کی جمع ہے اس کی اصل عُضْوَۃ بروزن فُعْلَۃ تھی یہ عضی الشاۃ سے ماخوذ ہے یعنی ٹکڑے ٹکڑے کرنا۔

قِوْلَہُ: صفۃ یعنی الذین، مستھزئین کی صفت ہے لہٰذا فصل بالاجنبی نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

ولقد کذب اصحب الحجر المرسلین، حجر قوم ثمود کا مرکزی شہر تھا اس کے کھنڈر مدینہ کے شمال مغرب میں موجودہ شہر العلاء سے چند میل کے فاصلہ پر واقع ہیں مدینہ سے تبوک جاتے ہوئے یہ شہر شاہ راہ عام پر پڑتا ہے، قافلوں کی آمد و رفت اسی وادی سے ہوتی ہے ۹ھ میں تبوک جاتے ہوئے جب رسول اللہ ﷺ اس بستی سے گذرے تو آپ نے سر پر کپڑا لپیٹ لیا اور اپنی سواری کو تیز کر لیا اور صحابہ سے فرمایا کہ روتے ہوئے اور اللہ کے عذاب سے ڈرتے ہوئے اس بستی سے گذرو (ابن کثیر، بخاری ومسلم) آٹھویں صدی ہجری میں ابن بطوطہ حج کو جاتے ہوئے یہاں سے گذرا تھا، وہ لکھتا ہے کہ یہاں سرخ رنگ کے پہاڑوں میں قوم ثمود کی عمارتیں موجود ہیں جو انہوں نے چٹانوں کو تراش کر ان کے اندر بنائی تھیں، ان کے نقش نگار اس وقت تک ایسے تازہ ہیں جیسے آج ہی بنائے گئے ہوں۔

ولقد آتینک سبعا من المثانی والقرآن العظیم سبع مثانی سے کیا مراد ہے؟ اس میں مفسرین کا اختلاف ہے راجح قول یہ ہے کہ اس سے مراد سورۂ فاتحہ ہے جو ہر نماز میں بار بار پڑھی جاتی ہے۔ (مثانی کے معنی بار بار دہرانے کے ہیں)۔

لاتمدن عینیك (الآیۃ) یعنی ہم نے سورۂ فاتحہ اور قرآن جیسی عظیم نعمتیں آپ کو عطا کی ہیں اس لئے دنیا اور اس کی زینت اور دنیا داروں اور سرمایہ داروں کی طرف آپ طلب و حسرت کی نظر نہ اٹھائیں یہ سب عارضی اور فانی چیزیں ہیں، اور آپ اپنی تکذیب پر غم نہ کریں اسلئے کہ ہر نبی کے ساتھ ایسا ہی معاملہ ہوا ہے، اور مومنین کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں۔

کما انزلنا علی المقتسمین ، بعض مفسرین کے نزدیک انزلنا کا مفعول العذاب محذوف ہے معنی یہ ہیں کہ میں تمہیں واضح طور پر عذاب سے ڈرانے والا ہوں مثل اس عذاب کے جو مقتسمین پر نازل ہوا، مقتسمین سے کیا مراد ہے؟ بعض کا کہنا یہ ہے کہ اس سے وہ مراد ہیں جنہوں نے کتاب الٰہی کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے، بعض نے کہا کہ اس سے قریش قوم مراد ہے، جنہوں نے اللہ کی کتاب کو تقسیم کر دیا، بعض کہتے ہیں مقتسمین سے اہل کتاب اور قرآن سے تورات اور انجیل مراد ہے۔ بعض نے کہا کہ صالح علیہ الصلاۃ والسلام کی قوم کے وہ افراد مراد ہیں جنہوں نے قسم کھائی تھی کہ ہم رات کو صالح علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کے گھر والوں کو قتل کر دیں گے اور بعض نے کہا ہے جن میں علامہ سیوطی بھی شامل ہیں کہ مکہ کے وہ لوگ مراد ہیں جنہوں نے مکہ کی طرف آنے والے راستے تقسیم کر لئے تھے اور ہر شخص اپنے متعین راستہ پر حج کے موسم میں جا کر بیٹھ جاتا تھا کہ آنے والوں کو محمد ﷺ سے ملنے سے روکے۔



سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ وَهِيَ مِائَةٌ وَّثَمَانٌ وَّعِشْرُوْنَ آيَةً وَّسِتَّةَ عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ النَّحْلِ مكية اِلَّا وَاِنْ عاقَبْتُمْ الى آخرها مأة وثمانٌ وعشرون آيةً.

سورۂ نحل مکی ہے، سوائے وان عاقبتم سے آخر تک ۱۲۸ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○ لَمّا استبطأ المشركونَ العذابَ نزلَ اَتٰى اَمْرُ اللّٰهِ اى الساعةُ وأتى بصيغةِ الماضي لتحققِ وقوعِه اى قَرُب فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ تطلبوه قبلَ حينِه فانه واقعٌ لامحالةَ سُبْحٰنَهٗ تنزيهًا له وَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ① به غيرَه يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اى جبرئيلَ بِالرُّوْحِ بالوحي مِنْ اَمْرِهٖ بارادتِه عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖٓ وهم الانبياءُ اَنْ مفسرةٌ اَنْذِرُوْٓا خوِّفوا الكافرين بعذابِ واَعْلِموهم اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاتَّقُوْنِ ② خافون خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ اى مُحِقًّا تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ③ به من الاصنامِ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ نُّطْفَةٍ منيٍّ الى اَنْ صيَّره قويًا شديدًا فَاِذَا هُوَ خَصِيْمٌ شديدُ الخصومةِ مُّبِيْنٌ ④ بيِّنُها في نفي البعثِ قائلًا مَنْ يُحيي العظامَ وهي رميمٌ وَالْاَنْعَامَ الابلَ والبقرَ والغنمَ ونصبُه بفعلٍ يُفسِّرُه خَلَقَهَا لَكُمْ في جملةِ الناسِ فِيْهَا دِفْءٌ ماتستدفئون به من الاكسيةِ والارديةِ من اشعارِها واصوافِها وَمَنَافِعُ من النسلِ والدرِّ والركوبِ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ⑤ قُدِّمَ الظرفُ للفاصلةِ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ زينةٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ تَرُدُّونَها الى مراحِها بالعشِيِّ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ⑥ تُخرِجونَها الى المرعى بالغداةِ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ احمالَكم اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ واصلين اليه على غيرِ الابلِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ بجهدِها اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ⑦ بكم حيثُ خلقَها لكم وَ خلقَ الْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً مفعولٌ له والتعليلُ بهما لتعريفِ النعمِ لاينافي خلقَها لغيرِ ذلك كالاكلِ في الخيلِ الثابتِ بحديثِ الصحيحين وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ⑧ من الاشياءِ العجيبةِ

اعربية **وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ** اى بيان الطريقِ المستقيم **وَمِنْهَا** اى السَّبيلِ **جَآئِرٌ** حائد عن الاستقامة **وَلَوْشَآءَ** بدايتكم **لَهَدٰكُمْ** الى قصدِ السبيلِ **اَجْمَعِيْنَ** فتهتدون اليه باختيارٍ منكم.

ع ۷

تَرجَمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، جب مشرکوں نے عذاب آنے میں تاخیر دیکھی (تو عذاب کا مطالبہ کیا) اس وقت (آئندہ آیت) نازل ہوئی، اللہ کا حکم آگیا یعنی قیامت اور قیامت کے یقینی الوقوع ہونے کی وجہ سے (أتی) ماضی کا صیغہ استعمال ہوا ہے، اور أتی بمعنی قَرُبَ، ہے یعنی قیامت کا وقت قریب آگیا، تو تم اس کے وقت سے پہلے طلب میں جلدی مت مچاؤ وہ یقیناً واقع ہونے والی ہے، اللہ پاک ہے، اور جس غیر اللہ کو وہ اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہیں اللہ اس سے بالا و برتر ہے (اللہ) فرشتوں (یعنی) جبرئیل کو وحی دیکر اپنے حکم اور ارادہ سے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے نازل کرتا ہے اور وہ انبیاء ہیں، یہ کہ لوگوں کو آگاہ کردو أن مفسرہ ہے، کافروں کو عذاب سے ڈراؤ اور ان کو یہ بتاؤ کہ میرے علاوہ کوئی معبود نہیں لہٰذا مجھ ہی سے ڈرو، اس نے آسمانوں اور زمین کو برحق یعنی بامقصد پیدا کیا وہ ان بتوں سے وراء الوراء ہے جس کو یہ لوگ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، انسان کو نطفۂ منی سے پیدا کیا یہاں تک کہ اس کو قوی اور مضبوط کردیا، تو وہ بعث (بعد الموت) کا انکار کرکے (صریح) جھگڑالو بن گیا یہ کہتے ہوئے کہ بوسیدہ ہڈیوں کو (بھلا) کون زندہ کرسکتا ہے؟ اور تمہارے لئے جانوروں کو (مثلاً) اونٹ اور گائے (بیل) اور بکریاں پیدا کیں اور (اَنْعَامَ) کا نصب اس فعل مقدر کی وجہ سے، ہے جس کی تفسیر خلقها کر رہا ہے، منجملہ دیگر لوگوں کے تمہارے لئے وہ مویشی پیدا کئے کہ ان کی اون اور بالوں سے بنی ہوئی (گرم) چادروں اور لباسوں میں سردی سے حفاظت ہے (اس کے علاوہ) نسل، دودھ، اور سواری کے منافع (بھی) ہیں اور ان میں سے بعض کو تم کھاتے (بھی) ہو اور ظرف (منها) کو فواصل کی رعایت کی وجہ سے مقدم کیا ہے، اور تمہارے لئے وہ باعثِ زینت بھی ہوتے ہیں جب کہ تم ان کو شام کے وقت ان کے باڑوں کی طرف واپس لاتے ہو اور اس وقت بھی (باعث زینت ہوتے ہیں) کہ جب تم انہیں صبح کے وقت ان کی چراگاہ کی طرف لے جاتے ہو، اور وہ تمہارے سامان کا بوجھ اٹھا کر ایسے شہروں تک لیجاتے ہیں کہ تم وہاں اونٹوں کے بغیر نہیں پہنچ سکتے مگر سخت جانفشانی کے بعد، حقیقت یہ ہے کہ تمہارا رب بڑا ہی شفیق و مہربان ہے، اس لئے کہ اس نے تمہارے لئے ان جانوروں کو پیدا کیا، اور اس نے گھوڑے اور خچر اور گدھے پیدا کئے تمہاری سواری کے لئے اور زینت کے لئے دونوں مفعول لہ ہیں، اور (رکوب و زینت) کو علت قرار دینا نعمتوں کے تعارف کے لئے ہے، لہٰذا اس کے علاوہ کیلئے تخلیق کے منافی نہیں، جیسا کہ گھوڑا کھانے کے لئے (بھی) جو کہ صحیحین کی حدیث سے ثابت ہے اور وہ بہت سی عجیب و غریب چیزیں پیدا کرتا ہے جن کو تم جانتے بھی نہیں، اور سیدھا راستہ بتانا اللہ کے ذمہ ہے جبکہ راستے ٹیڑھے بھی موجود ہیں، اگر وہ تمہاری ہدایت چاہتا تو سب کو ہدایت دیدیتا تو تمہارے اختیار سے اس تک رسائی ہوجاتی۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَهُ: ای قَرُبَ، ای قَرُبَ وقوعُهُ، تطلبوه، ای تَطْلبوا وقوعَهُ.

قِوْلَهُ: سبحانَهُ، یہ فعل محذوف کا مفعول مطلق ہے، ای سَبِّحْ سبحانَهُ.

قِوْلَهُ: بِهٖ اس میں اشارہ ہے کہ عَمَّا میں ما موصولہ ہے جس کے صلہ میں عائد کا ہونا ضروری ہے، اور اگر ما مصدریہ ہو تو عائد کی ضرورت نہ ہوگی۔

قِوْلَهُ: عَمَّا میں سبحانه اور تعالٰی دونوں فعل تنازع کر رہے ہیں ہر ایک عَمَّا میں ما کو اپنا مفعول بنانا چاہتا ہے یہ بات تنازع فعلان سے ہے، بصریین کے نزدیک ثانی فعل کو اور کوفیین کے نزدیک اول فعل کو عمل دیں گے۔

قِوْلَهُ: ای جبرئیل.

سَوُال: الملائکة صیغہ جمع بول کر واحد مراد لیا ہے ایسا کیوں؟

جَوَاب: ایسا مجازاً کیا ہے جیسا کہ اِذقالتِ الملائکة یا مریم میں ملائکہ سے مراد جبرئیل امین ہی ہیں، واحدی نے کہا ہے کہ جب فرد جماعت کا رئیس ہو تو اس پر جمع کا اطلاق درست ہے، جبرئیل چونکہ ملائکہ کے سردار ہیں لہٰذا ان پر جمع کا اطلاق صحیح ہے۔

قِوْلَهُ: بارادته اس میں اشارہ ہے کہ مِنْ اَمره میں مِنْ بمعنی باء ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہو گیا کہ من امره میں مِنْ نہ بیانیہ ہو سکتا ہے اور نہ تبعیضیہ اور نہ ابتدائیہ۔

قِوْلَهُ: اَنْ مفسره.

سَوُال: اَن مفسرہ قال یا قال کے مشتقات یا قال کے ہم معنی کے بعد واقع ہوتا ہے اور یہاں ایسا نہیں ہے۔

جَوَاب: یہاں روح چونکہ وحی کے معنی میں ہے اور وحی قال کے معنی میں ہے لہٰذا اَن مفسرہ ہونا درست ہے۔

قِوْلَهُ: وَاعلموهم، یہ اضافہ ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوُال: انذار متعدی بیک مفعول ہے اور وہ محذوف ہے ای انذروا المشرکین، لہٰذا اَنَّهٗ لا اله میں اَنَّ کے فتحہ کی کیا وجہ ہے؟ قیاس کا تقاضا ہے کہ اِنَّ بکسر الهمزه ہو۔

جَوَاب: یہ ہے کہ یہاں اعلموا مقدر ہے اور اَنّه لا اِلٰه الا انا، مفعول ثانی ہے، اسی وجہ سے اَنّه لایا گیا ہے۔

قِوْلَهُ: محقًا، اس میں اشارہ ہے کہ بالحق حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔

قِوْلَهُ: شدید الخصومة اس میں اشارہ ہے کہ خصیم (فعیل) مبالغہ کے لئے ہے۔

قِوْلَهُ: نصبُهٗ بفعلٍ یفسره خلقَها، یعنی یہ مااضمر عاملہ کے قبیل سے ہے، تقدیر عبارت یہ ہے خَلَقَ الانعام خلقَها لکم.

قِوْلَهُ: دفءٌ جاڑے کی پوشاک، گرم کپڑا، گرمی حاصل کرنے کا سامان، اونٹوں کی پیداوار اور ان سے جو نفع حاصل ہو، (س

ک) دَفَأَ، دُفُوءً ا، دَفَاءَ ةً، گرم ہونا گرمی محسوس کرنا، استدفاءٌ، گرم کپڑا پہننا۔

قَوْلُهُ: من اشعارها واصوافها یہ مَا تستَدْفِئونَ، میں ما کا بیان ہے، دِفْءٌ کی تفسیر ما تَسْتَدْفِئونَ سے کر کے اشارہ کردیا کہ دِفْءٌ مصدر اسم مفعول کے معنی میں ہے، اس طرح دِفْءٌ کا حمل بھی درست ہو گیا۔

قَوْلُهُ: قدّم الظرف للفاصلة یعنی ومنها تاكلون اصل میں تاكلون مِنها تھا، فواصل کی رعایت کی وجہ سے ظرف کو مقدم کردیا۔

قَوْلُهُ: مُراح بضم الميم، آرام کی جگہ، ٹھکانہ، جانوروں کا باڑا۔

قَوْلُهُ: وخَلَقَ، خَلَقَ مقدر مان کر اشارہ کردیا کہ الخيل کا عطف الانعام پر ہے، ای خَلَقَ الانعامَ وخلق الخيل الخ.

قَوْلُهُ: مفعولٌ لَهُ، زينةً مفعول لہ ہے، اور لتركبوها کے محل پر عطف ہے یعنی تركبوها اور زينةً دونوں خَلَقَ کے مفعول لہ ہیں۔

سُوَال: دونوں مفعول لہ ہیں مگر دونوں کو ایک طرز پر نہیں لایا گیا۔

جَوَاب: دونوں میں فرق ہے کہ رکوب مخاطبین کا فعل ہے اور زینۃ خالق کا فعل ہے۔

قَوْلُهُ: والتعليلُ بهما لتعريف النعم الخ، یہ احناف کے استدلال کا جواب ہے، احناف کا استدلال اس آیت سے اس طرح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے گھوڑوں اور خچروں اور گدھوں کی تخلیق کی علت زینت بیان فرمائی ہے اور ان تینوں کی تخلیق کو کھانے کی علت قرار نہیں دیا جیسا کہ انعام میں تخلیق کی علت اکل بیان فرمائی ہے حالانکہ منفعتِ اکل دیگر منفعتوں سے اعلیٰ ہے اور آیت بیان نعمت ہی کے لئے لائی گئی ہے اور یہ بات ہرگز مناسب نہیں ہے کہ احسان جتانے کے موقع پر ادنیٰ نعمت کا ذکر کیا جائے اور اعلیٰ کو چھوڑ دیا جائے۔

قَوْلُهُ: قصد السبيل، یہ اضافت صفت الی الموصوف ہے، ای السبيل القصد، اور قصد بمعنی قاصد ہے تاکہ حمل درست ہوجائے قصد سیدھے راستہ کو کہتے ہیں، يقال سبيلٌ قصدٌ وسبيلٌ قاصدٌ سیدھا راستہ۔

تَفْسِيرُ وَتَشْرِيح

سورت کا نام:

اس سورت کا نام سورۂ نحل اس مناسبت سے رکھا گیا ہے کہ اس میں نحل یعنی شہد کی مکھیوں کا ذکر قدرت کی عجیب وغریب صفت کے بیان کے سلسلے میں ہوا ہے، اس کا دوسرا نام سورۂ نِعَم بھی ہے (قرطبی) نِعَم نعمت کی جمع ہے، اس لئے کہ اس سورت میں خاص طور پر اللہ تعالیٰ نے اپنی عظیم نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے۔

موضوع اور مرکزی مضمون:

مرکزی مضمون شرک کا بطلان اور توحید کا اثبات، دعوت پیغمبر کو نہ ماننے کے برے نتائج پر تنبیہ اور فہمائش، اور حق کی ممانعت ومزاحمت پر زجر وتوبیخ ہے۔

اس سورت کو بغیر کسی خاص تمہید کے ایک شدید وعید اور ہیبت ناک عنوان سے شروع کیا گیا ہے جس کی وجہ مشرکین کا یہ کہنا تھا کہ محمد ﷺ ہمیں قیامت سے اور اللہ کے عذاب سے ڈراتے رہتے ہیں، اور یہ دعویٰ کرتے رہتے ہیں کہ اللہ نے ان کو غلبہ کرنے اور مخالفوں کو مغلوب کرنے اور سزا دینے کا وعدہ کیا ہے، ہمیں تو یہ کچھ بھی ہوتا نظر نہیں آتا، اس کے جواب میں ارشاد فرمایا کہ ''آپہنچا حکم اللہ کا تم جلد بازی نہ کرو'' (معارف) یعنی عنقریب پہنچے والا ہے جس کو تم خود عنقریب بچشم سر دیکھ لوگے۔

بعض حضرات نے فرمایا کہ اس میں حکم اللہ سے مراد قیامت ہے اس کے آپہنچنے کا مطلب بھی یہی ہے کہ اس کا وقوع دنیا کی گذشتہ مدت کے اعتبار سے قریب ہے۔

مذکورہ آیت کا خلاصہ ایک وعید شدید کے ذریعہ توحید کی دعوت دینا ہے، دوسری آیت میں دلیل نقلی سے توحید کا اثبات ہے کہ آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے لے کر خاتم الانبیاء ﷺ تک دنیا کے مختلف خطوں، مختلف زمانوں میں جو بھی رسول آیا، ہے اس نے یہی عقیدۂ توحید پیش کیا ہے حالانکہ ایک کو دوسرے کے حال اور تعلیم کے اسباب سے کوئی اطلاع بھی نہ تھی، غور کرو کہ کم از کم ایک لاکھ بیس ہزار حضرات عقلاء جو مختلف اوقات میں مختلف ملکوں مختلف خطوں میں پیدا ہوں اور وہ سب کے سب ایک ہی بات کے قائل ہوں تو فطرۃً انسان یہی سمجھنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ یہ بات غلط نہیں ہوسکتی، ایمان لانے کیلئے تنہا یہی دلیل کافی ہے، لفظ روح سے مراد اس آیت میں بقول ابن عباس وحی اور بقول بعض دیگر مفسرین ہدایت ہے۔

عقیدۂ توحید کا عقلی طور پر اثبات:

خَلَقَ السمٰوات والارض بالحق (الآیة) ان آیتوں میں تخلیق کائنات کی عظیم نشانیوں سے حق تعالیٰ کی توحید کا اثبات ہے، اول تو سب سے پہلی مخلوق آسمان اور زمین کا ذکر فرمایا اس کے بعد تخلیق انسانی کا ذکر فرمایا، جس کو اللہ تعالیٰ نے مخدوم کائنات بنایا، انسان کی ابتداء ایک حقیر نطفہ سے ہونا بیان کرکے فرمایا، فَاِذَا هُوَ خصیم مبین یعنی جب اس ضعیف الخلقت کو طاقت اور قوت گویائی عطا ہوئی تو خدا ہی کی ذات وصفات میں جھگڑنے لگا۔

انسانی تخلیق کے بعد ان اشیاء کی تخلیق کا ذکر فرمایا جو انسان کے فائدے کے لئے خصوصی طور پر بنائی گئی ہیں، اور قرآن کے سب سے اول مخاطب چونکہ عرب تھے اور عرب کی معیشت کا بڑا دار ومدار پالتو جانوروں میں سے اونٹ، گائے، بکری پر تھا اس لئے پہلے ان کا ذکر فرمایا، ''وَالانعام خَلَقَها'' پھر جانوروں سے جو فوائد انسان کو حاصل ہوتے ہیں ان میں سے دو فائدے خاص طور سے بیان کردیئے۔

فائدہ: ❶ ایک لکم فیھا دِفءٌ یعنی ان جانوروں کی اون سے انسان اپنے گرم کپڑے اور کھال سے پوستین وغیرہ تیار کر کے سردی کے موسم میں گرمائش حاصل کرتا ہے۔

فائدہ: ❷ ومنھا تاکلون ،یعنی انسان جانوروں میں سے بعض کو ذبح کر کے اپنی خوراک بھی بنا سکتا ہے،غرضیکہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے دو یعنی خوراک اور پوشاک کی ضرورت جانوروں سے پوری ہو سکتی ہیں، اور ان کے دودھ سے اپنی بہترین غذا تیار کر سکتا ہے اور باقی عام فوائد کے لئے فرمایا "ومنافع للناس" اور بے شمار فوائد انسان کے جانوروں کے گوشت چمڑے، ہڈی، اور بالوں سے وابستہ ہیں، اس ابہام واجمال میں ان سب نئی سے نئی ایجادات کی طرف بھی اشارہ ہے جو حیوانی اجزاء سے انسان کی غذا، لباس، دواء استعمالی اشیاء کے لئے ابتک ایجاد ہو چکی ہیں یا آئندہ قیامت تک ہوں گی۔ (معارف)

ولکم فیھا جمالٌ حین تریحون، اس میں ایک فائدہ عرب کے ذوق کے مطابق یہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ تمہارے لئے جمال اور زینت کا ذریعہ ہیں خصوصاً جب وہ شام کو چراگاہوں سے اپنی آرام گاہوں کی طرف آتے ہیں یا صبح کو جب وہ آرام گاہوں سے نکل کر چراگاہوں کی طرف جاتے ہیں، کیونکہ اس وقت مویشیوں سے ان کے مالکان کی خاص شان و شوکت کا مظاہرہ ہوتا ہے، آخر میں ان جانوروں کا ایک اور فائدہ یہ بیان کیا کہ یہ جانور تمہارے بوجھل سامان دور دراز شہروں تک پہنچا دیتے ہیں جہاں تمہاری اور تمہارے سامان کی رسائی جان جوکھوں میں ڈالے بغیر ممکن نہ تھی، آج ریل گاڑیوں اور ٹرکوں اور ہوائی جہازوں کے زمانہ میں بھی انسان ان جانوروں سے مستغنی نہیں۔

کھائے جانے والے حلال جانوروں کا ذکر کرنے کے بعد اب ان جانوروں کا ذکر بھی مناسب معلوم ہوا جن کی تخلیق ہی سواری اور بار برداری کے لئے ہے ان کے دودھ یا گوشت سے انسان کا فائدہ متعلق نہیں کیونکہ از روئے شرع وہ اخلاقی بیماریوں کا سبب ہونے کی وجہ سے ممنوع ہیں، فرمایا، "والخیلَ والبغالَ والحمیر لترکبوھا وزینةً" یعنی ہم نے گھوڑے، خچر، گدھے پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواری کرو اور وہ تمہارے لئے باعثِ زینت بھی ہوں۔

مسئلہ: قرآن کریم نے اول انعام یعنی اونٹ، گائے، بکری، کا ذکر فرمایا، اور ان کے فوائد میں سے ایک اہم فائدہ ان کا گوشت کھانا بھی قرار دیا، پھر اس سے الگ کر کے فرمایا، والخیل والبغال والحمیر ان کے فوائد میں ان سے سواری لینے اور ان سے اپنی زینت حاصل کرنے کا ذکر ہے مگر گوشت کھانے کا یہاں ذکر نہیں کیا اس میں یہ دلالت پائی جاتی ہے کہ گھوڑے، خچر، گدھے کا گوشت حلال نہیں، گدھے اور خچر کا گوشت حرام ہونے پر تو جمہور فقہاء کا اتفاق ہے اور ایک مستقل حدیث میں ان کی حرمت کا صراحةً بھی ذکر ہے مگر گھوڑے کے معاملہ میں حدیث کی دو روایتیں متعارض آئی ہیں ایک سے حلت اور دوسری سے حرمت معلوم ہوتی ہے اسی لئے فقہاء امت کے اقوال اس میں مختلف ہو گئے بعض نے حلال قرار دیا اور بعض نے حرام، امام اعظم ابو حنیفہ رَحِمَہُ اللہُ تَعَالٰی نے اسی تعارض دلائل کی وجہ سے گھوڑے کے گوشت کو گدھے اور خچر کی طرح حرام نہیں کہا مگر مکروہ قرار دیا۔

(احکام القرآن حصاص)

مَسْئَلَۃٌ: اس آیت سے جمال اور زینت کا جواز معلوم ہوتا ہے، اگر چہ تفاخر و تکبر حرام ہیں فرق یہ ہے کہ جمال و زینت کا حاصل اپنے دل کی خوشی یا اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اظہار ہوتا ہے۔ (معارف)

وعلی اللہ قصد السبیل، یہ آیت درمیان میں بطور جملہ معترضہ کے اس بات پر تنبیہ کرنے کے لئے لائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ قدیمہ کی بنا پر اپنے ذمہ لے لیا ہے کہ لوگوں کے لئے وہ صراط مستقیم واضح کردے جو اللہ تک پہنچنے والا ہے۔

لیکن اس کے برخلاف کچھ لوگوں نے دوسرے ٹیڑھے راستے بھی اختیار کر رکھے ہیں وہ ان تمام واضح آیات اور دلائل سے کچھ فائدہ نہیں اٹھاتے بلکہ گمراہی میں بھٹکتے رہتے ہیں، پھر ارشاد فرمایا کہ مصلحت کا تقاضا یہ تھا کہ جبر نہ کیا جائے، دونوں راستے سامنے کردیئے جائیں چلنے والا جس راستہ پر چلنا چاہے چلا جائے، صراط مستقیم اللہ تعالیٰ اور جنت تک پہنچ یگا اور ٹیڑھے راستے جہنم پر پہنچائیں گے۔

هُوَالَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ تشربُونه وَّمِنْهُ شَجَرٌ ینبتُ بسببه فِیْهِ تُسِیْمُوْنَ ⑩ ترعون دوابكم یُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّیْتُوْنَ وَالنَّخِیْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ المذكور لَاٰیَةً دالةً علی وحدانیته تعالی لِّقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ ⑪ فی صنعه فیؤمنون وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ بالنصب عطفٌ علی ماقبله والرفع مبتدأ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ بالوجهین مُسَخَّرٰتٌ بالنصب حالٌ والرفع خبرٌ بِاَمْرِهٖ بارادته اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ ⑫ یتدبرون وَ سخرلكم مَا ذَرَاَ خلق لَكُمْ فِی الْاَرْضِ من الحیوان والنباتِ وغیر ذلك مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ كاحمرَ واخضرَ واصفر وغیرہا اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّذَّكَّرُوْنَ ⑬ یتعظون وَهُوَالَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ ذلّلهٗ لركوبه والغوص فیه لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا ہو السمك وَّتَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْیَةً تَلْبَسُوْنَهَا ہی اللؤلؤ والمرجان وَتَرَی تُبصِرُ الْفُلْكَ اسفن مَوَاخِرَ فِیْهِ تمخر الماءَ ای تشقّه بجریها فیه مقبلةً ومدبرةً بریحٍ واحدة وَلِتَبْتَغُوْا عطفٌ علی لتأكلوا تطلبُوا مِنْ فَضْلِهٖ تعالی بالتجارة وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ⑭ الله علی ذلك وَاَلْقٰی فِی الْاَرْضِ رَوَاسِیَ جبالاً ثوابت ل اَنْ لا تَمِیْدَ تتحرك بِكُمْ وَ جعل فیها اَنْهٰرًا كالنیل وَّسُبُلًا طُرقًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ⑮ الی مقاصدِكم وَعَلٰمٰتٍ تستدلُّون بها علی الطرق كالجبال بالنهار وَبِالنَّجْمِ بمعنی النُّجوم هُمْ یَهْتَدُوْنَ ⑯ الی الطُّرق والقبلة باللیل اَفَمَنْ یَّخْلُقُ وہو اللهُ كَمَنْ لَّا یَخْلُقُ وہو الاصنام حیث تُشركُونها معه فی العبادة لا اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ⑰ بهذا فتؤمنون وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا تضبطوہ فضلاً ان تطیقُوا شكرہا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ⑱ حیث یُنعِمُ علیكم مع تقصیركم وعصیانكم وَاللّٰهُ

يَعْلَمُ مَا تُسِرُّوْنَ وَمَا تُعْلِنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ بالتاء والياء تعبدون مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وهو الاصنام لَا يَخْلُقُوْنَ شَيْئًا وَّهُمْ يُخْلَقُوْنَ ۝ يُصوّرون من الحجارة وغيرها اَمْوَاتٌ لا روح فيهم خبر ثان غَيْرُ اَحْيَآءٍ تاكيد وَمَا يَشْعُرُوْنَ اى الاصنامُ اَيَّانَ وقت يُبْعَثُوْنَ ۝ اى الخلق فكيف يَعبُدُوْنَ اذ لا يكونُ الٰها الا الخالقُ الحيُّ العالِمُ بالغيب.

٢ ع ١٢ ٨

ترجمہ: (اللہ) وہی ہے جس نے تمہارے فائدہ کے لئے آسمان بادلوں سے پانی برسایا اسی کو تم پیتے ہو اور اسی سے نباتات اگتی ہیں جس کو چرنے کے لئے تم اپنے جانوروں کو چھوڑتے ہو، اسی (پانی) سے تمہارے لئے کھیتی زیتون اور کھجور اور انگور اور ہر قسم کے پھل اگاتی ہے بے شک ان تمام مذکورہ چیزوں میں خدا تعالیٰ کی وحدانیت پر دلالت کرنے والی نشانیاں ہیں، ان لوگوں کے لئے جو اس کی صنعت میں غور وفکر کرتے ہیں جس کے نتیجے میں وہ ایمان لے آتے ہیں، اور اسی نے رات اور دن کو اور شمس وقمر کو اور ستاروں کو (اپنی قدرت سے) تمہارے کام میں لگا رکھا ہے (الشمس) پر نصب کے ساتھ اس کے ماقبل پر عطف کرتے ہوئے، اور رفع کے ساتھ مبتداء ہونے کی وجہ سے اور (القمر اور النجوم) میں بھی مذکورہ دونوں اعراب ہیں، (مسخراتٍ) نصب کے ساتھ ہے، حال ہونے کی وجہ سے اور رفع ہے خبر ہونے کی وجہ سے بلاشبہ اس میں بہت سی نشانیاں ہیں ان لوگوں کے لئے جو عقل سے کام لیتے ہیں (یعنی) غور وفکر کرتے ہیں، بہت سی چیزوں کو اس نے زمین میں تمہارے لئے پیدا کیا جن کے رنگ روپ مختلف قسم کے ہیں جیسا کہ سرخ، سبز اور زرد وغیرہ، وہ حیوان اور نبات وغیرہ ہیں یقیناً ان (مذکورہ) چیزوں میں نصیحت حاصل کرنے والوں کے لئے بہت سی نصیحتیں ہیں اور دریا بھی اس نے تمہاری سواری کے لئے اور اس میں غوطہ زنی کے لئے بس میں کر دیئے ہیں تاکہ تم اس میں سے نکال کر تازہ گوشت کھاؤ وہ مچھلی ہے، اور اس میں سے زیور نکالو کہ جن کو تم پہنو اور وہ موتی اور مونگے ہیں، اور تم کشتیوں کو دیکھتے ہو کہ پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، یعنی ایک ہی ہوا سے آتے جاتے دریا میں پانی کو چیرتی ہوئی چلتی ہیں، اور تاکہ تم تجارت کے ذریعہ اللہ کا فضل (روزی) طلب کرو (لتبتغوا) کا عطف لِتاکلوا پر ہے، اور تاکہ اس پر تم اللہ کا شکر ادا کرو اور اس نے زمین میں نہ ہلنے والے پہاڑ ثبت کر دیئے تاکہ تم کو لے کر نہ ہلے (یعنی اضطرابی) حرکت نہ کرے اور زمین میں نیل کے، مانند نہریں بنائیں اور راستے بنائے تاکہ تم اپنے مقصد تک رسائی حاصل کرسکو اور بہت سی ایسی نشانیاں بنائیں جن سے تم رہنمائی حاصل کرتے ہو جیسا کہ پہاڑوں سے دن میں اور ستاروں کے ذریعہ اور نجم بمعنی نجوم ہے راستہ کی اور قبلے کی، رات میں رہنمائی حاصل کرتے ہیں کیا وہ اللہ جو پیدا کرتا ہے اس کے برابر ہے جو (کچھ) پیدا نہیں کرتا اور وہ بت ہیں، کہ جن کو تم عبادت میں اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو، نہیں (یعنی برابر نہیں ہو سکتے) کیا تم اس سے نصیحت حاصل نہیں کرتے کہ ایمان لے آؤ، اور اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے، چہ جائیکہ تم ان کا شکر ادا کرسکو، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے اسلئے کہ وہ تمہاری کوتاہیوں اور نافرمانیوں کے باوجود تمہیں اپنی نعمتوں

سے نوازتا ہے اور جو تم چھپاؤ اور جو ظاہر کرو اللہ اس کو جانتا ہے اور جن کو یہ لوگ اللہ کو چھوڑ کر پکارتے ہیں (بندگی) کرتے ہیں اور وہ بت ہیں، وہ کسی چیز کو پیدا نہیں کر سکتے وہ تو خود مخلوق ہیں یعنی پتھر وغیرہ سے تراشے ہوئے ہیں، بے جان ہیں یہ خبر ثانی ہے ان میں جان نہیں یہ تاکید ہے، اور ان بتوں کو تو یہ بھی شعور نہیں کہ مخلوق کو کب اٹھایا جائیگا؟ تو پھر ان کی کیوں بندگی کی جائے؟ اسلئے کہ معبود تو وہی ہو سکتا ہے جو خالق ہو، زندہ ہو، عالم الغیب ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: بالنصب حالٌ (مُسَخَّرات) الشمس پر نصب کی صورت میں حال ہونے کی وجہ سے منصوب ہوگا اور، قبل میں مذکور سب سے حال ہوگا اور عامل سَخَّر کی ضمیر ہوگی، اور الشمسُ پر رفع کی صورت میں مسخّراتٌ مبتداء کی خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہوگا۔

قَوْلُہٗ: ماذرَأ اس کا عطف اللیلَ پر ہے مفسر علام نے سخّر محذوف نکال کر اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔

قَوْلُہٗ: مَوَاخِرَ یہ ماخِر کی جمع ہے (ف) مَخْرًا، مخورًا، پانی کو چیرنا۔

قَوْلُہٗ: عطفٌ علی لِتاکلوا (یعنی) تبتغوا اس کا عطف لتاکلوا پر ہے، درمیان میں جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وجعلَ فیھا، اس کا عطف رواسِیَ پر ہے اسلئے کہ القٰی کے اندر جعل کے معنی ہیں۔

قَوْلُہٗ: خبرٌ ثان، یعنی اَموات، الذین یدعون کی خبر ثانی ہے اور اول خبر مِنْ دون اللّٰہ ہے۔

قَوْلُہٗ: تاکید، یعنی غیر اَحیاء، اموات کی تاکید ہے، لہٰذا عدم حاجت کا اعتراض ختم ہوگیا۔

تفسیر و تشریح

منه شجرٌ فیه تسیمون، شجر کا لفظ اکثر تنے دار درخت کے لئے بولا جاتا ہے، اور کبھی زمین سے اگنے والی ہر چیز کیلئے بھی بولا جاتا ہے، جیسا گھاس، بیلیں وغیرہ اس آیت میں یہی معنی مراد ہیں اسلئے کہ آگے جانوروں کے چرانے کا ذکر ہے اس کا تعلق زیادہ تر گھاس ہی سے ہے۔

تسیمون، اسامت سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں جانوروں کو چراگاہ میں چرنے کے لئے چھوڑنا۔

انّ فی ذلك لآیة لقوم یتفکرون، ان تمام آیات میں نعماء الٰہیہ اور عجیب و غریب حکمت کے ساتھ تخلیق کائنات کا ذکر ہے جس میں غور و فکر کرنے والوں کو ایسے دلائل و شواہد ملتے ہیں کہ ان سے حق تعالیٰ کی توحید کا گویا مشاہدہ ہونے لگتا ہے اسی لئے ان آیتوں میں ذکر کرتے کرتے بار بار درمیان میں فرمایا کہ اس میں سوچنے والوں کے لئے دلیل ہے، کیونکہ کھیتی اور درخت اور

ان کے پھل پھول وغیرہ کا تعلق اللہ جل شانہ کی صنعت وحکمت کے ساتھ غور وفکر چاہتا ہے کہ آدمی یہ سوچے کہ دانہ یا گٹھلی زمین کے اندر ڈالنے سے اور پانی دینے سے تو خود بہ خود یہ نہیں ہوسکتا کہ اس میں سے ایک عظیم الشان درخت نکل آئے اور اس پر رنگا رنگ پھول لگنے لگیں یہ سب قادر مطلق کی صنعت وحکمت ہے۔

وسخر لکم الّیل والنھار الخ خدائی قدرت کاملہ کی نشانیوں میں سے رات اور دن کا ایک دوسرے کے پیچھے چلے آنا بھی ہے، تاکہ لوگوں کا کاروبار چلے اور ان کو سکون وراحت بھی ملے، اسی طرح چاند اور سورج بھی ایک معینہ نظام کے ساتھ نکلتے اور چھپتے ہیں رات اور دن کی آمد و رفت اور شمس وقمر کے طلوع وغروب کے ساتھ انسانوں کے بے شمار فوائد وابستہ ہیں بلکہ غور سے دیکھا جائے تو ان کے بغیر انسانی زندگی محال ہے خدا تعالیٰ نے اپنے اقتدار کامل سے چاند سورج اور تمام ستاروں کو ایک ادنیٰ خادم کی طرح ہمارے کاموں میں لگا رکھا ہے، مجال نہیں کہ ذرا بھی سستی یا سرتابی کرسکیں۔

ھو الذی سخّرَ البحر لتاکلوا، آسمان اور زمین کی مخلوقات اور ان میں انسان کے فوائد ومنافع بیان کرنے کے بعد سمندروں کے اندر حق تعالیٰ کی حکمت بالغہ سے انسان کے لئے کیا کیا فوائد ہیں ان کا بیان ہے کہ اس سے تم کو مچھلی کا تازہ گوشت ملتا ہے، اور دریا کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ اس میں غوطہ لگا کر انسان اپنے لئے زینت کا سامان نکال لیتا ہے، مراد موتی مونگے اور جواہرات ہیں جو سمندر سے نکلتے ہیں اگرچہ زیورات کے پہننے کی نسبت مردوں کی طرف کی گئی ہے مگر مراد عورتیں ہیں، اس لئے کہ دراصل عورتوں کی زیب وزینت مردوں ہی کے لئے ہے، اس کے علاوہ انگوٹھی وغیرہ کی صورت میں مرد بھی استعمال کرتا ہے۔

وَتَرَی الفلك مواخر فیه الخ دریاؤں کا یہ تیسرا فائدہ بتایا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دریا کو بلاد بعیدہ کے سفر کا راستہ بنایا ہے ہوائی جہاز کی ایجاد سے پہلے دور دراز ملکوں کے سفر کا سب سے آسان طریقہ دریا کے راستہ سفر کرنا تھا اور تجارتی مال کی درآمد برآمد کا آسان وسیلہ بھی۔

والقٰی فی الارض رواسِیَ أن تمید بکم، رواسِیَ، راسیة کی جمع ہے بھاری پہاڑ کو کہتے ہیں، تمیدَ، میدٌ سے مشتق ہے جس کے معنی ڈگمگانے اور اضطرابی حرکت کرنے کے ہیں، معنی آیت کے یہ ہیں کہ کرۂ ارض کو حق تعالیٰ شانہ نے اپنی بہت سی حکمتوں کے تحت ٹھوس اور متوازن اجزاء سے نہیں بنایا اس لئے وہ کسی جانب سے بھاری اور کسی جانب سے ہلکی واقع ہوئی ہے اس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ زمین کو عام فلاسفروں کی طرح ساکن مانا جائے یا حرکت متدیرہ کے ساتھ متحرک قرار دیا جائے اور دونوں صورتوں میں زمین میں ایک اضطرابی حرکت ہوتی اس اضطرابی حرکت کو روکنے کے لئے اور اجزاء زمین کو متوازن کرنے کے لئے حق تعالیٰ نے زمین پر پہاڑوں کا وزن رکھ دیا تاکہ وہ اضطرابی حرکت نہ کرسکے باقی رہا سوال حرکت متدیرہ کا تو دیگر سیارات جیسے حرکت کرتے ہیں زمین بھی ویسی ہی حرکت کرتی ہے اور قدیم فلاسفہ میں سے فیثاغورث کی بھی یہی تحقیق ہے اور جدید فلاسفہ سب اس پر متفق ہیں اور نئے تجربات نے اس کو اور بھی زیادہ واضح کردیا ہے، تو قرآن کریم میں نہ اس کا اثبات ہے

اور نہ اس کی کہیں نفی بلکہ یہ اضطرابی حرکت جس کو پہاڑوں کے ذریعہ بند کیا گیا ہے اس کی حرکت مستدیرہ کے لئے اور زیادہ معین ہوگی جو دیگر سیارات کی طرح زمین کے لئے ثابت ہے۔ (معارف)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا اور تخلیق کائنات کا مفصل ذکر کرنے کے بعد اس بات پر تنبیہ فرمائی جس کے لئے ان سب نعمتوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے وہ ہے حق تعالیٰ کی توحید کہ اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، اسلئے فرمایا کہ جب یہ ثابت ہوگیا کہ اللہ نے تنہا زمین و آسمان بنائے کوہ و دریا بنائے، نباتات اور حیوانات بنائے، درخت اور ان کے پھل پھول بنائے کیا وہ ذات کہ جو ان سب چیزوں کی خالق و مالک ہے ان بتوں کی مانند ہو جائے گی جو کچھ بھی پیدا نہیں کر سکتے، تو کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے ؟؟؟۔

اِلٰهُكُمْ المستحقُ للعبادة منكم **اِلٰهٌ وَّاحِدٌ** لا نظير له في ذاته ولا في صفاته وهو اللّٰهُ تعالى **فَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ قُلُوْبُهُمْ مُّنْكِرَةٌ** جاحدةٌ للوحدانية **وَّهُمْ مُّسْتَكْبِرُوْنَ** متكبرون عن الايمان بها **لَا جَرَمَ** حقًّا **اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ** فيجازيهم بذلك **اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ** بمعنى انه يُعاقبهم ونزل في النضر بن الحارث **وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ مَّا** استفهامية **ذَآ** موصولة **اَنْزَلَ رَبُّكُمْ** على محمد **قَالُوْٓا** هو **اَسَاطِيْرُ** اكاذيب **الْاَوَّلِيْنَ** اضلالًا للناس **لِيَحْمِلُوْٓا** في عاقبة الامر **اَوْزَارَهُمْ** ذنوبهم **كَامِلَةً** لم يُكفّر منها شئ **يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ وَمِنْ** بعض **اَوْزَارِ الَّذِيْنَ يُضِلُّوْنَهُمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ** لانهم دعوهم الى الضلال فاتبعوهم فاشتركوا في الاثم **اَلَا سَآءَ** بئس **مَا يَزِرُوْنَ** يحملونه حملهم هذا

ترجمہ: تمہاری عبادت کا مستحق تو صرف ایک معبود ہے، ذات و صفات میں اس کی کوئی نظیر نہیں، اور وہ اللہ تعالیٰ ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے قلوب وحدانیت کے منکر ہیں اور وہ وحدانیت پر ایمان لانے سے تکبر کرنے والے ہیں یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر اس بات کو جانتا ہے جس کو وہ چھپاتے ہیں اور ظاہر کرتے ہیں، لہٰذا وہ اس کی جزاء ان کو دے گا، وہ تکبر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا بایں معنی کہ ان کو سزا دے گا، اور نضر بن الحارث کے بارے میں (آئندہ) آیت نازل ہوئی، اور جب ان سے پوچھا جاتا ہے کہ تمہارے رب نے محمد ﷺ پر کیا نازل کیا؟ (ما) استفہامیہ اور (ذا) موصولہ ہے تو لوگوں کو گمراہ کرنے کے لئے جواب دیا، پہلے لوگوں کے جھوٹے قصے ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ انجام کار یہ لوگ اپنے تمام گناہوں کے ساتھ کہ جن میں سے کچھ بھی کم نہ کیا گیا ہوگا قیامت کے دن اٹھائے ہوئے ہوں گے اور ان لوگوں کے گناہوں کا بھی کچھ حصہ جن کو ان لوگوں نے ان کی لاعلمی کی وجہ سے گمراہ کیا ہوگا اس لئے کہ ان لوگوں نے ان کو گمراہی کی طرف بلایا تو انہوں نے ان کی اتباع کی جس کی وجہ سے گناہ میں دونوں شریک ہوگئے، دیکھو تو کیسا برا بوجھ ہے؟ جس کو یہ اٹھا رہے ہیں، یعنی ان کا یہ اٹھانا نہایت برا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسهیل و تفسیری فوائد

قِوْلِہٗ: متکبرون، مستکبرون کی تفسیر متکبرون سے کرکے اشارہ کردیا کہ استفعال تفعُّل کے معنی میں ہے لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ یہاں طلب کے معنی درست نہیں ہے۔

قِوْلِہٗ: بمعنی انّہٗ یُعاقبُھم یہ اس سوال کا جواب ہے کہ حب کا لفظ اللہ تعالیٰ کے لئے استعمال کرنا درست نہیں ہے اسلئے کہ حُبّ کا تعلق قلب سے ہے اور قلب مجسم ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ پاک ہے۔

جِوَابِّ: عدم حب کے لازم معنی مراد ہیں یعنی سزا، لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قِوْلِہٗ: ھو.

سِوَالِّ: (ھو) مقدر ماننے کی کیا وجہ ہے؟

جِوَابِّ: اساطیر الاولین چونکہ قال کا مقولہ ہے اور مقولہ کے لئے جملہ ہونا ضروری ہے حالانکہ اساطیر الاولین مفرد ہے یعنی جملہ تام نہیں ہے، مفسر علام نے ھو محذوف مان کر اشارہ کردیا کہ اساطیر الاولین مبتداء محذوف کی خبر ہوکر جملہ تام ہے۔

قِوْلِہٗ: فی عاقبۃ الامر اس میں اشارہ ہے کہ لیحملوا میں لام عاقبت کا ہے۔

قِوْلِہٗ: حملھم ھذا یہ مخصوص بالذم ہے۔

تفسیر و تشریح

اِلٰھُکم اِلٰہٌ واحدٌ (الآیۃ) یعنی ایک الٰہ کا تسلیم کرنا منکرین و مشرکین کے لئے بہت مشکل ہے وہ کہتے ہیں "اَجَعَلَ الآلِھَۃَ اِلٰھًا واحِدًا اِنَّ ھٰذا لشَیْءٌ عُجابٌ" اس نے تمام معبودوں کا ایک ہی معبود کردیا ہے یہ تو بڑی عجیب بات ہے، سورۂ زمر میں فرمایا گیا "وَاِذا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ اشمأزّتْ قُلوبُ الّذین لا یؤمنون بالآخرۃِ وَاِذا ذُکِرَ الذین مِنْ دونِہٖ اِذاھُمْ یَسْتَبْشِرون" جب ایک اللہ کا ذکر کیا جاتا ہے تو منکرین کے دل تنگ ہوجاتے ہیں اور جب اللہ کے سوا دوسرے معبودوں کا ذکر کیا جاتا ہے تو خوش ہوتے ہیں۔

وَاِذَا قیلَ لَھُمْ ماذا انزل ربکم الخ گذشتہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کی گمراہی اور اپنے انعامات واحسانات کا ذکر فرمایا اب مشرکین کے دوسروں کو گمراہ کرنے کا ذکر ہے، نبی ﷺ کی دعوت کا چرچا جب اطراف واکناف میں پھیلا تو مکے کے لوگ جہاں کہیں جاتے تھے ان سے جب پوچھا جاتا کہ تمہارے یہاں جو صاحب نبی بنکر اٹھے ہیں وہ کیا تعلیم دیتے ہیں؟ قرآن کس قسم کی کتاب ہے؟ اس کے مضامین کیا ہیں؟ وغیرہ وغیرہ، اس قسم کے سوالات کا جواب کفار مکہ ہمیشہ ایسے الفاظ میں

دیتے تھے کہ جن سے سائل کے دل میں نبی ﷺ اور آپ کی لائی ہوئی کتاب کے متعلق کوئی نہ کوئی شک بیٹھ جائے یا کم از کم اس کو آپ سے اور آپ کی دعوت سے کوئی دلچسپی نہ رہے، جوبات مشرکین سوالوں کے جواب میں کہا کرتے تھے ان میں سے ان کا ایک جملہ یہ بھی تھا "قالوا اَسَاطِيرُ الاولين" گذشتہ لوگوں کے گھڑے ہوئے قصے ہیں قرآن کریم نے اس پر یہ وعید سنائی کہ یہ ظالم قرآن کو کہانیاں بتلا کر دوسروں کو بھی گمراہ کرتے ہیں اس کا نتیجہ ان کو بھگتنا پڑے گا، روز قیامت ان کے گناہوں کا پورا بوجھ تو ان پر پڑنا ہی ہے، جن کو یہ لوگ گمراہ کر رہے ہیں ان کا بھی وبال ان پر پڑے گا، اور پھر فرمایا کہ گناہوں کے جس بوجھ کو یہ لوگ اپنے اوپر لاد رہے ہیں وہ بہت برا بوجھ ہے۔

قَدْ مَكَرَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وہو نمرود بنی صَرْحًا طویلاً لِيَصْعَدَ منه الی السماء لِيُقَاتِلَ اہلَها **فَاَتَى اللّٰهُ** قَصَدَ **بُنْيَانَهُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ** الاساس فَارْسَلَ عليه الريحَ وَالزَّلْزَلَة فَهَدَمَتْها **فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ** ای وہم تحتَهُ **وَاَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ**﴿۲۶﴾ من جهةٍ لا يَخْطُرُ بِبَالِهِم وقيل ہذا تَمْثِيلٌ لِإِفْسَادِ مَا اَبْرَمُوْهُ من المكرِ بالرُّسُلِ **ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ** يُذِلُّهُم **وَيَقُوْلُ** لهم اللّٰهُ على لسانِ الملائكة توبيخاً **اَيْنَ شُرَكَاۗءِيَ** بِزَعْمِكُمْ **الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُشَاۗقُّوْنَ** تُخَالِفُوْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ **فِيْهِمْ** في شانِہم **قَالَ** ای يَقُوْلُ **الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ** من الانبياءِ والمؤمنين **اِنَّ الْخِزْيَ الْيَوْمَ وَالسُّوْۗءَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ**﴿۲۷﴾ يَقُوْلُوْنَهُ شماتةً بهم **الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰىهُمُ** بالتاء والياءِ **الْمَلٰۗىِٕكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ** بالكفر **فَاَلْقَوُا السَّلَمَ** انقادُوا واسْتَسْلَمُوْا عند الموتِ قائِلِيْنَ **مَا كُنَّا نَعْمَلُ مِنْ سُوْۗءٍ** شركٍ فتقُوْلُ الملائكةُ **بَلٰٓى اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ**﴿۲۸﴾ فَيُجَازِيْكُمْ به ويُقَالُ لهم **فَادْخُلُوْٓا اَبْوَابَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ فَلَبِئْسَ مَثْوَى** ای مأوى **الْمُتَكَبِّرِيْنَ**﴿۲۹﴾ **وَقِيْلَ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا** الشركَ **مَاذَآ اَنْزَلَ رَبُّكُمْ ۭ قَالُوْا خَيْرًا ۭ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا** بالايمان **فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ** حياةٌ طيبةٌ **وَلَدَارُ الْاٰخِرَةِ** ای الجنةُ **خَيْرٌ** من الدنيا وما فيها قال تعالى فيها **وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ**﴿۳۰﴾ ہی **جَنّٰتُ عَدْنٍ** اقامةٍ مبتدأٌ خبرُهُ **يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَاۗءُوْنَ ۭ كَذٰلِكَ** الجزاء **يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ**﴿۳۱﴾ **الَّذِيْنَ** لهم نعتٌ **تَتَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰۗىِٕكَةُ طَيِّبِيْنَ** طاہرين من الكفر **يَقُوْلُوْنَ** لهم عند الموت **سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ** ويُقالُ لهم في الآخرةِ **ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ**﴿۳۲﴾ **هَلْ** ما **يَنْظُرُوْنَ** يَنْتَظِرُ الكفارُ **اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ** بالتاءِ والياءِ **الْمَلٰۗىِٕكَةُ** لقبضِ ارْوَاحِہم **اَوْ يَاْتِيَ اَمْرُ رَبِّكَ** العذابُ اوالقيامةُ المشتملةُ عليه **كَذٰلِكَ** كما فَعَلَ ہؤلاءِ **فَعَلَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ** من الأُمَمِ كَذَّبُوْا رُسُلَهم فاُہْلِكُوْا **وَمَا ظَلَمَهُمُ اللّٰهُ** باہلاکِہم بغير ذنبٍ **وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ**﴿۳۳﴾ بالكفرِ **فَاَصَابَهُمْ سَيِّاٰتُ مَا عَمِلُوْا** ای جزاؤُہا **وَحَاقَ** نزل **بِهِمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ**﴿۳۴﴾ ای العذابُ.

ع

ترجمہ: ان سے پہلے لوگوں نے بھی مکر کیا تھا، اور وہ نمرود تھا جس نے ایک بہت اونچا منارہ بنایا تھا تاکہ اس پر چڑھ کر آسمان والوں سے قتال کرے، آخر اللہ تعالیٰ نے ان بنیادوں کو جڑ سے اکھاڑ دیا کہ ان پر آندھی اور زلزلہ بھیج کر ان کو منہدم کردیا، اور ان کے سروں پر ان کی چھتیں اوپر سے آپڑیں جس وقت وہ ان کے نیچے تھے اور ان پر عذاب وہاں سے آ گیا جہاں کا انھیں وہم وگمان بھی نہ تھا، یعنی ایسی جہت سے کہ ان کے خیال وخواب میں بھی نہ تھا، اور کہا گیا ہے کہ یہ تمثیل ہے ان منصوبوں کو ناکام کرنے کی جن کو انہوں نے رسول کے خلاف استوار کیا تھا، پھر روز قیامت بھی اللہ انھیں رسوا کرے گا اور فرشتوں کے ذریعہ اللہ ان سے توبیخاً کہے گا بزعم تمہارے وہ شرکاء کہاں ہیں جن کے بارے میں تم مومنین سے جھگڑتے تھے یعنی مومنین سے اختلاف کرتے تھے، اور جن کو علم عطا کیا گیا یعنی انبیاء اور مومنین کہیں گے یقیناً آج رسوائی اور بدبختی کافروں کے لئے ہے، اور یہ بات ان کی مصیبت پر اظہار مسرت کے طور پر کہیں گے جن کافروں کی جان فرشتے حالت کفر پر قبض کرتے ہیں (آخر وقت تک) کفر کرکے اپنے اوپر ظلم کرتے رہے، اس وقت یہ لوگ ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور موت کے وقت تسلیم ورضا کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں ہم تو کوئی شرک نہیں کرتے تھے، تو فرشتے کہیں گے ہاں کیوں نہیں اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے تھے، وہ تم کو اس کی سزا دے گا اور ان سے کہا جائیگا پس تم جہنم کے دروازوں میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوجاؤ، وہ کیا ہی برا ٹھکانہ ہے تکبر کرنے والوں کا، اور جو لوگ شرک سے بچتے ہیں ان سے (فرشتے) پوچھتے ہیں تمہارے رب نے کیا نازل کیا؟ تو وہ جواب دیتے ہیں خیر ہی خیر (نازل کی) یعنی جن لوگوں نے ایمان کے ذریعہ اس دنیا میں نیکی کی ان کے لئے بھلائی ہی بھلائی ہے یعنی پاکیزہ زندگی ہے اور دار آخرت یعنی جنت بہت ہی بہتر ہے دنیا اور مافیہا سے اللہ تعالیٰ نے دار آخرت کے بارے میں فرمایا، جنت متقیوں کے لئے کیا ہی خوب گھر ہے، ہمیشہ رہنے کے باغات ہیں (جَنّٰتُ عَدْنٍ) مبتداء ہے یَدْخُلُوْنَهَا، اس کی خبر ہے جن میں وہ داخل ہوں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہوں گی، جو کچھ یہ لوگ اس میں طلب کریں گے وہ ان کو ملے گا پرہیزگاروں کو اللہ اسی طرح جزاء عطا فرماتا ہے وہ پرہیزگار کہ جن کی روحیں فرشتے اس حال میں قبض کرتے ہیں کہ وہ کفر سے پاک صاف ہوتے ہیں (فرشتے) ان سے موت کے وقت کہتے ہیں تمہارے لئے سلامتی ہی سلامتی ہے، اور آخرت میں ان سے کہا جائیگا اپنے اعمال کے بدلے جنت میں داخل ہوجاؤ انھیں صرف اسی بات کا انتظار ہے کہ فرشتے ان کے پاس ان کی روح قبض کرنے کے لئے آجائیں (یاتیهم) یاء اور تاء کے ساتھ، یا تیرے رب کا حکم یعنی عذاب یا قیامت کا دن جو عذاب پر مشتمل ہوگا آجائے، اسی طرح جس طرح انہوں نے کیا ان سے پہلی امتوں نے بھی کیا (یعنی) اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو وہ ہلاک کردیئے گئے، ان کو بغیر جرم کے ہلاک کرکے اللہ نے ان پر کوئی ظلم نہیں کیا لیکن وہ کفر کے ذریعہ اپنے اوپر ظلم کرتے تھے پس ان کے برے اعمال کے نتیجے انھیں مل گئے یعنی ان کے اعمال کی سزا ان کو مل گئی، اور جس عذاب کی وہ ہنسی اڑایا کرتے تھے وہی عذاب ان پر ٹوٹ پڑا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: قَصَدَ، اتیان کا اطلاق اللہ تعالیٰ کے لئے چونکہ محال ہے اسلئے اتیان کی تفسیر مجازاً قَصَدَ سے کی ہے۔

قَوْلُہٗ: بُنیانهم اس سے پہلے مضاف محذوف ہے، ای قَصَدَ استیصال بُنیانِهِم.

قَوْلُہٗ: لإفساد ما ابرموه، یعنی تمثیل مراد لینے کی صورت میں ان کے منصوبوں کو جن کو وہ استوار کر چکے تھے ناکام بنانا مراد ہوگا نہ کہ نمرود کی تعمیر کردہ عمارت کو منہدم کرنا۔

قَوْلُہٗ: ای یقول اس میں اشارہ ہے کہ ماضی بمعنی مضارع ہے تحقق وقوع کی وجہ سے مضارع کو ماضی سے تعبیر کر دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: قائلین، قائلین کا اضافہ کلام کو مربوط و مسلسل بنانے کے لئے کیا ہے، اس کے بغیر ماقبل و مابعد میں ربط نہیں رہتا۔

قَوْلُہٗ: نعت یعنی المتقین موصوف ہے اور تتوفٰهم اس کی صفت ہے اور طیبین، تتوفّٰهُمْ کی ضمیر سے حال ہے۔

تفسیر و تشریح

وَقد مکر الذین من قبلهم فاتی اللّٰه بنیانهم من القواعد، بعض مفسرین اسرائیلی روایت کی بنیاد پر کہتے ہیں اس سے مراد نمرود یا بخت نصر ہے جنہوں نے بلند و بالا محل یا منارے بنا کر آسمانوں تک رسائی حاصل کرنے کی کوشش کی تھی اور لوگوں کو بے وقوف بنایا کہ ہماری آسمانی مخلوق سے جنگ ہوئی جس میں ہمیں فتح اور ان کی شکست ہوئی لہٰذا اب ہمارا کوئی سہیم و شریک نہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کو ناکام و نامراد کر دیا اور ان کا تعمیر کردہ محل چشم زدن میں زمین بوس ہو گیا، اور یہ واقعہ عراق کے شہر بابل کا بتایا جاتا ہے۔

مگر بعض دیگر مفسرین نے فرمایا کہ یہ محض ایک تمثیل ہے، جس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اللہ کے ساتھ کفر و شرک کرنے والوں کے عمل اسی طرح برباد ہوں گے جس طرح کسی مکان کی بنیادیں متزلزل ہو جائیں اور وہ چھت کے بل گر پڑے، مگر زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ اس تمثیل سے مقصود ان قوموں کے انجام کی طرف اشارہ ہے جن قوموں نے پیغمبروں کی تکذیب پر اصرار کیا اور ان کے خلاف منصوبہ سازیاں کیں بالآخر عذاب الٰہی میں گرفتار ہوئے اور اپنے گھروں سمیت تباہ ہو گئے، مثلاً قوم عاد اور قوم لوط و ثمود وغیرہ۔

اَلَّذِیْنَ تتوفّٰهُمُ الملائکة (الآیة) یہ مشرک ظالموں کی اس وقت کی کیفیت بیان کی جارہی ہے جب فرشتے ان کی روحیں قبض کرتے ہیں تو وہ صلح کی بات کرتے ہوئے ہتھیار ڈال دیتے ہیں اور فرشتوں کے سامنے سر تسلیم خم کر دیتے ہیں، اور طاعت و عاجزی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ہم تو برائی (شرک) نہیں کرتے تھے، مشرکین میدان حشر میں بھی اللہ تعالیٰ کے روبرو

جھوٹی قسمیں کھائیں گے اور کہیں گے "وَاللّٰه ربنا ما كنا مشركين".

فرشتے جواب دیں گے کیوں نہیں؟ یعنی تم جھوٹ بولتے ہو، تمہاری عمر برائیوں میں گذری ہے اور اللہ کے پاس تمہارے تمام اعمال کا رکارڈ موجود ہے تمہارے اس انکار سے کچھ نہیں ہوگا، امام ابن کثیر فرماتے ہیں کہ ان کے انتقال کے بعد فوراً ان کی روحیں جہنم میں پہنچ جاتی ہیں اور جسم قبر میں رہتے ہیں۔

دفع تعارض:

سورۂ اعراف کی آیت ۴۳ کے تحت یہ حدیث گذر چکی ہے کہ کوئی شخص بھی محض اپنے عمل سے جنت میں نہیں جائیگا، جبتک کہ اللہ کی رحمت نہ ہوگی، لیکن یہاں فرمایا جارہا ہے کہ تم اپنے عملوں کے بدلے جنت میں داخل ہو جاؤ، دراصل ان میں کوئی تعارض نہیں کیونکہ اللہ کی رحمت کے حصول کے لئے اعمال صالحہ ضروری ہیں گویا کہ عمل صالح اللہ کی رحمت کے حصول کا ذریعہ ہیں اس لئے عمل کی اہمیت بھی بجائے خود مسلم ہے اس سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، نہ اس کے بغیر آخرت میں اللہ کی رحمت مل سکتی ہے۔

وَاصَابهم سيّاتُ ما عملوا (الآية) یعنی جب رسول اللہ ﷺ ان سے کہتے کہ اگر تم ایمان نہ لاؤ گے تو تم پر اللہ کا عذاب آجائیگا تو وہ استہزاء کے طور پر کہتے ہیں کہ جا اپنے اللہ سے جا کر کہہ کہ عذاب بھیج کر ہمیں تباہ کردے، چنانچہ اس عذاب نے انھیں گھیر لیا جس کا وہ مذاق اڑاتے تھے، پھر ان کے پاس بچاؤ کا کوئی راستہ نہ رہا۔

وَقَالَ الَّذِينَ أَشْرَكُوا من اهلِ مكةَ لَوْ شَاءَ اللّٰهُ مَا عَبَدْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ نَحْنُ وَلَا آبَاؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ دُونِهِ مِنْ شَيْءٍ من البحائرِ والسوائبِ فاشراكُنا وتحريمُنا بمشيئتِه فهوراضٍ به قالَ تعالى كَذَٰلِكَ فَعَلَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ اى كَذَّبُوا رُسُلَهم فيما جاؤُوا به فَهَلْ فما عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ ﴿۳۵﴾ الابلاغُ البَيّنُ وليس عليهم هِدَايَةٌ وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَسُولًا كما بَعَثْنَاك فى هؤُلاءِ أَنِ اى بان اعْبُدُوا اللّٰهَ وَحِّدُوْهُ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ الاوثانَ ان تَعْبُدُوْهَا فَمِنْهُمْ مَنْ هَدَى اللّٰهُ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ حَقَّتْ وَجَبَتْ عَلَيْهِ الضَّلَالَةُ فى علمِ اللّٰهِ فَلَمْ يُؤْمِنْ فَسِيرُوا يا كفارَ مكةَ فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿۳٦﴾ رُسُلَهم من الهلاكِ إِنْ تَحْرِصْ يا محمدُ عَلَىٰ هُدَاهُمْ وقد اَضَلَّهم اللّٰهُ لا تقدرُ على ذلِك فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي بالبناءِ للمفعولِ والفاعلِ مَنْ يُضِلُّ مَنْ يُرِيْدُ اِضلالَه وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿۳۷﴾ مانعين من عذابِ اللّٰهِ وَأَقْسَمُوا بِاللّٰهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ اى غايةَ اجتهادِهم فيها لَا يَبْعَثُ اللّٰهُ مَنْ يَمُوتُ قال تعالى بَلَىٰ يَبْعَثُهم وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا مصدران مُؤَكَّدان منصوبانِ بفعلِهما المقدرِ اى وعد ذلك وعدًا وحقه حقًا

وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ ای اہلَ مکۃ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿﴾ ذٰلِكَ لِيُبَيِّنَ متعلقٌ بيبعثُهم المقدر لَهُمُ الَّذِيْ يَخْتَلِفُوْنَ مع المؤمنين فِيْهِ من امر الدين بتعذيبهم واثابة المؤمنين وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰذِبِيْنَ ﴿﴾ فی انكار البعث اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَيْءٍ اِذَآ اَرَدْنٰهُ ای اردنا ايجاده وقولُنا مبتدأٌ، خبرُه اَنْ نَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿﴾ ای فهو يكونُ وفی قراءةٍ بالنصبِ عطفًا علی نقول والاٰيةُ لتقريرِ القدرةِ علی البعثِ.

ترجمہ: اور مکہ کے مشرکوں نے کہا اگر اللہ چاہتا تو ہم اور ہمارے باپ دادا اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرتے اور نہ بحائر اور سوائب میں سے کسی کو اس کی مرضی کے بغیر حرام ٹھہراتے، تو معلوم ہوا کہ ہمارا شرک کرنا اور حرام ٹھہرانا اسی کی مشیت سے ہے اور وہ اس سے راضی ہے، اور اسی طرح (کی حرکت) ان سے پہلے لوگوں نے کی، یعنی رسول جو حکم لیکر آئے تھے اس میں انہوں نے اپنے رسولوں کو جھٹلایا، تو کیا رسولوں پر صاف صاف بات پہنچانے کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری ہے؟ (یعنی) واضح طور پر پہنچانے کی، اور ان پر ہدایت دینے کی ذمہ داری نہیں ہے جس طرح ہم نے ان میں آپ کو رسول بنا کر بھیجا ہے ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا کہ اے (لوگو) صرف اللہ ہی کی بندگی کرو اس کی توحید کا عقیدہ رکھو، اور بتوں سے بچو (یعنی) ان کی بندگی سے بچو تو ان میں سے کچھ ایسے بھی ہوئے کہ جن کو اللہ نے ہدایت دیدی تو وہ وایمان لے آئے، اور ان میں کچھ ایسے بھی ہوئے کہ جن پر اللہ کے علم میں گمراہی ثابت ہو چکی تھی جس کی وجہ سے وہ ایمان نہ لائے، لہٰذا اے مکہ کے کافرو تم زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اپنے رسولوں کو جھٹلانے والوں کا ہلاکت کے ذریعہ کیسا کچھ انجام ہوا؟! اے محمد آپ ان کی ہدایت کے خواہ کتنے ہی خواہشمند ہوں اور اللہ نے ان کو گمراہ کر دیا تو آپ ان کی ہدایت پر قادر نہیں، اس لئے کہ اللہ جس کی گمراہی کا فیصلہ فرما لیتے ہیں تو پھر اس کو ہدایت نہیں دیا کرتے، (یہدی) مجہول اور معروف (دونوں قراءتیں ہیں) اور نہ ان کا کوئی مددگار ہوتا ہے یعنی اللہ کے عذاب سے بچانے والا، وہ لوگ بڑی زوردار قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں یعنی انتہائی مؤکد قسمیں کہ اللہ ہرگز مردوں کو زندہ نہ کریگا، کیوں نہیں ضرور زندہ کرے گا، یہ تو اس کا برحق وعدہ ہے (وعدًا اور حقًّا) دونوں مصدر تاکیدی ہیں جو اپنے فعل مقدر کی وجہ سے منصوب ہیں، تقدیر عبارت یہ ہے وَعَدَ ذٰلك وَعْدًا وَحَقَّهٗ حَقًّا لیکن اکثر لوگ یعنی اہل مکہ اس کو جانتے نہیں ہیں، ایسا ہونا اس لئے ضروری ہے کہ اللہ ان کے سامنے اس حقیقت کو کھول دے کہ جس دین کی بات میں یہ مومنوں کے ساتھ جھگڑ رہے ہیں، ان کو عذاب دے کر اور مومنین کو ثواب دے کر، اور اسلئے بھی ضروری ہے کہ کافر جان لیں کہ وہ بعث بعد الموت سے انکار کے بارے میں غلطی پر ہیں، (لِيُبَيِّنَ) يَبْعَثُهم مقدر کے متعلق ہے جب ہم کسی شئی کے ایجاد کا ارادہ کر لیتے ہیں تو ہم اس کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ ہو جا تو وہ ہو جاتی ہے، قولنا مبتداء ہے ان نقول له الخ اس کی خبر ہے اور ایک قراءت میں (یکون) کے نصب کے ساتھ ہے نقولَ پر عطف کی وجہ سے، اور آیت مرنے کے بعد زندہ کرنے پر قدرت کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: فَهُـــوَ راضٍ یہ اضافہ اس شبہ کا جواب ہے کہ کفار ومشرکین کا یہ کہنا ہے کہ ہمارا شریک کرنا اور کسی چیز کو حرام کرنا اللہ کی مشیت اور اس کے ارادہ سے ہے یہ بات تو بالکل درست ہے اسلئے کہ اللہ کی مشیت اور ارادہ کے بغیر تو کچھ نہیں ہوتا پھر اس پر نکیر کرنے اور اس کو رد کرنے کا کیا مقصد ہے؟

جَوَابٌ: فهو راضٍ به سے اسی شبہ کا جواب ہے خلاصہ یہ ہے کہ اللہ کی مشیت اور ارادہ سے ان کا مقصد اللہ کی رضا مندی اور پسندیدگی ہے، حالانکہ مشیت اور ارادہ کے لئے رضا ضروری نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: الابلاغ البین، البلاغ المبین کی تفسیر الابلاغ البین سے کر کے اشارہ کر دیا کہ دونوں معنی میں متعدی کے ہیں۔

قَوْلُهٗ: أن تعبدوها اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ نفس اوثان سے اجتناب کا کوئی مقصد نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: اٰمَنَ اس میں اشارہ ہے کہ ہدایت سے مراد ایصال الی المطلوب ہے، لہٰذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ اللہ کی ہدایت ورہنمائی تو عام ہے تو پھر تخصیص کا کیا مطلب ہے؟

قَوْلُهٗ: لاتقدرُ اس میں اشارہ ہے کہ ان تحرص کی جزاء محذوف ہے اور وہ لا تقدرُ علیٰ ذلك ہے۔

قَوْلُهٗ: بالبناء للمفعول اس کی وجہ یہ ہے کہ مَنْ يُضلُّ، مبتداء ہے اور لا یهدی اس کی خبر ہے، معنی یہ ہیں مَنْ یضل اللّٰه لا یُهْدی الیه لعدم تغییر فعل اللّٰه تعالیٰ.

قَوْلُهٗ: من یرید اضلاله الخ یعنی اگر من يُضلُّ سے حقیقة ضلالة مراد ہے تو پھر ہدایت کی نفی کی ضرورت نہیں ہے۔

قَوْلُهٗ: لِيُبَيِّنَ متعلق بيبعثهم المقدر اس عبارت کا مطلب یہ ہے کہ (لِيُبَيِّنَ) کا تعلق يَبْعَثُهُمْ سے ہے نہ کہ لا یعلمون سے لہٰذا یہ شبہ ختم ہو گیا کہ وَلِيُبَيِّنَ کا، لا یعلمون کی علت بننا صحیح نہیں ہے، اب تقدیر عبارت یہ ہو گی انهم يُبعثون لِيُبَيِّنَ لهم الذی یختلفون فیه.

قَوْلُهٗ: ای فهو یکونُ اس میں اشارہ ہے کہ یہ مبتداء محذوف کی خبر ہے اور جملہ ہو کر محل میں نصب کے ہے اور جن حضرات نے یکون کو جواب امر قرار دیکر منصوب قرار دیا ہے درست نہیں ہے اسلئے کہ دونوں مصدر متحد ہیں حالانکہ جواب امر میں یہ شرط ہے کہ اول ثانی کے لئے سبب ہو اور یہ تغایر کو چاہتا ہے، نصب کی صورت بھی صحیح ہے اگر نقولَ پر عطف ہو نہ کہ جواب امر ہونے کی وجہ سے، ورنہ تو ایک موجود (مکون) کے لئے (دو وجودوں) یعنی دو کونوں کا ہونا لازم آئے گا کہ ان میں ایک دوسرے کا سبب ہو گا۔

قَوْلُهٗ: والآیة لتقریر القدرة علی البعث اس عبارت کے اضافہ کا مقصد اس اعتراض کو دفع کرنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا

قول "کُــن" یا تو موجود سے ہوگا اس صورت میں تحصیل حاصل لازم آئے گا یا یہ معدوم سے خطاب ہوگا تو معدوم کو خطاب لازم آئے گا جو کہ محال ہے۔ جواب کا حاصل یہ کہ (کـن) کا مقصد قدرت علی البعث کا اثبات ہے اور سرعت فی الایجاد ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

تفسیر وتشریح

وَقَالَ الَّذِیْنَ اشرکوا (الآیة) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک وہم اور مغالطہ کو دور فرمایا ہے، وہ کہتے تھے کہ ہم جو اللہ کو چھوڑ کر دوسروں کی بندگی کرتے ہیں یا اس کے حکم کے بغیر ہی کچھ چیزوں کو حلال اور کچھ کو حرام ٹھہرا لیتے ہیں اگر ہماری یہ باتیں غلط ہیں تو اللہ اپنی قدرت کاملہ سے ہمیں زبردستی روک کیوں نہیں دیتا؟ اگر وہ نہ چاہے تو ہم ان کاموں کو کر ہی نہیں سکتے، جب وہ نہیں روکتا تو اس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہم جو کچھ کر رہے ہیں وہ اس سے راضی ہے اور وہ کام اس کے نزدیک پسندیدہ ہے۔

مشرکین کے مذکورہ مغالطہ کا یہ کہہ کر ازالہ فرمادیا، کہ تمہارا خیال صحیح نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس سے روکا نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے تو تمہیر ۱۱۰ مشرکانہ امور سے بڑی سختی اور تاکید کے ساتھ روکا ہے اسی لئے اس نے ہر قوم میں رسول بھیجے اور کتابیں نازل کیں اور ہر نبی کر سب سے پہلے شرک ہی سے بچانے کی کوشش کی ہے اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ زبردستی ہاتھ پکڑ کر ان کاموں سے روک کیوں نہیں دیتا، اس کی قدرت میں تو سب کچھ ہے۔

اس شبہ بلکہ حماقت اور عناد کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عالم دنیا کا نظام ہی اس بنیاد پر قائم فرمایا ہے کہ انسان کو بالکل مجبور نہیں رکھا بلکہ انسان کو ایک گونہ اختیار دیا گیا ہے، اب وہ اس اختیار کو اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں استعمال کرے تو اجر وثواب کا مستحق قرار پائے اور اگر نافرمانی میں استعمال کرے تو زجر وتوبیخ وعید اور عذاب کا مستحق قرار پائے، اسی کے پس منظر میں قیامت اور حشر ونشر کے سارے ہنگامے ہیں اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سب کو اپنی اطاعت پر مجبور کردے کس کی مجال کہ اطاعت وفرمانبرداری سے سرِ موانحراف کر سکے، مگر بتقاضائے حکمت مجبور کردینا درست نہ تھا اس لئے انسان کو اختیار دیدیا گیا، تو اب کافروں کا یہ کہنا کہ اگر اللہ کو ہمارا طریقہ پسند نہ ہوتا تو ترک کرنے پر ہمیں مجبور کیوں نہیں کردیتا ایک احمقانہ اور معاندانہ سوال ہے۔

وَلَقَد بعثنا فی کل امة رسولاً، یعنی تم اپنے شرک اور اپنی خودمختارانہ تحلیل وتحریم کے حق میں ہماری مشیت کو کیسے سند جواز بنا سکتے ہو جبکہ ہم نے ہر امت میں اپنے رسول بھیجے اور ان کے ذریعہ سے لوگوں کو صاف صاف بتادیا کہ تمہارا کام صرف ہماری بندگی کرنا ہے، طاغوت کی بندگی کے لئے تمہیں پیدا نہیں کیا گیا اب ہماری مشیت کی آڑ لیکر اپنی گمراہیوں کو جائز ٹھہرانا کسی طرح بھی معقولیت نہیں رکھتا۔

ان تحرص علی هداهم (الآیة) اب پھر خطاب نبی ﷺ کو ہے آپ کی افراط شفقت علی الخلق کی بنا پر آپ کو اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے کہ جو لوگ خود اپنی ہدایت کی پرواہ نہیں رکھتے ان کے لئے قانون تکوینی بدلا نہیں جائیگا وہ

یوں ہی بدستور گمراہی میں پڑے رہیں گے اور اپنے آخری انجام کو پہنچ کر رہیں گے جہاں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

أن نقول له كن فيكون، اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ حق تعالیٰ اس کلمہ ''کن'' کا (جو خود ایک دوحرفی حادث لفظ ہے) تلفظ بھی کرتے ہوں، مراد صرف اس قدر ہے کہ چھوٹی بڑی کوئی بھی شئ ہو اس کی تکوین کے لئے اس کے وجود میں آجانے کے لئے حق تعالیٰ کا محض ارادہ کافی ہے، ادھر ارادۂ الٰہی اس سے متعلق ہوا اور ادھر وہ شئ معدوم سے وجود میں آگئی، شئ کا اطلاق موجود فی الخارج ہونے سے پہلے وجود ذہنی پر بھی درست ہے اسلئے کہ علم الٰہی میں شئ کے وجود سے پہلے اس کا علم ہوتا ہی ہے۔

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِى اللّٰهِ لإقامة دينه **مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا** بالأذى من أهل مكة وهم النبي صلى الله عليه وسلم وأصحابه **لَنُبَوِّئَنَّهُمْ** ننزلنهم **فِى الدُّنْيَا** دارا **حَسَنَةً** هي المدينة **وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ** أي الجنة **اَكْبَرُ** أعظم **لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ** ﴿٤١﴾ أي الكفار أو المتخلفون عن الهجرة ما للمهاجرين من الكرامة لوافقوهم، هم **الَّذِيْنَ صَبَرُوْا** على أذى المشركين والهجرة لإظهار الدين **وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ** ﴿٤٢﴾ فيرزقهم من حيث لا يحتسبون **وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِىْٓ اِلَيْهِمْ** لا ملائكة **فَسْـَٔلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ** العلماء بالتوراة والإنجيل **اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ﴿٤٣﴾ ذلك فإنهم يعلمونه وأنتم إلى تصديقهم أقرب من تصديق المؤمنين بمحمد صلى الله عليه وسلم **بِالْبَيِّنٰتِ** متعلق بمحذوف أي أرسلناهم بالحجج الواضحة **وَالزُّبُرِ** الكتب **وَاَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الذِّكْرَ** القرآن **لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَيْهِمْ** فيه من الحلال والحرام **وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ** ﴿٤٤﴾ في ذلك فيعتبرون **اَفَاَمِنَ الَّذِيْنَ مَكَرُوا** المكرات **السَّيِّاٰتِ** بالنبي صلى الله عليه وسلم في دار الندوة من تقييده أو قتله أو إخراجه كما ذكر في الأنفال **اَنْ يَّخْسِفَ اللّٰهُ بِهِمُ الْاَرْضَ** كقارون **اَوْ يَاْتِيَهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ** ﴿٤٥﴾ أي من جهة لا تخطر ببالهم وقد أهلكوا ببدر ولم يكونوا يقدرون ذلك **اَوْ يَاْخُذَهُمْ فِىْ تَقَلُّبِهِمْ** في أسفارهم للتجارة **فَمَا هُمْ بِمُعْجِزِيْنَ** ﴿٤٦﴾ بفائتي العذاب **اَوْ يَاْخُذَهُمْ عَلٰى تَخَوُّفٍ** تنقص شيئا فشيئا حتى يهلك الجميع حال من الفاعل أو المفعول **فَاِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ** ﴿٤٧﴾ حيث لم يعاجلهم بالعقوبة **اَوَلَمْ يَرَوْا اِلٰى مَا خَلَقَ اللّٰهُ مِنْ شَىْءٍ** له ظل كشجرة وجبل **يَّتَفَيَّؤُا** تتميل **ظِلٰلُهٗ عَنِ الْيَمِيْنِ وَالشَّمَآئِلِ** جمع شمال أي عن جانبيها أول النهار وآخره **سُجَّدًا لِّلّٰهِ** حال أي خاضعين بما يراد منهم **وَهُمْ** أي الظلال **دٰخِرُوْنَ** ﴿٤٨﴾ صاغرون نزلوا منزلة العقلاء **وَلِلّٰهِ يَسْجُدُ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّةٍ** أي نسمة تدب عليها أي تخضع له بما يراد منه وغلب في الإتيان بما ما لا يعقل لكثرته **وَّالْمَلٰٓئِكَةُ** خصهم بالذكر تفضيلا **وَهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ** ﴿٤٩﴾ يتكبرون عن عبادته **يَخَافُوْنَ** أي الملائكة حال من ضمير يستكبرون **رَبَّهُمْ مِّنْ فَوْقِهِمْ** حال من هم أي عاليا عليهم بالقهر **وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ** ﴿٥٠﴾ به

ترجمہ: اور وہ لوگ جنہوں نے اللہ کے دین کو قائم کرنے کے لئے اہل مکہ کی اذیتوں کے ظلم سہنے کے بعد ترک وطن کیا، اور وہ نبی ﷺ اور آپ کے اصحاب ہیں، ہم ان کو دنیا میں بہترین ٹھکانہ عطا کریں گے وہ ٹھکانہ مدینہ ہے، اور آخرت کا اجر یعنی جنت بہت ہی بڑا ہے کاش کافر یا ہجرت نہ کرنے والے اس بات کو جان لیتے کہ مہاجروں کے لئے کس قدر اعزاز ہے تو ضرور مہاجرین کی (ہجرت میں) موافقت کرتے یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے مشرکوں کی اذیتوں اور اظہار دین کے لئے ہجرت پر صبر کیا اور اپنے رب پر توکل کرتے ہیں تو وہ ان کو ایسے طریقہ سے رزق دیتا ہے کہ ان کو وہم وگمان بھی نہیں ہوتا، اور آپ سے پہلے بھی ہم مردوں ہی کو رسول بنا کر بھیجتے رہے ہیں، کہ جن کی طرف ہم وحی بھیجا کرتے تھے نہ کہ فرشتوں کو، سو تم اہل علم یعنی تورات اور انجیل کے عالموں سے معلوم کرلو اگر تم اس بارے میں نہیں جانتے، اسلئے کہ وہ اس بارے میں جانتے ہیں، اور تم ان کی تصدیق کے قریب تر ہو بہ نسبت رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے والوں کی تصدیق کے (اور ہم نے ان کو) دلائل کے ساتھ بھیجا (بالبینت) محذوف کے متعلق ہے، یعنی ہم نے ان کو واضح دلیلوں کے ساتھ بھیجا اور کتابوں کے ساتھ اور ہم نے آپ پر ذکر قرآن نازل کیا تا کہ آپ لوگوں کے سنے وہ احکام واضح طور پر بیان کردیں جو ان کے لئے اس قرآن میں حلال وحرام کے احکام نازل کئے گئے ہیں اور تا کہ وہ اس میں غور وفکر کریں اور عبرت حاصل کریں، کیا وہ لوگ جو نبی کے ساتھ دار الندوہ میں آپ ﷺ کو قید کرنے یا قتل کرنے یا ان کو وطن سے نکالنے کے بارے میں بدترین چالیں چل رہے ہیں، جیسا کہ سورۂ انفال میں ذکر کیا گیا ہے، اس بات سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں قارون کے مانند زمین میں دھنسا دے یا ان پر عذاب ایسی جگہ سے آجائے کہ انہیں وہم وگمان بھی نہ ہو، یعنی ایسی جہت سے کہ اس کا ان کے دل میں کبھی خطرہ بھی نہ گذرا ہو، اور ان کو بدر میں ہلاک کردیا گیا، اور انہوں نے کبھی ایسا سوچا بھی نہیں تھا یا انھیں ان کے تجارتی سفر کے دوران چلتے پھرتے پکڑ لے، اور وہ اسے عاجز نہیں کر سکتے یعنی اس کے عذاب سے بچ کر نہیں نکل سکتے، یا ان کی بتدریج گرفت کرے یہاں تک کہ سب کو ہلاک کردے (علیٰ تخوفٍ) فاعل یا مفعول سے حال ہے یقیناً تمہارا پروردگار، اعلیٰ شفقت والا اور بڑا مہربان ہے اس لئے کہ ان کی فوری گرفت نہیں کرتا کیا ان لوگوں نے ان چیزوں کو نہیں دیکھا کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے سایہ دار پیدا کیا ہے جیسا کہ درخت اور پہاڑ کہ ان کے سائے دائیں بائیں جھک جھک کر اللہ تعالیٰ کو سجدہ کرتے ہیں، شمائل، شمال کی جمع ہے یعنی شام اپنی دائیں بائیں دن کے اول حصے اور آخر حصے میں (سُجّدًا) ظلاله کی ضمیر سے حال ہے، یعنی جو ان سے مطلوب ہے اس کے لئے سر تسلیم خم کئے رہتے ہیں، اور وہ یعنی سائے اظہار عاجزی کرتے ہیں اور سایوں کو ذوی العقول کے درجہ میں اتار لیا، اور آسمانوں اور زمین کا ہر جاندار جو زمین پر چلتا پھرتا ہے اللہ کو سجدہ کرتا ہے یعنی جو اس سے مطلوب ہے اس کے لئے سر تسلیم خم کرتا ہے اور 'ما' لانے میں غیر ذوی العقول کو ان کی کثرت کی وجہ سے (ذوی العقول پر) غلبہ دیا گیا ہے اور فرشتے بھی سجدہ کرتے ہیں، ان کی فضیلت کی وجہ سے خصوصیت کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے، اور وہ اس کی عبادت سے تکبر نہیں کرتے اور فرشتے حال یہ ہے کہ

اپنے رب سے جو غلبہ کے ساتھ ان کے اوپر ہے لرزہ براندام رہتے ہیں اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے اس کی تعمیل کرتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلَہ: لِاقامة دینِهٖ، اس اضافہ میں اس سوال کا جواب ہے کہ فِی اللّٰہِ میں، اللّٰہ، مہاجرت کا ظرف واقع ہو رہا ہے حالانکہ اللّٰہ کے ظرف ہونے کے کوئی معنی نہیں ہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ فی بمعنی لام ہے اور مضاف محذوف ہے فی اللّٰہ، ای لدین اللّٰہ.

قِوْلَہ: لَنُبَوِّئَنَّهُمْ (تفعیل) سے مضارع جمع متکلم لام تاکید بانون تاکید ثقیلہ، ہم ان کو ضرور اتاریں گے، ضرور ٹھکانہ دیں گے مادہ بوءٌ ہے، ھم، ضمیر جمع مذکر غائب کی ہے۔

قِوْلَہ: دارًا، اس اضافہ میں حسنة کی تانیث کی علت کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلَہ: ای الکفار او المتخلفون عن الهجرة، اس میں یعلمون کی ضمیر میں دو احتمالوں کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلَہ: مَاللمهاجرین، یہ یعلمون کا مفعول ہے۔

قِوْلَہ: لَوافقوهم اس میں اشارہ ہے کہ لَو کا جواب محذوف ہے۔

قِوْلَہ: فانهم لیعلمونه، یہ اِنْ شرطیہ کا جواب ہے جو کہ محذوف ہے۔

قِوْلَہ: متعلق بمحذوف، یعنی بالبینت، اَرْسلنا محذوف کے متعلق ہے نہ کہ ما اَرْسَلْنَا مذکور کے اور نہ نوحی کے اور نہ تعلمون کے اس لئے کہ پہلی دو صورتوں میں متعلق اور متعلق کے درمیان فصل بالاجنبی لازم آتا ہے اور وہ فاسئلوا اھل الذکر ہے اور تیسری صورت میں شرط تبکیت اور الزام کے لئے ہے اسلئے کہ ان کے عالم ہونے کی نفی متحقق ہے۔

قِوْلَہ: المنکرات یہ السیئات کی وجہ تانیث کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلَہ: یَتَفَیَّؤُ، مضارع واحد مذکر غائب مصدر تَفَیُّؤٌ (تفعُّل) مادہ فَيْءٌ جھک جاتے ہیں۔

قِوْلَہ: تَنَقُّصٌ، تخوُّف کی تفسیر تنقص سے بیان معنی کے لئے ہے، اسلئے کہ تخوُّف کے معنی خوف اور ڈر کے بھی آتے ہیں اور بتدریج کم کرنے کے بھی، کمی خواہ نفس میں ہو یا اموال میں مفسر علام نے یہی معنی مراد لئے ہیں، یقال تُخوّف الشئ ای تَنَقَّصُه.

قِوْلَہ: حال من الفاعل او المفعول یعنی عَلی تخوف یا تو یاخذُ، کی ضمیر فاعل سے حال ہے، یا ھم ضمیر سے۔

قِوْلَہ: جمع شمالٍ یہ انسان کے یمین وشمال سے کنایہ ہے اور غالبا یمین کو مفرد لانے میں 'ما' کے لفظ کی اور شمائل کو جمع لانے میں 'ما' کے معنی کی رعایت کی ہے جیسا کہ ظلاله میں 'ما' کے لفظ کی رعایت ہے اور سُجّدًا میں ما کے معنی کی۔

قِوْلَہ: نُزِّلوا منزلة العقلاء اس میں اس شبہ کا جواب ہے کہ واؤ نون کے ساتھ جمع ذوی العقول کی لائی جاتی ہے اور ظلال ذوی العقول سے نہیں ہے، حالانکہ اس کی جمع داخرون، واؤ نون کے ساتھ لائی گئی ہے۔

جَوَابٌ: چونکہ ظلال کی طرف دخور (عاجزی کرنا) کی نسبت کی گئی ہے جو کہ ذوی العقول کی صفت ہے، اس لیے واؤ نون کے ساتھ جمع لائی گئی ہے۔

قَوْلُہٗ: من دابۃٍ، یہ مافی السموات وما فی الارض کا بیان ہے اور اس میں اس سوال کے جواب کی طرف اشارہ ہے کہ دابۃ اس کو کہتے ہیں جو زمین پر چلے لہٰذا اس میں وہ مخلوق شامل نہیں ہے جو آسمانوں یا فضا میں حرکت کرتی اور چلتی ہے، اس کا جواب دیا کہ اِنَّ الدبیب ھی حرکۃ جسمانیۃ سواء کان فی الارض او فی السماء لہٰذا یہ کہنا کہ دابۃ، ما یدب علی الارض ہی کو کہتے ہیں جس میں ملائکہ وغیرہ داخل نہیں ہیں درست نہیں ہے۔

تفسیر و تشریح

وَالَّذِیْنَ هَاجَرُوْا فِی اللّٰہِ الخ ھاجروا ہجرت سے مشتق ہے ہجرت کے لغوی معنی ہیں ترک وطن، اصطلاح میں ہجرت کہتے ہیں دین کی خاطر اللہ کی رضاجوئی کیلئے اپنے وطن، اپنے عزیز و اقارب، دوست واحباب وغیرہ کو چھوڑ کر ایسے علاقہ میں چلے جانا جہاں آسانی سے اللہ کے دین پر عمل ہو سکے، ہجرت اللہ کی راہ میں بڑی عبادت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، الھجرۃ تَھْدِمُ ما کان قبلھا، یعنی ہجرت ان تمام گناہوں کو ختم کر دیتی ہے جو انسان نے ہجرت سے پہلے کئے ہوں۔

ہجرت بعض صورتوں میں فرض اور بعض میں واجب اور بعض میں مستحب وافضل ہوتی ہے اس کے مفصل احکام سورۂ نساء کی آیت نمبر ۹۷ کے تحت بیان ہو چکے ہیں، اس جگہ صرف ان وعدوں کا بیان ہے جو اللہ نے مہاجرین سے کئے ہیں۔

یہ آیت عام ہے جو تمام مہاجرین کو شامل ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ خاص ہو اور ان مہاجرین کے بارے میں نازل ہوئی ہو جو اپنی قوم کی ایذاؤں سے تنگ آکر حبشہ ہجرت کر گئے تھے ان کی تعداد عورتوں سمیت ایک سو یا اس سے کچھ زیادہ تھی، جن میں حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور آپ کی زوجہ دختر رسول حضرت رقیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا بھی تھیں۔

کیا ہجرت دنیا میں فراخی کا سبب ہوتی ہے؟

آیات مذکورہ میں چند شرائط کے ساتھ مہاجرین کے لئے دو عظیم الشان وعدے کئے گئے ہیں اول دنیا ہی میں اچھا ٹھکانہ دینے کا، دوسرے آخرت میں بے حساب اجر عظیم کا، دنیا میں اچھا ٹھکانہ ایک نہایت جامع لفظ ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ مہاجرین کو سکونت کے لئے مکان اور اچھے پڑوسی ملیں اور یہ بھی شامل ہے کہ رزق اچھا ملے دشمنوں پر فتح وغلبہ نصیب ہو عزت وشرف ملے۔

بعض مفسرین نے کہا ہے یہ وعدے ان مہاجرین کے لئے ہیں جنہوں نے پہلی ہجرت یعنی ہجرت حبشہ میں حصہ لیا، اور یہ بھی احتمال ہے کہ ہجرت حبشہ اور اس کے بعد کی ہجرت الی المدینہ دونوں اس میں داخل ہوں چنانچہ اللہ تعالیٰ نے مہاجرین سے کئے

ہوئے وعدے مکمل اور احسن طریقہ پر پورے فرمادیے۔

ہجرت کے فضائل اور فوائد ان ہی مہاجرین کے لئے ہیں جنہوں نے مطلوبہ شرائط پوری کردی ہوں ان شرائط میں پہلی شرط ''فی اللہ'' ہے یعنی ہجرت کرنے کا مقصد صرف اللہ کی رضا ہو اس میں دنیوی منافع تجارت، ملازمت وغیرہ نفسانی فوائد پیش نظر نہ ہوں دوسری شرط مہاجرین کا مظلوم ہونا ہے جیسا کہ **من بعد ما ظلموا** سے معلوم ہوتا ہے، تیسری شرط ابتدائی تکلیف ومصائب پر صبر کرنا اور ثابت قدم رہنا ہے، جس کی طرف ''اَلَّذِیْنَ صَبَرُوْا'' سے اشارہ ہے چوتھی شرط تمام مادی تدبیروں کا اہتمام کرتے ہوئے بھی بھروسہ صرف اللہ پر رکھنا، **وعلی ربھم یتوکلون** سے اسی کی طرف اشارہ ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ ابتدائی مشکلات وتکالیف تو ہر کام میں ہوا ہی کرتی ہیں ان کو عبور کرنے کے بعد بھی اگر کسی مہاجر کو اچھا ٹھکانا اور اچھے حالات نہ ملے تو قرآن کے وعدہ میں کوئی شبہ کرنے کی بجائے اپنی نیت اخلاص اور اس کے حسن عمل کا جائزہ لینا چاہئے جس پر یہ وعدے کئے گئے ہیں تو اس کو معلوم ہوگا کہ قصور اپنا ہی تھا، کہیں نیت میں کھوٹ ہوتا ہے اور کہیں صبر وثبات وتوکل میں کمی ہوتی ہے۔ (معارف)

ترک وطن کی مختلف قسمیں اور ان کے احکام:

امام قرطبی نے بحوالہ ابن عربی لکھا ہے کہ وطن سے نکلنا اور سفر کرنا کبھی تو کسی چیز سے بچنے کے لئے ہوتا ہے اور کبھی کسی چیز کی طلب کے لئے پہلی قسم کے سفر کو جو کسی چیز سے بچنے کے لئے ہو اس کو ہجرت کہتے ہیں اور اسکی چھ قسمیں ہیں۔

❶ دارالکفر سے دارالاسلام کی طرف جانا، یہ سفر ہجرت بشرط استطاعت فرض ہے (جبکہ دارالکفر میں اپنے جان ومال اور آبرو کا امن نہ ہو یا دینی فرائض کی ادائیگی ممکن نہ ہو) ایسی صورت میں دارالکفر میں مقیم رہنے سے گنہگار ہوگا۔

❷ دارالبدعت سے سفر کرنا، ابن قاسم کہتے ہیں کہ میں نے امام مالک سے سنا ہے کہ کسی مسلمان کے لئے اس مقام پر قیام کرنا حلال نہیں جس میں سلف صالحین پر سب وشتم کیا جاتا ہو، ابن عربی یہ قول نقل کر کے لکھتے ہیں کہ یہ بالکل صحیح ہے کیونکہ اگر تم کسی منکر کا ازالہ نہیں کر سکتے تو تم پر لازم ہے کہ تم خود وہاں سے زائل ہو جاؤ۔

❸ تیسرا سفر وہ ہے کہ جس جگہ حرام کا غلبہ ہو وہاں سے نکل جانا، کیونکہ طلب حلال ہر مسلمان پر فرض ہے۔

❹ چوتھا جسمانی اذیتوں سے بچنے کیلئے سفر، یہ سفر جائز ہے کہ انسان جس جگہ دشمنوں سے جسمانی اذیت محسوس کرے وہاں سے نکل جائے تا کہ اس خطرہ سے نجات حاصل ہو، حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی ایذاؤں سے نجات حاصل کرنے کے لئے عراق سے شام کا سفر کیا تھا، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی اسی قسم کا سفر مصر سے مدین کا کیا تھا، ''فَخَرَجَ منھا خائفا یترقب''۔

❺ پانچواں سفر آب وہوا کی خرابی اور وبائی امراض کے خطرہ سے بچنے کے لئے سفر کرنا ہے، شریعت اسلام نے اس کی اجازت دی ہے جیسا کہ رسول اللہ ﷺ نے اہل عُرینہ کو مدینہ سے باہر جنگل میں قیام کرنے کی اجازت دی تھی، اسی طرح

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ابوعبیدہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حکم دیا تھا کہ دارالخلافہ اردن سے منتقل کر کے کسی مرتفع سطح پر لے جائیں جہاں کی آب وہوا خراب نہ ہو۔

وبائی امراض کے مقام پر جانے یا وہاں سے آنے کا حکم:

جہاں وبا پھیلی ہو اس کا حکم یہ ہے کہ جو لوگ اس جگہ پہلے سے موجود ہیں وہ تو وہاں سے نہ بھاگیں اور جو باہر ہیں وہ وہاں نہ جائیں، جیسا کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سفر شام کے وقت پیش آیا تھا، کہ سرحد شام پر پہنچ کر معلوم ہوا کہ ملک شام میں طاعون پھیلا ہوا ہے تو آپ کو اس ملک میں داخل ہونے میں تردد پیش آیا صحابۂ کرام سے مسلسل مشوروں کے بعد آخر میں جب حضرت عبدالرحمن بن عوف نے ان کو یہ حدیث سنائی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے۔

اِذا وقع بارضٍ وانتم بها فلا تخرجوا منها واذا وقع بارضٍ ولستم بها فلا تهبطوا عَلَيْها.

(رواه الترمذي)

جب کسی خطہ میں طاعون پھیل جائے اور تم وہاں موجود ہو تو اب وہاں سے نہ نکلو اور جہاں تم پہلے سے موجود نہیں وہاں طاعون پھیلنے کی خبر سنو تو اس میں داخل نہ ہو۔

اس وقت فاروق اعظم نے حکم حدیث کی تعمیل کرتے ہوئے پورے قافلہ کو لے کر واپسی کا اعلان کر دیا، بعض علماء نے فرمایا کہ حدیث شریف کے اس حکم میں ایک خاص حکمت یہ بھی ہے کہ جو لوگ اس جگہ مقیم ہیں جہاں کوئی وبا پھیل چکی ہے یہاں کے لوگوں میں وبائی جراثیم کا موجود ہونا ظن غالب ہے، وہ اگر یہاں سے بھاگیں گے تو جس میں وہ وبائی مادہ سرایت کر چکا ہے وہ تو بچے گا نہیں اور جہاں یہ جائیگا وہاں کے لوگ اس سے متاثر ہوں گے اسلئے یہ حکیمانہ فیصلہ فرمایا۔

❻ چھٹا سفر اپنے مال کی حفاظت کے لئے ہے جب کوئی شخص کسی مقام میں چوروں ڈاکوؤں کا خطرہ محسوس کرے تو وہاں سے منتقل ہو جائے، شریعت میں اس کی اجازت ہے۔

سفر کی یہ چھ قسمیں تو کسی چیز سے بچنے اور بھاگنے کی ہیں، اور جو سفر کسی چیز کی طلب وجستجو کے لئے کیا جائے اس کی نو قسمیں ہے۔

❶ سفر عبرت یعنی دنیا کی سیاحت اس لئے کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوقات اور قدرت کاملہ کا اور اقوام سابقہ کے آثار کا مشاہدہ کر کے عبرت حاصل کرے قرآن کریم نے ایسے سفر کی ترغیب دی ہے فرمایا "**اَوَلَمْ يسيروا في الارض فينظروا كيف كان عاقبة الَّذِيْنَ من قبلهم**۔

❷ سفر حج اس کا چند شرائط کے ساتھ فرض اسلامی ہونا سب کو معلوم ہے۔

❸ سفر جہاد، اس کا فرض یا واجب یا مستحب ہونا سب کو معلوم ہے۔

❹ سفر معاش، جب کسی کو اپنے وطن میں ضرورت کے مطابق معاشی سامان حاصل نہ ہو تو اس پر لازم ہے کہ وہاں سے سفر کر کے دوسری جگہ تلاش روزگار کرے۔

❺ سفر تجارت یعنی قدر ضرورت سے زائد حاصل کرنے کے لئے سفر کرنا یہ بھی شرعاً جائز ہے حق تعالیٰ نے فرمایا "لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلاً من ربکم" ابتغاء فضل سے مراد اس آیت میں تجارت ہے۔

❻ طلب علم کے لئے سفر، علم دین کا بقدر ضرورت فرض عین ہونا اور زائد از ضرورت کا فرض کفایہ ہونا معلوم و معروف ہے لہٰذا اس کی طلب بھی اسی درجہ میں ہے۔

❼ کسی مقام کو مقدس اور متبرک سمجھ کر اس کے لئے سفر کرنا، یہ بجز تین مسجدوں کے درست نہیں مسجد حرام (مکہ مکرمہ) مسجد نبوی (مدینہ طیبہ) مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) یہ قرطبی اور ابن عربی کی رائے ہے دوسرے اکابر علماء سلف و خلف نے عام مقامات متبرکہ کی طرف سفر کرنے کو بھی جائز قرار دیا ہے۔ (معارف)

❽ اسلامی سرحدوں کی حفاظت کے لئے سفر، جس کو رباط کہا جاتا ہے احادیث میں اس کی بڑی فضیلت آئی ہے۔

❾ عزیزوں اور دوستوں سے ملاقات کے لئے سفر، حدیث میں اس کو بھی باعث اجر و ثواب قرار دیا گیا ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں اقرباء و احباب کی ملاقات کے لئے سفر کرنے والے کے لئے فرشتوں کی دعاء کا ذکر فرمایا گیا ہے یہ اس وقت ہے جب اس ملاقات سے اللہ کی رضا مقصود ہو، کوئی مادی غرض نہ ہو۔ (واللہ اعلم)۔ (قرطبی، ملخصًا)

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قبلكَ اِلَّا رجالًا (الآیة) روح المعانی میں ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد مشرکین مکہ نے اپنے قاصد مدینہ کے یہود کے پاس دریافت حال کے لئے بھیجے کہ کیا یہ بات واقعی ہے کہ پہلے بھی سب انبیاء جنس بشر سے ہوتے آئے ہیں۔

اس آیت میں ''اہل ذکر'' سے مراد اہل کتاب یہود و نصاریٰ ہیں:

ائمہ مجتہدین کی تقلید غیر مجتہدین پر واجب ہے؟

آیت مذکورہ کا یہ جملہ "فَسْئَلُوا اَهْلَ الذكر ان كنتم لا تعلمون" اس جگہ اگرچہ ایک خاص مضمون کے بارے میں آیا ہے، مگر الفاظ عام ہیں جو تمام معاملات کو شامل ہیں، اس لئے قرآنی اسلوب کے اعتبار سے درحقیقت یہ اہم ضابطہ ہے جو عقلی بھی ہے اور نقلی بھی کہ جو لوگ احکام نہیں جانتے وہ جاننے والوں سے پوچھ کر عمل کریں اسی کا نام تقلید ہے یہ قرآن کا واضح حکم بھی ہے اور عقلاً بھی اس کے سوا عمل کو عام کرنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی، امت میں عہد صحابہ سے لے کر آج تک بلا اختلاف اسی ضابطہ پر عمل ہوتا آیا ہے جو تقلید کے منکر ہیں وہ بھی اس تقلید کا انکار نہیں کرتے کہ جو لوگ عالم نہیں وہ علماء سے فتویٰ لے کر عمل کریں، اور یہ ظاہر ہے کہ ناواقف عوام کو علماء اگر قرآن و حدیث کے دلائل بتلا بھی دیں تو وہ ان دلائل کو بھی ان ہی علماء کے اعتماد پر قبول کریں گے ان میں خود دلائل کو سمجھنے اور پرکھنے کی صلاحیت تو ہوتی نہیں، اور تقلید اسی کا نام ہے کہ نہ جاننے والا کسی جاننے والے کے اعتماد پر کسی حکم کو شریعت کا حکم قرار دے کر عمل کرے، یہ

تقلید وہ ہے جس کے جواز بلکہ وجوب میں کسی کو اختلاف کی گنجائش نہیں البتہ وہ علماء کہ جو خود قرآن وحدیث کو اور مواقع اجماع کو سمجھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ان کو ایسے احکام میں جو قرآن وحدیث میں صریح اور واضح طور پر مذکور ہیں، اور علماء وتابعین کے درمیان ان مسائل میں کوئی اختلاف بھی نہیں ان احکام میں وہ علماء براہ راست قرآن وحدیث اور اجماع پر عمل کریں ان میں علماء کو کسی مجتہد کی تقلید کی ضرورت نہیں لیکن وہ احکام ومسائل جو قرآن وحدیث میں صراحۃ مذکور نہیں یا جن میں آیات قرآن اور روایات حدیث میں اختلاف پیش آیا ہے یہ احکام ومسائل محل اجتہاد ہوتے ہیں ان کو اصطلاح میں ''مجتہد فیہ'' کہا جاتا ہے ان کا حکم یہ ہے کہ جس عالم کو درجۂ اجتہاد حاصل نہیں اس کو بھی ان مسائل میں کسی امام مجتہد کی تقلید ضروری ہے، محض اپنی ذاتی رائے کے بھروسہ پر ایک آیت یا روایت کو ترجیح دیکر اختیار کرنا اور دوسری آیت یا روایت کو مرجوح قرار دے کر چھوڑ دینا اس کے لئے جائز نہیں۔

اسی طرح جو احکام قرآن وسنت میں صراحۃ مذکور نہیں ان کو قرآن وسنت کے بیان کردہ اصول سے نکالنا اور ان کا حکم شرعی متعین کرنا یہ بھی ان ہی مجتہدین امت کا کام ہے جن کو عربی زبان عربی لغت اور محاورات اور طریق استعمال کا نیز قرآن وسنت سے متعلقہ تمام علوم کا معیاری علم اور ورع وتقویٰ کا اونچا مقام حاصل ہو، جیسے امام اعظم ابوحنیفہ، شافعی، مالک، احمد بن حنبل یا اوزاعی، فقیہ ابو اللیث رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالیٰ وغیرہ جن میں حق تعالیٰ نے قرب زمانہ نبوت اور صحبت صحابہ اور تابعین کی برکت سے شریعت کے اصول ومقاصد سمجھنے کا خاص ذوق اور منصوص احکام سے غیر منصوص کو قیاس کرکے حکم نکالنے کا خاص سلیقہ عطا فرمایا تھا، ایسے مجتہد فیہ مسائل میں عام علماء کو بھی ائمہ مجتہدین میں سے کسی کی تقلید لازم ہے، ائمہ مجتہدین کے خلاف کوئی نئی رائے اختیار کرنا خطاء ہے۔

یہی وجہ ہے کہ امت کے اکابر علماء، محدثین وفقہاء، امام غزالی، رازی، ترمذی، طحاوی، مزنی، ابن ہمام، ابن قدامہ رَحِمَهُمُ اللهُ تَعَالیٰ اور اسی معیار کے لاکھوں علماء سلف وخلف باوجود علوم عربیت اور علوم شریعت کی اعلیٰ مہارت حاصل ہونے کے اجتہادی مسائل میں ہمیشہ ائمہ مجتہدین کی تقلید کے پابند رہے ہیں ان سب مجتہدین کے خلاف اپنی رائے سے کوئی فتویٰ دینا جائز نہیں۔

البتہ ان حضرات کو علم وتقویٰ کا وہ معیاری درجہ حاصل تھا کہ مجتہدین کے اقوال وآراء کو قرآن وسنت کے دلائل سے جانچتے پرکھتے تھے پھر ائمہ مجتہدین کے مسلک سے خروج اور ان سب کے خلاف کوئی رائے قائم کرنا ہرگز جائز نہ جانتے تھے تقلید کی اصل حقیقت اتنی ہی ہے۔

اس کے بعد علم کا معیار دن بدن گھٹتا گیا اور تقویٰ اور خدا ترسی کے بجائے اغراض نفسانی غالب آنے لگیں ایسی حالت میں اگر یہ آزادی دیدی جائے کہ جس مسئلہ میں چاہیں کسی ایک امام کا قول اختیار کرلیں اور جس میں چاہیں کسی دوسرے امام کا قول لے لیں، تو اس کا لازمی اثر یہ ہونا تھا کہ لوگ اتباع شریعت کا نام لے کر اتباع ہویٰ میں مبتلا ہو جائیں، کہ جس امام کے قول میں اپنی غرض نفسانی پوری ہوتی نظر آئے اس کو اختیار کرلیں، اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا کرنا کوئی

دین وشریعت کا اتباع نہیں ہوگا بلکہ اپنی اغراض وہویٰ کا اتباع ہوگا جو باجماع امت حرام ہے، علامہ شاطبی نے موافقات میں اس پر بڑی تفصیل سے کلام کیا ہے اور ابن تیمیہ نے بھی عام تقلید کی مخالفت کے باوجود اس طرح کے اتباع کو اپنے فتوی میں باجماع امت حرام کہا ہے، اس لئے متاخرین فقہاء نے یہ ضروری سمجھا کہ عمل کرنے والوں کو کسی ایک ہی امام مجتہد کی تقلید کا پابند کرنا چاہئے یہیں سے تقلید شخصی کا آغاز ہوا جو درحقیقت ایک انتظامی حکم ہے جس سے دین کا انتظام قائم رہے، اور لوگ دین کی آڑ میں اتباع ہویٰ کا شکار نہ ہو جائیں، اس کی مثال بعینہٖ وہ ہے جو حضرت عثمان غنی رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے باجماع صحابہ قرآن کے سبعۃ احرف (یعنی سات لغات) میں سے صرف ایک لغت کو مخصوص کر دینے میں کیا، اگرچہ ساتوں لغت قرآن ہی کے لغات تھے، جبرئیل امین کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کی خواہش کے مطابق نازل ہوئے مگر جب قرآن کریم عجم میں پھیلا اور مختلف لغات میں پڑھنے سے تحریف قرآن کا خطرہ محسوس کیا گیا تو باجماع صحابہ مسلمانوں پر لازم کر دیا گیا کہ صرف ایک ہی لغت میں قرآن کریم کو لکھا اور پڑھا جائے، حضرت عثمان رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالیٰ عَنْهُ نے اسی ایک لغت کے مطابق تمام مصاحف کو لکھوا کر اطراف عالم میں بھجوایا، اور آج تک پوری امت اسی کی پابند ہے اس کے یہ معنی نہیں کہ دوسرے لغت حق نہیں تھے بلکہ انتظام دین اور حفاظت قرآن از تحریف کی بناء پر صرف ایک لغت کو اختیار کر لیا گیا اسی طرح ائمہ مجتہدین سب برحق ہیں ان میں سے کسی ایک کو تقلید کے لئے معین کرنے کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ جس امام معین کی تقلید کسی نے اختیار کی ہے اس کے نزدیک دوسرے ائمہ قابل تقلید نہیں، بلکہ اپنی صواب دید اور اپنی سہولت جس امام کی تقلید میں دیکھی اس کو اختیار کر لیا اور دوسرے ائمہ کو بھی اسی طرح قابل احترام سمجھا۔

اور یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسا بیمار آدمی کو شہر کے حکیم اور ڈاکٹروں میں سے کسی ایک ہی کو اپنے علاج کے لئے متعین کرنا ضروری سمجھا جاتا ہے کیونکہ بیمار اپنی رائے سے کبھی کسی ڈاکٹر سے پوچھ کر دوا استعمال کرے کبھی کسی دوسرے سے پوچھ کر یہ اس کی ہلاکت کا سبب ہوگا وہ جب کسی ڈاکٹر کا انتخاب اپنے علاج کے لئے کرتا ہے تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ دوسرے ڈاکٹر ماہر نہیں یا ان میں علاج کی صلاحیت نہیں، حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی کی جو تقسیم امت میں قائم ہوئی اس کی حقیقت اس سے زائد کچھ نہ تھی، اس میں فرقہ بندی اور گروہ بندی کا رنگ اور باہمی جدال وشقاق کر کے گرم بازاری نہ کوئی دین کا کام ہے اور نہ کبھی اہل بصیرت علماء نے اسے اچھا سمجھا، بعض علماء کے کلام میں علمی بحث وتحقیق نے مناظرانہ رنگ اختیار کر لیا اور بعد میں طعن وطنز تک نوبت آگئی پھر جاہلانہ جنگ وجدال نے وہ نوبت پہنچادی جو آج عموماً دینداری اور مذہب پسندی کا نشان بن گیا۔

تنبیہ: مسئلہ تقلید واجتہاد پر جو کچھ یہاں لکھا گیا وہ اس مسئلہ کا بہت مختصر خلاصہ ہے مزید تحقیقات وتفصیلات اصول فقہ کی کتابوں میں مفصل موجود ہیں خصوصاً کتاب ''الموافقات'' علامہ شاطبی جلد رابع باب الاجتہاد اور علامہ سیف الدین آمدی کی کتاب ''الاحکام'' جلد ثالث القاعدة الثالثة فی المجتہدین، حضرت شاہ ولی اللہ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کی کتابیں، حجة اللہ البالغہ اور رسالہ عقد الجید اور آخر میں حضرت حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کی کتاب الاقتصاد فی التقلید والاجتہاد اس مسئلہ میں خاص

طور سے قابل دید ہیں اہل علم ان کی طرف رجوع فرمائیں۔

قرآن فہمی کے لئے حدیث رسول ضروری ہے:

وَاَنزلنا اِلَیْکَ الذکر لتبیّن للناس، اس آیت میں ذکر سے مراد بالاتفاق قرآن ہے اور رسول اللہ ﷺ کو اس آیت میں مامور فرمایا گیا ہے کہ آپ قرآن کی نازل شدہ آیات کا بیان اور وضاحت لوگوں کے سامنے کردیں یہ آیت بھی متعدد دیگر آیتوں کی طرح اس باب میں نص ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی حیثیت محض حامل وحی یا پیغام رساں کی نہیں بلکہ شارح اور بیان کرنے والے کی بھی ہے قرآن مجید کے حقائق واسرار کے حل کرنے کا حق سب سے زیادہ آپ ﷺ ہی کو حاصل ہے اور رسول کا فرض جس طرح تبلیغ وحی ہے تبیین وحی بھی اس کے فرائض میں داخل ہے اور جو لوگ سنت وحدیث رسول سے بے نیازی برتتے ہیں وہ فہم قرآن سے اپنے کو محروم رکھ رہے ہیں، اگر ہر انسان صرف عربی زبان وادب سے واقف ہو کر قرآن کے احکام کو حسب منشاء خداوندی سمجھنے پر قادر ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کو بیان وتوضیح کی خدمت سپرد کرنے کے کوئی معنی نہیں رہتے۔

اَفَامِنَ الذین مکروا السّیئات الخ اس سے پہلی آیت میں کفار کو عذاب آخرت سے ڈرایا گیا تھا، ان آیات میں ان کو اس سے ڈرایا گیا ہے کہ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آخرت کے عذاب سے پہلے دنیا میں بھی اللہ کے عذاب میں پکڑے جاؤ، جیسے غزوۂ بدر میں ایک ہزار بہادر مسلح نوجوانوں کو چند بے سروسامان مسلمانوں کے ہاتھوں سے ایسی سزا ملی جس کا ان کو کبھی وہم وگمان بھی نہ ہوسکتا تھا یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چلتے پھرتے کسی عذاب الٰہی میں پکڑے جاؤ کہ کوئی بیماری جان لیوا آپڑی ہو اور عذاب کی یہ صورت بھی ہوسکتی ہے کہ دفعۃً عذاب نہ آئے مگر مال، صحت اور تندرستی اور اسباب راحت وسکون گھٹتے چلے جائیں اسی طرح گھٹاتے گھٹاتے اس قوم کا خاتمہ ہوجائے۔

لفظ تـخـوّف آیت میں بظاہر خوف سے مشتق ہے، اور بعض حضرات مفسرین نے اسی معنی کے اعتبار سے یہ تفسیر کی ہے کہ ایک جماعت کو عذاب میں پکڑا جائے تاکہ دوسری جماعت ڈر جائے اسی طرح دوسری کو اور پھر تیسری جماعت کو پکڑا جائے یوں ڈراتے ڈراتے سب کا خاتمہ ہوجائے۔

مگر مفسر قرآن حضرت ابن عباس اور مجاہد وغیرہ ائمہ تفسیر نے یہاں لفظ تخوف کو تَنَقُّص کے معنی میں لیا ہے اور اسی معنی کے اعتبار سے ترجمہ گھٹاتے گھٹاتے کیا ہے۔

حضرت سعید بن مسیب نے فرمایا کہ حضرت فاروق اعظم کو بھی اس لفظ کے معنی میں تردد پیش آیا تو آپ نے برسر منبر صحابہ کو خطاب کرکے فرمایا کہ لفظ تخوف کے آپ لوگ کیا معنی سمجھتے ہیں؟ تمام مجمع خاموش رہا مگر قبیلہ ہذیل کے ایک شخص نے عرض کیا امیر المومنین یہ ہمارے قبیلہ کا خاص لفظ ہے ہمارے یہاں یہ لفظ تنقص کے معنی میں استعمال ہوتا ہے یعنی بتدریج کم کرنا، اس پر حضرت فاروق اعظم نے سوال کیا کہ کیا عرب اپنے اشعار میں یہ لفظ تنقص کے معنی میں استعمال کرتے ہیں اس نے عرض کیا کہ ہاں اور اپنے قبیلہ کے شاعر ابو کبیر ہذلی کا ایک شعر پیش کیا جس میں یہ لفظ بتدریج گھٹانے کے معنی میں استعمال کیا گیا تھا۔

تَخَوَّفَ الرحلُ منها تامِكاً قَرِدًا كما تخوّفَ عودَ النَبعةِ السَّفَنُ

ترجمہ: کجاوہ نے اونٹنی کے فربہ کوہان کو بتدریج کم کر دیا جیسا کہ نبعہ کی لکڑی کو رندہ بتدریج کم کر دیتا ہے۔

اس پر حضرت عمر فاروق نے فرمایا، لوگو تم اشعار جاہلیت کا علم حاصل کرو کیونکہ تمہاری کتاب کی تفسیر اور تمہارے کلام کے معنی کا فیصلہ اسی سے ہوتا ہے۔

قرآن فہمی کے لئے معمولی عربی دانی کافی نہیں:

اس سے ایک بات تو یہ ثابت ہوئی کہ معمولی طور پر عربی زبان بولنے، لکھنے کی قابلیت قرآن فہمی کے لئے کافی نہیں بلکہ اس میں اتنی مہارت اور واقفیت ضروری ہے جس سے قدیم عرب جاہلیت کے کلام کو پورا سمجھ سکے کیونکہ قرآن کریم اسی زبان اور انہی کے محاورات میں نازل ہوا ہے اس درجہ کا عربی ادب مسلمان پر سیکھنا لازم ہے۔

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ ما فی السموات وما فی الارض، یسجد یہاں اپنے اصلی لغوی معنی میں ہے یعنی فرمانبردار جیسا کہ ہر مخلوق کو اپنے خالق اور حکیم کے روبرو ہونا چاہئے، مطلب یہ ہے کہ مخلوق چھوٹی ہو یا بڑی عالم ارواح میں ہو یا عالم اجساد میں جہاں کہیں بھی ہو سب کے سب عظمت الٰہی کے آگے سرنگوں ہیں۔

وما فی الارض من دابّة، دَابة کے معنی یہاں جاندار کے بھی کئے گئے ہیں اور متحرک کے بھی اور پھر انقیاد کے بھی ایک سرے پر دابہ اور دوسرے سرے پر ملائکہ کو لاکر گویا یہ بتادیا ہے کہ ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک ہر ذی حیات زنجیر انقیاد میں یکساں جکڑا ہوا ہے۔

نیز من دابة کا تعلق جس طرح ارض سے ہے اسی طرح سموات (اجرام فلکی) سے بھی ہے اسلئے بالکل جائز ہے کہ فرشتوں کے علاوہ متحرک و جاندار مخلوق انسان کی طرح سیاروں یا آسمانوں پر بھی ہو۔

یخافون ربهم من فوقهم، یہاں فوق سے فوقیت معنوی مراد ہے یا غلبہ ورنہ جہت فوق سے تو خوف پیدا ہونے کی کوئی صورت نہیں، اور نہ خدا کے شایان شان۔

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰهَيْنِ اثْنَيْنِ تاكيد اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اتى به لاثبات الالٰهية والوحدانية فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ خافون دُون غيري وفيه التفاتٌ عن الغيبة وَلَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ملكًا وخلقًا وعبيدًا وَلَهُ الدِّيْنُ الطاعةُ وَاصِبًا دائمًا حال من الدين والعامل فيه معنى الظرف اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَتَّقُوْنَ وهو الاله الحق ولا اِله غيره والاستفهام للانكار اوالتوبيخ وَمَا بِكُمْ مِّنْ نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ اي لا ياتي بها غيرُه وما شرطيةٌ اوموصولةٌ ثُمَّ اِذَا مَسَّكُمُ اصابكم الضُّرُّ الفقرُ والمرض فَاِلَيْهِ تَجْـَٔرُوْنَ ترفعون اصواتكم بالاستغاثة والدعاءِ ولا

تدعون غيره ﴿ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ﴾ ﴿لِيَكْفُرُوا بِمَا آتَيْنَاهُمْ﴾ من النعمة ﴿فَتَمَتَّعُوا﴾ باجتماعكم على عبادة الاصنام امرُ تهديد ﴿فَسَوْفَ تَعْلَمُونَ﴾ عاقبة ذلك ﴿وَيَجْعَلُونَ﴾ اى المشركون ﴿لِمَا لَا يَعْلَمُونَ﴾ انها تضرُّ ولا تنفعُ وهى الاصنامُ ﴿نَصِيبًا مِّمَّا رَزَقْنَاهُمْ﴾ من الحرث والانعام بقولهم هذا لله وهذا لشركائنا ﴿تَاللَّهِ لَتُسْأَلُنَّ﴾ سؤال توبيخ وفيه التفاتٌ عن الغيبة ﴿عَمَّا كُنتُمْ تَفْتَرُونَ﴾ على الله من انه امركم بذلك ﴿وَيَجْعَلُونَ لِلَّهِ الْبَنَاتِ﴾ بقولهم الملائكةُ بناتُ الله ﴿سُبْحَانَهُ﴾ تنزيهًا له عمّا زعموا ﴿وَلَهُم مَّا يَشْتَهُونَ﴾ اى البنون والجملةُ فى محل رفع او نصب بيجعلُ المعنى يجعلون له البنات التى يكرهونها وهو منزّهٌ عن الولد ويجعلون لهم الابناء الذين يختارونها فيختصون بالاسنى كقوله فاستفتهم ألربك البناتُ ولهم البنون ﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنثَىٰ﴾ تولد له ﴿ظَلَّ﴾ صار ﴿وَجْهُهُ مُسْوَدًّا﴾ متغيرًا تغير مغتمٍ ﴿وَهُوَ كَظِيمٌ﴾ ممتلئٌ غمًّا فكيف تُنسبُ البناتُ اليه تعالى ﴿يَتَوَارَىٰ﴾ يختفى ﴿مِنَ الْقَوْمِ﴾ اى قومه ﴿مِن سُوءِ مَا بُشِّرَ بِهِ﴾ خوفًا من التعيير مترددًا فيما يفعلُ به ﴿أَيُمْسِكُهُ﴾ يتركه بلا قتلٍ ﴿عَلَىٰ هُونٍ﴾ هوانٍ وذلٍ ﴿أَمْ يَدُسُّهُ فِي التُّرَابِ﴾ بان يئده ﴿أَلَا سَاءَ﴾ بئس ﴿مَا يَحْكُمُونَ﴾ حكمهم هذا حيث نسبوا لخالقهم البنات اللاتى هن عندهم بهذا المحل ﴿لِلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ﴾ اى الكفار ﴿مَثَلُ السَّوْءِ﴾ اى الصفةُ السُوْءَى بمعنى القبيحة وهى وأدُهم البنات مع احتياجهم اليهن للنكاح ﴿وَلِلَّهِ الْمَثَلُ الْأَعْلَىٰ﴾ الصفةُ العليا وهو انّهُ لا اله الا هو ﴿وَهُوَ الْعَزِيزُ﴾ فى ملكه ﴿الْحَكِيمُ﴾ فى خلقه.

ترجمہ: اللہ تعالیٰ فرما چکا ہے کہ دو معبود نہ بناؤ (اثنین) الٰہین کی تاکید ہے معبود تو صرف وہی اکیلا ہے اس کو الوہیت اور وحدانیت کو ثابت کرنے کے لئے لائے ہیں، پس تم سب میرا ہی خوف (ڈر) رکھو، (یعنی) مجھ ہی سے ڈرو نہ کہ کسی اور سے، اس میں غیبت سے تکلم کی جانب التفات ہے آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اسی کا ہے ملک اور مخلوق اور غلام ہونے کے اعتبار سے اور طاعت دائماً اسی کی لازم ہے، واصِبًا، دینٌ سے حال ہے اور اس میں عامل معنیٰ ظرف ہیں (ای ثبت لہُ الدین) کیا پھر بھی تم غیر اللہ سے ڈرتے ہو؟ معبود برحق وہی ہے اور اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اور استفہام انکاری توبیخ کے لئے ہے اور تمہارے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں سب اللہ ہی کی دی ہوئی ہیں یعنی ان نعمتوں کو اس کے علاوہ کوئی نہیں دے سکتا، اور ما شرطیہ یا موصولہ ہے، پھر اب بھی جب تمہیں کوئی فقر و مرض وغیرہ کی مصیبت پیش آجاتی ہے تو تم اسی سے نالہ و فریاد کرتے ہو، یعنی فریاد رسی اور دعاء کے لئے اسی کو زور زور سے پکارتے ہو اور اس کے غیر کو نہیں پکارتے ہو، اور جہاں اس نے تمہاری مصیبت دور کی تو تم میں کا ایک فریق اپنے رب کے ساتھ شرک کرنے لگ جاتا ہے تاکہ ان نعمتوں کی ناشکری کرے جو ہم نے ان کو دی ہیں، اچھا تو بتوں کی عبادت پر اجتماعیت کے ساتھ کچھ مزے اڑا لو، اس کا انجام تمہیں معلوم ہو ہی جائیگا اور مشرک ان کے

کہ جن کو نہیں جانتے کہ وہ نہ نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ نفع پہنچا سکتے ہیں اور وہ بت ہیں ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے کہ وہ کھیتی اور جانور ہیں یہ کہہ کر حصہ لگاتے ہیں کہ یہ اللہ کے لئے ہے اور یہ ہمارے شرکاء (بتوں) کے لئے ہے واللہ جو تم اللہ پر یہ بہتان لگاتے ہو کہ اسی نے ہمیں (شرک کا) حکم دیا ہے تم سے ضرور باز پرس ہوگی اور اس میں غیبت سے خطاب کی طرف التفات ہے، اور وہ اللہ کے لئے یہ کہہ کر کہ فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں بیٹیاں ثابت کرتے ہیں یہ جو عقیدہ رکھتے ہیں اللہ اس سے پاک ہے اور اپنے لئے وہ ثابت کرتے ہیں جو ان کو پسند ہیں یعنی لڑکے، جملہ (ما یشتھون) محل میں رفع کے ہے یا جَعَلَ کی وجہ سے محل میں نصب کے ہے (آیت کے) معنی یہ ہیں کہ اللہ کے لئے لڑکیاں پسند کرتے ہیں جنہیں خود (اپنے لئے) ناپسند کرتے ہیں حالانکہ وہ تو اولاد ہی سے پاک ہے، اور اپنے لئے بیٹے ثابت کرتے ہیں جنہیں اپنے لئے پسند کرتے ہیں، (یعنی) بیٹوں کو اپنے لئے مخصوص کرتے ہیں، دلیل اللہ کا قول ہے، آپ ان سے پوچھئے کیا تیرے رب کے لئے لڑکیاں ہیں اور ان کے لئے لڑکے ہیں، اور جب ان میں سے کسی کو (اس کے یہاں) لڑکی پیدا ہونے کی خوشخبری دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے یعنی ایسا متغیر ہو جاتا ہے جیسا کسی غم زدہ کا، اور وہ (دل ہی دل میں) گھٹنے لگتا ہے یعنی غم سے بھر جاتا ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف لڑکیوں کی کیوں نسبت کی جاتی ہے؟ اور اس بری خبر کی وجہ سے مارے شرم کے اپنی قوم سے چھپا چھپا پھرتا ہے اور اس شش و پنج میں پڑ جاتا ہے کہ وہ اس نومولود کے بارے میں کیا کرے؟ آیا ذلت کے ساتھ بغیر قتل کئے اس کو تھامے رہے (یعنی زندہ رہنے دے) یا اس کو مٹی میں دفن کر دے یعنی اسے زندہ درگور کر دے، آہ! یہ کیسے برے فیصلے کرتے ہیں! یعنی ان کا یہ حکم کہ اپنے خالق کی طرف بیٹیوں کی نسبت کرتے ہیں جو خود ان کے نزدیک (حقارت) میں اس (انتہائی) درجہ کی ہیں ان کافروں کی جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے بری مثال ہے یعنی بری صفت ہے اور (السوء) معنی میں قبیحہ کے ہے اور وہ (بری صفت) ان کا لڑکیوں کو زندہ دفن کرنا ہے ان سے نکاح کی حاجت کے باوجود اور اللہ کی تو بہت ہی بلند صفت ہے (ای الصفة العُلیا) اور وہ یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، وہ اپنے ملک میں غالب ہے (اور) اپنی مخلوق کے بارے میں باحکمت ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تاکیدٌ، یعنی اِثْنَیْنِ، اِلٰھَیْنِ کی تاکید ہے، لا تتخذوا اِلٰھَیْنِ اثْنَیْنِ کی ترکیب میں دو قول ہیں اور لفظ اثنین کے بارے میں دو احتمال ہیں، ① یہ کہ اِثْنَیْنِ اِلٰھَیْنِ کی تاکید ہے اس صورت میں لا تتخذوا متعدی بیک مفعول ہوگا اور لا تتخذوا معنی میں لا تعبدوا کے ہوگا دوسرا احتمال یہ کہ لا تتخذوا متعدی بدو مفعول ہے مفعول ثانی محذوف ہے ای لا تتخذوا اِلٰھینِ اِثنینِ معبودًا، اِلٰھین مفعول اول ہے اور اثنین اس کی تاکید ہے اور معبودًا مفعول ثانی ہے جو کہ محذوف ہے۔

دوسرا قول: یہ کہ اثنین، لا تتخذوا کا مفعول اول ہے مگر اس کو مؤخر کر دیا ہے اور اِلٰھَیْنِ مفعول ثانی ہے جو کہ لفظاً

مقدم ہے، اصل عبارت یہ ہے لا تتخذوا اثنین الٰھین.

عجیب اتفاق: تقریباً تمام مفسرین نے اثنَین کو اِلٰھینِ کی تاکید قرار دیا ہے حالانکہ اِثنَین نہ تاکید لفظی میں سے ہے اور نہ تاکید معنوی میں سے یہ عجیب اتفاق ہے، صحیح یہ ہے کہ اثنین اِلٰھین کی صفت ہے، ہوسکتا ہے کہ جن حضرات نے اثنین کو تاکید قرار دیا ہے معنی وصفی کی وجہ سے تاکید قرار دیا ہو اس لئے کہ صفت میں بھی تاکید کے معنی ہوتے ہیں، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ کلام میں تقدیم و تاخیر ہے، اصل عبارت اس طرح ہے، لا تتخذوا اثنین الٰھین انما ھو اللہ واحد (اعراب القرآن) بعض حضرات نے اثنین کو اس تثنیہ کی تاکید قرار دیا ہے جو الٰھین سے مفہوم ہے (جمل) اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ تکرار مبالغہ فی التنفیر کے لئے ہے اسلئے کہ کثرت حروف کثرت معانی پر دلالت کرتے ہیں۔

قولہ: اِلٰھین اثنین.

سوال: اِلٰھین، تثنیہ ہونے کی وجہ سے خود دو پر دلالت کرتا ہے اس میں معدود کی ضرورت نہیں ہوتی اسی طرح اِلٰہٌ واحد میں بھی معدود کو ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اسلئے کہ الٰھین اور اِلٰہٌ عدد اور معدود دونوں پر دلالت کرتے ہیں، البتہ اثنین سے اوپر کے لئے معدود لانا ضروری ہوتا ہے مثلاً رجلٌ ایک آدمی، رجل واحدٌ کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی، اسی طرح رجلین دو آدمی اس میں رجلین اثنین کہنے کی ضرورت نہیں ہوتی، بخلاف رجال ثلثة و نساء ثلث کہ ان میں معدود کے ذکر کی ضرورت ہے اسلئے کہ رجال اور نساء مبہم ہیں اس کے ابہام کو دور کرنے کے لئے معدود کی ضرورت ہوتی ہے۔

جواب: اس سوال کا جواب چند طریقہ پر ہے، ① عبارت میں تقدیم و تاخیر ہے تقدیر یہ ہے لا تتخذوا اثنین اِلٰھین، ② شئ جب مستنکر اور قبیح ہوتی ہے اور اس کی قباحت میں مبالغہ مقصود ہوتا ہے تو اس کو کثیر عبارت سے تعبیر کرتے ہیں تاکہ کثرت حروف کثرت معانی پر دلالت کریں۔

قولہ: أتی بہٖ لِاِثباتِ الوحدانیۃِ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اِلٰہ خود واحد پر دلالت کرتا ہے پھر واحدٌ لانے کی کیا ضرورت؟

جواب: صرف اِلٰہٌ ذکر کرنے سے یہ شبہ ہوسکتا تھا کہ شاید صرف الوہیت کو ثابت کرنا مقصود ہو، اس لئے واحدٌ کا اضافہ کردیا تاکہ الوہیت اور وحدانیت دونوں پر دلالت ہوجائے۔

لہٰذا یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ لفظ اِلٰہٌ، جنسیت اور وحدت دونوں پر دلالت کرتا ہے لہٰذا واحدٌ کے ساتھ تاکید کی ضرورت نہیں ہے۔

قولہ: الطاعۃ اس میں اشارہ ہے کہ دین بمعنی طاعت ہے نہ کہ بمعنی جزاء اسلئے کہ جزاء دائمًا نہیں ہے چونکہ جزاء

دارآخرت میں ہوگی۔

قِوْلَهُ: واصب، یہ وُصُوبٌ (ض) سے اسم فاعل واحد مذکر غائب ہے قائم رہنے والا، ہمیشہ رہنے والا۔

قِوْلَهُ: حالٌ، یعنی واصبًا، دینٌ سے حال ہے نہ کہ صفت اس لئے کہ نکرہ معرفہ سے صفت واقع نہیں ہوتا اور عامل اس میں وہ فعل ہے جو جار مجرور سے مفہوم ہے ای استقرَّ، یا ثَبتَ، اور بعض نے ثَبَتَ یا استقرَّ کی ضمیر مستتر سے حال قرار دیا ہے، معنی دونوں صورتوں میں ایک ہی ہیں، تقدیر عبارت یہ ہے، استقر الدین وَثَبَتَ له حال کو نه دائمًا.

قِوْلَهُ: تَجْأَرُوْنَ تم فریاد کرتے ہو، تم آواز بلند کرتے ہو، الجُوَار، رفع الصوت فی الدعاء مضارع جمع مذکر حاضر۔

قِوْلَهُ: ولا تدعون غیره، اس اضافہ کا مقصد الیه تجأرون میں ظرف کی تقدیم کے فائدہ (یعنی تخصیص) کی طرف اشارہ ہے۔

قِوْلَهُ: امر تهدید، یعنی فَتَمَتَّعوا میں امر تہدید کے لئے ہے۔

قِوْلَهُ: لِما لا یعلمونَ انَّها، یعلمون کی ضمیر مشرکین کی طرف راجع ہے، اور ما کی طرف لوٹنے والی ضمیر محذوف ہے جس کو علامہ سیوطی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ نے انَّها، سے ظاہر کر دیا ہے، لہٰذا عدم عائد کا اعتراض ختم ہو گیا تقدیر عبارت یہ ہے لا یَعلمونها انَّهم اٰلِهة ویعتقدون فیها انَّها تضَرّو تنفع ولیس کذلك لِانَّها جماد لا تنفع ولا تضرّ.

قِوْلَهُ: والجملة فی محلِ رفعٍ اونصبٍ بیجعل یعنی "ولَهُمْ ما یَشتهون" میں دو اعراب جائز ہیں اول ما یشتهون جملہ ہو کر محل میں رفع کے اور لَهُمْ محذوف ثابتٌ وغیرہ کے متعلق ہو کر خبر مقدم، اور البنات پر عطف کی وجہ سے یجعل کا مفعول ہونے کی وجہ سے نصب ہے۔

قِوْلَهُ: سبحانه، یہ معطوف اور معطوف علیہ کے درمیان جملہ معترضہ ہے، نہ کہ فصل بالاجنبی۔

قِوْلَهُ: یختارونها، نسخ متداولہ میں یہی ہے اور ظاہر یہ ہے یختارونهم، ہونا چاہئے اس لئے کہ ضمیر ابناء کی طرف راجع ہے۔

قِوْلَهُ: اَلَّذِیْنَ یختارون یہ اضافہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: یہ ہے کہ یجعلون کی ضمیر فاعل جو کہ کفار کی طرف راجع ہے اور مفعول کی ضمیر جو کہ لَهُمْ ہے، دونوں کا مصداق ایک ہے اور وہ کفار ہیں، حالانکہ علم نحو کا قاعدہ ہے کہ فاعل اور مفعول کی ضمیروں کا متعدد ہونا نفس کے واسطہ کے بغیر جائز نہیں ہے سوائے باب ظنَّ اور اس کے اخوات کے یہی وجہ ہے کہ زید ضربه جائز نہیں ہے البتہ زید ظنه قائماً ای نفسه کہنا درست ہے۔

جَوَاب: الذین یختارون سے اسی سوال کا جواب دیا ہے کہ یجعلون بمعنی یختارون ہے اس لئے کہ اختیار

دومفعولوں کا تقاضہ نہیں کرتا اور ایک مفعول ما یشتھون ہے، لہٰذا لام اجل کے معنی میں ہوگا۔

قَوْلُہٗ: یَئِدُ، (ض) وَأَدَ یَئِدُ، زندہ درگور کرنا۔

قَوْلُہٗ: بمعنی القبیحة یہ اس سوال کا جواب ہے کہ مثل بمعنی صفت مؤنث ہے اور السَّوْء مذکر ہے حالانکہ موصوف صفت میں مطابقت ضروری ہے، جواب کا حاصل یہ ہے اَلسَّوْء، السُّوای، قبیحة کے معنی میں ہے لہٰذا موافقت موجود ہے۔

قَوْلُہٗ: الصفة العلیا یہ اضافہ بھی اسی قسم کے سوال کا جواب ہے۔

تفسیر وتشریح

قال اللّٰہ لا تتخذوا الٰھَیْنِ اثنینِ، قرآن مجید جس طرح ہر قسم کے شرک کی نفی کرتا ہے اسی طرح ثنویت کی بھی نفی کرتا ہے جس طرح بہت سے فرقے متعدد معبودوں کے قائل ہیں اسی طرح ایک مجوسی فرقہ دوخداؤں کا قائل ہے ایک یزدان یعنی خدائے نور وخیر، دوسرا اہرمن خدائے ظلمت وشر۔ ہندوستان میں ان ہی لوگوں کو پارسی اور آتش پرست کہتے ہیں اس کا بڑا مرکز بمبئی میں ہے جہاں ان کی بڑی تعداد ہے یہ لوگ اپنی نسبت زرتشت کی جانب کرتے ہیں زرتشت ان کے عقیدہ کے مطابق پیغمبر تھے ان کا زمانہ حضرت مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام سے قبل کا ہے یہ لوگ خیر کا خالق یزدان کو اور شر کا خالق اہرمن کو مانتے ہیں ان کے مذہب واخلاق کو مزدک نے بری طرح مسخ کر دیا تھا حتی کہ حقیقی بہن سے بھی ان کے یہاں نکاح جائز تھا، مسمانوں میں بھی تقریباً آٹھ سوسال پہلے ایک فرقہ پیدا ہوا تھا جو باطنی فرقہ کے نام سے مشہور تھا اس کو قرامطہ بھی کہتے تھے اس فرقہ کا ایک مشہور پیشوا گذرا ہے جس کا نام عبید اللہ بن حسن قیروانی ہے اس کے یہاں بھی سگی بہن سے نکاح جائز تھا۔

غرضیکہ اس آیت میں مجوس کے عقیدۂ ثنویت کی تردید کی گئی ہے اس کے ضمن میں عقیدۂ تثلیث اور عقیدۂ تعدد کی خود بخود نفی ہو جاتی ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود ہوتا تو یہ نظام عالم قائم ہی نہیں رہ سکتا تھا "لو کان فیھما اٰلِھَةٌ اِلَّا اللّٰہُ لَفَسَدتا" (سورۂ انبیاء) اس لئے تعدد الٰہ کا عقیدہ باطل ہے، جب خالق کائنات ایک ہے اور وہی بلاشرکت غیرتمام کائنات کا نظام چلا رہا ہے تو معبود بھی صرف وہی ہے جو اکیلا ہے۔

وَلَہٗ الدین واصبًا، اسی کی اطاعت دائمی اور لازم ہے، وَاصب کے معنی ہمیشگی اور دائمی کے ہیں، ولھم عذاب واصب ان کے لئے ہمیشہ کا عذاب ہے۔ (الصافات)

جب سب نعمتوں کا دینے والا اللہ ہی ہے تو پھر بندگی کسی اور کی کیوں؟ اس کے علاوہ اللہ کے ایک ہونے کا عقیدہ قلب ووجدان کی گہرائیوں میں فطری طور پر راسخ اور توحید کی ایک صریح شہادت تمہارے نفس میں موجود ہے جو اس وقت ابھر کر سامنے آجاتی ہے جب ہر طرف سے مایوسی کے بادل گھرے ہو جاتے ہیں اور سخت مصیبت کے وقت اصل فطرت نمودار

ہونے لگتی ہے جو اللہ کے سوا کسی الٰہ کسی رب، اور کسی مالک ذی اختیار کو نہیں جانتی تحقیق کی ابتداء کے متعلق عرب کے مشرکین اور ہر جگہ کا ہر مشرک جانتا ہی ہے کہ یہ صرف اللہ ہی کا کام ہے اس کے شریکوں میں سے اس کام میں کسی کا کوئی حصہ نہیں، یہی وجہ ہے کہ نہایت مصیبت کے وقت جب ہر طرف سے مایوسی اور ناامیدی ہو جاتی ہے تو اس وقت صرف معبود حقیقی ہی یاد آتا ہے اور اسی سے فریاد کرتا ہے۔

ثم اذا کشف الضر عنکم الخ، لیکن انسان بھی کتنا ناشکرا ہے کہ تکلیف و مصیبت کے دور ہوتے ہی پھر رب کے ساتھ شرک کرنے لگتا ہے۔

ویجعلون لما لا یعلمون نصیبًا الخ یعنی جس کو یہ حاجت روا مشکل کشا سمجھتے ہیں وہ پتھر کی مورتیاں ہیں یا جنات وشیاطین ہیں جن کی حقیقت کا ان کو علم ہی نہیں، اسی طرح قبروں میں مدفون لوگوں کی حقیقت بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ ان کے ساتھ وہاں کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ وہ اللہ کے پسندیدہ افراد ہیں یا کسی دوسری فہرست میں ہیں؟ ان باتوں کو کوئی نہیں جانتا، لیکن ان ظالموں نے ان کے لئے نذرونیاز چڑھاوا اور پرشاد کے طور پر حصہ مقرر کر لیا ہے، بلکہ اگر اللہ کا حصہ رہ جائے تو رہ جائے، ان کے حصہ میں کمی نہیں کر سکتے، جیسا کہ سورۂ انعام میں بیان کیا گیا ہے۔

ویجعلون للّٰہ البنات، عرب کے بعض قبیلے (خزاعہ اور کنانہ) فرشتوں کی عبادت کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کی بیٹیاں ہیں، یعنی ایک ظلم تو یہ کہ اللہ کی اولاد قرار دی جبکہ اس کی کوئی اولاد نہیں اور پھر اولاد میں مؤنث جسے وہ خود اپنے لئے بھی پسند نہیں کرتے تھے۔

وَاِذَا بُشِّرَ احدھم بالانثی ظل وجھہ مُسْوَدًّا وھو کظیم یعنی لڑکی کی ولادت کی خبر سن کر ان کا تو یہ حال ہوتا ہے کہ رنگ فق ہو جاتا ہے چہرے پر سیاہی چھا جاتی ہے اور شرم کے مارے لوگوں سے چھپا پھرتا ہے، اور اللہ کے لئے بیٹیاں تجویز کرتے ہیں یہ کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں؟

یہاں یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ بھی لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کو حقیر اور کم تر سمجھتا ہے نہیں، اللہ کے یہاں جنس کی بنیاد پر حقارت کا کوئی تصور نہیں ہے یہاں تو صرف عربوں کی اس ناانصافی اور سراسر غیر معقول رویئے کی وضاحت مقصود ہے، جو انہوں نے اللہ کے ساتھ اختیار کر رکھا تھا۔

لِلَّذِیْنَ لا یؤمنون بالآخرۃ، کافروں کے برے اعمال بیان کئے گئے ہیں یہ ان ہی کی بری مثال یا صفت ہے یعنی جہل وکفر کی صفت، یہ مطلب یہ ہے کہ اللہ کی بیوی اور اولاد جو یہ لوگ ٹھہراتے ہیں یہ بری مثال ہے جو یہ منکرین آخرت اللہ کے لئے بیان کرتے ہیں، یعنی اللہ کی ہر صفت مخلوق کے مقابلہ میں اعلیٰ و برتر ہے، مثلاً اس کا علم وسیع ہے، اس کی قدرت لامتناہی ہے، اس کی جودوعطا بے نظیر ہے۔

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ ای بالمعاصی مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا ای الارض مِنْ دَآبَّةٍ نسمۃ تدبُّ علیہا

وَلٰكِنْ يُؤَخِّرُهُمْ اِلٰى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ عنه سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ علیه وَيَجْعَلُوْنَ لِلّٰهِ مَا يَكْرَهُوْنَ لانفسهم من البنات والشريك في الرياسة واہانة الرسل وَتَصِفُ تقول اَلْسِنَتُهُمُ مع ذلك الْكَذِبَ وہو اَنَّ لَهُمُ الْحُسْنٰى عند اللّٰه ای الجنة كقوله ولئن رُّجِعْتُ اِلٰى رَبِّىْٓ اِنَّ لِىْ عِنْدَهٗ لَلْحُسْنٰى قال تعالى لَا جَرَمَ حق اَنَّ لَهُمُ النَّارَ وَاَنَّهُمْ مُّفْرَطُوْنَ متركون فيها او مُقدمون اليها وفي قراءة بكسر الراء متجاوزون الحد تَاللّٰهِ لَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ رسلا فَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ السيئة فراوہا حسنة فكذبوا الرسل فَهُوَ وَلِيُّهُمُ متولي امورهم الْيَوْمَ ای في الدنيا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ مؤلم في الاخرة وقيل المرادُ باليوم يومُ القيمة على حكاية الحال الاتية ای لا ولیّ لهم غيرُه وہو عاجزٌ عن نصر نفسه فكيف ينصرہم وَمَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ يا محمد الْكِتٰبَ القرآن اِلَّا لِتُبَيِّنَ لَهُمُ للناس الَّذِى اخْتَلَفُوْا فِيْهِ من امر الدين وَهُدًى عطف على لتبين وَّرَحْمَةً لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ به وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بالنبات بَعْدَ مَوْتِهَا يبسها اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ المذكور لَاٰيَةً دالة على البعث لِّقَوْمٍ يَّسْمَعُوْنَ سماع تدبر.

ترجمہ: اگر معاصی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ لوگوں کی گرفت کرتا تو زمین پر ایک بھی چلنے والا (جاندار) نہ چھوڑتا لیکن وہ ان کو ایک مقررہ وقت تک ڈھیل دیتا ہے، سو جب ان کا وقت (مقرر) آ جاتا ہے تو وہ اس سے نہ ایک گھڑی پیچھے ہٹتے ہیں اور نہ آگے بڑھتے ہیں، اور اللہ کے لئے وہ چیز ثابت کرتے ہیں جسے وہ خود اپنے لئے ناپسند کرتے ہیں، اور وہ چیزیں بیٹیاں اور ریاست میں شرکت اور اہانت رسول ہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ جھوٹ بولتے ہیں اور وہ یہ کہ ان کے لئے اللہ کے نزدیک اچھا بدلہ ہے یعنی جنت جیسا کہ وہ کہتے ہیں اگر مجھے میرے رب کی طرف لوٹایا گیا تو یقیناً میرے لئے اس کے پاس اچھا بدلہ ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا، یقینی بات تو یہ ہے کہ ان کے لئے آگ ہے، اور ان کو آگ میں ڈال کر چھوڑ دیا جائیگا یا ان کو سب سے پہلے آگ (دوزخ) کی طرف بڑھایا جائیگا اور ایک قراءت میں راء کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی وہ حد سے تجاوز کرنے والے ہیں، واللہ ہم نے آپ سے پہلے کی امتوں کی طرف رسول بھیجے مگر شیطان نے ان کے لئے ان کے برے اعمال کو آراستہ کرکے پیش کیا جس کی وجہ سے وہ ان اعمال کو اچھے (نیک) سمجھنے لگے تو انہوں نے رسولوں کو جھٹلا دیا، وہ شیطان آج بھی (یعنی) دنیا میں ان کا رفیق یعنی ان کے امور کا کارساز بنا ہوا ہے اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے کہا گیا ہے کہ الیوم سے آئندہ کی حالت کو بیان کے طور پر قیامت کا دن مراد ہے یعنی (روز قیامت) ان کا شیطان کے مدوہ کوئی رفیق نہ ہوگا حالانکہ وہ (شیطان) خود اپنی مدد سے بھی عاجز ہوگا، تو کیسے ان کی مدد کرے گا؟ اور اے محمد ہم نے اس کتاب قرآن کو آپ پر اس لئے اتارا ہے کہ آپ لوگوں کے لئے امر دین کی ہر اس چیز کو کھول کھول کر بیان کر دیں جس میں وہ اختلاف کر رہے ہیں اور وہ (قرآن) رہنما ہے اس کا لتبین پر عطف ہے اور ان لوگوں کے لئے رحمت ہے جو اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ نے آسمان سے پانی برسایا اور

اس پانی سے نباتات اگا کر زمین کو زندہ کردیا اس کے مردہ (یعنی) خشک ہونے کے بعد یقیناً ان مذکورہ چیزوں میں ایسے لوگوں کے لئے جو غور وفکر کے ساتھ سنتے ہیں بعث بعد الموت پر دلالت کرنے والی نشانی ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَنَ: الارض.

سَوَالْ: عَـلَيْهـا کی ضمیر کا مرجع الارض کو قرار دیا ہے حالانکہ ماقبل میں الارض مذکور نہیں ہے اس میں اضمار قبل الذکر لازم آتا ہے۔

جَوَابُ: چونکہ نـاس اور دابّة ارض پر دلالت کرتے ہیں لہٰذا الارض اگرچہ صراحۃ مذکور نہیں ہے مگر دلالۃ مذکور ہے لہٰذا اضمار قبل الذکر کا اعتراض وارد نہیں ہوگا۔

قِوْلَنَ: نسمة، شخص، روح، (جمع) نَسَمٌ و نَسَماتٌ.

قِوْلَنَ: تقول، تصفُ کی تفسیر تقولُ سے کرنے کا مقصد اس سوال کا جواب ہے کہ تصفُ کا لفظ موصوف اور صفت کا تقاضا کرتا ہے حالانکہ یہاں نہ موصوف ہے اور نہ صفت۔

جَوَابُ: یہاں تصف بمعنی تقول ہے لہٰذا موصوف اور صفت کی حاجت نہ ہوگی۔

قِوْلَنَ: هو اس کی تقدیر میں اشارہ ہے کہ اَنَّ مع اپنے مدخول کے جملہ ہو کر هو مبتداء محذوف کی خبر ہے، نہ کہ تصِفُ کا مفعول اسلئے کہ تصف کا مفعول الكذبَ موجود ہے۔

قِوْلَنَ: مُقدَّمون آگے کئے ہوئے یہ اَفرطته فی طلب الماء سے ماخوذ ہے، ای قدَّمتُه لهٗ میں نے اس کو پانی کے لئے آگے بھیجا۔

تفسیر وتشریح

وَلَوْ یؤاخذ اللّٰہ الناس (الآیة) یہ اللہ کا حکم اور اس کی حکمت ومصلحت کا تقاضا ہے کہ وہ اپنی نافرمانی دیکھتا ہے لیکن پھر بھی وہ نعمتیں سلب نہیں کرتا، اور نہ فوری مواخذہ کرتا ہے، اگر وہ ارتکاب معصیت پر گرفت کرنا شروع کردے تو ظلم ومعصیت اور کفر وشرک اتنا عام ہوگیا ہے کہ روئے زمین پر کوئی ذی روح باقی نہ رہے، اس لئے کہ جب برائی عام ہوتی ہے تو اس کا عذاب بھی عام ہوتا ہے اس عذاب عام میں نیک لوگ بھی ہلاک کردیئے جاتے ہیں گو وہ آخرت میں سرخ رو رہیں گے۔

الیــــوم سے یا تو زمانہ دنیا مراد ہے تب تو کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے اور اگر یوم سے مراد یوم فریب وتزیین ہے تو اس وقت حکایت حال ماضیہ کی تاویل کرنی ہوگی اور اگر یوم سے یوم آخرت مراد ہے تو حکایت حال آتیہ کی تاویل کرنی ہوگی جیسا کہ

مفسر علام نے اشارہ کیا ہے۔

وَمَا انزلنا عليك الكتابَ (الآية) اس میں آپ ﷺ کا یہ منصب بیان کیا گیا ہے کہ عقائد واحکام شرعیہ کے سلسلہ میں یہود ونصاریٰ کے درمیان اور اسی طرح مجوسیوں اور مشرکوں کے درمیان اور دیگر اہل ادیان کے درمیان جو باہم اختلافات ہیں اس کی اسطرح تفصیل بیان فرمائیں کہ حق اور باطل واضح ہوجائے تاکہ لوگ حق کو اختیار کریں اور باطل سے اجتناب کریں۔

وَاِنَّ لَكُمْ فِى الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً اعتبارًا **نُسْقِيْكُمْ** بيانٌ للعبرةِ **مِّمَّا فِىْ بُطُوْنِهٖ** اى الانعام **مِنْ** للابْتداء متعلقةٌ بنُسقيكم **بَيْنِ فَرْثٍ** ثفلِ الكرشِ **وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا** لا يشوبُه شيءٌ من الفرث والدم من طعم اولون اوريح وہو بَيْنهما **سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ** سهلَ المُرور فى حلقِهم لا يَغصُّ به **وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ** ثمرٌ **تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا** خمرًا تُسكِرُ سُمِّيتْ بالمصدرِ وہذا قبلَ تحريمِها **وَّرِزْقًا حَسَنًا** كالتمر والزبيبِ والخلِّ والدِّبسِ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ** المذكورِ **لَاٰيَةً** على قدرتِه تعالىٰ **لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ** يتدبَّرون **وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ** وحىَ الهامٍ **اَنِ** مفسرةٌ اومصدريةٌ **اتَّخِذِىْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا** تاوى اليها **وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا يَعْرِشُوْنَ** اى الناسُ يبنُوْنَ لك من الاماكنِ والّا لم تاوِاليها **ثُمَّ كُلِىْ مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُكِىْ** اُدْخُلِىْ **سُبُلَ رَبِّكِ** طرقَه فى طلبِ المَرعى **ذُلُلًا** جمعُ ذَلولٍ حالٌ من السبلِ اى مسخرةٌ فلا تعسرُ عليكِ وان توعَّرتْ ولا تَضِلى عن العودِ منها وان بَعُدتْ وقيلَ حالٌ من الضميرِ فى اُسلُكِىْ اى مُنقادةٌ لما يُرادُ منك **يَخْرُجُ مِنْۢ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ** هو العسلُ **مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ** من الاوجاعِ قيل لبعضِها كما دلَّ عليه تنكيرُ شفاءٍ اولكُلِها بضميمةٍ الى غيرِه اَقولُ وبدونِها بنيةٍ اُسرَبه صلى الله عليه وسلم مَنْ استطلقَ بطنُه رواه الشيخانِ **اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ** فى صنعِه تعالىٰ **وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ** ولم تكونوا شيئًا **ثُمَّ يَتَوَفّٰىكُمْ** عندَ انقضاءِ اٰجالِكم **وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ اِلٰٓى اَرْذَلِ الْعُمُرِ** اى اَخبَثِه من الهرمِ والخرفِ **لِكَىْ لَا يَعْلَمَ بَعْدَ عِلْمٍ شَيْـًٔا** قال عكرمةُ مَنْ قرأ القراٰنَ لم يَصِر بهذهِ الحالةِ **اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ** بتدبير خلقه **قَدِيْرٌ** على ما يُريدُه.

ع ٥ ١٥

ترجمہ: اور امر واقعہ یہ ہے کہ چوپایوں میں (بھی) تمہارے لئے بڑی عبرت ہے چوپایوں کے پیٹ میں جو کچھ ہے ہم اسی گوبر (یعنی) معدہ کے فضلے اور خون کے درمیان سے، (نسقيكم) عبرة کا بیان ہے، مِنْ ابتدائیہ ہے نسقيكم کے متعلق ہے، ہم پینے والوں کو خوشگوار (خوش ذائقہ) صاف دودھ پلاتے ہیں جو حلق میں بآسانی اترنے والا اور حلق میں نہ پھنسنے والا ہے، جس میں نہ گوبر اور خون کے مزے کی آمیزش ہے اور نہ رنگ وبو کی، حالانکہ وہ ان دونوں کے درمیان ہوتا ہے اور انگوروں اور کھجوروں کے پھلوں میں بھی (تمہارے لئے عبرت ہے) کہ جن سے تم شراب بناتے ہو، جو نشہ آور ہوتی ہے خمر کا نام

سَکَر (بطور مبالغہ) مصدر کے ساتھ رکھا گیا ہے اور یہ (امتنان) شراب کو حرام کرنے سے پہلے کی بات ہے، اور کھانے کی عمدہ چیزیں بناتے ہو مثلاً چھوارے اور کشمش اور سرکہ اور شیرہ، جو لوگ عقل (سلیم) رکھتے ہیں (یعنی) غور و فکر کرتے ہیں ان کے لئے ان مذکورہ چیزوں میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کی بڑی نشانی ہے اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں وحی الہامی کے ذریعہ یہ بات ڈال دی (أن) مفسرہ یا مصدریہ ہے، کہ پہاڑوں میں گھر (چھتے) بنائے تاکہ اس میں پناہ لے سکے اور درختوں پر بھی گھر (چھتے) بنائے اور ان ٹہنیوں میں بھی جن کو لوگ تیرے لئے ٹھکانے بناتے ہیں ورنہ تو تو اس میں پناہ نہیں لے سکتی تھی، اور ہر طرح پھلوں کا رس چوس اور اپنے رب کی آسان راہوں میں اپنی غذا کی جستجو کے لئے داخل ہو کر چلتی پھرتی رہ ذُلُلًا، ذلول کی جمع ہے اور (ذُلُلًا) سُبُلٌ سے حال ہے (یعنی) حال یہ ہے کہ تیرے لئے (راستوں کو) آسان کر دیا جس کی وجہ سے تیرے لئے کوئی دشواری نہیں ہوتی اگر چہ وہ راہیں (دوسروں کیلئے) کتنی ہی دشوار گذار کیوں نہ ہوں، اور تو راستہ بھٹکتی نہیں ہے اگر چہ وہ راہ کتنی ہی دور کیوں نہ ہو، اور کہا گیا ہے کہ (ذُلُلًا) اُسلکی کی ضمیر سے حال ہے، یعنی اس کے (حکم) کے تابع فرمان ہو کر داخل ہو جو تجھ سے مطلوب ہے، اور اس کے پیٹ سے رنگ برنگ کا مشروب نکلتا ہے اور وہ شہد ہے، اس میں لوگوں کی بیماریوں کے لئے شفاء ہے کہا گیا ہے کہ بعض بیماریوں کے لئے شفاء ہے جیسا کہ (لفظ) شفاء کی تنکیر اس پر دلالت کرتی ہے یا تمام بیماریوں کے لئے شفاء ہے دیگر دواؤں کے ساتھ مل کر میں کہتا ہوں بغیر ملائے بھی (ہر مرض کی شفاء ہے) بشرطیکہ نیت خالص ہو، اور آپ ﷺ نے شہد کے استعمال کا اس شخص کو حکم فرمایا جس کا پیٹ چل رہا تھا (یعنی دست آرہے تھے) رواہ الشیخان اور اللہ کی صنعت میں غور و فکر کرنے والوں کے لئے اس میں بہت بڑی نشانی ہے، اور اللہ نے تم کو پیدا فرمایا حالانکہ تمہارا کوئی وجود نہیں تھا اور تمہاری (مدت عمر) پوری ہونے کے بعد تم کو موت دے گا، تم میں کے بعض وہ ہیں جن کو نکمی عمر کو پہنچا دیا جاتا ہے، بعض گھٹیا ترین عمر کو اور وہ بڑھاپے اور سٹھیا جانے کی عمر ہے کہ بہت کچھ جاننے کے بعد بھی کچھ نہ جانے، (حضرت) عکرمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ نے فرمایا کہ جو شخص قرآن کا مشغلہ رکھتا ہے اس کی ایسی حالت نہیں ہوتی، بے شک اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق کی تدبیر سے واقف ہے اور جو چاہے اس پر قادر ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: مما فی بطونہ، من تبعیضیہ، ابتدائیہ ہے۔

قَوْلُہٗ: من بین فرثٍ، لبنًا سے حال مقدم ہے یا ما سے حال ہے جو اس سے مقدم ہے۔

سَوَال: بطونہ کی ضمیر انعام کی طرف راجع ہے اور انعام جمع ہونے کی وجہ سے مؤنث ہے اور اس کی طرف لوٹنے والی ضمیر مذکر ہے دونوں میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: لفظ انعام کی رعایت سے ضمیر مذکر کی لائے ہیں اور سورۃ المؤمنون میں معنی کی رعایت سے مؤنث لائے ہیں سیبویہ

نے کہا ہے کہ **انعام** بروزن افعال مفرد ہے۔

قِوْلَہٗ: **وهو بينهما**، یہ **لبنًا** سے حال ہے۔

قِوْلَہٗ: **من ثمراتِ النخيل**، یہ **نسقيكم** محذوف کے متعلق ہے اور اس کا عطف **وان لكم فى الانعام الخ** پر ہے۔

قِوْلَہٗ: **سُميت للمصدر**، یعنی **سَكَرًا** اگرچہ مصدر ہے مگر معنی میں **خمرًا** کے ہے ای **تتخذون منه خمرًا**، اب حمل کے بارے میں کوئی اشکال نہیں اور خمر کا نام **سَکَر** مبالغۃً ومجازاً رکھا ہے۔

قِوْلَہٗ: **هذا قبل تحريمها**، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ **تتخذون منه سكرًا** (احسان) جتانے کے طور پر بیان ہوا ہے حالانکہ شراب حرام ہے اور حرام چیز کے ساتھ احسان جتانا درست نہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ امتنان حرمت نازل ہونے سے پہلے ہے آیت مکی ہے اور شراب کی حرمت مدینہ میں نازل ہوئی۔

قِوْلَہٗ: **مما يَعْرِشون اى ما بين الناس بيوتا للنحل التى تتعسّلُ فيها**، یعنی **يعرشون** سے مراد وہ ٹٹیاں ہیں جو لوگ شہد کی مکھیاں پالنے کے لئے چھتے بناتے ہیں۔

قِوْلَہٗ: **جمع ذلول**، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ **سُبُلَ** جمع ہے جو کہ ذوالحال ہے اور **ذُلُلاً** مفرد ہے اور وہ حال ہے لہٰذا حال و ذوالحال میں مطابقت نہیں ہے جواب کا حاصل یہ ہے کہ **ذُلُلاً** مفرد نہیں ہے بلکہ ذلول کی جمع ہے لہٰذا عدم مطابقت کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قِوْلَہٗ: **وان توعّرت**، **الوعر، ضد السهل**، دشوار۔

تَفسِيرُ وتَشرِيح

وَاِنَّ لكم فى الأنعام لعبرة (الآية) انعام چوپائے سے اونٹ، گائے بکری اور بھیڑ دنبہ وغیرہ مراد ہوتے ہیں چوپائے جو کچھ کھاتے ہیں، معدے میں جاتا ہے، اسی خوراک سے دودھ، خون، گوبر اور پیشاب بنتا ہے، خون رگوں میں اور دودھ تھنوں میں اسی طرح گوبر اور پیشاب اپنے اپنے مخرج میں منتقل ہوجاتے ہیں اور دودھ میں نہ خون کی رنگت شامل ہوتی ہے نہ گوبر و پیشاب کی بدبو، سفید اور شفاف دودھ باہر آتا ہے جو نہایت آسانی سے حلق سے نیچے اتر جاتا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جہاں سے گوبر اور خون وغیرہ گندی چیزیں اور فضلے پیدا ہوتے ہیں وہیں سے اللہ تعالیٰ دودھ جیسی نفیس اور پاکیزہ خوشگوار اور مفید نعمت انسان کے لئے تیار کردیتا ہے جس کے آگے بڑے بڑے کیمیادان دنگ رہ جائیں یہ دلیل ایک صناعِ اعظم کے وجود کی نہیں تو اور کیا ہے؟

بطونه، کی ضمیر واحد مذکر غائب انعام کی طرف مذکور کے معنی میں لوٹ رہی ہے کسائی اور مبرد نے یہی کہا ہے، نیز لفظ کی رعایت سے بھی مذکر کی ضمیر لانا جائز ہے، اگر معنی جمع کی رعایت ہو تو ضمیر مؤنث کی ہوگی جیسا کہ سورۂ مومنون میں ہے۔

اَوْحى ربُّكَ الى النحل، وحی کے یہاں اصطلاحی معنی مراد نہیں ہیں بلکہ لغوی معنی مراد ہیں وہ یہ کہ مخاطب کو کوئی

خاص بات مخفی طور پر اس طرح سمجھا دے کہ دوسرا شخص اس کو نہ سمجھ سکے۔

النحل شہد کی مکھی اپنی عقل وفراست اور حسن تدبیر کے لحاظ سے تمام حیوانات میں ممتاز جانور ہے۔

شہد کی مکھی کی فہم وفراست:

شہد کی مکھیوں کی فہم وفراست کا اندازہ ان کے نظام حکومت سے بخوبی ہوتا ہے اس ضعیف جانور کا نظام زندگی انسانی سیاست وحکمرانی کے اصول پر چلتا ہے، تمام نظم ایک بڑی مکھی جس کو یعسوب (رانی) کہتے ہیں کے ہاتھ میں ہوتا ہے جو تمام مکھیوں کی حکمراں اور ملکہ ہوتی ہے اس کی تنظیم اور تقسیم کار کی وجہ سے پورا نظام صحیح سمت میں چلتا رہتا ہے، اس کے عجیب وغریب نظام اور مستحکم قوانین کو دیکھ کر عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے، خود یہ ملکہ تین ہفتوں میں چھ ہزار سے بارہ ہزار تک انڈے دیتی ہے ملکہ (رانی) اپنی قد وقامت اور وضع وقطع کے لحاظ سے دوسری مکھیوں سے ممتاز ہوتی ہے یہ ملکہ تقسیم کار کے اصول پر اپنی رعایا کو مختلف امور پر مامور کرتی ہے ان میں سے بعض دربانی کے فرائض انجام دیتی ہیں، اور کسی نامعلوم خارجی فرد کو اندر داخل نہیں ہونے دیتیں، بعض انڈوں کی حفاظت کرتی ہیں، بعض نابالغ بچوں کی تربیت کرتی ہیں بعض معماری اور انجینیر کے فرائض انجام دیتی ہیں، ان کے تیار کردہ چھتوں کے خانے بیس ہزار تک ہوتے ہیں، بعض موم جمع کر کے معماروں کے پاس پہنچاتی رہتی ہیں جس سے وہ اپنے مکانات تعمیر کرتی ہیں، یہ مختلف پارٹیاں اور جماعتیں اپنے اپنے مفوضہ امور کو نہایت سرگرمی سے انجام دیتی ہیں اور اپنی ملکہ کے حکم کو دل سے قبول کرتی ہیں ان کی ڈیوٹی کی تبدیلی کا نظام بھی بڑی استواری کے ساتھ چلتا ہے، نظافت و پاکیزگی کا اس قدر اہتمام کرتی ہیں کہ اگر کوئی مکھی کسی گندی یا مضر چیز پر بیٹھ جائے تو چھتے کے دربان اس کو باہر ہی روک لیتے ہیں اور تفتیش وتحقیق کے بعد اگر ثابت ہو جائے کہ ان کا لایا ہوا مادہ مضر ونقصان دہ ہے تو ملکہ اس کو قتل کر دیتی ہے ان کے اس حیرت انگیز نظام اور حسن کارکردگی کو دیکھ کر انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے، ماہرین حیوانات نے شہد کی مکھی کے نظام حیات اور طریق کار اور ضابطۂ حکمرانی کے متعلق مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں اور ایسے ایسے بڑے عجیب وغریب انکشافات کئے ہیں کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

شہد کے منافع وفضائل:

شہد کے منافع طب یونانی اور طب ہندی (ویدک) طب افرنگی (ڈاکٹری) سب کو مسلم ہیں اس کے فوائد شروع سے مسلم چلے آتے ہیں طب یونانی اور طب ہندی کی کتابوں میں ہزار ہا سال سے برابر درج ہیں، ادھر چند سالوں سے یورپ بھی ادھر زیادہ متوجہ ہوا ہے، اور جرمن، سوئٹزرلینڈ، فرانس اور روس کے ڈاکٹروں نے بالخصوص اس کے معالجاتی تجربے کئے ہیں ان سے ثابت ہوا ہے کہ امراض دوران خون، امراض تنفس، امراض جگر، امراض صدر، امراض شرائین، امراض امعاء، امراض چشم، امراض جلد وغیرہ میں نہایت درجہ مفید ہے، اور ڈاکٹر زکی علی مبارک ایک طبی مقالہ میں لکھتے ہیں کہ دراصل شہد ایک قدرتی نعمت

ہے جو بہت سی ایسی ضرورتوں میں کام آتا ہے جسے پوری طرح بیان نہیں کیا جاسکتا۔

أن اتخذی من الجبال بیوتا تقریباً ہر جاندار اپنے رہنے سہنے کے لئے ٹھکانہ بناتا ہے مگر شہد کی مکھی کو خاص طور پر اپنے گھر بنانے کی نہ صرف ہدایت دی ہے بلکہ بنانے کا طریقہ اور جائے وقوع کی نشان دہی بھی فرمادی ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کے علاوہ مکھی کے چھتے پر بیت کا اطلاق فرمایا جو عموماً انسانی رہائش گاہوں کے لئے بولا جاتا ہے، اس سے اشارہ ایک تو اس طرف کر دیا کہ مکھیوں کو جو شہد تیار کرنا ہے اس کے لئے پہلے سے ایک محفوظ گھر بنالیں اور دوسرا اس طرف اشارہ کر دیا کہ جو گھر یہ بنائیں گی وہ عام جانوروں کے گھروں کی طرح نہیں ہوں گے بلکہ ان کی ساخت اور بناوٹ غیر معمولی قسم کی ہوگی چنانچہ ان کے گھر دیگر جانوروں کے گھر سے ممتاز ہوتے ہیں، جن کو دیکھ کر انسانی عقل بھی حیران وششدر رہ جاتی ہے، ان کے گھر مسدس شکل کے ہوتے ہیں پرکار اور مسطر سے بھی اگر ان کی پیائش کی جائے تو بال برابر بھی فرق نہیں نکلتا مسدس شکل کے علاوہ دوسری کسی شکل مثلاً مربع مخمس وغیرہ کو اس لئے اختیار نہیں کرتی کہ ان کے بعض گوشے بے کار رہ جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے صرف گھر بنانے ہی کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کا محل وقوع بھی بتلا دیا کہ وہ کسی بلندی پر ہونا چاہئے کیونکہ ایسی جگہ پر شہد گندگی اور آلودگی سے محفوظ رہتا ہے اور صاف اور تازہ ہوا ملتی ہے جس کی وجہ سے شہد صاف اور شفاف رہتا ہے، نیز توڑ پھوڑ سے بھی محفوظ رہتا ہے، چنانچہ فرمایا "**من الجبال ومن الشجر ومما یعرشون**" یعنی ان کے گھروں کی تعمیر پہاڑوں درختوں اور بلند عمارتوں پر ہونی چاہئے تاکہ شہد بالکل محفوظ طریقہ پر تیار ہوسکے۔

ثم کلی من کلّ الثمرات، یہ دوسری ہدایت ہے جس میں مکھی کو حکم دیا گیا ہے کہ اپنی رغبت اور پسند کے مطابق پھلوں، پھولوں سے رس چوسے من کل الثمرات دنیا بھر کے پھل پھول مراد نہیں ہیں بلکہ وہ پھل پھول مراد ہیں جن تک بآسانی رسائی ہوسکے، معلوم ہوا کہ کل سے کل استغراقی مراد نہیں ہے بلکہ ان کی تمام ضروریات ومناسبات مراد ہیں۔

یہ مکھیاں پھلوں اور پھولوں کے ایسے قیمتی اور مفید اجزاء چوستی ہیں کہ آج کے سائنسی دور میں مشینوں سے بھی وہ جوہر نکالا نہیں جاسکتا۔

فاسلکی سُبُلَ رَبِّكِ ذُلُلاً، شہد کی مکھی کو یہ تیسری ہدایت ہے کہ اپنے رب کے ہموار کئے ہوئے راستوں پر چلے، شہد کی مکھی جب اپنے گھر سے دور دراز مقامات پر پھلوں اور پھولوں کا رس چوسنے کے لئے کہیں جاتی ہے تو بظاہر اس کا اپنے گھر واپس آنا مشکل ہونا چاہئے تھا لیکن اللہ نے اس کے لئے راہوں کو آسان بنادیا ہے، چنانچہ وہ میلوں دور نکل جاتی ہے اور بغیر بھولے بھٹکے اپنے گھر واپس پہنچ جاتی ہے، اللہ تعالیٰ نے فضا میں اس کے لئے راستے بنادیئے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس حقیر وناتواں مکھی کے لئے فضا کو مسخر کر دیا ہے تاکہ وہ کسی روک ٹوک کے بغیر اپنے گھر آسانی سے آجا سکے۔

فیه شفاءٌ للناس، اس کی کچھ تشریح سابق میں گذر چکی ہے شہد خالص قوت بخش غذا ہے اور امراض کے لئے نسخۂ شفاء بھی، بلغمی امراض میں تو بلا واسطہ اور دیگر امراض میں دوسری دواؤں کے ساتھ ملا کر بطور دوا شہد کا استعمال ہوتا ہے، اطباء معجونوں میں خاص طور پر استعمال کرتے ہیں، اس کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ وہ خود بھی خراب نہیں ہوتا اور

دوسری اشیاء کی بھی طویل عرصہ تک حفاظت کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ ہزاروں سال سے اطباء اس کو الکحل کی جگہ استعمال کرتے آئے ہیں۔

شہد کے متعلق ایک صحابی کا واقعہ:

اخرج البخاری ومسلم وغیرهما من حدیث ابی سعید، أنَّ رجلًا أتی رسول اللّٰہ ﷺ فقال یا رسول اللّٰہ! ان اخی استطلق بطنه، فقال "اسقه عسلًا" فسقاه عسلًا، ثم جاء فقال سقیتهٗ عسلًا فما زاد إلا استطلاقًا، قال اذهب فاسقه عسلًا فذهب فسقاه فقال ما زاده الا استطلاقًا فقال، رسول اللّٰہ ﷺ صدق اللّٰہ و کذب بطن اخیك، اذهب فاسقه عَسلًا فذهبَ فسقاه عَسلًا فبرئَ.

شہد مسہل ہے اور پیٹ سے فاسد مادہ نکالنے میں بہت مفید ہے:

رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک صحابی نے اپنے بھائی کے استطلاق بطن، یعنی دستوں کی شکایت کی تو آپ ﷺ نے شہد پلانے کا مشورہ دیا دوسرے دن اس نے آکر بتلایا بیماری بدستور ہے آپ نے پھر شہد پلانے کا مشورہ دیا تیسرے دن جب اس نے کہا اب بھی کوئی فرق نہیں ہے تو آپ نے فرمایا "صدق اللّٰہ و کذب بطن اخیكَ" یعنی اللہ کا قول بلا ریب سچا ہے تیرے بھائی کا پیٹ جھوٹا ہے، مطلب یہ ہے کہ دواء کا قصور نہیں ہے بلکہ مریض کے مزاج خاص کی وجہ سے جلدی اثر نہیں ہوا یا یہ کہ فاسد مادہ زیادہ مقدار میں تھا جب تمام فاسد مادہ نکل گیا تو فائدہ ہوگیا۔

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ فِى الرِّزْقِ فمنکم غنیٌ وفقیرٌ ومالكٌ ومملوكٌ **فَمَا الَّذِيْنَ فُضِّلُوْا** ای الموالیْ **بِرَآدِّىْ رِزْقِهِمْ عَلٰى مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ** ای بجاعلیْ ما رزقناهم من الاموالِ وغیرها شرکةً بینهم وبینَ ممالیکهم **فَهُمْ** ای الممالیكُ والموالیْ **فِيْهِ سَوَآءٌ** شرکاءُ المعنی لیس لهم شرکاءُ من ممالیکِهم فی اموالِهم فکیف یَجعلُوْنَ بعضَ ممالیكِ اللّٰہِ شرکاءَ له **اَفَبِنِعْمَةِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ** یکفُرُوْنَ حیث یجعلونَ له شرکاءَ **وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا** فخلقَ حوّاءَ من ضلعِ آدمَ وسائرَ الناسِ من نُطَفِ الرجالِ والنساءِ **وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَزْوَاجِكُمْ بَنِيْنَ وَحَفَدَةً** اولادَ الاولادِ **وَّرَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ** من انواعِ الثمارِ والحبوبِ والحیوانِ **اَفَبِالْبَاطِلِ** الصنمِ **يُؤْمِنُوْنَ وَبِنِعْمَتِ اللّٰهِ هُمْ يَكْفُرُوْنَ** بإشراكهم **وَيَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ** ای غیرِه **مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ** بالمطرِ **وَالْاَرْضِ** بالنباتِ **شَيْئًا** بدلٌ مِن رزقًا **وَّلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ** یقدرونَ علی شیءٍ وهوالاصنامُ **فَلَا تَضْرِبُوْا لِلّٰهِ الْاَمْثَالَ** لاتجعلوْا لِلّٰہِ أشباهًا تُشرکونهم به **اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ** أنْ لا مِثْلَ له **وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ** ذٰلِكَ **ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا** وَيُبْدَلُ مِنهُ **عَبْدًا مَّمْلُوْكًا** صفةٌ تمیزه من الحُرِ

فانه عبدُ اللّٰهِ تعالٰی **لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ** لعدم ملكه **وَّمَنْ** نكرةٌ موصوفةٌ اى حرًّا **رَّزَقْنٰهُ مِنَّا رِزْقًا حَسَنًا فَهُوَ يُنْفِقُ مِنْهُ سِرًّا وَّجَهْرًا** اى يتصرَّفُ فيه كيف يشاءُ والاولُ مَثلُ الاصنامِ والثانى مثله تعالٰى **هَلْ يَسْتَوٗنَ** اى العبيدُ العَجزةُ والحرُ المتصرِّفُ لا **اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ** وحدَه **بَلْ اَكْثَرُهُمْ** اى اهلُ مكة **لَا يَعْلَمُوْنَ**۝ ما يصيرُون اليه من العذاب فيشرِكونَ **وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا** ويُبدَلُ منه **رَّجُلَيْنِ اَحَدُهُمَآ اَبْكَمُ** وُلِدَ أخرسَ **لَا يَقْدِرُ عَلٰى شَيْءٍ** لانه لا يَفهمُ **وَّهُوَ كَلٌّ** ثقيلٌ **عَلٰى مَوْلٰىهُ** وَلِيّ أمرِه **اَيْنَمَا يُوَجِّهْهُّ** يُصرِفه **لَا يَاْتِ** منه **بِخَيْرٍ** بنُجحٍ وهذا مثلُ الكافرِ **هَلْ يَسْتَوِيْ هُوَ** اى الابكمُ المذكورُ **وَمَنْ يَّاْمُرُ بِالْعَدْلِ** اى ومَنْ هو ناطقٌ نافعٌ للناسِ حيثُ يامرُ به ويحثُّ عليه **وَهُوَ عَلٰى صِرَاطٍ** طريقٍ **مُّسْتَقِيْمٍ**۝ وهو الثانى المؤمنُ لا وقيل هذا مَثلُ اللّٰهِ تعالٰى، والابكمُ للاصنامِ والذى قبلَه فى الكافرِ والمؤمنِ.

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے رزق میں بعض کو بعض پر فوقیت دی ہے تو تم میں مالدار اور غریب اور مالک ومملوک (دونوں قسم کے لوگ) ہیں، یعنی جو مال وغیرہ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں اپنے اور اپنے غلاموں کے درمیان شرکت کرنے والے نہیں ہیں اس طریقہ پر کہ آقا وغلام اس میں برابر کے شریک ہو جائیں مطلب یہ ہے کہ ان کے غلاموں میں سے کوئی غلام ان کے مالوں میں شریک نہیں ہے تو پھر خدا کے غلاموں میں سے بعض کو اس کا کس طرح شریک ٹھہراتے ہیں؟ تو کیا یہ لوگ اللہ کی نعمتوں کے منکر ہو رہے ہیں اس طریقہ پر کہ اس کا شریک ٹھہراتے ہیں، اور وہ اللہ ہی ہے جس نے تمہاری ہی جنس کی تم کو بیویاں عطا فرمائیں چنانچہ حوا کو آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پسلی سے پیدا فرمایا اور تمام انسانوں کو مَردوں اور عورتوں کے نطفہ سے پیدا فرمایا اور تمہاری بیویوں سے تمہارے لئے بیٹے اور پوتے عطا کئے، یا اولاد کی اولاد عطا فرمائی اور تمہیں اچھی اچھی چیزیں یعنی قسم قسم کے پھل اور غلے اور جانور رزق کے طور پر عطا فرمائے کیا پھر بھی یہ لوگ باطل بت پر ایمان لائیں گے اور کیا وہ لوگ خدا کا شریک ٹھہرا کر اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کریں گے اور اللہ کو چھوڑ کر غیر اللہ کی بندگی کریں گے، اور وہ بارش کے ذریعہ آسمان سے اور نباتات کے ذریعہ زمین سے رزق دینے کے کچھ بھی مختار نہیں ہیں (شیئًا) رزقًا سے بدل ہے، اور نہ کسی چیز پر قدرت رکھتے ہیں اور وہ بت ہیں، تو تم اللہ کے لئے مثالیں مت گھڑو (یعنی) اللہ کی کسی کو شبیہ قرار نہ دو کہ ان کو تم اس کا شریک ٹھہراؤ اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں کہ اس کا کوئی مثل نہیں، اور تم اس کو نہیں جانتے اللہ نے عبد مملوک کی ایک مثال بیان فرمائی (عبدًا مملوکًا) مَثَلًا سے بدل ہے (مملوکًا) عبدًا کی صفت ہے جس کی وجہ سے غلام آزاد سے ممتاز ہو گیا، اسلئے کہ آزاد (بھی) اللہ کا بندہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی ملکیت نہ ہونے کی وجہ سے کسی شئ پر قدرت نہیں رکھتا اور ایک شخص وہ ہے کہ جس کو ہم نے اپنے پاس سے معقول (خوب) روزی دے رکھی ہے (مَن) نکرۂ موصوفہ ہے (ای عبدًا حرًّا) اور وہ پوشیدہ طور پر اور ظاہر طور پر اس میں سے خرچ کرتے ہیں یعنی جس طرح چاہتے ہیں اس میں تصرف کرتے ہیں، پہلی بتوں کی مثال ہے اور دوسری اللہ کی مثال

ہے، تو کیا عبد عاجز اور آزاد خود مختار (ومتصرف) برابر ہو سکتے ہیں نہیں ہو سکتے، سب تعریفیں اللہ وحدہ کے لئے ہیں بلکہ ان میں کے اکثر یعنی اہل مکہ اس عذاب کو نہیں جانتے کہ جس کی طرف وہ چلے جا رہے ہیں (اسی عدم واقفیت) کی وجہ سے وہ شرک کرتے ہیں اللہ تعالیٰ دو آدمیوں کی ایک اور مثال بیان فرماتا (رجلین) مثلاً سے بدل ہے ایک ان میں سے پیدائشی گونگا ہے وہ کسی کرت کا نہیں اسلئے کہ وہ نہ سمجھ سکتا ہے اور نہ سمجھا سکتا ہے (بکم) وہ تو اپنے صاحب پر بوجھ ہے جہاں بھی وہ اسے بھیجے وہ کوئی ٹھیک کام کر کے نہیں لاتا، یعنی کامیابی حاصل نہیں کرتا، یہ کافر کی مثال ہے کیا ایسا یعنی مذکورہ گونگا شخص اور وہ شخص جو انصاف کا حکم دیتا ہے یعنی وہ شخص جو بول سکتا ہے اور لوگوں کو نفع پہنچانے والا ہے اس طریقہ پر کہ وہ عدل کا حکم دیتا ہے اور اس پر آمادہ کرتا ہے برابر ہو سکتے ہیں حال یہ کہ وہ خود راہ مستقیم پر ہے اور یہ دوسرا مومن ہے برابر نہیں ہو سکتے اور کہا گیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی مثال ہے اور گونگا بتوں کی مثال ہے اور اس سے پہلی مثال کافر اور مومن کی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: برادّی، باء جارہ ہے، رادّی اصل میں رادّین تھا، پھیر دینے والے، لوٹا دینے والے، مادہ ردٌّ ہے نون جمع اضافت کی وجہ سے گر گیا۔

قَوْلُہٗ: بجاعلی یہ جعل سے اسم فاعل جمع مذکر غائب بحالت جر ہے، نون جمع اضافت کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔

قَوْلُہٗ: المعنی لیس لھم شرکا یہ جملہ جواب نفی کے مقام میں واقع ہے اور یہ رد ہے مشرکین پر کہ وہ اپنے غلاموں کو اپنی ملکیت میں مساوی طریقہ پر شریک کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں اور خدا کے بعض غلاموں کو اس کی الوہیت میں شریک کرتے ہیں۔

قَوْلُہٗ: یکفرون، یجحدون کی تفسیر یکفرون سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یجحدون، یکفرون کے معنی کو متضمن ہے لہٰذا اس کا متعدی بالباء ہونا درست ہے ورنہ تو یجحدون متعدی بنفسہ ہے۔

قَوْلُہٗ: بدلٌ من رزقًا بہتر ہوتا کہ مفسر علام شیئًا کو رزقًا سے بدل قرار دینے کے بجائے مفعول بہ قرار دیتے رزقًا کو خواہ مصدر مانیں یا اسم مصدر، اسلئے کہ بدل دو معنی میں سے ایک معنی کے لئے آتا ہے یا تو بیان کے لئے یا تاکید کے لئے اور یہاں یہ دونوں درست نہیں ہیں۔

قَوْلُہٗ: ولا یستطیعون یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُؤال: یہاں جمع کا صیغہ لایا گیا ہے اور مــا لا یـمـلكُ میں واحد کا حالانکہ مرجع دونوں کی ضمیروں کا ایک ہے اور وہ ہیں شرکاء.

جَوابُ: یملك میں ما کے لفظ کی رعایت ہے اور یستطیعون میں ما کے معنی کی۔

قَوْلُہٗ: یُصَرِّفُہٗ ای یُصرِفُہٗ.

قَوْلُہٗ: نُجحٌ بضم النون ای الظفر بالشئ.

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

وَاللّٰہ فَضَّلَ بَعْضَکُمْ علی بعض فی الرزق، سابقہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم وقدرت کے اہم مظاہر کا تذکرہ فرما کر اپنی توحید کے فطری دلائل بیان فرمائے ہیں، جن کو دیکھ کر ادنیٰ سمجھ بوجھ رکھنے والا شخص بھی کسی مخلوق کو حق تعالیٰ کے ساتھ اس کی صفات اور قدرت میں شریک نہیں مان سکتا، اس آیت میں اسی مضمون کو ایک باہمی معاملہ کی مثال سے واضح کیا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت بالغہ سے انسانی مصالح کے پیش نظر رزق میں سب انسانوں کو برابر نہیں کیا، بلکہ بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے کسی کو ایسا غنی بنا دیا کہ جو بہت سے ساز وسامان کا مالک ہے بہت سے خدمتگار اور نوکر چاکر رکھتا ہے وہ خود بھی اپنی منشاء کے مطابق خرچ کرتا ہے اور خدمتگاروں اور نوکروں کو بھی اپنے ہاتھ سے رزق پہنچاتا ہے اور کسی کو اس کے برعکس غلام اور خدمتگار بنا دیا کہ وہ دوسروں پر تو کیا خرچ کرتا خود اپنے خرچ میں بھی دوسروں کا دست نگر ہوتا ہے، اور کسی کو متوسط الحال بنا دیا نہ اتنا غنی کہ دوسروں پر خرچ کر سکے نہ اتنا فقیر ومحتاج کہ اپنی ضروریات میں بھی دوسروں کا دست نگر ہو۔

اس قدرتی تقسیم کا یہ اثر تو سب کے مشاہدہ میں ہے کہ جس کو رزق میں فضیلت دی گئی اور غنی بنا دیا گیا وہ کبھی اس کو گوارا نہیں کرتا ہے کہ اپنے مال کو اپنے غلاموں اور خدمتگاروں میں اس طرح تقسیم کر دے کہ وہ بھی مال میں اس کے برابر ہو جائیں، اس مثال سے یہ بخوبی سمجھ میں آسکتا ہے کہ جب مشرکین بھی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ یہ بت اور دوسری مخلوقات جن کی وہ پرستش کرتے ہیں سب اللہ کی مخلوق ومملوک ہیں تو وہ یہ کیسے تجویز کرتے ہیں کہ یہ مخلوق ومملوک اپنے خالق ومالک کے برابر ہو جائیں، یہی مضمون سورۂ روم کی اس آیت میں ارشاد ہوا ہے "ضَرَبَ لکم مَثَلًا من انفسکم هل لکم مما ملکت ایمانکم من شرکاء فیما رزقنا کم فانتم فیه سواء" اس کا حاصل بھی یہی ہے کہ تم اپنے مملوک وغلاموں کو اپنے برابر کرنا پسند نہیں کرتے تو اللہ کے لئے یہ کیسے پسند کرتے ہو کہ وہ اور اس کی مخلوق ومملوک اس کے برابر ہو جائیں۔

مذکورہ آیت سے یہ حقیقت پوری طرح واضح ہوگئی کہ مال ودولت میں عدم مساوات فطری اور طبعی ہے اور تقسیم دولت میں کامل مساوات کا دعویٰ بجائے خود خلاف فطرت ہے۔

اشتراکیوں کا اصل مغالطہ:

اشتراکیین کے استدلال میں اصل مغالطہ یہ ہے کہ خود افراد کو جن کے درمیان دولت تقسیم ہوتی ہے باہم مساوی سمجھ لیا گیا ہے اور یہ مفروضہ ہی سرے سے غلط ہے، قوم کے افراد آپس میں یکساں اور مساوی ہیں کہاں؟ نہ عمر، صحت، جثہ اور جسمانی قویٰ

کے لحاظ سے اور نہ عقل وفہم، ہنرمندی اور دماغی صلاحیتوں کے لحاظ سے غرضیکہ کسی بھی معیار سے باہم مساوی نہیں ہیں، اور یہ فرق فطری اور قدرتی ہے مصنوعی نہیں پھر آخر تقسیم دولت میں مساوات کا مطالبہ خود عقلی حیثیت سے کیا معنی رکھتا ہے۔

قرآن مجید جہاں ایک طرف نظام سرمایہ داری کا حامی نہیں اور ہرگز دیکھنا نہیں چاہتا کہ ملک کے اندر کچھ لوگ تو انتہا درجہ کے امیر وکبیر ہوں اور ملک کی بڑی آبادی اپنی بنیادی ضرورتوں سے بھی محروم ہو، دوسری طرف تقسیم دولت میں مساوات کاملہ کا بھی حامی نہیں جیسا کہ سوشلزم کا نظریہ ہے۔

اسلام کا معاشی نظام عادلانہ ہے:

افراط اور تفریط سے ہٹکر اس کا اپنا ایک مستقل معاشی نظام ہے جو توازن واعتدال پر مبنی ہے جس میں امیر وغریب کی درجہ بندی قائم رہے گی لیکن ایک طرف ظلم وتمکنت، بیجا عیش پرستی، اور دوسری طرف تنگدستی اور مذلت کا وجود بھی باقی نہ رہیگا۔

اسلام اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دیتا کہ دولت کے خزانوں اور کسب معاش کے مرکزوں پر چند افراد یا کوئی خاص جماعت قبضہ کرلے اور دوسرے اہل صلاحیت کے کام کا میدان ہی باقی نہ رہے اس کے لئے قرآن مجید نے سورۂ حشر میں ارشاد فرمایا ''کَیلا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم'' یعنی ہم نے تقسیم دولت کا قانون اس لئے بنایا ہے کہ دولت صرف سرمایہ داروں میں محصور ہوکر نہ رہ جائے۔

آج کل دنیا کے معاشی نظاموں میں جو افراتفری پھیلی ہوئی ہے وہ اس ربانی قانون حکمت کو نظرانداز کرنے ہی کا نتیجہ ہے ایک طرف سرمایہ دارانہ نظام ہے جس میں دولت کے مرکزوں پر سود اور قمار کے راستوں سے چند افراد یا جماعتیں قابض ہوکر باقی ساری مخلوق کو اپنا معاشی غلام بنانے پر مجبور کردیتی ہیں۔

سرمایہ داروں کے اس ظلم وجور کے ردعمل کے طور پر ایک متضاد نظام اشتراکیت کمیونزم یا سوشلزم کے نام سے وجود میں آتا ہے جس کا قدرے تعارف اور خلاف فطرت وعقل ہونا اوپر بیان کیا جاچکا ہے۔

قرآن حکیم نے ظالمانہ سرمایہ داری اور احمقانہ اشتراکیت کی دونوں انتہاؤں کے درمیان افراط وتفریط سے پاک ایک نظام متعارف کرایا ہے کہ رزق ودولت میں فطری تفاوت کے باوجود کوئی فرد یا جماعت کسی کو غلام نہ بنا سکے۔

غیرفطری مساوات کا نعرہ لگانے والے بھی چند قدم چلنے کے بعد اس مساوات کے دعوے کو چھوڑنے اور معیشت میں تفوت کرنے پر مجبور ہوگئے روس میں حال ہی میں اشتراکی نظام ساٹھ (٦٠) ستر (٧٠) سال اپنی عمر پوری کرنے کے بعد ناکام ہوگیا۔

روس کے سابق صدر خروشیف کا اعلان ناکامی:

خروشیف نے ۵ مئی ۱۹۶۰ء کو سپریم سویت کے سامنے تقریر کرتے ہوئے کہا ''ہم اجرتوں میں فرق مٹانے کی تحریک کے سخت مخالف ہیں'' ہم اجرتوں میں مساوات قائم کرنے اور ان کے ایک سطح پر لانے کے کھلے بندوں مخالف ہیں۔ (معارف)

لیوشیڈ ولکھتا ہے:

شاید ہی کوئی ترقی یافتہ سرمایہ دار ملک ایسا ہو جہاں مزدوروں کی اجرتوں میں اتنا تفاوت ہو جتنا روس میں ہے۔

(معارف)

واقعات کی ان مثالوں نے آیت مذکورہ واللّٰہ فَضَّل بعضکم علی بعض فی الرزق کی جبری تصدیق منکرین کی زبانی کرادی۔ (واللّٰہ یفعل ما یشاء).

فلا تضربوا للّٰہ الامثال میں ایک اہم حقیقت کو واضح فرمایا ہے جس سے غفلت برتنا ہی تمام کافرانہ شکوک وشبہات کو جنم دیتا ہے، وہ یہ کہ عام طور پر لوگ حق تعالیٰ کو اپنے بنی نوع انسان پر قیاس کر کے ان میں سے اعلیٰ ترین انسان مثلاً بادشاہ و فرمانروا کو اللہ کی مثال قرار دیتے ہیں، اور پھر اس غلط بنیاد پر اللہ تعالیٰ کے نظام قدرت کو بھی انسان بادشاہوں کے نظام پر قیاس کر کے کہنے لگتے ہیں کہ جس طرح کسی سلطنت وحکومت میں اکیلا بادشاہ سارے ملک کا انتظام نہیں چلا سکتا بلکہ اپنے ماتحت وزراء اور دوسرے افسروں کو اختیارات سپرد کر کے ان کے ذریعہ نظم مملکت چلاتا ہے اسی طرح یہ بھی ہونا چاہئے کہ خدا تعالیٰ کے ماتحت کچھ اور معبود ہوں جو اللہ کے کاموں میں اس کا ہاتھ بٹائیں بت پرستوں اور مشرکوں کا عام نظریہ یہی ہے، اس جملہ نے ان کے شبہات کی جڑ کاٹ دی کہ اللہ کے لئے مخلوق کی مثال پیش کرنا خود بے عقلی ہے۔

آخری دو آیتوں میں انسان کی جو دو مثالیں دی گئی ہیں ان میں سے پہلی مثال میں تو آقا اور غلام یعنی مالک و مملوک کی مثال دے کر بتلایا کہ جب یہ دونوں ایک ہی جنس ایک ہی نوع کے ہوتے ہوئے آپس میں برابر نہیں ہو سکتے تو کسی مخلوق کو خالق کے ساتھ کیسے برابر ٹھہراتے ہو۔

اور دوسری مثال میں ایک طرف ایک انسان ہے جو لوگوں کو عدل وانصاف اور اچھی باتیں سکھاتا ہے جو اس کی قوت علمیہ کا کمال ہے اس علمی اور عملی قوت میں مکمل انسان کے بالمقابل وہ انسان ہے جو نہ خود اپنا کام کر سکتا ہے نہ کسی دوسرے کا کوئی کام درست کر سکتا ہے یہ دونوں قسم کے انسان ایک ہی جنس ایک ہی نوع کے ہونے کے باوجود آپس میں برابر نہیں ہو سکتے تو خالق ومالک کائنات جو حکیم مطلق اور قادر مطلق اور علیم وخبیر ہے اس کے ساتھ کوئی مخلوق کیسے برابر ہو سکتی ہے؟

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ای علمُ ما غابَ فیهما **وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ** منه لانّه لفظ كُنْ فيكونُ **اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاللّٰهُ اَخْرَجَكُمْ مِّنْۢ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَيْئًا** الجملةُ حالٌ **وَّجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ** بمعنى الاسماع **وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ** القلوبَ **لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝** على ذلك فتؤمنون **اَلَمْ يَرَوْا اِلَى الطَّيْرِ مُسَخَّرٰتٍ** مذللاتٍ للطيران **فِيْ جَوِّ السَّمَآءِ** اى الهواءِ بينَ السماءِ والارض **مَا يُمْسِكُهُنَّ** عند قبضِ اجنحتِهن وبسطِها اَنْ يقعنَ **اِلَّا اللّٰهُ** بقدرتِه **اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ۝** هي خلقها

بحيث يُمكنها الطيرانُ وخلق الجو بحيث يمكن الطيرانُ فيه وإمساكها ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ بُيُوْتِكُمْ سَكَنًا﴾ موضعًا تسكنون فيه ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنْ جُلُوْدِ الْاَنْعَامِ بُيُوْتًا﴾ كالخيام والقباب ﴿تَسْتَخِفُّوْنَهَا﴾ للحملِ ﴿يَوْمَ ظَعْنِكُمْ﴾ سفركم ﴿وَيَوْمَ اِقَامَتِكُمْ وَمِنْ اَصْوَافِهَا﴾ اى الغنم ﴿وَاَوْبَارِهَا﴾ اى الابل ﴿وَاَشْعَارِهَآ﴾ اى المعز ﴿اَثَاثًا﴾ متاعًا لبيوتكم كبُسطٍ واكسيةٍ ﴿وَّمَتَاعًا﴾ تتمتعون به ﴿اِلٰى حِيْنٍ﴾ اى تبلى فيه ﴿وَاللّٰهُ جَعَلَ لَكُمْ مِّمَّا خَلَقَ﴾ من البيوت والشجر والغمام ﴿ظِلٰلًا﴾ جمع ظل تقيكم حر الشمس ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ مِّنَ الْجِبَالِ اَكْنَانًا﴾ جمع كن وهو ما يستكنُّ فيه كالغار والسرداب ﴿وَّجَعَلَ لَكُمْ سَرَابِيْلَ﴾ قُمصًا ﴿تَقِيْكُمُ الْحَرَّ﴾ اى والبرد ﴿وَسَرَابِيْلَ تَقِيْكُمْ بَاْسَكُمْ﴾ حربكم اى الطعن والضرب فيها كالدروع والجواشن ﴿كَذٰلِكَ﴾ كما خلق هذه الاشياء ﴿يُتِمُّ نِعْمَتَهٗ﴾ في الدنيا ﴿عَلَيْكُمْ﴾ بخلق ما تحتاجون اليه ﴿لَعَلَّكُمْ﴾ يا اهل مكة ﴿تُسْلِمُوْنَ﴾ توحدونه ﴿فَاِنْ تَوَلَّوْا﴾ اعرضوا عن الاسلام ﴿فَاِنَّمَا عَلَيْكَ﴾ يا محمدُ ﴿الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ﴾ الابلاغُ البيّنُ وهذا قبل الامر بالقتال ﴿يَعْرِفُوْنَ نِعْمَتَ اللّٰهِ﴾ اى يقرّون بانها من عنده ﴿ثُمَّ يُنْكِرُوْنَهَا﴾ باشراكهم ﴿وَاَكْثَرُهُمُ الْكٰفِرُوْنَ﴾

ترجمہ: آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم اللہ ہی کو ہے یعنی ان دونوں میں مخفی چیزوں کا علم، قیامت کا معاملہ تو بس ایسا ہوگا جیسا کہ پلک کی ایک جھپک یا اس سے بھی جلدی، اسلئے کہ وہ لفظ کُن سے ہوگا، تو وہ ہو جائے گی، یقیناً اللہ ہر شئی پر قادر ہے اور اللہ تعالیٰ نے تم کو تمہاری ماؤں کے پیٹ سے اس حال میں پیدا کیا کہ تم کچھ بھی نہیں جانتے تھے **(لا تعلمون شيئًا)** کم ضمیر سے حال ہے، اور اس نے تمہیں کان دیئے **سمع**، **اسماعٌ** کے معنی میں ہے اور آنکھیں دیں اور دل دیئے تاکہ تم ان کا شکریہ ادا کرو، اور ایمان لے آؤ، کیا لوگوں نے پرندوں کو نہیں دیکھا؟ کہ وہ پرواز کے لئے آسمان کی فضاء میں مسخر ہو رہے ہیں یعنی آسمان اور زمین کی درمیانی فضاء میں، ان کے بازوؤں کو بند کرنے اور کھولنے کی حالت میں اللہ ہی کی قدرت ہے جو ان کو گرنے سے تھامے ہوئے ہے ایمان والوں کے لئے اس میں (قدرت) کی چند نشانیاں ہیں یعنی اس نے ان کو ایسا بنایا کہ ان کے لئے پرواز ممکن ہو اور فضا کو ایسا بنایا کہ اس میں پرواز اور ٹھہرنا ممکن ہو، اور اللہ تعالیٰ نے تمہارے گھروں کو تمہارے لئے جائے سکون بنایا یعنی ایسی جگہ کہ جس میں تم سکون حاصل کرو، اور تمہارے لئے جانوروں کی کھالوں کے گھر بنائے جیسا کہ خیمے اور قبے، کہ سفر کے وقت تم ان کو اٹھانے میں ہلکا پھلکا پاتے ہو اور قیام کے دوران (بھی) اور (بھیڑ) بکری کی اون اور اونٹ کے روؤں اور بکری کے بالوں سے اپنے گھروں کا سامان بناتے ہو جیسا کہ بچھونے اور چادریں، اور ایسا سامان کہ جس سے تم ایک مدت تک کہ جس میں وہ بوسیدہ ہوں فائدہ حاصل کرتے ہو اللہ تعالیٰ نے اپنی پیدا کی ہوئی چیزوں سے جیسا کہ گھر اور درخت اور بادل تمہارے لئے سائے بنائے ظِلال، ظلٌّ کی جمع ہے جو تم کو دھوپ کی گرمی سے بچاتے ہیں اور تمہارے لئے

پہاڑوں میں پناہ گاہیں بنائیں (اکنان) کِنٌّ کی جمع ہے اور وہ وہ ہے کہ جس میں چھپایا جا سکے مثلاً غار اور تہہ خانے اور تمہارے لئے ایسا لباس بنایا کہ جو تم کو گرمی اور سردی سے بچاتا ہے اور ایسا لباس (زرہ) بنایا کہ تم کو تمہاری آپس کی لڑائی میں نیزہ اور تلوار کی زد سے بچائے، جیسا کہ زرہ اور سینہ بند، اسی طرح جس طرح کہ اس نے یہ چیزیں پیدا فرمائیں، وہ دنیا میں بھی تمہاری ضرورت کی چیزیں پیدا فرما کر تمہارے اوپر اپنی نعمتوں کو مکمل فرماتا ہے تاکہ تم اے اہل مکہ فرمانبردار ہو جاؤ یعنی اس کی توحید کے قائل ہو جاؤ، اگر یہ لوگ اسلام سے اعراض کریں تو اے محمد ﷺ آپ کے ذمہ تو صاف صاف پہنچا دینا ہے یعنی واضح طور پر بیان کر دینا، اور یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے (یہ لوگ) خدا کی نعمتوں کو تو پہچانتے ہیں یعنی اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ یہ سب نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں پھر بھی شرک کر کے ان نعمتوں کا انکار کرتے ہیں اور زیادہ تر ان میں ناشکرے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قِوْلُہٗ: علم ما غابَ، ای ماغاب عن العباد.

قِوْلُہٗ: کلمح البصر، ای کرجع الطرف من اعلی الحدقۃِ الی اسفلها.

قِوْلُہٗ: اوھُوَ اقرب اوللتخییر او بمعنی ھل.

قِوْلُہٗ: الجملۃ حال لا تعلمون جملہ ہو کر کُمْ ضمیر سے حال ہے اور شیئًا مفعول بہ ہے۔

قِوْلُہٗ: جعل لکم اس کا عطف اخرجکم پر ہے اس کا فاعل اس میں مستتر ہے۔

قِوْلُہٗ: بُسُطٌ، بستر، فرش، بچھونا (واحد) بساط.

قِوْلُہٗ: اکسیۃ، (واحد) کساءٌ، چادر۔

قِوْلُہٗ: ظعنکم، ظعن، سفر، کوچ (ف) ظعنًا کوچ کرنا، سفر کرنا۔

قِوْلُہٗ: قباب، یہ قُبَّۃٌ کی جمع ہے بمعنی قبہ، گنبد۔

قِوْلُہٗ: سرابیل کرتے قمیص، یہ سربال کی جمع ہے، مطلقاً لباس کے معنی میں بھی مجازاً مستعمل ہے۔

قِوْلُہٗ: الجواشن یہ جوشن کی جمع ہے، زرہ، بکتر، سربال عام ہے لوہے کی ہو یا کسی اور چیز کی، یا یہاں خود مراد ہے۔

تفسیر و تشریح

لا تعلمون شیئًا اس میں اشارہ ہے کہ علم انسان کا ذاتی ہنر نہیں ہے، بچہ پیدائش کے وقت کوئی علم و ہنر نہیں رکھتا، پھر اس کی ضرورت کے مطابق اس کو کچھ کچھ علم سکھایا جاتا ہے سب سے پہلے اس کو رونا سکھایا جاتا ہے اس کی یہی صفت اس کی تمام ضروریات مہیا کرتی ہے، اگر بچہ پیدائش کے وقت روئے نہیں تو والدین فکرمند ہو جاتے ہیں، بچہ اپنی تمام ضرورتوں سے والدین

کو روکر ہی آگاہ کرتا ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ الہامی طور پر بچہ کو ماں کی پستانوں سے دودھ چوسنا سکھاتا ہے اس سکھانے میں نہ ماں باپ کا کوئی دخل ہوتا ہے اور نہ کسی معلم، کا یہ فطری تعلیم ہے جو بلا واسطہ ہوتی ہے، کسی معلم کی کیا مجال تھی کہ وہ نومولود بچہ کو منہ چلانا اور مسوڑوں سے پستانوں کو دبا کر دودھ چوسنا سکھا دیتا۔

وَجَعَلَ لکم السَّمْعَ وَالابصار وَالافئدة لعلکم تشکرون، یعنی یہ صلاحیتیں اور قوتیں اللہ تعالیٰ نے اس لئے عطا کی ہیں کہ انسان اعضاء و جوارح کو اس طرح استعمال کرے کہ جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہو جائے ان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت و اطاعت کرے یعنی اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا عملی شکر ادا کرے، حدیث میں آتا ہے، میرا بندہ جن چیزوں کے ذریعہ میرا تقرب حاصل کرتا ہے ان میں سب سے محبوب وہ چیزیں ہیں جو میں نے اس پر فرض کی ہیں علاوہ ازیں وہ نوافل کے ذریعہ بھی میرا تقرب حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے حتی کہ میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں اور جب میں اس سے محبت کرنے لگتا ہوں تو میں اس کا کان ہو جاتا ہوں جس سے وہ سنتا ہے، آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے، ہاتھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ پکڑتا ہے، پاؤں ہو جاتا ہوں جس سے وہ چلتا ہے، اور اگر وہ مجھ سے سوال کرتا ہے تو میں اسے دیتا ہوں اور مجھ سے کسی چیز سے پناہ طلب کرتا ہے تو میں اسے پناہ دیتا ہوں۔ (صحیح بخاری)

اس حدیث کا غلط مفہوم لے کر بعض لوگ اولیاء اللہ کو خدائی اختیارات کا حامل باور کراتے ہیں، حالانکہ حدیث کا واضح اور صحیح مطلب یہ ہے کہ جب بندہ اپنی عبادت اور اطاعت اللہ کے لئے خالص کر لیتا ہے تو اس کا ہر کام صرف اللہ کی رضا کے لئے ہوتا ہے، اپنے کانوں سے وہی بات سنتا اور آنکھوں سے وہی چیز دیکھتا ہے جس کی اللہ نے اجازت دی ہے جس چیز کو ہاتھ سے پکڑتا ہے یا پیروں سے چل کر اس کی طرف جاتا ہے تو وہ وہی چیز ہوتی ہے جس کو شریعت نے روا رکھا ہے، وہ ان کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہیں کرتا بلکہ صرف اطاعت میں استعمال کرتا ہے۔

من جلود الانعام وقوله من اَصْوافها واَوْبارها، سے ثابت ہوا کہ جانوروں کی کھال اور بال اور اون سب کا استعمال انسان کے لئے جائز ہے اس میں یہ بھی قید نہیں کہ جانور مذبوح ہو یا مردار اور نہ یہ قید ہے کہ اس کا گوشت حلال ہو یا حرام، ان سب قسم کے جانوروں کی کھال دباغت دیکر استعمال کرنا جائز ہے اور بال اور اون پر تو جانور کی موت کا کوئی اثر ہی نہیں ہوتا وہ تو بغیر کسی خاص صنعت و تبدیلی کے جائز ہے، امام ابوحنیفہ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی کا یہی مذہب ہے البتہ خنزیر کی کھال اور اس کے تمام اجزاء ہر حال میں نجس اور نا قابل انتفاع ہیں۔

سرابیل تقیکم الحرّ، یہاں کرتے کی غرض گرمی سے بچانا قرار دیا ہے حالانکہ کرتہ انسان کو گرمی اور سردی دونوں سے بچاتا ہے، اس کا ایک جواب تو قرطبی اور دیگر مفسرین نے یہ دیا ہے کہ قرآن حکیم عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس کے اولین مخاطب عرب ہیں اس میں عرب کی عادات اور ضروریات کا لحاظ رکھ کر کلام کیا گیا ہے عرب ایک گرم ملک ہے وہاں برف باری اور شدید سردی کا تصور ہی مشکل ہے اسلئے گرمی سے بچانے کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا۔ (معارف)

وَ اذكُر يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا هو نبيُّها يشهد لها وعليها وهو يوم القيمةِ ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِينَ كَفَرُوا في الاعتِذار وَلَا هُمْ يُسْتَعْتَبُونَ ﴿٨٤﴾ لا تُطلبُ منهم العُتبَى اي الرجوعُ الى ما يَرضى اللهُ وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ ظَلَمُوا كفروا الْعَذَابَ النارَ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿٨٥﴾ يُمهَلون عنه اذا رَأَوْه وَإِذَا رَأَى الَّذِينَ أَشْرَكُوا شُرَكَاءَهُمْ من الشياطينِ وغيرِها قَالُوا رَبَّنَا هَؤُلَاءِ شُرَكَاؤُنَا الَّذِينَ كُنَّا نَدْعُوا نعبدُهم مِنْ دُونِكَ فَأَلْقَوْا إِلَيْهِمُ الْقَوْلَ اي قالوا لَهُمْ إِنَّكُمْ لَكَاذِبُونَ ﴿٨٦﴾ في قولكم إنكم عبدتُمونا في آيةٍ أُخرى مَا كَانُوا إِيَّانَا يَعْبُدُونَ سَيَكفرون بعبادتِهم وَأَلْقَوْا إِلَى اللَّهِ يَوْمَئِذٍ السَّلَمَ اي استسلَمُوا لِحُكمِه وَضَلَّ غابَ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٨٧﴾ من أنّ آلهتهم تشفعُ لهم الَّذِينَ كَفَرُوا وَصَدُّوا الناسَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ دينِه زِدْنَاهُمْ عَذَابًا فَوْقَ الْعَذَابِ الذي استحقُّوه بكفرِهم قال ابنُ مسعودٍ رضي الله تعالى عنه عقاربُ أنيابُها كالنخلِ الطوالِ بِمَا كَانُوا يُفْسِدُونَ ﴿٨٨﴾ بصدِّهم الناسَ عن الايمان وَ اذكُر يَوْمَ نَبْعَثُ فِي كُلِّ أُمَّةٍ شَهِيدًا عَلَيْهِمْ مِنْ أَنْفُسِهِمْ هو نبيُّهم وَجِئْنَا بِكَ يا محمدُ شَهِيدًا عَلَى هَؤُلَاءِ اي قومِك وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ القرآنَ تِبْيَانًا بيانًا لِكُلِّ شَيْءٍ يحتاجُ الناسُ اليه من أمرِ الشريعةِ وَهُدًى من الضلالةِ وَرَحْمَةً وَبُشْرَى بالجنةِ لِلْمُسْلِمِينَ ﴿٨٩﴾ المُوحِّدِين.

ترجمہ: اور یاد کرو اس دن کو کہ جس دن میں ہم ہر امت میں سے گواہ کھڑا کریں گے اور وہ اس امت کا نبی ہوگا، وہ ان کے ایمان و کفر کی شہادت دے گا، اور وہ قیامت کا دن ہوگا، پھر کافروں کو نہ عذر خواہی کی اجازت دی جائے گی اور نہ ان سے خوشنودی طلب کرنے کے لئے کہا جائیگا یعنی نہ ان سے اس چیز کی طرف رجوع کرنے کے لئے کہا جائیگا جس سے اللہ راضی ہو جائے، اور جب کافر عذاب دیکھ لیں گے تو نہ ان سے (عذاب میں) تخفیف کی جائے گی اور نہ ہی ان کو اس عذاب سے مہلت (ڈھیل) دی جائیگی جب وہ اس کو دیکھ لیں گے، اور جب مشرکین شیاطین وغیرہ سے اپنے شرکاء کو دیکھیں گے تو کہیں گے اے ہمارے پروردگار یہی ہیں ہمارے شرکاء جن کی ہم تیرے علاوہ بندگی کیا کرتے تھے تو وہ انھیں جواب دیں گے تم اپنے اس قول میں کہ تم ہماری بندگی کیا کرتے تھے بالکل ہی جھوٹے ہو جیسا کہ دوسری آیت میں ہے "ما کانوا ایانا یعبدون" وہ ہماری بندگی نہیں کیا کرتے تھے (یعنی) عنقریب (روز قیامت) ان کی عبادت سے انکار کر دیں گے، اور اس دن اللہ کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کر دیں گے اور ان کا یہ جھوٹ کہ ان کے معبودان کی شفاعت کریں گے گم ہو جائیگا (رفو چکر ہو جائیگا) اور جنہوں نے کفر کیا اور لوگوں کو اللہ کے دین سے روکا ہم ان کے اس عذاب پر کہ جس کے وہ اپنے کفر کی وجہ سے مستحق ہیں عذاب پر عذاب بڑھاتے جائیں گے، (حضرت) عبداللہ بن مسعود رَضِحَاللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُ نے فرمایا کہ ایسے بچھوؤں گے کہ ان کے دانت لمبائی میں کھجور

کے درخت کے برابر ہوں گے، اس وجہ سے کہ وہ لوگوں کو ایمان سے روک کر فساد برپا کرتے تھے اور یاد کرو اس دن کو کہ جس دن ہر امت میں ان ہی میں سے ہم ایک گواہ کھڑا کریں گے وہ ان کا نبی ہوگا، اور اے محمد ہم آپ کو ان پر یعنی آپ کو قوم پر گواہ بنا کر لائیں گے اور ہم نے آپ پر یہ کتاب قرآن نازل کی جس میں ضروریات شرعیہ میں سے ہر ضرورت کا شافی بیان ہے جن کی لوگوں کو حاجت ہوتی ہے اور گمراہی سے ہدایت ہے اور رحمت ہے مسلمانوں توحید پرستوں کے لئے جنت کی خوشخبری ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: یُسْتَعْتَبُوْنَ، اِسْتِعْتَاب (استفعال) سے مضارع جمع مذکر غائب خوشنودی حاصل کرنے کیلئے کہنا، رضامند کرنے کی خواہش کرنا، بعض مفسرین نے لا یُسْتَعْتَبُوْنَ کا ترجمہ کیا ہے نہ ان کے عذر قبول کئے جائیں گے، علامہ محلی نے اس لفظ کی تشریح میں لکھا ہے لا یُطلبُ منهم ان یرضوا ربَّهم بالتوبة وَالطاعة لِاَنّها لا تنفعُ یومَئذ، ان سے اس بات کی طلب نہیں کی جائے گی کہ توبہ اور طاعت کے ذریعہ اپنے رب کو رضامند کرلیں کیونکہ اس روز یہ چیزیں مفید نہ ہوں گی۔

قِوْلَہٗ: اَلذین کفروا الخ مبتداء ہے اور زِدناهم اس کی خبر ہے، اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ الذین کفروا، الخ یفترون کا فاعل ہو، اور زِدْناهم جملہ مستانفہ ہو۔

قِوْلَہٗ: بما کانو یفسدون باء سببیہ ہے اور ما مصدریہ ہے ای بسبب کونهم مفسدین.

قِوْلَہٗ: ای قــــومك، یہ ایک تفسیر ہے یعنی ہر نبی اپنی اپنی امت کے متعلق شہادت دے گا آپ ﷺ بھی اپنی امت کے بارے میں شہادت دیں گے، بیضاوی نے ایسا ہی کہا ہے، اور بعض مفسرین نے کہا ہے کہ ھؤلاء سے مراد انبیاء ہیں یعنی آپ انبیاء کے بارے میں شہادت دیں گے، اسلئے کہ ہر نبی کا اپنی امت کے بارے میں شہادت دینا جن میں آپ ﷺ بھی شامل ہیں یوم نبعث فی کل اُمّة شهیدًا علیهم من انفسهم سے مفہوم ہے اس بات کو آپ کے بارے میں دوبارہ ذکر کرنا تکرار بلا فائدہ ہے، لہٰذا شهیدًا علی هؤلاء سے شہادت علی الانبیاء ہی مراد ہوگی، اور ابوسعود کی عبارت یہ ہے، علی هؤلاء الاممِ وَشهدائهِمْ.

تفسیر وتشریح

مِنْ کل اُمَّةٍ شهیدًا ہر امت کا شاہد اس کا نبی ہوگا اور نبی کے گذر جانے کے بعد نائبین انبیاء شاہد ہوں گے جنہوں نے خالص توحید اور خدا پرستی کی دعوت دی ہوگی، یہ گواہان اس بات کی گواہی دیں گے کہ ہم نے پیغام حق ان تک پہنچادیا، اور امة سے مراد ظاہر ہے کہ امت دعوت ہے یعنی وہ قوم جو نبی کے پیغام کی مخاطب رہی ہو امت اجابت مراد نہیں ہے۔ (ماجدی)

فَالقوا الیهم القول انکم لکذبون اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ واقعہ پرستش کا انکار کردیں گے، بلکہ وہ دراصل اس واقعہ

پرستش وبندگی کے متعلق اپنے علم واطلاع اور اس پر اپنی رضامندی کا انکار کریں گے، وہ کہیں گے کہ نہ ہم نے تم سے کبھی یہ کہا کہ تم خدا کو چھوڑ کر ہمیں پکارا کرو اور نہ ہم تمہاری اس حرکت پر راضی تھے، بلکہ ہمیں تو خبر تک نہ تھی کہ تم ہمیں پکارتے ہو، اگر تم نے ہمیں سمیع الدعاء اور مجیب الدعوات اور دستگیر وفریادرس قرار دیا تھا تو یہ قطعی ایک جھوٹی بات تھی جو تم نے گھڑ لی تھی اور اس کے ذمہ دار تم خود تھے، اب ہمیں اس کی ذمہ داری میں لپیٹنے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟

وَضَلَّ عنهم ما كانوا يفترون یعنی وہ سب سہارے جن پر دنیا میں بھروسہ کئے ہوئے تھے سب گم ہو جائیں گے کسی فریادرس کو وہاں فریادرسی کے لئے موجود نہ پائیں گے، کوئی مشکل کشا ان کی مشکل حل کرنے کے لئے نہ ملے گا، کوئی آگے بڑھ کر یہ کہنے والا نہ ملے گا کہ یہ میرے متوسلین میں سے ہیں لہٰذا انھیں کچھ نہ کہا جائے۔

وَنَزَّلْنا عَلَيْكَ الكتاب تبيانًا لكل شئ، ارشاد فرمایا کہ قرآن میں ہر چیز کا واضح بیان ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ جس پر ہدایت وضلالت اور فلاح وخسران کا مدار ہے اور اس کا جاننا راست روی کے لئے ضروری ہے، جس سے حق وباطل کا فرق نمایاں ہوتا ہے غرضیکہ اس سے مراد دین وشریعت کی باتیں ہیں اس لئے معاشی فنون اور ان کے مسائل کو قرآن میں تلاش کرنا غلط ہے، اگر کہیں کوئی ضمنی اشارہ آجائے تو وہ اس کے منافی نہیں۔

بعض لوگ غلط فہمی کی وجہ سے **تبيانًا لكل شئ** کا مطلب یہ لیتے ہیں کہ قرآن میں سب کچھ بیان کر دیا گیا ہے، پھر وہ اپنے اس دعوے کو نبھانے کے لئے قرآن سے سائنس اور فنون کے عجیب عجیب مضامین نکالنے کی کوشش شروع کر دیتے ہیں۔

رہا یہ سوال کہ قرآن میں تو دین وشریعت کے بھی سب مسائل مفصل مذکور نہیں تو **تبيانًا لكل شئ** کہنا کیسے درست ہوگا؟ حالانکہ بہت سے دینی مسائل کا بھی واضح طور پر بیان نہیں ہے مثلاً تعداد رکعت، مقدار زکوٰۃ وغیرہ، اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم میں اصول تو تمام مسائل کے موجود ہیں ان ہی کی روشنی میں احادیث رسول ان مسائل کو بیان کرتی ہیں اور یہ قرآن ہی کی ہدایت کے مطابق ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا "**وَمَا آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا**" اگر کوئی حکم صراحت کے ساتھ قرآن وحدیث میں نہیں ہے تو اس کو قرآن نے اجماع پر محول کر دیا ہے، ارشاد فرمایا "**ومن يشاقق الرسول من بعد ما تبيّن له الهدى ويتبع غير سبيل المؤمنين**" الخ، اور اگر کسی مسئلہ میں اجماع امت بھی نہ ہو تو قرآن نے قیاس واجتہاد کرنے کا حکم دیا ہے "**قال اللّٰه تعالى فاعتبروا يا اولى الابصار**" مسائل واحکام معلوم کرنے کے یہ چار طریقہ ہیں کوئی حکم اور کوئی مسئلہ ان سے خارج نہیں اور یہ چاروں کتاب اللہ میں مذکور ہیں، اس طریقہ پر **تبيانًا لكل شئ** کہنا درست ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ التوحيدِ اوالانصافِ **وَالْإِحْسَانِ** اداءِ الفرائضِ اَوْاَن تعبدَ اللّٰهَ كانَّكَ تراه كما في الحديثِ **وَإِيتَاءِ** اعطاءِ **ذِي الْقُرْبَىٰ** القرابةِ خَصَّه بالذكرِ اهتمامًا به **وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ** الزنَا **وَالْمُنكَرِ** شرعًا من الكفرِ والمعاصِي **وَالْبَغْيِ** الظلمِ للناسِ خصَّه بالذكرِ اهتمامًا كما بدأ بالفحشاءِ لذلك **يَعِظُكُمْ**

بالامر والنهي **لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ** تتعظون وفيه ادغامُ التاء في الاصل في الذال وفي المُستدرك عن ابن مسعود رضي الله تعالى عنه بهذه اجمعُ اية في القران للخير والشر **وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ** من البيعةِ والايمان وغيرهما **اِذَا عَاهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا** توثيقها **وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا** بالوفاءِ حيثُ حلفتُم به والجملةُ حالٌ **اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ** تهديدٌ لهم **وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّتِيْ نَقَضَتْ** افسدتْ **غَزْلَهَا** ما غزلتْه **مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ** احكامٍ له وبرمٍ **اَنْكَاثًا** حال جمعُ نكث وهو ما يُنكثُ اي يُحلُّ احكامُه وهي امرأةٌ حمقاءُ من مكة كانت تغزلُ طول يومها ثم تنقضُه **تَتَّخِذُوْنَ** حالٌ من ضمير تكونوا اي لا تكونوا مثلها في اتخاذكم **اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا** هو ما يُدخلُ في الشئ وليس منه اي فسادًا اوخديعةً **بَيْنَكُمْ** بان تنقضُوها **اَنْ** اي لان **تَكُوْنَ اُمَّةٌ** جماعةٌ **هِيَ اَرْبٰى** اكثرُ **مِنْ اُمَّةٍ** وكانوا يُحالفُون الحلفاء فاذا وجدوا اكثرَ منهم واعز نقضُوا حلفَ أُولئك وحالفُوهم **اِنَّمَا يَبْلُوْكُمُ** يختبرُكم **اللّٰهُ بِهٖ** اي بما امرَبه من الوفاء بالعهد لِيَنظُرَ المطيع منكم والعاصي اوتكونَ امةٌ اربى لِيَنظر اتفُون ام لا **وَلَيُبَيِّنَنَّ لَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ مَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ** في الدنيا من امر العهد وغيره بان يُعذب الناكث ويُثيبَ الوافي **وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً** اهل دينٍ واحدٍ **وَّلٰكِنْ يُّضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ وَلَتُسْـَٔلُنَّ** يوم القيمة سوالَ تبكيتٍ **عَمَّا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ** لِتجازُوا عليه **وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اَيْمَانَكُمْ دَخَلًا بَيْنَكُمْ** كرره تاكيدًا **فَتَزِلَّ قَدَمٌ** اي اقدامُكم عن محجةِ الاسلام **بَعْدَ ثُبُوْتِهَا** استقامتها عليها **وَتَذُوْقُوا السُّوْٓءَ** العذاب **بِمَا صَدَدْتُّمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ** اي بصدكم عن الوفاء بالعهد او بصدكم غيرَكم عنه لانه يستنُّ بكم **وَلَكُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ** في الاخرة **وَلَا تَشْتَرُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا** من الدنيا بان تنقضُوه لاجله **اِنَّمَا عِنْدَ اللّٰهِ** من الثواب **هُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ** مما في الدنيا **اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ** ذلك فلا تنقضُوا **مَا عِنْدَكُمْ** من الدنيا **يَنْفَدُ** يفنى **وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ** دائمٌ **وَلَنَجْزِيَنَّ** بالياء والنون **الَّذِيْنَ صَبَرُوْٓا** على الوفاء بالعهودِ **اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ** اي أحسنُ بمعنى حسن **مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً** قيلَ هي حياةُ الجنةِ وقيل في الدنيا بالقناعةِ والرزق الحلال **وَلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ فَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ** اي اردتَ قراءته **فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ** اي قُل اَعوذُ باللّٰهِ من الشيطان الرجيم **اِنَّهٗ لَيْسَ لَهٗ سُلْطٰنٌ** تسلطٌ **عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَلٰى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُوْنَ اِنَّمَا سُلْطٰنُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يَتَوَلَّوْنَهٗ** بطاعته **وَالَّذِيْنَ هُمْ بِهٖ** اي الله تعالى **مُشْرِكُوْنَ**

ترجمہ: بلاشبہ اللہ تعالیٰ عدل (یعنی) توحید یا انصاف اور احسان (یعنی) ادائے فرائض کا یا (اس طرح) عبادت

کرنے کا گویا کہ تو اسے دیکھ رہا ہے، جیسا کہ حدیث میں وارد ہوا ہے، اور قرابتداروں کے ساتھ حسن سلوک کرنے کا اہتمام کرنے کی وجہ سے خاص طور پر قرابتداروں کا ذکر کیا ہے حالانکہ احسان کے عموم میں وہ بھی داخل ہیں حکم دیتا ہے اور (اللہ) فحش یعنی زنا اور شرعاً منکرات سے مثلاً کفر و معاصی، اور لوگوں پر ظلم کرنے سے منع کرتا ہے (ممانعت ظلم کو اہتمام کی وجہ سے خاص طور پر ذکر کیا ہے ورنہ تو نھی عن الفحش میں ظلم بھی داخل ہے) امر و نہی کی تم کو نصیحت کرتا ہے تاکہ تم سبق لو، (تذکرون) میں تاء کو دراصل ذال میں ادغام کر دیا ہے اور مستدرک میں ابن مسعود سے مروی ہے کہ قرآن کی آیات میں سے یہ آیت (بیان) خیر و شر کے لئے جامع ترین آیت ہے اور تم اللہ کے عہد کو پورا کرو خواہ بیعت کے طور پر ہو خواہ ایمان وغیرہ کے طور پر ہو، جبکہ تم آپس میں معاہدہ کرو اور قسموں کو ان کے پختہ کرنے کے بعد مت توڑو حالانکہ اللہ کو تم نے اپنے اوپر گواہ بنالیا ہے عہد پورا کرنے پر، اسلئے کہ تم نے اس کی قسم کھائی ہے، اور (وقد جعلتم) جملہ حال ہے، اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ تم کرتے ہو یہ ان کے لئے دھمکی ہے، اور تم اس عورت کے مانند نہ ہو جاؤ کہ جس نے سوت کو مضبوط اور دُہرا کرنے کے بعد ٹکڑے ٹکڑے کر کے ادھیڑ ڈالا (انکاثا) حال ہے (اور) نِکث کی جمع ہے اُدھیڑ کر جس کی مضبوطی کو ختم کر دیا گیا ہو، (یہ واقعہ) مکہ کی ایک پاگل عورت کا ہے جو دن بھر سوت کاتا کرتی تھی، اور پھر (شام) کو توڑ کر (خراب کر دیتی تھی) تم اپنی قسموں کو آپس میں فریب کا ذریعہ بناتے ہو، (تتخذون) تکونوا کی ضمیر سے حال ہے دخلاً اجنبی چیز کو کہتے ہیں جو اس جنس سے نہ ہو یعنی تم اپنی قسموں کو فساد اور دھوکا نہ بناؤ، بایں صورت کہ ان کو توڑ دو، تاکہ تم میں کی ایک جماعت دوسری جماعت سے بڑھ جائے اور وہ لوگ اپنے حلیفوں سے معاہدہ کرتے تھے اور جب ان سے بڑی جماعت یا زیادہ باعزت پاتے تو پہلے حلیفوں کا حلف ختم کر دیتے اور دوسروں کے حلیف ہو جاتے، حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ آزما رہا ہے یعنی وفاء عہد کا حکم دے کر تم کو جانچ رہا ہے تاکہ تم میں سے فرمانبردار اور نافرمان کو ظاہر کرے یا ایک جماعت بڑی ہوتا کہ اللہ دیکھے آیا تم وفاء عہد کرتے ہو یا نہیں، اور قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے جس عہد وغیرہ کے معاملہ میں تم دنیا میں اختلاف کر رہے تھے کھول کھول کر بیان کر دے گا، یہ کہ عہد شکن کو سزا دے گا اور وفا کرنے والے کو جزا دے گا، اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو ایک ہی امت (یعنی) ملت والا بنا دیتا، لیکن (اللہ) جس کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے جو کچھ تم کر رہے ہو اس کے بارے میں یقیناً قیامت کے دن لا جواب کرنے کے لئے تم سے سوال کیا جائیگا اور تم اپنی قسموں کو آپس میں فریب کاری کا ذریعہ نہ بناؤ، تاکید کے لئے مکرر لایا گیا ہے پھر تمہارے قدم شاہراہ اسلام سے اس پر جم جانے کے بعد پھسل جائیں گے، اور تم بدترین عذاب کا مزا چکھو گے تمہارے اللہ کے راستہ سے روکنے کی وجہ سے یعنی تمہارے وفاء عہد سے باز رہنے کی وجہ سے یا وفاء عہد سے دوسرے کو باز رکھنے کی وجہ سے اس لئے کہ وہ تمہارے نقش قدم پر چلا، اور تم کو آخرت میں بڑا عذاب ہوگا اور تم اللہ کے عہد کو دنیا کی قلیل پونجی کے لئے نہ بیچ دیا کرو بایں صور کہ اس کے لئے نقض عہد کرو و بلاشبہ اللہ کے پاس اس کا اجر تمہارے لئے بہتر ہے اس سے کہ جو کچھ دنیا میں ہے اگر تمہیں اس بات کا علم ہو تو تم نقض عہد نہ کرو اور دنیا کی جو متاع تمہارے پاس ہے وہ فنا ہونے والی ہے اور جو اللہ کے پاس ہے وہ دائمی

ہے اور ہم (لیجزین) یاء اور نون کے ساتھ ہے، یقیناً وفاءِ عہد پر صبر کرنے والوں کو ان کے اعمال کا بہترین بدلہ دیں گے، احسن بمعنی حسن ہے اور جو شخص نیک عمل کرے مرد ہو یا عورت اور وہ باایمان بھی ہو تو ہم اس کو ضرور اچھی زندگی عطا کریں گے کہا گیا ہے کہ وہ جنت کی زندگی ہے اور کہا گیا ہے کہ دنیا ہی میں قناعت اور رزق حلال ہے اور ان کے نیک اعمال کا بدلہ ہم ضرور بالضرور دیں گے اور جب آپ قرآن پڑھو (یعنی) پڑھنے کا ارادہ کرو تو شیطان مردود سے پناہ طلب کرو (یعنی) اعوذ باللّٰه من الشیطٰن الرجیم کہہ لیا کرو، یقینی بات ہے کہ ایمان والوں پر اور اپنے پروردگار پر بھروسہ کرنے والوں پر اس کا مطلقاً زور نہیں چلتا ہاں اس کا زور ان پر ضرور چلتا ہے جو شیطان کو اس کی اطاعت میں اپنا سرپرست بناتے ہیں اور جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهُ: القربی، اسم مصدر ہے رشتہ داری۔

قَوْلُهُ: تخصیص بعد التعمیم، رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، احسان میں داخل ہے مگر اس کی اہمیت کے پیش نظر دوبارہ خاص طور پر ذکر فرمایا۔

قَوْلُهُ: کما بَدَأَ بالفحشاء لِذلك یعنی اہتمام ہی کی وجہ سے سب سے پہلے فحشاء یعنی زنا کو بیان فرمایا اسلئے کہ زنا کی وجہ سے نسب محفوظ نہیں رہتا اور اللہ کے غضب کا بھی موجب ہے۔

قَوْلُهُ: من البیعة، ای بَیْعة الرسول علی الاسلام، اس سے بیعت رضوان مراد نہیں ہے اسلئے کہ یہ سورت مکی ہے اور بیعت رضوان ہجرت کے بعد ہوئی۔

قَوْلُهُ: کفیلاً، ای شاهدًا.

قَوْلُهُ: والجملة حالٌ یعنی (وقد جعلتم) جملہ ہو کر تنقضوا کی ضمیر سے حال ہے نہ کہ معطوف، ورنہ تو عطف خبر علی الانشاء لازم آئے گا۔

قَوْلُهُ: تهدیدلهم یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ (اِنَّ اللّٰه یعلم ما تفعلون) معطوف علیہ لا تنقضوا، اور معطوف لا تکونوا کے درمیان فصل بالاجنبی ہے، جواب کا حاصل یہ ہے (اِنَّ اللّٰه یعلم ما تفعلون) جملہ تہدید یہ ہے جو کہ اجنبی نہیں ہے۔

قَوْلُهُ: ما غزلَته، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ غزل مصدر ہے اس کی جانب نقض (توڑنے) کی نسبت درست نہیں ہے مفسر علام نے غزل کی تفسیر ما غزلَته سے کر کے اشارہ کر دیا کہ مصدر بمعنی مفعول ہے یعنی جس کو اس نے کاتا اس کو توڑ دیا۔

قَوْلُهُ: بعد قوة بعض حضرات نے بعدقوۃ کے معنی، مضبوط کرنے کے بعد کے لئے ہیں مفسر علام نے بھی یہی معنی مراد لئے ہیں اور بعض دیگر مفسرین نے بعد قوةٍ، کے معنی محنت سے کاتنے کے بعد، کے لئے ہیں۔

قولہ: غزلَها، یہ (ض) سے مصدر ہے جو کہ، ھا ضمیر کی طرف مضاف ہے، اس کے معنی سوت کاتنا اس جگہ بمعنی اسم مفعول ہے یعنی کاتا ہوا سوت، مکہ میں ایک بے وقوف عورت تھی جو صبح سے شام تک اپنی باندیوں کے ساتھ سوت کاتتی تھی اور شام کو کاتا ہوا تمام سوت توڑ کر ضائع کر دیتی تھی اس عورت کا نام ریطہ بنت عمر تھا یہ اسد بن عبد العزیٰ کی ماں اور سعد کی بیٹی تھی (بلاذری) بعض نے کہا ہے کہ اس کا نام ریطۃ بنت سعد بن تیم القرشیہ ہے مطلب یہ ہے کہ تم نے اللہ سے جو معاہدہ کر رکھا ہے اس کو نہ توڑو ورنہ تمہاری کری کرائی محنت بیکار ہو جائے گی۔

قولہ: برم استوار کرنا سوت کو دُہرا کاتنا (صراح)۔

قولہ: حال من ضمیر تکونوا، یعنی تتخذون، تکونوا کی ضمیر سے حال ہے نہ کہ مفعول ثانی اسلئے کہ تکون متعدی بدو مفعول نہیں ہوتا الا یہ کہ تصییر وغیرہ کے معنی کو متضمن ہو جائے۔

قولہ: انکاثا یہ نکث کی جمع ہے، پرانی روئی وغیرہ کو دوہرا کاتنے کے لئے توڑ ڈالنا۔

قولہ: وھو ما ینکث اس میں اشارہ ہے کہ نکث بمعنی منکوث (منقوض) ہے۔

قولہ: دَخَلًا یہ لا تکونوا کی ضمیر سے حال ہے ای لا تکونوا مشابھین بامرأۃ شانھا ھذا.

قولہ: دَخَلًا، بہانہ، فریب، دغا، فساد، دراندازی، اجنبی۔

قولہ: اَرْبیٰ، چڑھا ہوا، بڑھا ہوا، (ن) یہ رِبًا سے اسم تفضیل کا صیغہ ہے۔

قولہ: اَتفونَ، ھمزہ، استفہام کا ہے، تفون یہ وَفیٰ سے مضارع جمع مذکر حاضر کا صیغہ ہے، تم وفا کرتے ہو۔

قولہ: ای اقــدام، قدم کی تفسیر اقدام سے کر کے اشارہ کر دیا کہ جب ایک قدم کا پھسلنا باعث ننگ و عار اور موجب عقاب ہے تو اگر دونوں قدم پھسل جائیں تو کیا حال ہوگا؟

قولہ: محجۃ درمیانی راستہ، شاہراہ۔

قولہ: یصدکم عن الوفاء اس میں اشارہ ہے کہ صدٌّ لازم ہے۔

قولہ: یصدکم غیرکم اس میں اشارہ ہے کہ صدٌّ منع کے معنی کو متضمن ہونے کی وجہ سے متعدی بھی استعمال ہوتا ہے۔

قولہ: فلا تنقضوا یہ اِنْ شرطیہ کا جواب ہے۔

تفسیر و تشریح

عدل کے معنی شریعت کی نظر میں:

اِنَّ اللّٰہ یامُرُ بالعدل وَالاِحسان وَاِیتاء ذِی القربیٰ (الآیۃ) یہ آیت قرآن کریم کی جامع ترین آیت ہے، جس میں پوری اسلامی تعلیمات کو چند الفاظ میں سمو دیا گیا ہے، اسلئے سلف صالحین کے عہد مبارک سے آج تک دستور چلا آ رہا ہے کہ جمعہ

اور عیدین کے خطبوں کے آخر میں یہ آیت تلاوت کی جاتی ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ قرآن مجید کی جامع ترین آیت سورۂ نحل میں یہ ہے انَّ اللّٰہ یامر بالعدل (الآیۃ). (ابن کثیر)

اس آیت میں تین ایسی چیزوں کا حکم دیا گیا ہے جن پر پورے انسانی معاشرہ کی درستی کا انحصار ہے، پہلی چیز عدل ہے جس کا تصور دو مستقل حقیقتوں سے مرکب ہے ایک یہ کہ لوگوں کے درمیان حقوق میں توازن اور تناسب قائم ہو دوسرے یہ ہے کہ ہر ایک کو اس کا حق بے لاگ طریقہ پر دیا جائے، ''عدل'' کے مشہور معنی انصاف کے ہیں یعنی اپنوں اور بیگانوں کے ساتھ انصاف کیا جائے، کسی کے ساتھ دشمنی یا عناد یا محبت یا قرابت کی وجہ سے انصاف کے تقاضے مجروح نہ ہوں، ایک دوسرے معنی اعتدال کے ہیں یعنی کسی معاملہ میں افراط یا تفریط کا ارتکاب نہ کیا جائے۔

''احسان'' کسے کہتے ہیں:

آیت میں مذکور دوسری چیز احسان ہے جس سے مراد نیک برتاؤ، فیاضانہ معاملہ، ہمدردانہ رویہ، رواداری، خوش خلقی، درگذر باہمی مراعات، ایک دوسرے کا پاس لحاظ، دوسرے کو اس کے حق سے کچھ زیادہ دینا اور خود اپنے حق سے کچھ کم پر راضی ہو جانا، یہ عدل سے زائد ایک چیز ہے، جس کی اہمیت اجتماعی زندگی میں عدل سے بھی زیادہ ہے، عدل اگر معاشرہ کی اساس ہے تو احسان اس کا جمال اور اس کا کمال ہے، عدل معاشرہ کو ناگواریوں اور تلخیوں سے بچاتا ہے تو احسان اس میں خوشگواری اور حلاوت پیدا کرتا ہے، کوئی معاشرہ صرف اس بنیاد پر کھڑا نہیں رہ سکتا کہ اس کا ہر فرد ہر وقت ناپ تول کو دیکھتا رہے کہ اس کا کیا حق ہے؟ اور اسے وصول کر کے چھوڑے اور دوسرے کا کتنا حق ہے اسے بس اتنا ہی دیدے، ایک ٹھنڈے اور کھرے معاشرہ میں کشمکش تو نہ ہوگی مگر محبت اور شکر گذاری اور عالی ظرفی اور ایثار و اخلاص و خیر خواہی کی قدروں سے محروم رہے گا جو در اصل زندگی میں لطف و حلاوت پیدا کرتے ہیں۔

احسان کے ایک معنی اخلاص عمل اور حسن عبادت کے ہیں جس کو حدیث میں أن تعبد اللّٰہ کأنك تراہُ (عبادت تم اس طرح کرو گویا کہ تم اسے دیکھ رہے ہو) سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تیسری چیز جس کا اس آیت میں ذکر ہے وہ صلہ رحمی ہے، جو رشتہ داروں کے معاملہ میں احسان کی ایک خاص قسم ہے، اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ انسان صرف اپنے رشتہ داروں ہی کے ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کا معاملہ کرے، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ہر صاحب استطاعت اپنے مال پر صرف اپنی ذات اور اپنے بال بچوں ہی کے حقوق نہ سمجھے بلکہ اپنے رشتہ داروں کے حقوق بھی تسلیم کرے، شریعت الٰہی ہر خاندان کے خوشحال افراد کو اس امر کا ذمہ دار قرار دیتی ہے کہ وہ اپنے خاندان کے لوگوں کو بھوکا ننگا نہ چھوڑیں، خدا کی نظر میں ایک معاشرہ کی اس سے بدتر کوئی حالت نہیں ہے کہ خاندان کے اندر ایک شخص عیش کر رہا ہو اور اسی کے خاندان میں اس کے اپنے بھائی بند روٹی کپڑے تک کے محتاج ہوں۔

ہر خاندان کے خوشحال افراد پر پہلا حق ان کے اپنے غریب رشتہ داروں کا ہے اس کے بعد دوسروں کے حقوق اس پر عائد ہوتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے اسی کو احادیث میں مختلف انداز سے بیان فرمایا ہے، آپ نے فرمایا کہ انسان کے حسن سلوک کے اولین حقدار اس کے والدین، اس کی بیوی بچے اور اس کے بھائی بہن ہیں پھر وہ جوان کے بعد قریب تر ہوں علی ہٰذا القیاس، اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جس معاشرہ کا ہر واحدہ (Unit) اس طرح اپنے اپنے افراد کو سنبھال لے اس میں معاشی حیثیت سے کتنی خوشحالی، معاشرتی حیثیت سے کتنی حلاوت اور اخلاقی حیثیت سے کتنی پاکیزگی اور بلندی پیدا ہو جائے گی۔

تین ایجابی حکموں کے مقابلہ میں تین سلبی احکام:

تینوں منکرات میں فحشا کو اس کے اہم ہونے کی وجہ سے پہلے بیان کیا ہے یہاں ''فحشاء'' سے بے حیائی کے کام مراد ہیں آجکل بے حیائی اتنی عام ہوگئی ہے کہ اس کا نام تہذیب، ترقی، آرٹ، فن لطیف قرار پا گیا ہے تفریح کے نام پر اس کا جواز تسلیم کر لیا گیا ہے، مگر خوشنما لیبل لگا دینے سے کسی چیز کی حقیقت نہیں بدل سکتی، فحشاء کا اطلاق بیہودہ کام اور شرمناک افعال پر ہوتا ہے ہر وہ برائی جو اپنی ذات میں نہایت قبیح ہو فحش ہے، مثلاً زنا اور اس کے مقدمات، عریانیت، عمل قوم لوط، محرمات سے نکاح، چوری، رقص وسرود، فیشن پرستی، اور مرد وزن کا بے باکانہ اختلاط اور مخلوط معاشرت، شراب نوشی، پیشے کے طور پر بھیک مانگنا، گالی گلوچ کرنا علی الاعلان برے کام کرنا، اور برائیوں کو پھیلانا بھی فحشاء میں شامل ہے مثلاً جھوٹا پروپیگنڈہ، الزام تراشی، پوشیدہ جرائم کی تشہیر، بدکاریوں پر ابھارنے والے افسانے اور ڈرامے، اور فلمی عریاں تصاویر، عورتوں کا بن سنور کر منظر عام پر آنا اور اسٹیج پر عورتوں کا ناچنا تھرکنا و مٹکنا، اور دیگر اسی قسم کی خرافات کو شریعت نے بے حیائی ہی قرار دیا ہے خواہ ان کا کتنا ہی اچھا نام کیوں نہ رکھ لیا جائے، مغرب سے درآمد شدہ ان خباثتوں کو جائز قرار نہیں دیا جاسکتا۔

دوسری چیز ''منکر'' میں تمام گناہ، ظاہری اور باطنی، عملی اور اخلاقی سب داخل ہیں۔

تیسری چیز ''بغی'' ہے، اس کے معنی ہیں حد سے تجاوز کرنا اور دوسروں کے حقوق پر دست درازی کرنا خواہ حقوق خالق کے ہوں یا مخلوق کے، اس میں ظلم وزیادتی، قطع رحمی سب داخل ہیں، ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ قطع رحمی اور بغی یہ دونوں جرم اللہ کو اتنے ناپسند ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے (آخرت کے علاوہ) دنیا میں بھی ان کی فوری سزا کا امکان غالب رہتا ہے۔

وَاَوْفُوا بعهد الله اِذا عاهدتم (الآية) یہاں تین قسم کے معاہدوں کو ان کی اہمیت کے لحاظ سے الگ الگ بیان کر کے ان کے پابندی کا حکم دیا گیا ہے ① ایک وہ عہد جو انسان نے خدا کے ساتھ باندھا ہو، اور یہ اپنی اہمیت میں سب سے بڑھ کر ہے، ② دوسرا وہ عہد جو ایک انسان نے دوسرے انسان سے یا ایک گروہ نے دوسرے گروہ سے کیا ہو اور اس پر اللہ کی قسم کھائی ہو، یا کسی نہ کسی طرح اللہ کا نام لے کر اپنے قول کی پختگی کا یقین دلایا ہو، یہ عہد دوسرے درجہ کی اہمیت رکھتا ہے، ③ تیسرا وہ عہد و پیمان ہے کہ اللہ کا نام درمیان میں لائے بغیر کیا گیا ہو یہ تیسرے درجہ کا عہد ہے اور اس کی اہمیت پہلے دو کے بعد ہے، لیکن پابندی ان سب کی ضروری ہے، خلاف ورزی ان میں سے کسی کی بھی روا نہیں۔

عہد شکنی حرام ہے:

لفظ ''عہد'' ان تمام معاملات ومعاہدات کو شامل ہے جس کا زبان سے یا تحریر سے التزام کیا جائے خواہ اس پر قسم کھائے یا نہ کھائے خواہ وہ کسی کام کے کرنے سے متعلق ہو یا نہ کرنے سے۔ یہ آیات درحقیقت آیت سابقہ کی تشریح وتکمیل ہیں آیت سابقہ میں عدل کا حکم تھا لفظ کے مفہوم میں ایفاء عہد بھی داخل ہے۔ (قرطبی)

کسی سے معاہدہ کرنے کے بعد عہد شکنی کرنا بڑا گناہ ہے مگر اس کے توڑنے پر کوئی کفارہ نہیں بلکہ آخرت کا مواخذہ ہے، حدیث میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ قیامت کے روز عہد شکنی کرنے والے کی پشت پر ایک جھنڈا نصب کر دیا جائے گا جو میدان حشر میں اس کی رسوائی کا سبب بنے گا۔

لا تکونوا کالتی نقضت غَزْلَهَا (الآية) اس آیت میں خصوصیت کے ساتھ عہد شکنی کی اس بدترین قسم پر ملامت کی گئی ہے جو دنیا میں سب سے بڑھکر موجب فساد ہوتی ہے اور جسے بڑے بڑے اونچے درجے کے لوگ بھی کار ثواب سمجھ کر کرتے اور اپنی قوم سے داد لیتے ہیں، قوموں اور گروہوں کی سیاسی، معاشی اور مذہبی کشمکش میں یہ آئے دن ہوتا رہتا ہے، ایک قوم کا لیڈر ایک وقت میں دوسری قوم سے ایک معاہدہ کرتا ہے اور دوسرے وقت میں محض اپنے قومی مفاد کی خاطر یا تو اسے علانیہ توڑ دیتا ہے یا در پردہ اس کی خلاف ورزی کر کے ناجائز فائدہ اٹھاتا ہے، یہ حرکتیں ایسے لوگ بھی کر گذرتے ہیں جو اپنی ذاتی زندگی میں بڑے راستباز ہوتے ہیں اور اس قسم کی چالبازیوں کو ڈپلومیسی (سیاست) کا کمال سمجھا جاتا ہے، اللہ تعالی اس پر متنبہ فرماتا ہے ہر معاہدہ کرنے والے شخص اور قوم کے اخلاق ودیانت کی آزمائش ہے اور جو لوگ اس آزمائش میں ناکام ہوں گے وہ اللہ کی عدالت میں مؤاخذہ سے بچ نہ سکیں گے۔

کسی کو دھوکا دینے کے لئے قسم کھانے میں سلب ایمان کا خطرہ ہے:

لا تتخذوا ایمانکم دَخَلاً، اس آیت میں ایک اور عظیم گناہ سے بچانے کی ہدایت ہے وہ یہ کہ قسم کھاتے وقت ہی سے اس قسم کے خلاف کرنے کا ارادہ ہو اور صرف مخاطب کو فریب دینے کے لئے قسم کھائی جائے، یہ قسم عام قسموں سے زیادہ خطرناک گناہ ہے جس کے نتیجہ میں یہ خطرہ ہے کہ ایمان کی دولت ہی سے محروم ہو جائے **فتزل قدم بعد ثبوتها**، کا یہی مطلب ہے (معارف)

رشوت لینا سخت حرام اور اللہ سے عہد شکنی ہے:

ولا تشتروا بعهد اللّٰه ثمنًا قليلا، یعنی اللہ کے عہد کو قلیل قیمت کے لئے نہ توڑو یہاں قلیل قیمت سے مراد دنیا اور دنیوی منافع ہیں یہ مقدار میں خواہ کتنے ہی بڑے ہوں آخرت کے منافع کے مقابلہ میں پوری دنیا اور اس کی تمام دولتیں بھی قلیل

ہیں، جس نے آخرت کے بدلے میں دنیا لے لی اس نے نہایت خسارے کا سودا کیا، اسلئے کہ دائمی نعمت و دولت کو بہت جلد فنا ہونے والی گھٹیا چیز کے عوض بیچ ڈالا، اور یہ کام کوئی سمجھدار شخص نہیں کر سکتا۔

ابن عطیہ نے لکھا ہے کہ جس کام کا پورا کرنا کسی شخص کے ذمہ واجب ہو اللہ کا عہد اس کے ذمہ ہے اس کے پورا کرنے پر کسی سے معاوضہ لینا اور بغیر لئے نہ کرنا اللہ کا عہد توڑنا ہے، اسی طرح جس کام کا نہ کرنا کسی کے ذمہ واجب ہو اُس پر کسی سے معاوضہ لے کر اس کو کرنا یہ بھی اللہ کا عہد توڑنا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ رشوت کی مروجہ قسمیں سب حرام ہیں، جیسے کوئی سرکاری ملازم کسی کام کی تو تنخواہ حکومت سے پاتا ہے تو اس نے اللہ سے عہد کیا ہے کہ یہ تنخواہ لے کر مفوضہ خدمت پوری کروں گا، اب اگر وہ اس کام کے کرنے پر معاوضہ طلب کرے اور بغیر معاوضہ اس کام کو نہ کرے یا معمول سے تاخیر کرے تو یہ اللہ کے عہد کو توڑ رہا ہے، اسی طرح جس کام کا اس کو محکمہ کی طرف سے اختیار نہیں اس کو رشوت لے کر کر ڈالنا بھی اللہ سے عہد شکنی ہے۔

رشوت کی جامع تعریف:

اخذ الاموال علی فعل ما یجب علی الآخذ فعله اوفعل ما یجب علیه ترکه.

یعنی جس کام کا کرنا اس کے ذمہ واجب ہے اس کے کرنے پر معاوضہ لینا اور جس کام کا نہ کرنا واجب ہے اس کے کرنے پر معاوضہ لینا رشوت ہے۔ (تفسیر بحر محیط ص ٥٣٣ ج ٥)

فلنحیینّه حیٰوة طیبة، حیات طیبہ سے مراد دنیا کی زندگی ہے اسلئے کہ آخرت کی زندگی کا ذکر اگلے جملے میں ہے، مطلب یہ ہے کہ ایک مومن با کردار کو صالحانہ اور متقیانہ زندگی گذارنے اور اللہ کی عبادت واطاعت اور زہد وقناعت میں جولذت وحلاوت محسوس ہوتی ہے وہ ایک کافر اور نافرمان کو دنیا بھر کی آسائشوں اور سہولتوں کے باوجود میسر نہیں آتی، بلکہ وہ ایک گونہ قلق واضطراب کا شکار رہتا ہے، (**ومن اَعْرَضَ عن ذکری فاِن له معیشة ضنکا**) جس نے میری یاد سے اعراض کیا اس کا گذران تنگی والا ہے۔

فاذا قرأت القرآن فاستعذ باللّٰه من الشیطان الرجیم.

ربط آیات:

سابقہ آیت میں اول ایفاء عہد کی تاکید تھی اب مطلقاً اعمال صالحہ کی تاکید وترغیب کا بیان ہے انسان کی احکام میں غفلت اغواء شیطانی سے پیدا ہوتی ہے اس لئے آیت میں شیطان رجیم سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے، جس کی ضرورت ہی نیک عمل میں ہے یہاں اگرچہ خاص طور پر قراءت قرآن کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اس تخصیص کی وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ تلاوت قرآن ایک ایسا عمل ہے

جس سے خود شیطان بھاگتا ہے، اور بعض خاص آیات اور سورتیں بالخاصہ شیطان کے اثرات زائل کرنے کے لئے مجرب ہیں جن کا مؤثر و مفید ہونا نصوص شرعیہ سے ثابت ہے۔ (بیان القرآن)

مَسْئَلَہ: نماز میں تعوذ امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف پہلی رکعت کے شروع میں پڑھا جائے، امام شافعی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی ہر رکعت کے شروع میں پڑھنے کو مستحب قرار دیتے ہیں۔

مَسْئَلَہ: تلاوت قرآن نماز میں ہو یا خارج نماز دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے مگر شروع میں ایک دفعہ پڑھنا کافی ہے، البتہ تلاوت کے درمیان اگر تلاوت موقوف کر کے کسی اور کام میں لگ گیا اور پھر تلاوت شروع کی تو اس وقت اعوذ باللہ دوبارہ پڑھنی چاہئے۔

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ بنسخِها وانزالِ غيرِها لمصلحةِ العبادِ **وَّاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا** اى الكفارُ للنبيِّ صلى الله عليه وسلم **اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ** كذابٌ تقولُه مِن عندِك **بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ** حقيقةَ القراٰنِ وفائدةَ النسخِ **قُلْ** لهم **نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ** جبرئيل **مِنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ** متعلقٌ بنزّلَ **لِيُثَبِّتَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا** بايمانِهم به **وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُسْلِمِيْنَ وَلَقَدْ** للتحقيقِ **نَعْلَمُ اَنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا يُعَلِّمُهٗ** القراٰنَ **بَشَرٌ** وهو قينٌ نصرانيٌّ كان النبيُّ صلى الله عليه وسلم يدخلُ عليه قال تعالى **لِسَانُ** لغة **الَّذِيْ يُلْحِدُوْنَ** يميلونَ **اِلَيْهِ** انه يُعَلِّمُه **اَعْجَمِيٌّ وَّهٰذَا** القراٰنُ **لِسَانٌ عَرَبِيٌّ مُّبِيْنٌ** ذوبيانٍ وفصاحةٍ فكيفَ يُعَلِّمُهُ أعجميٌّ **اِنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَا يَهْدِيْهِمُ اللّٰهُ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ** مؤلمٌ **اِنَّمَا يَفْتَرِي الْكَذِبَ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ** القراٰنِ بقولِهم هذا من قولِ البشرِ **وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰذِبُوْنَ** والتاكيدُ بالتكرارِ وانَّ وغيرِهما رَدٌّ لقولِهم انما انت مفترٍ **مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ** على التلفُّظِ بالكفرِ فتلفَّظ به **وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ** ومَن مبتدأٌ اوشرطيةٌ والخبرُ اوالجوابُ لهم وعيدٌ شديدٌ دَلَّ عليه هذا **وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا** له اى فتحه ووسَّعه بمعنى طابت به نفسُه **فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ذٰلِكَ** الوعيدُ لهم **بِاَنَّهُمُ اسْتَحَبُّوا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا** اختاروها **عَلَى الْاٰخِرَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ** عما يُرادُ بهم **لَا جَرَمَ** حقا **اَنَّهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ** لمصيرِهم الى النار المؤبّدةِ عليهم **ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ هَاجَرُوْا** الى المدينةِ **مِنْۢ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا** عُذِّبُوْا وتلفَّظوا بالكفرِ وفي قراءةٍ بالبناءِ للفاعلِ اى كفروا او فتنوا الناسَ عن الايمانِ **ثُمَّ جٰهَدُوْا وَصَبَرُوْٓا** على الطاعةِ **اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا** اى الفتنةِ **لَغَفُوْرٌ** لهم **رَّحِيْمٌ** بهم وخبرُ انَّ الاُولٰى دَلَّ عليه خبرُ الثانيةِ۔

ع ۱۴

ترجمہ: اور جب ہم کوئی آیت منسوخ کر کے اس کی جگہ دوسری آیت بندوں کی مصلحت کیلئے نازل کرتے ہیں اور جو کچھ اللہ نازل کرتا ہے اسے وہ خوب جانتا ہے تو کفار نبی ﷺ سے کہتے ہیں تم تو افترا پرداز ہو جھوٹے ہو، قرآن اپنی طرف سے گھڑ کر لاتے ہو، (ایسا نہیں ہے) بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ قرآن کی حقیقت اور نسخ کے فائدہ سے واقف نہیں ہیں آپ ان کو بتا دیجئے کہ اس کو جبرئیل آپ کے رب کی طرف سے حق کے ساتھ نازل کرتے ہیں (بالحق) نَزَّلَ کے متعلق ہے تا کہ اہل ایمان کو اس کے ذریعہ ایمان پر ثابت رکھے اور مسلمانوں کے لئے ہدایت اور خوشخبری ہو، ہمیں بخوبی علم ہے کہ کافر کہتے ہیں اسے تو قرآن ایک شخص سکھاتا ہے (لقد) تحقیق کے لئے ہے اور وہ ایک نصرانی لوہار ہے، نبی ﷺ اس کے پاس جایا کرتے ہیں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس شخص کی زبان کہ جس کی طرف یہ لوگ اشارہ کرتے ہیں کہ فلاں ان کو سکھاتا ہے، عجمی ہے اور یہ قرآن صاف عربی زبان میں ہے جو بلیغ و فصیح ہے تو (بھلا) اس کو ایک عجمی (غیر عربی) کیسے سکھا سکتا ہے؟ جو لوگ اللہ کی آیتوں پر ایمان نہیں رکھتے ان کو اللہ کی طرف سے ہدایت نہیں ملتی، اور ان کے لئے دردناک عذاب ہے، جھوٹ تو وہ لوگ بولتے ہیں جو اللہ کی آیتوں (قرآن) پر ایمان نہیں رکھتے ان کے یہ کہنے کی وجہ سے کہ یہ تو انسانی کلام ہے، درحقیقت جھوٹے یہی لوگ ہیں، اور تکرار اور اِنَّ وغیرہ کے ذریعہ تاکید ان کے قول "اِنَّما انت مفترٍ" کو رد کرنے کے لئے ہے اور جو شخص ایمان کے بعد اللہ کا منکر ہوا، تو ان کے لئے شدید وعید ہے البتہ وہ شخص اس سے مستثنیٰ ہے کہ جس کو کفریہ کلمات کہنے پر مجبور کیا گیا اور اس نے زبان سے کفریہ کلمہ کہہ بھی دیا حال یہ کہ اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو، اور مَن مبتداء یا شرطیہ ہے اور خبر یا جواب، لهم وعيدٌ شديدٌ ہے، جس کے (حذف پر) یہ آیت علیھم غضب من اللّٰہ الخ دلالت کر رہی ہے لیکن جو لوگ شرح صدر کے ساتھ کفر کے مرتکب ہوں (یعنی) کھلے دل اور وسعت قلبی کے ساتھ کفر اختیار کریں، یعنی کفر سے ان کا دل خوش ہو تو ان پر اللہ کا غضب ہے، اور ان کے لئے اللہ کا بڑا عذاب ہے ان کے لئے عذاب کی یہ وعید اس وجہ سے ہے کہ انہوں نے دنیاوی زندگی کو آخرت کے مقابلہ میں پسند کیا ہے، یعنی اس کو اختیار کر لیا ہے، اور اللہ کافروں کی رہنمائی نہیں فرماتا یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے جن کے دلوں پر اور کانوں پر اور آنکھوں پر مہر لگا دی ہے اور جو ان سے مقصود ہے اس سے یہی لوگ غافل ہیں اور یہ بات یقینی ہے کہ یہی لوگ آخرت میں دائمی آگ کی طرف لوٹنے کی وجہ سے خسارہ میں ہیں، پھر یقیناً تیرا رب ان لوگوں کے لئے جنہوں نے بعد اس کے کہ وہ ستائے گئے مدینہ کی طرف ہجرت کی اور کلمۂ کفر زبان سے نکالنے کے بعد، اور ایک قراءت میں (فَتَنُوا) صیغۂ معروف کے ساتھ ہے یعنی مشرکین نے کفر کرنے اور لوگوں کو ایمان سے روکنے کے بعد پھر انہوں نے جہاد کیا اور طاعت پر صبر کیا بے شک تیرا رب ان آزمائشوں کے بعد ان کو معاف کرنے والا ان پر رحم کرنے والا ہے اور پہلے اِنَّ کی خبر (محذوف) ہے جس پر اِنَّ ثانی کی خبر دلالت کر رہی ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلَہٗ: اِذا، شرطیہ ہے، قَالُوا اِنما اَنْتَ مُفْتَرٍ، جواب شرط ہے۔

قَوْلَہٗ: وَاللّٰہ اعلم بما یُنَزِّلُ، شرط وجزاء کے درمیان جملہ معترضہ ہے۔

قَوْلَہٗ: روح القدس یہ اضافت موصوف الی الصفت ہے ای الروح المقدس، القدس کے دال پر ضمہ اور سکون دونوں جائز ہیں۔

قَوْلَہٗ: متعلق بنزّلَ یعنی متلبسًا سے متعلق ہوکر نزلہٗ کی ضمیر مفعولی سے حال ہے، ای نزّلہ متلبسًا بالحق.

قَوْلَہٗ: هدًی وَبشری.

سَوَال: ان کا عطف لِیثبتَ پر ہے، حالانکہ یہ عطف درست نہیں ہے اسلئے کہ یہ دونوں معطوف علیہ کے ساتھ نہ اعراب میں متحد ہیں اور نہ علت میں حالانکہ یہ دونوں باتیں ضروری ہیں۔

جَوَاب: هدی اور بشری کا عطف لیثبّتَ کے محل پر ہے، لِیثبّتَ میں لام تعلیلیہ ہے جس کے بعد ان مصدریہ مقدر ہے جس کی وجہ سے مضارع مصدر کے معنی میں ہے یثبّت کے اندر ھو ضمیر فاعل ہے جس کا مرجع قرآن ہے، اور لِیثبّتَ مفعول لاجلہ ہونے کی وجہ سے محلاً منصوب ہے، اور ھدًی اور بشریٰ دونوں مصدر ہیں جن کا عطف لِیثبّتَ کے محل پر ہے ای تثبیتًا وھدایۃ وبشارۃً لہٰذا اب عدم مطابقت کا اعتراض نہیں۔

قَوْلَہٗ: للتحقیق، یہ اس سوال کا جواب ہے کہ قد جب مضارع پر داخل ہوتا ہے تو عموماً تقلیل کے لئے ہوتا ہے حالانکہ یہاں تقلیل کے معنی نہ تو نعلم سے میل کھاتے ہیں اور نہ شان باری کے مناسب ہیں، جواب کا حاصل یہ ہے کہ قد یہاں تحقیق کے لئے ہے، لَقَدْ میں لام قسمیہ ہے۔

قَوْلَہٗ: قَیْنٌ، آہنگر، لوہار، (جمع) قُیُونٌ واقیان.

قَوْلَہٗ: یمیلون الیه ای یشیرون الیه.

قَوْلَہٗ: اَعجمیٌّ، جو فصیح اللسان نہ ہو اگرچہ عربی ہو، اور عجمی، منسوب الی العجم، جو لغت عرب سے واقف نہ ہو اگرچہ فصیح ہو۔

قَوْلَہٗ: والتاکید بالتکرار واِنَّ وغیرھما چونکہ کفار مکہ نے متعدد تاکیدات کے ساتھ، اِنّما انتَ مفترٍ، کہتے ہوئے نزول قرآن کا انکار کیا تھا، ان کا جواب بھی متعدد تاکیدات کے ساتھ دیا گیا ہے، اول تکرار سے مراد اِنَّ الذین لا یؤمنون کا تکرار ہے اور اِنَّ کا تکرار ہے اور غیرھما سے مراد ضمیر فصل ہے اور تعریف مسند اور جملہ کا اسمیہ ہونا ہے، لہٰذا ظاہر نظر میں تکذیب کا حصر جو قریش میں معلوم ہو رہا تھا وہ ختم ہوگیا۔

قَوْلَہٗ: مَن مبتداء او شرطیة، من کفر باللّٰہ کے مَنْ میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ من موصولہ مبتدا ہو نہ کہ الذین لا

یؤمنون بآیات اللّٰہ سے بدل، اس لئے کہ بدل اور مبدل منہ کے درمیان فصل بالاجنبی جائز نہیں ہے اور یہاں "اولئك هم الكافرون" کا فصل موجود ہے، مَن کو موصولہ مبتداء ماننے کی صورت میں کَفَرَ اس کا صلہ ہوگا اور موصول صلہ سے مل کر مبتداء ہوگا اور اس کی خبر محذوف ہوگی اور وہ لَهُمْ وَعيد شديدٌ ہے اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ مَنْ شرطیہ ہو اور جزاء مقدر ہو اور وہ لهم وعيدٌ شديدٌ ہے، جیسا کہ علامہ سیوطی نے ظاہر کر دیا ہے، اور دال بر حذف آئندہ جملہ، فعليهم غضب من اللّٰه، یا ولَهم عذابٌ شديد، ہے۔

قَوْلُهُ: صدرًا لَهُ ، لَهُ کا اضافہ اس شبہ کا جواب ہے کہ شَرَحَ کا صلہ باء نہیں آتا حالانکہ یہاں بالكفر میں باء صلہ واقع ہو رہا ہے، جواب یہ ہے کہ باء بمعنی لام ہے۔

قَوْلُهُ: بمعنى طابت یہ اس شبہ کا جواب ہے یہاں فتحه کے کوئی معنی نہیں ہیں، جواب یہ ہے کہ فتحه بمعنی طاب ہے اور اسی کی طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ صَدرًا، مفعول سے منقول ہو کر تمیز واقع ہے۔

قَوْلُهُ: اختاروها، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ استحبّوا کا صلہ علی نہیں آتا حالانکہ یہاں علی صلہ واقع ہو رہا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ استحبّوا، اختاروا کے معنی میں ہے لہٰذا اب کوئی اعتراض نہیں۔

قَوْلُهُ: وفي قراءة بالبناء للفاعل، یعنی فتنوا میں دو قراءتیں ہیں مجهول اور معروف، مجهول ہونے کی صورت میں مهاجرين نائب فاعل ہوں گے اور كفروا کے فاعل بھی اور معروف کی صورت دونوں فعلوں کے فاعل کفار ہوں گے، یعنی مشرکین نے کفر کیا اور لوگوں کو ایمان سے روکا۔

قَوْلُهُ: خبر إنَّ الاولى الخ یعنی پہلے إنَّ کی خبر کو حذف کر دیا گیا ہے اسلئے إنَّ ثانیہ کی خبر حذف خبر پر دال ہے۔

تفسیر و تشریح

ربط آیات:

سابقہ آیت میں بوقت تلاوت اعوذ باللّٰہ پڑھنے کا حکم تھا اس لئے کہ تلاوت قرآن کے وقت شیطان مختلف قسم کے وسوسے دل میں ڈالتا ہے، اس آیت میں شیطان کے مختلف وسوسوں کا ذکر اور ان کا جواب ہے۔

نبوت پر کفار کے شبہات کا جواب مع تہدید:

ایک آیت کی جگہ دوسری آیت نازل کرنے سے مراد ایک حکم کے بعد دوسرا حکم بھیجنا بھی ہو سکتا ہے، یعنی ایک آیت کے لفظ یا معنی منسوخ کر کے دوسرا حکم بھیج دیتے ہیں حالانکہ جو حکم اللہ تعالیٰ پہلی مرتبہ یا دوسری مرتبہ بھیجتا ہے اس کی مصلحت اور حکمت وہی

خوب جانتا ہے کہ جن کو یہ حکم دیا گیا ہے ان کے حالات کے اعتبار سے ایک وقت میں مصلحت کچھ تھی پھر حالات بدل جانے سے مصلحت اور حکمت دوسری ہوگئی تو یہ لوگ کہتے ہیں معاذ اللہ آپ افترا کرتے ہیں کہ اپنے کلام کو اللہ کی طرف منسوب کر دیتے ہیں ورنہ اگر اللہ کا حکم ہوتا تو اس کے بدلنے کی کیا ضرورت تھی کیا اللہ کو پہلے حالات بدلنے کا علم نہ تھا یا اللہ اس بات پر قادر نہیں کہ ایسا حکم بھیجے جو ہر حال میں اور ہر زمان میں قابل عمل ہو، یہ لوگ اس پر غور نہیں کرتے کہ بعض اوقات تمام حالات کا علم ہونے کے باوجود پہلی حالت پیش آنے پر پہلا حکم دیا جاتا ہے اور دوسری حالت پیش آنے کا اگر چہ اس کو علم ہوتا ہے مگر بتقاضۂ مصلحت اس دوسری حالت کا حکم اس وقت بیان نہیں کیا جاتا، بلکہ جب وہ حالت پیش آجاتی ہے اس وقت بیان کیا جاتا ہے جیسے طبیب یا ڈاکٹر ایک وقت ایک دوا تجویز کرتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ اس کے استعمال سے حالت بدلے گی اور اس وقت دوسری دوا دی جائے گی، مگر مریض کو ابتداءً سب تفصیل نہیں بتاتا، یہی حقیقت نسخ احکام کی ہے جو قرآن وسنت میں ہوتا ہے جو حقیقت سے واقف نہیں وہ باغواء شیطانی نسخ کا انکار کرنے لگتے ہیں، اسی لئے اس کے جواب میں حق تعالیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ مفتری نہیں ہے بلکہ انہی میں اکثر لوگ جاہل ہیں کہ نسخ کو بلا دلیل کلام الٰہی ہونے کے خلاف سمجھتے ہیں۔

البتہ جو لوگ مومن ہیں وہ کہتے ہیں کہ ناسخ اور منسوخ دونوں رب کی طرف سے ہیں علاوہ ازیں نسخ کے مصالح جب ان کے سامنے آتے ہیں تو ان کے اندر مزید ثبات قدمی اور ایمان میں رسوخ پیدا ہوتا ہے حقیقت یہ ہے کہ یہ قرآن مسلمانوں کے لئے ہدایت اور بشارت کا ذریعہ ہے کیونکہ قرآن کی مثال بارش کی سی ہے جس سے بعض زمینیں خوب شاداب ہوتی ہیں اور بعض میں خاروخس کے سوا کچھ نہیں اگتا، مومن کا دل طاہر اور شفاف ہوتا ہے جو قرآن کی برکت اور ایمان کے نور سے منور ہو جاتا ہے، اور کافروں کا دل زمین شور کی طرح ہوتا ہے جو کفر وضلالت کی تاریکیوں سے بھرا رہتا ہے جہاں قرآن کی ضیا پاشیاں بھی بے اثر رہتی ہیں۔

وَلَقَدْ نعلم اَنَّهُمْ یقولون اِنما یعلمه بَشَر ، مشرکین مکہ کا یہ کہنا تھا کہ محمد ﷺ کو فلاں شخص سکھاتا ہے اور محمد اس کلام کو خدا کی طرف منسوب کر کے خدائی کلام کہتے ہیں ایک روایت میں اس کا نام جبر بیان کیا گیا ہے جو عامر بن الحضرمی کا ایک رومی غلام تھا دوسری روایت میں حویطب بن عبد العزیٰ کے ایک غلام کا نام آیا ہے جسے عائش یا یعیش کہتے تھے، ایک اور روایت میں یسار کا نام لیا گیا ہے جس کی کنیت ابوفُکیہہ تھی جو مکہ کی ایک عورت کا یہودی غلام تھا، اور ایک روایت میں بلعان یا بلعام نامی ایک رومی غلام کا ذکر ہے، بہر حال ان میں سے جو بھی ہو، کفار مکہ نے محض یہ دیکھکر کہ ایک شخص توراۃ وانجیل پڑھتا ہے اور محمد ﷺ کی اس سے ملاقات اور دید شنید ہے بے تکلف یہ الزام گھڑ دیا کہ اس قرآن کو دراصل وہ تصنیف کر رہا ہے اور محمد ﷺ اسے اپنی طرف سے خدا کا نام لے کر پیش کر رہے ہیں، اس سے نہ صرف یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے مخالفین آپ کے خلاف افتراء پردازیاں کرنے میں کس قدر بے باک تھے، بلکہ یہ سبق بھی ملتا ہے کہ لوگ اپنے ہم عصروں کی قدر و قیمت پہچاننے میں کتنے بے انصاف ہوتے ہیں۔

ان کے لوگوں کے سامنے تاریخ انسانی کی ایک عظیم شخصیت تھی جس کی نظیر نہ اس وقت دنیا بھر میں کہیں تھی اور نہ آج تک پائی

گئی مگران عقل کے اندھوں کواس کے مقابلہ میں ایک عجمی غلام، جو کچھ توراۃ، انجیل پڑھ لیتا تھا بہت قابل نظر آرہا تھا۔

مَنْ کفر باللّٰہ من بعد ایمانہ (الآیۃ) اس آیت میں ان مظلوم مسلمانوں کا تذکرہ ہے کہ جن پر ظلم کے پہاڑ توڑے جارہے تھے، کوئی دن ایسا نہیں ہوتا تھا کہ ان میں سے ایک نہ ایک دست ستم سے زخم خوردہ ہوکر نہ آتا ہو، اور انھیں ناقابل برداشت اذیتیں دے کر کفر پر مجبور نہ کیا جاتا ہو، انھیں بتایا گیا ہے کہ اگر تم کسی وقت ظلم سے مجبور ہوکر محض جان بچانے کیلئے کلمۂ کفر زبان سے ادا کرو اور تمہارا دل عقیدۂ کفر سے محفوظ ہو تو معاف کردیا جائیگا لیکن اگر دل سے تم نے کفر قبول کرلیا تو دنیا میں چاہے جان بچالو، خدا کے عذاب سے نہ بچ سکو گے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جان بچانے کے لئے کلمۂ کفر کہہ دینا چاہئے، بلکہ صرف رخصت ہے البتہ مقام عزیمت یہی ہے کہ خواہ آدمی کا جسم تکا بوٹی کر ڈالا جائے مگر وہ کلمۂ حق ہی کا اعلان کرتا رہے دونوں قسم کی نظیریں آپ ﷺ کے عہد مبارک میں پائی جاتی ہیں، ایک طرف خباب بن ارت ہیں جن کو آگ کے انگاروں پر لٹا دیا گیا یہاں تک کہ ان کی چربی پگھلنے سے آگ بجھ گئی مگر وہ سختی کے ساتھ اپنے ایمان پر جمے رہے، دوسرے بلال حبشی ہیں جن کو لوہے کی زرہ پہنا کر چلچلاتی دھوپ میں کھڑا کردیا جاتا تھا، پھر تپتی ہوئی ریت پر لٹا کر گھسیٹا جاتا تھا مگر وہ ''احد احد'' ہی کہتے رہتے تھے، ان ہی مظلوم ومجبور لوگوں میں حبیب بن زید بن عاصم ہیں جن کے بدن کا ایک ایک عضو مسیلمہ کذاب کے حکم سے کاٹا جاتا تھا اور پھر مطالبہ کیا جاتا تھا کہ مسیلمہ کو نبی مان لیں مگر وہ ہر مرتبہ اس کے دعوائے رسالت کی تصدیق سے انکار کرتے تھے یہاں تک کہ اسی حالت میں کٹ کٹ کر انہوں نے جان دیدی اور دوسری طرف عمار بن یاسر ہیں جن کی آنکھوں کے سامنے ان کے والد اور ان کی والدہ کو سخت عذاب دے کر شہید کردیا گیا پھر ان کو اتنی ناقابل برداشت تکلیفیں دی گئیں کہ آخر کار انہوں نے جان بچانے کے لئے وہ سب کچھ کہہ دیا جو کفار ان سے کہلوانا چاہتے تھے پھر وہ روتے ہوئے نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یارسول اللہ ما تُرِکتُ حتی سَبَبْتُكَ وذکرتُ آلِهَتَهُمْ بخیرٍ، یارسول مجھے اس وقت تک نہ چھوڑا گیا جب تک کہ میں نے آپ کو برا اور ان کے معبودوں کو اچھا نہ کہہ دیا، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا ''کیف تجد قلبكَ'' اپنے دل کا کیا حال پاتے ہو عرض کیا ''مطمئنًا بالایمان'' ایمان پر پوری طرح مطمئن اس پر حضور نے فرمایا ''اِن عادوا فعد'' اگر وہ پھر اس طرح ظلم کریں تو پھر وہی باتیں کہہ دینا۔

ثم اِنَّ رَبَّكَ للذین ھاجروا (الآیۃ) یہ مکہ کے ان مسلمانوں کا تذکرہ ہے جو کمزور تھے اور قبول اسلام کی وجہ سے کفار کے ظلم وستم کا نشانہ بنے رہے بالآخر ان کو ہجرت کا حکم دیا گیا، تو اپنے خویش واقارب، وطن مالوف اور مال وجائیداد سب کچھ چھوڑ کر حبشہ یا مدینہ چلے گئے، پھر جب کفار کے ساتھ معرکہ آرائی ہوئی تو مردانہ وار جہاد میں بھرپور حصہ لیا اور اس کی راہ کی شدتوں اور تکالیف کو صبر کے ساتھ برداشت کیا، ان تمام باتوں کے بعد یقیناً تیرا رب ان کے لئے غفور رحیم ہے۔

سُوَال: یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ سورۂ نحل مکی ہے پھر اس میں ہجرت وجہاد کا ذکر کیسا، اس کا کیا مطلب ہے؟

جَوَاب: اول تو ابن عطیہ کی روایت کے مطابق یہ آیت مدنی ہے لہٰذا کوئی اعتراض نہیں، دوسرا جواب یہ ہے کہ ہجرت سے مراد

ہجرت حبشہ ہے اس صورت میں بھی کوئی شبہ باقی نہیں رہتا، تیسرا جواب یہ ہے کہ صیغۂ ماضی کے ذریعہ اخبار مستقبل کی مثالیں قرآن میں بکثرت موجود ہیں۔

اُذکر **يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ** تحاجُّ **عَنْ نَّفْسِهَا** لا يهمُّها غيرُها وهو يوم القيمة **وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ** جزاء **مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ** شيئًا **وَضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا** ويُبدلُ منه **قَرْيَةً** هي مكة والمرادُ اهلُها **كَانَتْ اٰمِنَةً** من الغارات لاتهاج **مُّطْمَئِنَّةً** لاتحتاجُ الى الانتقال عنها لضيقٍ اوخوفٍ **يَّأْتِيْهَا رِزْقُهَا رَغَدًا** واسعًا **مِّنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِاَنْعُمِ اللّٰهِ** بتكذيب النبيِّ صلى الله عليه وسلم **فَاَذَاقَهَا اللّٰهُ لِبَاسَ الْجُوْعِ** فقحطوا سبع سنين **وَالْخَوْفِ** بسرايا النبيِّ صلى الله عليه وسلم **بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ** **وَلَقَدْ جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْهُمْ** محمدٌ صلى الله عليه وسلم **فَكَذَّبُوْهُ فَاَخَذَهُمُ الْعَذَابُ** الجوعُ والخوفُ **وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ** **فَكُلُوْا** ايها المؤمنون **مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّاشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ** **اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ** **وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَا تَصِفُ اَلْسِنَتُكُمُ** اى لوصفِ السنتكُم **الْكَذِبَ هٰذَا حَلٰلٌ وَّهٰذَا حَرَامٌ** لمالم يُحله اللهُ ولم يُحرمه **لِّتَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ** بنسبته ذلك اليه **اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ لَا يُفْلِحُوْنَ** لهم **مَتَاعٌ قَلِيْلٌ** في الدنيا **وَّلَهُمْ** في الاخرة **عَذَابٌ اَلِيْمٌ** مؤلمٌ **وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا** اى اليهودُ **قَصَصْنَا عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ** في اية وعلى الذين هادُوا حرّمنا كُلَّ ذي ظُفرٍ الى اخرها **وَمَا ظَلَمْنٰهُمْ** بتحريم ذلك **وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ** بارتكاب المعاصي المُوجبة لذلك **ثُمَّ اِنَّ رَبَّكَ لِلَّذِيْنَ عَمِلُوا السُّوْٓءَ** الشرك **بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابُوْا** رجعُوا **مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْٓا** عملَهُم **اِنَّ رَبَّكَ مِنْۢ بَعْدِهَا** اى الجهالة او التوبةِ **لَغَفُوْرٌ** لهم **رَّحِيْمٌ** بهم.

ترجمہ: اس دن کو یاد کرو جس دن ہر شخص اپنے ہی لئے دلیل وحجت کرتا ہوا آئیگا، اسے کسی دوسرے کا کچھ غم نہ ہوگا اور وہ قیامت کا دن ہوگا، اور ہر شخص کو اس کے اعمال کا پورا بدلہ دیا جائیگا اور ان پر مطلق ظلم نہ کیا جائیگا اور اللہ تعالیٰ ایک بستی والوں کی حالت عجیبہ بیان فرماتے ہیں قریۃً، مثلاً سے بدل ہے (اور) وہ بستی مکہ ہے اور مراد مکہ کے رہنے والے ہیں، کہ وہ تاخت وتاراج سے مامون ومطمئن تھے، کسی تنگی یا خوف کی وجہ سے ان کو وہاں سے منتقل ہونے کی ضرورت نہیں تھی اس بستی والوں کا رزق بافراغت ہر جگہ سے چلا آرہا تھا پھر انہوں نے آپ ﷺ کی تکذیب کرکے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان کو بھوک کا محیط عذاب کہ سات سال تک قحط میں مبتلا کئے گئے اور آپ ﷺ کے سرایا کے خوف کا مزا چکھایا یہ سب کچھ ان کے

کرتوتوں کی وجہ سے ہوا، ان کے پاس انہی میں کا ایک رسول محمد ﷺ پہنچا، پھر بھی انہوں نے اسے جھٹلایا تو انھیں بھوک اور خوف کے عذاب نے آدبوچا، اور وہ تھے ہی ظالم اے ایمان والو اللہ نے جو تمہیں حلال طیب روزی دے رکھی ہے اس میں سے کھاؤ اور اللہ کی نعمتوں کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو، تم پر صرف مردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس چیز پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا جائے حرام کیا گیا ہے پھر جو شخص (فاقہ کی وجہ سے) بالکل ہی بے قرار ہو جائے بشرطیکہ طالب لذت نہ ہو اور نہ (حد) ضرورت سے تجاوز کرنے والا ہو (تو ان کے اس کھانے کو) اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے اور کسی چیز کو جو تمہاری زبان سے نکلتا ہے جھوٹ موٹ نہ کہہ دیا کرو کہ یہ حلال ہے اور یہ حرام ہے اسلئے کہ اللہ نے نہ اس کو حلال کیا ہے اور نہ اس کو حرام کہ اس (حلت و حرمت) کی نسبت اس کی طرف کر کے اللہ پر بہتان بازی کرو، یقیناً وہ لوگ جو اللہ پر بہتان تراشی کرتے ہیں وہ کبھی فلاح نہیں پاتے ان کے لئے دنیا میں چند روزہ عیش ہے اور ان کے لئے آخرت میں دردناک عذاب ہے اور یہودیوں پر ہم نے وہ چیزیں حرام کر دی تھیں جن کا بیان ہم آپ سے اس سے پہلے کر چکے ہیں "**وعلی الذین هادوا حرّمنا کل ذی ظفر**" (الی آخر الآیة) میں یعنی ہم نے یہودیوں پر ہر ناخون والے جانور کو حرام کر دیا تھا، ان چیزوں کو حرام کر کے ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا بلکہ ان معاصی کا ارتکاب کر کے جو اس سزا کی موجب تھیں خود ہی انہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا تھا، پھر آپ کا رب ایسے لوگوں کے لئے جنہوں نے نادانی کی وجہ سے شرک کیا پھر انہوں نے اس کے بعد توبہ کر لی اور اپنے اعمال کی اصلاح کر لی تو آپ کا رب (ان کی) جہالت یا توبہ کے بعد بڑی مغفرت والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: تحاجُّ، تجادل کا صلہ چونکہ عن نہیں آتا اسلئے مفسر علام نے اشارہ کر دیا کہ تجادلُ، تحاجّ کے معنی میں ہے۔

قولہ: لا یھمُّھا غیرھا، یعنی کسی کو کسی کا کوئی غم نہ ہوگا، بلکہ ہر شخص نفسی نفسی پکار رہا ہوگا۔

قولہ: جزاء اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ توفی عمل کے کوئی معنی نہیں ہیں چونکہ اَعراض کا انتقال نہیں ہوا کرتا۔

قولہ: لا تھاج، یہ اَھَاجَ الغبارَ سے ماخوذ ہے یعنی غبار اڑایا، (اور فارسی میں) بمعنی تاراج شد۔

قولہ: لباس الجوع، بھوک اور خوف کو لباس کے ساتھ تشبیہ دی ہے، دونوں میں وجہ تشبیہ یہ ہے کہ جس طرح بھوک اور خوف جسم انسانی کو چاروں طرف سے گھیر لیتا ہے اس لئے کہ ان دونوں کا اثر پورے جسم پر ہوتا ہے اسی طرح لباس بھی پورے جسم کو گھیر لیتا ہے اسی وجہ سے بھوک اور خوف کے اثر کو لباس سے تشبیہ دی ہے، اور ادراک کو چکھنے سے اس لئے تعبیر کیا ہے کہ چکھنے سے بھی بعض چیزوں کا ادراک ہوتا ہے۔

قَوْلُهُ: لو صفِ السنتکم اس میں اشارہ ہے کہ لما تصف میں ما، مصدریہ ہے۔

قَوْلُهُ: الکذبَ، لا تقولوا کی وجہ سے منصوب ہے۔

قَوْلُهُ: هذا حلال وهذا حرام یہ الکذب سے بدل ہے۔

قَوْلُهُ: لَهُمْ، متاع، متاعٌ قلیل مبتداء مؤخر اور لهم خبر مقدم ہے۔

سُوَالْ: یوم تاتی کل نفسٍ تجادل عن نفسها، یہاں ایک سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ عن نفسها میں نفس کی اضافت نفس کی جانب ہو رہی ہے حالانکہ مضاف اور مضاف الیہ کے درمیان تغایر ضروری ہے ورنہ تو اضافة الشئ الی نفسه لازم آئے گی۔

جَوَابٌ: اول نفس سے پورا جسم انسانی مراد ہے اور ثانی نفس سے ذات عبارت ہے کل انسانٍ یجادل عن ذاتِهٖ ولا یهم غیرها، مجادلة کے معنی عذر خواہی کے ہیں۔

تفسیر وتشریح

یوم تاتی کل نفسٍ تُجادِلُ عن نفسها، یعنی ہر شخص اپنی فکر میں ہوگا اس وقت نہ کوئی کسی کی حمایت کرے گا اور نہ سفارش بلکہ آپس میں تعارف اور جان پہچان اور نسبی وصہری رشتہ ہونے کے باوجود ایک دوسرے سے بھاگیں گے، بھائی بھائی سے، بیٹے ماں باپ سے، شوہر بیوی سے بھاگے گا کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا، اور لکلِّ امرئٍ منهم یو مئذٍ شان یغنیه ہر شخص کو اس دن اپنی پڑی ہوگی، وَضَرَبَ اللّٰه مثلا قریة الخ اکثر مفسرین اس قریہ سے مراد مکہ لیا ہے یعنی اس میں اہل مکہ کا حال بیان کیا گیا ہے اور یہ اس وقت ہوا جب اللہ کے رسول نے ان کے لئے یہ بددعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اشددُ وطأتكَ علی مُضَرَ واجعلها علیهم سنین کسنی یوسفَ، (بخاری شریف) اے اللہ مضر قبیلہ پر اپنی سخت گرفت فرما اور ان پر اس طرح قحط سالی مسلط فرما جس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانہ میں مصر میں ہوئی تھی، چنانچہ اللہ نے مکہ کے امن کو خوف سے اور خوشحالی کو بھوک سے بدل دیا حتی کہ اس کا یہ حال ہو گیا کہ ہڈیاں، درختوں کے پتے کھانے پڑے اور بعض مفسرین کے نزدیک یہ غیر معین بستی ہے اور تمثیل کے طور پر یہ بات بیان کی گئی ہے کہ کفران نعمت کرنے والوں کا یہ حال ہوگا وہ جہاں بھی ہوں، نزول کا سبب اگر خاص بھی ہو تب بھی جمہور مفسرین کو عموم سے انکار نہیں، العبرةُ بعموم اللفظ لا بخصوص السبب.

انما حرّمَ علیکم المیتة وَالدَّم ولحم الخنزیر وَمَا اُهِلَّ لغیر اللّٰه به الخ یہ آیت اس سے پہلے تین مرتبہ گذر چکی ہے، سورۂ بقرہ میں، سورۂ انعام میں، سورۂ مائدہ میں، یہ چوتھا مقام ہے اس میں لفظ انّما حصر کے لئے ہے لیکن یہ

حصر حقیقی نہیں بلکہ اضافی ہے یعنی مخاطبین کے عقیدے اور خیال کے مطابق حصر لایا گیا ہے ورنہ دوسرے جانور اور درندے وغیرہ بھی حرام ہیں، البتہ ان آیات سے واضح ہے کہ ان میں جن چار محرمات کا ذکر ہے ان سے مسلمانوں کو نہایت تاکید کے ساتھ بچانا چاہتا ہے۔

وَمَا اُهِلَّ لغیر اللّٰہ به، جو جانور غیر اللہ کے نام زد کر دیا جائے۔ اس کی مختلف صورتیں ہیں ایک صورت یہ ہے کہ غیر اللہ کے تقرب اور اس کی خوشنودی کے لئے اسے ذبح کیا جائے اور بوقت ذبح اسی غیر اللہ کا نام لیا جائے جس کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہے دوسری صورت یہ ہے کہ مقصود تو غیر اللہ کا تقرب ہی ہو لیکن ذبح اللہ کے نام پر ہی کیا جائے جیسا کہ بعض جاہل، جانور کو بزرگوں کے لئے نام زد کرتے ہیں مثلاً یہ کہ یہ فلاں پیر کا بکرا ہے یہ بکرا گیارہویں شریف کا ہے وغیرہ وغیرہ اور ان کو وہ بسم اللہ پڑھ کر ہی ذبح کرتے ہیں، اس لئے وہ کہتے ہیں کہ پہلی صورت تو یقیناً حرام ہے لیکن یہ دوسری صورت حرام نہیں ہے بلکہ جائز ہے کیونکہ یہ غیر اللہ کے نام پر ذبح نہیں کیا گیا، حالانکہ فقہاء نے اس صورت کو بھی حرام قرار دیا ہے، اس لئے کہ یہ "**مَا اُهِلَّ لغیر اللّٰہ به**" میں داخل ہے چنانچہ حاشیہ بیضاوی میں ہے، ہر وہ جانور جس پر غیر اللہ کا نام پکارا جائے حرام ہے اگرچہ ذبح کرتے وقت اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو، اس لئے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ اگر کوئی مسلمان غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی غرض سے جانور ذبح کرے گا تو وہ مرتد ہو جائیگا، اور اس کا ذبیحہ مرتد کا ذبیحہ ہوگا درمختار میں ہے کسی حاکم یا کسی بڑے کی آمد پر (حسن خلق یا شرعی ضیافت کی نیت سے نہیں بلکہ اس کی رضامندی اور اس کی تعظیم کے طور پر) جانور ذبح کیا جائے تو وہ حرام ہوگا، اس لئے وہ "**ما اهل لغیر اللّٰہ به**" میں داخل ہے اگرچہ بوقت ذبح اس پر اللہ ہی کا نام لیا گیا ہو، اور علامہ شامی نے اس کی تائید کی ہے (**کتاب الذبائح**)، البتہ بعض فقہاء اس دوسری صورت کو "**وما اُهِلَّ لغیر اللّٰہ به**" کا مدلول نہیں مانتے اور اشتراک علت (**تقرب بغیر اللّٰہ**) کی وجہ سے اسے حرام سمجھتے ہیں گویا حرمت میں کوئی اختلاف نہیں صرف استدلال کے طریقہ میں اختلاف ہے باقی تفصیل سورۂ مائدہ میں "**وَمَا ذبح علی النصب**" کے تحت ملاحظہ فرمائیں۔

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً اماما قدوة جامعا لخصال الخير **قَانِتًا** مطيعا **لِّلّٰهِ حَنِيْفًا** مائلا الى الدين القيم **وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٠﴾ شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ ۭ اِجْتَبٰىهُ** اصطفاه **وَهَدٰىهُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿١٢١﴾ وَاٰتَيْنٰهُ** فيه التفاتٌ عن الغَيْبةِ **فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ** هي الثَّناءُ الحسنُ في كلِّ اهلِ الاديان **وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿١٢٢﴾** الذين لهم الدرجاتُ العُلى **ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ** يا محمدُ **اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ** دينَ **اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٣﴾** كُرِّرَ ردًا على زعمِ اليهودِ والنَّصارى اَنَّهم على دينهِ **اِنَّمَا جُعِلَ السَّبْتُ** فُرِضَ تعظيمُهُ **عَلَى الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۭ** على نبيّهم وهم اليهودُ اُمِرُوْا اَنْ يتفرَّغوا للعبادةِ يومَ الجمعةِ فقالُوْا لانُرِيْدُه واختار واالسبتَ فشدّ عليهم

فيه وَاِنَّ رَبَّكَ لَيَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ﴿۱۲۴﴾ مِن امرِه بِاَنْ يُثِيبَ الطائعَ ويعذِّبَ العاصيَ بانتهاكِ حرمَتِهِ اُدْعُ الناسَ يا محمد اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ دينِهِ بِالْحِكْمَةِ بالقرانِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ مواعظه اوالقول الرفيقِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ اى بالمجادلةِ التِيْ هِيَ اَحْسَنُ كالدعاءِ الى اللهِ باياتِه والدعاءِ الى حُجَجِه اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ اى عالِمٌ بِمَنْ ضَلَّ عَنْ سَبِيْلِهٖ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ﴿۱۲۵﴾ فيُجازيهم وهٰذا قبلَ الامرِ بالقتالِ ونزل لَمَّا قُتِلَ حمزةُ ومُثِّلَ به فقالَ صلى الله عليه وسلم وقدراٰهُ لامثلن بسبعين منهم مكانك وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ وَلَئِنْ صَبَرْتُمْ عن الانتقامِ لَهُوَ اى الصبرُ خَيْرٌ لِّلصّٰبِرِيْنَ﴿۱۲۶﴾ فكفّ صلى الله عليه وسلم وكَفَّرَ عن يمينِه رواه البزارُ وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ اِلَّا بِاللّٰهِ بتوفيقِه وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ اى الكفّارِ اِنْ لَمْ يُؤْمِنُوْا لحرصِكَ على ايمانِهم وَلَا تَكُ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ﴿۱۲۷﴾ اى لاتهتمَّ بمكرِهِمْ فَاِنّ نَاصِرُكَ عليهم اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا الكُفرَ والمعاصِيَ وَّالَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ﴿۱۲۸﴾ بالطاعةِ والصبرِ بالعوْنِ والنصرِ.

ترجمہ: بے شک ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام امام، پیشوا تھے کہ جو تمام اچھی خصلتوں کے جامع تھے اللہ کے فرمانبردار دین قیم کی طرف رخ کرنے والے تھے وہ مشرکوں میں سے نہ تھے اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر گذار تھے اللہ نے ان کو برگزیدہ بنایا تھا اور انھیں راہ راست سمجھادی تھی، اور ہم نے ان کو دنیا میں بھی بہتری دی تھی اور ہر مذہب (ملت) کے لوگوں میں ان کا ذکر جمیل ہے، اس میں غیبت سے (تکلم) کی جانب التفات ہے اور وہ آخرت میں بھی نیکوکاروں میں ہوں گے ایسے لوگوں میں کہ ان کے لئے بلند درجات ہوں گے پھر اے محمد ﷺ ہم نے آپ کی طرف وحی بھیجی کہ آپ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کریں اور ابراہیم مشرکوں میں سے نہ تھے اس آیت کو یہود و نصاریٰ کے اس دعوے کو رد کرنے کے لئے مکرر لایا گیا ہے کہ وہ ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ملت پر ہیں ہفتہ کے دن کی عظمت ان ہی لوگوں پر فرض کی گئی تھی جنہوں نے اپنے نبی سے اختلاف کیا تھا اور وہ یہود ہیں، ان کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ عبادت کے لئے جمعہ کے دن فارغ رہیں تو انہوں نے کہا ہم اس کا ارادہ نہیں رکھتے (یعنی ہم اس کو پسند نہیں کرتے) اور انہوں نے ہفتہ کے دن کو پسند کر لیا، تو اللہ نے ہفتہ کے دن میں سختی فرمائی، اور یقیناً آپ کا رب جس چیز میں یہ لوگ اختلاف کر رہے ہیں قیامت کے روز اس کے بارے میں فیصلہ کر دے گا اس طریقہ پر کہ فرمانبردار کو ثواب دے گا، اور یوم السبت کی بے حرمتی کر کے نافرمانی کرنے والوں کو عذاب دیگا اے محمد ﷺ آپ لوگوں کو اپنے رب کے دین کی طرف حکمت (یعنی) قرآن کے ذریعہ اور اچھی نصیحتوں کے ذریعہ دعوت دیجئے یا نرم گفتاری کے ساتھ دعوت دیجئے، اور ان سے بہتر طریقہ سے بحث کیجئے مثلاً اللہ کی آیات کے ذریعہ اللہ کی

طرف بلانا اور اس کے دلائل کی طرف دعوت دینا، یقیناً آپ کا رب ان لوگوں کو خوب جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں، اور وہ ہدایت یافتہ لوگوں سے بھی بخوبی واقف ہے لہٰذا وہ ان کو سزا دے گا، اور یہ حکم جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے اور (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی جب حضرت حمزہ قتل کر دیئے گئے اور ان کو مسخ کر دیا گیا، تو آپ ﷺ نے جب ان کو دیکھا تو فرمایا کہ میں ان کے بدلے میں ان کے ستر آدمیوں کو ضرور مثلہ (مسخ) کروں گا، اور اگر تم بدلہ لو تو اتنا ہی جتنا تمہیں صدمہ پہنچا ہے اور اگر تم انتقام سے صبر کرو تو یہ صبر، صبر کرنے والوں کے لئے بہتر ہے چنانچہ آپ ﷺ اپنے ارادہ سے رک گئے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دیا (رواہ البزار) آپ صبر کریں اور آپ کا صبر کرنا بھی اللہ ہی کی توفیق سے ہے اور آپ کے ان کے ایمان کے بارے میں شدید حریص ہونیکی وجہ سے اگر وہ ایمان نہ لائیں تو آپ غم زدہ نہ ہوں اور ان کے مکر سے آپ تنگدل نہ ہوں یعنی ان کے مکر سے رنجیدہ نہ ہوں اسلئے کہ ہم یقیناً ان کے مقابلہ میں آپ کے مددگار ہیں بے شک اللہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو کفر و معاصی سے بچتے ہیں اور مدد و نصرت کے ذریعہ ان لوگوں کے ساتھ ہے جو طاعت و صبر کے ذریعہ نیکوکار ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اُمَّة، لفظِ اُمَّة کے بارے میں مفسرین سے متعدد اقوال منقول ہیں، اس آیت میں حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر اُمَّة کا اطلاق کیا گیا ہے، یا تو اس لئے کہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام تنہا صفات کمالیہ کے جامع ہونے کے اعتبار سے ایک امت کے قائم مقام تھے جیسا کہ کسی شاعر نے کہا ہے۔

لیس من اللّٰه بمستنکر ان یجمعَ العالمَ فی واحد

دوسری وجہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو امت کہنے کی یہ ہوسکتی ہے کہ آپ اپنے زمانہ میں تنہا مومن تھے باقی سب کفار تھے اسی وجہ سے آپ کو امت کہا گیا ہے، تیسری وجہ یہ ہے کہ امّة بمعنی ماموم یعنی مقتداء و امام جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنِّی جاعلك للناس اماما" مذکورہ تینوں توجیہوں کی روشنی میں یہ اعتراض ختم ہوگیا کہ امّة کا اطلاق حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام پر درست نہیں ہے اسلئے کہ حضرت ابراہیم واحد تھے اور امة کا اطلاق جمع پر ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: اجتباہ، ای للنبوة.

قَوْلُہٗ: فُرِضَ، اس میں اشارہ ہے کہ جُعِلَ بمعنی فُرِضَ ہے۔

قَوْلُہٗ: تعظیمه، اس میں حذف مضاف کی طرف اشارہ ہے، اسلئے کہ فرض کا تعلق فعل سے ہوتا ہے نہ کہ اشیاء اور ازمان سے

اور سبت زمان ہے۔

قَوْلُہٗ: القول الرفیق ، رفیق ، رِفق سے ماخوذ ہے اس کے معنی نرمی اور سہولت کے ہیں مطلب یہ ہے کہ دین کی دعوت نرم گفتاری، شیریں بیانی سے دیجئے۔

تفسیر وتشریح

ربط آیات:

سابقہ آیات میں اصول شرک وکفر یعنی انکار توحید ورسالت پر رد اور حلت وحرمت کے بعض فروعی احکام کا ذکر تھا، مشرکین مکہ قرآن مجید کے اولین مخاطب تھے اپنے کفر وبت پرستی کے باوجود دعویٰ یہ کرتے تھے کہ ہم ملتِ ابراہیمی کے پابند ہیں اور ہم جو کچھ کرتے ہیں یہ سب ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات ہیں، اس لئے ان مذکورہ چار آیتوں میں ان کے اس دعوے کی تردید کی گئی ہے۔

اِنَّ ابراهیم کان اُمَّۃً، یعنی وہ اکیلا انسان بجائے خود اپنی ذات میں ایک امت تھا، جب دنیا میں کوئی مسلمان نہ تھا تو ایک طرف وہ اکیلا اسلام کا علمبردار تھا اور دوسری طرف ساری دنیا کفر کی علمبردار تھی اس اکیلے بندۂ خدا نے وہ کام کیا جو ایک امت کے کرنے کا تھا وہ ایک شخص نہ تھا بلکہ پوری ایک امت تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے مقتداء ہونے کا تو یہ عالم ہے کہ پوری دنیا کے تمام مشہور مذاہب کے لوگ سب آپ پر اعتماد کرتے ہیں اور آپ کی اتباع کو عزت اور فخر جانتے ہیں، یہود "نصاریٰ" مسلمان تو ان کی تعظیم کرتے ہی ہیں مشرکین عرب بت پرستی کے باوجود اس بت شکن کے معتقد اور ان کی ملت پر چلنے کو فخر سمجھتے تھے، اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قانت ومطیع ہونے کا خاص امتیاز ان امتحانات سے واضح ہو جاتا ہے جن سے اللہ کے یہ خلیل گذرے ہیں، آتش نمرود، اہل وعیال کو لق ودق میدان میں چھوڑ کر چلے آنے کا حکم، پھر بڑی آرزوؤں، اور تمناؤں اور دعاؤں سے ہونے والے بیٹے کی قربانی پر آمادگی یہ سب وہ امتیازات ہیں جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کو ان القاب سے معزز فرمایا۔

غرضیکہ جتنی خوبیاں ہو سکتی ہیں وہ سب حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات میں جمع ہو گئی تھیں، صاحب مال، صاحب اولاد، پاکیزہ رو، پسندیدہ خو، حوصلہ مند، فیاض، مہمان نواز، صابر وشاکر سب ہی کچھ آپ تھے۔

اِنما جعل السبتُ علی الّذین اختلفوا فیه، اس اختلاف کی نوعیت کیا ہے، اس میں چند اقوال ہیں، بعض کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے لئے جمعہ کا دن عبادت کے لئے فارغ رکھنے کے لئے فرمایا تھا لیکن بنی اسرائیل نے ان سے اختلاف کیا اور ہفتہ کا دن اپنے اس اجتہاد سے کہ ہفتہ کے دن اللہ نے بھی چھٹی رکھی تھی اس لئے ہمیں بھی یہی

دن رکھنا چاہئے، حق تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا اے موسیٰ انہوں نے جو دن پسند کیا ہے وہی دن رہنے دو اللہ تعالیٰ نے ہفتہ کے دن میں مچھلی کا شکار کرنے سے ممانعت فرما کر ان کی آزمائش فرمائی اور مچھلیاں دیگر دنوں کی بہ نسبت ہفتہ کے دن زیادہ نمودار ہوتی تھیں، اور نصاریٰ نے یہود کی ضد میں اتوار کا دن عبادت کے لئے فارغ کیا اور دلیل یہ دی کہ کائنات کی تخلیق کی ابتداء چونکہ اللہ تعالیٰ نے اتوار سے فرمائی تھی اسلئے ہمیں اس روز چھٹی رکھنی چاہئے اور مسلمانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جمعہ کا دن مقرر کر دیا۔

اُدع الی سبیل ربك بالحکمة والموعظة (الآیة) اس آیت میں تبلیغ ودعوت کے اصول بیان کئے گئے ہیں جو حکمت، موعظۂ حسنہ اور رفق وملائمت پر مبنی ہیں، جدال بالاحسن، درشتی وتلخی سے بچتے ہوئے نرم ومشفقانہ سب ولہجہ اختیار کرنا ہے، یعنی آپ کا کام مذکورہ اصولوں کے مطابق وعظ وتبلیغ ہے، ہدایت کے راستہ پر چلا دینا یہ صرف اللہ کے اختیار میں ہے اور وہ جانتا ہے کہ ہدایت قبول کرنے والا کون ہے اور کون نہیں؟

وَاِنْ عَاقبتم فعاقبوا بمثل ما عوقبتم، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ بدلہ لینے کی اجازت ہے بشرطیکہ تجاوز نہ ہو ورنہ یہ خود ظالم ہو جائیگا، تاہم معاف کر دینے اور صبر اختیار کرنے کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے۔



سُوْرَةُ الْاِسْرَآءِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّاِحْدٰى عَشْرَةَ اٰيَةً وَّاثْنَا عَشَرَ رُكُوْعًا

سُوْرَةُ الْاِسْرَآءِ مكية اِلَّا وَاِنْ كَادُوْا ليفتنونكَ الْآيات الثمان، مائة وَعشرُ آيات اَوْ اِحدىٰ عَشْرَةَ آية.

سورۂ اسراء مکی ہے سوائے وَاِنْ کادوا لیفتنونکَ آٹھ آیتوں کے، ۱۱۰ یا ۱۱۱ آیتیں ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سُبْحٰنَ تنزيه الَّذِيْٓ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ محمدٍ لَيْلًا نصبٌ
على الظرف والاسراءُ سيرُ الليل وفائدةُ ذكره الاشارةُ بتنكيره الى تقليل مدته مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ
اى مكة اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا بيت المقدس لبُعده منهُ الَّذِيْ بٰرَكْنَا حَوْلَهٗ بالثمار والانهار لِنُرِيَهٗ مِنْ اٰيٰتِنَا
عجائب قدرتنا اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ اى العالمُ باقوال النبيّ صلى الله عليه وسلم وافعاله فانعم عليه
بالاسراء المشتمل على اجتماعه بالانبياء وعُروجه الى السماء ورؤيته عجائب الملكوت ومُناجاته
تعالى فانّهٗ صلى الله عليه وسلم قال اتيتُ بالبراق وهو دابّةٌ ابيضُ فوق الحمار ودون البغل يضعُ حافرهٗ
عند منتهى طرفه فركبتُهٗ فساربىْ حتى اتيتُ بيت المقدس فربطت الدابة بالحلقةِ التى يربطُ فيها
الانبياء ثم دخلتُ فصليتُ فيه ركعتين ثم خرجتُ فجاءنى جبرئيلُ عليه السلامُ باناء من خمرٍ واناء
من لبن فاخترتُ اللبن قال جبرئيلُ اصبت الفطرَةَ قال ثم عرج بى الى السماء الدُّنيا فاستفتحَ جبريلُ
قيل لهٗ من انت فقال جبريلُ قيل ومَنْ معك قال محمّدٌ قيل وقد أُرسل اليه قال قد أُرسل اليهِ ففتح لنا
فاذا أنا بآدمَ فرحّب بى وَدعالى بخير ثم عُرج بنا الى السَّماءِ الثانية فاستفتح جبريلُ فقيْل مَنْ اَنْت فقال
جبريلُ قيل ومَنْ مَعكَ قالَ محمدٌ صلى الله عليه وسلم قيل وقد بُعث اليه قال قد بُعث اليه ففتح لنا
فاذا انا بابنَى الخالَةِ يَحْيى وعيْسى فرحّبابى ودعَوالى بخير ثم عرَج بنا الى السماء الثالثةِ فاستفتح

جبريلُ فقيل مَنْ انت قالَ جبريلُ فقيلَ ومَنْ مَعَكَ قال محمدٌ فقيلَ وَقَدْ أُرسلَ اليه قال قد أُرسل اليه ففتح لنا فإذَا أنَا بيُوسُفَ وإذَا ہوَ قد أُعطِیَ شطرَ الحُسْنِ فرحَّبَ بی ودَعَالی بخير ثم عرَجَ بنا الی السماء الرّابعة فاستفتحَ جبريلُ فقيلَ مَنْ انتَ قالَ جبريلُ فقيلَ ومَنْ مَعَكَ قال محمدٌ فقيلَ وقد بُعث اليه قال قد بُعث اليه ففتحَ لَنا فإذَا أنَا بادْريس عليه السلام فرحَّبَ بی ودَعَالی بخيرٍ ثم عَرَجَ بنا الی السماءِ الخامسةِ فاستفتحَ جبريلُ فقيلَ مَنْ انتَ قالَ جبريلُ فقيلَ ومَنْ مَعَكَ قال محمدٌ فقيلَ وقد بُعث اليه قال قد بُعث اليه ففتح لَنَا فإذَا أنَابِہارُوْنَ فرحَّبَ بی ودَعَالی بخيرٍ ثم عرَجَ بنا الی السَّماءِ السَّادسَةِ فاستفتحَ جبريلُ فقيلَ مَنْ انتَ قالَ جبريلُ فقيلَ ومَنْ مَعَكَ قال محمدٌ فقيلَ وقد بُعثَ اليه قال قد بُعثَ اليه فَفَتحَ لَنَا فإذَا أنابِمُوْسٰی عليه السلام فرحَّبَ بی ودَعَالیْ بخيرٍ ثم عَرَجَ بِنَا إلی السماءِ السابعةِ فاستفتحَ جبريلُ فقيلَ مَنْ انتَ قالَ جبريلُ فقيلَ ومَنْ مَعَكَ قال محمدٌ فقيلَ وقد بُعثَ اليه قال قد بُعثَ اليه فَفَتَحَ لَنَا فإذَا أنَابإبراہيم عليه السلام فاذَا ہو مستندٌ الٰی البيتِ المعْمورِ واذَا ہو يدخلُہ كلَّ يوم سبعُوْنَ الفَ مَلَكٍ ثم لا يعُودُونَ اليه ثم ذہبَ بی الٰی سدرَةِ المنتہی فاذًا ورقہا كآذان الفيلةِ واذا ثمرُہا كالقلالِ فلما غشيہا من امر اللّٰہ ما غشيہا تغيّرتْ فما احد من خلقِ اللّٰہِ يستطيعُ ان يصفَہا من حسنِہا قالَ فاوحی الیَّ ما أوْحی وفرَضَ علیَّ فی كلِّ يوم وليلةٍ خمسينَ صلاة فنزلتُ حتی انتہيتُ الی موسٰی فقالَ ما فَرَضَ ربُّكَ علی امّتِكَ قلتُ خمسينَ صلاةً كلَّ يوم وليلةٍ قال ارجعُ الی ربِّكَ فسئلْہُ التخفيفَ فانَّ امتَكَ لا تُطيقُ ذٰلكَ وانی قد بلوتُ بنی اسرائيل وخبَرْتُہم قالَ فرجعتُ الی ربِّیْ فقلتُ ای رَبِّ خفِّفْ عن امّتِیْ فحطَّ عنّیْ خمسًا فرجعتُ الی موسٰی قالَ ما فعلت قلتُ قد حطَّ عنی خمسًا قال إنَّ امتَكَ لا تُطيقُ ذٰلكَ فارجعْ إلی ربِّكَ فسَلْہ التخفيفَ لامتِكَ قالَ فلَمْ ازَلْ ارجعُ بينَ رَبِّیْ وبينَ مُوسٰی ويحطُّ عنِّیْ خمسًا خمسًا حتی قال يا محمدُ (صلی اللّٰہ عليه وسلم) ہی خمسُ صلوَاتٍ فی كلِّ يوم وليلةٍ بكلِّ صلوٰةٍ عشر فتلكَ خمسونَ صلاة ومن ہمَّ بحسنةٍ فلم يعمَلْہا كُتبتْ لہٗ حسنَةٌ فان عَمِلَہا كُتبتْ له عشرًا ومَنْ ہَمَّ بسيئةٍ ولم يَعملہَا لم تكتَبْ فان عَملہا كتبتْ سيئةً واحدةً فنزلتُ حتّی انتہيْتُ الی مُوسٰی عليه السلام فاخبرْتُہٗ فقَالَ ارْجعُ الی ربِّكَ فاسْألْہُ التخفيفَ لامّتك فإنّ امتك لا تُطيقُ ذٰلكَ فقلتُ قد رجعتُ الی ربِّیْ حتّی استحيَيْتُ، رواہُ الشيخان واللفظ لمسلم وروی الحاكمُ فی المستدرَكِ عن إبْنِ عبّاس رضی اللّٰہ تعالی عنہما قالَ قالَ رسولُ اللّٰہِ صلی اللّٰہ عليه وسلم رأيتُ ربّی عزّوَجلّ قالَ تعالی **وَاٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ** التورٰة **وَجَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** لِ **اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِيْ وَكِيْلًا** ؈ يُفوضُوْن اليه امرہم وَفی قراءةٍ تتخذُوا بالفوقانيّةِ التفاتا فأنْ زائدةٌ والقولُ مضمرٌ يا **ذُرِّيَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ**

فی السفینۃ **اِنَّهٗ كَانَ عَبْدًا شَكُوْرًا** ۝ کثیر الشکر لنا حامدًا فی جمیع احوالہ **وَقَضَيْنَآ** اوحینا **اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ فِي الْكِتٰبِ** التورٰۃ **لَتُفْسِدُنَّ فِي الْاَرْضِ** ارض الشام بالمعاصی **مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا كَبِيْرًا** ۝ تبغون بغیًا عظیمًا **فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ اُوْلٰىهُمَا** اولی مرتی الفساد **بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ** اصحاب قوۃ فی الحرب والبطش **فَجَاسُوْا** ترددوا لطلبکم **خِلٰلَ الدِّيَارِ** وسط دیارکم لیقتلوکم ویسبوکم **وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا** ۝ وقد افسدوا الاولی بقتل زکریا فبعث علیہم جالوت وجنودہ فقتلوہم وسبوا اولادہم وخربوا بیت المقدس **ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ** الدولۃ والغلبۃ **عَلَيْهِمْ** بعد مائۃ سنۃ بقتل جالوت **وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا** ۝ عشیرۃ وقلنا **اِنْ اَحْسَنْتُمْ** بالطاعۃ **اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ** لان ثوابہ لہا **وَاِنْ اَسَاْتُمْ** بالفساد **فَلَهَا** اساءتکم **فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ** المرۃ **الْاٰخِرَةِ** بعثناہم **لِيَسُوْٓءٗا وُجُوْهَكُمْ** یحزنوکم بالقتل والسبی حزنًا یظہر فی وجوہکم **وَلِيَدْخُلُوا الْمَسْجِدَ** بیت المقدس فیخربوہ **كَمَا دَخَلُوْهُ** وخربوہ **اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّلِيُتَبِّرُوْا** یہلکوا **مَا عَلَوْا** غلبوا علیہ **تَتْبِيْرًا** ۝ اہلاکًا وقد افسدوا ثانیًا بقتل یحیی فبعث علیہم بختنصر فقتل منہم الوفًا وسبی ذریتہم وخرب بیت المقدس وقلنا فی الکتاب **عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ** بعد المرۃ الثانیۃ ان تبتم **وَاِنْ عُدْتُّمْ** ای الفساد **عُدْنَا** الی العقوبۃ وقد عادوا بتکذیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم فسلط علیہم بقتل قریظۃ ونفی النضیر وضرب الجزیۃ علیہم **وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا** ۝ محبسًا وسجنًا **اِنَّ هٰذَا الْقُرْاٰنَ يَهْدِيْ لِلَّتِيْ** ای للطریقۃ **هِيَ اَقْوَمُ** اعدل واصوب **وَيُبَشِّرُ الْمُؤْمِنِيْنَ الَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ اَجْرًا كَبِيْرًا** ۝ و یخبر **اَنَّ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ اَعْتَدْنَا** اعددنا **لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا** ۝ مؤلمًا ہو النار۔

ترجمہ: شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے، پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے محمد ﷺ کو لیلاً ظرفیت کی وجہ سے منصوب ہے، اور اسراء رات کے سفر کو کہتے ہیں، اور لیل کو ذکر کرنے کا فائدہ لیل کی تنکیر سے مدت سیر کی قلت کی طرف اشارہ ہے مسجد حرام یعنی مکہ سے مسجد اقصی (یعنی) بیت المقدس تک (بیت المقدس کا نام مسجد اقصی) اس کے مسجد حرام سے دور ہونے کی وجہ سے ہے جس کے اطراف میں ہم نے پھلوں اور نہروں کے ذریعہ برکت رکھی ہے تاکہ ہم محمد ﷺ کو اپنی قدرت کے عجائبات دکھائیں بلاشبہ وہ سننے والا دیکھنے والا ہے یعنی وہ نبی ﷺ کے اقوال وافعال سے واقف ہے، تو اللہ نے آپ پر سفر شب کا انعام فرمایا جو انبیاء کی ملاقات اور آسمان پر آپ کے تشریف لیجانے اور عالم بالا کے عجائبات کو دیکھنے اور آپ کے اللہ تعالیٰ سے ہمکلام ہونے پر مشتمل تھا، خلاصہ یہ کہ آپ ﷺ نے فرمایا میرے پاس ایک سفید جانور لایا گیا جو حمار سے بڑا اور خچر سے چھوٹا تھا، وہ اپنا قدم اپنے منتہائے نظر پر رکھتا تھا، چنانچہ میں اس پر سوار ہوا تو وہ مجھے لے کر

روانہ ہوا، یہاں تک کہ میں بیت المقدس پہنچ گیا اور میں نے اس جانور کو اس حلقہ سے باندھ دیا جس سے انبیاء اپنی سواریوں کو باندھا کرتے تھے، پھر میں بیت المقدس میں داخل ہوا اور میں نے اس میں دو رکعت نماز پڑھی، پھر میں باہر آیا تو جبرائیل میرے پاس دو برتن لے کر آئے ایک میں شراب تھی اور دوسرے میں دودھ، میں نے دودھ پسند کیا، جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا آپ نے فطرت کو اختیار کیا، آپ نے فرمایا پھر مجھے آسمانِ دنیا (قریبی آسمان) کی طرف لے کر روانہ ہوئے تو جبرائیل علیہ السلام نے دستک دی، ان سے معلوم کیا گیا کہ آپ کون ہیں؟ تو جواب دیا میں جبرائیل ہوں (پھر) سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون صاحب ہیں؟ فرمایا محمد ﷺ ہیں پھر معلوم کیا گیا کیا وہ مدعو ہیں؟ جبرائیل علیہ السلام نے جواب دیا ہاں مدعو ہیں اس کے بعد ہمارے لئے دروازہ کھولدیا تو دفعۃً ہماری ملاقات (حضرت) آدم علیہ السلام سے ہوئی تو حضرت آدم نے مجھے مرحبا کہا اور مجھے دعاء خیر دی، پھر (جبرائیل) مجھے دوسرے آسمان کی طرف لے کر چلے چنانچہ جبرائیل علیہ السلام نے دستک دی آپ سے سوال کیا گیا آپ کون ہیں؟ جواب دیا جبرائیل ہوں، سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون صاحب ہیں؟ فرمایا محمد ﷺ ہیں معلوم کیا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ جواب دیا ہاں بلایا گیا ہے، چنانچہ ہمارے لئے دروازہ کھولدیا، تو میں اچانک یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام دو خالہ زاد بھائیوں کے پاس تھا، دونوں نے مجھے مرحبا کہا اور دعاء خیر دی، پھر جبرائیل مجھے تیسرے آسمان کی طرف لے کر روانہ ہوئے تو جبرائیل نے دستک دی سوال کیا گیا آپ کون ہیں؟ جواب دیا جبرائیل ہوں سوال ہوا آپ کے ساتھ کون صاحب ہیں؟ جواب دیا محمد ﷺ ہیں سوال کیا گیا کیا وہ بلائے گئے ہیں؟ جواب دیا ہاں بلائے گئے ہیں تو ہمارے لئے دروازہ کھولدیا گیا تو اچانک ہماری ملاقات یوسف علیہ السلام سے ہوئی (دیکھا تو) معلوم ہوا کہ انھیں (مجموعی حسن کا) نصف حصہ دیا گیا ہے، تو انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور مجھے دعاء خیر دی پھر (جبرائیل) مجھے چوتھے آسمان کی طرف لے کر چلے تو جبرائیل علیہ السلام نے دستک دی سوال کیا گیا کہ آپ کون ہیں؟ جواب دیا جبرائیل ہوں سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون ہیں؟ کہا میرے ساتھ محمد ﷺ ہیں معلوم کیا وہ مدعو ہیں؟ جواب دیا (جی ہاں) مدعو ہیں تو ہمارے لئے دروازہ کھولدیا تو اچانک ہماری ملاقات ادریس علیہ السلام سے ہوگئی تو انہوں نے مجھے مرحبا کہا اور دعاء خیر دی، اس کے بعد ہم کو پانچویں آسمان کی طرف لے کر چلے تو جبرائیل نے دستک دی، سوال کیا گیا آپ کون ہیں؟ جواب دیا جبرائیل ہوں پھر سوال کیا گیا تمہارے ساتھ کون ہیں؟ کہا محمد ﷺ ہیں پوچھا گیا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ جواب دیا ہاں بلایا گیا ہے تو ہمارے لئے دروازہ کھولدیا تو اچانک ہماری ملاقات ہارون علیہ السلام سے ہوگئی تو انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور دعاء خیر دی پھر ہم کو چھٹے آسمان کی طرف لے کر چلے (وہاں پہنچ کر) جبرائیل نے دستک دی، سوال کیا گیا تم کون ہو؟ جواب دیا میں جبرائیل ہوں پوچھا گیا تمہارے ساتھ کون ہے؟ کہا محمد ﷺ ہیں سوال کیا گیا ان کو بلایا گیا ہے؟ جواب دیا ہاں بلایا گیا ہے تو ہمارے لئے (دروازہ) کھول دیا، تو اچانک ہماری ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تو انہوں نے مجھے خوش آمدید کہا اور مجھے دعاء خیر دی، پھر ہم کو ساتویں آسمان کی طرف لے کر چلے (دروازہ پر) جبرائیل نے دستک دی سوال ہوا آپ کون ہیں؟ جواب دیا میں جبرائیل ہوں، سوال کیا گیا آپ کے ساتھ کون

ہیں؟ کہا محمد ﷺ ہیں سوال ہوا کیا ان کو بلایا گیا ہے؟ جواب دیا (ہاں) بلایا گیا ہے تو ہمارے لئے دروازہ کھولا، تو اچانک (حضرت) ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو وہ بیت معمور سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے، اور اس میں روزانہ ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں اس کے بعد دوبارہ ان کا نمبر نہیں آتا، پھر مجھے سدرۃ المنتہی کے پاس لے گئے (تو دیکھا) کہ اس کے پتے ہاتھی کے کانوں کے برابر ہیں اور اس کے پھل ٹھلیوں کے برابر ہیں، جب اس درخت کو اللہ کے حکم سے ڈھانپ لیا جس چیز (نور) نے ڈھانپ لیا تو اس درخت کی حالت ایسی بدل گئی کہ اللہ کی کوئی مخلوق اس کے حسن کی تعریف نہیں کرسکتی، نبی علیہ السلام نے فرمایا اس کے بعد اللہ نے میری جانب جو چاہی وحی بھیجی اور میرے اوپر پچاس وقت کی نماز فرض فرمائی، چنانچہ جب میں نیچے اترا اور موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو موسیٰ علیہ السلام نے مجھ سے دریافت فرمایا آپ کے رب نے آپ کی امت پر کیا فرض فرمایا؟ میں نے کہا یومیہ پچاس نمازیں موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا واپس جاؤ اور اللہ سے تخفیف کا سوال کرو اسلئے کہ آپ کی امت اس کی متحمل نہ ہوگی اور میں بنی اسرائیل کو خوب جانچ پرکھ چکا ہوں، نبی علیہ السلام نے فرمایا، کہ میں اپنے پروردگار کے پاس واپس گیا تو عرض کیا اے میرے پروردگار میری امت کے لئے تخفیف فرمادے تو مجھ سے پانچ نمازیں کم کردیں اس کے بعد پھر میں موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا تو انہوں نے دریافت فرمایا آپ نے کیا کیا؟ میں نے عرض کیا کہ مجھ سے پانچ نمازیں کم کردی گئیں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا آپ کی امت اس کی بھی متحمل نہ ہوگی اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کرو، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں اپنے رب اور موسیٰ علیہ السلام کے درمیان مسلسل چکر لگا تا رہا اور اللہ تعالیٰ مجھ سے ہر بار پانچ پانچ نمازیں کم کرتے رہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے محمد ﷺ رات اور دن میں یہ پانچ نمازیں ہیں اور ہر نماز کے عوض دس نمازوں (کا ثواب) ہے اس طرح یہ کل پچاس نمازیں ہوئیں اور جس شخص نے کسی نیکی کا ارادہ کیا اور ہنوز عمل نہیں کیا تو میں اس کے لئے ایک نیکی لکھ دیتا ہوں اور اگر اس نے عمل کرلیا تو میں اس کے لئے دس نیکیاں لکھ دیتا ہوں اور جو شخص کسی بدی کا ارادہ کرتا ہے اور ہنوز اس کو عملی جامہ نہیں پہناتا تو میں اس کو نہیں لکھتا، اور اگر وہ اسے کرلیتا ہے تو میں ایک بدی لکھتا ہوں، اس کے بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچا اور میں نے ان کو صورت حال کی اطلاع دی تو (پھر) موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اپنے رب کے پاس جاؤ اور اپنی امت کے لئے تخفیف کا سوال کرو، اسلئے کہ آپ کی امت اس کی (بھی) متحمل نہ ہوگی، تو آپ نے فرمایا میں بار بار اپنے رب کے حضور حاضر ہوا یہاں تک کہ مجھے شرم آنے لگی، (رواہ الشیخان، اور الفاظ مسلم کے ہیں) اور حاکم نے مستدرک میں ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے میں نے اپنے رب عز و جل کو دیکھا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب تورات عطا کی اور ہم نے اسے بنی اسرائیل کے لئے رہنما بنایا کہ میرے سوا کسی کو اپنا کارساز نہ بنانا کہ اس کو اپنے معاملات سونپ دو، اور ایک قراءت میں (تتخذوا) بطور التفات تاء فوقانیہ کے ساتھ ہے، أن زائدہ اور (لفظ) قول مضمر ہے اے ان لوگوں کی اولاد کہ جن کو ہم نے نوح علیہ السلام کے ساتھ کشتی میں

سوار کیا تھا وہ ہمارا بڑا شکر گذار بندہ تھا یعنی ہمارا بہت زیادہ شکر کرنے والا، اور ہر حال میں تعریف کرنے والا، اور ہم نے بنی اسرائیل سے وحی کے ذریعہ تورات میں صاف کہہ دیا تھا کہ تم ملک شام میں معاصی کے ذریعہ دو مرتبہ فساد برپا کرو گے اور تم بڑی زبردست زیادتیاں کرو گے یعنی بڑا ظلم کرو گے، اور جب ان دونوں موقعوں میں سے یعنی فساد کے دو موقعوں میں سے پہلا موقع آیا تو ہم نے تمہاری سرکوبی کے لئے اپنے ایسے بندے بھیج دیئے جو بڑی شدید قوت والے تھے (یعنی) حرب واخذ میں بڑے زورآور تھے تو وہ تمہاری تلاش میں (تمہارے) گھروں میں گھس گئے تاکہ وہ تم کو قتل وقید کریں، اور (اللہ کا یہ) وعدہ تو پورا ہونا ہی تھا، اور ان لوگوں نے پہلا فساد (حضرت) زکریا علیہ السلام کو قتل کرکے برپا کیا تو اللہ نے ان کے اوپر جالوت اور اس کے لشکر کو بھیج دیا (جس نے) ان کو قتل کیا اور ان کی اولاد کو قیدی بنالیا اور بیت المقدس کو ویران کردیا، پھر ہم نے تمہارا جالوت کے قتل کے سو سال بعد ان پر دبدبہ اور غلبہ لوٹا دیا، یعنی (تمہارے دن پھیر دیئے) اور مال واولاد سے تمہاری مدد کی اور ہم نے تم کو بڑے جتھے والا بنا دیا اور ہم نے کہا اگر تم نے طاعت کے ذریعہ اچھے کام کئے تو اپنے فائدہ کے لئے اس لئے کہ ان کا اجر تم ہی کو ملے گا، اور اگر فساد کے ذریعہ تم نے برے اعمال کئے تو انکی سزا بھی تمہارے لئے ہوگی، اور جب (فساد کا) دوسرا موقع آیا تو (پھر) ہم نے ان کو بھیج دیا تاکہ وہ تمہارے چہرے بگاڑ دیں، یعنی وہ تم کو قتل وقید کے ذریعہ اتارنج دیں کہ جس کا اثر تمہارے چہروں پر ظاہر ہوجائے اور تاکہ وہ مسجد یعنی بیت المقدس میں داخل ہوجائیں اور اس کو ویران کردیں، یا جس طرح وہ پہلی مرتبہ داخل ہوئے تھے اور بیت المقدس کو ویران کردیا تھا، اور تاکہ وہ پوری طرح تہس نہس کردیں جس پر انہوں نے غلبہ حاصل کیا ہے اور انہوں نے (حضرت) یحییٰ علیہ السلام کو قتل کرکے دوسری مرتبہ فساد برپا کیا تو اللہ نے ان پر بخت نصر کو بھیج دیا تو اس نے ان میں سے ہزاروں کو قتل کردیا اور ان کی اولاد کو قید کرلیا اور بیت المقدس کو ویران کردیا، اور ہم نے کتاب (تورات) میں کہا دوسری مرتبہ کے بعد (بھی) اگر تم نے توبہ کرلی تو امید ہے کہ تمہارا رب تم پر رحم کرے گا اور اگر تم نے پھر فساد برپا کیا تو ہم پھر سزا دیں گے چنانچہ محمد ﷺ کی تکذیب کرکے پھر فساد برپا کیا تو اللہ نے ان پر قریظہ کو قتل کرکے اور بنونضیر کو جلاوطن کرکے اور ان پر جزیہ عائد کرکے محمد ﷺ کو ان پر مسلط کردیا، اور جہنم کو ہم نے کافروں کے لئے قیدخانہ بنا دیا بلاشبہ یہ قرآن راہ راست یعنی درمیانی اور ٹھیک راستہ کی طرف رہنمائی کرتا ہے اور نیک عمل کرنے والے مومنوں کو اس بات کی خوشخبری دیتا ہے کہ ان کے لئے بڑا اجر ہے اور جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے انھیں اس بات کی خبر دیتا ہے کہ ہم نے ان کے لئے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے اور وہ آگ ہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: سُبْحَانَ، یہ فعل محذوف کا مصدر ہے ای سَبَّحتُ اللّٰہَ سُبحانًا.

قولہ: لیلاً نصبٌ علی الظرفیة، یعنی لَیْلاً، اسری کا ظرفِ زمان ہے نہ کہ مفعول اسلئے کہ اسراء اور سَرا دونوں

لازم ہیں۔

سَوَال: اسریٰ، سیر فی اللیل کو کہتے ہیں پھر لیلاً کو ذکر کرنے کی کیا ضرورت ہے؟

جَوَاب: یہ ہے کہ سیر فی اللیل اگرچہ اسریٰ میں داخل ہے مگر لیلاً کو نکرہ ذکر کرکے قلیل مدت کی طرف اشارہ ہے اور لیلاً کی تنوین یہاں قلت کے لئے ہے۔

قَوْلُهُ: لِبُعدِهٖ منه، یہ مسجد اقصیٰ کی وجہ تسمیہ کی طرف اشارہ ہے اسلئے کہ مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے درمیان ایک ماہ کی مسافت ہے یا اس لئے کہ اس وقت مسجد حرام اور مسجد اقصیٰ کے درمیان کوئی مسجد نہیں تھی اسی وجہ سے اس کا مسجد اقصیٰ نام رکھا گیا۔

قَوْلُهُ: کالقلال، قِلال، قُلَّة کی جمع ہے بمعنی مٹکا، ٹھلیا۔

قَوْلُهُ: لاتتخذوا، أن مصدریہ ہے اور لام تعلیل مقدر ہے جسے شارح رَحِمَکَاللّٰهُ تَعَالیٰ نے ظاہر کردیا ہے لاتتخذوا حذف نون کے ساتھ منصوب ہے اور لا نافیہ ہے اور یہ ترکیب یاء تحتانیہ کی صورت میں ہے اور تاء فوقانیہ کی صورت میں حذف نون کے ساتھ مجزوم ہوگا اور لا، ناہیہ ہوگا اور أن زائدہ ہوگا۔

قَوْلُهُ: القول مضمر، ای مقولاً لهم لا تتخذوا، اور بعض حضرات نے کہا ہے کہ أن کا مفسرہ ہونا راجح ہے اسلئے کہ آتَیْنَا، قلنا کے معنی میں ہے جو کہ أن مفسرہ کے لئے شرط ہے۔

قَوْلُهُ: نفیرًا یہ نَفَرٌ کی جمع ہے، بمعنی خاندان، جمعیة.

قَوْلُهُ: وَاِنْ اَسَأتُمْ فَلَهَا.

سَوَال: نقصان کے لئے صلہ میں علی استعمال ہوتا ہے حالانکہ یہاں لام استعمال ہوا ہے جو کہ نفع کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

جَوَاب: یہ ازدواج یعنی مقابلہ کے طور پر علی کی جگہ لام استعمال ہوا ہے۔

تَفْسِیْر وَتَشْرِیْح

واقعۂ اسراء ومعراج کی تاریخ:

واقعہ معراج کی تاریخ میں روایات بہت مختلف ہیں بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ ہجرت مدینہ سے چھ ماہ قبل پیش آیا بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج آپ کی بعثت کے سات سال بعد پیش آیا اسلئے کہ حضرت خدیجہ کی وفات نماز کی فرضیت سے قبل ہوئی ہے اور حضرت خدیجہ کی وفات بعثت کے ساتویں سال ہے تمام روایات سے یہ تو بالاتفاق معلوم ہوتا ہے کہ واقعہ معراج ہجرت سے پہلے پیش آیا حربی کہتے ہیں کہ واقعہ اسراء ومعراج ربیع الثانی کی ستائیسویں شب میں ہجرت سے پہلے پیش آیا ہے اور عام طور پر مشہور یہ ہے کہ ماہ رجب کی ستائیسویں شب میں پیش آیا۔

واقعۂ معراج:

یہ سورۂ بنی اسرائیل شروع ہوئی اور یہیں سے پندرھواں پارہ شروع ہوتا ہے اس کی پہلی آیت میں واقعۂ اسراء کا غیر معمولی انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے، عرف عام میں اسی واقعہ کو معراج کہا جاتا ہے، معراج کا واقعہ آپ حضرات نے کتابوں میں پڑھا ہوگا اور سنا ہوگا، قرآن مجید میں اس کا ذکر بہت اجمال کے ساتھ آیا ہے، ہاں حدیثوں میں واقعہ کی پوری تفصیل بیان کی گئی ہے، اکثر روایات کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے تقریباً ایک سال پہلے مکہ معظمہ میں پیش آیا تھا، معراج کی حقیقت اور نوعیت کو یوں سمجھنا آپ حضرات کے لئے کچھ آسان ہوگا کہ جس طرح اللہ کے حکم سے فرشتے آسمان سے زمین پر آتے ہیں اور یہاں سے آسمانوں پر چلے جاتے ہیں اور ایک لمحہ میں مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق پہنچ سکتے ہیں، اسی طرح ایک رات میں بلکہ رات کے بھی بہت تھوڑے سے حصے میں بس چند لمحات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص قدرت سے رسول اللہ ﷺ کو پہلے مکہ معظمہ سے بیت المقدس تک اور پھر وہاں سے آسمانوں سے بھی اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچایا اور اپنی قدرت کی خاص نشانیوں اور بہت سی غیبی حقیقتوں کا مشاہدہ کرایا اور یہ مشاہدہ کرانا ہی اس سفر معراج کا خاص مقصد تھا، اسی آیت میں فرمایا گیا ہے "لِنُرِیَهٗ مِنْ آیٰتِنَا" یعنی ہم نے یہ سفر اسی لئے کرایا کہ اپنے بندے محمد ﷺ کو اپنے عجائبات قدرت کا مشاہدہ اور نظارہ کرائیں۔

اس سفر کے دو حصے ہیں ایک مکہ مکرمہ کی مسجد حرام سے فلسطین کی مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس تک، اور دوسرا حصہ سفر کا ہے وہاں سے آسمانوں اور ان کے بھی اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک، عرف عام میں اس پورے سفر کو معراج کہا جاتا ہے، اور اہل علم کی خاص اصطلاح میں پہلے حصہ کو "اسراء" اور دوسرے کو معراج سے تعبیر کیا جاتا ہے، یہاں سورۂ بنی اسرائیل کی اس پہلی آیت میں صرف پہلے حصہ کا ذکر ہے یعنی مسجد حرام سے بیت المقدس تک کے آپ کے سفر کا ذکر ہے، اور چونکہ یہ سفر ایسا تھا کہ عام عقلیں اس کو سمجھ نہیں سکتیں اور باور نہیں کر سکتیں کہ رات کے ذرا سے حصہ میں مکہ سے مسجد اقصیٰ تک کا سفر ہو گیا، اس لئے سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی پاک ذات کی بے انتہا قدرت کی طرف اشارہ کر کے یہ صراحت کر دی گئی کہ یہ محیر العقول سفر خود محمد ﷺ کا فعل نہیں تھا بلکہ اس خداوند قدوس کا فعل تھا جس کی قدرت کی کوئی حد و انتہا نہیں ہے اور جو "فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ" ہے، آیت کے سب سے پہلے لفظ "سُبْحَانَ الَّذِیْٓ" سے اسی طرف اشارہ کیا گیا۔

اگر یہ کہا جاتا کہ یہ سفر خود رسول اللہ ﷺ نے کیا جو اپنی ذات سے ایک بشر اور پیغمبر تھے تو شک و شبہ کی گنجائش تھی کہ ایک انسان اور آدم زاد کے لئے بظاہر یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ چند لمحوں میں حرم مکہ سے بیت المقدس تک اور وہاں سے آسمانوں کے بھی اوپر سدرۃ المنتہیٰ تک جائے اور واپس آجائے، لیکن اس آیت میں اس سفر معراج کو رسول اللہ ﷺ کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل بتلایا گیا ہے، ارشاد فرمایا گیا ہے "سُبْحَانَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَی الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ" (یعنی وہ خداوند قدوس ہر نقص اور کمزوری سے پاک ہے جو

اپنے خاص بندے (محمد ﷺ) کو رات کے ایک حصہ میں مکہ کی مسجد حرام سے اس مسجد اقصیٰ (یعنی بیت المقدس) تک لے گیا جس کے آس پاس اور ماحول کو ہم نے اپنی خاص برکتوں سے مالا مال کیا ہے) قرآن مجید نے اس آیت میں اسراء اور معراج کو اللہ تعالیٰ کا فعل بتلا کر منکرین اور مخالفین کے تمام اعتراضات اور شکوک وشبہات کا جواب دے دیا اور ہم مسلمانوں کو بھی اس مشرکانہ گمراہی سے بچا دیا جس میں عیسائی مبتلا ہوئے، انہوں نے عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے معجزات کو اُن کا ذاتی فعل اور اُن کا تصرف سمجھا اور اُن کو خدائی اور خداوندی صفات میں شریک مان لیا، اگر وہ حضرت مسیح کے ان معجزات کو خدا کا فعل اور خداوندی تصرف سمجھتے تو اس شرک میں مبتلا نہ ہوتے۔

ظاہری اور باطنی برکتوں کی سرزمین:

اس آیت میں مسجد اقصیٰ کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ ہم نے اس کے ماحول اور اطراف کو برکتوں سے نوازا ہے، مسجد اقصیٰ یعنی بیت المقدس جس سرزمین اور جس علاقہ میں واقع ہے اُس کی سب سے بڑی برکت اور عظمت تو یہ ہے کہ وہ انبیاء بنی اسرائیل کے تقریباً پورے سلسلہ کا مرکز دعوت وہدایت اور اُن کا قبلہ رہا ہے اور اللہ ہی جانتا ہے کہ کتنے جلیل القدر انبیاء ورسل اس میں مدفون ہیں، اس کے علاوہ یہ علاقہ دنیوی اور مادی برکتوں اور نعمتوں سے مالا مال ہے، بہترین آب وہوا ہے، پھلوں کی پیداوار کے لحاظ سے تو گویا جنت کا ایک خطہ ہے، الغرض بیت المقدس کا یہ علاقہ دینی اور دنیوی، روحانی اور مادی ہر قسم کی برکتوں سے مالا مال ہے، "بَارَکْنَا حَوْلَهٗ" میں غالباً ان ہی سب برکتوں کی طرف اشارہ ہے۔ (واللہ اعلم)۔

مقصدِ سفر:

آگے اس سفر معراج کا مقصد اور اس کی غرض وغایت بیان فرمائی گئی ہے، ارشاد ہے "لِنُرِیَهٗ مِنْ آیٰتِنَا" یعنی ہم نے اپنے اس بندے محمد ﷺ کو یہ سفر اس لئے کرایا کہ اپنی قدرت کی کچھ خاص نشانیاں اس کو دکھلا دیں اور بعض اُن حقائق کا مشاہدہ کرا دیں جو اس دُنیا کے دائرہ سے باہر پردۂ غیب میں ہیں، آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ" یعنی وہ اللہ اپنی ذات سے سمیع وبصیر ہے سارا عالم غیب وشہادت ہر وقت اس کی نگاہ میں ہے، کائنات کا کوئی ذرہ اس سے مخفی نہیں ہے، اور وہ عالم غیب وشہادت کی ہر آواز سنتا ہے اور یہ سننا اور دیکھنا اُس کی ذاتی صفت ہے (اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ) پھر یہ بھی اُس کے اختیار میں ہے کہ اپنے جس بندہ کو اور جس مخلوق کو جو چاہے دکھلا دے اور جو آواز چاہے سنوا دے، اور جس بندے اور مخلوق کو وہ اپنی قدرت سے عالم غیب وشہادت کی کچھ چیزیں دکھلا دے یا سنوا دے تو وہ ہرگز اُس کے برابر اور اُس صفت میں اس کا شریک نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ تو اپنی ذات سے سمیع وبصیر ہے اور یہ اس کی ذاتی اور قدیم ازلی صفت ہے "اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ"۔

یہاں تک سورت کی پہلی آیت کی تشریح ہوئی اور اسراء کا بیان اسی پر ختم ہو گیا، آگے دوسرا مضمون شروع ہے، جس کا خاص تعلق بنی اسرائیل سے ہے۔

کچھ سوالات کچھ بحثیں:

اسراء اور معراج سے متعلق کچھ مشہور سوالات اور اشکالات ہیں اور کچھ بحثیں ہیں جن کے بارے میں کتابوں میں بہت کچھ لکھا گیا ہے، ایک اہم سوال اور بحث تو یہ ہے کہ حضور ﷺ کا اسراء اور معراج کا یہ سفر خواب تھا یا عالم بیداری کا واقعہ؟

اسی طرح کا دوسرا سوال اور دوسری بحث یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ سفر صرف آپ کی روح کو کرایا تھا یا آپ کا یہ سفر جسم عنصری کے ساتھ ہوا تھا، مختصر لفظوں میں یوں کہہ لیجئے کہ معراج روحانی تھی یا جسمانی؟

صحابۂ کرام اور تابعین سے لے کر اس وقت تک امت کی غالب اکثریت بلکہ کہنا چاہئے کہ جمہور ملت اس کے قائل ہیں کہ معراج خواب کی بات نہیں بلکہ عالم بیداری کا واقعہ ہے اور وہ صرف روحانی نہیں بلکہ جسم عنصری کے ساتھ ہوئی، حدیث کی عام روایات سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے اور قرآن مجید کے الفاظ اور خاص انداز بیان سے بھی یہی سمجھا جاتا ہے۔

اس آیت میں اِسراء اور معراج کے اس واقعہ کو ''اَسْریٰ بِعَبْدِہٖ'' کے الفاظ سے بیان کیا گیا ہے خواب یا صرف روحانی سیر کی تعبیران الفاظ سے کسی طرح صحیح نہیں ہو سکتی، اس کے علاوہ مضمون کو ''سُبْحَانَ الَّذِیْ اَسْریٰ'' کے الفاظ سے شروع کیا گیا ہے جس سے صاف معلوم ہوا کہ کسی بہت ہی غیر معمولی قسم کے اور محیر العقول واقعہ کا ذکر کیا جا رہا ہے، حالانکہ ایسے خواب تو ہم آپ بھی دیکھ سکتے ہیں اس میں کوئی حیرت کی بات نہیں، اور جس کو روحانی سیر کہا جاتا ہے وہ بھی خواب سے ملتی جلتی ایک کیفیت ہوتی ہے، الغرض ان دونوں میں سے کوئی بھی ایسی اہم اور غیر معمولی بات نہیں ہے جس کو اللہ تعالیٰ اپنی کتاب پاک میں غیر معمولی انداز میں اور ''سُبْحَانَ الَّذِیْ'' کے شاندار عنوان سے بیان فرمائیں، جس شخص کو عربی زبان اور محاورات سے ذرا سی بھی واقفیت ہو وہ سمجھ سکتا ہے اس انداز اور اس اہتمام سے ایسے ہی واقعہ کو بیان کیا جاتا ہے جو بہت غیر معمولی ہو اور لوگوں کی عقل میں آنا مشکل ہو، الغرض قرآن مجید کے خاص انداز بیان اور الفاظ سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسراء اور معراج حضور کا خواب نہیں تھا، بلکہ عالم بیداری کا واقعہ تھا، اور یہ صرف روحانی سیر اور روحانی مشاہدہ نہیں تھا، ہاں یہ کہنا صحیح ہوگا کہ یہ اس طرح کا سفر بھی نہیں تھا جس طرح کے سفر ہم اس دنیا میں کرتے ہیں۔

ہماری اس دُنیا میں اس کی کوئی مثال نہیں ہے، اس لئے اس کی حقیقت اور نوعیت کو ہم پوری طرح سمجھ نہیں سکتے، جس طرح خود نبوت اور وحی کا معاملہ ہے کہ ہمارا اس پر ایمان تو ہے لیکن ہم اس کی نوعیت اور حقیقت کا ادراک نہیں کر سکتے، میرا خیال ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا اور حضرت معاویہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ وغیرہ بعض صحابہ کے متعلق روایات میں جو یہ مذکور ہے کہ وہ حضرات اسراء اور معراج کو ''خواب'' کا واقعہ کہتے تھے تو میرے خیال میں اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس کو ہماری اس دُنیا کے سفروں جیسا سفر نہیں مانتے تھے بلکہ اس کو دوسرے عالم کا ایک معاملہ سمجھتے تھے اور اس کو ''رؤیا'' سے تعبیر کرتے تھے، یہ بات بالکل

سمجھ میں نہیں آتی کہ وہ اس کو حضور کا صرف ایک خواب سمجھتے ہوں، قرآن پاک نے اس کو جس غیر معمولی انداز میں بیان کیا ہے اُس کو پیش نظر رکھتے ہوئے عربی زبان ومحاورات سے واقفیت رکھنے والا کوئی آدمی بھی اُس کو ''خواب کی بات'' نہیں کہہ سکتا، پھر صحیح روایات میں یہ بھی ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے معراج کا واقعہ لوگوں کے سامنے بیان کیا تو ابوجہل اور دیگر کفار نے اس پر خوب مذاق اڑایا اور اس واقعہ کو معاذ اللہ حضور کے خلاف ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا اور پروپیگنڈہ کیا کہ یہ ایسی بات کا دعوی کر رہے ہیں جو بالکل ناممکن ہے، یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی آدمی ایک رات میں اتنا طویل سفر کر کے واپس آجائے، تو اگر صرف خواب کی بات ہوتی تو اس میں کسی کے لئے بھی تعجب اور اعتراض کا موقع نہ ہوتا، الغرض ابوجہل وغیرہ نے معراج کے بارے میں جو شور وغوغا مچایا اور اس سلسلہ میں حضور کے خلاف جس طرح کا پروپیگنڈہ کیا وہ بھی اس کی واضح دلیل ہے کہ حضور نے معراج کے واقعہ کو خواب کے طور پر یا صرف روحانی سیر کے طور پر بیان نہیں فرمایا تھا بلکہ اللہ تعالی کے ایک غیر معمولی انعام اور معجزہ کے طور پر بیان فرمایا تھا جو اُن کے نزدیک ناممکن اور خلاف عقل تھا اور معجزہ کی شان یہی ہوتی ہے، ان سب باتوں کو سامنے رکھ کر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ کسی صحابی یا تابعی نے اسراء اور معراج کو حضور کے دوسرے خوابوں کی طرح صرف ایک خواب قرار دیا ہو، اس لئے قریب قریب یقین کے ساتھ میرا یہ خیال ہے کہ جن بعض صحابہ یا تابعین سے یہ مروی ہے کہ انہوں نے اسراء اور معراج کو ''رؤیا'' کہا اس سے اُن کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس طرح کا سفر نہیں تھا جس طرح کے سفر ہم اپنی اس دنیا میں مختلف قسم کی سواریوں پر کرتے ہیں بلکہ وہ ایک دوسرے عالم کا معاملہ تھا جس کی کوئی مثال اس دنیا کے ہمارے حالات اور واردات میں نہیں مل سکتی، اسی کو اُن بزرگوں نے ''رؤیا'' کے لفظ سے تعبیر کر دیا ہے۔

مرحوم حضرت علامہ انور شاہ صاحب کی رائے گرامی:

علامہ سید محمد انور شاہ کشمیری قدس سرہ جنہوں نے قدیم آسمانی کتابوں کا بھی گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس مقصد کے لئے عبرانی اور سریانی زبانوں سے بھی واقفیت حاصل کی تھی، فرماتے تھے کہ انبیاء سابقین کے صحیفوں میں انبیاء علیہم السلام کے خاص واردات ومعاملات کو بکثرت ''رؤیــا'' سے تعبیر کیا گیا ہے اور اس سے مراد وہ نہیں ہوتا جس کو ہم لوگ ''خواب'' کہتے ہیں، اور اسی سورۂ بنی اسرائیل میں چند رکوع کے بعد ''رؤیا'' کا جو لفظ آیا ہے ''وَمَا جَعَلْنَا الرُّؤْيَا الَّتِیْ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ الخ'' تو بظاہر اس واقعۂ اسراء اور معراج ہی کو اس آیت میں ''رؤیــا'' کہا گیا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے اس کی تفسیر میں فرمایا ہے ''رؤيـا عين أُريها رسول اللّٰه ﷺ'' میرے نزدیک یہ بالکل وہی بات ہے جو ہمارے استاذ رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے تھے، پس جن صحابہ یا تابعین نے معراج کو ''رؤیا'' کہا ہے اُس کا مطلب یہی سمجھنا چاہئے۔!

اسراء اور معراج کے بارے میں ایک سوال یہ بھی اٹھایا جاتا ہے کہ اب سے تقریباً ڈیڑھ ہزار برس پہلے جبکہ ہوائی جہاز اور راکٹ جیسی تیز رفتار کوئی چیز ایجاد نہیں ہوئی تھی ایک رات بلکہ اس کے بھی تھوڑے سے حصہ میں اتنا طویل سفر کیسے ہوگیا؟ لیکن یہ

اور اس طرح کے سارے اشکالات کا یہ جواب کافی ہے کہ قرآن پاک نے اس کو رسول اللہ ﷺ کا فعل نہیں بلکہ قادر مطلق اللہ تعالیٰ کا فعل بتلایا ہے اور اس کیلئے کچھ بھی مشکل نہیں، اس کے حکم اور اس کی قدرت سے فرشتے ایک آن میں آسمان سے زمین پر اور زمین سے آسمان پر آتے اور جاتے ہیں، بس اسی قادر مطلق نے اپنی قدرت کاملہ سے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کو یہ سفر اس طرح کرایا دوسرے لفظوں میں یہ کہہ لیجئے کہ یہ سفر ایک خاص معجزہ تھا اور معجزہ تو وہی ہوتا ہے جو اس عالم اسباب کے لحاظ سے عام عقلوں کے لئے ناقابل فہم ہو، اور ہر معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے اگرچہ اس کے نبی و رسول کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، اسی لئے اس آیت میں اسراء کو اللہ تعالیٰ کا فعل قرار دیا گیا ہے اور فرمایا گیا، اَسْرىٰ بِعَبْدِهٖ.

معجزہ کے بارے میں ہمارے عقائد کی کتابوں میں بھی بنیادی عقیدہ کے طور پر یہ بات وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے کہ معجزہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو پیغمبر کی تصدیق کے لئے اس کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا ہے، اسی طرح کرامت کے بارے میں عقائد کی کتابوں میں صاف صاف لکھا ہے کہ وہ ولی کا فعل نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ کا فعل ہوتا ہے جو کسی متقی اور صالح بندہ کی عنداللہ مقبولیت ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ پر ظاہر کرتا ہے، اسی لئے معجزہ اور کرامت نبی یا ولی کے اختیار میں نہیں ہوتی کہ جب چاہیں ظاہر کریں اور دکھائیں بلکہ اللہ ہی کے اختیار میں ہوتی ہے، قرآن پاک میں جابجا بیان فرمایا گیا ہے کہ انبیاء عَلَیْهِمُ السَّلَامُ کے منکرین نے ان سے جب معجزہ دکھانے کا مطالبہ کیا تو انہوں نے یہی جواب دیا کہ معجزات ہمارے اختیار کی چیز نہیں ہیں، اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے "اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ" بہرحال معراج کا واقعہ بھی ایک عظیم معجزہ ہی تھا اور جو کچھ ہوا براہ راست اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہوا، اس لئے اس طرح کے سوال اور اشکال کی گنجائش ہی نہیں۔

جن امتوں اور گروہوں نے اس بات کو ذہن میں نہیں رکھا اور معجزوں اور کرامتوں کو خود نبیوں اور ولیوں کا فعل اور تصرف سمجھا وہ شرک میں مبتلا ہو گئے، عیسائیوں میں بھی شرک یہیں سے آیا، افسوس ہے کہ بہت سے مسلمان کہلانے والے بھی اس معاملہ میں گمراہ ہوئے، اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے کہ اس نے ہم کو اور آپ کو اس سے محفوظ رکھا ہے، اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ وَلَكَ الشُّكْرُ.

واقعۂ معراج سے متعلق ایک غیر مسلم کی شہادت:

تفسیر ابن کثیر میں ہے کہ حافظ ابونعیم اصبہانی نے اپنی کتاب دلائل النبوۃ میں محمد بن عمر واقدی کی سند سے بروایت محمد بن کعب قرظی یہ واقعہ نقل کیا ہے، رسول اللہ ﷺ نے شاہ روم قیصر کے پاس اپنا نامۂ مبارک دے کر حضرت دحیہ بن خلیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کو بھیجا، شاہ روم ہرقل نے نامۂ مبارک پڑھنے کے بعد آنحضرت ﷺ کے حالات کی تحقیق کرنے کے لئے عرب کے ان لوگوں کو جمع کیا جو اس وقت ان کے ملک میں بغرض تجارت آئے ہوئے تھے، شاہی حکم کے مطابق ابوسفیان بن حرب اور ان کے رفقاء جو ملک شام میں تجارت کی غرض سے آئے ہوئے تھے وہ حاضر کئے گئے شاہ ہرقل نے ان سے وہ سوالات کئے جن

کی تفصیل بخاری ومسلم میں موجود ہے، ابوسفیان کی دلی خواہش یہ تھی کہ وہ اس موقع پر آپ ﷺ کے متعلق کچھ ایسی باتیں بیان کریں جن سے آپ کی حقارت اور بے توقیری ظاہر ہو، ابوسفیان کا بیان ہے کہ مجھے اس ارادہ سے کوئی چیز اس کے سوا مانع نہیں تھی کہ مبادا میری زبان سے کوئی ایسی بات نکل جائے جس کا جھوٹ ہونا ظاہر ہو جائے اور میں بادشاہ کی نظروں میں گر جاؤں اور میرے ساتھی بھی ہمیشہ مجھے جھوٹا ہونے کا طعنہ دیا کریں، البتہ مجھے اس وقت خیال آیا کہ بادشاہ کے سامنے واقعۂ معراج بیان کروں جس کا جھوٹ ہونا بادشاہ خود سمجھ لے گا تو میں نے کہا میں اس کا ایک واقعہ آپ سے بیان کرتا ہوں جس سے آپ کو خود معلوم ہو جائیگا کہ وہ جھوٹ ہے ہرقل نے پوچھا وہ کیا واقعہ ہے؟ ابوسفیان نے کہا اس مدعی نبوت کا کہنا یہ ہے کہ وہ ایک رات میں مکہ مکرمہ سے نکلے اور آپ کی اس مسجد بیت المقدس میں پہنچے اور اسی رات میں صبح سے پہلے ہمارے پاس مکہ مکرمہ میں پہنچ گئے ایلیا (بیت المقدس) کا سب سے بڑا عالم اس وقت شاہ روم کے پاس موجود تھا، اس نے کہا کہ میں اس رات سے واقف ہوں، شاہ روم اس کی طرف متوجہ ہوا اور معلوم کیا آپ کو اس کا علم کیسے ہوا؟ اس نے عرض کیا کہ میری عادت تھی کہ رات کو اس وقت تک سوتا نہیں تھا کہ جبتک بیت المقدس کے تمام دروازے بند نہ کردوں اس رات میں نے حسب عادت تمام دروازے بند کردیئے، مگر ایک دروازہ مجھ سے بند نہ ہوسکا تو میں نے اپنے عملے کے لوگوں کو بلایا مگر ان سے بھی دروازہ بند نہ ہوسکا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہم کسی پہاڑ کو ہلا رہے ہیں میں نے عاجز ہو کر کاریگروں کو بلایا، انہوں نے دیکھکر کہا اس دروازہ پر عمارت کا وزن پڑ گیا ہے اب صبح سے پہلے اس کے بند ہونے کی کوئی صورت نہیں، ہم صبح کو دیکھیں گے، کہ کیا کیا جائے؟ میں مجبور ہو کر لوٹ آیا اور اس دروازہ کے دونوں کواڑ اسی طرح کھلے رہے، صبح ہوتے ہی میں اس دروازہ پر پہنچا تو میں نے دیکھا کہ مسجد کے دروازہ کے پاس ایک پتھر کی چٹان میں سوراخ کیا ہوا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہاں کوئی جانور باندھا گیا ہے اس وقت میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ آج اس دروازہ کو اللہ نے شاید اسی لئے بند ہونے سے روکا ہے کہ کوئی نبی یہاں آنیوالے تھے۔

بنی اسرائیل کی ایک سرگزشت:

میں نے عرض کیا تھا کہ اسراء اور معراج کے معجزانہ سفر کا ذکر اس سورت کی صرف پہلی ایک آیت میں کیا گیا ہے، آگے دوسری آیت سے دوسرا مضمون شروع ہے جس کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے، اس مضمون کا حاصل اور خلاصہ یہ ہے کہ ہم نے بنی اسرائیل کے لئے کتاب ہدایت (یعنی تورات) نازل کی تھی تو جب تک انہوں نے ہماری اس ہدایت کی پیروی کی اور نیکی اور فرمانبرداری کے راستے پر چلتے رہے وہ دنیا میں بھی عزت اور اقبال کے ساتھ رہے، اور جب انہوں نے اطاعت کے بجائے نافرمانی اور بندگی وسرافگندگی کے بجائے سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو ان پر ان کے بدترین دشمنوں کو مسلط کردیا گیا جنہوں نے ان کو بہت ذلیل وخوار کیا اور بالکل تباہ وبرباد کر ڈالا، اور یہ ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار ہوا اور اس کے باوجود ہوا کہ ہم نے بنی اسرائیل کو اس کے بارے میں اسی کتاب ہدایت میں کھلی آگاہی دی تھی، آخر میں یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ نافرمانی اور سرکشی کی یہ سزا تو ان کو دنیا میں دی گئی، اور آخرت میں نہ ماننے والوں کے لئے جہنم کا عذاب ہے، اللہ کی پناہ۔

ارشاد فرمایا گیا ہے "وَاٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰهُ هُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا" یعنی ہم نے اپنے بندے اور پیغمبر موسیٰ کو کتاب یعنی تورات دی تھی اور اس کو ہم نے بنی اسرائیل کے لئے اپنا ہدایت نامہ قرار دیا تھا اور اس میں خاص ہدایت یہ دی گئی تھی کہ میرے سوا کسی کو کارساز نہ ٹھہراؤ، صرف مجھ کو ہی کارساز اور مختار کل مانو اور میرے ہی ساتھ عبادت و بندگی کا وہ معاملہ کرو جو کسی کارساز ہستی کے ساتھ ہونا چاہئے، اَلَّا تَتَّخِذُوْا مِنْ دُوْنِیْ وَکِیْلًا" کا یہی مطلب ہے۔

آگے فرمایا گیا ہے "ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ اِنَّهٗ کَانَ عَبْدًا شَکُوْرًا" حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا واقعہ سورۂ ہود میں تفصیل سے بیان ہو چکا ہے، نوح علیہ السلام نے سینکڑوں سال تبلیغ کی اور اس کی کوشش کی کہ ان کی قوم کفر و شرک کا راستہ چھوڑ کر ایمان اور عمل صالح والی زندگی اختیار کر لے لیکن قوم کے بہت بڑے حصہ نے آپ کی بات نہیں مانی، بہت تھوڑے لوگوں نے آپ کی دعوت کو قبول کیا اور ایمان اور عمل صالح کا راستہ اختیار کر لیا، آخری نتیجہ یہ ہوا کہ ایک ہلاکت خیز طوفان کی شکل میں خدا کا عذاب آیا اور وہ سب لوگ ہلاک و برباد کر دیئے گئے جنہوں نے نوح علیہ السلام کی ہدایت کے مقابلہ میں انکار اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا تھا، اور جن تھوڑے سے بندوں نے آپ کی ہدایت کو قبول کیا تھا وہ خدا کے حکم سے نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی پر سوار ہو کر اس عذاب سے بچ گئے، انہی میں سے کچھ لوگوں کی نسل سے ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے اور ان کے پوتے حضرت یعقوب علیہ السلام سے بنی اسرائیل کا سلسلہ چلا، تو اس آیت (ذُرِّیَّةَ مَنْ حَمَلْنَا مَعَ نُوْحٍ) میں اس قدیم تاریخی واقعہ کو یاد دلا کر بنی اسرائیل سے فرمایا گیا ہے کہ تم ہمارے ان بندوں کی نسل ہو جن کو ہم نے ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کی وجہ سے اپنے پیغمبر نوح کے ساتھ جو ہمارے بڑے شکر گزار بندے تھے، ان کی کشتی پر اپنے حکم سے سوار کرا کے طوفان کے عذاب سے بچا لیا تھا، تو اگر اپنے ان آباء و اجداد کی طرح تم نے بھی ہماری نازل کی ہوئی ہدایت کی پیروی اور ایمان اور اعمال صالحہ والی زندگی اپنائی تو تم پر بھی ہمارا ایسا ہی فضل و کرم ہوگا، اسی کے ساتھ یہ بھی ارشاد ہوا کہ اگر تم نے نہ ماننے کا اور سرکشی کا وہ رویہ اختیار کیا جو قوم نوح کی اکثریت نے اختیار کیا تھا تو تم بھی خدا کے عذاب اور اس کی مار سے نہ بچ سکو گے، خدا کا قانون بے لاگ ہے، کسی سے اس کی رشتہ داری نہیں ہے۔

آگے کی آیتوں میں انہی بنی اسرائیل کے بارے میں جو بیان فرمایا گیا ہے وہ بڑا ہی سبق آموز بلکہ لرزہ خیز ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس سے سبق لینے کی توفیق دے، جو کچھ بیان کیا جا رہا ہے دراصل ہماری یعنی امت محمدیہ ﷺ کی تنبیہ اور سبق آموزی کے لئے بیان کیا جا رہا ہے، ارشاد ہے:

"وَقَضَیْنَآ اِلٰی بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ فِی الْکِتٰبِ لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا کَبِیْرًا الی قَوْلِهٖ وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا" یعنی ہم نے اس کتاب یعنی تورات میں بنی اسرائیل کو آگاہی دے دی تھی کہ یہ ہونے والا ہے کہ تم اپنی بداعمالیوں اور شیطانی حرکتوں سے علاقہ میں دو دفعہ فساد برپا کرو گے اور خباثت پھیلاؤ گے اور خدا کی بندگی اور فرمانبرداری کا راستہ چھوڑ کر سرکشی کا راستہ اختیار کرو گے، قرآن پاک میں یہاں صراحت کے ساتھ

صرف اتنی ہی آگاہی کا ذکر فرمایا گیا لیکن جو لوگ قرآن مجید کے طرز بیان سے کچھ آشنا ہیں وہ سمجھتے ہیں اور جانتے ہیں کہ اسی میں یہ آگاہی بھی مضمر ہے کہ جب تم فساد و بدعملی اور سرکشی کا راستہ اختیار کرو گے تو ہماری طرف سے تم پر عذاب کا تازیانہ پڑے گا، آگے کی آیتوں میں بنی اسرائیل کے فساد کے ساتھ ان پر خداوندی عذاب کے تازیانوں کے پڑنے کا جس طرح ذکر کیا گیا ہے اس سے بھی یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ فساد اور سرکشی کی آگاہی کے ساتھ خداوندی سزا اور عذاب کی آگاہی بھی دی گئی تھی، اور ''کان وعدًا مفعولًا'' (اور یہ پورا ہو کر رہنے والا وعدہ تھا) کے الفاظ سے تو یہ بات گویا صراحت ہی کے ساتھ معلوم ہو جاتی ہے کہ عذاب کی آگاہی بھی ساتھ ہی ساتھ دی گئی تھی۔

پیشین گوئی نہیں آگاہی:

یہاں ایک بات یہ بھی قابل ذکر اور قابل لحاظ ہے کہ بنی اسرائیل کو دی جانے والی جس آگاہی کا یہاں قرآن پاک میں ذکر کیا گیا ہے وہ صرف ایک ''پیشین گوئی'' نہیں تھی، بلکہ بنی اسرائیل کے لئے ایک اہم تنبیہ اور آگاہی تھی، اس کو بالکل اُسی طرح کی آگاہی سمجھنا چاہئے جس طرح رسول اللہ ﷺ نے صحابۂ کرام اور اُمت کو بہت سے فتنوں کے بارے میں حدیثوں میں آگاہی دی ہے، حدیث کی کتابوں میں ایسی پچاسوں حدیثیں ہیں جن کو محدثین نے اپنی مرتب کی ہوئی کتابوں میں ''کتاب الفتن'' میں درج کیا ہے، تو حضور ﷺ کے ان ارشادات کا مقصد نجومیوں اور کاہنوں کی طرح پیشین گوئی سنانا ہرگز نہیں تھا، بلکہ اُمت کو باخبر کرنا تھا، تاکہ ان حدیثوں کی روشنی میں اپنے کو ان فتنوں میں ملوث ہونے سے بچائیں، الغرض تورات میں بنی اسرائیل کو جو آگاہی دی گئی تھی اور جس کا ذکر اس آیت میں بھی کیا گیا ہے وہ اسی طرح کی تھی۔

پہلی آگہی کا ظہور:

آگے کی آیت میں فرمایا گیا ہے کہ جب بنی اسرائیل میں پہلی دفعہ فساد آیا جس کے بارے میں ان کو آگاہی دی جا چکی تھی اور انہوں نے ہماری ہدایت اور آگاہی کو پس پشت ڈال کر شیطنت اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو ہم نے ایسے دشمنوں کو ان پر مسلط کر دیا جو ''اُولِی بَأسٍ شَدِیْدٍ'' یعنی نہایت خوفناک اور بڑے جلاد تھے، وہ ان بنی اسرائیل کی بستیوں میں اور ان کے گھروں میں گھس گئے اور بالکل تباہ کر ڈالا، فرمایا گیا، فَإِذَا جَآءَ وَعْدُ اُولٰهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَادًا لَّنَآ اُولِيْ بَاْسٍ شَدِيْدٍ فَجَاسُوْا خِلٰلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا''۔

بہت سے مفسرین نے جن کی بنی اسرائیل کی تاریخ پر اچھی نظر ہے، یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس سے بابل کے بادشاہ بُخت نصر کا حملہ مراد ہے جو حضرت مسیح علیہ السلام سے تقریباً چھ سو سال پہلے بنی اسرائیل کی بستیوں پر ہوا تھا، اس نے بنی اسرائیل کو بری طرح تباہ و برباد کیا تھا، ان کی بہت بڑی تعداد قتل ہوئی اور بہت بڑی تعداد میں قیدی بنا کر بابل لے جایا گیا

اوران کی بستیاں بالکل اُجاڑ دی گئیں۔

آگے بیان فرمایا گیا ہے کہ پھر ایک مدت کے بعد اللہ نے ان پر رحم فرمایا ان کی مدد فرمائی اور خدا کی اس مدد نے پانسہ پلٹ دیا، بنی اسرائیل کو غلبہ نصیب ہوا، پھر ان کے مال واولاد میں بھی برکت ہوئی اور ان کا ایک نیا دور شروع ہوا، ارشاد ہے، "ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَاَمْدَدْنٰكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَجَعَلْنٰكُمْ اَكْثَرَ نَفِيْرًا".

یہاں قرآن مجید میں بنی اسرائیل کی توبہ وانابت اور رجوع الی اللہ کا بظاہر کوئی ذکر نہیں فرمایا گیا لیکن تورات میں اور بنی اسرائیل کی تاریخ میں اس کا ذکر ہے اور قرآن مجید کے خاص طرز بیان کے مطابق یہاں اس کو مضمر سمجھنا چاہئے، آیت کا مطلب یہی ہے کہ "بخت نصر" کے لشکر کے ہاتھوں پامال اور تباہ و برباد ہونے کے بعد ان میں انابت پیدا ہوئی، جیسا کہ عام طور سے ہوا کرتی ہے۔

"جب دیا رنج بتوں نے تو خدا یاد آیا"۔

بابل میں جب وہ قیدیوں والی ذلت وخواری کی زندگی گزار رہے تھے، ان میں انابت پیدا ہوئی، انہوں نے نافرمانی کی زندگی سے توبہ کی اور فرمانبرداری والی زندگی کا خدا سے عہد کیا تو اللہ تعالیٰ کا ان پر فضل ہوا اور اس کی خاص مدد سے ان کو دشمنوں پر غلبہ بھی نصیب ہوگیا اور ان کی نسل اور دولت میں بھی خدا تعالیٰ نے خوب اضافہ کیا، اور بنی اسرائیل پھر سے ایک خوش حال اور طاقتور قوم بن گئے۔

آگے فرمایا گیا ہے "اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا" یعنی ہم نے ان بنی اسرائیل کے اس دوسرے دور میں پھر ان کو جتا دیا تھا اور آگاہ کر دیا تھا کہ دیکھو آئندہ بھی یہی ہوگا کہ اگر تمہارا رویہ اچھا رہا جیسا کتاب وپیغمبر والی اُمّت کا ہونا چاہئے تو تم کو ہماری طرف سے اس کا بہترین صلہ ملتا رہے گا، لیکن اگر تم نے بدعملی اور شرارت کی راہ اختیار کی تو سابق کی طرح اس کا بُرا نتیجہ بھی تمہیں بھگتنا ہوگا، جزا وسزا کا ہمارا یہ قانون اٹل ہے، "اِنْ اَحْسَنْتُمْ اَحْسَنْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا".



فلسطین حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل نے فلسطین کے پورے علاقے کو فتح کر لیا مگر انہوں نے متحد ہو کر اپنی کوئی ایک منظم سلطنت قائم نہ کی۔ بلکہ اس علاقے کو مختلف اسرائیلی قبیلوں نے آپس میں بانٹ کر اپنی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم کر لیں اس نقشے میں یہ دکھایا گیا ہے کہ فلسطین یہ مختصر سا علاقہ کس طرح بنی اسرائیل کے قبائل بنی یہودہ، بنی شمعون، بنی دان، بنی بن یمین، بنی افرائیم، بنی روبن، بنی جد، بنی منسی بنی اشکار، بنی زبولون، بنی نفتالی، اور بنی آشر میں تقسیم ہو گیا تھا۔ اس طرح ہر قبیلے کی ریاست اپنی اپنی جگہ کمزور رہی اور لوگ توراۃ کے منشا کو پورا نہ کر سکے کہ اس علاقے کی مشرک قوموں کا استیصال کر دیا جائے۔ اسرائیلی قبائل کے ان علاقوں میں جگہ جگہ مشرک کنعانی قوموں کی شہری ریاستیں بدستور قائم رہیں۔ بائبل سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ طالوت کے عہد تک صیدا، صور، دور مجدو، بیت شان، اجزحا یبو شلم وغیرہ شہر مشرکوں کے قبضے میں رہے اور ان شہروں کی مشرکانہ تہذیب کا بنی اسرائیل پر گہرا اثر پڑتا رہا۔ مزید براں اسرائیلی قبائل کی سرحدوں پر فلستیوں، ادومیوں، اموآبیوں اور رگونیوں کی طاقت اور ریاستیں بھی بدستور قائم رہیں اور انہوں نے بعد میں پے در پے حملے کر کے بہت سا علاقہ اسرائیلیوں سے چھین لیا حتی کہ یہ نوبت آگئی کہ فلسطین سے بنی اسرائیل بیک بینی و دو گوش نکال دیے جاتے اگر عین وقت پر اللہ تعالیٰ طالوت کی قیادت میں اسرائیلیوں کو جمع نہ کر دیتا۔

دوسری بار کی تباہی:

آگے فرمایا گیا ہے "فَاِذَا جَاءَ وَعْدُ الْاٰخِرَۃِ" الخ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس فضل وکرم کے بعد جس کا ذکر اوپر کی آیت میں کیا گیا ہے، بنی اسرائیل نے پھر خدا کو اور اس کی ہدایت کو بھلا دیا اور نفس پرستی اور سرکشی کا وہ راستہ پھر اختیار کر لیا جس کے بارے میں ان کو آگاہی دی جا چکی تھی "(لَتُفْسِدُنَّ فِی الْاَرْضِ مَرَّتَیْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوًّا کَبِیْرًا)" تو خدا کی طرف سے ان پر ان کے دوسرے نہایت خراب اور خونخوار دشمن مسلط کر دیئے گئے، وہ خدا کا عذاب بن کر ان پر نازل ہوئے، انہوں نے ان کو ایسی مار دی کہ صورتیں تک بگاڑ دیں اور جس طرح بُخت نصر کے لشکر نے ان کے دینی اور قومی مرکز اور ان کی عزت اور عظمت کے نشان بیت المقدس کو تباہ و برباد کیا تھا ان کے نئے حملہ آور دشمنوں نے بھی ایسا ہی کیا اور اس کے علاوہ بھی جہاں تک قابو پایا سب برباد کر دیا، اور یہ خدائے ذوالجلال کے عذاب کے طور پر ہوا، خدا نے بنی اسرائیل کی شرارت اور سرکشی کی سزا دینے ہی کے لئے ان دشمنوں کو ان پر اس طرح مسلط کیا، اس کی طرف سے پہلے ہی جتا دیا گیا تھا "وَاِنْ اَسَاْتُمْ فَلَهَا" (کہ اگر تم نے بد کرداری اختیار کی تو تم کو اس کی سزا ضرور بھگتنی ہوگی) اکثر واقف مفسرین نے طیطوس رومی کے حملہ (۷۰ء) کو اس کا مصداق قرار دیا ہے۔ (واللہ اعلم)۔

آگے فرمایا گیا ہے، عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یَّرْحَمَکُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا" یعنی بنی اسرائیل کی اس دوسری دفعہ کی بربادی کے بعد بھی ان کو اس کی امید دلائی گئی تھی کہ اگر اب بھی معصیت کوشی اور سرکشی کا راستہ چھوڑ کے نیکی اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار کر لو گے تو تمہارا پروردگار پھر تم کو اپنی رحمت کے سایہ میں لے لے گا اور تم کو پھر ایک نئی زندگی عطا کر دی جائے گی، اور اگر اس کے برخلاف تم نے پھر شرارت اور شیطنت کا راستہ اختیار کیا تو ہم پھر وہی کریں گے جو پہلے ہم نے کیا تھا، یعنی جس طرح پہلے تم پر ہمارے عذاب کے کوڑے برسے تھے اسی طرح پھر برسیں گے۔ (وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا)۔

اور پھر آخرت کی سزا:

آگے ارشاد فرمایا گیا ہے "وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا" بنی اسرائیل سے متعلق جو سلسلۂ کلام سورت کی دوسری آیت سے شروع ہوا تھا وہ یہاں ختم ہو گیا، یہ اس سلسلہ کی آخری آیت ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر اس بار بار کی تنبیہ اور ہمارے قہر وعذاب کے بار بار کے تجربے کے بعد بھی تم نے ہدایت کی پیروی اور فرمانبرداری کا راستہ اختیار نہیں کیا اور کفر وطغیان ہی کی راہ پر چلتے رہے تو ایسے مجرموں کے لئے دنیوی عذاب کے ان تازیانوں کے علاوہ آخرت کی کبھی ختم نہ ہونے والی زندگی میں جہنم کا شدید عذاب ہے اور پھر جہنم کا جیل خانہ ہی اُن کا دائمی ٹھکانا ہے، وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ حَصِیْرًا۔

ان آیتوں کا سبق:

یہاں ہمارے آپ کے لئے سوچنے سمجھنے کی خاص بات یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی یہ سرگزشت ہم کو یعنی اُمت محمدیہ ﷺ کو کیوں سنائی گئی اور اس کو قرآن مجید میں کیوں شامل کیا گیا؟ قرآن پاک نہ تو تاریخ کی کتاب ہے اور نہ قصہ کہانیوں کی، وہ تو کتاب ہدایت ہے، اس میں بنی اسرائیل کے اور دوسری قوموں اور ان کے نبیوں رسولوں کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں، سب ہماری ہدایت اور سبق آموزی کے لئے بیان کئے گئے ہیں، ان آیتوں کا کھلا سبق ہمیں اور آپ کو اور حضور ﷺ کی ساری اُمت کو یہ ہے کہ کسی قوم، کسی نسل اور کسی اُمت سے اللہ تعالیٰ کی رشتے داری نہیں ہے، اس کا قانون بے لاگ ہے، بنی اسرائیل حضرت ابراہیم، حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب علیہم السلام جیسے جلیل القدر پیغمبروں کی اولاد تھے، اور یہ ایسی نسل تھی جس میں اللہ کے ہزاروں پیغمبر آئے، لیکن اللہ تعالیٰ کا معاملہ بندوں کے ساتھ ایسے بے لاگ ہے کہ جب تک یہ سیدھے چلیں اور ان کی زندگی ایمان اور عمل صالح والی زندگی رہی ان پر نعمتوں کی بارشیں ہوتی رہیں اور ان کو عزت اور سربلندی نصیب رہی، لیکن جب انہوں نے خدا اور اس کے پیغمبروں کا بتایا ہوا راستہ چھوڑ کر نفس پرستی اور سرکشی کا راستہ اختیار کیا تو اللہ کی رحمت سے محروم ہو گئے، اور پھر نہایت خبیث قسم کے کفار ان پر مسلط کر دیئے گئے جنہوں نے ان کو بری طرح تہس نہس کیا اور ان کے قبلے بیت المقدس تک کو برباد کر ڈالا، اور یہ سب اللہ کے حکم سے اور اس کی طرف سے ہوا۔

امتِ محمدیہ ﷺ کے ساتھ بھی اللہ تعالیٰ کا معاملہ یہی ہوا ہے، جب تک اس کی عام زندگی ایمان و عمل صالح اور تقوے والی رہی روم و فارس جیسی عظیم الشان اور نہایت طاقتور حکومتوں کے مقابلہ میں انکو غلبہ حاصل رہا اور "اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ" کا ظہور ہوتا رہا، لیکن جب ایمان اور تقویٰ کے بجائے اُمت میں نفاق اور فسق و فجور کا غلبہ ہو گیا تو اُن پر تاتاریوں جیسی وحشی اور خونخوار قوم مسلط کر دی گئی اور پھر وہی ہوا جو بنی اسرائیل کے ساتھ ہوا تھا، "فَجَاسُوْا خِلَالَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْدًا مَّفْعُوْلًا" اس کے بعد بھی دُنیا کے مختلف حصوں میں اللہ تعالیٰ کے اس بے لاگ قانون کا ظہور ہوتا رہا ہے، اور ہم اور آپ خود بھی کسی نہ کسی رنگ میں اس کا تجربہ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ہم کو سبق لینے کی توفیق دے اور ہم پر رحم فرمائے، ہمارے لئے بھی اللہ تعالیٰ کا اور قرآن مجید کا پیغام یہی ہے، "عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يَّرْحَمَكُمْ وَاِنْ عُدْتُّمْ عُدْنَا". (درس القرآن)

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ على نفسِه واهلِه اذا ضَجِرَ دُعَآءَهٗ اى كدعائه له بِالْخَيْرِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ الجنسُ عَجُوْلًا ﴿۱۱﴾ بالدعاءِ على نفسِه وعدمِ النظر فى عاقبته وَجَعَلْنَا الَّيْلَ وَالنَّهَارَ اٰيَتَيْنِ دالَّتين على قدرتِنا فَمَحَوْنَآ اٰيَةَ الَّيْلِ طمسنَا نورَها بالظلام لِتَسْكُنُوْا فيه والاضافةُ للبيان وَجَعَلْنَآ اٰيَةَ النَّهَارِ مُبْصِرَةً اى مُبصرًا فيها بالضوءِ لِتَبْتَغُوْا فيه فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ بالكسب وَلِتَعْلَمُوْا بهما عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ للاوقات وَكُلَّ شَيْءٍ يحتاج اليه فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا ﴿۱۲﴾ اى بيّنّاه تبيينًا وَكُلَّ اِنْسَانٍ اَلْزَمْنٰهُ طٰٓئِرَهٗ عملَه يحملُه فِىْ عُنُقِهٖ

خصَّ بالذکر لانَّ اللزومَ فیه اشدُّ وقال مجاہدٌ ما من مولودٍ یولَدُ اِلّا وفی عنقه ورقةٌ مکتوبٌ فیہا شقی او سعیدٌ وَنُخْرِجُ لَهٗ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ کِتٰبًا مکتوبا فیه عمله یَلْقٰهُ مَنْشُوْرًا صفتان لکتابا ویُقالُ له اِقْرَاْ کِتٰبَكَ کَفٰی بِنَفْسِكَ الْیَوْمَ عَلَیْكَ حَسِیْبًا ای مُحاسبًا مَنِ اهْتَدٰی فَاِنَّمَا یَهْتَدِیْ لِنَفْسِهٖ لانَّ ثوابَ اہتدائِه له وَمَنْ ضَلَّ فَاِنَّمَا یَضِلُّ عَلَیْهَا لِاَنَّ اثمه علیہا وَلَا تَزِرُ نفسٌ وَازِرَةٌ آثمةٌ ای تحمِلُ وِزْرَ نفسٍ اُخْرٰی وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیْنَ احدا حَتّٰی نَبْعَثَ رَسُوْلًا یُبیِّنُ له ما یَجبُ علیه وَاِذَآ اَرَدْنَآ اَنْ نُّهْلِكَ قَرْیَةً اَمَرْنَا مُتْرَفِیْهَا مُنعمیہا بمعنی رؤسائہا بالطاعةِ علی لسان رُسلِنا فَفَسَقُوْا فِیْهَا خرجوا عن امرنا فَحَقَّ عَلَیْهَا الْقَوْلُ بالعذاب فَدَمَّرْنٰهَا تَدْمِیْرًا اَہلکناہا باہلاكِ اہلِہا وتخریبہا وَکَمْ ای کثیرًا اَهْلَکْنَا مِنَ الْقُرُوْنِ الاُمَمِ مِنْ بَعْدِ نُوْحٍ وَکَفٰی بِرَبِّكَ بِذُنُوْبِ عِبَادِهٖ خَبِیْرًا بَصِیْرًا عالمًا ببَواطِنِہا وظواہرِہا وبه یتعلَّقُ بذنوب مَنْ کَانَ یُرِیْدُ بعمله الْعَاجِلَةَ ای الدُّنیا عَجَّلْنَا لَهٗ فِیْهَا مَا نَشَآءُ لِمَنْ نُّرِیْدُ التعجیلَ له بدلٌ من له باعادةِ الجار ثُمَّ جَعَلْنَا لَهٗ فی الاخرةِ جَهَنَّمَ یَصْلٰهَا یَدخُلُہا مَذْمُوْمًا مَلُومًا مَّدْحُوْرًا مطرودًا عن الرحمةِ وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ وَسَعٰی لَهَا سَعْیَهَا عَمِلَ عملَہا اللائقَ بہا وَهُوَ مُؤْمِنٌ حالٌ فَاُولٰٓئِكَ کَانَ سَعْیُهُمْ مَّشْکُوْرًا عندَ اللهِ ای مقبولاً مُثابًا علیه کُلًّا من الفریقَیْنِ نُّمِدُّ نُعطِی هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ بدلٌ مِنْ متعلقٌ بنُمِدُّ عَطَآءِ رَبِّكَ فی الدُّنیا وَمَا کَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ فیه مَحْظُوْرًا ممنوعًا عن احدٍ اُنْظُرْ کَیْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ فی الرزقِ والجاهِ وَلَلْاٰخِرَةُ اَکْبَرُ اعظمُ دَرَجٰتٍ وَّاَکْبَرُ تَفْضِیْلًا من الدنیا فینبغی الاعتناءُ بہا دونَہا لَا تَجْعَلْ مَعَ اللهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا لاناصِرَلَكَ.

ترجمہ: اور انسان جب تنگ دل ہوجاتا ہے تو اپنے اہل وعیال کے لئے اسی طرح بددعاء کرتا ہے جس طرح وہ ان کے لئے دعاء خیر کرتا ہے اور ہر انسان اپنے لئے بددعاء کرنے میں جلد باز اور ناعاقبت اندیش واقع ہوا ہے اور ہم نے رات اور دن کو ہماری قدرت پر دلالت کرنے والی نشانیاں بنایا، تو ہم نے رات کی نشانی کو تاریک بنایا یعنی ہم نے اس کے نور کو ظلمت سے مٹا دیا، تاکہ تم اس میں سکون حاصل کرسکو اور (آیة اللیل) میں اضافت بیانیہ ہے، اور ہم نے دن کی نشانی کو روشن بنایا، یعنی ایسی کہ اس میں روشنی کی وجہ سے نظر آسکے، تاکہ تم کسب کے ذریعہ اس میں اپنے رب کا فضل تلاش کرسکو، اور تاکہ تم انکے ذریعہ سالوں کی گنتی اور اوقات کا حساب کرسکو اور ہم نے ہر ضرورت کی چیز کو پوری تفصیل سے بیان کردیا ہے یعنی کھول کھول کر بیان کردیا ہے، اور ہم نے ہر انسان کے عمل کو اس کے گلے کا ہار بنادیا ہے جس کو وہ اٹھائے ہوئے ہے (گلے) کو خاص طور پر ذکر کیا ہے اس لئے کہ گلے میں لزوم شدید تر ہوتا ہے اور مجاہد نے کہا ہے کہ کوئی بچہ پیدا نہیں ہوتا الا یہ کہ اس کی گردن میں ایک نوشتہ ہوتا ہے جس میں لکھا ہوتا ہے کہ وہ بدنصیب ہے یا خوش نصیب ہے اور قیامت کے دن ہم اس کا اعمال نامہ نکال کر اس کے سامنے رکھ دیں گے جس میں اس کے عمل لکھے ہوں گے، جسے وہ کھلی کتاب کی طرح پائے گا (یلقاہ اور منشورا) کتاب کی صفت ہیں اور

اس سے کہا جائیگا تو اپنا نامۂ عمل خود پڑھ لے آج تو خود ہی اپنا محاسب ہونے کے اعتبار سے کافی ہے جس نے ہدایت پائی وہ اپنے ہی فائدہ کے لئے ہدایت پاتا ہے اس لئے کہ اس کی ہدایت کا ثواب اسی کے لئے ہے اور جو راہ سے بھٹکا تو بھٹکنے کا نقصان اسی کے لئے ہے اس لئے کہ گمراہی کا گناہ اسی پر ہے اور کوئی گنہگار شخص کسی دوسرے شخص کا بوجھ نہ اٹھائیگا اور ہماری سنت نہیں ہے کہ ہم کسی کو، رسول بھیجنے سے پہلے کہ جو اس کے واجبات کو بتائے عذاب کرنے لگیں اور جب ہم کسی بستی کی ہلاکت کا ارادہ کر لیتے ہیں تو اس بستی کے خوشحال لوگوں یعنی اس بستی کے سرداروں کو اپنے رسول کے ذریعہ طاعت کا حکم کرتے ہیں تو وہ اس طاعت کی نافرمانی کرنے لگتے ہیں یعنی ہماری حکم عدولی کرنے لگتے ہیں تو ان پر عذاب کا فیصلہ نافذ ہو جاتا ہے تو ہم ان کو پوری طرح نیست و نابود کر دیتے ہیں، یعنی اس بستی کے باشندوں کو ہلاک کر کے، اور اس بستی کو برباد کر کے نیست و نابود کر دیتے ہیں، اور نوح علیہ السلام کے بعد ہم نے کتنی ہی قوموں کو ہلاک کر دیا اور تیرا پروردگار اپنے بندوں کے گناہوں سے باخبر ہونے اور سب کچھ دیکھنے کے اعتبار سے کافی ہے یعنی ظاہر اور پوشیدہ گناہوں سے واقف ہے اور خبیر اور بصیر کے ساتھ بذنوب متعلق ہے، پیش نظر نسخہ میں ایسا ہی ہے (غالباً یہ سہو ہے، اصل عبارت یہ ہونی چاہئے، ''وبذنوب یتعلق بخبیرًا وبصیرًا) اور جو شخص اپنے عمل کا بدلہ دنیا ہی میں چاہتا ہے تو ہم جتنا چاہتے ہیں اور جس کو فوری دینا چاہتے ہیں تو سر دست دیدیتے ہیں، لمن نرید، لَهٗ سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل ہے پھر اس کے لئے آخرت میں جہنم مقرر کر دیتے ہیں جس میں وہ ذلیل و مردود ہو کر داخل ہوگا اور جس کا ارادہ آخرت کا ہو اور اس نے اس کے لائق عمل بھی کیا ہو حال یہ کہ وہ مومن بھی ہو یہی وہ لوگ ہیں کہ جن کے اعمال کی اللہ کے نزدیک قدر ہے یعنی مقبول اور ماجور ہیں، اور ہم دونوں فریقوں میں سے ہر ایک کو ان کو بھی اور ان کو (سامان زیست) دیئے جا رہے ہیں (هؤلاء وهؤلاء) كلًّا سے بدل ہے اور مِن، نمدُّ کے متعلق ہے دنیا میں یہ تیرے رب کا عطیہ ہے اور دنیا میں تیرے رب کی عطا کو کوئی روکنے والا نہیں یعنی کسی سے (کوئی) روکنے والا نہیں، دیکھ لو ہم نے رزق اور مرتبہ میں بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت دے رکھی ہے اور آخرت تو درجات کے اعتبار سے دنیا سے فضیلت میں بہت بڑی ہے لہٰذا آخرت کی طرف توجہ کی ضرورت ہے نہ کہ دنیا کی طرف تو اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ ٹھہرا ورنہ ملامت زدہ اور بے یار و مددگار ہو کر بیٹھا رہ جائے گا، کہ تیرا کوئی مددگار نہ ہوگا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: الجنس، اس میں اشارہ ہے کہ الانسان میں الف لام جنس کا ہے نہ کہ استغراق کا، لہٰذا اب یہ اعتراض واقع نہیں ہوگا کہ سب انسان بددعاء میں عجول نہیں ہوتے۔

قَوْلُہٗ: الاضافة للبیان یعنی آیة اللّیل میں اضافت بیانیہ ہے، یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ مضاف، مضاف الیہ کا غیر ہوا کرتا ہے حالانکہ آیة اللّیل میں مضاف اور مضاف الیہ ایک ہی ہیں جواب کا حاصل یہ ہے کہ یہ اضافت بیانیہ ہے

اور یہ اضافت عدد الی المعدود کے قبیل سے ہے جیسا کہ عشر سنین میں اضافت بیانیہ ہے، آیۃ النھارِ میں بھی یہی صورت ہے۔

قَوْلُہٗ: ای مُبْصَرًا فیھا، اس میں مجاز عقلی ہے، اسلئے کہ دن نہیں دیکھتا بلکہ دن میں دیکھا جاتا ہے علاقہ ظرفیت کی وجہ سے دیکھنے کی اضافت نہار کی طرف کر دی گئی ہے، یعنی اسم فاعل بول کر ظرف مراد ہے۔

قَوْلُہٗ: بالضوء ای بسبب الضوء ہے۔

قَوْلُہٗ: اَلْزمناہ طائرہ فی عنقہٖ، شدت لزوم کو بیان کرنے کے لئے یہ ایک عربی تعبیر ہے، عرب کی یہ عادت تھی کہ جب کوئی اہم کام درپیش ہوتا تو وہ پرندہ سے شگون لیتے تھے، اس کی صورت یہ ہوتی تھی کہ پرندہ از خود اڑے یا اڑایا جائے اگر وہ اڑ کر دائیں جانب گیا تو اس کو نیک فالی سمجھتے تھے اور اس کام کو کرتے تھے جب عرب میں یہ رواج عام ہو گیا تو نفس خیر و شر ہی کو طائر سے تعبیر کرنے لگے اور یہ تسمیۃ الشیء باسم لازمہ کے قبیل سے شمار ہوتا۔

قَوْلُہٗ: خصَّ بالذکر الخ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ اعمال پورے انسان کے لئے لازم ہوتے ہیں نہ کہ صرف گردن کے لئے حالانکہ یہاں اعمال کو گردن کے لئے لازم کہا گیا ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح قلادہ (گلے کا ہار) گلے کے لئے عام طور پر لازم غیر منفک ہوتا ہے اسی طرح انسان کے اعمال انسان کے لئے لازم ہوتے ہیں، اس تعبیر میں شدت لزوم اور لزوم دوام کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: وقال مجاهد الخ مجاهد کے قول کے مطابق اس میں مجاز عقلی نہیں ہوگا۔

قَوْلُہٗ: صفتان لکتابًا، یلقٰہُ جملہ ہو کر کتابًا کی صفت اول ہے اور منشورًا صفت ثانی ہے اور یہ بھی درست ہے کہ منشورًا یلقاہ کی ضمیر مفعولی سے حال ہو۔

قَوْلُہٗ: ویقال لہٗ ما قبل سے نظم و ربط قائم کرنے کے لئے یقال کو محذوف مانا ہے۔

قَوْلُہٗ: نفسٌ یہ تزرُ کی وجہ تانیث کی طرف اشارہ ہے۔

قَوْلُہٗ: لا تحملُ لا تَزِرُ کی تفسیر ہے۔

قَوْلُہٗ: وبہٖ کی ضمیر علی سبیل الانفراد خبیرًا اور بصیرًا کی طرف راجع ہے، بہتر ہوتا کہ عبارت اس طرح ہوتی "وبذنوب یَتَعَلَّقُ بخبیرًا وبصیرًا"۔

قَوْلُہٗ: بدلٌ من لَہٗ الخ یعنی لمن نرید، لَہٗ سے اعادۂ جار کے ساتھ بدل البعض من الکل ہے۔

تفسیر و تشریح

وَيَدْعُ الإنسانُ الخ انسان چونکہ جلد باز اور بے حوصلہ واقع ہوا ہے، اس لئے جب اسے تکلیف پہنچتی ہے تو اپنی ہلاکت کے لئے اسی طرح بددعاء کرتا ہے جس طرح بھلائی کے لئے اپنے رب سے دعاء کرتا ہے، یہ تو رب کا فضل و کرم ہے کہ وہ اس کی

بددعاؤں کو قبول نہیں کرتا۔

وجعلنا اللّیل والنھار الخ یعنی رات کو تاریک بنایا تاکہ تم لوگ آرام وسکون حاصل کرو اور تمہاری دن بھر کی تکان دور ہو جائے، اور دن کو روشن بنایا تاکہ کسب معاش کے ذریعہ تم اپنے رب کا فضل تلاش کرو اس کے علاوہ رات اور دن کا ایک فائدہ اور بھی ہے کہ اس طرح ہفتوں مہینوں اور برسوں کا شمار اور حساب تم کر سکو اس حساب کے بھی بے شمار فائدے ہیں اگر رات کے بعد دن اور دن کے بعد رات نہ آتی بلکہ ہمیشہ رات ہی رات رہتی یا دن ہی دن رہتا تو تمہیں آرام وسکون کا یا کاروبار کرنے کا موقع نہ ملتا اور اس طرح مہینوں اور سالوں کا حساب بھی ممکن نہ ہوتا۔

وکلّ انسان الزمناہ طٰئرَہٗ فی عنقہٖ (الآیۃ) یعنی ہر انسان کی نیک بختی و بدبختی اور اس کے انجام کی بھلائی اور برائی کے اسباب و وجوہ خود اس کی اپنی ذات ہی میں موجود ہیں، اپنے اوصاف اپنی سیرت وکردار اور اپنی قوت تمیز وانتخاب کے استعمال سے ہی وہ اپنے آپ کو سعادت وشقاوت کا مستحق بناتا ہے، نادان لوگ اپنی قسمت کے شگون باہر سے لیتے پھرتے ہیں اور ہمیشہ خارجی اسباب ہی کو اپنی بدبختی اور خوشبختی کا ذمہ دار ٹھہراتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کا پروانۂ خیر وشر ان کے اپنے گلے کا ہار ہے، وہ اپنے گریبان میں منہ ڈالیں تو دیکھ لیں کہ جس چیز نے ان کو تباہی اور ہلاکت کے راستہ پر ڈال جس کا نتیجہ اور انجام خسران اور حرمان ہوا وہ ان کے اپنے ہی برے اوصاف تھے نہ کہ باہر سے آنیوالی کوئی چیز۔

وَمَن اھتدی فانما یھتدی لِنفسہٖ یعنی راہ راست اختیار کر کے کوئی شخص خدا یا رسول پر یا اصلاح کی کوشش کرنے والوں پر کوئی احسان نہیں کرتا بلکہ خود اپنے ہی حق میں بھلا کرتا ہے، اور اسی طرح گمراہی اختیار کر کے یا اس پر اصرار کر کے وہ کسی کا کچھ نہیں بگاڑتا، اپنا ہی نقصان کرتا ہے۔

وَلا تزرُ وازرۃ وِزرَ اخریٰ (الآیۃ) یہ ایک اہم اور اصولی حقیقت ہے جس کو قرآن کریم میں جگہ جگہ ذہن نشین کرانے کی کوشش کی گئی ہے، اسلئے کہ اسے سمجھے بغیر ان کا طرز عمل کبھی درست نہیں ہوسکتا اس فقرہ کا مطلب یہ ہے کہ ہر انسان کی اپنی ایک مستقل ذمہ داری ہے کوئی دوسرا اس کا شریک نہیں ہے اور اس کو جو کچھ بھی جزاء یا سزا ملے گی اس عمل کی ملے گی جس کا وہ خود اپنی انفرادی حیثیت میں ذمہ دار ثابت ہوگا۔

بعثت رسل کے بغیر عذاب نہ ہونے کی تشریح:

اس آیت کی بناء پر بعض ائمہ فقہاء کے نزدیک ان لوگوں کو کفر کے باوجود کوئی عذاب نہیں ہوگا جن کے پاس کسی نبی اور رسول کی دعوت نہیں پہنچی اور بعض ائمہ کے نزدیک جو اسلامی عقائد عقل سے سمجھے جاسکتے ہیں مثلاً خدا کا وجود اس کی توحید وغیرہ پس جو لوگ اس کے منکر ہوں گے ان کو کفر پر عذاب ہوگا اگرچہ ان کو کسی نبی یا رسول کی دعوت نہ پہنچی ہو البتہ عام معاصی اور گناہوں پر سزا بغیر دعوت وتبلیغ انبیاء کے نہیں ہوگی، اور بعض حضرات نے اس جگہ رسول سے مراد عام لی ہے خواہ رسول و نبی ہوں خواہ انسانی عقل کہ وہ بھی ایک حیثیت سے اللہ کا رسول ہے۔

مشرکوں کی نابالغ اولاد کو عذاب نہ ہوگا:

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ مشرکین و کفار کی اولاد جو بالغ ہونے سے پہلے مرجائیں ان کو عذاب نہ ہوگا کیونکہ ماں باپ کے کفر سے وہ سزا کے مستحق نہ ہوں گے (مظہری) اس مسئلہ میں ائمہ کے اقوال مختلف ہیں، بعض توقف کے قائل ہیں اور بعض جنت میں جانے کے اور بعض جہنم میں جانے کے، ابن کثیر نے کہا ہے کہ میدان حشر میں ان کا امتحان لیا جائیگا جو اللہ کے حکم کی اطاعت کرے گا وہ جنت میں جائے گا اور جو نافرمانی کرے گا وہ دوزخ میں جائیگا مگر صحیح بخاری کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے بچے بھی جنت میں جائیں گے۔

(صحیح بخاری ۳: ۲۵۱، ۱۲: ۳۴۸ مع الفتح الباری)

ربط آیات:

وإذا أردنا أن نهلك قرية (الآية) اس سے پہلی آیت میں اس کا بیان تھا کہ حق تعالیٰ کی عادت یہ ہے کہ جب تک کسی قوم کے پاس انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ اللہ کی ہدایت نہ پہنچ جائے اس وقت تک اس پر عذاب نہیں بھیجتے، مذکورہ آیات میں اس کے دوسرے رخ کا بیان ہے کہ جب کسی قوم کے پاس اللہ کی ہدایت پہنچ گئی پھر بھی انہوں نے سرکشی کی تو اس پر عذاب عام بھیج دیا جاتا ہے، اس آیت میں ایک اصول یہ بتلایا گیا ہے کہ جس کی رو سے قوموں کی ہلاکت کا فیصلہ کیا جاتا ہے اور وہ یہ کہ ان کا خوشحال طبقہ اللہ کے حکموں کی نافرمانی شروع کر دیتا ہے اور انہی کی تقلید دوسرے لوگ بھی کرتے ہیں اس طرح اس قوم میں اللہ کی نافرمانی عام ہو جاتی ہے اور وہ مستحق عذاب قرار پاتی ہے۔

بدعت اور ریاکاری کا عمل کتنا ہی اچھا نظر آئے مقبول نہیں:

وَمن كان يريد العاجلة عَجَّلْنا لهٗ فيها مانشاء لمن نريدُ اس آیت میں سعی و عمل کے ساتھ لفظ سَعْيَهَا بڑھا کر یہ بتلا دیا کہ ہر عمل اور ہر کوشش نہ مفید ہوتی ہے اور نہ عنداللہ مقبول بلکہ عمل اور سعی وہی معتبر ہے جو مقصد یعنی آخرت کے مناسب ہو اور مناسب اور نامناسب ہونا صرف اللہ اور اس کے رسول سے ہی معلوم ہو سکتا ہے اسلئے جو نیک اعمال ریاکاری اور منگھڑت (بدعت) سے کئے جاتے ہیں جن میں بدعات کی عام رسمیں شامل ہیں وہ دیکھنے میں خواہ کتنے ہی بھلے اور مفید نظر آئیں مگر آخرت کے لئے سعی مناسب نہیں اسلئے نہ وہ اللہ کے نزدیک مقبول ہیں اور نہ آخرت میں کارآمد اور تفسیر روح المعانی میں سَعْيَهَا کی تشریح میں سنت کے مطابق ہونے کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ اس عمل میں استقامت بھی ہو۔

اعمال کی قدردانی کی تین شرطیں:

اس آیت میں اللہ نے اعمال کی قدردانی اور مقبولیت کی تین شرطیں بیان فرمائی ہیں، ① ارادۂ آخرت یعنی اخلاص اور اللہ کی رضاجوئی، ② ایسی کوشش جو آخرت کے مناسب ہو یعنی سنت کے مطابق ہو، ③ ایمان، اسلئے کہ ایمان کے بغیر کوئی عمل بھی قابل قبول نہیں ہوتا۔

كلّا نمدُّ هؤلاء وهؤلاء الخ یعنی دنیا کا رزق اور اس کی آسائشیں ہم بلاتفریق مومن اور کافر طلب دنیا اور طلب آخرت سب کو دیتے ہیں اللہ کی نعمتیں دنیا میں کسی سے روکی نہیں جاتیں۔

تاہم دنیا کی یہ نعمتیں کسی کو کم اور کسی کو زیادہ ملتی ہیں اللہ تعالیٰ اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق یہ روزی تقسیم فرماتا ہے، تاہم آخرت میں درجات کا تفاضل زیادہ واضح اور نمایاں ہوگا اور وہ اس طرح کہ اہل ایمان جنت میں اور اہل کفر جہنم میں جائیں گے۔

وَقَضٰى امر **رَبُّكَ** ای بان **اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَ** ان تحسنوا **بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا** بان تبرّوہما **اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَآ** فاعلٌ **اَوْ كِلٰهُمَا** وفی قراءۃٍ يَبْلُغَانِ فاحدُہما بدلٌ من اَلِفِه **فَلَا تَقُلْ لَّهُمَآ اُفٍّ** بفتح الفاءِ وكسرہا مُنوّنًا وغیرَ منوَّنٍ مصدرٌ بمعنی تبًّا وقُبحًا **وَّلَا تَنْهَرْهُمَا** تزجرہما **وَقُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا**⁽²³⁾ جميلًا لَيّنًا **وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ** اَلِنْ لہما جانبَك الذليلَ **مِنَ الرَّحْمَةِ** ای لِرقّتك عليہما **وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا** رحمانی حين **رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا**⁽²⁴⁾ **رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ** من اضمار البرّ والعقوق **اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ** طائعين لله تعالى **فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ** الرجّاعين الى طاعتِه **غَفُوْرًا**⁽²⁵⁾ لما صدرَ منہم فی حقّ الوالدين من بادرةٍ وہم لا يُضمِرون عقوقًا **وَاٰتِ** اَعْطِ **ذَا الْقُرْبٰى** القرابة **حَقَّهٗ** من البرّ والصلة **وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا**⁽²⁶⁾ بالانفاقِ فی غيرِ طاعةِ اللّٰہِ تعالى **اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ** ای على طريقتہم **وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا**⁽²⁷⁾ شديدَ الكفرِ لنعمه فكذلك أخوه المُبذِّرُ **وَاِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ** ای المذكورين من ذی القربى وما بعده فلم تُعطِہم **ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا** ای لطلب رزقٍ تنتظرُه يأتيك فتُعطيہم منه **فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا**⁽²⁸⁾ لَيّنًا سَہلًا بان تعِدَہم بالاعطاء عند مجيء الرزق **وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ** ای لا تُمسِكہا عن الانفاق كلَّ المَسْكِ **وَلَا تَبْسُطْهَا** فی الانفاقِ **كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا** راجعٌ للاول **مَّحْسُوْرًا**⁽²⁹⁾ منقطعًا لا شيءَ عندك راجعٌ لِلثّانی **اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ** يُوسّعُه **لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ** يُضيّقُه لِمَن يشاءُ **اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا**⁽³⁰⁾ عالمًا ببواطنِہم وظواہرِہم فرزقہم على حَسبِ مصالحِہم.

ترجمہ: اور تیرے رب نے حکم دیا ہے کہ بجز اُس کے کسی کی بندگی نہ کرنا، اور ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کرنا اس طریقہ پر کہ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنا، اگر تمہارے پاس ان میں سے کوئی ایک یا دونوں بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں (اَحَدُهما، یَبْلُغَنَّ) کا فاعل ہے اور ایک قراءت میں یَبْلُغان ہے، (اس صورت میں) احدهما، یَبْلُغان کے الف سے بدل ہوگا، تو تم ان سے، اُف، تک نہ کہنا، (اُفٍ) فاء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ یا تنوین اور بغیر تنوین مصدر ہے، معنی میں تَبًّا اور قُبْحًا کے ہے، (یعنی تیرا ناس ہو اور برا ہو) اور نہ ان کو جھڑکنا، اور ان سے احترام کے ساتھ نرمی سے بات کرنا، اور نرمی اور شفقت سے ان کے سامنے جھکے رہنا (یعنی) اپنی انکساری کے بازوؤں کو ان کے لئے جھکائے رکھنا تیرے ان پر شفقت کی وجہ سے، اور یوں دعاء کرتے رہنا اے میرے پروردگار ان دونوں پر رحمت فرمائیے جیسا کہ انہوں نے بچپن میں میری پرورش کے وقت میرے اوپر شفقت فرمائی فرمانبرداری سے جو کچھ تمہارے دلوں میں پوشیدہ ہے اس کو تمہارا رب خوب جانتا ہے اگر تم صالح رہو گے یعنی اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار رہو گے تو بے شک وہ اس کی طاعت کی طرف رجوع کرنے والوں کی خطاؤں کو معاف کرنے والا ہے، (یعنی) جلد بازی میں جو کچھ ان سے حقوق والدین کے بارے میں سرزد ہو گیا ہے، اس کو معاف کرنے والا ہے، بشرطیکہ ان سے دل میں نافرمانی پوشیدہ نہ ہو، اور قرابتداروں کو حسن سلوک اور صلہ رحمی سے ان کا حق دیتے رہنا اور محتاج اور مسافروں کو (ان کا حق دیتے رہنا) اور اللہ کی نافرمانی میں مال میں فضول خرچی نہ کرنا بلاشبہ بے موقع مال اڑانے والے شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں، یعنی شیطانوں کے طریقہ پر ہوتے ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے، یعنی اس کی نعمتوں کی بہت زیادہ ناشکری کرنے والا ہے، اسی طرح فضول خرچ کرنے والے اس کے بھائی ہیں، اور اگر تجھے مذکور میں سے یعنی قرابتداروں اور ان سے جو اس کے بعد مذکور ہیں اپنے رب کی اس رحمت کی امید کی طلب میں جس کی تو امید رکھتا ہے پہلو تہی کرنی پڑے یعنی اس رزق کی طلب میں کہ جس کے حاصل ہونے کا تجھے انتظار ہے تاکہ اس میں سے ان کو دے تو ان سے نرمی اور سہولت کی بات کہہ دینا، اس طریقہ پر کہ مال حاصل ہونے کی صورت میں ان کو دینے کا وعدہ کر لینا اور نہ تو اپنا ہاتھ اپنی گردن ہی سے باندھ لو یعنی نہ تو ہاتھ کو خرچ کرنے سے پوری طرح بند کرو اور نہ خرچ کے لئے پوری طرح کھول دو کہ تم ملامت زدہ ہو کر یہ اول صورت کی طرف راجع ہے اور تہی دست ہو کر بیٹھ رہو یعنی تمہارے پاس کچھ نہ رہے یہ دوسری صورت کی طرف راجع ہے، بے شک تیرا رب جس کے لئے چاہتا ہے رزق میں فراخی کر دیتا ہے اور جس کے لئے چاہتا ہے تنگی کر دیتا ہے بے شک وہ اپنے بندوں (کی حالت) سے بخوبی دانا و بینا ہے، یعنی ان کے باطن اور ظاہر سے بخوبی باخبر ہے، ان کی مصلحت کے مقتضی کے مطابق ان کو رزق عطا کرتا ہے۔



تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قولہ: بِأَنْ، اس تقدیر میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ أن مصدریہ ہے اس صورت میں لا نافیہ ہوگا اور **تعبدون عِبادۃً**، کے معنی میں ہے، یعنی تیرے رب نے یہ بات تاکیداً فرمائی ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہیں ہے، اور یہ بھی جائز ہے کہ، أنْ، مفسرہ ہو اسلئے کہ قضی، قالَ کے معنی میں ہے اس صورت میں 'لا' ناہیہ ہوگا۔

قولہ: یَبْلُغَنَّ واحد مذکر غائب مضارع بانون ثقیلہ۔

قولہ: وَأن تحسنوا یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سوال: أن تحسنوا مقدر ماننے کی کیا ضرورت پیش آئی؟

جواب: بالوالدین جار مجرور ہوکر إحسانًا مؤخر کے متعلق نہیں ہوسکتے اس لئے کہ مصدر کا متعلق مقدم نہیں ہوا کرتا، اس لئے مجبوراً ان تحسنوا، مقدر ماننا پڑا، دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر أن تحسنوا، مقدر نہ مانا جائے تو بالوالدین کا عطف **لا تعبدوا** پر ہوگا یہ عطف جملہ اسمیہ علی جملہ فعلیہ ہوگا جو کہ درست نہیں ہے اور جب أن تحسنوا مقدر مان لیا تو عطف جملہ فعلیہ علی الجملۃ الفعلیہ ہوگیا۔

قولہ: عندكَ ای فی کفالتكَ وحرزك.

قولہ: فاعل یعنی اَحدُهما فاعل ہے اس اضافہ کا مقصد یہ بتانا ہے یَبْلُغَنَّ میں فاعل کی ضمیر مستتر نہیں ہے کہ تکرار فاعل کا اعتراض واقع ہو بلکہ احدهما فاعل ہے۔

قولہ: فاحدهما بدل من الفهِ، یہ دوسری قراءت کی ترکیب کی طرف اشارہ ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک قراءت میں یَبْلُغَنَّ، کے بجائے یَبْلُغَانِّ ہے، اس صورت میں تکرار فاعل کا اعتراض ضرور واقع ہوگا، اس کا جواب یہ ہے کہ یَبلغانّ میں الف فاعل کا ہے اور اَحَدُهما اس سے بدل ہے نہ کہ یبلغانّ کا فاعل، لہٰذا اس قراءت کی صورت میں بھی تکرار فاعل کا اعتراض نہ ہوگا۔

قولہ: اَلِن لهما جانبك الخ یعنی جناح سے مجازاً جانب کا ارادہ کیا ہے اور یہ ذکر خاص اور ارادۂ عام کے قبیل سے ہے۔

قولہ: الذلیل، اس میں اشارہ ہے کہ جناح کی اضافت، الذّل کی جانب بیانیہ ہے۔

قولہ: ای لرقتكَ اس میں اشارہ ہے کہ مِن الرحمةِ میں مِن اجل کے لئے ہے۔

قولہ: رَحمانی اس اضافہ کا مقصد تشبیہ کو درست کرنا ہے۔

قولہ: وهم لا یضمرون الخ یہ جملہ حالیہ ہے۔

قولہ: فی غیر طاعة اللّٰه تعالٰی، اس میں اشارہ ہے کہ کار خیر میں اگر افراط کے ساتھ بھی خرچ کیا جائے تو بھی فضول خرچی میں شمار نہیں ہے۔

تفسیر وتشریح

والدین کے حقوق واحترام:

وَقَضٰی رَبُّکَ اَلَّاتَعبُدُوا اِلّآ ایاہ وبالوالدین اِحسانا اس آیت میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے بعد دوسرے نمبر پر والدین کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیا ہے، جس سے والدین کی اطاعت، ان کی خدمت اوران کے ادب واحترام کی اہمیت واضح ہے، گویا توحید اور ربوبیت الٰہی کے تقاضوں کے ساتھ، اطاعت والدین کے تقاضوں کی ادائیگی ضروری ہے احادیث میں اس کی اہمیت اور تاکید کو خوب واضح کردیا گیا ہے، پھر بڑھاپے میں بطور خاص ان کے سامنے ''ہاں'' کے بجائے، ''ہوں'' تک کہنے اور ڈانٹنے جھڑکنے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ بڑھاپے میں والدین کمزور بے بس اور لاچار ہوجاتے ہیں، جبکہ اولاد جوان اور وسائل معاش پر قابض ومتصرف ہوتی ہے علاوہ ازیں جوانی کے دیوانی جذبات اور بڑھاپے کی سرد وگرم چشیدہ تجربات میں تصادم ہوتا ہے، ان حالات میں والدین کے ادب واحترام کے تقاضوں کو ملحوظ رکھنا بہت ہی مشکل مرحلہ ہوتا ہے، تاہم اللہ کے یہاں شادکام اور سرخ رو وہی ہوگا جوان تقاضوں کو ملحوظ رکھے گا، ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا وہ شخص خاک میں مل گیا جس نے اپنے والدین کو پایا اوران کی خدمت کرکے جنت حاصل نہ کی، ایک دوسری حدیث میں فرمایا، جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے۔

بُڑھاپے میں خدمت کی زیادہ تاکید کی وجہ یہ ہے کہ بڑھاپے میں خدمت کی احتیاج زیادہ ہوتی ہے اور بعض اوقات زیادہ پیرانہ سالی میں ہوش وحواس بھی ٹھکانے نہیں رہتے جس کی وجہ سے اہل خانہ بھی اکتا جاتے ہیں بڑی سعادتمند اولاد کا کام ہے کہ اس وقت بوڑھے والدین کی خدمت گذاری اور فرمانبرداری سے جی نہ ہارے، قرآن نے تنبیہ کی ہے کہ جھڑکنا اور ڈانٹنا تو کجا، ان کے مقابلہ میں ہوں بھی مت کرو بلکہ بات کرتے وقت ادب وتعظیم کو ملحوظ رکھو، ابن مسیب نے فرمایا، اس طرح بات کرو کہ جیسے ایک خطادار غلام سخت مزاج آقا سے کرتا ہے، غرضیکہ والدین نے جس طرح تیری ناتوانی کے وقت تیری تربیت ونگہداشت میں خون پسینہ ایک کردیا اور اپنی مقدور بھر تیری راحت وحفاظت کی فکر کی، ہر آفت ومصیبت سے تجھے بچانے کی کوشش کرتے رہے، آج ان کی ضعیفی کا وقت آیا ہے جو کچھ تیری قدرت میں ہے ان کی خدمت اور تعظیم کر، اس کے باوجود تو ان کی خدمت کا حق ادا نہیں کرسکتا، پرندہ جب اپنے بچوں کو اپنے سایۂ شفقت میں لیتا ہے تو ان کے لئے اپنے بازو پھیلا کر پست کردیتا ہے، تو تو بھی والدین کے ساتھ اسی طرح رحمت وشفقت کا برتاؤ کر اوران کی اسی طرح کفالت کر جس طرح انہوں نے بچپن میں تیری کفالت کی، اوران کے مرنے کے بعد ان کے لئے دعاء مغفرت کرتا رہ، اور یہ سب کچھ اخلاص اور نیک نیتی سے ہونا چاہئے نہ کہ ریاکاری اور دکھاوے کے لئے، اگر فی الواقع تم اخلاص کے ساتھ ان کی خدمت کروگے تو اللہ تعالیٰ تمہاری کوتاہیوں اور لغزشوں کو معاف کردے گا۔

وَآتِ ذَاالقربی حقهٗ الخ، اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غریب رشتہ داروں، مسکینوں اور ضرورت مند مسافروں کی امداد کر کے ان پر احسان نہیں جتلانا چاہئے، اسلئے کہ یہ ان پر احسان نہیں بلکہ یہ وہ حق ہے جو اللہ تعالیٰ نے مالداروں پر ضرورتمندوں اور رشتہ داروں کا رکھا ہے، اگر صاحب مال یہ حق ادا نہ کرے گا تو عنداللہ مجرم ہوگا معلوم ہوا کہ یہ حق کی ادائیگی ہے نہ کہ کسی پر احسان۔

مال میں فضول خرچی منع ہے:

مال خدا کی بڑی نعمت ہے اس سے عبادت میں دلجمعی حاصل ہوتی ہے اسی سے بہت سی اسلامی خدمات اور نیکیاں کمانے کا موقع ملتا ہے اس کو بے جا اڑانا ناشکری ہے جو شیطان کے اغواء وتحریک سے واقع ہوتی ہے اور انسان اس طرح ناشکری کر کے شیطان کا بھائی یعنی اس کا پیروکار بن جاتا ہے۔

فضول خرچی کو قرآن مجید نے دو لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے ایک ''تبذیر'' اور دوسرے ''اسراف'' تبذیر کی ممانعت تو اس آیت میں مذکور ہے اور اسراف کی ممانعت ولا تسرفوا سے بیان فرمائی ہے بعض حضرات نے فرمایا ہے کہ دونوں لفظ ہم معنی ہیں یعنی بے موقع اور بے محل خرچ کرنے کو تبذیر واسراف کہا جاتا ہے، اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ کسی گناہ میں یا بالکل بے موقع خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنے کا جائز موقع ہو مگر ضرورت سے زیادہ خرچ کیا جائے اس کو اسراف کہتے ہیں اسلئے تبذیر بہ نسبت اسراف کے شدید تر ہے اور اس کے مرتکب کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔

امام تفسیر حضرت مجاہد رَحِمَنُاللّٰہُ تَعَالٰی نے فرمایا کہ اگر کوئی اپنا تمام مال راہ حق میں خرچ کردے تو وہ تبذیر نہیں، اور باطل کے لئے اگر ایک مد (آدھ سیر) بھی خرچ کرے تو یہ تبذیر ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود نے فرمایا کہ غیر حق میں بے موقع خرچ کرنے کا نام تبذیر ہے۔

بدرجہ مجبوری معذرت کا طریقہ:

وَاَمَّا تعرضَنَّ عنهم الخ یعنی مالی استطاعت کے فقدان کی وجہ سے جس کے دور ہونے اور کشائش رزق کی تُو اپنے رب سے امید رکھتا ہے اگر تجھے غریبوں، رشتہ داروں، مسکینوں، اور ضرورتمندوں سے اعراض کرنا پڑے یعنی اظہار معذرت کرنی پڑے تو نرمی اور عمدگی کے ساتھ معذرت کر، یعنی پیار ومحبت کے لہجے میں نرمی اور خوش اسلوبی سے جواب دینا چاہئے نہ کہ ترش روئی اور بداخلاقی کے ساتھ۔

شان نزول:

مذکورہ آیت کے شان نزول میں ابن زید کی روایت یہ ہے کہ کچھ لوگ آپ ﷺ سے مال کا سوال کیا کرتے تھے، اور آپ کو معلوم تھا کہ اگر ان کو دیا جائے تو فساد میں خرچ کریں گے اس لئے آپ ﷺ ان کو دینے سے انکار فرمادیا کرتے

تھے، اس پر یہ آیت نازل ہوئی (معارف، قرطبی) مسند سعید بن منصور میں بروایت صبا بن حکم مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس کچھ کپڑا آیا تھا آپ نے اس کو مستحقین میں تقسیم فرما دیا اس کے بعد کچھ اور لوگ آئے جبکہ آپ سارا کپڑا تقسیم فرما چکے تھے، اس کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

خرچ کرنے میں راہ اعتدال کی ہدایت:

ولا تجعل یدك مغلولة الخ یعنی نہ تو اس قدر بخیلی کرے کہ لوگ "کنجوس مکھی چوس" کہنے لگیں اور نہ اتنا دے کہ خود محتاج اور دوسروں کا دست نگر ہو کر بیٹھ رہے غرضیکہ ہر معاملہ میں اعتدال اور توسط ملحوظ رکھنا چاہئے، حدیث شریف میں ہے، "**مَا عَالَ مَنْ اقْتَصَدَ**" جس نے میانہ روی اختیار کی محتاج نہیں ہوا۔

اس آیت میں مخاطب براہ راست آپ ﷺ ہیں، اور آپ کے واسطے سے پوری امت مخاطب ہے اور مقصود اقتصاد کی ایسی تعلیم ہے کہ جو دوسروں کی امداد میں حائل بھی نہ ہو اور خود اپنے لئے بھی زحمت و مصیبت نہ بنے، اس آیت کے شان نزول میں ابن مردویہ نے بروایت حضرت عبد اللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ اور بغوی نے بروایت حضرت جابر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ ایک واقعہ نقل کیا ہے۔

واقعہ: واقعہ یہ ہے کہ ایک روز آپ ﷺ کی خدمت میں ایک لڑکا حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ میری والدہ نے آپ سے ایک کرتے کا سوال کیا ہے، اس وقت آپ ﷺ کے پاس اس کرتے کے علاوہ کوئی کرتہ نہیں تھا جو آپ کے بدن مبارک پر تھا، آپ نے لڑکے سے کہا پھر کسی وقت آؤ کہ جب ہمارے پاس اتنی وسعت ہو کہ تمہاری والدہ کا سوال پورا کرسکیں لڑکا گیا اور واپس آیا اور کہا میری والدہ کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کے بدن مبارک پر جو کپڑا ہے وہی عنایت فرما دیں، آپ نے کرتہ اتار کر اس لڑکے کے حوالہ کر دیا آپ ننگے بدن رہ گئے، نماز کا وقت آگیا، حضرت بلال نے اذان دی مگر آپ باہر تشریف نہ لائے تو لوگوں کو فکر ہوئی، بعض لوگ اندر حاضر ہوئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ کرتہ کے بغیر ننگے بدن بیٹھے ہوئے ہیں اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

فائدہ جلیلہ:۔

لا تجعل مع اللّٰہ الٰھًا آخر سے **فتلقٰی فی جھنم ملومًا مدحورًا**۔ تک (۲۵) احکام بیان کئے گئے جن کو بالترتیب لکھا جاتا ہے۔

❶ ولا تجعل مع اللّٰه الهاً آخر.
❷، ❸ وقضىٰ ربك الخ اس آیت میں دو حکم ہیں۔
① عبادة اللّٰه، ② نهى عن عبادة الغير.

❹ وبالوالدين احسانا.	❺ فلا تقل لهما افٍ.
❻ ولا تنهرهما.	❼ وقل لهما قولاً كريما.
❽ واخفض لهما جناح الذل.	❾ وقل رّب ارحمهما.
❿ وآتِ ذاالقربى حقهٗ.	⓫ والمسكين.
⓬ وابن السبيل.	⓭ ولا تبذر تبذيرًا.
⓮ وقل لهما قولاً كريما.	⓯ ولا تجعل يدك مغلولة.
⓰ ولا تبسطها كل البسط.	⓱ ولا تقتلوا اولادكم.
⓲ ولا تقربوا الزنى.	⓳ ولا تقتلوا النفس.
⓴ فلا يُسرف فى القتل.	㉑ واوفوا بالعهد.
㉒ واوفوا الكيلَ.	㉓ وزنوا بالقسطاس المستقيم.
㉔ ولا تقف ماليس لك به علم.	㉕ ولا تمشِ فى الارض مرحا.

وَلَاتَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ بالوَأْدِ خَشْيَةَ مخافة اِمْلَاقٍ فقر نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً اثما كَبِيْرًا﴿٣١﴾ عظيمًا وَلَاتَقْرَبُوا الزِّنٰٓى ابلغ مِنْ لَا تَاْتُوْهُ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً قبيحا وَسَآءَ بئس سَبِيْلًا﴿٣٢﴾ طريقًا هو وَلَاتَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ لوارثه سُلْطٰنًا تسلُّطًا على القاتِلِ فَلَا يُسْرِفْ بتجاوز الحدِّ فِّي الْقَتْلِ بانْ يَقتلَ غيرَ قاتله او بغيرِ ما قُتِلَ به اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا﴿٣٣﴾ وَلَاتَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اذا عاهدتُمُ اللّٰهَ او الناسَ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا﴿٣٤﴾ عنه وَاَوْفُوا الْكَيْلَ اَتِمُّوْه

اِذَا كِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ الميزان السوی ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ﴿۳۵﴾ مالًا وَلَا تَقْفُ تتبع مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ القلب كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا ﴿۳۶﴾ صاحبه ما ذا فعل به وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اى ذا مرح بالكبر والخيلاء اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ تشقها حتى تبلغ آخرها بكبرك وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ﴿۳۷﴾ المعنى انك لا تبلغ هذا المبلغ فكيف تختال كُلُّ ذٰلِكَ المذكور كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ﴿۳۸﴾ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ يا محمد رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ الموعظة وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ﴿۳۹﴾ مطرودًا عن رحمة اللّٰه اَفَاَصْفٰىكُمْ اخلصكم يا اهل مكة رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا بناتا لنفسه بزعمكم اِنَّكُمْ لَتَقُوْلُوْنَ بذلك قَوْلًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ ع

ترجمہ: اور تم اپنی اولاد کو افلاس کے خوف سے زندہ درگور کر کے قتل نہ کرو ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تم کو بھی، اور بلاشبہ ان کا قتل کرنا بڑا گناہ ہے اور زنا کے قریب بھی نہ پھٹکو (یہ تعبیر) تم زنا نہ کرو کی تعبیر سے زیادہ بلیغ ہے، بلاشبہ وہ بہت برا فعل ہے اور نہایت برا راستہ ہے اور قتل نفس کا ارتکاب نہ کرو جسے اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ اور جو شخص مظلوماً قتل کیا گیا تو ہم نے اس کے وارث کو قاتل سے قصاص کے مطالبہ کا حق عطا کیا ہے تو اس کو قتل میں (حد شرع) سے تجاوز نہ کرنا چاہئے بایں طور کہ غیر قاتل کو قتل کرے یا اس آلہ کے علاوہ سے قتل کرے کہ جس کے ذریعہ قتل کیا گیا ہے بے شک اس کی مدد کی گئی ہے، اور مال یتیم کے پاس بھی نہ پھٹکو مگر ایسے طریقہ سے جو (شرعاً) احسن ہے یہاں تک کہ وہ سن شعور کو پہنچ جائے اور جب تم اللہ سے یا لوگوں سے کوئی عہد کرو تو اس عہد کو پورا کرو، بلاشبہ عہد کے بارے میں باز پرس ہوگی، اور جب ناپنے لگو تم بھرپور پیمانہ سے ناپو اور (تولو) تو ٹھیک ترازو سے تولو یہ اچھا طریقہ ہے اور انجام کے اعتبار سے بھی بہتر ہے اور کسی ایسی چیز کے پیچھے نہ لگو کہ جس کا تمہیں علم نہ ہو یقیناً کان اور آنکھ اور دل سب ہی کی باز پرس ہوگی (یعنی) (کان، آنکھ اور دل) والے سے باز پرس ہوگی کہ ان سے کیا کام لیا، اور زمین میں اکڑ کر نہ چلو (یعنی) مغرورانہ اور متکبرانہ انداز سے نہ چلو، یہ امر واقعہ ہے کہ نہ تو تم اپنے تکبر کی وجہ سے زمین کو پھاڑ سکتے ہو یہاں تک کہ تم اس کی تہہ تک پہنچ جاؤ اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کی بلندی کو پہنچ سکتے ہو مطلب یہ ہے کہ تم اس درجہ کو نہیں پہنچ سکتے، تو پھر کیوں اکڑ کر چلتے ہو؟ ان سب کاموں کی برائی تیرے رب کے نزدیک (سخت) ناپسندیدہ ہے اور اے محمد ﷺ یہ حکمت نصیحت کی وہ باتیں ہیں تیرے رب نے تیری طرف وحی کے ذریعہ اتاری ہیں اور تو اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود نہ بنا (ورنہ) ملامت زدہ اور اللہ کی رحمت سے دور کر کے جہنم میں ڈالدیا جائیگا، اے اہل مکہ، کیا تمہارے رب نے بیٹوں کے لئے تمہیں منتخب کر لیا ہے، اور خود اپنے لئے فرشتوں کو لڑکیاں بنالیا (یعنی) بقول شما لڑکیاں اپنے لئے پسند کرلیں، تم یہ بات کہہ کر یقیناً بہت بڑا بول، بول رہے ہو۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اِمْلَاق (افعال) افلاس، فقر۔

قَوْلُہٗ: اَلوأد (ض) سے مصدر ہے زندہ دفن کرنا۔

قَوْلُہٗ: خِطأً، خطا، چوک، گناہ، (س) خِطأً مصدر ہے۔

قَوْلُہٗ: ابلغُ من لاتاتوہ یعنی لا تقربوا الزنی تعبیر اور معنویت میں لا تاتوہ سے ابلغ ہے، اسلئے کہ لاتقربوا میں زنا کے قریب جانے سے بھی منع کیا گیا ہے جس میں دواعی زنا اور مقدمات زنا سے ممانعت بھی شامل ہے بخلاف لاتاتوہ کے۔

قَوْلُہٗ: اِنَّہٗ کان منصورًا، ضمیر ولی مقتول کی طرف راجع ہے، ولی مقتول اسلئے منصور ہے کہ شریعت نے اس کو قصاص کا حق دیا ہے۔

قَوْلُہٗ: مسئولًا، عنہ یعنی روز قیامت عہد شکنی سے عہد شکن کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

قَوْلُہٗ: لاتَقْفُ، تو پیچھے نہ چل، تو اتباع نہ کر (ن) قَفْوًا پیچھے چلنا، پیروی کرنا مضارع واحد مذکر حاضر فعل نہی۔

قَوْلُہٗ: ذامرح مضاف محذوف مان کر اس سوال کا جواب دیدیا کہ مرحًا، لاتمش کی ضمیر سے حال ہے حالانکہ مرحًا کا حمل مصدر ہونے کی وجہ سے درست نہیں ہے، جواب کا حاصل یہ ہے کہ مضاف محذوف ہے ای ذامرحٍ، ای مارحًا.

تفسیر و تشریح

وَلا تقتلوا اَوْلادکم خشیۃ اِمْلَاق (الآیۃ) زمانۂ جاہلیت میں بعض لوگ اپنی اولاد کو خاص طور پر لڑکیوں کو ولادت کے وقت اس خوف سے قتل کر دیتے تھے کہ ان کے مصارف اور کھانے پینے کا بار ہم پر پڑے گا، نبی ﷺ نے شرک کے بعد جس گناہ کو سب سے بڑا قرار دیا ہے وہ یہی ہے آپ نے فرمایا "وان تقتل وَلَدَکَ خشیۃ ان یَطْعَمَ معکَ" کہ تو اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گی۔ (صحیح بخاری تفسیر سورۂ بقرہ، مسلم شریف کتاب التوحید)

آج کل قتل اولاد کا گناہِ عظیم نہایت منظم طریقہ سے خاندانی منصوبہ بندی کے عنوان سے پوری دنیا میں ہورہا ہے، مرد حضرات بہتر تعلیم و تربیت کے نام پر اور خواتین اپنے حُسن کو برقرار رکھنے کے لئے اس جرم کا عام ارتکاب کر رہے ہیں۔

ضبط تولید اور قرآن حکیم:

آیت مذکورہ نے ان معاشی بنیادوں کو یکسر منہدم کر دیا جن پر قدیم زمانہ سے آج تک مختلف ادوار میں ضبط ولادت کی تحریک اٹھتی رہی ہے، افلاس کا خوف قدیم زمانہ میں قتلِ اطفال اور اسقاط حمل کا محرک ہوا کرتا تھا، اور موجودہ دور میں وہ ایک تیسری تدبیر یعنی منع حمل کی طرف دنیا کو دھکیل رہا ہے، دور جاہلیت میں اندیشۂ افلاس کے ساتھ ایک سبب عار دامادی

بھی ہوا کرتا تھا صنف نازک ہر دور میں مختلف اسباب اور وجوہ کی بنا پر مظلوم رہی صنفِ نازک کی مظلومیت کی تاریخ اتنی ہی قدیم ہے جتنی کہ خود ظلم کی، اس ترقی یافتہ دور میں بھی اس مظلوم صنف نازک کی مصیبت کم نہیں ہوئی بلکہ کچھ اضافہ ہی ہوا ہے، جدید آلات کی مدد سے حمل کی جنس معلوم کر لی جاتی ہے اگر معلوم ہو جائے کہ رحم مادر میں لڑکی ہے تو کوشش کی جاتی ہے کہ اس کو ولادت سے پہلے ختم کر دیا جائے زمانہ جاہلیت میں صنف نازک کی مصیبتوں کے اسباب جو بھی رہے ہوں موجودہ دور میں دو سبب نمایاں اور سرفہرست ہیں، تعلیم و تربیت اور جہیز، جس طرح زمانہ جاہلیت میں گھر میں لڑکی کی ولادت کی خبر سنکر چہرے اداس اور بے رونق ہو جاتے تھے آج گھر میں بیٹی کی پیدائش کی خبر سنکر اہلِ خانہ اور عزیز اقرب فکرمند ہو جاتے ہیں، اور بیٹی کی آمد کو مصیبت کی آمد تصور کرتے ہیں۔

قانون اسلامی کی یہ دفعہ انسان کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ کھانے والوں کی تخریبی کوشش چھوڑ کر ان تعمیری کوششوں میں اپنی قوتیں اور قابلیتیں صرف کریں جن سے اللہ کے بنائے ہوئے قانون فطرت کے مطابق رزق کی افزائش ہوا کرتی ہے، قرآنی مذکورہ دفعہ کی رو سے یہ بات انسان کی بڑی غلطیوں میں سے ایک ہے کہ وہ بار بار معاشی ذرائع کی تنگی کے اندیشہ سے افزائش نسل کا سلسلہ روک دینے پر آمادہ ہو جاتا ہے، قرآن کی یہ دفعہ انسان کو متنبہ کرتی ہے کہ رزق رسانی کا کام تیرے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ اس خدا کے ہاتھ میں ہے جو تجھے بھی روزی دیتا ہے، جس طرح وہ پہلے آنے والوں کو روزی دے رہا ہے بعد میں آنے والوں کو بھی روزی دے گا، تاریخ کا تجربہ بھی یہی بتاتا ہے کہ دنیا کے مختلف ملکوں میں کھانے والی آبادی جتنی بڑھتی گئی ہے اتنے ہی بلکہ بارہا اس سے بہت زیادہ معاشی ذرائع وسیع ہوتے چلے گئے ہیں لہٰذا خدا کی تخلیقی انتظامات میں انسان کی بے جا دخل اندازی حماقت کے سوا کچھ نہیں۔

وَلَا تقربوا الزنا الخ اسلام میں زنا چونکہ جرم عظیم ہے اتنا بڑا جرم کہ اگر کوئی شادی شدہ مرد یا عورت اس کام کا ارتکاب کرے تو اسے اسلامی معاشرہ میں زندہ رہنے کا حق نہیں ہے اسلئے یہاں فرمایا کہ فعل زنا تو دور کی بات ہے اس کے دواعی اور اسباب کے پاس بھی مت جاؤ، مثلاً غیر محرم عورت کو دیکھنا، ان سے اختلاط کی راہیں نکالنا، اسی طرح عورتوں کا بے پردہ اور بن سنور کر گھروں سے باہر نکلنا وغیرہ ان تمام امور سے اجتناب ضروری ہے تاکہ اس بے حیائی سے بچا جا سکے۔

زنا کے حرام ہونے کی دو وجہ بیان کی گئی ہیں، اول یہ کہ وہ بے حیائی ہے اور جب انسان میں حیا ہی نہ رہی تو وہ انسانیت ہی سے محروم ہو جاتا ہے پھر اس کے لئے کسی بھلے برے کی تمیز نہیں رہتی اسی معنی کو حدیث شریف میں ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے "اِذا فاتك الحیاءُ فافعل ما شئتَ" یعنی تیری حیاء ہی جاتی رہی تو اب کسی برائی کے کرنے میں کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی، اسی لئے رسول اللہ ﷺ نے حیاء کو ایمان کا ایک شعبہ قرار دیا ہے، الحیاء شعبة من الایمان. (بخاری)

اور دوسری وجہ معاشرتی فساد ہے جو زنا کی وجہ سے اتنا پھیلتا ہے کہ اس کی کوئی حد باقی نہیں رہتی اور اس کے نتائج بد بعض اوقات قبیلوں اور قوموں کو برباد کر دیتے ہیں، حدیث شریف میں ہے کہ ساتوں آسمان اور زمین شادی شدہ زنا کار پر لعنت کرتی ہیں اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ زنا کرنے والا زنا کرتے وقت مومن نہیں رہتا۔

ولا تقربوا الزنا، قرآنی منشور کی یہ دفعہ اسلامی نظام زندگی کے ایک وسیع باب کی بنیاد بنی اس کی منشاء کے مطابق زنا اور تہمت زنا کو فوجداری جرم قرار دیدیا گیا، پردے کے احکام جاری کئے گے، فواحش کی اشاعت کو سختی کے ساتھ روک دیا گیا، شراب اور موسیقی اور رقص وسرود و تصاویر پر جو زنا کے قریب ترین رشتہ دار ہیں بندشیں لگائی گئیں اور ایک ایسا ازدواجی قانون بنایا گیا جس سے نکاح آسان ہو گیا اور زنا کے معاشرتی اسباب کی جڑ کٹ گئی۔

وَلا تقتلوا النفس التی حرّم اللّٰہ اِلّا بالحق، قتل ناحق کا جرم عظیم ہونا دنیا کے تمام مذاہب اور فرقوں میں مسلم ہے قتل نفس سے مراد صرف دوسرے انسان کا قتل ہی نہیں ہے بلکہ خودکشی بھی اس میں شامل ہے، اس لئے کہ نفس جس کو اللہ نے ذی حرمت ٹھہرایا ہے اس کی تعریف میں دوسرے نفسوں کی طرح انسان کا اپنا نفس بھی داخل ہے لہٰذا جتنا بڑا جرم اور گناہ قتل انسان ہے اتنا ہی بڑا جرم اور گناہ خودکشی ہے، انسان کی بڑی غلط فہمیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ اپنے آپ کو اپنی جان کا مالک سمجھتا ہے حالانکہ اس جان کا مالک حقیقی اللہ تعالیٰ ہے، ہم اس کے اتلاف کے مختار تو درکنار اس کے بے جا استعمال کے بھی مجاز نہیں، دنیا کی اس امتحان گاہ میں اللہ تعالیٰ جس طرح بھی ہمارا امتحان لے اسی طرح ہمیں آخر وقت تک امتحان دیتے رہنا چاہئے پرچہ پورا کئے بغیر پرچہ پھینک کر امتحان گاہ سے بھاگ نکلنے کی کوشش بجائے خود غلط ہے، امتحان گاہ سے بھاگ نکلنے کا مطلب یہ ہوگا کہ آدمی دنیا کی چھوٹی چھوٹی تکلیفوں اور ذلتوں اور رسوائیوں سے بچکر عظیم اور ابدی تکلیف و رسوائی کی طرف بھاگتا ہے۔

قتل ناحق کی تفسیر:

قتل بالحق کی صرف پانچ صورتیں ہیں ایک قتل عمد کے مجرم سے قصاص، دوسرے دین حق کے راستہ میں مزاحمت کرنے والوں سے جنگ، تیسرے نظام اسلامی کو الٹنے کی کوشش کرنے والوں کو سزا، چوتھے شادی شدہ مرد یا عورت کو ارتکاب زنا کی سزا، پانچویں ارتداد کی سزا، صرف یہی پانچ صورتیں ہیں جن میں انسانی جان کی حرمت مرتفع ہو جاتی ہے اور اسے قتل کرنا جائز ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ سب قتل ناحق ہے۔

قصاص لینے کا حق کس کو ہے؟

آیت مذکورہ میں بتایا گیا ہے کہ یہ حق مقتول کے ولی کا ہے اگر کوئی ولی موجود نہ ہو تو اسلامی حکومت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہوگا اسلئے کہ وہ ایک حیثیت سے تمام مسلمانوں کا ولی ہے اور مقتول کے ولی کے حق کا مطلب یہ ہے کہ وہ قصاص کا مطالبہ کر سکتا ہے قصاص کے مستحق ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ مقتول کا ولی ازخود قاتل سے قصاص لینا شروع کر دے اس سے اسلامی قانون کا یہ اصول نکلتا ہے کہ قتل کے مقدمے میں اصل مدعی حکومت نہیں بلکہ اولیاء مقتول ہیں اور وہ قاتل کو معاف کرنے یا قصاص کے بجائے خون بہا لینے پر راضی ہو سکتے ہیں۔

ظلم کا جواب ظلم نہیں انصاف ہے؟

فلا یسرف فی القتل، اسلامی قانون کی ایک خاص ہدایت یہ ہے کہ ظلم کا بدلہ ظلم سے لینا جائز نہیں، بدلہ میں بھی انصاف کی رعایت ضروری ہے، انتقام میں بھی حد مجاز سے تجاوز کرنا درست نہیں ہے جب تک ولی مقتول انصاف کے ساتھ اپنے مقتول کا انتقام شرعی قصاص کے ساتھ لینا چاہے تو شریعت اس کے حق میں ہے اور اللہ اس کا مددگار ہے یعنی اسلامی قانون اس کا معاون و مددگار ہے، اور اگر اس نے جوش انتقام میں شرعی قصاص سے تجاوز کیا تو اب یہ مظلوم کے بجائے دوسرے فریق کی مدد کرے گا، کہ اس کو ظلم سے بچائے، لہٰذا جوش انتقام میں ایسا نہ ہونا چاہئے کہ مجرم کے علاوہ کسی اور کو قتل کردے یا مجرم کو عذاب دے دیکر مار ڈالے یا قتل کرنے کے بعد اس کی لاش پر غصہ نکالتے ہوئے اس کے ناک کان کاٹ کر مثلہ کردے یا خون بہا لینے کے بعد بھی قتل کردے یا ایک کے بدلے کئی لوگوں کو قتل کردے یہ سب چیزیں اسلامی قصاص کی حد سے زائد اور حرام ہیں اس لئے آیت **فلا یسرف فی القتل** میں اس سے منع کیا گیا ہے۔

یتیموں کے مال میں احتیاط:

ولا تقربوا مال الیتیم الا بالتی ھی احسن، اس آیت میں یتیموں کے مال کی حفاظت اور اس میں احتیاط کا بڑا تاکیدی حکم فرمایا ہے، یعنی یتیموں کے مال میں بیجا تصرف تو دور کی بات ہے برے ارادہ سے اس کے پاس بھی نہ جانا، یہ حکم محض ایک اخلاقی ہدایت ہی نہیں تھی بلکہ آگے چل کر جب اسلامی حکومت قائم ہوگئی تو یتیموں کے حقوق کی حفاظت کے لئے انتظامی اور قانونی دونوں طرح کی تدابیر اختیار کی گئیں جو کہ فقہ اسلامی کا ایک مستقل باب ہے پھر اسی سے یہ اصول اخذ کیا گیا کہ اسلامی ریاست اپنے ان تمام شہریوں کے مفاد کی محافظ ہے جو اپنے مفاد کی خود حفاظت کے قابل نہ ہوں، نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے "**انا ولی من لا ولی له**" میں ہر اس شخص کا سرپرست ہوں جس کا کوئی سرپرست نہ ہو۔

اسلام میں معاہدات کا حکم:

عہد دو طرح کے ہیں ایک وہ جو بندہ اور اللہ کے درمیان ہے جیسا کہ عہد الست کہ بے شک اللہ ہمارا رب ہے یہ عہد تو ہر انسان نے ازل میں کیا ہے خواہ کافر ہو یا مومن اس کو پورا کرنا فطری طور پر انسان پر واجب ہے دوسرا عہد مومن ہے جو "**شہادت ان لّآ اِلٰهَ الا اللّٰه**" کے ذریعہ کیا گیا ہے جس کا حاصل احکام الٰہی کا مکمل اتباع اور اس کی رضا جوئی ہے۔
دوسری قسم کا عہد وہ ہے جو انسان کسی دوسرے انسان سے کرتا ہے، جس میں ہر قسم کے معاہدات سیاسی تجارتی معاملاتی سب شامل ہیں جو افراد اور جماعتوں اور ملکوں اور قوموں کے درمیان دنیا میں ہوتے ہیں، پہلی قسم کے تمام معاہدات کا پورا کرنا انسان پر

واجب ہے، اور دوسری قسم میں جو معاہدات خلاف شرع نہ ہوں ان کا پورا کرنا واجب ہے اور جو خلاف شرع ہوں ان کی فریق ثانی کو اطلاع کر کے ختم کر دینا واجب ہے جس معاہدہ کا پورا کرنا واجب ہے اگر کوئی فریق عہد کی پاسداری نہ کرے تو فریق ثانی کو حق ہے کہ عدالت میں مرافعہ کر کے اس کو پورا کرنے پر مجبور کرے۔

اور اگر کوئی شخص کسی سے یکطرفہ وعدہ کر لیتا ہے اس کا پورا کرنا بھی واجب ہے مگر وعدہ خلافی کرنے والے کو فریق ثانی بذریعہ عدالت وعدہ پورا کرنے پر مجبور نہیں کر سکتا، البتہ بلا عذر شرعی اگر کوئی شخص وعدہ کرنے کے بعد پورا نہ کرے گا وہ شرعاً گنہگار ہوگا، حدیث میں اس کو عمل نفاق قرار دیا گیا ہے۔

وَاَوْفوا الکیل اِذَا کلتم، یہ حکم ناپ تول پورا کرنے کی ہدایت اور اس میں کمی کرنے کی ممانعت کا ہے جس کی پوری تفصیل سورۃ المطففین میں مذکور ہے پورا تولنے اور ناپنے کا مطلب یہ ہے کہ حقدار کو اس کا پورا حق دیا جائے اس میں کمی کرنا حرام ہے اسلئے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ملازم اپنے مفوضہ اور مقررہ کام میں کمی کرے یا جتنا وقت دینا چاہئے اس سے کم دے یا مزدور اپنی مزدوری میں کام چوری کرے۔

صحیح ناپ تول کی ہدایت بھی صرف افراد کے باہمی معاملات تک محدود نہ رہی بلکہ یہ بات اسلامی حکومت کے فرائض میں داخل ہوگئی کہ وہ منڈیوں میں بازاروں میں اوزان اور پیمانوں کی نگرانی کرے اور تطفیف کو بزور بند کرے۔

لا تـقفُ ما لَیسَ لَکَ بِہٖ علم (الآیۃ) یعنی بغیر تحقیق کے زبان سے کوئی بات نہ نکالو اور نہ کسی بات کی بغیر تحقیق پیروی کرو، انسان کو چاہئے کہ آنکھ، کان، اور دل سے کام لے کر اور بقدر ضرورت تحقیق کر کے کوئی بات منہ سے نکالے اور اس پر عمل کرے، قیامت کے دن تمام اعضاء اور قویٰ کے بارے میں باز پرس ہوگی۔

ولا تـمش فی الارض مرحا، متکبروں کی چال چلنا زیبا نہیں نہ تو، تو زمین پر زور سے پاؤں مار کر زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ سینہ تان کر چلنے سے بلندی میں پہاڑوں کے برابر ہو سکتا ہے پھر ایسے ضعف و عجز کے باوجود کھینچ تان کر قد لمبا کرنے سے کیا فائدہ؟

وَلَقَدْ صَرَّفْنَا بیَّنا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ من الامثال والوعدِ والوعید لِیَذَّکَّرُوْا یتعِظُوا وَمَا یَزِیْدُهُمْ ذٰلک اِلَّا نُفُوْرًا۝ عن الحقِ قُلْ لہم لَّوْ کَانَ مَعَهٗۤ ای اللہ اٰلِهَةٌ کَمَا یَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا طلبوا اِلٰی ذِی الْعَرْشِ ای اللہِ سَبِیْلًا۝ طریقًا لیُقاتِلُوہ سُبْحٰنَهٗ تنزیہًا لہ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَقُوْلُوْنَ من الشرکاءِ عُلُوًّا کَبِیْرًا۝ تُسَبِّحُ لَهُ تنزہہ السَّمٰوٰتُ السَّبْعُ وَالْاَرْضُ وَمَنْ فِیْهِنَّ وَاِنْ ما مِّنْ شَیْءٍ من المخلوقاتِ اِلَّا یُسَبِّحُ مُتلبسًا بِحَمْدِهٖ ای یقول سُبحانَ اللہِ وبحمدِہ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تفهمُونَ تَسْبِیْحَهُمْ لانہ لیس بلُغتِکم اِنَّهٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا۝ حیثُ لم یُعاجِلْکم بالعقوبۃِ وَاِذَا قَرَاْتَ الْقُرْاٰنَ جَعَلْنَا بَیْنَکَ وَبَیْنَ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ حِجَابًا مَّسْتُوْرًا۝ ای ساترًا لک عنہم فلا یرونک ونزل فیمن اراد الفتک بہ

صلى الله عليه وسلم **وَجَعَلْنَا عَلٰى قُلُوْبِهِمْ اَكِنَّةً** اغطية **اَنْ يَّفْقَهُوْهُ** من أن يفهموا القران اى فلا يفهمونه **وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا** ثقلاً فلا يسمعونه **وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا** عنه **نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا يَسْتَمِعُوْنَ بِهٖ** بسببه من الهزء **اِذْ يَسْتَمِعُوْنَ اِلَيْكَ** قراء تك **وَاِذْ هُمْ نَجْوٰى** يتناجون بينهم اى يتحدثون **اِذْ** بدلٌ من اذ قبله **يَقُوْلُ الظّٰلِمُوْنَ** في تناجيهم **اِنْ** ما **تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا** مخدوعًا مغلوبًا على عقله قال تعالى **اُنْظُرْ كَيْفَ ضَرَبُوْا لَكَ الْاَمْثَالَ** بالمسحور والكاهن والشاعر **فَضَلُّوْا** بذلك عن الهدى **فَلَا يَسْتَطِيْعُوْنَ سَبِيْلًا** طريقًا اليه **وَقَالُوْا** منكرين للبعث **ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا قُلْ** لهم **كُوْنُوْا حِجَارَةً اَوْ حَدِيْدًا اَوْ خَلْقًا مِّمَّا يَكْبُرُ فِيْ صُدُوْرِكُمْ** يعظم عن قبول الحيوة فضلاً عن العظام والرفات فلا بُدّ من ايجادِ الروح فيكم **فَسَيَقُوْلُوْنَ مَنْ يُّعِيْدُنَا** الى الحيوة **قُلِ الَّذِيْ فَطَرَكُمْ** خلقكم **اَوَّلَ مَرَّةٍ** ولم تكونوا شيئًا لانّ القادر على البدء قادرٌ على الاعادة بل هي اهونُ **فَسَيُنْغِضُوْنَ** يحرّكون **اِلَيْكَ رُءُوْسَهُمْ** تعجّبًا **وَيَقُوْلُوْنَ** استهزاءً **مَتٰى هُوَ** اى البعثُ **قُلْ عَسٰى اَنْ يَّكُوْنَ قَرِيْبًا يَوْمَ يَدْعُوْكُمْ** يناديكم من القبور على لسان اسرافيلَ **فَتَسْتَجِيْبُوْنَ** فتجيبون من القبور **بِحَمْدِهٖ** بامره وقيل وله الحمدُ **وَتَظُنُّوْنَ اِنْ** ما **لَّبِثْتُمْ** في الدنيا **اِلَّا قَلِيْلًا** لهول ما ترون.

ترجمہ: ہم نے اس قرآن میں طرح طرح کی مثال اور وعدہ وعید بیان کرکے سمجھایا تاکہ لوگ سمجھیں نصیحت حاصل کریں، لیکن اس سے تو ان کی حق سے نفرت ہی بڑھتی گئی (اے محمد ﷺ) ان سے کہو اگر اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہوتے جیسا کہ یہ لوگ کہتے ہیں تو اب تک یہ لوگ عرش کے مالک اللہ کی طرف ضرور راہ ڈھونڈ نکالتے تاکہ اس سے جنگ کریں، جن شرکا کی یہ بات کرتے ہیں وہ ان سے پاک اور بہت بالا و برتر ہے ساتوں آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے اس کی پاکی بیان کرتے ہیں اور ہر مخلوق حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بیان کرتی ہے یعنی سبحان اللہ وبحمدہ کہتی ہے، لیکن تم ان کی تسبیح کو نہیں سمجھ سکتے اس لئے کہ وہ تمہاری زبان میں نہیں ہے بلاشبہ وہ بڑا بردبار اور بخشنے والا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ تمہاری سزا میں جلدی نہیں کرتا، اور جب تم قرآن کی تلاوت کرتے ہو تو ہم تمہارے اور آخرت پر ایمان نہ رکھنے والوں کے درمیان حجاب ساتر ڈال دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ تم کو دیکھ نہیں سکتے اور (آئندہ آیت) اس شخص کے بارے میں نازل ہوئی جس نے آپ ﷺ کو اچانک قتل کرنے کا ارادہ کیا، اور ان کے دلوں پر ایسا غلاف چڑھا دیتے ہیں کہ وہ کچھ نہیں سمجھتے (یعنی) ایسا غلاف جو قرآن فہمی سے مانع ہوتا ہے، یعنی اس کو نہیں سمجھتا اور ان کے کانوں میں ثقل پیدا کرتے ہیں جس کی وجہ سے وہ اس کو سنتے نہیں ہیں، اور جب تم قرآن میں اپنے ایک ہی رب کا ذکر کرتے ہو تو وہ اس سے نفرت سے منہ موڑ لیتے ہیں اور جب وہ کان لگا کر آپ کی قراءت استہزاء کے لئے سنتے ہیں تو ہمیں تب بھی معلوم ہے کہ وہ کیا سنتے ہیں، اور جب یہ آپس میں چپکے چپکے باتیں کرتے ہیں تب بھی، اور اِذْ، ماقبل کے

اذ سے بدل ہے، اور تب بھی کہ جب یہ ظالم آپس میں سرگوشی کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ تم تو ایک سحر زدہ شخص کی پیروی کرتے ہو (یعنی) ایسے شخص کی کہ جو مسحور اور مغلوب العقل ہے، دیکھو تو سہی آپ کے بارے میں کیسی کیسی مثالیں دیتے ہیں؟ (یعنی) سحر زدہ اور کاہن اور شاعر کی مثال، اسی وجہ سے یہ لوگ ہدایت سے بھٹک رہے ہیں انھیں (خدا تک رسائی کا) راستہ نہیں ملتا اور منکرین بعث کہتے ہیں کہ کیا جب ہم ہڈی اور چورہ ہو کر رہ جائیں گے تو کیا ہم کو نئے سرے سے پیدا کیا جائیگا آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تم پتھر یا لوہا یا کوئی ایسی مخلوق جو قبول حیات میں تمہارے خیال میں ہڈیوں اور ریزوں سے بھی بعید تر ہو، ہو جاؤ تو بھی تمہارے اندر وہ روح ڈال کر ہی رہے گا، تو وہ ضرور پوچھیں گے کہ وہ کون ہے جو ہم کو زندگی کی طرف لوٹائیگا (جواب میں) کہو، وہی جس نے پہلی بار تم کو پیدا کیا، حالانکہ تم کچھ بھی نہیں تھے اسلئے کہ جو ابتداءً پیدا کرنے پر قادر ہے وہ دوبارہ پیدا کرنے پر بھی قادر ہے بلکہ دوبارہ پیدا کرنا آسان تر ہے تو وہ تعجب سے آپ کی طرف سر منکائیں گے اور پوچھیں گے، اچھا تو، یہ دوبارہ زندہ ہونا، ہوگا کب؟ تم کہو ہو سکتا ہے کہ وہ وقت قریب ہی آ لگا ہو، جس روز وہ تمہیں اسرافیل کی زبانی قبروں سے پکارے گا تو تم اس کے حکم پر لبیک کہتے ہوئے قبروں سے نکل آؤ گے اور کہا گیا ہے کہ **له الحمد**، کہتے ہوئے نکل آؤ گے جس منظر کو تم دیکھو گے اس کی ہولناکی کی وجہ سے تمہارا گمان یہ ہوگا کہ تم دنیا میں بہت کم مدت رہے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: وَلَقَدْ صَرَّفْنَا فی هذا القرآن، واؤ عاطفہ ہے لام قسمیہ، صَرَّفَ، متعدد معنی کے لئے استعمال ہوتا ہے یہاں بَیَّنَّا واَوْضحنا کے معنی میں مستعمل ہے، اس کا مفعول محذوف ہے تقدیر عبارت یہ ہے "وَلَقَدْ صَرَّفْنَا اَمْثَالًا".

قولہ: ساترًا، اس میں اشارہ ہے کہ مفعول بمعنی فاعل ہے اسلئے کہ حجاب ساتر ہوتا ہے نہ کہ مستور۔

قولہ: اَلْفتك، بتثلیث الفاء القتل علی الغفلة، اچانک غفلت کی حالت میں قتل کر دینا۔

قولہ: من ان یفقهوا، اس میں اشارہ ہے کہ اَنْ مصدریہ ہے نہ کہ تفسیریہ، مِن اَن یفقهوا، میں من کا اضافہ یہ بتانے کے لئے کہ اَنْ یفقهوه تقدیر من کے ساتھ اَکِنَّة کا صلہ ہے اور اَکِنَّة، مَنَعَ کے معنی کو مشتمل ہے، نہ یہ کہ اَن یفقهوه مفعول لہ ہے کہ حذف مضاف کی ضرورت ہو اور تقدیر عبارت یہ ہو "کراهةَ اَنْ یفقهوهُ".

قولہ: وَحْدَهٗ، مصدر ہے موقع حال میں واقع ہے۔

قولہ: نفورًا مصدر ہے جو کہ ولّوا کا مفعول لہ واقع ہو رہا ہے۔

قولہ: اِذ یستمعون الخ اور اِذهم نجوی یہ دونوں اَعْلَمُ کے ظرف ہیں۔

قولہ: قراء تك، مضاف محذوف مان کر بتا دیا کہ استماع کا مفعول قراءت محذوف ہے اس لئے کہ ذات کا سننا محال ہے اور نہ ذات سننے کی چیز ہے۔

قَوْلُہٗ: مخدوعًا، ای مسحورًا یعنی ایسا مسحور کہ سحر کی وجہ سے اس کی عقل زائل ہو گئی ہو۔

قَوْلُہٗ: رُفاتا، رُفات وہ شئ جو خشک ہو کر چورہ چورہ ہو جائے۔

قَوْلُہٗ: ینغضون اِنغاض (افعال) سے مضارع جمع مذکر غائب، وہ سر ہلاتے ہیں نَغض (ض ن) اوپر سے نیچے کو سر ہلانا۔

تَفسِیر وتشریح

ولقد صَرّفنا فی ھٰذا القرآن (الآیۃ) طرح طرح سے بیان کرنے کا مطلب ہے، وعظ ونصیحت، دلائل وبینات، ترغیب وترہیب، اور امثال وواقعات، غرض ہر طریقہ سے بار بار سمجھایا گیا ہے تاکہ وہ ہوش میں آئیں اور سمجھیں لیکن وہ کفر شرک کی تاریکیوں میں اس طرح پھنسے ہوئے ہیں کہ وہ حق کے قریب ہونے کے بجائے اس سے اور زیادہ دور ہو گئے ہیں، اس لئے کہ ان کا خیال ہے کہ یہ قرآن، جادو، کہانت اور شاعری ہے، ایسی حالت میں وہ اس قرآن سے کہاں راہ یاب ہو سکتے ہیں؟ کیونکہ قرآن کی مثال بارش کی سی ہے، زرخیز زمین پر پڑے تو وہ بارش سے سرسبز وشاداب ہو جاتی ہے اور اگر سنگلاخ اور بنجر زمین پر پڑے تو خاروخس اگا دے اور اگر گندی زمین پر پڑے تو اس کی گندگی اور بدبو میں اضافہ ہو جاتا ہے۔

قل لَوْ کان معہ اٰلِھۃ کما یقولون (الآیۃ) اس کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ جس طرح ایک بادشاہ دوسرے بادشاہ پر لشکر کشی کرکے غلبہ حاصل کر لیتا ہے، اسی طرح یہ دوسرے معبود بھی اللہ پر غلبہ کی کوئی تدبیر نکال لیتے، اور اب تک ایسا ہوا نہیں جبکہ ان معبودوں کو پوجتے ہوئے صدیاں گذر گئیں، تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود ہی نہیں اور نہ کوئی بااختیار ہستی اور نہ کوئی نافع وضار، مطلب یہ ہے کہ اگر معبود حقیقی کے علاوہ دیگر معبود حقیقی ہوتے تو وہ خود مالک عرش بننے کی کوشش کرتے اس لئے کہ چند ہستیوں کا خدائی میں شریک ہونا دو حال سے خالی نہیں ہوسکتا، یا تو وہ سب اپنی جگہ مستقل خداہوں یا ان میں سے ایک اصل خدا ہو اور باقی اس کے تابع، پہلی صورت میں یہ کسی طرح ممکن نہ تھا کہ یہ سب آزاد وخود مختار خدا، ہمیشہ ہر معاملہ میں ایک دوسرے کے ارادہ سے موافقت کرکے اس عظیم کائنات کے نظم کو اتنی مکمل ہم آہنگی ویکسانیت اور تناسب وتوازن کے ساتھ چلا سکتے، ناگزیر تھا کہ ان کے منصوبوں اور ارادوں میں قدم قدم پر تصادم ہوتا اور ایک دوسرے پر غلبہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہتا دوسری صورت تو بندہ کا ظرف، خدائی اختیارات تو درکنار خدائی کے ذرا سے وہم اور شائبہ تک کا تحمل نہیں کر سکتا۔

تُسبح لہ السمٰوات السبع والارض (الآیۃ) کائنات میں انسانوں، فرشتوں اور جنوں کی تسبیح کا مطلب تو واضح ہے مذکورہ تینوں نوعوں کے علاوہ کی تسبیح کے بارے میں بعض علماء نے کہا ہے کہ ان کی تسبیح سے مراد تسبیح حالی ہے۔

مگر دوسرے اہل تحقیق علماء کا قول یہ ہے کہ تسبیح اختیاری تو صرف فرشتے اور مومن جن وانس کے لئے مخصوص ہے مگر تکوینی طور پر اللہ تعالیٰ نے کائنات کے ذرہ ذرہ کو تسبیح خواں بنا رکھا ہے مگر ان کی اس تکوینی اور غیر اختیاری تسبیح کو عام لوگ نہیں سنتے قرآن

کریم کا ارشاد ہے "ولکن لا تفقهون تسبيحهم" اس سے معلوم ہوا کہ تمام کائنات کی تسبیح حالی نہیں بلکہ حقیقی ہے مگر ہمارے فہم و ادراک سے بالاتر ہے۔

کائنات کی ہر شئی تسبیح و تحمید میں مشغول ہے:

کائنات کی ہر شئی اپنے اپنے انداز میں تسبیح و تحمید میں مصروف ہے گو ہم اس کو نہ سمجھ سکیں، اس کی تائید بعض آیات قرآنی سے بھی ہوتی ہے، حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں آتا ہے "اِنّا سخرنا الجبالَ معه يُسبّحنَ بالعشيّ والاشراق" (سورۂ ص) ہم نے پہاڑوں کو داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع کر دیا بس وہ شام اور صبح کو اس کے ساتھ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں، بعض پتھروں کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَاِنَّ منها لما يَهْبِطُ من خشية اللّٰه" (بقرہ) اور بعض (پتھر) اللہ تعالیٰ کے خوف کے مارے گر پڑتے ہیں۔

کھانے کا تسبیح پڑھنا:

عبداللہ بن مسعود بیان فرماتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ انہوں نے کھانے کی تسبیح کی آواز سنی۔

اسطوانہ حنانہ کا رونا:

حدیث شریف میں آیا ہے کہ مسجد نبوی میں منبر بننے سے پہلے آپ کھجور کے ایک تنے سے ٹیک لگا کر خطبہ دیا کرتے تھے جب لکڑی کا منبر تیار ہو گیا تو اس تنے کو آپ نے چھوڑ دیا تو وہ تنا بچے کی طرح زور زور سے رونے لگا آپ کے تسلی دینے کے بعد خاموش ہوا۔ (بخاری شریف)

پتھر کا آپ ﷺ کو سلام کرنا:

مکہ میں ایک پتھر تھا جو رسول اللہ ﷺ کو سلام کیا کرتا تھا (مسلم شریف) صحیح مسلم میں حضرت جابر بن سمرہ کی روایت سے مذکور ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں مکہ کے اس پتھر کو پہچانتا ہوں کہ جو بعثت سے پہلے مجھے سلام کیا کرتا تھا اور میں اب بھی اسے پہچانتا ہوں بعض حضرات نے کہا ہے کہ اس سے مراد حجر اسود ہے۔ (معارف)

مذکورہ روایات کے بعد اس میں کیا بُعد اور استحالہ رہ جاتا ہے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز میں شعور و ادراک ہے، اور ہر چیز حقیقی طور پر اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔

امام قرطبی نے فرمایا کہ اگر تسبیح سے مراد تسبیح حالی ہو تو مذکورہ آیت میں حضرت داؤد علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کیا تخصیص ہوگی اس سے ظاہر یہی ہے کہ یہ تسبیح قولی تھی، جیسا کہ خصائص الکبریٰ کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ کنکریوں کا تسبیح پڑھنا معجزہ نہیں وہ تو ہر حال میں اور ہر وقت عام ہے آنحضرت ﷺ کا معجزہ یہ تھا کہ آپ کے دست مبارک میں آنے کے بعد ان کی تسبیح اس طرح ہوگئی کہ عام لوگوں نے اپنے کانوں سے سنی۔

کیا پیغمبر پر جادو کا اثر ہوسکتا ہے:

کسی نبی اور پیغمبر پر جادو کا اثر ہو جانا ایسا ہی ممکن ہے جیسا کہ کسی مرض کا اثر ہو جانا، اس لئے کہ انبیاء بشری خواص سے الگ نہیں ہوتے، جیسے ان کو زخم لگ سکتا ہے، بخار اور درد ہوسکتا ہے، قے آسکتی ہے ایسے ہی جادو کا اثر بھی ہوسکتا ہے، اسلئے کہ وہ بھی خاص اسباب طبعیہ جنات وغیرہ کے اثر سے ہوتا ہے اور حدیث سے ثابت ہے کہ ایک مرتبہ آپ ﷺ پر جادو کا اثر ہو گیا تھا، آخری آیت میں جو کفار نے آپ کو مسحور کہا اور قرآن نے اس کی تردید کی اس کا حاصل یہ ہے کہ آپ کو مسحور کہنے کا مطلب مجنون کہنا تھا، اسی کی تردید قرآن نے فرمائی ہے اس لئے حدیث سحر اس آیت کے معارض نہیں ہے۔

وَاِذا قرأت القرآن الخ آیات مذکورہ میں سے پہلی دُوسری آیت میں جو مضمون آیا اس کا ایک خاص شان نزول ہے، جو قرطبی نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ جب قرآن میں سورۂ تبت یدا ابی لهب، نازل ہوئی جس میں ابولہب کی بیوی کی مذمت مذکور ہے تو اس کی بیوی آپ ﷺ کی مجلس میں گئی اس وقت حضرت ابوبکر صدیق مجلس میں موجود تھے اس کو آتے دیکھ کر آپ ﷺ سے صحابہ نے عرض کیا کہ آپ یہاں سے ہٹ جائیں تو بہتر ہے کیونکہ یہ عورت بڑی بدزبان ہے یہ ایسی باتیں کہے گی جس سے آپ کو تکلیف ہوگی آپ نے فرمایا نہیں اس کے اور میرے درمیان اللہ تعالیٰ پردہ حائل کردیں گے، چنانچہ وہ آپ کی مجلس میں پہنچی مگر رسول اللہ ﷺ کو نہ دیکھ سکی، تو صدیق اکبر کو مخاطب ہو کر کہنے لگی کہ آپ کے ساتھی نے ہماری ہجو کی ہے، صدیق اکبر نے کہا واللہ وہ تو کوئی شعر ہی نہیں کہتے جس میں عادۃً ہجو کی جاتی ہے تو وہ یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ تم بھی اس کی تصدیق کرنے والوں میں سے ہو، اس کے چلے جانے کے بعد صدیق اکبر نے عرض کیا، کیا اس نے آپ کو دیکھا نہیں آپ نے فرمایا جبتک وہ یہاں رہی میرے اور اس کے درمیان ایک فرشتہ پردہ کرتا رہا۔ (معارف)

اَكِنَّةٌ، کنان کی جمع ہے، ایسا پردہ جو دلوں پر پڑ جائے، وَقْرٌ، گراں گوشی، ثقل سماعت، ڈاٹ، بہراپن، جو قرآن سننے سے مانع ہو مطلب یہ ہے کہ ان کے دل قرآن کے سمجھنے سے قاصر اور کان قرآن سنکر ہدایت قبول کرنے سے عاجز ہیں، اور اللہ کی توحید سے تو ان کو اتنی نفرت ہے کہ توحید کا نام سنتے ہی بھاگ کھڑے ہوتے ہیں۔

وَقَالُوا ءِاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَ اِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ مشرکین وکفار کا کہنا یہ تھا کہ اول تو مر کر دوبارہ زندہ ہونا ہی مشکل ہے اسلئے کہ مردہ جسم میں زندگی کی صلاحیت نہیں رہتی اور جب وہ جسم پھول پھٹ کر ریزہ ریزہ ہو کر منتشر بھی

ہو جائے تو اس کے زندہ ہونے کو کون مان سکتا ہے، آپ ان کے جواب میں فرما دیجئے کہ تم تو ہڈیوں ہی کی حیات کو مستبعد سمجھتے ہو ہم کہتے ہیں کہ تم پتھر یا لوہا یا کوئی ایسی چیز جو تمہاری نظر میں حیات قبول کرنے میں پتھر اور لوہے سے بھی سخت ہو، ہو کر دیکھ لو، دیکھو کہ زندہ کئے جاتے ہو یا نہیں، پتھر اور لوہے کو بعید از حیات قرار دینا اس لئے ظاہر ہے کہ ان میں کسی وقت بھی حیات حیوانی نہیں آتی بخلاف ہڈیوں کے کہ ان میں پہلے کچھ وقت تک حیات رہ چکی ہے تو جب لوہے اور پتھر کو زندہ کرنا اللہ کے نزدیک مشکل نہیں تو اعضاء انسانی کو دوبارہ زندگی بخشنا کیا مشکل ہوگا۔

وَقُلْ لِعِبَادِيْ المؤمنين يَقُوْلُوا للكفار الكلمةَ الَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ اِنَّ الشَّيْطٰنَ يَنْزَغُ يُفسِدُ بَيْنَهُمْ اِنَّ الشَّيْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِيْنًا﴿﴾ بَيِّنَ العداوةِ والكلمةُ التي هي اَحسنُ هي رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِكُمْ اِنْ يَّشَاْ يَرْحَمْكُمْ بالتوبة والايمان اَوْ اِنْ يَّشَاْ تعذيبَكم يُعَذِّبْكُمْ بالموتِ على الكفرِ وَمَا اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا﴿﴾ فتجبرُهم على الايمان وهذا قبلَ الامرِ بالقتال وَرَبُّكَ اَعْلَمُ بِمَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ فيَخُصُّهم بما شاء على قدرِ اَحوالِهم وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيّٖنَ عَلٰى بَعْضٍ بتخصيصِ كلٍ منهم بفضيلةٍ كموسٰى بالكلامِ وابراهيمَ بالخُلَّةِ ومحمدٍ عليه وعليهما السلامُ بالاسراءِ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا﴿﴾ قُلْ لهم ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنهم الِهةٌ مِّنْ دُوْنِهٖ كالملائكةِ وعيسى وعُزير فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا﴿﴾ له الى غيرِكم اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ هم الِهةٌ يَبْتَغُوْنَ يَطلبونَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ القربةَ بالطاعةِ اَيُّهُمْ بدلٌ من واوِ يبتغونَ اى يَبْتَغِيها الذى هو اَقْرَبُ اليه فكيف بغيره وَيَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَيَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ كغيرِهم فكيف يدعونَهم الِهةً اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا﴿﴾ وَاِنْ ما مِّنْ قَرْيَةٍ اُريدَ اَهلُها اِلَّا نَحْنُ مُهْلِكُوْهَا قَبْلَ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ بالموتِ اَوْ مُعَذِّبُوْهَا عَذَابًا شَدِيْدًا بالقتلِ وغيره كَانَ ذٰلِكَ فِي الْكِتٰبِ اللوحِ المحفوظِ مَسْطُوْرًا﴿﴾ مكتوبًا وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ التي اقترحَها اهلُ مكةَ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ لمّا اَرسلنَاها فاَهلَكنَاهم ولَوْ اَرسلناها الى هؤلاءِ لكَذَّبُوابها واستحَقُّوا الاهلاكَ وقد حَكَمنا باِمهالِهم لاتمامِ امرِ محمد وَاٰتَيْنَا ثَمُوْدَ النَّاقَةَ اٰيةً مُبْصِرَةً بينةً واضحةً فَظَلَمُوْا كفروا بِهَا فاُهلِكوا وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ المعجزاتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا﴿﴾ للعبادِ ليُؤمِنُوا وَ اذكر اِذْ قُلْنَا لَكَ اِنَّ رَبَّكَ اَحَاطَ بِالنَّاسِ علمًا وقدرةً فهم في قبضتِه فبلِّغْهم ولا تخف اَحدًا فهو يَعصِمُكَ منهم وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ عيانًا ليلةَ الاسراءِ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ اهلِ مكةَ اذ كَذَّبُوا بها وارْتَدَّ بعضُهم لما اَخبرتَهم بها وَالشَّجَرَةَ الْمَلْعُوْنَةَ فِي الْقُرْاٰنِ وهي الزَّقُّوْمُ التي تَنبتُ في اصلِ الجحيمِ جعلناها فتنةً لهم اِذْ قالوا النارُ تُحرق الشجرَ فكيف تُنبتُه وَنُخَوِّفُهُمْ بها فَمَا يَزِيْدُهُمْ تخويفُنا اِلَّا طُغْيَانًا كَبِيْرًا﴿﴾

تَرجَمہ: اور میرے مومن بندوں سے کہہ دو کہ کفار سے اچھی بات کہو بلاشبہ شیطان ان کے درمیان فساد ڈلواتا

ہے، یقیناً شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے، یعنی اس کی عداوت بالکل ظاہر ہے، اور وہ کلمہ جو بہتر ہے وہ یہ کہ ''تمہارا رب تمہارے بارے میں تمہاری بہ نسبت بہت زیادہ جانتا ہے، اگر وہ چاہے تو توبہ اور ایمان کے ذریعہ تمہارے اوپر رحم فرمائے یا اگر تم کو عذاب دینا چاہے تو تم کو کفر پر موت دے کر تم کو عذاب دے اور ہم نے آپ کو ان کا ذمہ دار بنا کر نہیں بھیجا کہ آپ ان کو ایمان پر مجبور کریں اور یہ حکم، جہاد کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، اور وہ آسمانوں اور زمین کی مخلوقات کے بارے میں بخوبی جانتا ہے اور ان کے احوال کے مطابق جو چاہتا ہے ان کے ساتھ خاص کرتا ہے، اور یقیناً ہم نے بعض نبیوں کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے ہر ایک کو ایک مخصوص فضیلت دے کر، مثلاً موسیٰ علیہ السلام کو شرف ہمکلامی بخش کر، اور ابراہیم علیہ السلام کو دوستی کا مرتبہ عطا کر کے اور محمد ﷺ کو ان دونوں پر سفر اسراء کے ذریعہ (فضیلت دیکر) اور داؤد علیہ السلام کو ہم نے زبور عطا کی آپ ﷺ ان سے کہہ دو کہ جن کو تم اس کے علاوہ معبود سمجھتے ہو مثلاً ملائکہ اور عیسیٰ اور عزیر ان کو پکارو لیکن وہ نہ تو تم سے کسی تکلیف کو دور کر سکتے ہیں اور نہ (بدل کر) کسی دوسرے پر ڈال سکتے ہیں اور جنہیں یہ لوگ معبود سمجھ کر پکارتے ہیں وہ خود طاعت کے ذریعہ اپنے رب سے تقرب کی جستجو میں رہتے ہیں کہ ان میں سے کون ہے جو اس کے زیادہ قریب ہو جائے؟ تو غیر اقرب کا کیا حال ہوگا؟ (ایھم) یبتغون کے واؤ سے بدل ہے یعنی جو اس کے قریب ہے وہ (قریب تر ہونے کا) وسیلہ تلاش کرتا ہے اور وہ اس کی رحمت کے امیدوار اور دوسروں کے مانند اس کے عذاب سے ترساں رہتے ہیں تو پھر یہ لوگ ان کو معبود ہونے کی حیثیت سے کیوں پکارتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ تیرے رب کا عذاب ہے ہی ڈرنے کے لائق اور کوئی بستی ایسی نہیں مراد بستی والے ہیں کہ ہم اس کو موت کے ذریعہ قیامت سے پہلے ہلاک نہ کر دیں یا قتل وغیرہ کے ذریعہ اس کو سخت عذاب نہ دیں، یہ لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے ہمیں نشانات یعنی اہل مکہ کے فرمائشی معجزات بھیجنے سے صرف اس بات نے روک رکھا ہے کہ جب ہم نے ان (فرمائشی معجزوں) کو بھیجا تھا تو ان کو پہلے لوگوں نے جھٹلا دیا تھا اور اگر ہم ان کے فرمائشی معجزے ان کے پاس بھیجتے تو یہ بھی انکو جھٹلاتے جس کی وجہ سے مستحق ہلاکت ہو جاتے اور ہم محمد ﷺ کے مشن کو پورا کرنے کے لئے ان کو مہلت کا حکم دے چکے ہیں اور ہم نے ثمودیوں کو واضح معجزہ کے طور پر اونٹنی عطا کی تو انہوں نے اس پر ظلم کیا (یعنی اس کی) ناشکری کی تو وہ ہلاک کر دیئے گئے، اور ہم تو لوگوں کو دھمکانے ہی کے لئے نشانیاں معجزات بھیجتے ہیں تاکہ وہ ایمان لے آئیں اور یاد کرو جب ہم نے آپ سے فرمایا تھا کہ بلاشبہ تیرے رب نے لوگوں کا علم اور قدرت کے اعتبار سے احاطہ کر رکھا ہے تو وہ اس کے قبضہ میں ہیں، آپ ان کو تبلیغ کرتے رہیے اور کسی کا خوف نہ کیجئے، وہ تمہاری ان سے حفاظت کرے گا، رات کے سفر میں جو کچھ ہم نے آپ کو بچشم سر دکھایا وہ اہل مکہ کے لئے محض آزمائش ہے اس لئے کہ انہوں نے اس کی تکذیب کر دی اور جب ان کو (واقعہ کی) خبر دی گئی تو بعض (ضعیف الایمان) ان میں سے مرتد ہو گئے اور اس درخت کو بھی کہ جس پر قرآن میں لعنت کی گئی ہے اور وہ زقوم (تھوہر) کا درخت ہے کہ جو جہنم کے نچلے طبقہ میں اگا ہے اس کو بھی ہم نے ان کے لئے آزمائش بنا دیا جبکہ انہوں نے کہا

آگ تو درخت کو جلا دیتی ہے تو پھر اس کو کس طرح اگائے گی، ہم ان کو اس کے ذریعہ ڈرا رہے ہیں مگر ہمارا ڈرانا انھیں (اور) بڑی سرکشی پر ابھار رہا ہے۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلُهُ: الکلمة التی هِیَ احسن، اَلّتی اسم موصول هِیَ مبتداء اَحسن اس کی خبر مبتداء خبر سے مل کر جملہ ہوکر صلہ، موصول صلہ سے مل کر صفت الکلمة محذوف کی، موصوف صفت سے مل کر مقولہ۔

قِوْلُهُ: یقولوا کا، مفسر علام نے الکلمة محذوف مان کر اَلّتی کی وجہ تانیث کی طرف اشارہ کردیا۔

قِوْلُهُ: هِیَ ربکم اعلم الخ الکلمة التی هی احسن کی تفسیر ہے، اور درمیان میں جملہ معترضہ ہے، لہٰذا مفسر اور مفسر کے درمیان فصل کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قِوْلُهُ: بما شاء، ای بالنبوة و غیرها.

قِوْلُهُ: و آتینا داؤد زبورًا، اس میں اس بات پر تنبیہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کی فضیلت اس وجہ سے ہے کہ ان پر بذریعہ وحی زبور نازل کی گئی نہ کہ ان کے ملک ومال کی وجہ سے۔

قِوْلُهُ: اولئك الذین یدعون هم، اولٰئك اسم اشارہ موصوف، الّذین اسم موصول، یدعون فعل با فاعل هم ضمیر صلہ مفعول محذوف آلهةً، هم سے تمیز، یدعون اپنے فاعل اور مفعول سے مل کر صلہ، موصول صلہ سے مل کر جملہ ہوکر اولٰئك موصوف کی صفت موصوف صفت سے مل کر مبتداء یبتغون الی ربهم الوسیلة جملہ ہوکر مبتداء کی خبر۔

دوسری ترکیب: اولئك مبدل منہ اور الذین یدعون بدل، بدل مبدل منہ سے مل کر مبتداء اور یبتغون جملہ ہوکر اس کی خبر۔

قِوْلُهُ: اَیُّهُمْ، اقربُ، مبتداء خبر ہیں، اور یہ بھی درست ہے کہ اَیُّهُمْ یبتغون کی ضمیر سے بدل ہو، ای یبتغی مَنْ هو اقربُ الیه تعالی الوسیلةَ فکیف من دونَه: مفسر علام سیوطی نے یہی ترکیب اختیار کی ہے۔

قِوْلُهُ: مبصِرة، مبصِرَةً آیة موصوف محذوف کی صفت ہے نہ کہ الناقة کی لہٰذا موصوف وصفت میں عدم مطابقت کا اعتراض ختم ہوگیا۔

قِوْلُهُ: عیانا، اس میں اشارہ ہے کہ رؤیا معنی میں رویت بصری کے ہے۔

قِوْلُهُ: الشجرة، اس کا عطف الرؤیا پر ہے، یعنی ہم نے دونوں کو وجہ آزمائش بنایا۔

قِوْلُهُ: الشجرة الملعونة، اس میں مجاز ہے یعنی لعنت شجر پر نہیں بلکہ شجر کے کھانے والے پر ہوگی اسلئے کہ شجر پر لعنت کے کوئی معنی نہیں ہیں۔

تفسیر وتشریح

بدزبانی اور تلخ کلامی کفار کے ساتھ بھی جائز نہیں:

زبان کی ذرا سی بے اعتدالی سے شیطان جو تمہارا کھلا ہوا دشمن ہے تمہارے درمیان فساد ڈلواسکتا ہے، آپس میں گفتگو کرتے وقت زبان کو احتیاط سے استعمال کریں، زبان سے اچھے اور مہذب کلمات نکالیں شیریں کلامی اور نرم گفتاری سے انسان دشمن کے دل کو بھی جیت سکتا ہے، اگر کفار ومشرکین اور اہل کتاب سے گفتگو کی ضرورت پیش آئے تو ان سے بھی مشفقانہ اور نرم لہجے میں گفتگو کریں، زبان کی ذرا سی بے احتیاطی کفار ومشرکین کے دلوں میں تمہارے لئے زیادہ بغض وعناد پیدا کرسکتی ہے، گالی گلوچ اور سخت کلامی سے نہ کوئی قلعہ فتح ہوتا ہے اور نہ کسی کو ہدایت ہوتی ہے اس لئے اس سے منع کیا گیا ہے۔

شان نزول:

امام قرطبی نے فرمایا کہ یہ آیت حضرت عمر رَضَاللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کے ایک واقعہ کے بارے میں نازل ہوئی تھی ایک مرتبہ ایک شخص نے حضرت عمر رَضَاللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کو گالی دی اس کے جواب میں حضرت عمر رَضَاللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ نے بھی اس کو سخت جواب دیا اور اس کے قتل کا ارادہ کیا اس کے نتیجے میں دو قبیلوں کے درمیان جنگ چھڑ جانے کا خطرہ پیدا ہوگیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَقد فضلنا بعض النبیین علی بعض یہ مضمون **تلك الرسل فضلنا بعضهم علی بعض** میں بھی گذر چکا ہے اسی مضمون کو یہاں کفار مکہ کے جواب میں دہرایا گیا ہے، جو کہتے تھے کہ کیا اللہ کو رسالت کے لئے یہی (محمد ﷺ) ملا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کسی کو رسالت ونبوت کے لئے منتخب کرنا اور کسی نبی کو دوسرے نبی پر فضیلت دینا یہ اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔

قلِ ادعوا الذین زعمتم من دونِهٖ الخ، اس آیت میں **من دونِهٖ** سے مراد فرشتوں اور بزرگوں کے وہ مجسمے ہیں جن کی وہ بندگی کیا کرتے تھے، یا حضرت عزیر ومسیح عَلَیْہِمَا السَّلَام ہیں جنہیں یہودی اور عیسائی ابن اللہ کہتے اور انھیں صفات الوہیت کا حامل مانتے تھے یا وہ جنات ہیں جن کی مشرکین عبادت کرتے تھے، اس لئے اس آیت میں بتلایا جارہا ہے کہ یہ تو خود اپنے رب کا قرب حاصل کرنے کی جستجو میں رہتے ہیں اور اس کی رحمت کی امید رکھتے اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔

وَمَا مَنَعَنَا أن نرسِلَ بالآیاتِ اِلا أن کذّبَ بها الاولون یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب کفار مکہ نے مطالبہ کیا کہ کوہ صفا کو سونے کا بنادیا جائے یا مکہ کے پہاڑوں کو اپنی جگہ سے ہٹادیا جائے، تاکہ وہاں کاشت ہوسکے، اس پر اللہ تعالیٰ نے جبرئیل عَلَیْہِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَام کے ذریعہ پیغام بھیجا کہ ان کے مطالبات ہم پورے کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن اس کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تو ان کی ہلاکت یقینی ہے، اور پھر انھیں مہلت نہیں دی جائے گی، نبی ﷺ نے بھی اس بات کو پسند فرمایا کہ ان کا مطالبہ پورا نہ کیا جائے تاکہ یہ یقینی ہلاکت سے بچ جائیں۔ (مسند احمد)

وَمَا جعلنا الرؤيا التی اَرَيْنٰكَ الا فتنة للناسِ صحابہ اور تابعین نے اس رؤیا کی تعبیر رویت بصری سے کی ہے، اور مراد اس سے معراج کا واقعہ ہے جو کمزور ایمان والوں کے لئے فتنے کا باعث بن گیا، جس کی وجہ سے وہ مرتد ہو گئے، اور درخت سے مراد زقوم (تھوہر) کا درخت ہے جس کا مشاہدہ نبی ﷺ نے شب معراج جہنم میں کیا، الملعونة سے مراد کھانے والوں پر لعنت ہے۔

وَ اذکُر اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ سجود تحية بالانحناء فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ﴿۶۱﴾ نصبٌ بنزع الخافض اى مِن طينٍ قَالَ اَرَءَيْتَكَ اى اَخبِرْني هٰذَا الَّذِيْ كَرَّمْتَ فضَّلتَ عَلَيَّ بالامر بالسجود له وانا خيرٌ منه خلقتني من نار لَئِنْ لام قسم اَخَّرْتَنِ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَاَحْتَنِكَنَّ لَاَستاصِلَنَّ ذُرِّيَّتَهٗٓ بالاغواء اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۶۲﴾ منهم ممّن عصمته قَالَ تعالى له اذْهَبْ منظرًا الى وقتِ النفخةِ الاُولىٰ فَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ انت وهم جَزَآءً مَّوْفُوْرًا ﴿۶۳﴾ وافرًا كاملاً وَاسْتَفْزِزْ استخفّ مَنِ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ بِصَوْتِكَ بدُعائك بالغناءِ والمزامير وكل داع الى المعصية وَاَجْلِبْ صِحْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرَجِلِكَ وهم الرُّكابُ والمُشاةُ فى المَعاصِي وَشَارِكْهُمْ فِي الْاَمْوَالِ المحرّمةِ كالربوا والغصب وَالْاَوْلَادِ من الزنا وَعِدْهُمْ بانْ لا بعثَ ولاجزاءَ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ بذلك اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۶۴﴾ باطلاً اِنَّ عِبَادِيْ المؤمنينَ لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنٌ تسلُّطٌ وقوةٌ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِيْلًا ﴿۶۵﴾ حافظًا لهم منك رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ السُفن فِي الْبَحْرِ لِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ تعالى بالتجارة اِنَّهٗ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۶۶﴾ فى تسخيرها لكم وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ الشدةُ فِي الْبَحْرِ خوفُ الغرقِ ضَلَّ غاب عنكم مَنْ تَدْعُوْنَ تعبدون من الالهة فلا تدعونه اِلَّآ اِيَّاهُ تعالى فانّكم تدعُونَه وحدَه لانّكم فى شدةٍ لا يكشفُها الا هو فَلَمَّا نَجّٰىكُمْ من الغرق واوصلكم اِلَى الْبَرِّ اَعْرَضْتُمْ عن التوحيدِ وَكَانَ الْاِنْسَانُ كَفُوْرًا ﴿۶۷﴾ جحودًا للنعم اَفَاَمِنْتُمْ اَنْ يَّخْسِفَ بِكُمْ جَانِبَ الْبَرِّ اى الارض كقارون اَوْ يُرْسِلَ عَلَيْكُمْ حَاصِبًا اى يرميكم بالحصباءِ كقوم لوط ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ وَكِيْلًا ﴿۶۸﴾ حافظًا منه اَمْ اَمِنْتُمْ اَنْ يُّعِيْدَكُمْ فِيْهِ اى البحر تَارَةً مرةً اُخْرٰى فَيُرْسِلَ عَلَيْكُمْ قَاصِفًا مِّنَ الرِّيْحِ اى ريحًا شديدةً لاتمرُّ بشيءٍ الا قصفتْه فتكسرُ فُلكَكم فَيُغْرِقَكُمْ بِمَا كَفَرْتُمْ بكفركم ثُمَّ لَا تَجِدُوْا لَكُمْ عَلَيْنَا بِهٖ تَبِيْعًا ﴿۶۹﴾ نصيرًا اوتابعًا يُطالبُنا بما فعلنا بكم وَلَقَدْ كَرَّمْنَا فضّلنا بَنِيْٓ اٰدَمَ بالعلم والنطقِ واعتدالِ الخلقِ وغير ذٰلك ومنه طهارتُهم بعد الموت وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ على الدوابّ وَالْبَحْرِ على السفن وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا كالبهائم والوحوش تَفْضِيْلًا ﴿۷۰﴾ فمن بمعنى ما اوعلى بابها وتشمل الملائكةَ والمرادُ تفضيلُ الجنسِ ولا يلزمُ تفضيلُ افرادِه اذهم افضلُ من البشر غير الانبياءِ.

ترجمہ: اس وقت کو یاد کرو کہ جب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے تعظیم کے طور پر جھکو تو سب جھکے سوائے ابلیس کے، اس نے کہا کیا میں اس کو جھکوں جس کو تو نے مٹی سے پیدا کیا؟ (طینًا) حذف حرف جر کی وجہ سے منصوب ہے، ای من طینٍ (ابلیس نے) کہا بھلا دیکھ تو سہی کیا یہ اس قابل تھا کہ تو نے مجھے اس کو (جھکنے) سجدہ کا حکم دیکر مجھ پر فضیلت دی، حالانکہ میں اس سے بہتر ہوں اسلئے کہ تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا، مجھے قسم ہے لام قسمیہ ہے اگر تو نے مجھے قیامت تک مہلت دی تو میں بھی اغواء کر کے اس کی پوری نسل کی بیخ کنی کر ڈالوں گا ان میں سے بہت کم لوگ بچ سکیں گے جن کو تو بچائے، اللہ تعالیٰ نے اس سے کہا (اچھا) جا، تجھے نفخۂ اولیٰ تک مہلت ہے، تو جو ان میں سے تیری پیروی کرے گا تم سب کی پوری سزا جہنم ہے، لہٰذا تو جس جس کو ان میں سے گاجے باجے اور ہر ذریعہ معصیت سے دعوت دے کر پھسلا سکتا ہے پھسلا لے اور ان پر تو اپنے سوار اور پیادے چڑھا لا (یعنی ہر حربہ استعمال کر لے) اور خیل سے مراد گھوڑ سوار اور مشاة سے مراد پیادے ہیں، اور حرام مال میں مثلاً سود کا مال اور غصب کا مال اور زنا کی اولاد میں اپنا حصہ لگا لے اور ان سے وعدے کر لے کہ نہ مرنے کے بعد زندہ ہونا ہے اور نہ کوئی حساب کتاب ہے اور شیطان ان سے جو وعدے کرتا ہے وہ دھوکے کے سوا کچھ نہیں، میرے مومن (مخلص) بندوں پر تیرا قابو اور زور نہ چلے گا اور آپ کا رب ان کی حفاظت کے لئے تیری طرف سے کافی ہے، تمہارا رب تو وہ ہے کہ جو دریا میں تمہاری کشتی چلاتا ہے تاکہ تم تجارت کے ذریعہ اس کا فضل (روزی) تلاش کرو حقیقت یہ ہے کہ وہ کشتیوں کو تمہارے تابع کر کے تمہارے حال پر مہربان ہے اور جب سمندر میں تم پر غرق ہونے کے خوف کی مصیبت آتی ہے تو اس وقت تم سے وہ سب غائب ہو جاتے ہیں جن جن معبودوں کی تم بندگی کرتے تھے تو اس وقت تم اسی ایک معبود کو پکارتے ہو (یعنی) اس وقت تم اسی ایک وحدہٗ (لاشریک) کو پکارتے ہو اسلئے کہ (اس وقت) تم ایسی مصیبت میں ہوتے ہو کہ اس کو صرف وہی دور رکھ سکتا ہے پھر جب تم کو ڈوبنے سے بچا لیتا ہے اور تم کو خشکی میں پہنچا دیتا ہے تو تم توحید سے رخ پھیر لیتے ہو اور انسان ہے ہی نعمتوں کا ناشکرا تو کیا تم اس بات سے بے خوف ہو گئے ہو کہ تم کو قارون کے مانند زمین میں دھنسا دے یا تم پر کنکریلی تیز ہوا چلا دے یعنی قوم لوط کے مانند تم پر سنگباری کر دے، پھر تم اس سے بچانے والا کوئی حمایتی نہ پاؤ، اور کیا تم اس بات سے بے فکر ہو گئے کہ وہ پھر تمکو دریا میں لیجائے اور تم پر طوفانی ہوا چلا دے یعنی ایسی تند ہوا کہ جس پر بھی گذرے اس کو توڑ کر رکھ دے، اور تمہاری کشتیوں کو بھی توڑ دے، پھر تم کو تمہارے کفر کے سبب غرق کر دے پھر تم کو اس بات پر کوئی ہمارا پیچھا کرنے والا بھی نہ ملے یعنی کوئی مددگار، یا ایسا حمایتی کہ جو کچھ ہم نے تمہارے ساتھ کیا ہے اس سلسلہ میں ہم سے باز پرس کر سکے، اور ہم نے اولاد آدم کو علم نطق کے ذریعہ اور اعتدال خلق وغیرہ کے ذریعہ عزت بخشی اور اسی میں تم کو موت کے بعد پاک کرنا بھی ہے اور ہم نے ان کو خشکی میں جانوروں پر سوار کیا اور دریا میں کشتیوں پر سوار کیا، اور ان کو پاکیزہ چیزیں عطا کیں اور ہم نے ان کو اپنی بہت سی مخلوقات پر فوقیت دی جیسا کہ پالتو اور

وحشی جانور، مَنْ بمعنی ما ہے یا اپنے حال پر ہے اور یہ فوقیت فرشتوں پر بھی شامل ہے اور مراد فضیلت جنس علی الجنس ہے، اور اس لئے اسکے افراد کی فضیلت لازم نہیں اسلئے کہ ملائکہ انبیاء کے علاوہ ہر بشر سے افضل ہیں۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: اَخبِرنی، اَرَاَیتَكَ، کاف حرف خطاب ہے نہ کہ اسم بلکہ فاعل مخاطب کی اسناد کی تاکید ہے لہٰذا اس کا کوئی محل اعراب نہیں ہے، اور ھذا، اَرَایتَكَ کا مفعول اول ہے اور الذی کرَّمْتَ ھذا کی صفت ہے اَرَاَیتَكَ کا مفعول ثانی محذوف ہے اور وہ لِمَ کرَّمْتَ عَلَیَّ ہے اس حذف پر صفت دلالت کر رہی ہے۔

قَوْلُهٗ: فضَّلْتَ یہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: کرَّمْتَ کی تفسیر فضَّلْتَ سے کیوں کی؟

جَوَاب: اسلئے کہ تکریم کا صلہ علیٰ واقع نہیں ہوتا۔

قَوْلُهٗ: مُنْظَرًا، ای مُمْھَلًا، اِذھب، ذھاب سے نہیں ہے جو المجیء کی ضد ہے، بلکہ اس کے معنی ہیں امضِ لشانك الذی اخترتهٗ یعنی جو تو نے ارادہ کیا ہے تو وہ کر گذر۔

قَوْلُهٗ: انتَ و ھم یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ منھم میں ھم جمع غائب کی ضمیر ہے اور جزاء کم میں کم جمع حاضر کی، دونوں میں مطابقت نہیں ہے۔

جَوَاب: کا حاصل یہ ہے کہ اصل اِنَّ جھنم جزاءُ كَ و جزاءُ ھم تھا پھر مخاطب کو غائب پر غلبہ دیدیا، لہٰذا دونوں ضمیروں میں مخالفت کا اعتراض ختم ہو گیا۔

قَوْلُهٗ: استفزِز (استفعل) امر واحد مذکر حاضر، تو گھبرالے۔

قَوْلُهٗ: لَاَحْتَنِکَنَّ (اِحتناك افتعال) میں ضرور ڈھاٹی لونگا، میں ضرور قابو میں کروں گا، میں ضرور لگام لگاؤں گا، صیغہ واحد متکلم مضارع بانون تاکید ثقیلہ۔

قَوْلُهٗ: لاستاصلنَّ میں پوری طرح بیخ کنی کر دوں گا، جڑ سے اکھاڑ پھینکوں گا۔

قَوْلُهٗ: اَوْصَلکم۔

سُوَال: نجاکم کی تفسیر اوصلکم سے کیوں کی؟

جَوَاب: چونکہ نجاکم کا صلہ الی نہیں آتا اور یہاں صلہ اِلی واقع ہو رہا ہے جو کہ درست نہیں ہے جس کی وجہ بتادی کہ نجاکم، اوصلکم کے معنی کو متضمن ہے، جس کا صلہ اِلی آتا ہے۔

قَوْلُهٗ: الحصباء ای الحصاۃ.

قِوْلَہٗ: بکفر کم اس میں اشارہ ہے کہ بما کفر تم میں ما مصدریہ ہے لہٰذا عدم عائد کا اعتراض واقع نہ ہوگا۔

قِوْلَہٗ: اعتدال الخلق، اور اعتدال ہی کی وہ بات ہے جو ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے ذکر کی ہے، کہ ہر حیوان منہ جھکا کر کھاتا ہے مگر انسان کھانے کی طرف منہ جھکانے کے بجائے کھانے کو منہ کی طرف اٹھاتا ہے۔

قِوْلَہٗ: المراد تفضیل الجنس، یہ اضافہ ایک سوال کا جواب ہے۔

سُوَال: ہمیں یہ تسلیم نہیں کہ مطلقاً تمام بنی آدم مطلقاً تمام فرشتوں سے افضل ہیں۔

جَوَاب: جنس بنی آدم کی جنس ملائکہ پر فضیلت مراد ہے یعنی خاص فرشتے عام انسانوں سے افضل ہیں نہ کہ خاص انسانوں سے مثلاً انبیاء سے۔

تَنْبِیْہ: اگر لفظ "عَلٰی کَثِیْرٍ" کو مدنظر رکھا جائے تو یہ اعتراض ہی پیدا نہیں ہوگا۔

تَفْسِیْر وتَشْرِیح

وَاسْتَفْزِزْ مَنِ اسْتَطَعْتَ منهم بصوتكَ (الآیة) شیطانی آواز سے کیا مراد ہے؟ حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے فرمایا کہ گانے بجانے اور مزامیر اور لہو ولعب کی آوازیں یہی شیطان کی آوازیں ہیں جن کے ذریعہ وہ لوگوں کو حق سے دور ولا تعلق کرتا ہے (قرطبی) اس سے معلوم ہوا کہ مزامیر، موسیقی اور رقص وسرود سب حرام ہیں، آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ وابلیس کا قصہ سورۂ بقرہ، اعراف اور حجر میں گذر چکا ہے یہاں چوتھی مرتبہ آیا ہے، علاوہ ازیں سورۂ کہف، طٰہٰ، اور سورۂ صٓ میں بھی اس کا ذکر آئیگا۔

ابلیس نے حضرت آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کو سجدہ سے انکار کرتے وقت دو باتیں کہی تھیں، اول یہ کہ آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ مٹی سے پیدا کئے گئے، اور میں آگ کی مخلوق ہوں، آپ نے مٹی کو آگ پر فوقیت وفضیلت کیوں دیدی؟ یہ امر الٰہی کے مقابلہ میں حکم کی حکمت معلوم کرنے کے متعلق سوال تھا جس کا کسی مامور کو حق نہیں ہوتا یہ سوال ہی قابل التفات نہیں تھا اسلئے کہ غلام کو آقا سے کسی حکم کی علت یا حکمت معلوم کرنے کا اختیار نہیں ہوتا یہی وجہ ہے اس سوال کو ناقابل التفات سمجھ کر جواب نہیں دیا گیا دوسری بات یہ ہے کہ فوقیت وفضیلت دینے کا حق اسی ذات کو ہے جس نے ان کو پیدا کیا اور ان کی تربیت کی ہو، دوسری بات یہ کہی تھی کہ اگر تا قیامت زندگی ملنے کی میری درخواست منظور کرلی گئی تو میں آدم عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ کی ساری اولاد کو بجز قدر قلیل کے گمراہ کرڈالوں گا، حق تعالیٰ نے اس کا جواب دیا کہ میرے مخلص بندوں پر تیرا قابو نہ چلے گا چاہے تو اپنا سارا لاؤ لشکر لے کر ان پر چڑھ دوڑے، باقی رہے غیر مخلص اگر وہ تیرے قابو میں آگئے تو ان کا بھی وہی حال ہوگا جو تیرا ہے، کہ عذاب جہنم میں دونوں گرفتار ہونگے شیطانی لاؤ لشکر کے لئے یہ ضروری نہیں کہ حقیقت میں اس کا سوار و پیادوں کا کوئی لشکر ہو یہ تو ایک محاورہ ہے جو پورا زور صرف کرنے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

وشارکھم فی الاموال والاولاد، لوگوں کے مال اور اولاد میں شیطان کی شرکت کا مطلب حضرت ابن عباس رَضِحَاللّٰہُ تَعَالیٰ عَنْہُمَا نے یہ بیان فرمایا کہ اموال میں جو مال ناجائز ورحرام طریقوں سے حاصل ہو یا حرام کاموں میں صرف کیا

جائے یہی شیطان کی اس میں شرکت ہے اور اولاد میں شیطان کی شرکت، اولاد کے حرام ہونے سے بھی ہے اور یہ بھی کہ اولاد کے مشرکانہ نام رکھے، مثلاً عبدالعزیٰ، پیر بخش، نبی بخش وغیرہ یا ان کی حفاظت کے لئے مشرکانہ رسوم ادا کرے یا ان کی پرورش کے لئے حرام ذرائع آمدنی اختیار کرے۔

ولقد کرمنا بنی آدم (الآیة) بنی آدم کا یہ شرف وفضل بہ حیثیت انسان کے ہر انسان کو حاصل ہے خواہ مومن ہو یا کافر، کیونکہ یہ شرف دوسری مخلوقات، حیوانات، جمادات ونباتات وغیرہ کے مقابلہ میں ہے اور یہ شرف متعدد اعتبار سے ہے، جس طرح کی شکل وصورت، قد وقامت اور ہیئت اللہ تعالیٰ نے انسان کو عطا فرمائی ہے وہ کسی دوسری مخلوق کو عطا نہیں فرمائی، جو عقل انسان کو دی گئی ہے جس کے ذریعہ اس نے اپنے آرام وراحت کے لئے بے شمار چیزیں ایجاد کیں حیوان وغیرہ اس سے محروم ہیں۔

اذكر **يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ** نبيهم فيقال يا أمة فلان او بكتاب اعمالهم ويقال يا صاحب الخير ويا صاحب الشر وهو يوم القيامة **فَمَنْ أُوتِيَ** منهم **كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ** وهم السعداء أولوا البصائر في الدنيا **فَأُولَٰئِكَ يَقْرَءُونَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ** ينقصون من اعمالهم **فَتِيلًا** قدر قشرة النواة **وَمَنْ كَانَ فِي هَٰذِهِ** اي الدنيا **أَعْمَىٰ** عن الحق **فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ** عن طريق النجاة وقراءة الكتاب **وَأَضَلُّ سَبِيلًا** ابعد طريقا عنه ونزل في ثقيف وقد سألوه صلى الله عليه وسلم ان يحرم واديهم وألحوا عليه **وَإِنْ** مخففة **كَادُوا** قاربوا **لَيَفْتِنُونَكَ** يستزلونك **عَنِ الَّذِي أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ لِتَفْتَرِيَ عَلَيْنَا غَيْرَهُ وَإِذًا** لو فعلت ذلك **لَاتَّخَذُوكَ خَلِيلًا** **وَلَوْلَا أَنْ ثَبَّتْنَاكَ** على الحق بالعصمة **لَقَدْ كِدْتَ** قاربت **تَرْكَنُ** تميل **إِلَيْهِمْ شَيْئًا** ركونا **قَلِيلًا** لشدة احتيالهم وإلحاحهم وهو صريح في انه صلى الله عليه وسلم لم يركن ولا قارب **إِذًا** لو ركنت **لَأَذَقْنَاكَ ضِعْفَ** عذاب **الْحَيَاةِ وَضِعْفَ** عذاب **الْمَمَاتِ** اي مثلي ما يعذب غيرك في الدنيا والآخرة **ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ عَلَيْنَا نَصِيرًا** مانعا منه ونزل لما قال له اليهود ان كنت نبيا فالحق بالشام فإنها ارض الانبياء **وَإِنْ** مخففة **كَادُوا لَيَسْتَفِزُّونَكَ مِنَ الْأَرْضِ** ارض المدينة **لِيُخْرِجُوكَ مِنْهَا وَإِذًا** لو اخرجوك **لَا يَلْبَثُونَ خِلَافَكَ** فيها **إِلَّا قَلِيلًا** ثم يهلكون **سُنَّةَ مَنْ قَدْ أَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُسُلِنَا** اي كسنتنا فيهم من اهلاك من اخرجهم **وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيلًا** تبديلا

ترجمہ: اس دن کو یاد رکھنا چاہئے کہ جس دن ہم ہر گروہ (امت) کو اس کے نبی کے ساتھ بلائیں گے، یوں کہا جائے گا اے فلاں نبی کی امت یا ان کو ان کے نامۂ عمل کے ساتھ بلایا جائیگا، یوں ندا دی جائے گی اے صاحب خیر اور اے

صاحب شر اور وہ قیامت کا دن ہوگا، تو ان میں سے جس کے دائیں ہاتھ میں نامۂ عمل دیا جائیگا تو یہ لوگ خوش نصیب اور دنیا میں صاحب بصیرت تھے تو وہ لوگ اپنے اعمال ناموں کو (خوشی خوشی) پڑھیں گے اور ان کے اعمال میں سے گٹھلی کے چھلکے کے برابر بھی کمی نہ کی جائے گی اور جو اس دنیا میں حق (بینی) سے اندھا رہا ہوگا تو وہ آخرت میں بھی راہ نجات اور نامۂ عمل کے پڑھنے سے اندھا رہے گا اور زیادہ گم کردہ راہ ہوگا، یعنی راہ راست سے بہت دور ہوگا، اور (آئندہ) آیت بنی ثقیف کے بارے میں نازل ہوئی جب انہوں نے نبی ﷺ سے مطالبہ کیا کہ ان کی وادی (طائف) کو حرم بنا دیں اور اس بات پر اصرار کیا اور بلاشبہ قریب تھا کہ یہ لوگ آپ کو اس وحی سے جو ہم نے آپ پر نازل کی ہٹا دیں (بچلا دیں) تاکہ آپ ہماری طرف اس کے علاوہ کی گھڑ کر نسبت کر دیں اگر آپ ان کے کہنے کے مطابق کر لیتے تب تو یہ لوگ آپ کو اپنا دوست بنا لیتے اور اگر حفاظت کے ذریعہ ہم آپ کو حق پر قائم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی شدید حیلہ گری اور ان کے اصرار کی وجہ سے ان کی طرف کچھ نہ کچھ مائل ہو جاتے یہ اس بات میں صریح ہے کہ نہ تو آپ مائل ہوئے اور نہ مائل ہونے کے قریب ہوئے اور اگر آپ مائل ہو جاتے تو ہم آپ کو ضرور چکھاتے دوگنا عذاب دنیا میں اور دوگنا عذاب مرنے میں اس کا دوگنا جو دوسروں کو دنیا و آخرت میں دیا جاتا پھر آپ ہمارے مقابلہ میں کوئی مددگار نہ پاتے یعنی اس عذاب سے بچانے والا، اور (آئندہ آیت) اس وقت نازل ہوئی کہ جب یہود نے آپ ﷺ سے کہا کہ اگر آپ نبی ہیں تو شام چلے جاؤ اسلئے کہ وہ انبیاء کی سرزمین ہے اور بلاشبہ یہ بات قریب تھی کہ یہ لوگ آپ کے قدم ارض مدینہ سے اکھاڑ دیں تاکہ آپ کو مدینہ سے نکال دیں، اگر یہ لوگ آپ کو نکال دیتے تو یہ خود بھی آپ کے بعد مدینہ میں نہ ٹھہر پاتے مگر بہت کم مدت پھر ان کو ہلاک کر دیا جاتا ایسا ہی دستور ان رسولوں کا تھا جن کو ہم نے آپ سے پہلے بھیجا، یعنی ان لوگوں کو ہلاک کرنے کے ہمارے دستور کے مطابق جنہوں نے ان (انبیاء) کو نکالا، اور آپ ہمارے دستور میں تبدیلی نہ پائیں گے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: اُناس، لوگ، نَوْسٌ سے ماخوذ ہے جس کے معنی حرکت کرنے کے ہیں، یہ انسانٌ کی جمع بغیر لفظہ ہے مصباح میں ہے کہ انسان ناس سے ماخوذ ہے اور یہ اسم جنس ہے اس کا اطلاق مذکر اور مؤنث واحد اور جمع سب پر ہوتا ہے۔

قَوْلُہٗ: یا صاحب الشر، اس میں مضاف محذوف ہے ای یاصاحب کتاب الشر.

قَوْلُہٗ: یقرء ون ای یقرء ون سُروراً، خوشی خوشی پڑھیں گے۔

قَوْلُہٗ: قدر قشرۃ النواۃ، مفسر علام نے فتیلاً کی تفسیر قشرۃ النواۃ سے کی ہے، بہتر ہوتا کہ الخیط الذی فی نقرۃ النواۃ طولاً، سے کرتے اس لئے کہ کھجور کی گٹھلی میں تین چیزیں ہوتی ہیں، ① فتیل ② قطمیر ③ نقیر فتیل اس دھاگے یا

ریشے کو کہتے ہیں جو گٹھلی کی پشت میں طولا ایک شق میں ہوتا ہے اور گٹھلی کے اوپر جو جھلی کے مانند ایک غلاف ہوتا ہے اسے قطمیر کہتے ہیں اور گٹھلی کی پشت میں ایک سوراخ ہوتا ہے اس میں جو ریشہ یا دھاگا ہوتا ہے اس کو نقیر کہتے ہیں۔

(اعراب القرآن للدرویش)

قولہ: ابعد طریقا عنه ای ابعد طریقًا عن الاعمٰی فی الدنیا ، یعنی اندھا جس طرح راستہ دیکھنے سے بعید ہوتا ہے کافر آخرت میں راہ نجات دیکھنے میں بعید تر ہوگا۔

قولہ: رکونًا، اس میں اشارہ ہے کہ شیئًا مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے نہ کہ مفعول بہ ہونے کی وجہ سے اسلئے کہ ترکنُ لازم ہے نہ کہ متعدی، شیئًا کا موصوف رکونًا محذوف ہے۔

قولہ: یستفزونكَ، ای لیزعجونكَ، (استفز از استفعال) سے مضارع جمع مذکر غائب كَ ضمیر مفعول، تمہارے قدم اکھاڑ دیں۔

تفسیر وتشریح

یوم ندعوا کل اُناسٍ بامامِهم، امام کے معنی پیشوا، لیڈر، قائد کے ہیں، یہاں اس سے کیا مراد ہے؟ اس میں اختلاف ہے بعض نے کہا کہ اس سے مراد پیغمبر ہے یعنی ہر امت کو اس کے نبی کے حوالہ سے پکارا جائیگا، اے فلاں نبی کی امت، بعض نے کہا اس سے آسمانی کتاب مراد ہے، یعنی آسمانی کتاب کے حوالہ سے پکارا جائے گا، اے توریت والو، اے زبور والو، اے انجیل والو، اے قرآن والو، وغیرہ وغیرہ، بعض نے کہا ہے کہ یہاں امام سے مراد اعمال نامہ ہے یعنی ہر شخص کو جب بلایا جائیگا تو اس کا اعمال نامہ اس کے ہاتھ میں ہوگا اور اسی کے مطابق اس کا فیصلہ کیا جائیگا، اس رائے کو ابن کثیر نے ترجیح دی ہے۔

وَاِن کادوا لَیَفتنونكَ عن الذی اَوْحَیْنَا اِلیكَ ، یہ ان حالات کی طرف اشارہ ہے جو پچھلے دس بارہ سال سے نبی ﷺ کو مکہ میں پیش آرہے تھے کفار مکہ اس بات پر تلے ہوئے تھے کہ جس طرح بھی ہو آپ کو توحید کی اس دعوت سے ہٹادیں جسے آپ کر رہے ہیں اور کسی نہ کسی طرح آپ کو مجبور کر دیں کہ آپ ان کے شرک اور رسوم جاہلیت سے کچھ نہ کچھ سمجھوتہ کرلیں اس غرض سے انہوں نے آپ کو ڈرانے کی ہر کوشش کی، فریب بھی دیئے اور لالچ بھی، دھمکیاں بھی دیں اور وعدے بھی کئے، جھوٹا طوفان بھی اٹھایا اور ظلم وستم بھی کیا؟ معاشی دباؤ بھی ڈالا، اور سماجی مقاطعہ بھی، غرضیکہ وہ سب کچھ کر ڈالا جو کسی انسان کے عزم وحوصلہ کو شکست دینے کے لئے کیا جاسکتا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اس ساری روداد پر تبصرہ کرتے ہوئے دو باتیں ارشاد فرمائیں ہیں، ایک یہ کہ اگر تم حق کو جان لینے کے بعد باطل سے کوئی سمجھوتا کر لیتے تو یہ بگڑی ہوئی قوم تو ضرور خوش ہو جاتی، مگر خدا کا غضب تم پر بھڑک اٹھتا، اور تمہیں دنیا وآخرت میں دوہری سزا دی جاتی، اور دوسرے یہ کہ انسان خواہ پیغمبر ہی کیوں نہ ہو خود اپنے بل بوتے پر باطل کے طوفانوں کا مقابلہ نہیں کرسکتا

جبتک کہ اللہ کی مدد اور اس کی توفیق شامل حال نہ ہو، یہ سراسر اللہ کا بخشا ہوا صبر و ثبات تھا جس کی بدولت نبی ﷺ حق و صداقت کے موقف پر پہاڑ کی طرح جمے رہے اور کوئی سیلاب بلا آپ کو بال برابر بھی جگہ سے نہ ہٹا سکا۔

وَاِنْ کَادُوا لیستفزونك من الارض لیخرجوك منها، یعنی مشرکین مکہ کی پوری کوشش یہ ہے کہ آپ کو تنگ کر کے مکہ سے نکال دیں لیکن یہ یاد رکھیں کہ اگر ایسا کیا تو وہ خود بھی زیادہ دنوں تک یہاں نہ رہ سکیں گے، چنانچہ اہل مکہ کا ظلم و ستم آپ کی ہجرت کا سبب بنا آپ کا مکہ سے تشریف لیجانا تھا کہ اس کے ڈیڑھ دو سال بعد ہی مکہ کے بڑے نامور ستر سردار گھروں سے نکال کر میدان بدر میں ہلاک کر دیئے گئے اور اتنے ہی قیدی بنائے گئے اور اس کے صرف پانچ چھ سال بعد مکہ پر اسلام کا قبضہ ہو گیا بالآخر قلیل مدت میں پورا جزیرۃ العرب مشرکوں سے پاک ہو گیا۔

بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ مدینہ کا ہے کہ یہود مدینہ ایک روز آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اے ابو القاسم، اگر آپ اپنی نبوت کے دعوے میں سچے ہیں تو آپ کو چاہئے کہ آپ ملک شام جا کر رہیں کیونکہ ملک شام ہی انبیاء کی سرزمین ہے اور شام ہی محشر کی زمین ہے۔ رسول اللہ ﷺ پر ان کے کلام کا کچھ اثر ہوا اور غزوۂ تبوک کے وقت جو ملک شام کا سفر ہوا تو آپ کا قصد یہ ہوا کہ ملک شام کو اپنا مستقر بنالیں مگر یہ آیت نازل ہوئی "وان کادوا لیستفزّونك" جس نے آپ کو اس ارادہ سے روک دیا، مگر ابن کثیر نے اس روایت کو نقل کر کے ناقابل اطمینان قرار دیا ہے۔

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ ای من وقت زوالِها اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ اقبال ظُلمتِه ای الظهرِ والعصرِ والمغربِ والعشاءِ وَقُرْاٰنَ الْفَجْرِ صلوةَ الصبحِ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿٧٨﴾ تشهده ملائكةُ الليلِ وملائكةُ النهارِ وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ فصلِّ بِهٖ بالقراٰن نَافِلَةً لَّكَ فريضةً لك دونَ اُمَّتِك او فضيلةً على الصلواتِ المفروضةِ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ يُقيمَكَ رَبُّكَ في الاٰخرةِ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ﴿٧٩﴾ يحمَدُك فيه الاوَّلُوْنَ والاٰخِرُوْنَ وهو مقامُ الشفعةِ في فصلِ القضاءِ ونزلَ لَمَّا أُمِرَ بالهجرةِ وَقُلْ رَّبِّ اَدْخِلْنِيْ المدينةَ مُدْخَلَ صِدْقٍ إدخالاً مَرْضِيًّا لا أرى فيه ما أكره وَّاَخْرِجْنِيْ من مكةَ مُخْرَجَ صِدْقٍ اخراجًا لا التفِتُ بقلبِي اليها وَّاجْعَلْ لِّيْ مِنْ لَّدُنْكَ سُلْطٰنًا نَّصِيْرًا ﴿٨٠﴾ قوة تنصُرُني بها على أعدائِك وَقُلْ عند دخولك مكةَ جَآءَ الْحَقُّ الاسلامُ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ بطلَ الكفرُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ﴿٨١﴾ مُضمَحِلاً زائلاً وقد دَخلَها صلى الله عليه وسلم وحولَ البيتِ ثلاثُ مائةٍ وستُّونَ صنمًا فَجعَلَ يَطعَنُها بعُودٍ في يدِهِ ويقُولُ جاءَ الحقُّ الخ حتى سَقَطتْ رواه الشيخان وَنُنَزِّلُ مِنَ للبيان الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ من الضلالةِ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ به وَلَا يَزِيْدُ الظّٰلِمِيْنَ الكافرين اِلَّا خَسَارًا ﴿٨٢﴾ لكفرهم به وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ الكافرِ اَعْرَضَ عن الشكرِ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ ثَنَى عِطفَه مُتَبَختِرًا وَاِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ الفقرُ والشدةُ كَانَ يَـُٔوْسًا ﴿٨٣﴾ قنوطًا من رحمةِ اللهِ قُلْ كُلٌّ منا ومنكم يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ طريقتِه فَرَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَنْ هُوَ اَهْدٰى سَبِيْلًا ﴿٨٤﴾ طريقًا فيُثيبُه.

ع ۹ ۷ ۹

ترجمہ: سورج ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی چھا جانے تک رات کی تاریکی کے آنے تک نماز قائم کرو یعنی ظہر اور عصر اور مغرب اور عشاء کی نماز، اور فجر کا قرآن یعنی فجر کی نماز قائم کرو، یقیناً فجر کی نماز (کا وقت) حاضری کا وقت ہے جس میں رات کے فرشتے اور دن کے فرشتے حاضر ہوتے ہیں اور رات کے کسی قدر حصے میں (نماز پڑھیں) نماز تہجد قرآن کے ساتھ پڑھا کریں یہ آپ ہی کے لئے اضافی فریضہ ہے آپ کی امت کے لئے نہیں یا زائد ہے فرض نمازوں پر (یعنی نفل ہے) امید ہے کہ آپ کا پروردگار آپ کو آخرت میں مقام محمود پر فائز کرے گا کہ جہاں اولین اور آخرین آپ کی ستائش کریں گے اور وہ مقام شفاعت ہے مقدمات کے فیصل کرنے میں، اور (آئندہ) آیت اس وقت نازل ہوئی کہ جب آپ کو ہجرت کا حکم دیا گیا، اور دعاء کرو کہ اے میرے پروردگار مجھے مدینہ میں سچائی کے ساتھ داخل فرمائیں یعنی پسندیدہ داخل کرنا کہ میں اس میں کوئی ناگوار چیز نہ دیکھوں اور مکہ سے مجھے سچائی کے ساتھ نکالیں، ایسا نکالنا کہ میں دل سے اس کی طرف متوجہ نہ ہوں اور مجھے اپنے فضل سے ایسا غلبہ عطا فرما جس کے ساتھ (آپ کی) مدد ہو یعنی ایسی قوت کہ جس کے ذریعہ تو مجھے اپنے دشمنوں پر غلبہ عطا کرے، اور مکہ میں داخل ہونے کے وقت کہو حق یعنی اسلام آگیا اور باطل (یعنی) کفر چلا گیا یقیناً باطل تو زائل اور مضمحل ہونے ہی والا ہے اور جس وقت آپ ﷺ مکہ میں داخل ہوئے تو بیت اللہ کے چاروں طرف ۳۶۰ بت رکھے ہوئے تھے، تو آپ اس لکڑی سے جو آپ کے ہاتھ میں تھی اشارہ کرتے جاتے تھے اور جاء الحق الخ پڑھتے جاتے تھے، یہاں تک کہ وہ گرتے جاتے تھے (رواہ الشیخان) اور یہ قرآن جو ہم نازل کر رہے ہیں گمراہی سے شفاء ہے اور اس پر یقین رکھنے والوں کے لئے رحمت ہے اور ظالموں کافروں کے لئے ان کے کفر کی وجہ سے نقصان ہی میں اضافہ ہوتا ہے اور جب ہم انسان کافر پر اپنا انعام کرتے ہیں تو (اس کے) شکر سے اعراض کرتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے یعنی تکبر کے ساتھ کروٹ پھر لیتا ہے اور جب اسے فقر و شدت کی تکلیف لاحق ہوتی ہے تو اللہ کی رحمت سے مایوس ہو جاتا ہے آپ کہہ دیجئے ہم اور تم میں سے ہر شخص اپنے طریقہ پر عمل کرتا ہے جو کہ پوری ہدایت کے راستہ پر ہیں انھیں تمہارا رب خوب جانتا ہے تو وہ اس کو اجر دے گا۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قولہ: من وقتِ زوالِھا، اس میں اشارہ ہے کہ لِدلوك الشمس میں لام بمعنی من ہے اسلئے کہ وقت کے لئے نماز پڑھنے کا کوئی مطلب نہیں ہے، صلوۃ فجر کو قرآن کہا گیا ہے اس لئے کہ قرآن (قراءۃ) صلوۃ کا رکن ہے جس طرح سجدہ بول کر صلوۃ مراد ہوتی اور رکوع بول کر نماز مراد ہوتی ہے اسی طرح قرآن بول کر صلوۃ مراد ہوتی ہے، اور قرآن کا عطف الصلوۃ پر ہے ای اقم الصلوۃ واقم القرآن.

قولہ: من اللیل ای بعض اللیل.

قِوْلُہٗ: دلوك سورج کا ڈھلنا، غروب ہونا، عبداللہ بن مسعود رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنہُ سے مروی ہے کہ ''دلوک'' کے معنی غروب کے ہیں، عبداللہ بن عباس ابن عمر اور جابر رَضِحَاللّٰہُ تَعَالٰیعَنہُم نے زوال شمس کے معنی بتائے ہیں، زوال شمس کے معنی اکثر حضرات سے منقول ہیں اور یہی معنی مراد لینا زیادہ بہتر ہے، نیز جب دلوک کے معنی زوال کے لیتے ہیں تو آیت پانچوں نمازوں کو جامع ہوگی **دلوك الشمس** ظہر اور عصر کو شامل ہے اور **الی غسقِ اللیل** مغرب اور عشاء کو شامل ہے اور **قرآن الفجر** نماز صبح کو شامل ہے۔

قِوْلُہٗ: غَسقِ اللیل، الغسق ظلمت، اور کہا گیا ہے اولِ لیل کا داخل ہونا۔

قِوْلُہٗ: فتهجد، الهجود، ترك النوم للصلوة.

قِوْلُہٗ: نافلة، بمعنی زائدہ۔

تَفْسِيْر وَتَشْرِيْح

اقم الصلوة لدلوك الشمس، ''دلوک'' کے معنی زوالِ شمس کے ہیں اور ''غسق'' کے معنی تاریکی کے ہیں آفتاب ڈھلنے کے بعد ظہر اور عصر کی نماز اور رات کی تاریکی تک سے مراد مغرب اور عشاء کی نماز ہیں اور ''قرآن الفجر'' سے مراد فجر کی نماز ہے، یہاں قرآن نماز کے معنی میں ہے اس کو قرآن سے اس لئے تعبیر کیا گیا ہے کہ فجر میں قراءت طویل ہوتی ہے، اس طرح اس آیت میں پانچوں فرض نمازوں کا اجمالی ذکر آگیا جن کی تفصیلات احادیث میں موجود ہیں اور امت کے عملی تواتر سے بھی ثابت ہے، **کان مشهودا** یعنی اس وقت فرشتے حاضر ہوتے ہیں بلکہ رات اور دن کے فرشتوں کا اجتماع ہوتا ہے، ایک روایت میں ہے کہ جب رات والے فرشتے اللہ کے پاس جاتے ہیں تو اللہ ان سے پوچھتا ہے حالانکہ اسے سب معلوم ہے، تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟ فرشتے کہتے ہیں جب ہم ان کے پاس گئے تھے اس وقت بھی وہ نماز پڑھ رہے تھے اور جب ہم ان کے پاس سے آئے ہیں تو انھیں نماز پڑھتے ہوئے ہی چھوڑ کر آئے ہیں۔ (بخاری کتاب المواقیت)

وَمِنَ اللیل فتهجد به نافلة لك، بعض حضرات نے کہا ہے کہ تہجد اضداد میں سے ہے، جس کے معنی سونے کے بھی ہیں اور نیند سے بیدار ہونے کے بھی، اور یہاں یہی دوسرے معنی مراد ہیں کہ رات کو سو کر اٹھیں اور نوافل پڑھیں، بعض حضرات نے کہا ہے **هجود** کے اصل معنی تو رات کو سونے ہی کے ہیں لیکن باب تفعّل میں جانے کی وجہ سے اس میں تجنب کے معنی پیدا ہو گئے، جیسے تأثم کے معنی ہیں گناہ سے اجتناب کرنا، اسی طرح تہجد کے معنی ہیں سونے سے بچنا۔

نافلة، بعض حضرات نے اس کے معنی ایک زائد فرض کے کئے ہیں یعنی امت کی بہ نسبت آپ پر ایک فرض یعنی تہجد زائد تھا، بعض حضرات نے کہا ہے کہ نافلة کے معنی زائد کے ہیں یعنی نہ آپ پر فرض اور نہ آپ کی امت پر فرض دونوں کے لئے ایک زائد عبادت ہے **مقامًا محمودًا**، یہ وہ مقام ہے جو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نبی ﷺ کو عطا فرمائیگا اور اس مقام پر ہی آپ شفاعت عظمیٰ فرمائیں گے جس کے بعد لوگوں کا حساب شروع ہوگا۔

وقل رّب ادخلنی مدخل صدقٍ (الآیة) یہ دعاء کرو، اے میرے رب جہاں مجھے پہنچانا ہے (مثلاً مدینہ میں) نہایت آبرو اور خوبی وخوش اسلوبی سے پہنچا کہ حق کا بول بالا رہے اور جہاں سے نکالنا ہو (مثلاً مکہ سے) تو وہ بھی آبرو اور خوبی وخوش اسلوبی سے ہو، دشمن ذلیل وخوار ہو اور دوست شاداں وفرحاں ہوں، بہرصورت سچائی کا بول بالا اور جھوٹ کا منہ کالا۔

قل جاء الحق وزهق الباطل الخ یہ عظیم الشان پیش گوئی مکہ میں کی گئی تھی جہاں بظاہر کوئی سامان غلبۂ حق کا نہیں تھا، یعنی کہہ دو قرآن کریم مومنین کو بشارتیں سناتا ہوا باطل کو رلاتا ہوا آپہنچا، بس سمجھ لو کہ دین حق جے گا اور کفر وباطل بھاگے گا، نہ صرف مکہ سے بلکہ جزیرۃ العرب سے بوریا بستر باندھا اور یہ اعلان بھی کر دیا کہ جو کفر کعبہ سے نکل بھاگا ہے آئندہ کبھی واپس نہ آئیگا۔ **والحمد للّٰه علی ذلك.**

وننزل من القرآن ماهو شفاء، قرآن کریم کا قلوب کے لئے شفاء ہونا شرک وکفر اور اخلاق رذیلہ اور امراض باطنہ سے نفوس کی نجات کا ذریعہ ہونا تو کھلا ہوا معاملہ ہے اور تمام امت اس پر متفق ہے اور بعض علماء کے نزدیک قرآن جس طرح امراض باطنہ کے لئے شفاء ہے امراض ظاہرہ کے لئے بھی شفاء ہے کہ آیت قرآن پڑھکر مریض پر دم کرنا اور پلانا بھی ذریعۂ شفاء ہے، روایات حدیث اس پر شاہد ہیں تمام کتب حدیث میں ابو سعید خدری کی یہ حدیث موجود ہے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت سفر میں تھی کسی گاؤں کے رئیس کو بچھو نے کاٹ لیا تھا، لوگوں نے حضرات صحابہ سے معلوم کیا کہ آپ اس کا کچھ علاج کر سکتے ہیں انہوں نے سات مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھکر اس پر دم کیا مریض اچھا ہو گیا، پھر رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا تذکرہ آیا تو آپ نے صحابۂ کرام کے اس عمل کو جائز قرار دیا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ ای الیهودُ **عَنِ الرُّوْحِ** الذی یحیی به البدنُ **قُلِ** لهم **الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ** ای علمه لا تعلمُونه **وَمَآ اُوْتِیْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِیْلًا ﴿۸۵﴾** بالنسبة الی علمه تعالٰی **وَلَئِنْ** لامُ قسمٍ **شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْٓ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ** ای القراٰن بأنْ نَمْحُوه من الصُّدُورِ والمصاحف **ثُمَّ لَا تَجِدُ لَكَ بِهٖ عَلَیْنَا وَكِیْلًا ﴿۸۶﴾ اِلَّا** لكن أبقیناه **رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَیْكَ كَبِیْرًا ﴿۸۷﴾** عظیمًا حیثُ أنزلَه علیك واعطاكَ المقامَ المحمودَ وغیرَ ذلك من الفضائل **قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓی اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ** فی الفصاحة والبلاغةِ **لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِیْرًا ﴿۸۸﴾** مُعینًا نزل ردًّا لقولِهم لو نشاءُ لقُلْنا مثل هٰذا **وَلَقَدْ صَرَّفْنَا** بَیَّنَّا **لِلنَّاسِ فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ** صفةٌ لمحذوفٍ ای مثلاً من جنسِ كلِّ مثلٍ لِیتَّعِظُوْا **فَاَبٰٓی اَكْثَرُ النَّاسِ** ای اهلُ مكةَ **اِلَّا كُفُوْرًا ﴿۸۹﴾** جحودًا للحق **وَقَالُوْا** عطفٌ علی اَبٰی **لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ یَنْۢبُوْعًا ﴿۹۰﴾** عینًا یَنبُعُ منها الماءُ **اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ** بستانٌ **مِّنْ نَّخِیْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا** وَسْطَها **تَفْجِیْرًا ﴿۹۱﴾ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَیْنَا كِسَفًا** قِطَعًا **اَوْ تَاْتِیَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِیْلًا ﴿۹۲﴾** مقابلةً وعِیانًا فنرَاهم **اَوْ یَكُوْنَ لَكَ بَیْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ** ذهبٍ **اَوْ تَرْقٰی** تصعدُ **فِی السَّمَآءِ** بسُلَّمٍ **وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِیِّكَ** لو رقیتَ فیها **حَتّٰی تُنَزِّلَ عَلَیْنَا**

منها كِتٰبًا فيه تصديقك نَّقْرَؤُهٗ قُلْ لهم سُبْحَانَ رَبِّيْ تعجبٌ هَلْ ما كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا كسائر الرُّسل ولم يكونُوْا يَاْتُوْا بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ. ع۹

ترجمہ: یہود آپ سے روح کے بارے میں جس کے ذریعہ جسم انسانی زندہ ہوتا ہے سوال کرتے ہیں آپ ان کو جواب دیجئے کہ روح میرے رب کا حکم ہے جس کی حقیقت وہ جانتا ہے تم نہیں جانتے، اور اس کے علم کی نسبت سے تمہیں بہت ہی کم دیا گیا اور اگر ہم چاہیں تو جو وحی ہم نے آپ کی طرف بھیجی ہے یعنی قرآن کو سلب کرلیں بایں طور کہ اس کو سینوں سے اور مصاحف سے مٹا دیں پھر آپ کو اس کے لئے ہمارے مقابلہ میں کوئی حمایتی میسر نہ ہو لیکن اس کو تیرے رب کی طرف سے رحمت کے طور پر باقی رکھا ہے یقیناً آپ پر اس کا بڑا ہی فضل ہے، اس لئے کہ اس نے اس کو آپ پر نازل کیا اور مقام محمود آپ کو عطا کیا اور اس کے علاوہ دیگر فضائل بھی (عطا فرما کر) آپ کہہ دیجئے کہ اگر انسان اور جنات اس بات پر متفق ہو جائیں کہ فصاحت و بلاغت میں اس قرآن کا مثل لے آئیں تو وہ اس کا مثل نہیں لا سکتے اگرچہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہو جائیں، (یہ آیت) ان کے اس قول کے جواب میں نازل ہوئی کہ، اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام لا سکتے ہیں، ہم نے تو اس قرآن میں لوگوں کے سمجھنے کے لئے ہر قسم کی مثالیں بیان کردی ہیں (من کل مثل) مثلاً، محذوف کی صفت ہے ای مثلا من جنس کل مثلٍ تاکہ اس سے نصیحت حاصل کریں، (ہر نوع کے عمدہ عمدہ مضامین بیان کئے ہیں) مگر اہل مکہ میں سے اکثر لوگ حق کے انکار سے باز نہیں آتے، انہوں نے کہا کہ ہم آپ پر ہرگز ایمان لانے والے نہیں تاوقتیکہ آپ زمین سے ہمارے لئے کوئی چشمہ جاری نہ کردیں ایسا چشمہ کہ اس سے پانی جاری ہو یا خود آپ کے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ ہو اور اس کے درمیان آپ نہریں جاری کر دکھائیں یا تو آسمان کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے ہمارے اوپر گرادیں جیسا کہ تیرا دعویٰ ہے یا خدا اور فرشتوں کو ہمارے روبرو لے آؤ جن کو ہم بچشم سر دیکھیں یا تیرے لئے سونے کا ایک گھر ہو یا تو آسمان پر سیڑھی کے ذریعہ چڑھ جائے اور اگر تو آسمان پر چڑھ بھی جائے تو ہم تیرے چڑھنے کا یقین نہ کریں گے تاوقتیکہ تو ایک تحریر نہ لے آئے جس میں تیرے (چڑھنے کی) تصدیق ہو جس کو ہم پڑھیں، (اے محمد ﷺ) تم ان سے کہو پاک ہے میرا پروردگار یہ اظہار تعجب ہے میں تو صرف دیگر رسولوں کی طرح پیغام لانے والا ایک انسان ہوں اور وہ بھی کوئی معجزہ اللہ کی اجازت کے بغیر نہیں لائے۔

تحقیق و ترکیب و تسہیل و تفسیری فوائد

قَوْلُهٗ: عن الروح، اى عن حقيقة الروح.

قَوْلُهٗ: عِلْمَهٗ، يَعنى الروح من الامور الّتى خصَّ اللّٰه نَفسَهٗ بعلمِهٖ، فالامر بمعنى الشان، اى الروح من شان ربى.

قَوْلُہٗ: بالنسبة الی علمه تعالی یہ اس شبہ کا جواب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے ومن یُؤتَ الحکمة فقد اُوتی خیرًا کثیرًا اور یہاں فرمایا "ما اوتیتم من العلم الا قلیلاً"، دونوں میں تعارض ہے۔

جَوَابٌ: جواب کا حاصل یہ ہے کہ پوری کائنات کا علم اللہ کے علم کے مقابلہ میں قلیل ہے۔

قَوْلُہٗ: لام قسم یہ حذف قسم پر دال ہے لَنَذْهَبَنَّ جواب قسم ہے جو کہ جواب شرط کے قائم مقام بھی ہے، اور بعض حضرات نے ذهبنا به جواب شرط محذوف مانا ہے۔

قَوْلُہٗ: لکن ابقیناه اِلَّا کی تفسیر لکن سے کر کے اشارہ کر دیا کہ یہ مستثنیٰ منقطع ہے نہ کہ متصل اسلئے کہ اِلَّا کا ماقبل رحمت کی جنس سے نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: ابقیناه، ابقیناه محذوف مانا تا کہ کلام تام ہو جائے اس لئے کہ اس کے بغیر کلام ناتمام ہے۔

قَوْلُہٗ: صفة لمحذوفٍ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ بیّنا، متعدی بنفسہ ہے اس کو من کے ذریعہ متعدی کرنے کی ضرورت نہیں ہے، جواب یہ ہے کہ اس کا مفعول محذوف ہے اور وہ مثلاً ہے اور من کلّ مثلٍ، کائنًا کے متعلق ہو کر مفعول محذوف کی صفت ہے۔

قَوْلُہٗ: اِلَّا کفورًا.

سُوَال: جب ضربت اِلَّا زیدًا جائز نہیں تو پھر ابی اکثر الناس اِلَّا کفورًا، کیوں درست ہے؟ یہ تو مثبت میں مستثنیٰ مفرغ واقع ہے اور یہ جائز نہیں ہے۔

جَوَابٌ: ابی نفی کا فائدہ دے رہا ہے گویا کہ کہا گیا فلم یرضوا اِلَّا کفورا، (فارسی میں ترجمہ) پس قبول نہ کرد بیشتر مردماں مگر ناسپاسی را۔

قَوْلُہٗ: عطف علی قالوا، یعنی مستثنیٰ پر عطف نہیں ہے جس کی وجہ سے معنی کا فساد لازم آئے۔

تفسیر وتشریح

روح کیا ہے؟

روح وہ لطیف شی ہے جو کسی کو نظر نہیں آتی لیکن ہر جاندار کی قوت و توانائی اسی روح کے اندر مضمر ہے، اس کی حقیقت و ماہیت کیا ہے؟ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، یہود نے بھی روح کے متعلق آپ ﷺ سے سوال کیا تھا تو آیت یسئلونك عن الروح الخ نازل ہوئی۔

یہاں روح سے کیا مراد ہے:

قرآن کریم میں روح کا اطلاق متعدد معنی پر ہوا ہے ایک معنی تو معروف ہیں یعنی جس پر کسی بھی حیوان کی زندگی کا مدار ہوتا ہے، دوسرے حضرت جبرائیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے استعمال ہوا ہے قال اللّٰہ تعالی نَزَلَ به الروح الا مين على قلبك، تیسرے حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے بھی روح کا لفظ کئی آیات میں بولا گیا ہے، اور قرآن کے لئے بھی روح کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ اَوْحينــا اليك روحًــا مــن امــرنــا میں بعض مفسرین نے سیاق وسباق کی رعایت سے یہ سوال وحی اور قرآن یا وحی لانے والے فرشتے جبرائیل کے متعلق قرار دیا ہے اسلئے کہ اس سے پہلے "نُنَزِّلُ من القرآن" میں قرآن کا ذکر تھا اور بعد کی آیات میں پھر قرآن کا ذکر ہے اس سیاق وسباق کی مناسبت سے یہ سمجھا کہ اس آیت میں مذکور روح سے بھی وحی، قرآن، یا جبرائیل ہی مراد ہیں، اور مطلب سوال کا یہ ہوگا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ کون لاتا ہے؟ قرآن کریم نے اس کے جواب میں اس پر اکتفا کیا کہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے وحی آتی ہے تفصیلات اور کیفیات کا ذکر نہیں کیا۔

مرفوع حدیث میں مذکور شان نزول:

احادیث صحیحہ مرفوعہ میں جو شان نزول مذکور ہے وہ اسبات میں صریح ہے کہ سوال روح حیوانی کے بارے میں تھا کہ وہ کیا چیز ہے؟ بدن انسانی میں کس طرح آتی ہے؟ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ ایک روز مدینہ کے غیر آباد حصہ میں چل رہے تھے میں بھی آپ کے ساتھ تھا، آپ کے دست مبارک میں کھجور کی سوکھی شاخ تھی آپ کا گذر چند یہودیوں پر ہوا، یہ لوگ آپس میں کہنے لگے محمد (ﷺ) آرہے ہیں ان سے روح کے متعلق سوال کرو بعض نے منع کیا مگر ایک شخص نے سوال کر ہی ڈالا، یہ سوال سنکر رسول اللہ ﷺ لکڑی پر ٹیک لگا کر خاموش کھڑے ہو گئے جس سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ آپ پر وحی نازل ہونے والی ہے کچھ دیر کے بعد وحی نازل ہوئی تو آپ نے آیت "يسئلونك عن الروح" پڑھ کر سنائی یہاں ظاہر ہے کہ قرآن یا وحی کو روح کہنا یہ قرآن کی ایک خاص اصطلاح ہے، مشرکین کے سوال کو اس پر محمول کرنا بہت بعید ہے، البتہ روح حیوانی وانسانی کا معاملہ ایسا ہے کہ اس کا سوال ہر شخص کے دل میں پیدا ہوتا ہی ہے، اسلئے جمہور مفسرین، ابن کثیر، ابن جریر، قرطبی روح المعانی سب ہی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے کہ سوال روح حیوانی ہی کی حقیقت کے متعلق تھا، رہا یہ سوال کہ سیاق وسباق میں ذکر قرآن کا چلا آرہا ہے، درمیان میں روح کا سوال بے جوڑ ہے تو اس کا جواب واضح ہے کہ اس سے پہلے آیات میں کفار مشرکین کی مخالفت اور معاندانہ سوالات کا ذکر آیا ہے جن کا مقصد رسول اللہ ﷺ کا در بارۂ رسالت امتحان کرنا تھا یہ سوال بھی اسی سلسلہ کی کڑی ہے اس لئے بے جوڑ نہیں، خصوصاً شان نزول کے متعلق ایک دوسری صحیح روایت منقول ہے اس میں یہ بات زیادہ وضاحت سے آئی ہے کہ سوال کرنے والوں کا مقصد رسول اللہ ﷺ کی رسالت کا امتحان لینا تھا، چنانچہ مسند احمد میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ قریش مکہ جو رسول اللہ ﷺ سے جا اور بے جا ہر قسم کے

سوالات کرتے رہتے تھے انہوں نے سوچا کہ یہود اہل علم ہیں ان کو گذشتہ کتابوں کا بھی علم ہے ان سے کچھ سوالات حاصل کئے جائیں جن کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ کا امتحان لیا جائے اسلئے قریش نے یہود سے سوالات دریافت کرنے کے لئے اپنے آدمی بھیجے انہوں نے کہا کہ تم ان سے روح کے متعلق سوال کرو (ابن کثیر) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما ہی سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی نقل کیا گیا ہے کہ یہود نے رسول اللہ ﷺ سے اپنے سوال میں یہ بھی کہا تھا کہ آپ ہمیں یہ بتلائیں کہ روح پر عذاب کس طرح ہوتا ہے، اس وقت تک رسول اللہ ﷺ پر اس بارے میں کوئی بات نازل نہ ہوئی تھی اسلئے اس وقت فوری جواب نہیں دیا پھر جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے "قل الروح من امر ربی". (معارف، ابن کثیر)

واقعۂ سوال، مکہ میں پیش آیا یا مدینہ میں:

حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت کے مطابق یہ واقعۂ سوال مدینہ میں پیش آیا اسلئے بعض مفسرین نے اس آیت کو مدنی قرار دیا ہے، اور ابن عباس کی روایت کا تعلق مکہ سے ہے ابن کثیر نے اسی احتمال کو راجح قرار دیا ہے اور ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کا یہ جواب دیا ہے کہ ممکن ہے کہ اس آیت کا نزول مدینہ میں دوسری مرتبہ ہوا ہو۔

سوال مذکور کا جواب:

مذکورہ سوال کا جواب قرآن مجید نے یہ دیا ہے "قل الروح من امر ربی" اس جواب کی تشریح میں قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے جو طریقہ اختیار کیا وہ یہ ہے کہ اس جواب میں جتنی بات کا بتلانا ضروری تھا اور جو عام لوگوں کی سمجھ میں آنے کے قابل ہے صرف وہ بتلا دی گئی اور روح کی مکمل حقیقت جس کا سوال تھا اس کو اسلئے نہیں بتلایا گیا کہ وہ عوام کی سمجھ سے بالاتر تھی اور اس کی کوئی ضرورت اس کے سمجھنے پر موقوف بھی نہیں تھی، یہاں آپ ﷺ کو یہ حکم ہوا کہ آپ ان کے جواب میں یہ فرما دیجئے کہ روح میرے پروردگار کے حکم سے ہے یعنی وہ عام مخلوقات کی طرح نہیں کہ جو مادہ کے قطروں اور توالد و تناسل کے ذریعہ وجود میں آتی ہے بلکہ وہ بلا واسطہ حق تعالیٰ کے حکم "کُن" سے پیدا ہونے والی چیز ہے۔

روح کی حقیقت کا علم کسی کو ہوسکتا ہے یا نہیں؟

قرآن کریم نے اس سوال کا جواب مخاطب کی ضرورت اور فہم کے مطابق دیدیا، حقیقت روح کو بیان نہیں فرمایا، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ روح کی حقیقت کوئی سمجھ ہی نہیں سکتا، اور یہ کہ رسول اللہ ﷺ کو بھی روح کی حقیقت معلوم نہیں تھی، صحیح بات یہ ہے کہ یہ آیت اس کی نہ نفی کرتی ہے اور نہ اثبات، اگر کسی نبی یا رسول کو وحی کے ذریعہ، کسی ولی کو کشف والہام کے ذریعہ اس کی حقیقت معلوم ہو جائے تو اس آیت کے خلاف نہیں، بلکہ عقل اور فلسفہ کی رو سے بھی اس پر کوئی بحث و تحقیق کی جائے تو اس کو فضول اور لایعنی تو کہا جا سکتا ہے مگر ناجائز نہیں کہا جا سکتا، اسی لئے بہت سے علماء متقدمین اور متاخرین نے روح کے متعلق مستقل کتابیں

لکھی ہیں آخر دور میں شیخ الاسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ایک مختصر رسالے میں اس مسئلہ کو بہترین انداز سے لکھا ہے اور اس میں جس قدر حقیقت عام انسان کی لئے سمجھنا ممکن ہے وہ سمجھا دی ہے جس پر ایک تعلیم یافتہ انسان قناعت کر سکتا ہے اور شبہات واشکالات سے بچ سکتا ہے۔

روح عقل ونقل کی روشنی میں:

ویسئلونك عن الروح: ''اور سوال کرتے ہیں تجھ سے روح کی نسبت''۔

یعنی روح انسانی کیا چیز ہے، اس کی ماہیت وحقیقت کیا ہے: یہ سوال صحیحین کی روایت کے موافق یہود مدینہ نے آنحضرت ﷺ کے آزمانے کو کیا تھا اور ''سیر'' کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ''قریش'' نے یہود سے یہ سوال کیا تھا، اسی لئے آیت کے ''مکی'' اور ''مدنی'' ہونے میں اختلاف ہے، ممکن ہے کہ نزول مکرر ہوا ہو، واللہ اعلم، یہاں اس سوال کے درج کرنے سے غالباً یہ مقصود ہوگا کہ جن چیزوں کے سمجھنے کی ان لوگوں کو ضرورت ہے، اُدھر سے تو اعراض کرتے ہیں اور غیر ضروری مسائل میں از راہ تعنت وعناد جھگڑتے رہتے ہیں، ضرورت اس کی تھی کہ وحی قرآنی کی روح سے باطنی زندگی حاصل کرتے اور اس نسخۂ شفا سے فائدہ اُٹھاتے۔

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (شوری)، **يُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ.** (نحل)

(مگر انہیں دور از کار اور معاندانہ بحثوں سے فرصت کہاں؟)

روح کیا ہے، جوہر ہے یا عرض؟ مادی ہے یا مجرد؟ بسیط ہے یا مرکب؟ اس قسم کے غامض اور بے ضرورت مسائل کے سمجھنے پر نہ نجات موقوف ہے، نہ یہ بحثیں انبیاء کے فرائض تبلیغ میں داخل ہیں، بڑے بڑے حکماء اور فلاسفر آج تک خود ''مادہ'' کی حقیقت پر مطلع نہ ہو سکے، روح جو بہر حال مادہ سے کہیں زیادہ لطیف وخفی ہے اس کی ماہیت وکنہ تک پہنچنے کی پھر کیا اُمید کی جا سکتی ہے؟ مشرکین مکہ کی جہالت اور یہود مدینہ کی اسرائیلیات کا مطالعہ کرنے والوں کو معلوم ہے کہ جو قوم موٹی موٹی باتوں اور نہایت واضح حقائق کو نہیں سمجھ سکتی وہ ''روح'' کے حقائق پر دسترس پانے کی کیا خاک استعداد واہلیت رکھتی ہوگی۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ، کہہ دے روح میرے رب کے حکم سے ہے۔

موضح القرآن میں ہے کہ حضرت کے آزمانے کو یہود نے پوچھا سو اللہ تعالیٰ نے (کھول کر) نہ بتایا کیونکہ ان کو سمجھنے کا حوصلہ نہ تھا، آگے پیغمبروں نے بھی مخلوق سے ایسی باریک باتیں نہیں کہیں، اتنا جاننا کافی ہے کہ اللہ کے حکم سے ایک چیز بدن میں آ پڑی وہ جی اُٹھا، جب نکل گئی وہ مرگیا۔

الفاظِ قرآنی کی سطح کے نیچے عمیق حقائق مستور ہیں:

حق تعالیٰ کا کلام اپنے اندر عجیب وغریب اعجاز رکھتا ہے، روح کے متعلق یہاں جو کچھ فرمایا اس کا سطحی مضمون عوام اور قاصر الفہم یا کج رو معاندین کے لیے کافی ہے، لیکن اسی سطح کے نیچے، ان ہی مختصر الفاظ کی تہ میں روح کے متعلق وہ بصیرت افروز حقائق مستور ہیں جو بڑے سے بڑے عالی دماغ نکتہ رس فلسفی اور ایک عارف کامل کی راہِ طلب وتحقیق کیلئے چراغِ ہدایت کا کام دیتی ہیں۔

''روح'' کے متعلق عہد قدیم سے جو سلسلہ تحقیقات کا جاری ہے وہ آج تک ختم نہیں ہوا اور نہ شاید ہو سکے، روح کی اصلی کنہ وحقیقت تک پہنچنے کا دعویٰ تو بہت ہی مشکل ہے، کیونکہ ابھی تک کتنی ہی محسوسات ہیں جن کی کنہ وحقیقت معلوم کرنے سے ہم عاجز رہے ہیں، تاہم میرے نزدیک آیاتِ قرآنیہ سے روح کے متعلق چند نظریات پر صاف روشنی پڑتی ہے۔

روح قرآنی کے متعلق چند نظریات:

❶ انسان میں اس مادی جسم کے علاوہ کوئی اور چیز موجود ہے، جسے روح کہتے ہیں، وہ ''عالم امر'' کی چیز ہے اور خدا کے حکم سے فائض ہوتی ہے۔

قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ (بنی اسرائیل)، خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ (آلِ عمران)، ثُمَّ اَنْشَاْنَاهُ خَلْقًا اٰخَرَ، فَتَبَارَکَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِیْنَ (المؤمنون) اِنَّمَا قَوْلُنَا لِشَیْءٍ اِذَا اَرَدْنَاهُ اَنْ نقولَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ. (نحل).

❷ روح کی صفاتِ علم وشعور وغیرہ بتدریج کمال کو پہنچتی ہیں اور ارواح میں حصولِ کمال کے اعتبار سے بیحد تفاوت اور فرق مراتب ہے حتی کہ خدا تعالیٰ کی تربیت سے ایک روح ایسے بلند اور اعلیٰ مقام پر پہنچ جاتی ہے جہاں دوسری ارواح کی قطعاً رسائی نہ ہو سکے جیسے روحِ محمدی ﷺ کی نسبت ہمارا اعتقاد ہے۔

محققین کہتے ہیں کہ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ میں امر کی اضافت رب کی طرف اور رب کی یاءِ متکلم کی طرف جس سے مراد نبی کریم ﷺ ہیں اس طرف مشیر ہے کیونکہ امام راغب رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالیٰ کی تصریح کے موافق رب اُس ہستی کو کہتے ہیں جو کسی چیز کو بتدریج حدِ کمال تک پہنچائے جہاں تک پہنچنے کی اس میں استعداد پائی جاتی ہو، چنانچہ دیکھ لو نبی کریم ﷺ کی اعلیٰ استعداد کے موافق اللہ نے آپ کو حسی ومعنوی حیثیت سے کس قدر بلند مقام پر پہنچایا، آپ کو علوم ومعارف سے بھری ہوئی وہ کتاب مرحمت فرمائی جس کی نسبت ارشاد فرماتے ہیں۔

قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ. (الآیة). (سورۂ بنی اسرائیل)

اور حسی طور پر آپ کو شبِ معراج میں سدرۃ المنتہیٰ سے بھی اُوپر لے گئے جہاں تک کسی نبی یا فرشتے کو عروج میسر نہ ہوا تھا۔

۳ مگر روح کے یہ کمالات ذاتی نہیں، وہاب حقیقی کے عطا کئے ہوئے اور محدود ہیں چنانچہ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا سے معلوم ہوا کہ علم کسی اور کا دیا ہوا ہے اور جو علم تم کو دیا گیا وہ سب، دینے والے کے علم کے سامنے نہایت قلیل اور محدود ہے، قُلْ لَوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِكَلِمَاتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنفَدَ كَلِمَاتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا (کهف) وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ (لقمان) اسی طرح آگے مشرکین کے قول لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا کے جواب میں قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا، فرمانا اس کی دلیل ہے کہ علم کی طرح بشر کی قدرت بھی بہر حال محدود و مستعار ہے۔

''خلق'' کیا ہے؟

اس مثال سے یہ بات واضح ہوگئی کہ مشین کا ڈھانچہ تیار کرنا اُس کے پرزوں کا ٹھیک انداز رکھنا، پھر فٹ کرنا ایک سلسلہ کے کام ہیں جس کی تکمیل کے بعد مشین کو چالو کرنے کے لئے ایک دوسری چیز بجلی یا اسٹیم اس کے خزانہ سے لانے کی ضرورت ہے اسی طرح سمجھو کہ حق تعالیٰ نے اول آسمان وزمین کی تمام مشینیں بنائیں جس کو ''خلق'' کہتے ہیں، ہر چھوٹا بڑا پرزہ ٹھیک اندازہ کے موافق تیار کیا جس کو ''تقدیر'' کہا گیا ہے فَقَدَّرَهٗ تَقْدِيْرًا سب کل پرزوں کو جوڑ کر مشین کو فٹ کیا جسے ''تصویر'' اور ''تسویہ'' کہتے ہیں خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ اور فَاِذَا سَوَّيْتُهٗ وَنَفَخْتُ فِيْهِ یہ سب افعال خلق کی مد میں تھے۔

''امر'' کیا ہے؟

اب ضرورت تھی کہ جس مشین کو جس کام میں لگانا ہے، لگا دیا جائے مشین کو چالو کرنے کیلئے، ''امر الٰہی'' کی بجلی چھوڑ دی گئی شاید اس کا تعلق اسم باری سے ہے اَلْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ وفي الحديث فَلَقَ الْحَبَّةَ وبرأ النسمة وفي سورة الحديد مِنْ قَبْلِ اَنْ نَّبْرَاَهَا اى النفوس كما هو مروى عن ابن عباس وقتادة والحسن.

غرض ادھر سے حکم ہوا ''چل'' فوراً چلنے لگی، اسی ''امر الٰہی'' کو فرمایا اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ دوسری جگہ نہایت وضاحت کے ساتھ امر کن کو خلق جسد پر مرتب کرتے ہوئے ارشاد ہوا خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ بلکہ تتبع سے ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم میں ''كُنْ فَيَكُوْنُ'' کا مضمون جتنے مواضع میں آیا عموماً خلق

اور ابداع کے ذکر کے بعد آیا ہے جس سے خیال گذرتا ہے کہ کلمہ "کن" کا خطاب "خلق" کے بعد تدبیر و تصرف وغیرہ کیلئے ہوتا ہوگا۔ (واللہ اعلم)

روح کا مبدأ صفت کلام ہے:

بہر حال میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ "امر" کے معنی یہاں حکم کے ہیں اور وہ حکم یہی ہے جسے لفظ "کن" سے تعبیر کیا گیا، اور کن جنس کلام سے ہے جو حق تعالیٰ کی صفتِ قدیمہ ہے جس طرح ہم اس کی تمامی صفات (مثلاً حیات، سمع، بصر وغیرہ) کو بلا کیف تسلیم کرتے ہیں، کلام اللہ اور کلمۃ اللہ کے متعلق بھی یہی مسلک رکھنا چاہئے۔

خلاصہ یہ ہوا کہ "روح" کے ساتھ اکثر جگہ قرآن میں "امر" کا لفظ استعمال ہوا ہے مثلاً قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ، وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ رُوْحًا مِنْ اَمْرِنَا، یُلْقِی الرُّوْحَ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ، یُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِکَۃَ بِالرُّوْحِ مِنْ اَمْرِہٖ عَلٰی مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِہٖ اور پہلے گذر چکا کہ "امر" عبارت ہے کلمۂ کن سے یعنی وہ کلام انشائی جس سے مخلوقات کی تدبیر و تصریف اس طریقہ پر کی جائے جس سے غرض ایجاد و تکوین مرتب ہو، لہٰذا ثابت ہوا کہ روح کا مبدأ حق تعالیٰ کی صفتِ قدیمہ کلام ہے جو صفت علم و حیات کے ماتحت ہے، شاید اسی حیثیت کا لحاظ کرتے ہوئے نَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِیْ میں اُسے اپنی طرف منسوب کیا ہے، کیونکہ "کلام" اور "امر" کی نسبت متکلم و آمر سے صادر و مصدر کی ہوتی ہے مخلوق و خالق کی نہیں ہوتی، اسی لئے الا لَہُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ میں امر کو خلق کے مقابل رکھا ہاں یہ امر "کن" باری تعالیٰ شانہٗ سے صادر ہو کر ممکن ہے کہ جوہر مجرد کے لباس میں یا ایک ملک اکبر اور روح اعظم کی صورت میں ظہور پکڑے جس کا ذکر بعض آثار میں ہوا ہے اور جسے ہم کہربائیہ روحیہ کا خزانہ کہہ سکتے ہیں۔

گویا یہیں سے روح حیات کی لہریں دنیا کی ذوی الارواح پر تقسیم کی جاتی ہیں اور اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ الخ کے بیشمار تاروں کا یہیں سے کنکشن ہوتا ہے، اب جو کرنٹ چھوٹی بڑی مشینوں کی طرف چھوڑا جاتا ہے وہ ہر مشین سے اسکی بناوٹ اور استعداد کے موافق کام لیتا اور اس کی ساخت کے مناسب حرکت دیتا ہے، بلکہ جن لیمپوں اور قمقموں میں یہ بجلی پہنچتی ہے انہی کے مناسب رنگ و ہیئت اختیار کر لیتی ہے۔

روح کا مبدأ صفت کلام ہے پھر وہ جوہر مجرد و جسم لطیف کیونکر بن گئی؟

رہی یہ بات کہ "کن" (ہوجا) کا حکم جو قسم کلام سے ہے جو ہر مجرد جسم نورانی لطیف کی شکل کیونکر اختیار کر سکتا ہے، اسے یوں سمجھ لو کہ تمام عقلاء اس پر متفق ہیں، کہ ہم خواب میں جو اشکال و صور دیکھتے ہیں بعض اوقات وہ محض ہمارے خیالات ہوتے ہیں جو دریا، پہاڑ، شیر، چیتے وغیرہ کی شکلوں میں نظر آتے ہیں۔

اب غور کرنے کا مقام ہے کہ خیالات جو اعراض ہیں اور دماغ کے ساتھ قائم ہیں، وہ جواہر و اجسام کیونکر بن گئے، اور کس طرح ان میں اجسام کے لوازم و خواص پیدا ہو گئے، یہاں تک کہ بعض مرتبہ خواب دیکھنے والے سے بیدار ہونے کے بعد بھی آثار ولوازم جدا نہیں ہوتے۔

خواب کی مثال سے مطلب کی تفہیم:

فی الحقیقت خدا تعالیٰ نے ہر انسان کو خواب کے ذریعہ سے بڑی بھاری ہدایت کی ہے کہ جب ایک آدمی کی قوت مصورہ میں اس نے اس قدر طاقت رکھی ہے کہ وہ اپنی بساط کے موافق غیر مجسم خیالات کو جسمی سانچہ میں ڈھال لے اور ان میں وہی خواص و آثار باذن اللہ پیدا کر لے جو عالمِ بیداری میں اجسام سے وابستہ تھے، پھر تماشہ یہ ہے کہ وہ خیالات خواب دیکھنے والے کے دماغ سے ایک منٹ کو علیحدہ بھی نہیں ہوئے ان کا ذہنی وجود بدستور قائم ہے، تو کیا اس حقیر سے نمونہ کو دیکھ کر ہم اتنا نہیں سمجھ سکتے کہ ممکن ہے قادر مطلق اور مصور برحق جل وعلا کا امر بے کیف (کن) باوجود صفتِ قائمہ بذاتہ تعالیٰ ہونے کے کسی ایک یا متعدد صورتوں میں جلوہ گر ہو جائے ان صورتوں کو ہم ارواح یا فرشتے یا کسی اور نام سے پکاریں۔

روح حادث ہے اور اس کا مبدأ (امرِ رب) قدیم ہے:

وہ ارواح ملائکہ وغیرہ سب حادث ہوں اور امر الٰہی بحالہٖ قائم رہے، امکان وحدوث کے احکام وآثار ارواح وغیرہ تک محدود ہیں اور ''امر الٰہی'' ان سے پاک برتر ہو جیسے جو صورت خیالیہ بحالت خواب مثلاً آگ کی صورت میں نظر آتی ہے اس صورت ناریہ میں احراق، سوزش، گرمی وغیرہ سب آثار ہم محسوس کرتے ہیں، حالانکہ اسی آگ کا تصور سالہا سال بھی دماغوں میں رہے تو ہمیں ایک لمحہ کے لئے یہ آثار محسوس نہیں ہوتے۔

ظاہر اور مظہر کے احکام جُدا جُدا ہیں:

پس کوئی شبہ نہیں کہ روح انسانی (خواہ جوہر مجرد ہو یا جسم لطیف نورانی) امر ربی کا مظہر ہے لیکن یہ ضروری نہیں کہ مظہر کے تمام احکام وآثار ظاہر پر جاری ہوں کما ہو الظاہر واضح رہے کہ جو کچھ ہم نے لکھا اور جو مثالیں پیش کیں ان سے مقصود محض تسہیل وتقریب الی الفہم ہے ورنہ ایسی کوئی مثال دستیاب نہیں ہو سکتی جو ان حقائق غیبیہ پر پوری طرح منطبق ہو۔

روح جوہر مجرد ہے یا جسم لطیف؟

رہا یہ مسئلہ روح جوہر مجرد ہے جیسا کہ اکثر حکماء قدیم اور صوفیہ کا مذہب ہے یا جسم نورانی لطیف جیسا کہ جمہور اہلحدیث کی رائے ہے اس میں میرے نزدیک قول فیصل وہی ہے جو بقیۃ السلف بحر العلوم حضرت علامہ سید محمد انور شاہ صاحب رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ

نے فرمایا کہ بالفاظ عارف جامی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ یہاں تین چیزیں ہیں۔

❶ وہ جواہر جن میں مادہ اور کمیت دونوں ہوں جیسے ہمارے ابدان مادیہ۔

❷ وہ جواہر جن میں مادّہ نہیں صرف کمیت ہے جنہیں صوفیہ ''اجسام مثالیہ'' کہتے ہیں۔

❸ وہ جواہر جو مادّہ اور کمیّت دونوں سے خالی ہوں جن کو صوفیہ ''ارواح'' یا حکماء جواہر مجردہ کے نام سے پکارتے ہیں۔

پس جمہور اہل شرع جس کو ''روح'' کہتے ہیں وہ صوفیہ کے نزدیک بدن مثالی سے موسوم ہے جو بدنِ مادی میں حلول کرتا ہے اور بدن مادّی کی طرح آنکھ ناک ہاتھ پاؤں وغیرہ اعضاء رکھتا ہے۔

روح کا بدن سے جُدا ہونا موت کو مستلزم نہیں:

یہ روح بدن سے کبھی جُدا ہو جاتی ہے اور اس جدائی کی حالت میں بھی ایک طرح کا مجہول الکیف علاقہ بدن کے ساتھ قائم رکھتی ہے جس سے بدن پر حالتِ موت طاری نہیں ہونے پاتی، گویا حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے قول کے موافق جو بغوی نے اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِھَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِھَا کی تفسیر میں نقل کیا ہے اس وقت روح خود علیحدہ رہتی ہے مگر اس کی شعاع جسد میں پہنچ کر بقاء حیات کا سبب بنتی ہے جیسے آفتاب لاکھوں میل سے بذریعہ شعاعوں کے زمین کو گرم رکھتا ہے یا جیسے کہ حال ہی میں فرانس کے محکمہ پرواز نے ہوا بازوں کے بغیر طیارے چلا کر خفیہ تجربے کئے ہیں اور تعجب خیز نتائج رونما ہوئے، اطلاع موصول ہوئی ہے کہ حال میں ایک خاص بم پھینکنے والا طیارہ بھیجا گیا تھا جس میں کوئی شخص سوار نہ تھا لیکن لاسلکی کے ذریعہ سے وہ منزل مقصود پر پہنچایا گیا، اس طیارہ میں بم بھر کر وہاں گرائے گئے اور پھر وہ مرکز میں واپس لایا گیا، دعوی کیا جاتا ہے کہ لاسلکی کے ذریعہ سے ہوائی جہاز نے خود بخود جو کام کیا وہ ایسا ہی مکمل ہے جیسا کہ ہوا باز کی مدد سے عمل میں آتا۔

آج کل یورپ میں جو سوسائٹیاں روح کی تحقیقات کر رہی ہیں انہوں نے بعض ایسے مشاہدات بیان کئے ہیں جن میں روح جسم سے علیحدہ تھی اور روح کی ٹانگ پر حملہ کرنے کا اثر جسم مادی کی ٹانگ پر ظاہر ہوا، بہرحال اہل شرع جو روح ثابت کرتے ہیں صوفیہ کو اس کا انکار نہیں بلکہ وہ اس کے اوپر ایک اور روح مجرد مانتے ہیں جس میں استحالہ نہیں بلکہ اس روح مجرد کی بھی اگر کوئی اور روح ہو اور آخر میں کثرت کا سارا سلسلہ سمٹ کر امر ربی کی وحدت پر مبنی ہو جائے تو انکار کی ضرورت نہیں۔

روح ہر چیز میں ہے اور ہر چیز کو ایک حیثیت سے زندہ یا مُردہ کہہ سکتے ہیں:

مذکورہ بالا تقریر سے یہ نکلتا ہے کہ ہر چیز میں جو ''کن'' کی مخاطب ہوئی روحِ حیات پائی جائے بیشک میں یہی سمجھتا ہوں کہ مخلوق کی ہر نوع کو اس کی استعداد کے موافق قوی یا ضعیف زندگی ملی ہے یعنی جس کام کیلئے وہ چیز پیدا کی گئی ڈھانچہ تیار کر کے اس کو حکم دینا ''کن'' (اس کام میں لگ جا) بس یہی اُس کی روح حیات ہے، جبتک اور جس حد تک یہ اپنی غرض ایجاد کو پورا کرے گی اُسی حد تک زندہ سمجھی جائے گی، اور جس قدر اس سے بعید ہو کر معطل ہوتی جائے گی، اسی قدر موت سے

نزدیک یا مردہ کہلائے گی۔

یہ مضمون بہت طویل اور محتاج بسط وتفصیل ہے، ہم نے اہل علم وفہم کیلئے اپنی بساط کے موافق کچھ اشارے کردیئے ہیں، شاید قرآن مجید پر نکتہ چینی کرنے والے اصحاب اتنا سمجھ لیں کہ روح کے متعلق بھی قرآن حکیم میں وہ رموز وحقائق بیان ہوئے ہیں جنکا عشر عشیر دوسری آسمانی کتاب میں بیان نہیں ہوا۔ **واللّٰہ سبحانہ وتعالی اعلم وھو الملھم للصواب.** (خطبات عثمانی ملخصًا)

فائدۂ جلیلہ:

امام بغوی نے اس مقام پر حضرت عبداللہ بن عباس سے ایک مفصل روایت اس طرح نقل فرمائی ہے کہ یہ آیت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی جبکہ مکہ کے قریشی سرداروں نے جمع ہو کر مشورہ کیا کہ محمد ﷺ ہمارے اندر پیدا ہوئے اور جوان ہوئے ان کی امانت ودیانت اور سچائی میں کبھی کسی کو شبہ نہیں ہوا اور کبھی ان کے متعلق جھوٹ بولنے کی تہمت بھی کسی نے نہیں لگائی اور اس کے باوجود اب جو دعوائے نبوت وہ کر رہے ہیں وہ ہماری سمجھ میں نہیں آتا، اس لئے ایسا کرو کہ اپنا ایک وفد مدینہ کے علماء یہود کے پاس بھیج کر ان سے ان کے بارے میں تحقیقات کرو چنانچہ قریش کا ایک وفد علماء یہود کے پاس مدینہ پہنچا، علماء یہود نے ان کو مشورہ دیا کہ تمہیں تین چیزیں بتلاتے ہیں تم ان سے ان تینوں کا سوال کرو اگر انہوں نے تینوں کا جواب دیدیا تو وہ نبی نہیں اسی طرح اگر تینوں میں سے کسی کا جواب نہ دیا تو بھی نبی نہیں، اور اگر دو کا جواب دیا اور تیسری کا نہ دیا تو سمجھ لو کہ وہ نبی ہیں اور وہ تین سوال یہ بتلائے ایک تو تم ان سے ان لوگوں کا حال معلوم کرو جو قدیم زمانہ میں شرک سے بچنے کے لئے کسی غار میں چھپ گئے تھے کیونکہ ان کا واقعہ عجیب ہے، دوسرے اس شخص کا حال معلوم کرو جس نے زمین کے مشرق ومغرب کا سفر طے کیا کہ اس کا کیا واقعہ ہے، تیسرے روح کے متعلق سوال کرو کہ اس کی حقیقت کیا ہے؟ یہ وفد آپ کی خدمت میں واپس آیا اور مذکورہ تینوں سوال آپ ﷺ کے سامنے پیش کردیئے، آپ نے فرمایا کہ میں ان کا جواب کل دوں گا مگر اس پر انشاء اللہ نہیں کہا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز تک وحی کا سلسلہ بند ہوگیا بارہ پندرہ سے لے کر چالیس دن کی روایات ہیں جن میں سلسلہ وحی بند رہا، قریش مکہ کو طعن وتشنیع کا موقع ملا، کہ کل جواب دینے کو کہا تھا آج اتنے دن گذر گئے جواب نہیں ملا رسول اللہ ﷺ کے لئے بھی پریشانی ہوئی پھر حضرت جبرئیل امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے "**ولا تقولَنّ لشئٍ انی فاعل ذلك غدًا الا ان یشاء اللّٰہ**" جس میں آپ کو یہ تلقین کی گئی کہ آئندہ کسی کام کے کرنے کا وعدہ کیا جائے تو انشاء اللہ کہہ کر کیا جائے اور اس کے بعد روح کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی جو اوپر گذر چکی ہے اور غار میں چھپنے والوں کے متعلق اصحاب کہف کا واقعہ اور مشرق سے مغرب تک سفر کرنے والے ذوالقرنین کا واقعہ پوری تفصیل کے ساتھ جواب میں بیان فرمایا گیا اور روح کے متعلق جو حقیقت کا سوال تھا اس کا جواب نہیں دیا گیا، جس سے یہود کی بتلائی ہوئی علامت صدق نبوت کی ظاہر ہوگئی، اس واقعہ کو ترمذی نے مختصراً بیان کیا ہے۔ (مظہری)

بے سروپا معاندانہ سوالات کا پیغمبرانہ جواب:

وقالوا لن نؤمنَ لكَ حتى تفجر لنامن الارض ينبوعًا، آیات مذکورہ میں جو سوالات اور فرمائشیں رسول اللہ ﷺ سے اپنے ایمان لانے کی شرط قرار دیکر کی گئیں وہ سب ایسی ہیں کہ ہر انسان ان کو سنکر ایک قسم کا تمسخر اور ایمان نہ لانے کے بیہودہ بہانے کے سوا کچھ نہیں سمجھ سکتا، ایسے سوالات کے جواب میں انسان کو فطرۃً غصہ آتا ہے اور جواب بھی اسی انداز کا دیتا ہے مگران آیات میں ان کے بیہودہ سوالات کا جو جواب حق تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تلقین فرمایا وہ قابل نظر اور مصلحین امت کے لئے ہمیشہ یادگار اور لائحہ عمل بنانے کی چیز ہے کہ ان سب کے جواب میں نہ ان کی بے وقوفی کا اظہار کیا گیا نہ ان کی معاندانہ شرارت کا، نہ ان پر کوئی فقرہ کسا گیا، بلکہ نہایت سادہ الفاظ میں اصل حقیقت کو واضح کر دیا گیا کہ تم لوگ شاید یہ سمجھتے ہو کہ جو شخص خدا کا رسول ہو کر آئے وہ سارے خدائی اختیارات کا مالک اور ہر چیز پر قادر ہونا چاہئے یہ تخیل غلط ہے، اور رسول کا کام صرف اللہ کا پیغام پہنچانا ہے، اللہ تعالیٰ ان کی رسالت کو ثابت کرنے کے لئے بہت سے معجزات بھی بھیجتے ہیں مگر وہ سب کچھ محض اللہ کی قدرت و اختیار سے ہوتا ہے، رسول تو ایک انسان ہی ہوتا ہے اور انسانی قوت و قدرت سے باہر نہیں ہوتا الا یہ کہ اللہ تعالیٰ ہی اس کی امداد کے لئے اپنی قوت قاہرہ کو ظاہر کردے۔

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا ای قولهم منكرين اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ولم يبعث ملكا قُلْ لهم لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ بدل البشر مَلٰٓئِكَةٌ يَّمْشُوْنَ مُطْمَئِنِّيْنَ لَنَزَّلْنَا عَلَيْهِمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَلَكًا رَّسُوْلًا اذ لا يُرسَلُ الى قوم رسولٌ الا من جنسهم لِيُمْكِنَهم مُخاطَبَتُه والفهم عنه قُلْ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ على صدقي اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا بَصِيْرًا عالمًا ببواطنهم وظواهرهم وَمَنْ يَّهْدِ اللّٰهُ فَهُوَ الْمُهْتَدِ وَمَنْ يُّضْلِلْ الله فَلَنْ تَجِدَ لَهُمْ اَوْلِيَآءَ يهدونهم مِنْ دُوْنِهٖ وَنَحْشُرُهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ماشين عَلٰى وُجُوْهِهِمْ عُمْيًا وَّبُكْمًا وَّصُمًّا مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ كُلَّمَا خَبَتْ سكن لهبها زِدْنٰهُمْ سَعِيْرًا تلهبا واشتعالا ذٰلِكَ جَزَآؤُهُمْ بِاَنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا وَقَالُوْٓا منكرين للبعث ءَاِذَا كُنَّا عِظَامًا وَّرُفَاتًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ خَلْقًا جَدِيْدًا اَوَلَمْ يَرَوْا يعلموا اَنَّ اللّٰهَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مع عظمهما قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ اي الاناسي في الصغر وَجَعَلَ لَهُمْ اَجَلًا اي للموت والبعث لَّا رَيْبَ فِيْهِ فَاَبَى الظّٰلِمُوْنَ اِلَّا كُفُوْرًا اي جحودا له قُلْ لهم لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ من الرزق والمطر اِذًا لَّاَمْسَكْتُمْ لبخلتم خَشْيَةَ الْاِنْفَاقِ خوف نفادها بالانفاق فتفتقروا وَكَانَ الْاِنْسَانُ قَتُوْرًا بخيلا

ترجمہ: لوگوں کے پاس ہدایت پہنچنے کے بعد ایمان سے روکنے والا منکرین کا ان سے صرف یہی کہنا رہا کہ کیا

انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا، اور فرشتہ کو نہ بھیجا، آپ کہہ دیں کہ اگر زمین میں فرشتے چلتے پھرتے اور رہتے بستے ہوتے تو ہم بھی ان کے پاس کسی آسمانی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیتے اس لئے کہ قوم کے پاس ان ہی کی جنس کا رسول بھیجا جاتا ہے تا کہ ان کے لئے اس کی گفتگو اور افہام وتفہیم ممکن ہو، آپ کہہ دیجئے کہ میرے اور تمہارے درمیان میری صداقت پر اللہ کا گواہ ہونا کافی ہے وہ اپنے بندوں (کے حالات) سے خوب آگاہ ہے، اور بخوبی دیکھنے والا ہے (یعنی) ان کے پوشیدہ اور ظاہر تمام حالات سے واقف ہے، اور اللہ جس کی رہنمائی کرے وہ ہدایت یافتہ ہے اور جسے وہ راہ سے بھٹکا دے ناممکن ہے کہ تو ان کے مددگار پائے جو ان کی رہنمائی کریں ایسے لوگوں کو ہم قیامت کے دن منہ کے بل گھسیٹ کر جمع کریں گے حال یہ کہ وہ اندھے گونگے، بہرے ہوں گے ان کا ٹھکانہ جہنم ہوگا اور جب وہ بجھنے لگے گی تو ہم اس کو مزید بھڑکا دیں گے وہ مزید شعلہ زن اور مشتعل ہونے لگے گی یہ ان کی اس بات کی سزا ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کا انکار کیا اور منکرین نے کہا، کیا جب ہم ہڈی رہ جائیں گے اور ریزہ ریزہ ہو جائیں گے تو کیا ہم کو نئے سرے سے پیدا کر کے اٹھایا جائیگا، کیا انہوں نے اس بات میں غور نہیں کیا کہ بلاشبہ وہ اللہ جس نے آسمانوں اور زمین کو ان کی عظمت کے باوجود پیدا کیا (وہ) اس پر قادر ہے کہ ان جیسے صغیر انسانوں کو پیدا کرے اسی نے ان کے لئے موت اور بعث کا ایک وقت مقرر کر دیا ہے جس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے، لیکن ظالم لوگ انکار کئے بغیر رہتے ہی نہیں ہیں، آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم میرے رب کی رحمت رزق اور بارش کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم خرچ ہو جانے کے اندیشہ سے اس میں بخیلی کرتے یعنی خرچ کرنے سے ختم ہونے کے خوف سے کہ پھر تم محتاج ہو جاؤ گے اور انسان ہے ہی تنگ دل۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قِوْلَہٗ: ای قولھم اس میں اشارہ ہے کہ أن مصدریہ ہے، یعنی ان کے لئے قرآن اور آپ ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں کوئی شبہ اور کوئی رکاوٹ باقی نہیں رہی سوائے منکرین بعث کے جو مومنین سے یہ کہتے ہیں کہ کیا اللہ کو رسول بنا کر بھیجنے کے لئے انسان ہی رہ گیا تھا۔

قِوْلَہٗ: مطمئنین اسم فاعل جمع مذکر منصوب، وطن بنانے والے، قیام کرنے والے۔

قِوْلَہٗ: لَوْ انتم.

سَیُوَالْ: لَوْ شرطیہ ہمیشہ فعل پر داخل ہوتا ہے مگر یہاں اسم پر داخل ہے۔

جَوَابِّ: انتم سے پہلے فعل محذوف ہے اور مابعد کا فعل اس کی تفسیر کر رہا ہے تقدیر عبارت یہ ہے لَوْ تملکون انتم تملکون خزائن رحمة ربی، انتم، تملکون کے اندر ضمیر فاعل کی تاکید ہے یہ ما اضمر عاملہ کے قبیل سے ہے۔

تفسیر وتشریح

مَا مَنَعَ النَّاسَ الخ، عام مشرکین کا خیال تھا کہ اللہ کا رسول بشر نہیں ہوسکتا، کیونکہ وہ تو ہماری طرح ضروریات انسانی کا عادی ہوتا ہے پھر اس کو ہم پر کیا فوقیت حاصل ہوگی کہ ہم اسے اللہ کا رسول سمجھیں اور اپنا مقتدا بنالیں آج کل کے اہل بدعت کا آپ ﷺ کی بشریت سے انکار کرنے میں بھی یہی جذبہ کارفرما ہے یعنی جس طرح مشرکین رسالت اور بشریت میں منافات سمجھتے تھے اسی طرح یہ لوگ بھی بشریت اور رسالت میں تضاد وتنافی سمجھتے ہیں فرق صرف یہ ہے کہ مشرکین آپ کی بشریت کے قائل ہونے کی وجہ سے رسالت کی نفی کرتے اور آج کل کے اہل زیغ وضلال آپ کی رسالت کے قائل ہونے کی وجہ سے آپ کی بشریت کی نفی کرتے ہیں۔

مشرکین مکہ کے سوال کا جواب قرآن نے یہ دیا ہے کہ اللہ کا رسول جن لوگوں کی جانب بھیجا جائے وہ ان ہی کی جنس سے ہونا ضروری ہے اگر مبعوث الیہم انسان ہیں تو مبعوث کا بھی انسان ہونا ضروری ہے اسلئے کہ غیر جنس سے باہم مناسبت نہیں ہوتی اور بلا مناسبت کے رشد وہدایت کا فائدہ نہیں ہوتا اگر انسانوں کی طرف کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیج دیا جائے جو نہ بھوک کو جانتا ہے نہ پیاس کو نہ جنسی خواہشات کو اور نہ سردی گرمی کے احساس کو اور نہ اس کو کبھی محنت اور تکان لاحق ہوتی ہے، تو وہ انسانوں سے بھی ایسے عمل کی توقع رکھتا انسانوں کی کمزوری ومجبوری کا احساس نہ کرتا اسی طرح انسان جب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ تو فرشتہ ہے ہم ان کے کاموں کے نقل کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے تو ان کی اتباع کیسے کریں گے رشد وہدایت کا فائدہ اور اصلاح صرف اسی صورت میں ہوسکتی ہے کہ اللہ کا رسول جنس بشر سے ہو جو تمام انسانی جذبات اور خواہشات کا حامل ہو، مگر ساتھ ہی اس کو ایک شان ملکیت بھی حاصل ہو تا کہ عام انسانوں اور فرشتوں کے درمیان واسطہ اور رابطہ کا کام کر سکے وحی لانے والے فرشتوں سے وحی حاصل کرے اور اپنے ہم جنس انسانوں کو پہنچا دے۔

قل لو انتم تملکون خزائن رحمة ربی (الآیة) اس آخری آیت میں جو یہ ارشاد ہوا ہے کہ اگر تم لوگ اللہ کی رحمت کے خزانوں کے مالک ہو جاؤ تو تم بخل کرو گے، کسی کو نہ دو گے اس خطرہ سے کہ اگر لوگوں کو دیتے رہے تو یہ خزانہ ختم ہو جائیگا اگرچہ رحمت حق کا خزانہ ختم ہونے والا نہیں، مگر انسان اپنی طبیعت سے تنگ دل اور کم حوصلہ واقع ہوا ہے اس کو فراخی کے ساتھ لوگوں کو دینے کا حوصلہ نہیں ہوتا، اس میں خزائن رحمت ربی سے عام مفسرین نے مال اور دولت کے خزانے مراد لئے ہیں اور اس کا ربط ماسبق سے یہ ہے کہ کفار مکہ نے اس کی فرمائش کی تھی کہ اگر آپ واقعی نبی ہیں تو آپ مکہ کے اس خشک ریگستان میں نہریں جاری کر کے اس کو سرسبز باغات میں تبدیل کر دیں جیسا کہ ملک شام کا خطہ ہے جس کا جواب پہلے آچکا ہے کہ تم نے تو مجھے گویا خدا ہی سمجھ لیا، کہ خدائی اختیارات کا مجھ سے مطالبہ کر رہے ہو میں تو صرف ایک رسول ہوں خدا نہیں کہ جو چاہوں کر دوں۔

حضرت حکیم الامت تھانوی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے بیان القرآن میں اس جگہ رحمت رب سے مراد نبوت ورسالت اور حزائن سے مراد کمالات نبوت لئے ہیں اس تفسیر کے مطابق اس کا ربط آیات سابقہ سے یہ ہوگا کہ تم نبوت ورسالت کے لئے بے سروپا اور بیہودہ مطالبات کررہے ہو اس کا حاصل یہ ہے کہ میری نبوت کو ماننا نہیں چاہتے تو کیا پھر تمہاری خواہش یہ ہے کہ نبوت کا نظام تمہارے ہاتھوں میں دیدیا جائے جس کو تم چاہو نبی بنالو، اگر ایسا کرلیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کسی کو بھی نبوت ورسالت نہ دو گے بخل کرکے بیٹھ جاؤ گے۔ (معارف)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ واضحاتٍ وہی الیدُ والعصا والجرادُ والقُمّلُ والضفدعُ والدمُ والطمسُ والسّنین ونقصٌ من الثمراتِ **فَسْـَٔلْ** یا محمدُ **بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ** عنه سوالَ تقریرٍ للمشرکین علی صدقِك او فقلنا له اِسأل وفی قراءةٍ بلفظِ الماضی **اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا** مخدوعًا مغلوبًا علی عقلِك **قَالَ لَقَدْ عَلِمْتَ مَآ اَنْزَلَ هٰٓؤُلَآءِ** الاٰیاتِ **اِلَّا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ بَصَآئِرَ** عِبرًا ولکنّك تعاندُ وفی قراءةٍ بضمّ التاءِ **وَاِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰفِرْعَوْنُ مَثْبُوْرًا** ہالکًا اومصروفًا عن الخیر **فَاَرَادَ** فرعونُ **اَنْ يَّسْتَفِزَّهُمْ** یُخرجَ موسی وقومَه **مِّنَ الْاَرْضِ** ارضِ مصرَ **فَاَغْرَقْنٰهُ وَمَنْ مَّعَهٗ جَمِيْعًا وَّقُلْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ لِبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اسْكُنُوا الْاَرْضَ فَاِذَا جَآءَ وَعْدُ الْاٰخِرَةِ** ای الساعةِ **جِئْنَا بِكُمْ لَفِيْفًا** جمیعًا اَنتُم وہُم **وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ** ای القراٰنَ **وَبِالْحَقِّ** المشتمل علیه **نَزَلَ** کما اُنزِلَ لم یَعتَرِہ تبدیلٌ **وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ** یا محمدُ **اِلَّا مُبَشِّرًا** مَنْ اٰمَنَ بالجنةِ **وَّنَذِيْرًا** مَنْ کفرَ بالنار **وَقُرْاٰنًا** منصوب بفعلٍ یُفسّرُه **فَرَقْنٰهُ** نزّلناہُ مُفرّقًا فی عِشرینَ سنةً او وثلاثٍ **لِتَقْرَاَهٗ عَلَى النَّاسِ عَلٰى مُكْثٍ** مَہلٍ وتؤدةٍ لیفہموہ **وَّنَزَّلْنٰهُ تَنْزِيْلًا** شیئًا بعدَ شیءٍ علی حَسَبِ المصالحِ **قُلْ** لِکفّارِ مکةَ **اٰمِنُوْا بِهٖٓ اَوْ لَا تُؤْمِنُوْا** تہدیدٌ لہم **اِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مِنْ قَبْلِهٖٓ** قبلَ نزولِه وہُم مؤمنوا اہلِ الکتابِ **اِذَا يُتْلٰى عَلَيْهِمْ يَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ سُجَّدًا وَّيَقُوْلُوْنَ سُبْحٰنَ رَبِّنَآ** تنزیہًا له عن خلفِ الوعدِ **اِنْ** مخففة **كَانَ وَعْدُ رَبِّنَا** بنزولِه وبعثِ النبیِّ **لَمَفْعُوْلًا وَيَخِرُّوْنَ لِلْاَذْقَانِ يَبْكُوْنَ** عطفٌ بزیادةِ صفةٍ **وَيَزِيْدُهُمْ** القراٰنُ **خُشُوْعًا** تواضعًا لِلّٰه وکان صلی اللّٰه علیه وسلم یقولُ یا اللّٰهُ یا رحمٰنُ فقالُوا اِنّه یَنہانا اَنْ نَعْبُدَ الٰہین وہو یدعوا الٰہًا اٰخرَ معه فنزَلَ **قُلِ** لہم **ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ** ای سَمُّوہُ بأیّہما او نادُوہ بأن تقولُوا یا اللّٰه یا رحمٰنُ **اَيًّا** شرطیة **مَّا** زائدةٌ ای اَیَّ شیءٍ مِن ہذین **تَدْعُوْا** فہو حسنٌ دلَّ علی ہذا **فَلَهُ** ای لمُسمّاہُما **الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى** وہذانِ منہا فانّہا کما فی الحدیثِ اللّٰهُ الذی لا اِلٰهَ اِلّا ہُوَ الرّحمٰنُ الرّحیمُ الملِكُ القدّوسُ السّلامُ المؤمنُ المُہیمنُ العزیزُ الجبّارُ المتکبّرُ الخالقُ البارئُ المصوّرُ الغفّارُ القہّارُ الوہّابُ الرزّاقُ الفتّاحُ العلیمُ القابضُ الباسطُ الخافضُ الرّافعُ المعزُّ المذلُّ السّمیعُ البصیرُ الحکمُ العدلُ

اللطيفُ الخبيرُ الحليمُ العظيمُ الغفورُ الشكورُ العليُّ الكبيرُ الحفيظُ المقيتُ الحسيبُ الجليلُ الكريمُ الرقيبُ المجيبُ الواسعُ الحكيمُ الودودُ المجيدُ الباعثُ الشهيدُ الحقُّ الوكيلُ القويُّ المتينُ الوليُّ الحميدُ المحصي المبدئُ المعيدُ المحيي المميتُ الحيُّ القيُّومُ الواجدُ الماجدُ الواحدُ الاحدُ الصمدُ القادرُ المقتدرُ المقدمُ المؤخرُ الاولُ الآخرُ الظاهرُ الباطنُ الوالي المتعالِ البرُّ التوابُ المنتقمُ العفوُّ الرؤفُ مالكُ الملكِ ذو الجلالِ والاكرامِ المقسطُ الجامعُ الغنيُّ المغني المانعُ الضارُّ النافعُ النورُ الهادي البديعُ الباقي الوارثُ الرشيدُ الصبورُ (رواه الترمذي) قال تعالى ﴿وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ﴾ بقراءتك فيها فيسمعك المشركون فيسبُّوك ويسبُّوا القران ومن انزله ﴿وَلَا تُخَافِتْ﴾ تُسِرَّ ﴿بِهَا﴾ ليتنفع اصحابك ﴿وَابْتَغِ﴾ اقصد ﴿بَيْنَ ذٰلِكَ﴾ الجهر والمخافتة ﴿سَبِيلًا﴾ طريقًا وسطًا ﴿وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ يَكُنْ لَّهٗ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ﴾ الالوهية ﴿وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلِيٌّ﴾ ينصره ﴿مِّنَ﴾ اجل ﴿الذُّلِّ﴾ اي لم يذل فيحتاج الى ناصر ﴿وَكَبِّرْهُ تَكْبِيرًا﴾ عظّمه عظمة تامة عن اتخاذ الولد والشريك والذل وكل ما لا يليق به وترتيب الحمد على ذلك للدلالة على انه المستحق لجميع المحامد لكمال ذاته وتفرده في صفاته روى الامام احمد في مسنده عن معاذ الجهني عنه صلى الله عليه وسلم انه كان يقول آية العز، الحمد لله الذي لم يتخذ ولدًا الى آخر السورة. (واللّٰهُ أَعْلَمُ).

قال مؤلفه هذا آخرُ ما كمّلتُ به تفسير القران العظيم الذي الّفه الامام العلامة المحقق جلال الدين المحلي الشافعي رضي الله عنه وقد افرغتُ فيه جهدي وبذلتُ فيه فكري في نفائس اراها ان شاء الله تُجدي وَالّفته في مدة قدر ميعاد الكليم وجعلته وسيلة للفوز بجنات النعيم وهو في الحقيقة مستفادٌ من الكتاب المكمّل وعليه في الآي المتشابهة الاعتماد والمعول فرحم الله امرأ نظر بعين الانصاف اليه ووقف فيه على خطأ فاطلعني عليه وقد قلتُ شعرًا.

حمدتُ اللّٰهَ ربّي إذ هداني	لما ابديتُ مع عجزي وضعفي
فمن لي بالخطا فأردَّ عنه	ومن لي بالقبولِ ولو بحرف

هذا ولم يكن قطُّ في خلدي ان اتعرض لذلك لعلمي بالعجز عن الخوض في هذه المسالك وعسى الله ان ينفع به نفعًا جمًّا ويفتح به قلوبًا غلفًا واعينًا عميًا واذانًا صمًّا وكأني بمن اعتاد بالمطوّلات وقد اضرب عن هذه التكملة واصلها حسمًا وعدل الى صريح العناد ولم يوجّه الى دقائقهما فهمًا ومن كان في هذه أعمى فهو في الآخرة اعمى رزقنا الله به هداية الى سبيل الحق وتوفيقًا واطلاعًا

علی دقائقِ کلماتِہ وتحقیقًا وجَعَلَنا بہ مع الذِیْنَ انعمَ اللّٰہُ علیہم من النبیینَ والصدِّیقینَ والشہداءِ والصالحینَ وحسنُ اولئِکَ رفیقًا والحمدُ للّٰہِ وحدَہٗ وصلی اللّٰہ علی سیدنا محمدٍ والِہ وصحبہ وسلم تسلیمًا کثیرًا وحسبُنَا اللّٰہُ ونِعْمَ الوکیلُ قَالَ مُؤلِّفہٗ عَامَلَہ اللّٰہُ بلُطفِہ فرغتُ من تالیفہ یومَ الاحد عاشرَ شہرِ شوال سنۃَ سبعینَ وثمان مائۃٍ وکان الابتداءُ فیہ یومَ الاربعاءِ مستہلَّ رمضانَ من السنۃ المذکورۃ وفرغ من تبییضہ یوم الاربعاءِ سادس صفر سنۃ احدٰی وسبعینَ وثمان مائۃ.

ترجمہ: اور موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے نو معجزے بالکل واضح عطا کئے تھے اور وہ یہ ہیں ① ید بیضاء، ② عصاء، ③ طوفان، ④ ٹڈیاں، ⑤ جوئیں، ⑥ مینڈک، ⑦ خون، ⑧ ہلاکت اموال، ⑨ خشک سالی اور پھلوں کی کمی (اے محمد) تم خود موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں بنی اسرائیل سے پوچھ لو یہ سوال آپ کی صداقت کا مشرکین سے اقرار کرانے کے طور پر ہے یا ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ فرعون سے بنی اسرائیل کی رہائی کا سوال کرو اور ایک قراءت میں (سَئَلَ) ماضی کے صیغہ کے ساتھ ہے، (یعنی سوال کیا) جب وہ ان کے پاس آئے تو فرعون نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اے موسیٰ میں تو تم کو سحر زدہ (یعنی) مغلوب العقل سمجھتا ہوں موسیٰ علیہ السلام نے کہا (اے فرعون) تو خوب سمجھ رہا ہے کہ بصیرت افروز نشانیاں آسمانوں اور زمین کے مالک ہی نے نازل فرمائی ہیں لیکن تو عناد پر اتر آیا ہے اور ایک قراءت میں تاء کے ضمہ کے ساتھ ہے، اے فرعون میں تو خوب سمجھ رہا ہوں کہ تو یقیناً ہلاک کیا جائیگا یا ہر خیر سے محروم کر دیا جائیگا، آخر فرعون نے ارادہ کر لیا کہ موسیٰ اور اس کی قوم کو ملک مصر سے نکال باہر کرے تو ہم نے اس کو اور اس کے سب ساتھیوں کو غرق کر دیا، اس کے بعد ہم نے بنی اسرائیل سے کہہ دیا کہ تم اسی سرزمین میں رہو سہو، پھر جب آخرت یعنی قیامت کا وعدہ آئیگا تو ہم تم کو اور ان کو سب کو حاضر کریں گے اور ہم نے قرآن کو راستی کے ساتھ اتارا اور راستی ہی کے ساتھ وہ اترا جیسا کہ اتارا، یعنی حق پر مشتمل ہو کر، اس میں کسی قسم کا تغیر واقع نہیں ہوا، اور ہم نے آپ کو اے محمد ایمان لانے والوں کے لئے جنت کی خوشخبری سنانے والا اور کافروں کو آگ سے ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور ہم نے قرآن تھوڑا تھوڑا کر کے ۲۰ یا ۲۳ سال میں نازل کیا ہے تاکہ آپ لوگوں کو تھوڑا تھوڑا سنائیں یعنی ٹھہر ٹھہر کر اور وقفہ کے ساتھ تاکہ وہ اسے سمجھیں اور ہم نے اس کو بتدریج نازل کیا یعنی یکے بعد دیگرے مصلحت کے مطابق، آپ کفار مکہ سے کہہ دو تم اس کو مانو یا نہ مانو یہ ان کے لئے تہدید ہے، بلاشبہ وہ لوگ جن کو قرآن کے نزول سے پہلے علم عطا کیا گیا ہے اور اہل کتاب میں سے وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے جب ان کو (قرآن) پڑھ کر سنایا جاتا ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے یعنی وعدہ خلافی سے اس کے لئے پاکی ہے ہمارے رب کا یہ قرآن کے نزول اور نبی کی بعثت کا وعدہ بلاشبہ پورا ہو کر رہنے والا ہے اور وہ روتے ہوئے ٹھوڑیوں کے بل سجدہ میں گر پڑتے ہیں زیادتی صفت کے ساتھ (ماقبل میں) (یعنی) یخرون پر زیادتی صفت کے ساتھ عطف ہے، اور قرآن اللہ کے لئے ان کی عاجزی اور

خشوع وخضوع بڑھا دیتا ہے، اور اللہ کے رسول، یا اللہ یا رحمٰن کہا کرتے تھے، تو مشرکین مکہ نے کہا کہ ہم کو تو دو معبودوں کی بندگی سے منع کرتے ہیں اور خود اللہ کے ساتھ دوسرا معبود پکارتے ہیں، تو (آئندہ) آیت نازل ہوئی، آپ ان سے کہیے کہ اللہ کہہ کر پکارو یا رحمٰن کہہ کر پکارو یعنی اس کا دونوں میں سے جو بھی چاہو نام رکھو اس کو تم یا اللہ (یا) یا رحمٰن کہہ کر پکارو ان دونوں میں سے جس نام سے بھی پکارو تمام اچھے نام اسی مسمّٰی کے ہیں اَیًّا شرطیہ ہے، مَا زائدہ ہے یہ دونوں نام بھی ان ہی میں سے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور نہ تو اپنی نماز بہت بلند آواز سے پڑھ یعنی نماز میں اپنی قراءت، اس لئے کہ تیری قراءت کو مشرکین سنیں گے تو وہ تجھے اور قرآن کو برا بھلا کہیں گے، اور اس کو (بھی) جس نے اس کو نازل کیا ہے اور نہ (بہت) پست آواز سے پڑھ تاکہ تیرے ساتھی استفادہ کریں، بلند اور پست دونوں کے درمیان کا راستہ اختیار کر، اور کہہ کہ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو نہ اولاد رکھتا ہے اور نہ اس کی الوہیت میں کوئی شریک ہے اور نہ وہ کمزور ہے کہ جس کی وجہ سے اسے مددگار کی ضرورت ہو یعنی وہ کمزور نہیں ہے کہ اسے کسی مددگار کی حاجت ہو، اور تو اس کی پوری پوری بڑائی بیان کرتا رہ (یعنی) تو اس کی اولاد رکھنے سے اور شریک سے اور کمزوری سے اور ہر اس شئ سے جو اس کی شایانِ شان نہیں پوری پوری عظمت بیان کر، اور (صفات عدمیہ پر) حمد کا مرتب کرنا اس دلالت کی وجہ سے ہے کہ وہ تمام محامد کا اپنے کمال ذات، اور صفات میں منفرد ہونے کی وجہ سے مستحق ہے۔

امام احمد نے اپنی مسند میں معاذ جہنی رَضِحَاللہُ تَعَالیٰ عَنْہُ کی سند سے آنحضرت ﷺ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آیت عزت الحمد للّٰہ الّذی لم یتخذ وَلَدًا آخر سورت تک ہے۔ (واللہ اعلم)۔

اس کے مؤلف نے فرمایا ''یہ آخری جز ہے جس پر قرآن عظیم کی وہ تفسیر مکمل ہوگئی جس کو امام علامہ محقق جلال الدین المحلی شافعی رَحِمَہُ اللہُ تَعَالیٰ نے تالیف فرمایا، اور میں نے اس میں اپنی پوری طاقت لگادی اور میں نے اس کی نکتہ چینی میں اپنی پوری ذہنی توانائی صرف کردی اے مخاطب! میں سمجھتا ہوں کہ تو اس سے مستفید ہوگا، انشاء اللہ اور میں نے اس کو موسیٰ کلیم اللہ (کے قیام کی) مقدار یعنی ۴۰ دن میں تالیف کیا، اور میں نے اس کو جنت نعیم میں کامیابی کا ذریعہ بنایا، اور یہ حصہ (نصف اول) درحقیقت کتاب کے اس حصہ (نصف ثانی) سے مستفاد ہے جو مکمل ہوا ہے، اور آیات متشابہات کے بارے میں اسی (نصف ثانی) پر اعتماد اور بھروسہ کیا ہے، اللہ اس شخص پر رحم کرے کہ جو اس کی طرف انصاف کی نظر سے دیکھے، اور وہ اگر اس میں کسی غلطی پر واقف ہو تو مجھے اس سے مطلع کرے، اور میں نے یہ شعر کہا (بعض نسخوں میں لفظ شعر نہیں ہے)۔

تَرجَمہ: میں نے اپنے رب کی حمد بیان کی اس لئے کہ اس نے مجھے اس چیز کی توفیق بخشی جس کو میں نے اپنی عاجزی اور کمزوری کے باوجود شروع کیا۔ جو میری غلطی کو ظاہر کرے گا تو میں رجوع کروں گا (یعنی اصلاح کروں گا) اور جو مجھے اس کی قبولیت (عند اللہ) کی خوشخبری دے گا اگرچہ ایک حرف ہی کیوں نہ ہو (میں اس کا شکریہ ادا کروں گا)۔

(ھٰذا) ای خذھذا، اور یہ بات میرے دل میں ہرگز نہیں تھی کہ میں اس کام کو شروع کروں گا ان راہوں میں غور وخوض کرنے

سے عجز سے واقف ہونے کی وجہ سے، اللہ کی ذات سے امید ہے کہ وہ اس کے ذریعہ نفع کثیر عطا فرمائیگا، اور وہ اس کے ذریعہ بند دلوں کو اور اندھی آنکھوں کو اور بہرے کانوں کو کھول دے گا، گویا کہ میں اس شخص کے مانند ہوں جس کو مطولات (بڑی بڑی کتابوں کے مطالعہ) کی عادت ہو اور حال یہ ہے کہ اس کے تکملہ اور اس کی اصل (یعنی مکمَّل اور مکمِّل) سے اعراض کیا ہو، اور صریح عناد کی طرف اعراض کیا ہو اور سمجھنے کے لئے ان دونوں کی طرف متوجہ نہ ہوا ہو، تو جو اس سے اندھا رہا تو وہ دوسرے سے بھی اندھا رہے گا اللہ نے ہمیں اس (قرآن) کے ذریعہ راہ حق کی توفیق بخشی اور اس (قرآن) کے کلمات کی باریکیوں سے واقف ہونے کی اور تحقیق کرنے کی توفیق عطا کی، (اور اللہ سے دعاء ہے) کہ ہمیں اس کی بدولت ان لوگوں کے ساتھ رکھے جن پر اللہ نے انعام فرمایا اور وہ انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صالحین ہیں، اور یہ حضرات رفیق ہونے کے اعتبار سے بہترین رفیق ہیں، اور سب تعریفیں اللہ وحدہ لاشریک لہٗ کے لئے ہیں، اور ہمارے سردار محمد ﷺ پر اللہ کی جانب سے بے شمار درود وسلام ہو، اور اللہ ہمارے لئے کافی بہترین کارساز ہے، مولف رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالیٰ نے، اللہ ان کے ساتھ لطف وکرم کا معاملہ کرے، کہا میں اس کی تالیف سے ماہ شوال ۸۷۰ھ بروز اتوار فارغ ہوا اور (تالیف کی) ابتداء شروع رمضان بروز چہارشنبہ مذکورہ سال میں ہوئی اور اس کی تبییض سے فراغت ۶ صفر بروز چہارشنبہ ۸۷۱ھ کو ہوئی۔

تحقیق وترکیب وتسہیل وتفسیری فوائد

قَوْلُہٗ: تقریر، یہ اضافہ اس سوال کا جواب ہے کہ آپ ﷺ کو تو معلوم تھا پھر سوال کرنے کا کیا فائدہ؟

جَوَابُ: یہ سوال استفہام نہیں ہے بلکہ سوال تقریر ہے۔

قَوْلُہٗ: قبل نزولہ، نزول مضاف محذوف مان کر مفسر علام نے اشارہ کردیا کہ قبل القرآن کا مطلب ہے قبل نزول القرآن اور یہ ممکن نہیں اسلئے کہ قرآن قدیم ہے لہٰذا اس سے قبل علم دینے کا کوئی مطلب نہیں ہے۔

قَوْلُہٗ: عطف بزیادۃ یہ اس سوال کا جواب ہے کہ یَخِرّون للاذقان کا عطف سابق یَخِرُّونَ للاذقان پر ہے جس کی وجہ سے معطوف اور معطوف علیہ متحد ہیں حالانکہ ان دونوں میں مغایرت ضروری ہے۔

جَوَابُ: معطوف میں یبکون صفت کا اضافہ ہے جس کی وجہ سے اتحاد باقی نہیں رہا۔

قَوْلُہٗ: ای شیٔ اس میں اشارہ ہے کہ ایًّا، میں تنوین مضاف الیہ کے عوض میں ہے نہ کہ ندا کے معنی میں۔

قَوْلُہٗ: فھو حسنٌ اس میں اشارہ ہے کہ ایًّاما، شرط کی جزاء محذوف ہے اور دال برحذف فَلَہُ الأسماء الحسنی ہے۔ جزاء کو حذف کرکے دال برجزاء کو اس کے قائم مقام کردیا ہے۔

قَوْلُہٗ: لمُسَمّاھما اس میں اشارہ ہے کہ فلہ کی ضمیر مسمّٰی محذوف کی طرف راجع ہے نہ کہ اسم کی طرف ورنہ تو اسم کے لئے اسم کا ہونا لازم آئے گا۔

قَوْلُہٗ: ترتیب الحمد علی ذلك للدلالۃ علی انّه المستحق الخ یہ عبارت ایک سوال مقدر کا جواب ہے۔

سَوَال: یہ ہے کہ حمد کہتے ہیں کسی کے اچھے اختیاری فعل کی تعریف کرنے کو (الحمد ھو الثناء علی الجمیل الاختیاری) مذکورہ آیت "قل الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ ولدًا ولم یکن له شریك فی الملك، ولم یکن له ولی من الذلّ" اس آیت میں تین اوصاف مذکور ہیں اور تینوں سلبی ہیں نہ کہ ایجابی حالانکہ حمد وصف ایجابی پر ہوتی ہے نہ کہ سلبی پر اس لئے کہ سلبی پر تنزیہہ ہوتی ہے۔

جَوَاب: لکمال ذاتہ سے اس اعتراض کا جواب ہے کہ مذکورہ تینوں سلبی صفات اس امکان کی نفی کرتی ہیں جو احتیاج کا مقتضی ہو اور واجب الوجود لذاتہ پر دلالت کرتی ہیں، یعنی سب اسکے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں لہٰذا وہی حمد کا مستحق ہے (جمل) جواب کا حاصل یہ ہے کہ جس طرح صفات کی وجہ سے مستحق حمد ہوتا ہے اسی طرح ذات کی وجہ سے بھی مستحق حمد ہوتا ہے اور تمثیل کے طریقہ پر جواب یہ ہے کہ مذکورہ تینوں سلبی صفات میں نعمت یہ ہے کہ بادشاہ کے جب بیوی بچے ہوں تو غلاموں پر بیوی بچوں سے بچا ہوا خرچ کرتا ہے اور جب اس کے بیوی بچے نہ ہوں تو بادشاہ تمام احسانات اور انعامات کو غلاموں پر خرچ کرتا ہے اس طرح ولد کی نفی غلاموں پر زیادتی انعام کی مقتضی ہوتی ہے اور نفی شریک میں نعمت یہ ہے کہ شریک ہونے کی بہ نسبت شریک نہ ہونے کی صورت میں بادشاہ انعام عطا کرنے پر مزاحم نہ ہونے کی وجہ سے زیادہ قادر ہوتا ہے اور نفی نصیر کی صورت میں نعمت یہ ہوتی ہے کہ نصیر کی نفی قوت اور استغناء پر دلالت کرتی ہے اور یہ دونوں زیادہ انعام پر قادر ہونے پر دلالت کرتی ہیں، اس طریقہ سے مذکورہ تینوں سلبی صفات ایجابی بن جاتی ہیں لہٰذا ان پر حمد بیان کرنا درست ہے۔

قَوْلُہٗ: آیت العز یعنی الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ ولدًا (الآیۃ) یعنی رسول اللہ ﷺ نے اس آیت کو آیت عزت فرمایا ہے کہ جو شخص اس آیت کو پابندی سے روزانہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے عزو شرف سے نوازیں گے، پڑھنے کا طریقہ مندرجہ ذیل ہے کہ اول تو کلّت علی الحیّ الّذی لا یموت پڑھے اس کے بعد ۳۵ مرتبہ روزانہ قل الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ ولدًا ولم یکن له شریك فی الملك ولم یکن له ولی من الذل و کبرہ تکبیرًا پابندی سے پڑھے۔

(حاشیہ جلالین، صاوی)

قَوْلُہٗ: قد افرغت فیه جهدی ای فی ما کمّلتُ به، یعنی فیه کی ضمیر ما کمّلتُ کی طرف راجع ہے اسی طرح رزقنا اللّٰہ به تک تمام ضمیریں ما کمّلتُ کی طرف راجع ہیں۔

قَوْلُہٗ: فی نفائسَ یہ فیه سے بدل ہے یا پھر فی نفائس میں فی بمعنی مع ہے ای مع نفائس، اور نفائس سے دقائق وحقائق اور نکات نفیسہ پسندیدہ مراد ہیں۔

قَوْلُہٗ: اُراھا، ہمزہ پر فتحہ اور ضمہ دونوں جائز ہیں، بمعنی اَعلَمُ واظنُّ، تجدی، اُری کا مفعول ثانی ہے اور ھا مفعول اول ہے ای اُراھا تجدی ان شاء اللّٰہ جدوھا، یعنی اے مخاطب میں سمجھتا ہوں کہ یہ نکات تجھ کو نفع پہنچائیں گے اگر اللہ

چاہے گا کہ یہ تجھے نفع پہنچائیں، تجدی بمعنی تنفع.

قولہ: وَالْفَتُهُ فی مدّة قدر میعاد الکلیم یعنی موسیٰ علیہ السلام جتنے روز کوہ طور پر مقیم رہے اور وہ چالیس دن کی مدت ہے، تالیف کی ابتداء یکم رمضان سے ہوئی اور دس شوال پر تکمیل ہوگئی، اور اس مدت کا اظہار مفسر علام سیوطی نے تحدیث نعمت کے طور پر فرمایا، اسلئے کہ عام طور پر اتنی قلیل مدت میں اتنا بڑا کام خلاف عادت ہے جبکہ اس وقت علامہ سیوطی کی عمر ۲۲ سال سے بھی کم تھی (کما ذکرہ الکرخی) یعنی وہ حصہ جو علامہ سیوطی نے تالیف کیا۔

قولہ: وهو مستفاد من الکتاب المکمَّل علامہ سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ کسر نفسی کے طور پر فرمایا۔

قولہ: علیه یعنی علامہ محلی کا تالیف کردہ۔

قولہ: اذهدانی، اذ تعلیلیه ہے ای لِاَجل هدایته لِلذی اَبْدَیْتُهُ وَاظهرتُهُ، اور وہ تکملہ مذکورہ ہے۔

قولہ: فمن لی بالخطاء ای من اَظهر لی الخطاء یعنی جو میری غلطی کو اجاگر کرے گا میں اس غلطی سے رجوع کرلوں گا یعنی اس کی اصلاح کروں گا۔

قولہ: اَضْرَبَ، حسمًا، ای اَعرضَ اعراضًا.

قولہ: من کان فی هذه، فی بمعنی عن ہے ای من کان عن هذه اعمٰی یعنی جو جلالین کے سابقہ اور لاحقہ دونوں حصوں سے بے بہرہ اور ناواقف ہوگا وہ دوسری کتابوں سے بھی بے بہرہ اور ناواقف رہے گا فهو فی الآخرة اعمٰی، یہاں بھی فی بمعنی عن ہے اور آخرۃ سے مراد مطولات ہیں مطلب یہ ہے کہ جو شخص اس مختصر سے ناواقف اور بے بہرہ رہے گا وہ مطولات سے بھی محروم رہے گا۔

قولہ: رزقنا اللّٰہ به ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے اس کے بعد کی ضمیریں بھی قرآن کی طرف راجع ہیں، مگر زیادہ مناسب سیاق کلام کے مطابق یہ ہے کہ یہ ضمیر اور بعد کی ضمیریں لما کمل به یعنی حصہ لاحقہ کی طرف راجع ہوں۔

قولہ: فرغتُ من تالیفه الخ علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نصف اول کی تسوید سے ۱۰ شوال بروز یکشنبہ ۸۷۰ھ میں فارغ ہوا، اور تالیف کی ابتداء یکم رمضان ۸۷۰ھ میں ہوئی، اور اس تبییض سے فراغت ۶ صفر بروز چہارشنبہ ۸۷۱ھ کو ہوئی۔

تفسیر وتشریح

وَلَقَدْ اتینا موسیٰ تسع آیات، ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو نو معجزے عطا کئے وہ یہ ہیں، ہاتھ، لاٹھی، قحط سالی، نقص ثمرات، طوفان، ٹڈی، قمل (جوں) ضفادع (مینڈک) خون، حسن بصری فرماتے ہیں خشک سالی اور نقص ثمرات ایک ہی چیز ہے اور نواں معجزہ عصا کا جادوگروں کی لاٹھیوں اور رسیوں کو نگل جانا ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے علاوہ اور بھی معجزے دیئے گئے تھے مثلاً پتھر پر لاٹھی مارنے سے پتھر سے بارہ چشموں کا بہ نکلنا، لاٹھی مارنے سے دریا کا دولخت ہوجانا، بادلوں کا سایہ فگن

ہونا، من وسلویٰ کا ظاہر ہونا لیکن آیات تسع سے صرف وہی نو معجزے مراد ہیں جن کا مشاہدہ فرعون اور اس کی قوم نے کیا، اسی طرح حضرت ابن عباس نے انفلاق بحر (دریا پھٹنے کو) بھی نو معجزوں میں شمار کیا ہے اور قحط سالی ونقص ثمرات کو ایک معجزہ شمار کیا ہے، ترمذی میں آیات تسعہ کی تفصیل اس سے مختلف بیان کی گئی ہے مگر وہ روایت ضعیف ہے۔

وقلنا من بعده لبنی اسرائیل اسکنوا الارض، بظاہر اس سرزمین سے مراد مصر ہے جس سے فرعون نے موسیٰ علیہ الصلاۃ والسلام اور ان کی قوم کو نکالنے کا ارادہ کیا تھا، مگر تاریخ بنی اسرائیل کی شہادت یہ ہے کہ وہ مصر سے نکلنے کے بعد دوبارہ مصر نہیں گئے، بلکہ چالیس سال میدان تیہ میں گذار کر فلسطین میں داخل ہوئے، اس کی شہادت سورۂ اعراف وغیرہ میں قرآن کے بیان سے بھی ملتی ہے اسلئے صحیح یہی ہے کہ اس سے مراد فلسطین کی سرزمین ہے، سورۂ بنی اسرائیل کی شروع آیات میں حق تعالیٰ کی تنزیہ اور توحید کا بیان تھا، ان آخری آیات میں بھی توحید وتنزیہ کا بیان ہے۔

شان نزول:

ان آیات کے شان نزول میں چند واقعات ہیں۔

پہلا واقعہ:

آپ ﷺ نے ایک روز دعاء میں یا اللہ یا رحمٰن کہہ کر پکارا تو مشرکین نے سمجھا کہ یہ دو خداؤں کو پکارتے ہیں، اور کہنے لگے کہ ہمیں تو ایک کے سوا کسی اور کو پکارنے سے منع کرتے ہیں اور خود دو معبود پکارتے ہیں، اس کا جواب آیت کے پہلے حصہ میں دیا گیا ہے کہ اللہ جل شانہ کے دو ہی نام نہیں اور بہت سے اچھے نام ہیں کسی نام سے بھی پکاریں مراد ایک ہی ذات ہوتی ہے۔

دوسرا واقعہ:

جب مکہ مکرمہ میں نبی ﷺ نماز میں باواز بلند قراءت کرتے تو مشرکین تمسخر اور استہزاء کرتے اور قرآن اور جبرئیل امین اور خود حق تعالیٰ کی شان میں گستاخانہ باتیں کرتے تھے، اس کے جواب میں اسی آیت کا آخری حصہ نازل ہوا جس میں آپ کو جہر واخفاء میں میانہ روی اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

تیسرا واقعہ:

یہود ونصاریٰ اللہ تعالیٰ کے لئے اولاد قرار دیتے تھے اور عرب بتوں کو اللہ کا شریک سمجھتے تھے، اور صابی اور مجوسی کہا کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کے مخصوص مقرب بندے نہ ہوں تو اس کی قدر ومنزلت میں کمی آجائے، ان تینوں فرقوں کے جواب میں آخری آیت نازل ہوئی جس میں تینوں کی نفی کردی گئی ہے۔

آخری آیت قل الحمد للّٰہ الخ، کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ یہ آیتِ عزت ہے تفصیل، تحقیق وترکیب کے زیرعنوان گذر چکی ہے اس آیت میں یہ ہدایت بھی ہے کہ کوئی انسان کتنی ہی اللہ کی عبادت اور تسبیح وتحمید کرے اپنے عمل کو اللہ کے حق کے مقابلہ میں کم سمجھنا اور قصور کا اعتراف کرنا اس کے لئے لازم ہے۔

حضرت انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ بنی عبدالمطلب میں جب کوئی بچہ بولنے کے قابل ہو جاتا تھا تو آپ ﷺ اس کو یہ آیت سکھا دیتے تھے، قل الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ ولدًا ولم یکن لہ شریک فی الملک ولم یکن لہ وَلِیٌّ من الذل وکبرہ تکبیرًا. (مظہری)

نسخۂ شفاء:

حضرت ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں کہ ایک روز میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ باہر نکلا اس طرح کہ میرا ہاتھ آپ ﷺ کے ہاتھ میں تھا، آپ کا گذر ایک ایسے شخص پر ہوا کہ بہت شکستہ حال اور پریشان تھا، آپ نے دریافت فرمایا تمہارا یہ حال کیسے ہوگیا؟ اس شخص نے عرض کیا کہ بیماری اور تنگدستی نے یہ حال کر دیا، آپ نے فرمایا تمہیں چند کلمات بتلاتا ہوں وہ پڑھو گے تو تمہاری بیماری اور تنگدستی جاتی رہے گی وہ کلمات یہ ہیں، توکلتُ علی الحی الّذی لا یموت الحمد للّٰہ الذی لم یتخذ وَلَدًا (الآیۃ) اس کے کچھ عرصہ کے بعد پھر آپ اس طرف تشریف لے گئے تو اس کو اچھے حال میں پایا آپ نے خوشی کا اظہار فرمایا اس نے عرض کیا جب سے آپ نے مجھے یہ کلمات بتلائے ہیں میں پابندی سے ان کو پڑھتا ہوں۔

(ابو یعلی وابن سنی، مظہری، معارف)

عرض شارح:

جیسا کہ احقر مقدمہ میں عرض کر چکا ہے کہ جلالین کی تشریح کی ابتداء جلالین کے طرز تصنیف کے مطابق سورۂ کہف سے آخر تک نصف ثانی کی تشریح تین جلدوں میں مکمل ہوئی اس کے بعد نصف اول کی تشریح جس کی تیسری جلد سورۂ اسراء کے آخر تک ہے بتاریخ ۲۶ ربیع الثانی بروز شنبہ ۱۴۲۶ھ مطابق ۴، جون ۲۰۰۵ء کو پایۂ تکمیل کو پہنچی، وَلِلّٰہِ الحمد.

احقر محمد جمال سیفی بن شیخ سعدی

استاذ دارالعلوم دیوبند

۲۶ ربیع الثانی ۱۴۲۶ھ

